اشاراتِ فریدی

مقابیس المجالس

ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل و مستند مجموعہ

جمع و ترتیب

مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و ترجمہ

مولانا کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری

ا
بسم الله الرحمن الرحيم

ساڈا دوست دلیندا نور محمد خواجہ
ڈھولا یار چھپیندا نور محمد خواجہ

عرب وی تیڈی عجم وی تیڈی
سندھ پنجاب دا راجہ

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ

اشاراتِ فریدی

مقابیس المجالس

ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل و مستند مجموعہ

جمع و ترتیب

مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و ترجمہ

مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

محمد فیصل نے
تعریف پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی
قیمت ‎-/[illegible]‎ روپے

عرضِ ناشر

کتاب اشاراتِ فریدی جس کو مقابیس المجالس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے قطبِ وقت حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ کے مبارک ملفوظات کا مجموعہ ہے آپ کا تعلق سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ سے ہے آپ کا وصال ۱۹۰۱ھ میں ہوا مزارِ پُرانوار کوٹ مٹھن شریف ڈیرہ غازیخان میں ہے آپ کا سلسلہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی اور حضرت مولانا فخر الدین دہلوی کے ذریعے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی اور سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی سے جا ملتا ہے۔

ان ملفوظات کو حضرت مولانا رکن الدین نے آپکی حیات مبارک کے آخری ۱۰ سال میں پانچ جلدوں میں جمع فرمایا۔ مولانا رکن الدین علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور حضرت خواجہ غلام فرید کے مُرید و خلیفہ تھے۔ آپ تحصیل خانپور کے علاقہ سونک کے باشندہ تھے جو فرید آباد کے قریب ہے۔ آپکی ذات پرہار بھی اس لیے آپ ہارسونکی کہلاتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب کے وصال مبارک کے بعد پہلی تین جلدیں بزبانِ فارسی ۱۹۰۲ء میں آگرہ میں طبع ہوئیں اور چوتھی جلد ۱۹۴۲ء میں لاہور میں طبع ہوئی۔ پانچویں جلد ابھی تک غیر مطبوعہ تھی اس کے چند قلمی نسخے قدردان حضرات کے نجی کتب خانوں کی زینت ہیں۔

اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ حضرت قبلہ کپتان واحد بخش سیال چشتی دامت برکاتہم نے سالہا سال کی انتھک محنت سے تمام پانچ جلدوں کو مختلف مقامات سے حاصل کر کے ان کا ترجمہ فرمایا اور **بزمِ اتحاد المسلمین** کی مساعئ جمیلہ سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آج ہدیۂ ناظرین ہے۔

اس کتاب کے حصۂ اول میں احوال و مقامات خواجہ غلام فرید کے نام سے ایک تعارفی مقالہ بھی شامل کیا گیا ہے جسے کپتان واحد بخش صاحب موصوف نے مرتب فرمایا ہے یہ مقالہ کیا ہے۔ گوزے میں دریا بند ہے اس مقالہ میں حضرت قدس سرہ کے ان بلند مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جو آپ کی ولایت کی خصوصیات ہیں نیز سماع، وحدت الوجود، وحدت الشہود، زیارتِ قبور، عرس، فاتحہ، نذر نیاز جیسے اختلافی مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت عارفانہ انداز میں حل کر دیا ہے۔ یہ امر تو اظہر من الشمس ہے کہ حدیث مبارک "العلماء ورثۃ الانبیاء" کا حقیقی مظہر صوفیائے کرام ہیں جن کے مبارک وجود کی برکت سے شمع اسلام روشن ہے۔ اور قیامت تک روشن رہیگی۔ کتاب مقابیس المجالس بھی حضرت خواجہ صاحب کے انوار سے روشن ایک شمع ہے۔ جس کی روشنی میں طالبانِ راہِ حقیقت قرب و معرفتِ الٰہی کے عظیم الشان راستہ کو آسانی سے تلاش کر سکتے ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ تو اہلِ دل و اہلِ حال حضرات ہی کر سکتے ہیں جن کیلئے ایک ایک حرف درخشندہ ستارہ ہے۔ لیکن یہاں پر صرف چند خصوصیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اِس کتاب میں تمام متقدمین مشائخ چشت، اہل بہشت و دیگر مشائخ عظام کے علاوہ قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ، آپ کے مشائخ عظام اور خلفاء کے حالات و منقولات شرح و بسط کیساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت اقدس نے اپنی مجالس میں لوائح جامی کی جو شرح بیان فرمائی ہے اور دیگر کتب تصوف مثل عوارف المعارف، کشف المحجوب، فتوحات مکیہ، فصوص الحکم تحفہ مرسلہ، مرأۃ الاسرار، اقتباس الانوار وغیرہ کے جو نکات بیان فرمائے ہیں وہ کتاب ہذا میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ قرب و معرفت کے میدان میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے جو حقائق و معارف اور اسرار و رموز بیان فرمائے ہیں ان کیساتھ آپکے اشعار کے بلند باطنی مطالب بھی ضبطِ تحریر میں آگئے ہیں۔

اِس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے خلاف قادیانی سازش کی قلعی کھول دی گئی ہے اور ان کی جعلی خط و کتابت اور الحاقی عبارات کی خود قادیانی کتابوں اور فیصلہ مقدمہ بہاولپور کے ذریعے دھجیاں اڑا دی گئی ہیں۔ قادیانی کہتے ہیں کہ مقابیس کی تیسری جلد کو چھپا دیا گیا ہے یہ الزام بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اگرچہ یہ کتاب اب کمیاب ہے لیکن جہاں جہاں باقی جلدیں ملتی ہیں تیسری جلد بھی موجود ہے چنانچہ ہمارے اس اردو ترجمہ میں بھی تیسری جلد شامل ہے صرف ان جعلی خطوط اور عبارات کو محذوف کر دیا گیا ہے جو قادیانی سازش کے ذریعے کتاب میں شامل کر دی گئی تھیں کیونکہ یہ کتاب کا حصّہ نہیں ہے کھُلی جعلسازی ہے جس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں مفصل طور پر بہم پہنچا دیا گیا ہے۔

مقابیس المجالس کے ترجمہ اور تحقیق کے علاوہ حضرت قبلہ کپتان واحد بخش سیال صاحب نے تصوف کی نادر اور نایاب کتب مرأۃ الاسرار، اقتباس الانوار، مکتوبات قدسیہ، سرِّ دلبراں کے اردو تراجم بھی مکمل کر لیے ہیں جو چھپ چکے ہیں۔ آپ نے حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح تاریخی حالات اور کمالات پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مقامِ گنجشکرؒ ہے آپ کی ایک تصنیف "مشاہدۂ حق" بھی ہے جو سلوک الی اللہ اور مسلک اولیائے کرام کا نچوڑ ہے۔ اب آپ یورپ امریکہ اور افریقہ وغیرہ کے نومسلم حضرات اور غیر مسلم شائقینِ حقیقت کیلئے انگریزی زبان میں تصوف و طریقت کی کتابیں تیار کرنے میں مصروف ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرما دیں اور ہم سب کو دولتِ قرب و معرفت اور عبودیت سے نوازیں۔ (ناشر)

فہرست مضامین

مقابیس المجالس

جلد اوّل

مضامین	صفحات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

مقدمہ

مشائخ چشتیہ کی شدید نسبتِ عشقیہ رُوحِ اسلام ہے

یُوں تو تمام اَولیائے کرام کا مسلک جو عشق و محبتِ الٰہی پر مبنی ہے، اسلامی تعلیمات اور فطرتِ انسانی کے عین مُطابق ہے۔ لیکن مشائخ چشتیہ کی شدید نسبتِ عشقیہ قرآن حکیم اور حدیثِ نبوی ﷺ کے والہانہ جذب و عشق جوش و خروش، سوز و گداز، فدائیت اور جانبازی، خلوص و صداقت، ایثار و محبت کا بہترین نمونہ ہونے کی حیثیت سے بلا مُبالغہ روحِ اسلام اور جانِ اسلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلقِ خدا کے قلوب مسخر کرنے اور تھوڑے عرصے میں لوگوں کو خُدا رسیدہ کرنے میں مشائخ چشتیہ کو حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی۔ حق تعالیٰ قُرآنِ عظیم میں فرماتے ہیں: والذین امنوا اشد حبا للّٰہ ط (جو لوگ مومن ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبّت ہے)۔ یہی شدید محبّت حضرات خواجگانِ چشت کا خاصہ ہے۔ نیز فرمایا: واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق ط یقولون ربنا امنا فاکتبنا مع الشاھدین ط (اور جب وہ (مومنین) کلامِ الٰہی سنتے ہیں تو اُن کی آنکھوں میں آنسو اُبلنے لگتے ہیں اس وجہ سے کہ اُن کو عرفانِ حق حاصل ہے۔ اور عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو شاہدین (یعنی حسن و جمالِ الٰہی کے مشاہدہ کرنے والوں میں) لکھ دے)۔ سبحان اللہ! اس آیۂ پاک میں کس قدر شدید نسبتِ عشقیہ بیان کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس جذب و عشق اور نالہ و فریاد کے عوض اِس آیت میں جو انعام ملتا ہے اس کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ یعنی قُرب و معرفت اور مُشاہدۂ حُسن و جمال محبوبِ حقیقی۔ یہی وہ مقامات ہیں جو مشائخ چشتیہ کے بے پناہ درد و عشق کی غرض و غایت ہیں۔

اَب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت میں یہ سوز و گداز کہاں سے آیا ہے۔ اس سوز و گداز کی اصل حق تعالیٰ کا اعلان: "کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کی چاہت ہوئی کہ میرے حُسن و جمال کا مُشاہدہ کیا جائے اس لئے مَیں نے قلبِ انسان کو ایسا آئینہ بنا کر بھیجا کہ جس کے اندر میرے جمالِ لایزال کے قبُول کرنے کی صلاحیّت مَوجُود تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ تخلیقِ کائنات اور تخلیق حضرت انسان کی غرض و غایت ہی محبّت ہے، جو اسلامی تعلیمات کی روحِ رواں اور ایمان کی جان ہے۔ یہی شدید نسبتِ عشقیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگیوں کا خاصّہ تھی اور یہی چیز مشائخ چشتیہ کا محور ہے۔ جس طرح صحابہ کرام میں شعر وسُخن اور وجد و جذب کی کیفیات کا مظاہرہ ہوتا تھا عین اسی طرح مشائخ چشت کے قلوب میں وجد در قص کا غلبہ ہے۔ صحابہ کرام کو ایک ایک لاکھ تک اشعار یاد ہوتے تھے اور اپنی مجالسِ ذوق و شوق میں خوب اشعار سُنتے تھے، سناتے تھے اور گاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ چند لوگوں کے ساتھ سفر میں تھے۔ جب رات کے وقت ایک منزل پر قیام کیا تو ساری رات گاتے رہے صُبح جب آذان ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آج تو ہم نے گاتے گاتے سحر کر دی ہے۔ صحابہ کرام اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے گانے کا نام سُن کر یار لوگوں کو تعجب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ روحِ اسلام اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مسلکِ جذب و عشق سے بے بہرہ ہیں۔ اسی طرح حبشہ سے آنے والے مُسلمانوں کا مسجدِ نبوی میں والہانہ وجد و رقص، گانا بجانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس وجد و رقص کو دیکھ کر محظوظ ہونا، ہمارے علمارِ ظواہر کُتُبِ احادیث میں پڑھتے ہیں لیکن شرم کے مارے اس کا کسی سے ذکر نہیں کرتے اس وجہ سے کہ اُن کے نزدیک سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا یہ فعل نعُوذ باللہ معیوب تھا۔ یہ حضرات احادیث میں یہ بھی پڑھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا دف پر گانا سُنا اور صحابہ کرام کو بھی تاکید فرمائی کہ شادی و خوشی کے موقعہ پر گانے بجانے کا انتظام کیا کریں۔ لیکن پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے گانے بجانے کا نام سُن کر یہ حضرات کانپ جاتے ہیں کہ یہ کیا ہو گیا اور دل کی بات دل میں رکھ لیتے ہیں۔ نہ کسی کو بتلاتے ہیں، نہ خود اس پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ عشق و محبّت کے ان مظاہروں کو جو درحقیقت روحِ اسلام اور جانِ ایمان ہیں، یہ لوگ خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ بعض احادیث میں سماع اور گانے بجانے کو حرام کہا گیا ہے لیکن مُحدّثین کے نزدیک یہ احادیث ضعیف اور منکر ہیں اور متاخرین کی روایت کردہ ہیں، متقدّمین کی نہیں۔ تفصیلات

کے لئے ملاحظہ ہو باب سماع۔ چنانچہ بعض صُلحائے اُمّت نے کمال احتیاط کا پہلو اختیار کیا اور ضعیف اور ظنّی احادیث پر بھی اس خیال سے عمل کیا کہ ممکن ہے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو۔ حضرت ابو یزید بسطامیؒ نے تمام عمر خربوزہ نہ کھایا محض اس خیال سے کہ احادیث سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے کس طرح خربُوزہ کاٹ کر تناول فرمایا۔ ممکن ہے کسی اور طریقے سے کھانے کی وجہ سے سُنّت کی خلاف ورزی ہو جائے لیکن مشائخ چشت اہلِ بہشت کے فہمِ دین کے بارے میں اعتدال اور توازن کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ان احتیاطوں کو ترک کر دیا جس سے فائدہ کم اور نقصان عظیم ہو۔ لہٰذا اُنہوں نے جوازِ سماع کی احادیثِ صحیحہ کو بلا تامّل قبول کر لیا اور حُرمتِ سماع کے بارے میں جو ضعیف اور ظنّی احادیث تھیں ان کو بجا طور پر ترک کر کے روحِ اسلام کو اپنایا اور صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی طرح جذب وعشق، ذوق وشوق اور ایمان کے جوش و خروش کا مسلک اختیار کر کے ہدایتِ خلق میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ بلند پایہ محدثین مثلاً قاضی شُریحؒ، سعید ابن مُسیّبؓ، عطا ابن رباحؒ، امام زہریؒ امام شعبیؒ وغیرہم سے منقول ہے کہ حضرت جعفر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے سامنے خوش الحان لونڈیوں سے گانا سنتے تھے۔ میزان الاعتدال، مدارج النبوّۃ، احیاء العلوم، ان تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ اُستاذ الائمہ حضرت ابراہیم بن سعد مدنی جو ایک بلند پایہ مُحدّث اور امام بخاریؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام شعبہؒ کے اُستاذ ہیں، بڑے ذوق و شوق سے عود پر خود بھی گاتے تھے اور گانا سنتے بھی تھے۔ عود ایک قسم کا باجا ہے جو ستار کی قسم کا ہوتا ہے۔

اسی طرح امام ابو یوسُف بھی گانا سنتے تھے اور گریہ کرتے تھے۔ قاضی شوکانی یمنی اہل حدیث نے اپنے رسالۂ سماع میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے سماع کو حرام نہیں کہا۔ امام احمد بن حنبل سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی لڑکی صالحہ کے پاس گانا سُنا۔

مسند امام مالکؒ میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مَیں، جعفرؓ اور زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے جعفر سے فرمایا کہ تم سیرت اور صورت میں ہمارے مُشابہ ہو۔ یہ سُن کر ان پر وجد طاری ہوا اور رقص کرنے لگے۔ اسی طرح جب حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تُو میرا بھائی اور مددگار ہے تو ان پر بھی وجد طاری ہوا اور رقص کرنے لگے اور جب مجھ سے فرمایا کہ تُو مجھ سے ہے اُور میں تُجھ سے ہوں تو اس پر مَیں رقص کرنے لگا۔

مکتوباتِ صدی میں حضرت شیخ شرف الدین بہاریؒ نے حضرت انسؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، جبرئیل تشریف لائے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی کہ آپ کی اُمّت کے فقراء اغنیاء سے پانچ سو برس پہلے بہشت میں جائیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم یہ بات سُن کر بے حد خوش ہوئے اور دریافت فرمایا کہ کوئی آدمی ایسا ہے کہ جو اشعار پڑھے۔ ایک بدوی نے عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ! رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ اشعار گاؤ۔ جب وہ اشعار گائے گئے تو سرورِ کائنات فخرِ موجُودات صلی اللہ علیہ وسلم پر وجد طاری ہو گیا، یہاں تک کہ چادر مُبارک آپکے کندھوں سے گر گئی جب افاقہ ہوا تو مُعاویہ ابن سفیانؓ نے عرض کی یا رسُول اللہ! یہ لہو کیا اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا اے معاویہ دُور ہو، وہ کریم نہیں جو دوست کا ذکر سُنے اور وجد میں نہ آئے۔ اس کے بعد آپ نے چادر کے سو ٹکڑے کئے اور بطورِ تبرّک حاضرین میں تقسیم فرما دیے۔ مشائخ چشت اہلِ بہشت کا بھی یہی حال ہے کہ سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم میں وہ دوست کا نام سنتے ہی مست ہو جاتے ہیں اور بے خود ہو کر وجد کرنے لگتے ہیں۔ یہی وہ مسلک ہے جو رُوحِ اسلام اور جانِ ایمان ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ اربعہ اور محدّثین کا یہی مسلک ہے۔ چونکہ یہ مسلک فطرتِ انسانی کے عین مُطابق ہے۔ اس لئے نہایت کامیاب اور مؤثّر ہے۔

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی مثالی شخصیت

صحابہ کرام اور مشائخ چشت کے نقشِ قدم پر حقیقتِ اسلام اور حرارتِ ایمان کی زندہ مثال عصرِ حاضر کے حضرت خواجہ غلام فریدؒ ہیں، جنہوں نے ثابت کر دیا کہ احکامِ شریعت کی پابندی کے ساتھ جذب و عشق بھی ضروری ہے بلکہ عین اسلام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: الا لا ایمان لمن لا محبة له ط (جسے محبّت نہیں اُس کا ایمان بھی نہیں ہے)۔ چنانچہ اولیائے کرام تو احادیث: تخلقوا باخلاق اللہ، بی یسمع وبی یبصر اور اتقوا بفراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ۔ کے مطابق ذات و صفاتِ حق تعالیٰ میں فنائیت حاصل کر کے فنا فی اللہ، بقا باللہ اور کشف و کرامات کے بلند مراتب پر فائز ہوئے اور علمائے ظواہر خالی جھگڑوں میں مشغول رہ کر ان بلند مقامات سے محروم رہے۔ لیکن حضراتِ صوفیائے کرام کی

مقبولیت دیکھ کران پر اعتراضات اور الزامات کے طومار بھی باندھتے رہے ۔ چنانچہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ ، جنکی سوانح حیات اس وقت ہمارے پیش نظر ہے ، بھی ان الزامات سے نہ بچ سکے۔ سطورِ ذیل میں ہم ان الزامات کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ ان خاصانِ خدا کے مقدس چہرے سے وہ گرد و غبار ہٹ جائے جو مخالفین نے پیدا کی ہے ۔ اور ان کا حسین چہرہ پھر سے اپنی تابندگی وحسن و جمال سے عشاق کو اپنی جانب کشش کر سکے ۔

پہلا الزام

حضرت اقدس کی ذات ستودہ صفات پر ظاہر بین لوگوں نے پہلا الزام یہ تراشا ہے کہ آپ عشقِ مجازی کے دلدادہ تھے ۔ لیکن کتاب ہذا کے مطالعے سے قارئین کرام پر یہ واضح ہوگا کہ آپ نے عشق مجازی کی سخت مذمت فرمائی ہے ۔ البتہ آپ نے اپنے کلام میں بادۂ و ساغر اور گل و بلبل کی اصطلاحات ضرور استعمال فرمائی ہیں کیونکہ اقلیم حقیقت کی کوئی زبان ہی نہیں ہے ۔ حقیقت کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے ، مجاز کے الفاظ میں کہنا پڑتا ہے ۔ غالب نے خوب کہا ہے ؎

ہر چند کہ ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

دوسرا الزام

حضرت اقدس پر دوسرا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ آپ تارکِ صوم و صلوٰۃ تھے ۔ اس بات کے ثبوت میں وہ لوگ حضرت اقدس کے اس قسم کے اشعار پیش کرتے ہیں ؛ ع

صوم صلوٰتوں پھر وا عاری

حالانکہ مقابیس المجالس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فرائض ، واجبات اور سُنن تو درکنار آپ آخری سانس تک نوافل ، مستحبات اور روزمرہ کے اذکار و مشاغل ، اوراد و وظائف کو بھی باقاعدگی سے ادا کرتے رہے ۔ "صوم صلوٰتوں پھر دا عاری" ایک الزامی اور ملامتیہ جملہ ہے جس سے کسرِ نفسی کے جذبہ میں آپ نے خود کو متّہم کیا ہے اور یہی عجز و انکسار اسلامی تعلیمات کی روح ہے ۔

تیسرا الزام

آپ پر تیسرا الزام یہ عائد کیا گیا ہے کہ آپ ہندو فلسفۂ یوگ سے متاثر ہو کر ہمہ اوست اور حلول و اتحاد کے قائل تھے ۔ اس کے ثبوت میں

وہ لوگ حضرت اقدس کے اس قسم کے اشعار پیش کرتے ہیں ؎

احد وں بن احمد آیا

یہ صحیح ہے کہ آپ اسلامی وحدتُ الوجود کے قائل تھے لیکن آپ ہندوانہ ہمہ اوست کے سخت مخالف تھے یاد رہے کہ اسلامی وحدتُ الوجود اور مُشرکانہ نظریۂ ہمہ اوست میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس فرق کو کتاب ہٰذا کے حصّہ اوّل یعنی "احوال و مقامات" میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جہاں تک حلول و اتحاد کا تعلّق ہے، حضرت خواجہ صاحب، دیگر مشائخ اور متکلّمین حضرات کی طرح اِس کے مخالف تھے۔ "احد وں بن احمد آیا" جیسے اشعار سے حضرت کا مطلب حاشا وکلا یہ نہیں ہے کہ جس طرح ہندو لوگ رام اور کرشن کو خدا کا اَوتار مانتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کا اوتار یعنی (INCARNATION) مانتے تھے۔ بلکہ اس سے آپ کی مُراد تنزّلات ستّہ کے مطابق ذات احدیت کا ظہورِ اوّل یا تجلی اوّل، یعنی حقیقتِ محمدیّہ ہے جسے تعیین اوّل اور وحدت کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی اصل یہ حدیثِ پاک ہے: اول ما خلق اللّٰہ نوری وخلق کل شیٔ من نوری۔ (سب سے پہلے حق تعالیٰ نے میرا نُور (نورِ محمدی) پیدا فرمایا اور میرے نور سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا) چونکہ لفظ "پیدا کرنے" میں بھی احتیاج بہ غیر کا شائبہ متصوّر ہوتا ہے اس لئے عارفین نے تخلیق کو تجلی کا نام دیا ہے۔

چوتھا الزام

حضرت اقدس پر چوتھا الزام یہ عائد کیا گیا ہے کہ آپ خلافِ شرع سماع سنتے تھے۔ اس کے متعلّق ہم شروع میں کہہ چکے ہیں کہ سماع خواہ بالمزامیر ہو یا بلا مزامیر، احادیث سے ثابت ہے۔ نیز کتاب ہٰذا کے باب سماع میں ہم نے قرآن مجید، احادیث نبوی اور عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، مُحدّثین، مشائخ چشتیہ، قادریہ، سُہروردیہ اور نقشبندیہ کے اقوال و افعال سے سماع کا جواز ثابت کیا ہے۔ بلکہ قرآن حکیم اور حدیث شریف میں ایمان کے جوش و خروش، ذوق و شوق، سوز و گداز اور درد و داغ کی جابجا تعریف کی گئی ہے اور زاہد خشک کی رہبانیت اور خالی بہشت پرستی کی مُذمّت آئی ہے۔ بہشت پرستی اور ظاہر داری کی اس سے زیادہ مذمّت کیا ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم واعمالکم ولکن اللّٰہ ینظر الی قلوبکم ونیاتکم۔

(اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کی پروا کرتا ہے نہ تمہارے اعمال کی، بلکہ وہ تمہارے قلوب کی کیفیت یعنی جذب و عشق اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے)۔

حضرت اقدس کا بلند مقام

کتاب ہذا کے حصہ اول یعنی "احوال و مقامات" میں ہم نے عشاق کی سہولت کے لئے حضرت خواجہ صاحبؒ کے بلند روحانی مقامات و منازل کی نشاندہی کی ہے۔ اپنی عقلِ نارسا کے ذریعے نہیں بلکہ بمصداق ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

حضرت اقدس کے آفتاب ولایت کی روشنی میں آپ کے بلند مقامات کا پتہ لگایا ہے۔ ناظرین مقابیس المجالس میں حضرت اقدس کے بیان کردہ بلند حقائق و معارف کو دیکھ کر حیران ہوں گے کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی حضرت اقدس اسی شان و شوکت کے ولی اللہ ہیں جیسے متقدمین حضرات تھے۔ نیز آپ کے مجموعہ کلام یعنی "دیوان فریدی" سے بھی آپ کے بلند روحانی منازل مثلاً فنافی اللہ، فناء الفناء، بقا باللہ کا آسانی سے پتہ چل سکتا ہے بشرطیکہ چشم بینا ہو۔ لیکن بصد افسوس کہنا پڑتا ہے کہ آج تک جن شارحین حضرات نے حضرت اقدس کے کلام کی تشریح کی ہے، انہوں نے کما حقہٗ کلام کا حق ادا نہیں کیا اور بمصداق ؎

ہر کسے از ظن خود شد یارِ من

وز درونم کس نجست اسرارِ من

اپنی اپنی استعداد اور افتادِ طبع کے مطابق معانی نکال کر حضرت اقدس کو منتہیوں کے مقام سے اُتار کر متوسطین بلکہ مبتدیوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے مثلاً آپ کے یہ اشعار ؎

جتھاں خود قُرب ہے دوری اتھاں کیا وصل و مہجوری

انانیت تھئی پوری ہے انسانوں تے رحمانوں

ولایت کے بلند ترین مقام یعنی بقا باللہ اور مقامِ عبدیت کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ لیکن یار لوگوں نے کیا سے کیا لکھ دیا ہے۔ اسی طرح آپ کا شعر ؎

شدہ عکس در عکس ایں بنا

کہ فنا بقا ہے بقا فنا

بھی اقلیم ولایت میں بلند ترین مقام کی پیداوار ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کسی شرح میں اس کے حقیقی معنیٰ بیان نہیں کئے گئے۔ خدا کے فضل وکرم سے کتاب ہذا میں ان تشنگیوں کو پورا کیا گیا ہے۔ یہ بات حضرت اقدس کے ملفوظات میں بیان کردہ حقائق ومعارف اور دیوانِ شریف کے اشعار کی روشنی اور مشائخ عظام کے فیضِ صحبت سے میسر آئی ہے ؏

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

کوریجہ قوم کی اصل

دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے کتاب ہذا کے حصّہ اول میں اختصار کے ساتھ حضرت اقدس کے نسب کے متعلق لکھا اور بتادیا کہ کوریجہ قوم قریشی فاروقی ہے۔ لیکن بعد میں حضرت مولانا نور احمد فریدی مدظلہ کی شرح دیوان فرید کے مقدمہ میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کوریجہ قوم سندھ کی ابڑہ قوم کی شاخ ہے جو قریش کی قوم مخدومی سے تعلق رکھتی ہے اور حضرت عکرمہ بن ابوجہل کی اولاد ہے۔ اس سے چونکہ اختلاف کا طوفان کھڑا ہوگیا ہے۔ ہم نے کتب تاریخ کی مدد سے اس کے متعلق مزید تحقیق سے کام لیا، جس کا نتیجہ آئندہ سطور میں درج ہے۔

نسب نامہ مشائخ کوریجہ

حضرات مشائخ کوریجہ کے پاس جو شجرہ نسب ہے اس کی رُو سے کوریجہ قوم عرب شریف کے قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی ہے اور حضرت امیر المومنین سیدنا عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے۔ نسب نامہ یہ ہے: حضرت خواجہ غلام فریدؒ بن حضرت خواجہ خدا بخش محبوب الٰہیؒ بن حضرت خواجہ احمد علیؒ بن حضرت قاضی محمد عاقلؒ بن حضرت مخدوم محمد شریفؒ بن حضرت مخدوم محمد یعقوبؒ بن حضرت مخدوم نور محمدؒ بن حضرت مخدوم محمد زکریاؒ بن حضرت شیخ حسینؒ بن شیخ پریا بن شیخ حاجی بن شیخ نوننڈ بن شیخ حاجی بن شیخ صدرالدّین بن یعقوب بن شیخ حاجی فضل اللہ بن شیخ پریا بن شیخ حسین بن شیخ محمد بن محسن بن موسےٰ بن زید بن ناصر بن حسن بن یوسف بن عیسیٰ بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن منصور بن مالک بن یحییٰ بن محمد بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ،

ابتدائی حالات اور لفظ کوریجہ کی وجہ تسمیہ

سب سے پہلے حضرت مالک بن یحییٰ عین شباب میں لشکرِ اسلام کے ساتھ ملک سندھ میں وارد ہوئے اور ایک مُدت تک جہاد کرتے رہے۔ آپ کے فرزند منصُور بن مالک بھی بڑے صاحب جاہ وجلال تھے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ شیخ عیلے نے ترکِ دنیا کر کے فقر اختیار کیا۔ اس خاندان میں شیخ کور بھی بڑے ذی اقتدار تھے۔ کتاب مناقب فریدی کے مُصنّف شاہزادہ احمد اختر جو بہادر شاہ ظفر کے پوتے اور حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے مُرید وخلیفہ تھے، لکھتے ہیں کہ شیخ کور کی اَولاد کوریجہ کے نام سے مُوسُوم ہوئی۔ اور لفظ کوریجہ دراصل کور جا یعنی کور کا جایا (بیٹا) ہے۔ جس طرح میرزا سے مُراد میرؒ کی اولاد ہے لفظ زا اور جا ہم معنی ہیں۔ ہم بھی اس وجہ تسمیہ سے اتّفاق کرتے ہیں۔ صاحب مناقب فریدی کے علاوہ صاحب گوہر شب چراغ، صاحب ہفت اقطاب، کتاب خواجہ غلام فریدؒ کے مُصنّف جناب سیّد مسعُود حسن شہاب اور مولانا عزیزالرحمٰن نے بھی شرح دیوانِ فریدؒ میں اس بات پہ اتفاق کیا ہے کہ کوریجہ قوم قریشی فاروقی ہے۔ مزید برآں کسی اور سوانح نگار نے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا۔ لیکن جناب مولانا نور احمد فریدی نے شرح دیوانِ فریدؒ کے مُقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ کوریجہ قوم فاروقی نہیں ہاشمی ہے اور حضرت عکرمہ بن ابوجہل کی اَولاد ہے۔ انہوں نے یہ روایت مَقابیس المجالس کی جلد پنجم سے لی ہے جس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے اپنے ایک رشتہ دار مخدوم محمد شفیع ساکن دم شریف صُوبہ سندھ سے اُن کے ایک مُرید سیّد شہابُ الدین کے ذریعے دریافت کرایا کہ کوریجہ قوم کی اصل کیا ہے جب بعد میں سیّد شہابُ الدین آئے تو انہوں نے بتایا کہ مخدوم محمد شفیع فرماتے ہیں کہ "ابا ہم فقیر کوریجہ قوم ابڑہ سے ہیں۔" اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ سندھ کی مشہور تاریخ چچ نامہ ہے جس میں اقوام سندھ کے حالات مفصّل درج ہیں۔ اس کے اندر یہ لکھا ہے کہ ابڑہ قوم قریشی مخدومی کی ایک شاخ ہے جو حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کی اَولاد ہے۔ معلوم نہیں چچ نامہ کی یہ روایت بھی سید شہابُ الدین نے بیان کی یا خواجہ صاحبؒ نے خود چچ نامہ کا مطالعہ فرمایا۔

مقابیس المجالس کی یہ روایت دیکھ کر ہم نے چچ نامہ کا مطالعہ کیا۔ اصل کتاب تو عربی میں ہے لیکن نہ اصل کتاب کا کہیں پتہ چلتا ہے نہ مصنف کا نام اور تاریخ تصنیف وغیرہ کسی کو معلوم ہے۔ ممکن ہے سندھ کے سرکاری یا غیر سرکاری قدیم کُتب خانوں میں عربی نسخہ موجود ہو۔ بہرحال چچ نامہ کے ترجمہ فارسی

(جو علی بن حامد بن ابی بکر الکوفی نے ۶۱۳ھ میں اوچ شریف میں بیٹھ کر کیا) کے مقدمہ میں پروفیسر عمر بن محمد داؤد پوتہ ایم۔اے (بمبئی) پی۔ایچ۔ڈی (کیمبرج) نے لکھا ہے کہ چچ نامہ کا اصلی نام "فتحنامہ سندھ" تھا۔ لیکن مصنف کا نام اور حالات نامعلوم ہیں، نہ کتاب کی تالیف کا سن معلوم ہے نہ ماخذ کتاب کا ذکر ہے۔ اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ مصنف کا لقب منہاج الدین تھا۔ جو بعض مورخین نے منھاج المسالک لکھا ہے۔ بعض نے مصنف کا نام خواجہ امام ابراہیم لکھا ہے۔ ان ابہامات کے باوجود چچ نامہ کی کافی شہرت ہے اور اس کے تین ترجمے انگریزی میں بھی ہو چکے ہیں۔ ایک پروفیسر الیٹ (ELIOT) نے کیا ہے۔ دوسرا مرزا قلیچ بیگ نے اور تیسرا کسی اور کا ہے۔ مرزا قلیچ بیگ کے ترجمہ انگریزی سے بہاولپور کے فاضل مولانا حفیظ الرحمٰن نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ نیز ایک اُردو ترجمہ سندھ ادبی بورڈ کی طرف سے بھی شائع ہو چکا ہے لیکن ان فارسی، اُردو اور انگریزی تراجم میں کسی جگہ یہ روایت نہیں آئی کہ کوریجہ یا ابڑہ قوم عرب کی قریشی مخدومی شاخ سے تعلق رکھتی ہے اور نہ یہ لکھا ہے کہ یہ قوم عکرمہ بن ابوجہل کی اولاد ہے۔ چچ نامہ کے ان نسخوں کے علاوہ راقم الحروف نے سندھ کی مشہور تاریخ تحفۃ الکرام اور تاریخ معصومی کا مطالعہ بھی کیا ہے لیکن یہ روایت کہیں نہیں ملی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ کو کسی غیر معروف شخص سید شہاب الدین سے جو روایت موصول ہوئی وہ غلط ہے۔ نیز ہمیں سید شہاب الدین کے متعلق بھی کوئی معلومات نہیں کہ آیا وہ ثقہ راوی ہے یا غیر ثقہ۔ آیا اس نے مخدوم محمد شفیع صاحب سے دریافت بھی کیا یا اپنی طرف سے جو کچھ معلوم تھا بتا دیا۔ اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ سید شہاب الدین نے اپنے پیر مخدوم محمد شفیع ساکن دم شریف سے یہ بات سُنی۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مخدوم محمد شفیع صاحب کی علمی، ادبی حیثیت اور تاریخ دانی کی حیثیت کیا تھی۔ کیا انہوں نے چچ نامہ کا مطالعہ کیا تھا یا از خود اپنے آپ کو ابڑہ قرار دے دیا۔

غرضیکہ اس نہایت ہی ضعیف روایت کی بنا پر قوی اور مُستند روایات کو ترک نہیں کیا جا سکتا کوریجہ قوم کے فاروقی ہونے کی سب سے بڑی اور سب سے قوی سند یہ ہے کہ تواتر سے اس خاندان کے پاس اپنا شجرہ نسب چلا آ رہا ہے جس کی صحت کو چیلنج کرنا اصولِ تحقیق و ریسرچ کی تکذیب ہے۔ اگر فنِ حدیث کے اس اصولِ تواتر کو ترک کر دیا جائے تو علم حدیث کا سارا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مُحدّثین حضرات نے خبر احاد (خبر واحد) کو بھی اصولی طور پر تسلیم کر لیا ہے لیکن متواتر خبر کا درجہ تو

اس سے کئی گنا زیادہ ہے اور کسی صورت میں اس کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ نیز سندھ و پنجاب اور بہاول پور
میں مشائخ کوریجہ صدیوں سے عوام و خواص میں فاروقی کہلاتے آئے ہیں۔ ان حضرات کے پاس شاہانِ مغلیہ
اور احمد شاہ ابدالی کی سندات موجود ہیں۔ مغل شہنشاہ شاہ جہاں کا وزیر ارادت خاں حضرت خواجہ نور محمد کوریجہؒ
کا مُرید تھا۔ نیز ریاست بہاول پور کے متعدد حکمران بھی اس خاندان کے مُرید تھے۔ نیز نواب صاحب
ریاست ٹونک، نواب صاحب ریاست بھل اور نواب صاحب ریاست چوٹی بھی اس خاندان کے
مُرید تھے۔ ان سب کے نزدیک کوریجہ قوم فاروقی قریشی مُسلّم تھی۔ سوانح نگار بھی اس بات پر متفق
ہیں کہ کوریجہ قوم قریشی فاروقی ہے۔ ان سب قوی اور مُستند شواہد کو ترک کر کے ایک نامعلوم شخص سیّد
شہابُ الدین کی غیر مُعتبر روایت پر عمل کرنا علمِ تاریخ کے ساتھ ظلم کے مترادف ہوگا۔ تاریخ اس طرح
نہیں بنتی۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خود حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے اس روایت کو تسلیم
نہیں فرمایا۔ یہ خبر سُن کر جو الفاظ آپ کے منہ سے نکلے یہ ہیں: "واللہ اعلم بالصواب از حقیقت حال"۔
اس سے ظاہر ہے کہ روایت سُننے کے بعد آپ کے دل میں اس کی صحت کے متعلّق شبہ موجود تھا ورنہ
واللہ اعلم نہ فرماتے اور فوراً اس کی تائید فرماتے۔ لیکن لفظ واللہ اعلم بذاتِ خود کافی بلاغت کا حامل
ہے اور ظاہر کر رہا ہے کہ آپ نے یہ روایت قبول نہیں فرمائی۔ اگر قبول فرماتے تو فوراً اپنے شجرۂ نسب میں
ترمیم کرتے اور تمام مُریدین میں اعلان کر دیتے کہ ہم فاروقی نہیں ہاشمی ہیں۔ لیکن پھر شجرۂ نسب کہاں سے
لاتے۔ شجرۂ نسب تو وہی ہے جو چودہ صدیوں نے دیا ہے اب نیا شجرہ کیسے بن سکتا ہے اور بنانے
کی ضرورت بھی کیا ہے۔

بعض لوگ غلط فہمی سے یہ خیال کرتے ہوں گے کہ مولانا رکن الدینؒ نے شرارت سے یہ غلط
روایت مقابیسُ المجالس میں درج کر دی ہوگی۔ یہ بات بھی علمِ تحقیق و ریسرچ کے خلاف ہے اور آداب
طریقت جاننے والے اسے ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا رکن الدین کو حضرت
اقدس نے خلافت عطا فرمائی تھی۔ حضرت اقدس کے خلیفہ کی دیانت پر اعتراض خود حضرت اقدس پر اعتراض
کے مترادف ہے۔ نیز مقابیس المجالس میں بعض مقامات پر بعض مسائل کی مولانا رکن الدین نے جو تشریحات
کی ہیں، حضرت اقدس کو ایسی پسند آئیں کہ آپ نے کتاب میں شامل کرنے کا حُکم دے دیا۔ چنانچہ
یہ تشریحات کتاب مقابیس المجالس (جلد پنجم) کے مقبوس: ۲۶ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ ان

تشریحات سے ظاہر ہے کہ اقلیم ولایت و عرفان میں مولانا رکن الدین کا مقام کس قدر بلند ہے لہٰذا ایک ولی اللہ سے یہ ہرگز توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ بددیانتی سے کام لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ قریشی ہاشمی ہونا افضل ہے اور قریشی فاروقی ہونا مفضول ہے۔ اگر کوئی محض شرارت یا بددیانتی کرتا تو اس خاندان کو افضل سے مفضول کی طرف لے جاتا نہ کہ مفضول سے افضل کی طرف۔ لہٰذا مولانا رکن الدین کی دیانت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ انہوں نے یہ روایت ضرور حضرت اقدس کی زبان مبارک سے سُنی ہے اور حضرت اقدس نے یہ روایت سید شہاب الدین سے سُنی ہے لیکن سید شہاب الدین کا ثقاہت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نیز چچ نامہ کے تمام نسخوں اور سندھ کی دیگر مستند تواریخ میں اس روایت کا نہ ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ سید شہاب الدین کی روایت غیر معتبر اور ناقابل قبول ہے۔

ممکن ہے کوئی صاحب یہ کہدیں کہ یہ روایت حضرت مخدوم محمد شفیع کے قول پر مبنی ہے۔ لیکن اگر سید شہاب الدین کی روایت ایک مخدوم محمد شفیع صاحب پر مبنی ہے تو کوریجہ قوم کے فاروقی ہونے کی روایت ایک مخدوم نہیں بیشمار مخادیم اور خواجگان کے اقوال پر مبنی ہے۔ مثلاً حضرت خواجہ غلام فخر الدینؒ حضرت خواجہ خدا بخشؒ، حضرت خواجہ احمد علیؒ، حضرت قاضی محمد عاقل، حضرت مخدوم محمد شریف، حضرت مخدوم نور محمد، حضرت مخدوم زکریا وغیرہم تا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ ہم قریشی فاروقی ہیں۔ لہٰذا ایک غیر معروف شخص سید شہاب الدین کی شہادت پر اتنی بڑی تاریخ کیسے بدلی جاسکتی ہے باقی رہا یہ کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے فرمایا کہ "من می گویم" کہ کوریجہ قوم اڈھ کی شاخ ہے لیکن اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ "واللہ اعلم بالصواب از حقیقت حال"۔ جس سے ظاہر ہے کہ آپ کو اس روایت پر شبہ تھا۔ اگر آپ "واللہ اعلم بالصواب" کے بعد من می گویم کہتے تو پھر بھی کوئی بات تھی لیکن آپ کا آخری جملہ "واللہ اعلم بالصواب از حقیقت حال" ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپنے سید شہاب الدین کی روایت کو قبول نہیں فرمایا۔ نیز چونکہ کوریجہ قوم کے اڈھ ہونے اور اڈھ قوم کے قریشی مخدومی ہاشمی ہونے کی روایت کا تمام تر ماخذ چچ نامہ تھا۔ خواہ چچ نامہ کے ماخذ نامعلوم ہوں اور چونکہ چچ نامہ کے کسی نسخہ میں یہ روایت موجود نہیں ہے اس لئے یہ عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے۔

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے خلفاء

حضرت اقدس کے جن خلفاء کا ذکر ملفوظات میں آیا ہے ان کے اسمائے گرامی کتاب ہذا میں

درج ہو چکے ہیں۔ بعد میں دیگر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے علاوہ بھی آپ کے خلفا ہیں چنانچہ اس بات کی تصدیق حضرت اقدس کے فرزند و خلیفہ و جانشین قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخش ؒ کی اس تقریظ سے بھی ہوتی ہے جو مقابیس المجالس کی جلد دوم، سوم میں ہے۔ اس تقریظ میں حضرت خواجہ غلام فرید ؒ کے جملہ خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:

قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ فضل حق ؒ سجادہ نشین منگھیر شریف، مخدوم سید ولایت شاہ از اولاد حضرت مخدوم جہانیاں ؒ، وصال نہم شعبان ۱۳۱۰ھ۔ مزار اوچ شریف حضرت حافظ محمد ؒ، سجادہ نشین حاجی پور (ڈیرہ غازیخاں) حضرت خواجہ امام بخش کوریجہ ؒ، مخدوم سید غلام شاہ ؒ برادر مخدوم ولایت شاہ ؒ، حضرت سید موسن شاہ ؒ، موضع پیر (مظفر گڑھ) حضرت سید مراد شاہ ؒ، ساکن ڈنڈا شاہ بلاول (پنجاب) حضرت خواجہ کرم دین ؒ، سجادہ نشین پرامان (لیاقت پور) حضرت سید عبداللہ شاہ ؒ، ساکن کالاباغ (ڈیرہ اسماعیل خان) حضرت سید غریب شاہ ؒ از اولاد مخدوم جہانیاں ؒ، وصال ۱۳۱۵ھ۔ مزار شہر سلطان (مظفر گڑھ) حضرت مولانا عبد الودود قادر بخش ؒ، وطن ملک برما۔ وصال ۱۳۲۰ھ در سفر دریا۔ آپکے خلفا برما، مدراس، ناگپور میں موجود ہیں حضرت شیخ عبدالرحمٰن الہ آبادی ؒ گیٹ گنجوی۔ حضرت میاں جی مولوی احمد بخش مزار جچہ عباسیاں، حضرت مولوی نبی بخش مہر یوالہ ؒ، وصال ۱۳۱۷ھ۔ مزار موضع غنی لاڑ۔ (لیاقت پور) حضرت مولانا فیض اللہ مراد آبادی علاقہ روہیل کھنڈ کثیر التصانیف ہیں۔ حضرت شہزادہ احمد اختر ؒ، نبیرۂ اکبر شہنشاہ بہادر شاہ ظفر، مقیم کرانہ ضلع مظفر نگر۔ حضرت میاں جی خان محمد ؒ، ساکن چاچڑاں شریف، حضرت حکیم محمد یعقوب ؒ، حضرت حکیم امام الدین کیرانوی ؒ، وصال ۱۳۱۹ھ مزار در کرانہ۔ حضرت مولوی محمد بخش ساکن چاچڑاں شریف حضرت مولوی نجم الدین ساکن احمد پور شرقیہ وصال ۱۳۱۸ھ، مزار در خانقاہ خود۔ حضرت مولوی محمد قاسم ساکن سمینہ متصل ڈیرہ غازیخاں، حضرت نواب قیصر خاں والی ریاست جھل بلوچستان۔ حضرت میاں موج شاہ ؒ مالوی ساکن بدنپور علاقہ بھیلسہ (گوالیار) وصال ۱۳۱۵ھ نزد جدہ، جن کے خلفاء میاں بنگالہ شاہ ؒ و میاں پیر علی ؒ ہیں، حضرت شیخ بلند خان ؒ، حضرت محمد امین زنگوئی ؒ، حضرت میاں عبد العظیم ؒ، حضرت میاں ابو محمد عبدالرحیم صوبہ دار رجمنٹ ۲۷ مدراس، حضرت سید احمد شاہ ؒ ساکن مڈدولت علاقہ اللہ آباد۔ حضرت میاں نصیر الدین ؒ (شاید یہ حضرت مولانا نصیر الدین خرم بہاولپوری ہیں) حضرت سید شہاب الدین ؒ مدراسی، حضرت میاں عبد الرؤف مدراسی، حضرت مولانا رکن الدین ؒ، کاتب ملفوظات۔

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ اور مرزا غلام احمد قادیانی کے درمیان نام نہاد خط و کتابت کا جائزہ

مقابیس المجالس کی جلد سوم میں جو نام نہاد خط و کتابت ما بین حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ اور مرزا غلام احمد قادیانی پائی جاتی ہے، ہم نے اُردو ترجمہ میں اُسے مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر حذف کر دیا ہے۔

پہلی اور اہم ترین وجہ

پہلی اور سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ جب یہ کتاب پہلی دفعہ آگرہ سے چھپ کر آئی اور حضرت اقدس کے فرزند اور خلیفہ و جانشین حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کی نظروں سے گذری تو آپ نے حکم دیا کہ اس خط و کتابت کو کتاب سے خارج کر دیا جائے کیونکہ نہ میرے والدِ ماجد کے یہ عقائد تھے نہ ہمارے خاندان کے ہیں۔ اب چونکہ حضرت خواجہ محمد بخشؒ حضرت اقدس کے جائز خلیفہ اور مالکِ سلسلہ تھے اس لئے آپ کے حکم کی تعمیل ہم پر واجب ہے۔ آپ حضرت خواجہ صاحب کے فرزندِ دلبند ہونے اور ہر وقت اُن کے ساتھ رہنے والے اور آپ کے جمیع حالات سے باخبر ہونے کے علاوہ بڑے عالم و فاضل اور بلند مرتبہ ولی اللہ بھی تھے حضرت خواجہ صاحب کی لوگوں کے ساتھ جس قدر خط و کتابت لین دین اور گفتگو ہوتی تھی حضرت خواجہ محمد بخشؒ اس سے پوری طرح آگاہ تھے اور آپ کے محرمِ راز تھے۔ اس لئے یہ ناممکن ہے کہ مرزا قادیانی کو حضرت اقدس نے کوئی خط لکھا ہو اور اُس کا علم آپ کے ہر وقت حاضر باش فرزند دلبند اور خلیفہ و جانشین کو نہ ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت خواجہ محمد بخشؒ کے خلیفہ حضرت مولانا نور احمد فرید آبادی کی شہادت ہمارے پاس موجود ہے۔ مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت خواجہ غلام فرید صاحب قدس سرہٗ نے غلام احمد قادیانی کو جبکہ اُس کے عقائد و اعمال درست تھے، من عباد اللہ الصالحین لکھا تھا لیکن مابعد جب اس کی کیفیت کھل گئی، مرزا کو بُرا کہا اور انکار کیا۔"

دوسری وجہ

اسی طرح حضرت خواجہ ہوت[1] محمد سجادہ نشین شیدانی شریف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

مرزا صاحب نے جو خط خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ کی جناب میں لکھا، اس کے جواب میں حضرت صاحب موصوف نے اس کو "عباد الصالحین" لکھا مگر بعد میں جب اس کے عقائد طشت از بام ہوئے تو اعلانیہ صاحب موصوف فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے غلطی سے لکھا ہے یہ تو کافر ہے۔ حضرت مولانا جندوڈہ صاحب سیت پوری ؒ و حضرت خواجہ حامد صاحب[2] شیدانوی جو اکابر علماء سے تھے وہ اس کو کافر فرمایا کرتے تھے۔ میں نے بارہا حضرت خواجہ غلام فرید ؒ کی زبان سے سنا کہ "یہ تو کافر ہے۔ میں بھی اس کو کافر جانتا ہوں"۔

تیسری وجہ

حضرت قطب الاقطاب خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فوائد فریدیہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ:

ختم المرسلین و سید النبیین محبوب اللہ تعالیٰ و مولانا محمد مصطفٰے صلواۃ اللہ وسلام اللہ علیہ تمام انبیاء کے افضل اور جمیع انبیاء اور تمام کائنات کے ظہور کا سبب ہیں۔ حضور تمام انبیاء کے بعد ہیں کیونکہ آپ کے بعد نبوت کا حکم مٹ چکا ہے اور

---

[1] حضرت خواجہ ہوت محمد قدس سرہٗ زمانہ حال کے بہت بڑے ولی اللہ تھے جن کا حال ہی میں وصال ہوا ہے۔ آپ نے چوبیس برس مسجد میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کا درس دیا۔ آخر عمر میں آپ پر اکثر استغراق طاری رہتا تھا۔ پنجاب اور سندھ میں آپ کے ہزاروں مُرید ہیں۔

[2] حضرت خواجہ حامدؒ ولیِ کامل اور باکمال بزرگ تھے۔ آپ کے خلفاء میں سے حضرت شیخ محمد لاہوری ؒ بہت ہی معروف ولی اللہ تھے جن کا مزار مبارک لاہور چھاؤنی میں برکی روڈ پر ڈیڑھ پنڈی شریف میں مرجع خلائق اور قبلہ حاجات ہے۔

حضرت شیخ محمد لاہوری ؒ اپنے پیر و مرشد کی عقیدت و محبت میں اتنے سرشار تھے کہ لیاقت پور سٹیشن سے شیدانی شریف کا ۱۶ میل کا فاصلہ پاپیادہ اور برہنہ پلٹ کر کے شرف قدم بوسی حاصل کرتے تھے۔

ولایت کا باقی ہے۔

چوتھی وجہ یہ نام نہاد خط و کتابت ترک کرنے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ نہ مرزا قادیانی کے کسی خط میں نبوّت کا دعوٰی کیا گیا ہے اور نہ حضرت اقدس کی طرف منسوب کئے جانے والے کسی خط میں نبوّت کی تائید کی گئی ہے اس لئے اب ہم مسلمانوں اور قادیانیوں، دونوں کے نقطۂ نظر سے یہ خط و کتابت بیکار رلپنده کی حیثیت رکھتی ہے جیساکہ کتاب "شہادات فریدی" میں قادیانیوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے مرزا صاحب کی امامت کی تائید فرمائی نہ کہ نبوّت کی۔ چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۵ پر قادیانی لکھتے ہیں:

"آپ کے (خواجہ غلام فرید صاحبؒ) خدا رسیدہ اور صادق و راست باز ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ نے اپنے وقت کے امام کی شناخت کرلی"۔

یہاں قادیانیوں نے یہ دعوٰی نہیں کیا، حضرت خواجہ صاحبؒ نے وقت کے نبی کی بھی شناخت کرلی۔ پھر امام وقت تو بہت ہو گذرے ہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام غزالیؒ، اور امام رازیؒ وغیرہم اگر مرزا صاحب امامت پر اکتفا کرتے تو پھر کوئی جھگڑا ہی نہ تھا، سارا جھگڑا تو دعوٰئ نبوّت پر کھڑا ہوا جس کی وجہ سے حضرت خواجہ صاحبؒ نے مرزا کی تکذیب فرمائی۔

پانچویں وجہ پانچویں وجہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے مقابیس المجالس میں بھی متعدد مقامات پر حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا ہے اور احادیثِ نبویؐ سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ نیز مھدویت کے متعلق بھی مقابیس المجالس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے کئی مرتبہ کتاب مرآۃ الاسرار کی عبارت پڑھ کر حاضرینِ مجلس کو بتایا کہ امام مہدی علیہ السلام کے متعلق اُمّت میں دو نظریات چلے آرہے ہیں۔ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ بارھویں امام اہلِ بیت جو غائب ہوگئے تھے، پھر ظاہر ہوں گے۔ اور اہلسنّت وجماعت کا موقف یہ ہے کہ حضرت امام مھدیؑ آلِ فاطمہ سے ہوں گے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ بارھویں امام بطریق بروز آلِ فاطمہ میں پیدا ہوں گے۔ آپکے اس قول سے مرزا قادیانی کی مھدویت کا دعوٰی بھی پاش پاش ہوجاتا ہے کیونکہ مرزا صاحب نہ ہاشمی ہیں نہ فاطمی، نیز آپ کے لفظ "پیدا ہونگے" سے بھی صاف ظاہر ہے کہ امام مہدیؑ زمانہ مستقبل میں پیدا ہوں گے لیکن مرزا صاحب تو پیدا ہو کر بوڑھے بھی ہوگئے تھے۔ بات یہ ہے کہ قادیانی آلہ کار جس نے جعلی ملفوظات جعلی خط و کتابت میں شامل کئے، وہ یہ بھول گیا کہ ان چیزوں کی خواجہ صاحبؒ نے مقابیس المجالس میں کئی مقامات پر تردید فرمائی ہے۔ سچ ہے کہ ؎ دروغ گو را حافظہ نباشد۔

چھٹی وجہ

چھٹی وجہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ کے چونتیس خلفاء اور لاکھوں مُرید تھے۔ ان چونتیس خلفاء میں سے ہر ایک عالم و فاضل، مُتقی و پرہیزگار اور خدا رسیدہ کامل بزرگ اور ولی اللہ تھا۔ اگر خدانخواستہ حضرت خواجہ صاحبؒ مرزا قادیانی کی نبوت یا مہدیت کی تصدیق فرماتے تو آپ کے تمام خلفاء و مُریدین مرزا قادیانی کے گرویدہ ہوتے اور اُن کے حق میں چاروں طرف سے رحمۃ اللہ علیہ کی آوازیں سنائی دیتیں۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔

ساتویں وجہ

ساتویں وجہ یہ ہے کہ میرے پیر و مُرشد حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانے سے رسالہ اشاعت السنہ کی چند جلدیں برآمد ہوئیں ہیں۔ جلد اٹھارہ، نمبر ۵، سال ۱۳۱۳ھ، ۱۸۹۵ء کا عکس شاملِ کتاب ہے:

فہرست مطالب

اشاعۃ السنۃ النبویۃ

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

نمبر پنجم لغایت دوازدہم جلد ہژدہم (۱۸)

بابت سنہ ۱۲ و ۱۳۱۳ ہجری مطابق سنہ ۱۸۹۵ء

شرح قیمت

ابو سعید محمد حسین مہتمم اشاعۃ السنۃ

حضرات

موقوفی جنگ کا دوبارہ اعلان

(عکس ٹائیٹل رسالہ اشاعۃ السنۃ)

رسالہ اشاعت السنہ کا متعلقہ اقتباس حسب ذیل ہے۔

بنا بریں علیہ خاکسار وسط محرم الحرام ۱۳۱۵ھ میں ڈیرہ نواب صاحب بہاولپور میں پہنچا۔ اور خواجہ صاحب کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ اور کادیانی کے عقائد و مکائد اصل تصانیف سے نکال کر خواجہ صاحب موصوف کو دکھائے جنکو دیکھکر خواجہ صاحب کادیانی سے سخت متنفر اور بیزار ہوئے۔ اور معلوم ہوا کہ حضرت ممدوح نے جو کچھ کادیانی کے حق میں کہا تھا۔ وہ محض دفع شر و رفع مضرت پر مبنی تھا۔ اور تعمیل حکم ادفع بالتی ھی احسن ازالہ مخافہ شرہ کا نتیجہ تھا۔ اور اگر حضرت ممدوح کو کسیقدر کادیانی کی نسبت نیک گمان تھا تو وہ اسوجہ سے تھا کہ کادیانی مسلمان کہلاتا تھا اور حضرت ممدوح کو مسلمانوں سے حسن ظن تھا اور انکی اصلی تصانیف دیکھنے کا اتفاق نہوا تھا۔ اس حسن ظنی اور عدم اطلاع تصانیف کادیانی کیوجہ سے آپنے اُسکے حق میں کلمہ خیر فرمایا تھا۔ اور شیخ سعدیؒ کے اس قول پر عمل کیا تھا

شعر
مرا پیر دانائے مرشد شہاب ✦ دو اندرز فرمود بر روئے آب ✦
یکے آنکہ در خویش خود بین مباش ✦ دگر آنکہ بر غیر بد بین مباش ✦

حضرت ممدوح نے اصل تصانیف کادیانی میں اُسکے عقائد و مقالات دیکھے تو اسپر سخت آشفتہ ہوئے اور اُسکی شوخیوں اور بے ادبیوں پر جو حضرت خاتم المرسلین علیہ السلام کی جناب میں اس سے سرزد ہوئیں، کلمہ استغفر اللہ زبان پر لائے اور فرمایا کہ یہ شخص اہل اللہ اور مؤیدمن اللہ نہیں ہے اور بکمال درجہ کا بے ادب ہے۔ اور خودستائی کرنے والا اور نام آوری اور شہرت کا طالب ہے اور اپنے دعاوی میں سچا نہیں ہے۔ حضرت کے بعض خدام حضار مجلس نے حضرت کے سامنے فرمایا کہ آیندہ حضرت اُس شخص سے خط و کتابت نہ کرینگے۔ اور حضرت نے اسپر سکوت فرما کر انکو تسلیم کر لیا۔

اس سے ناظرین کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ خطوط ثلثہ جو حضرت کیطرف سے کادیانی کو پہنچے ہیں کادیانی کی برأت و ترشیق کے دلائل نہیں ہو سکتے اور نہ وہ اُنکے لئے سرٹیفکٹ

تسلیم کیے جا سکتے ہیں۔

کادیانی اب بھی لن ترانیاں ہانکے اور حضرت ممدوح کو اپنا مصدق و موافق قرار دے تو اسکو لازم ہو گا کہ وہ اسی مضمون کا ایک اور خط حضرت ممدوح سے حاصل کرے۔ اور اپنے کسی رسالہ میں چھپوائے۔

یہ امر اس سے نہ ہو سکے (اور ہرگز نہ ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ تو اہل اسلام معتقدین مشائخ کرام یقین کریں کہ خواجہ صاحب اسکے مصدق و مؤید نہیں ہیں۔ اور اسکے دعاوی سے ناخوش ہیں۔

راقم

خاکسار ابو سعید محمد حسین عفا اللہ عنہ ایڈیٹر رسالہ

اشاعۃ السنۃ

نوٹ

رسالہ اشاعت السنہ کی تاریخ طباعت اور مقابیس المجالس کی تواریخ میں ناظرین کو جو فرق نظر آرہا ہے اس کی وجہ ایڈیٹر رسالہ مذکور نے خود یہ لکھی ہے کہ چندہ دہندگان کی غفلت کی وجہ سے رسالہ کی اشاعت میں تاخیر واقع ہوتی گئی۔

اس وجہ سے سابقہ مہینوں اور سالوں کے رسالے بعد کی تاریخوں میں نکلتے رہے بالفاظ دیگر ایڈیٹر رسالہ زمانہ مابعد میں شائع ہونے والے نمبرات کو سابقہ تواریخ دیتے رہے تاکہ اشاعت میں کمی نہ ہو اور تواتر قائم رہے۔

رسالہ اشاعت السنہ کے مندرجہ اقتباس سے معاملہ بالکل واضح ہو جاتا ہے اور تمام شکوک و شبہات مٹ جاتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ صاحب مرزا قادیانی کو خود خط نہیں لکھتے تھے بلکہ آپ کی طرف سے جعلی خط بنا کر مرزا قادیانی کا ایک آلہ کار مرزا کے نام ارسال کر دیتا تھا۔ اس کے متعلق ہم بعد میں بحث کریں گے۔

آٹھویں وجہ

ترجمہ اُردو سے اس نام نہاد خط و کتابت کو خارج کرنے کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے خود تسلیم کیا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ میرے مُکفِّر اور مکذّب ہیں۔ (یعنی خود خواجہ صاحب نے مجھے کافر اور کاذب یعنی جھوٹا کہا ہے) اس سلسلہ میں فیصلہ مقدمہ بہاولپور کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں قادیانیوں کو کافر قرار دے کر ایک مسلمان عورت کے ایک قادیانی کے ساتھ نکاح کو منسوخ کیا گیا۔ اقتباس یہ ہے:

مدعا علیہ (قادیانی) کے گواہان نے ریاست ہذا کے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے --------- حضرت خواجہ غلام فرید صاحب علیہ الرحمہ کہ جن کا نہ صرف ریاست بہاولپور کا ایک حصہ معتقد اور مرید ہے بلکہ جن کے سندھ، بلوچستان اور پنجاب میں بھی بکثرت مرید پائے جاتے ہیں، کی ایک کتاب اشاراتِ فریدی (مقابیس المجالس) سے یہ دکھلایا ہے کہ اُن کے نزدیک مرزا صاحب کسی عقیدہ اہلسنت وجماعت اور ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں پائے جاتے بلکہ آپ (خواجہ صاحب) اُن کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے تمام اوقات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گذارتے ہیں اور حمایتِ دین پر کمر بستہ ہیں اور کہ علمائے وقت تمام مذاہبِ باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے پڑ گئے ہیں جو اہل سنت وجماعت میں سے ہے اور صراطِ مستقیم پر قائم ہے۔ اور خواجہ صاحب کی اس تحریر پر بڑی شرح و بسط سے بحث کی جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ یہ الفاظ خواجہ صاحب کے اپنے ہی ہیں اور انہوں نے مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی۔ مدعیہ (مسلمان) کی طرف سے بھی اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی جو کتابیں خواجہ صاحب نے اس وقت دیکھی تھیں ان میں مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت درج نہ تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب

کی ایک تحریر سے آپ کی کتاب انجام آتھم ص: ۶۹ پر پایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بھی مرزا صاحب کے مُکفّر اور مکذب (کافر اور کاذب کہنے والے) ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب اس تحریر میں لکھتے ہیں کہ "اب ہم ان مولوی صاحبان کے نام ذیل میں لکھتے ہیں کہ جن میں سے بعض تو اس عاجز کو کافر بھی کہتے ہیں اور مُفتری بھی۔ بعض کافر کہنے سے تو سکوت اختیار کرتے ہیں مگر مفتری اور کذاب اور دجال نام رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مُکفّرین اور مکذبین مباہلہ کے لئے بلائے گئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ سجادہ نشین بھی ہیں جو میرے مُکفّر اور مکذب ہیں۔" اور ان کے ساتھ مرزا صاحب نے ہر دو گروہوں کی فہرستیں دی ہیں۔ اس فہرست میں میاں غلام فرید صاحب چشتی چاچڑاں علاقہ بہاول پور کا نام بھی درج ہے۔

فیصلہ مقدمہ بہاول پور کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید نے بھی مرزا قادیانی کو کافر اور جھوٹا قرار دیا ہے اور یہ شہادت مرزا قادیانی کی خود اپنی ہے جو اس نے اپنی کتاب انجام آتھم میں درج کی ہے۔ جب مرزا قادیانی خود تسلیم کر رہے ہیں کہ خواجہ غلام فرید سجادہ نشین چاچڑاں علاقہ بہاول پور نے ان کو کافر اور جھوٹا کہا ہے تو ثابت ہوا کہ مقابیس المجالس میں جو خلط ملط حضرت خواجہ صاحب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، جعلی اور الحاقی ہیں۔

نویں وجہ

نویں وجہ یہ ہے کہ جب جج محمد اکبر خان صاحب مرحوم و مغفور نے مقدمہ بہاول پور کا یہ فیصلہ فرما دیا کہ قادیانی کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور اس مسلمان عورت کا جو نکاح ایک قادیانی سے ہوا تھا فسخ ہے تو اس کے کچھ عرصہ کے بعد جج صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد میر عبد الجلیل صاحب (سابق سیشن جج) جو میر سراج الدین صاحب مرحوم ریٹائرڈ چیف جسٹس کے صاحبزادے ہیں، بڑے متقی پرہیزگار ہیں۔ اور آج کل ہجرت فرما کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں باب جبریل کے بالمقابل ایک مدرسہ میں خلوت نشین ہیں، انہوں نے جج محمد اکبر خان صاحب مرحوم کو اپنے ایک خواب میں بہشت میں دیکھا۔ پہلے ان کو کئی عالیشان مکانات دکھلائے گئے۔ اس کے بعد ایک نہایت ہی خوبصورت محل میں ایک تخت پر جسٹس محمد اکبر بیٹھے دکھلائے گئے۔ جب میر عبد الجلیل صاحب نے ان سے سوال کیا

کہ یہ بلند درجات آپ کو کیسے نصیب ہوئے تو جج محمد اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا کہ یہ انعامات مجھے ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں اس خدمت کے عوض ملے ہیں جو حق تعالیٰ نے مجھ سے فیصلہ بہاولپور کی صورت میں لی اور یہ جتنے محلات آپ دیکھتے آئے ہیں حق تعالیٰ نے مجھے یہ فرما کر عنایت کئے ہیں کہ فی الحال یہ لے لو، تمہارا مکمل انعام روز قیامت ملے گا۔ یہ بیان فرماتے ہوئے میر صاحب کی ریش مبارک شدت گریہ سے تر ہو چکی تھی۔ ایک اور رویا صادقہ میں میر عبدالجمیل صاحب نے جج محمد اکبر صاحب علیہ الرحمۃ کے ہمراہ دو اور بزرگوں کو بارگاہ رسالت میں نہایت بلند درجہ پر فائز دیکھا کہ جج صاحب سے جب یہ پوچھا کہ یہ دونوں حضرات کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ فیصلہ مقدمہ بہاولپور میں میرے معاون ہیں۔ میر صاحب کا خیال ہے کہ وہ حضرات، مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور اُن کے رفیق کار ہیں۔ وہ مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کشمیری جنہوں نے ایک دن جوش میں آکر کمرہ عدالت میں قادیانیوں سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں اللہ کے فضل سے ابھی تم کو مرزا قادیانی دوزخ جلتا ہوا دکھا سکتا ہوں۔ یہ کلمات سن کر حاضرین کانپ رہے تھے اور کسی قادیانی کو مزید کلام کی جرأت نہ ہوئی۔

یہ ایک کشفی وجہ ہے جس کی بنا پر قادیانیوں کا کافر ہونا ثابت ہے اور ترک خط وکتابت کی وجوہات میں قوی وجہ ہے

دسویں وجہ

اس نام نہاد خط وکتابت کو اردو ترجمہ سے خارج کرنے کی دسویں وجہ یہ ہے کہ مقابیس المجالس کی جلد سوم کے صفحہ ۲۴۳ پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ مرزا قادیانی نے پادری آتھم کے متعلق جو پیش گوئی کی تھی کہ وہ ایک سال میں مر جائے گا، یہ جھوٹی ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ اس مدت میں نہیں مرا۔ نیز کتاب مذکور کے صفحہ نمبر ۲۴۳ پر حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حکیم نورالدین (جو بعد میں مرزا قادیانی کے خلیفہ اول ہوئے) سے کہا پادری آتھم کے متعلق مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوئی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کا حضرت مرزا صاحب کے حق میں اس قسم کا اعتقاد نہیں ہے جو پیشگوئی کے غلط ثابت ہونے سے ختم ہو جائے حکیم نورالدین خلیفہ اوّل کے اس جواب سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ حالانکہ شہادات فریدی اور دوسری قادیانی کتابوں میں اسی قادیانی طریق کار یعنی اینچ پینچ توڑ موڑ اور موشگافی کے ذریعے پوری قوت اسبات پر صرف کر دی گئی ہے کہ پیشگوئی جھوٹی ثابت نہیں ہوئی مرزا صاحب کے خلیفہ اول سے زیادہ معتبر شہادت کس کی ہو سکتی ہے۔ شہادات فریدی میں قادیانیوں نے غلط بیانی کا تو کمال ہی کر دیا ایک جگہ پر لکھتے ہیں کہ جب نواب صاحب بہاولپور کے محل پر لوگ مرزا صاحب کی غلط پیشگوئی کا مذاق اڑا رہے تھے تو حضرت خواجہ صاحب نے جوش میں آکر فرمایا کون کہتا ہے کہ پادری آتھم زندہ ہے مجھے تو اس کی

واش نظر آرہی ہے" لیکن افسوس ہے کہ مقابیس المجالس میں جس کی صحت پر قادیانی کو ناز ہے یہ بات قطعاً درج نہیں ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کی متعلقہ کتاب میں جو شہادات فریدی کا ماخذ ہے یہ واقعہ درج نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ یہ من گھڑت کہانی ہے۔

جعلسازی کس طرح ہوئی

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ جعلسازی کس طرح ہوئی۔ اس سوال کا جواب آسان ہے۔ کیونکہ جس طریقے پر حضرت خواجہ صاحب جیسے نیک دل سادہ لوح اور فراخ دل درویش کے ہاں معاملات طے پا رہے تھے، یہ جعلسازی نہایت آسان تھی۔ مقابیس المجالس کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں ایک صاحب رہتے تھے جو مرزا قادیانی کے آلہ کار تھے ان کا نام غلام احمد اختر تھا۔ یہ بڑے عالم فاضل اور ہوشیار تھے اور اپنے آپ کو خواجہ صاحب کا خاص ارادتمند ظاہر کرتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب کے ہاں ان کا اتنا اثر تھا کہ آپ کے تمام خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ مقبوس ۷، جلد سوم صفحہ ۴۱ پر تحریر ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کی طرف سے پہلا خط جو مرزا قادیانی کو لکھا گیا وہ انہی قادیانی آلہ کار غلام احمد اختر نے لکھا تھا اور اس پر خواجہ صاحب کی مہر لگا دی تھی۔ کتاب کی عبارت یہ ہے:

> اندریں اثنا اخوی صاحب مولوی غلام احمد اختر جواب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کہ بفرمان حضور بعبارت عربی نوشتہ بود پیش حضور کرد۔ حضور تمام مکتوب را مطالعہ نمودند۔ آنگاہ فرمودند کہ بروے مہر من زدہ ارسال نمائید۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے باقی خطوط تو بجائے خود مرزا قادیانی کے لئے یہ پہلا خط بھی قادیانی آلہ کار غلام احمد اختر نے ہی لکھا۔ لیکن اس خط کے بعد کتاب مذکور میں مرزا قادیانی کے دو مزید خطوط بنام حضرت خواجہ صاحب درج ہیں اور خواجہ صاحب کی طرف سے مزید کوئی خط کتاب میں درج نہیں ہے۔ حالانکہ قادیانیوں کی طرف سے خواجہ صاحب کے اور خطوط بھی ان کے اخبار و رسائل میں چھپتے رہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خطوط جعلی تھے۔

قادیانیوں کی کتاب "شہادات فریدی" کی چیدہ چیدہ غلط بیانیوں کی نشاندہی تو ہم نے کر دی ہے اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ "اشارات فریدی" کی جلد سوم میں نام نہاد خط و کتابت اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرزا صاحب کے متعلق نام نہاد اقوال سب جعلی ہیں۔ عام کتاب کے متعلق پڑھنے والا یہ تاثر لیتا ہے کہ اس میں قادیانیوں کے مخصوص طرز بیان یعنی ایچ پیچ، الفاظ کے توڑ موڑ، موشگافیوں اور بودے دلائل کے ذریعے حقیقت کو

مسخ کر کے اپنی بات کو زبردستی منوانے کی کوشش کی گئی ہے جو کوئی بھی ذی عقل تسلیم نہیں کر سکتا

دوسرا سوال

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح معلوم کیا جائے کہ مولوی غلام احمد اختر قادیانی آلہ کار تھے جو یہ ساری سازش چلا رہے تھے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فیصلہ مقدمہ بہاولپور مطبوعہ ایجاد گھر امرتسر (بار اول) کے صفحہ ۲۳ پر درج ہے :

"مدعا علیہ (یعنی قادیانی) کی طرف سے دو گواہان مولوی جلال الدین صاحب شمس اور مولوی غلام احمد پیش ہوئے ہیں ۔ یہ ہر دو گواہان قادیانی مبلغین میں سے ہیں ۔"

اس سے ظاہر ہے کہ غلام احمد اختر قادیانی مبلغ بھی تھے ۔ اور مبلغ وہ ہوتا ہے جو عرصہ دراز سے اس کام میں مشغول ہو اور اس کا ماہر فن بھی ہو ۔ لہٰذا یہ خیال غلط ثابت ہوتا ہے کہ غلام احمد اختر پہلے خواجہ صاحب کے معتقد تھے ۔ اس کے بعد قادیانی ہوئے ہیں بلکہ اُن کا قادیانی مبلغ ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اس فن میں کمال حاصل کر کے حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں پہنچے تھے اور آپ کے سامنے مرزا کی تعریفیں کیا کرتے تھے کہ بہت نیک آدمی ہے ۔ عیسائیوں کا مقابلہ کر رہا ہے اور اسلام کی خدمت میں کمربستہ ہے ۔ ایسی چکنی چپڑی باتیں کر کے انہوں نے پہلا خط تو خواجہ صاحب سے لکھوا لیا لیکن بعد میں جب مرزا کی قلعی کھل گئی تو حضرت خواجہ صاحب نے انہیں کافر اور جھوٹا کہا ۔

ایک گمان کی تردید

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مولانا رکن الدینؒ جامع ملفوظات بھی شاید قادیانی سازش میں شامل ہوں گے ۔ اس غلط اور بے بنیاد خیال کی تردید کیلئے ہم مقابیس المجالس کی عبارات میں سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ مولانا رکن الدینؒ کی ولایت اور عرفان سے ناظرین آگاہ ہوں ۔ کیونکہ ایک ولی اللہ ہرگز اپنے شیخ کے خلاف سازش نہیں کر سکتا ۔

مولانا رکن الدین جامع ملفوظات کی ولایت اور عرفان

مقابیس المجالس کی جلد چہارم مقبوس ۲۶: میں حضرت خواجہ صاحب نے لوائح جامی میں سے لائحہ ۱۷ کی عبارت پڑھی اور شرح بیان فرمائی لیکن چونکہ مسئلہ بہت ادق تھا، اشکال باقی رہ گیا یا مولانا رکن الدینؒ اچھی طرح نہ سمجھ سکے تو انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میری سمجھ میں اس سوال کے متعلق دو ممکنہ جواب آئے ہیں ۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بیان کرو ۔ چنانچہ جب انہوں نے دونوں جواب عرض کئے تو حضرت اقدس نے اس سے بھی اتفاق فرمایا

بلکہ اپنی رائے کو قدرے تبدیل بھی فرمایا۔ چونکہ مولانا رکن الدینؒ کے جوابات سے حضرت اقدس بہت خوش تھے، ارشاد فرمایا کہ اپنے جوابات کو بھی کتاب میں شامل کر لو۔ مولانا رکن الدینؒ نے کافی کسر نفسی سے کام لیا اور عرض کیا کہ لکھنے کے قابل جواب تو وہی ہے جو حضرت اقدس نے دیا ہے۔ میرے جواب کی کیا حیثیت ہے۔ لیکن حضرت اقدس نے اصرار فرمایا اور حکم دیا کہ اپنے جوابات بھی کتاب میں درج کر دو۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کی گئی اور مولانا رکن الدین نے دونوں جواب شاملِ کتاب کر دیے۔ لیکن معاملہ چونکہ نہایت ادق اور نازک ہے یعنی مسلّمات کے خلاف اس لائحہ میں یہ لکھا ہے کہ تعینِ اول یعنی وحدت محیط ہے احدیت پر۔ حالانکہ احدیت مرتبہ لا تعین اور اطلاق ہے۔ لا تعین پر تعین کس طرح محیط ہو سکتا ہے معاملہ کی نزاکت کی وجہ سے ملفوظ کا وہ حصہ اصل فارسی زبان میں یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام مولانا رکن الدین کے مقامِ ولایت سے بھی آگاہ ہو جائیں اور حقیقتِ مسئلہ پر بھی خود غور فرما سکیں اس وجہ سے کہ قادیانی مسئلہ کے متعلق چند لوگوں کا خیال ہے کہ نعوذ باللہ مولانا رکن الدین نے جعل سازی سے کام لے کر حضرت خواجہ صاحب کی طرف سے جعلی خطوط لکھ کر کتاب میں شامل کر دیے ہیں۔ حالانکہ یہ خطوط قادیانی اکہ کار اور مبلغ غلام احمد اختر کی طرف سے جعلسازی ہے جو حضرت خواجہ صاحبؒ کے بہت مقرب بنے ہوئے تھے اور حضرت اقدس کے اکثر خطوط لکھ کر مہر بھی لگا لیتے تھے۔ مولانا رکن الدین کو حضرت اقدس نے خلافت سے نوازا تھا اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔ خلافت بغیر ولایت نہیں ملتی اور ولایت کے ساتھ گمراہی اور جعلسازی محال اور ناممکن ہے۔ چنانچہ ہم یہاں لائحہ ہفتم کے متعلق حضرت اقدس کی تشریح اور مولانا رکن الدینؒ کے دو جوابات اصل فارسی زبان میں درج کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام پیاکی ولایت اور عرفان واضح ہو جائے۔

لائحہ ہفدہم

لائحہ ہفدہم خوانده فرمودند که دریں جا نیز احدیت و واحدیت را از وحدیت انتشا ثابت می گردد۔ چنانچہ اوّلاً گذشت دریں جا برائے بیانش انداختہ بودم۔ پس وقت تصحیح و سبق خواندن ایں اوراق عرض کردم کہ قبلہ جوابِ سوالِ مذکور بیان فرمانید تاکہ ایں بندہ دریں جا رقم سازد۔ حضور فرمودند جواب می گویم کہ مرتبہ وحدت برزخ است و برزخ مشتمل و جامع می باشد شتیین را (یعنی دو چیز و ل) مگر ایں جا فرق است کہ مرتبہ وحدت احدیت را کہ فرد عالی اوست صرف

صفات اُو را محیط است نہ ذات او را۔ و واحدیت را کہ فرد سافل آنست ذات و صفات ہر دو آں را محیط و متضمن است۔ پس فردیت احدیت و وحدت را محض بسبب اشتمال او بر صفات اوست۔ چنانچہ انسان کہ جامع جمیع مراتب است پس جامعیت او نیز بدیں اعتبار است کہ صفات جمیع مراتب در وے موجود ند تا آنکہ صفات مرتبہ احدیت ذاتیہ نیز در وے یافتہ می شوند۔ مگر ذات احدیت را ہرگز محیط نیست۔

مولانا رکن الدین کی تشریح

بعد ازاں ایں بندہ راقم الحروف (مولانا رکن الدینؒ) عرض کرد کہ قبلہ مرا از کتب توحید چنیں در قیاس آمدہ است کہ ایں احدیت ناشیہ از وحدت عین آں احدیت است کہ مرتبہ ذات بحث است و غیب ہویت و وجود مطلق است۔ چنانچہ از عبارات لوائح شریف و نقد النصوص پیدا و ہویدا است و از بعض کتب دیگر چنیں در فہم آمدہ است کہ ایں احدیتِ منتشیہ از وحدتِ غیر آں احدیتِ ذاتیہ است کہ احدیت ذاتیہ لابشرط شئی است ایں احدیت ناشیہ از وحدت مرتبہ بشرط لاشئی است یعنی دریں جا قید سلب الاعتبارات مشروط است و شک نیست کہ ایں مرتبہ تقید و تعین است پس چارہ نیست از قول بہ مغائرت بین الاحدیتین کہ از قول بر عینیت بین الاحدیتین لازم می آید کہ یک شے از یک جہت مطلق ہم باشد و مقید ہم باشد۔ ایں محال است۔ چنانچہ ایں معنی از کتاب "عشرہ کاملہ" مستنبط می شود۔ پس ایں بندہ احقر برائے دفع سوال مذکور دو جواب نوشتہ است: حضور فرمودند کہ مرا نیز ایں خیال مسلوخ می گردد کہ ایں احدیت غیر آں احدیت است۔ بعد از فرمودند کہ جوابات مصنفہ خود برخواں برخواندم۔ حضور لفظ بلفظ شنیدند و بسیار خوش و مسرور شدہ پسند کردند۔ چنانچہ فرمودند کہ نیکو گفتی و بر قیاس و استنباط ایں بندہ احقر تحسین نمودند۔ بعض ازاں فرمودند کہ ایں ہر دو جواب را نیز دریں جا بنویس و ثبت کن عرض کردم کہ قبلہ لائق ہماں جواب است کہ

حضور بیان کردہ اند نہ جوابات من. حضور فرمودند کہ ضرور ہر دو جواب خود را نیز دریں مقام دریں کتاب بنویس و درج کن. پس امتثالاً لامرہ الاعلیٰ ہر دو جواب صورت ترقیم یافتہ است۔

جواب اوّل در انتشار واحدیت از وحدت خفائے نیست چرا کہ واحدیت مرتبہ تفصیل حقائق الٰہی وکونی است و مرتبہ وحدت اجمال آنست وظاہر است کہ منشاء و مصدر تفصیل اجمال است۔ اما انتشار احدیت کہ مرتبہ اطلاق وبحیثیت ذات (لاتعین) است از وحدت کہ مرتبہ تقیید وتعین است بہ سبب آں است کہ تعقل و یافت و دانست احدیت ازیں مرتبہ وحدت است زیرا کہ اگرچہ از روئے حقیقت واصالت مرتبہ احدیت منشاء و مبداء کل است مگر پیش از ظہور وتنزل مجہول مطلق بود۔ پس فرد بودن احدیت مروحدیت را باہ نبار ہمیں یافت است فی الجملہ از تعین ایں یافتہ و دانستہ می شود کہ ورائے تعین ولاتعین است۔ یعنی احدیت ذاتیہ کہ عبارت سلب اثبات وانتفاء اعتبارات تا آنکہ از سلب نیز سلب است از وحدت کہ مرتبہ علم است معلوم می گردد پیش ازیں مفہوم نمے شد و وصف واحدیت کہ مراد از اثبات تفصیل اعتبارات است ہم از مرتبہ وحدت معقول می شود چہ مفصل مرتسم از مجمل می باشد۔ پس مرتبہ وحدت مجمع قابلیات است چہ قابلیات تجرد از اعتبارات وچہ قابلیت اتصاف بآں۔ پس چوں توجہ بہ تجرد واطلاق میکند احدیت یافتہ میشود وچوں توجہ باتصاف وتقید می سازد واحدیت پیدا می گردد۔ پس از برائے ہمیں یافت احدیت، و پیدائے واحدیت مرتبہ وحدت (حقیقت محمدیہ) حکم برزخیت می دارد۔ یعنی مشتمل است بر صفات احدیت و واحدیت واز برزخیت اوست کہ اورا بغیر حروف مبالغہ بر کمال اعتدال گذاشتہ شد۔ بخلاف احدیت و واحدیت کہ دریں ہر دو حرف یا و تا مبالغہ را داشتہ شد۔ چہ اصل احدیت احد است واصل واحدیت واحد بمعنی یگانہ واکنوں بمعنی یگانہ تر است۔ پس فرد بودن مطلق مر مقید را مانند جزو بودن است و جزو بودن مطلق از برائے مقید بلاخلاف جائز است

پس فرد بودن او نیز بلاشک جائز شد. چنانچہ حیوان مطلق کہ جز انسان و فرس و اسد واقع گشتہ چراکہ ماہیت انسان حیوان ناطق است و حقیقت فرس حیوان و ماہیت اسد حیوان مفترس است و در گلشن راز نیز گفتہ ؎

چہ جزو است آنکہ او از کل فزون است

پس مراد از کل ہر موجودیست از موجودات و مراد از جزو وجود مطلق و ہستی حق است زیراکہ در لوائح شریف مرقوم است کہ حقیقت ہر شے تعین وجود است یا وجود متعین. پس مطلق بے حد جزو مقید محدود گردیدہ است۔

جواب دوم تعین اول تعینے است جامع مر جمیع تعینات الٰہیہ و کونیہ را. یعنی این تعین اول (حقیقت محمدیہ یا مرتبہ وحدت) مجمع قابلیات است چنانچہ دو قابلیات از وے منشعب شدہ اند یکے قابلیتے کہ منشاء حقائق الٰہیہ وجوبیہ جبلیہ علمیہ غیر متمیزہ است و این قابلیت مسمی است بہ احدیت. دوم قابلیتے کہ مبدا حقائق امکانیہ کونیہ انفعالیہ جبلیہ علمیہ است و این قابلیت موسوم است بہ واحدیت پس احدیت وجوبیہ فعلیہ جبلیہ علمیہ غیر آں احدیت است کہ مرتبہ وجود مطلق و غیب ہویت و صرافت ذات بحت است زیراکہ در احدیت ذاتیہ صرف حضرت ذات و ہستی محض است نہ آنجا اعتبار اعتبارات منظور است نہ عدم اعتبار اعتبارات ملحوظ۔ بخلاف این احدیت فعلیہ جبلیہ علمیہ ناشیہ از وحدت کہ در وے اعتبار تجرد و وحدت حقیقی کہ مقسم است مشروط است و پیدا است کہ مقید عین مطلق نباشد از حیثیت اطلاق لاجرم این احدیت بشرط لا غیر و مبائن آں احدیت لابشرط خواہد بود. پس فعل جملی مرتبہ الوہیت جملی است و انفعال جملی مرتبہ عبودیت جملی و از احدیت فعلی جملی احدیت فعلی تفصیلی علمی انتشار یافتہ است و از احدیت جملی انفعالی واحدیت (مرتبہ انسانی) انفعالی تفصیلی علمی پیدا گشتہ. پس مرتبہ فعل مفصل مرتبہ اسماء و صفات است و انفعال مفصل مرتبہ عالم است باجناس و انواع و اصناف و اشخاص خود در علم حق سبحانہ، باید دانست کہ در سائر تعینات احدیت و واحدیت یعنی اجمال و تفصیل موجود است و جملہ احدیات

دراحدیت جملی علمی می شوند و نیز ہمہ واحدیات در واحدیت جملی علمی مندرج و ایں احدیت و واحدیت جملیہ در وحدت و وحدت مع جمیع اعتبارات خود احدیت ذاتیہ و غیب ہویت مضمحل و منطمس می گردد۔ فقط!

ارباب طریقت اور اصحاب حال سے مخفی نہیں کہ اس قسم کی تشریحات اُس وقت تک کسی کی زبان سے نہیں نکل سکتیں جبتک اسے مقام فنافی اللہ اور بقا باللہ حاصل نہ ہو اور تمام اہل اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس شخص کو مقام فنا حاصل ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ گمراہ اور شقی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ مقام قبول ہے۔ اس لئے حضرت مولانا رکن الدینؒ کو اس سازش میں ملوث کرنا اصول طریقت و آداب مشائخیت کی تکذیب ہے۔

مولانا رکن الدین کی ولایت کی ایک اور شہادت

مقابیس المجالس کی جلد چہارم کے مقبوس: ۱۹ میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا رکن الدین نے حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ بندہ کو صحت نصیب ہو۔ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ اَب مجھے صحت ہوگئی ہے اس لئے تجھے بھی صحت ہو جائے گی۔ یہ بات مرتبہ فنافی الشیخ سے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت خواجہ نور محمد صاحبؒ نارووالہ قوم کے پرہار تھے۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ قبلہ عالمؒ نے خواجہ نور محمد نارووالہ کو بشارت دی کہ آپ کی وجہ سے ساری پرہار قوم بخشی گئی ہے۔ چونکہ مولانا رکن الدین بھی پرہار تھے۔ لہٰذا وہ بھی سعید ازلی ہوئے۔ سعید ازلی کے لئے قادیانی سازش میں ملوث ہو کر مردود ہونا محال ہے۔

معذرت

آخر میں یہ احقر قارئین کرام سے معذرت خواہ ہے کہ مقابیس المجالس کا فارسی نسخہ بعض مقامات پر بوسیدہ اور کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے بعض ابہامات رہ گئے جو صحیح نسخہ و سالم نسخہ حاصل ہونے پر دوسرے ایڈیشن میں رفع کئے جائیں گے۔

تشکر

یہ احقر اُن حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے مقابیس المجالس میں اعانت فرمائی ہے۔ میرے شکریہ کے سب سے زیادہ مستحق میرے پیرو مرشد

علیہ الرحمہ کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا شاہ شہید اللہ فریدیؒ ہیں جنہوں نے کتاب کے حقائق و معارف سمجھنے میں احقر کی مدد فرمائی۔ میرے شکریہ کے مستحق جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری، حضرت مولانا ابوالبرکات مدظلہٗ اور مولانا عبدالحکیم شرف بھی ہیں جنہوں نے مفید مشوروں سے نوازا۔ یہ احقر میاں محمد معین الدین اکبر ہاشمی کا بھی ممنون ہے جنہوں نے اپنی انتھک کوششوں سے اس عظیم منصوبہ کو کامیاب بنایا۔ میرے شکریے کی مستحق میری اہلیہ اور میری اولاد بھی ہے جنہوں نے کتاب کی تیاری میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان تمام حضرات کے جملہ دینی و دنیوی مقاصد پورے فرمادیں اور قرب و معرفت کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔

خادم الفقراء، احقر
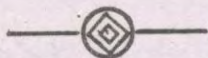
(کیپٹن واحد بخش سیال ربانی)

حِصّہ اوّل

مؤلّفہ

کپتان واحد بخش سیال

باب اوّل

حالات

چہ حسنت آنکہ گر یکدم رُخت را صد نظر بینم
ہنوزم آرزو باشد کہ یکبارِ دگر بینم

سبحان اللہ! کیا ہی حسن و جمال ہے ہمارے مقبولِ عام، ہر دلعزیز، عاشق صادق، طالبِ حق، شہبازِ اقلیم طریقت، غواص بحرِ حقیقت، راز دار غیب ھویّت، واقف اسرار تجرید عالم رموزِ تفرید حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ العزیز کی ولایت کا کہ ایک جہان آپ کا والہ و شیدا ہے اور ہر کس و ناکس آپ کے کمالات کا گرویدہ ہے۔ ملک بھر میں کوئی مجلسِ سماع اور محفلِ موسیقی نہ ہو گی کہ جس میں حضرت اقدس کے کلام کی فرمائش نہ ہو، کوئی ایسا فردِ بشر نہ ہو گا جو آپ کی محبت کا دم نہ بھرتا ہو اور آپ کے دلفریب نغمات پر نہ جھومتا ہو۔

شہرتِ عام و بقائے دوام

اس شہرتِ عام اور بقائے دوام کی وجہ کیا ہے۔ یہ ایسا سوال ہے کہ جس کے جواب میں حضرت اقدس کے سوانح نگاروں نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ کسی نے آپ کی جان پرور شاعری کو وجہ قبول بتایا ہے، کسی نے آپ کے خلقِ عظیم کو اور کسی نے آپ کے جود و کرم کو غرضیکہ بقول عارف رومیؒ ؎

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من   وز درونِ من نجست اسرارِ من

ہر شخص نے اپنے ذوق طبع اور اپنی استعداد کے مطابق آپ کے کمالات کا اندازہ لگایا ہے لیکن بصد افسوس کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اس سطح نظری سے کام لیا ہے کہ جس سے عوام اور مبتدیین خوش ہوں تو ہوں خواص، متوسطین اور منتہین کی تسکین نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ انہوں نے حضرت اقدس کے کشف و کرامات بیان کر کے دادِ تحسین پیش کی ہے

لیکن اکابر اولیاء کرام کے نزدیک اور خود خواجہ صاحبؒ کے نزدیک کشف و کرامات کی حیثیت بازی گری سے زیادہ نہیں۔ آپ نے متعدد مقامات پر اشاراتِ فریدی میں تصریح فرمائی ہے کہ کشف و کرامات کا صدور عام طور پر کم مرتبہ کے بزرگوں سے ہوتا ہے۔ جس قدر مراتب بلند ہوتے جاتے ہیں کشف و کرامات کم ہوتے جاتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت اقدس کا مقام اس قدر بلند ہے کہ ہمارے لیے اس کی نشان دہی کرنا آفتاب کو چراغ کی روشنی میں تلاش کرنا ہے لیکن ہم حضرتِ اقدس کے باطنی کمالات کو اپنی محدود عقل کی روشنی میں نہیں بلکہ بقول عارف رومیؒ ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب   گر دلیلت باید ازوے رومتاب

ہم حضرت اقدس کے آفتاب ولایت کو اس کی اپنی روشنی سے دیکھنے کی کوشش کریں گے بمصداق عرفت ربی بربی۔ جب حق تعالیٰ کو اس کے انوار سے پہچانا جاسکتا ہے تو ولی اللہ کو اس کی ولایت کے انوار سے کیوں نہیں پہچانا جاسکتا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ،

"از وَے رو متاب"

آفتاب سے روگردانی نہ کریں۔ خاقانیؒ نے خوب کہا ہے ؎

گر ہمی خواہی خانۂ دل نورانی   برمکش پیش خورشید دیوار

اگر تجھے اپنا خانۂ دل منور کرنے کی خواہش ہے تو آفتاب عالمتاب اور اپنے دل کے درمیان دیوار مت کھڑی کرو۔

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اب تو آفتابِ ولایت چھپ گیا ہے ہم اس کو کہاں تلاش کریں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا آفتاب بھی کہیں چھپ سکتا ہے۔ یہ ظاہری ناسوتی آفتاب بھی بارہ گھنٹے گم رہ کر ظاہر ہو جاتا ہے لیکن آفتاب ولایت کبھی گم نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت، ہر آن اور ہر لحظہ تابندہ اور درخشندہ ہے بشرطیکہ چشم بینا ہو۔ اگر چشم باطن روشن نہیں تو آپ کا مجموعہ کلام یعنی دیوانِ فریدی اور مجموعۂ ملفوظات یعنی *مقابیس المجالس یا اشاراتِ فریدی تو موجود ہیں جس میں آپ نے ایسے حقائق و معارف اور اسرار و رموز بیان فرمائے ہیں کہ جن کی روشنی میں آپ کے احوال و مقامات کا سراغ مل سکتا ہے اور ہم بآسانی دیکھ

سکتے ہیں کہ کس مقام اور کس مرتبہ کا کلام ہے۔ دیوان فریدی کا مطالعہ تو آپ نے بہت کیا ہوگا لیکن ممکن ہے اِس نظر سے نہ دیکھا ہو۔ اس کتاب میں ہم آپ کے کلام کے اسرار و رموز بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

اسی طرح آپ کے ملفوظات اشارات فریدی بھی حقائق و معارف سے لبریز ہیں جن کو دیکھ کر اہلِ بصیرت اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اقلیم حقیقت و معرفت میں آپ کا کیا مقام ہے۔

حضرت اقدس کا خاندان

حضرت اقدس ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو ظاہری جاہ و جلال کے علاوہ باطنی کمالات کے لحاظ سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت خواجہ محمد شریف سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں ایک بلند مقام بزرگ تھے ان کے فرزند حضرت قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ اور حضرت خواجہ نور محمد صاحبؒ ظاہری اور باطنی اعتبار سے بڑی شان و شوکت کے مالک تھے جیسا کہ آئندہ اوراق میں بیان کیا گیا ہے۔

کوریجہ قوم کی اصل

نسلاً آپ کا تعلق کوریجہ قوم سے ہے جو قریشی فاروقی قوم کی ایک شاخ ہے لیکن کوریجہ قوم کی اصل کے متعلق مختلف روایات دیکھنے میں آئی ہیں۔ مطالعۂ ملفوظات سے قارئین کرام پر واضح ہو جائے گا کہ سندھ کے کوریجہ مشائخ کی طرف سے کوریجہ قوم کی اصل کے متعلق حضرت اقدس کو جو معلومات فراہم ہوئیں ان کے مطابق سب سے پہلے اس خاندان کے مورث اعلیٰ یحییٰ بن مالک جو ناصر بن عبداللہ بن امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے سندھ میں آئے چند پشتوں کے بعد ان کی اولاد میں شیخ کوریا بن پریا بڑے صاحب جلال بزرگ ہو گذرے تھے بعض سوانح نگاروں نے لفظ "کوریجہ" کو "کوریا" کا مشتق قرار دیا ہے۔ شیخ کوریا کے بیٹے شیخ حسین سندھ کے علاقہ ٹھٹھہ میں حکومتِ وقت کی طرف سے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے لیکن انہوں نے آخر عمر میں ملازمت ترک کر کے درویشی اختیار کی۔ ان کی بیعت سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں تھی۔ شیخ حسینؒ کے بیٹے مخدوم زکریاؒ سندھ سے ترک سکونت کر کے ملتان کے قریب بستی منگلوٹ میں قیام پذیر ہوئے۔ مخدوم زکریاؒ کے بعد آپ کے فرزند مخدوم نور محمد سجادہ نشین ہوئے

آپ بڑے صاحبِ کمال بزرگ تھے اور خلقِ خدا کو آپ نے کثرت سے فیض پہنچایا۔ مغل بادشاہ شاہجہان کے دوسرے وزیر ارادت خان مخدوم نور محمد کے مرید تھے۔ مخدوم نور محمد کے پوتے مخدوم محمد شریف منگلوٹ سے ترک سکونت کر کے سیت پور کے قریب بستی یاریوالی میں قیام پذیر ہوئے۔ مخدوم محمد شریف کا ایک راسخ العقیدہ مرید تھا جس کا نام مٹھن خان تھا۔ وہ اس علاقے کا رئیس اعظم تھا۔ اس نے اپنے شیخ کی خاطر دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام ان دونوں حضرات کے نام پر "کوٹ مٹھن شریف" رکھا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ لفظ "شریف" اسم ذاتی ہے نہ کہ صفاتی۔ مخدوم محمد شریف کے دو بیٹے تھے قاضی محمد عاقل صاحب اور قاضی نور محمد صاحب۔ یہ دونوں بھائی قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ کے مرید تھے۔[1]

حضرت خواجہ نور محمد صاحب

حضرت خواجہ نور محمد صاحب خدا رسیدہ بزرگ تھے اور دنیوی جاہ و جلال کے مالک بھی۔ اشاراتِ فریدی میں حضرت خواجہ غلام فریدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ نور محمد صاحب سندھ کے بادشاہ کی طرف سے علاقہ ڈیرہ غازیخاں اور کوٹ مٹھن کے حاکم اعلیٰ تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے کسی وجہ سے آپ کو گرفتار کر کے قید خانے میں بند کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے پیر و مرشد حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا تصور کرتا تھا تو میری بیڑیاں ٹوٹ کر دور جا پڑتی تھیں۔ جب دو چار بار یہی ہوا تو بادشاہ نے خیال کیا کہ شاید جنات مسخر ہیں۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اس کو پیاز لہسن اور مچھلی کھلاؤ تاکہ بدبودار چیزوں سے جنات کا اثر ٹوٹ جائے گا لیکن وہ ناکام رہے آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں آنکھیں بند کر کے مراقبہ کر رہا تھا کہ چار بزرگ میرے سامنے بیٹھ گئے۔ تین باریش تھے اور ایک بے ریش۔ تین باریش بزرگوں نے بے ریش بزرگ سے کہا کہ بادشاہ نے نور محمد کو تنگ کر رکھا ہے اس کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر دو۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور بزرگ تشریف لائے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ

---

[1] مکمل تحقیق کتاب ہٰذا کے مقدمہ میں آ چکی ہے۔

آپ کا اسمِ گرامی کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے مخدوم جہانیاں کہتے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ وہ چار بزرگ کون تھے آپ نے فرمایا وہ تھے حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی، حضرت سید جلال الدین سرخ اوچیؒ اور بے ریش بزرگ حضرت لعل شہباز قلندرؒ تھے۔ چونکہ سندھ کا بادشاہ لعل شہباز قلندر کے علاقے میں رہتا ہے اس لیے ان بزرگوں نے یہ کام اُن کے سپرد کیا۔

حضرت قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ

کوٹ مٹھن شریف کے سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ فخریہ مہارویہ کے بانی حضرت خواجہ قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ ہیں مخدوم نور محمد صاحب نے حضرت قبلہ عالم سے بیعت اس وقت کی تھی جب آپ بستی یاریوالی میں تشریف لائے تھے لیکن قاضی صاحبؒ اس وقت بیعت نہ ہو سکے۔ ایک دفعہ جب حضرت قبلہ عالم مہاروی قدس سرہ حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کے عرس پر اوچ مبترکہ تشریف لائے ہوئے تھے تو قاضی صاحب نے موقعہ غنیمت سمجھا اور بیعت ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ نے سلوک تمام کرکے اپنے شیخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ کا مقام اس قدر بلند تھا کہ حضرت قبلہ عالم کے تمام خلفاء یعنی حضرت قبلہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ، حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ اور حضرت نور محمد نارو والہ میں سے آپ سب سے زیادہ حضرت قبلہ عالم کے مقرب تھے اور آپ کے بعد آپ کے سجادہ نشین بھی آپ ہوئے۔ حضرت خواجہ غلام فریدؒ اشارات فریدی میں فرماتے ہیں کہ آپ کے خلیفۂ جانشین ہونے کے تین شواہد ہیں:۔

اپنے شیخ کے خلیفۂ جانشین ہونے کی پہلی شہادت

پہلی شہادت یہ ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت خواجہ نور حسنؒ کو اپنے روبرو ہمارے خواجہ حضرت قاضی الحاجات کے ہاتھ پر بیعت کرایا۔ حالانکہ آپ خود بھی موجود تھے اور آپ کے دیگر خلفاء بھی موجود تھے۔

دوسری شہادت

دوسری شہادت یہ ہے کہ ایک دن حضرت قبلہ عالمؒ نے اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ سب خاموش رہے لیکن حضرت قبلہ قاضی صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی

تفصیل یہ ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جمیع صحابہ کرام کی زیارت ہوئی۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے لے کر حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ تک تمام مشائخ عظام موجود تھے۔ سامنے ایک حوض تھا جو گلاب کے پانی سے لبریز تھا۔ اس میں عطر گلاب بھی ملا ہوا تھا۔ مجھے اس حوض میں غسل دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا فخر جہان دہلوی نے اپنے ہاتھ سے میرے سر پہ دستار باندھی اور پوشاک زیب تن کرائی۔ جب میں بیدار ہوا تو عطر گلاب کی خوشبو بدستور آرہی تھی۔ یہ سن کر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا۔ مبارک باد! میرا منشا بھی یہی تھا۔ الحمد للہ کہ میرے شیخ نے اپنے دست مبارک سے تجھے دستار سجادگی عطا فرمائی ہے۔

تیسری شہادت

تیسری شہادت یہ ہے کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی قدس سرہ نے اپنے تمام معاملات حضرت قبلہ قاضی صاحبؒ کے سپرد کر رکھے تھے۔ حالانکہ دیگر خلفاء اور فرزندان بھی موجود تھے۔ حتیٰ کہ حضرت اقدس کا روضہ بھی حضرت قاضی الحاجاتؒ نے تعمیر کرایا۔

چوتھی شہادت

چوتھی شہادت یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ اپنے پیر و مرشد کے اہل بیت میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت شیخ کے گھر کے لوگوں کا حضرت قاضی صاحبؒ سے پردہ نہیں تھا اور آپ افراد خانہ کی طرح ہر وقت اندر آتے جاتے رہتے تھے۔ یہ قرب خلفاء میں سے کسی کو حاصل نہ تھا۔

حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کی شہادت

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت قاضی محمد عاقلؒ حضرت قبلہ عالمؒ کے انیس خلوت، جلیس روز و شب، ہمدم اور محرم راز تھے۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت مل سکتی تو قاضی محمد عاقلؒ کو ملتی۔

حضرت قاضی محمد عاقلؒ کے خلفاء

حضرت قاضی صاحبؒ کے مشہور خلفاء یہ ہیں (۱) آپ کے پوتے حضرت خواجہ خدا بخش صاحب محبوب الٰہیؒ (۲) حضرت مولوی سلطان محمود صاحب خانبیلویؒ (۳) حضرت مولانا گل محمد صاحب احمد پوریؒ (۴) حضرت مولانا نور محمد صاحب بڑا احمد پوریؒ (۵) حضرت مولوی عبداللہ بھٹی احمد پوریؒ (۶) مولانا محمد اعظمؒ۔ آپ کا وصال ۸ رجب ۱۲۲۹ھ کو ہوا۔ مدفن آپ کا

کوٹ مٹھن شریف ہے۔

حضرت خواجہ احمد علی صاحبؒ

حضرت قاضی صاحبؒ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ احمد علیؒ مسند نشین ہوئے لیکن تقریباً ایک سال کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ تاریخ وصال یہ ہے۔ ۹ر شعبان ۱۲۳۰ھ۔ حضرت خواجہ احمد علیؒ کے دو فرزند تھے۔ حضرت خواجہ خدا بخش صاحب محبوب الٰہیؒ اور حضرت خواجہ تاج محمود صاحبؒ جو مشائخ سیدانی شریف کے جد امجد ہیں۔

حضرت خواجہ خدا بخش محبوب الٰہیؒ

حضرت خواجہ خدا بخشؒ کی والدہ ماجدہ حضرت خواجہ نور محمد کی دختر نیک اختر تھیں۔ آپ بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں اور حضرت قبلہ عالم مہارویؒ سے بیعت تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت قبلۂ عالمؒ سے اولاد نرینہ کے لیے درخواست کی تو آپ نے ان کو ایک وظیفہ تلقین فرمایا۔ وظیفہ پڑھنے کے بعد رات کو خواب میں آنحضرتؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آنحضرتؐ نے دو موتی آپ کی گود میں ڈالے۔ جب یہ خواب اپنے پیر و مرشد سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ مبارک ہو تمہارے بطن سے قطب زماں پیدا ہوگا۔ مہار شریف سے واپسی پر جب آپ کوٹ مٹھن شریف پہنچیں تو حضرت خواجہ محمد عاقلؒ نے کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ جب بی بی صاحبہ نے کھڑے ہونے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے مرشد کی دعا کے طفیل تمہیں آنحضرتؐ کی زیارت نصیب ہوئی ہے اور تمہارے شکم سے قطب زماں پیدا ہوگا۔ چنانچہ ۱۲۰۵ھ میں حضرت خواجہ خدا بخش قدس سرہٗ کا تولد ہوا جس پر حضرت خواجہ احمد علیؒ نے غربا و مساکین کے لیے بے حد روپیہ خیرات کیا اور حضرت قبلہ قاضی الحاجاتؒ نے اپنا لعاب دہن بچے کے منہ میں دیا[1]۔ ظاہری تعلیم کے بعد آپ نے اپنے دادا حضرت قاضی صاحبؒ سے بیعت کی اور سلوک تمام کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

حضرت خواجہ احمد علیؒ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ خدا بخشؒ مسند خلافت پر متمکن ہوئے آپ ایک متبحر عالم اور بلند مقام درویش تھے۔ آپ طلبا کو خود درس دیا کرتے تھے۔ نواب صاحب

[1] اشارات فریدی جلد پنجم۔

بہاول پور کی دعوت پر آپ نے کوٹ مٹھن شریف سے سکونت ترک کر کے چاچڑاں شریف میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آج تک یہ خاندان چاچڑاں شریف ہی میں مقیم ہے۔

اولاد حضرت خواجہ خدا بخش محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے دو فرزند تھے۔ حضرت خواجہ غلام فخر الدینؒ اور حضرت خواجہ غلام فریدؒ۔ جب حضرت محبوب الٰہی کا بتاریخ ۱۲ ذوالحجہ ۱۲۶۹ھ وصال ہوا تو مولانا غلام فخر الدینؒ ۳۵ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے۔ اس وقت حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی عمر آٹھ برس تھی۔

خلفاءؒ حضرت خواجہ خدا بخشؒ کے مشہور خلفاء کے اسم گرامی یہ ہیں۔ حضرت مولانا غلام فخر الدینؒ، حضرت میاں نصیر بخش مہارویؒ، مخدوم پیر شاہ صاحبؒ، مخدوم حیدر بخش صاحبؒ۔

حضرت مولانا غلام فخر الدینؒ حضرت مولانا غلام فخر الدینؒ کی ولادت باسعادت ۱۲۳۴ھ میں ہوئی علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد حضرت محبوب الٰہیؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اور ان کی موجودگی میں تربیت مریدین میں مشغول ہو گئے۔ آپ بڑے متقی و پرہیزگار اور سختی سے پابندِ شریعت تھے۔ آپ کو شعر و سخن کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ آپ کے کلام کا مجموعہ دیوانِ اوحدی کی صورت میں آج تک موجود ہے آپ نے اوحدی تخلص اس لیے اختیار فرمایا کہ والد ماجد سے ڈرتے تھے کہ کہیں شعر گوئی پر خفا نہ ہو جائیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ اوحدی پرانا نام ہے اگر والد صاحب نے دریافت بھی کر لیا کہ کس کا کلام ہے تو عرض کر دوں گا کہ اوحدی کا۔ اور یہ کذب بیانی بھی نہ ہو گی کیونکہ آپ کا تخلص بھی اوحدی تھا۔

ذوق سماع آپ سماع کے بے حد مشتاق تھے۔ اکثر اوقات محافلِ سماع میں آپ پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور رقص کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ پر اس شعر پر وجد طاری ہو گیا۔

مگو کہ قطع بیانِ عشق آسان است   کہ کوہہائے بلا ریگ ایں بیابان است

ایک دفعہ جب قوالوں نے یہ غزل شروع کی تو آپ کو وجد آگیا اور کافی دیر تک رقص کرتے رہے ؎

لہ ہفت اقطاب۔

دو عالم غرقِ انوارِ تجلّیٰ است — ہمہ ذرّات بے خود ہمچو موسیٰ است
چرا مجنوں شدی در جستجویش — نظر بکشا کہ عالم پُر ز لیلیٰ است

(دونوں جہان انوار و تجلیات حق تعالیٰ سے لبریز ہیں اور کائنات کا ہر ذرہ موسیٰ کی طرح مست و بے خود ہے تم محبوبِ حقیقی کی تلاش میں کیوں مجنوں بنے ہوئے ہو۔ آنکھ کھول کر دیکھو تو سبھی سارا جہاں لیلیٰ سے پُر ہے۔)

وصال حضرت اقدس پر دو دفعہ دنبل کا حملہ ہوا۔ پہلی دفعہ پشت پر دنبل نکلا جس سے آپ صحت یاب ہوگئے لیکن جب دوسری بار دائیں ہاتھ پر دنبل ابھرا تو جان لیوا ثابت ہوا۔ شدید درد کے باوجود آپ ہمیشہ نماز با جماعت ادا کرتے رہے۔ آخر ۵ رجمادی الاول ۱۲۸۸ھ بروز سوموار آپ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۴۵ سال تھی۔

حضرت خواجہ غلام فریدؒ

ولادت باسعادت حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی ولادت باسعادت ۲۶ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ کو ہوئی اور حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ کے کان میں اذان پڑھی۔ ساڑھے تین سال کی عمر میں جب آپ کی رسم ختنہ ہونے لگی تو آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا غلام فخر الدین نے والد ماجد کے سامنے تجویز پیش کی کہ چونکہ بچے کی زبان صاف ہے اور مجمع بھی کافی بڑا ہے کیوں نہ اس کی رسم بسم اللہ شریف بھی اسی موقعہ پر کی جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ حضرت خواجہ تاج محمودؒ بچے کو بسم اللہ پڑھائیں۔ جب آپ نے بچے کو سامنے بٹھا کر فرمایا۔ "آکھ غلام فرید الف" تو بچے نے بھی وہی الفاظ دہرائے۔ "آکھ غلام فرید الف" جب دوسری اور تیسری بار کہنے پر بھی بچے نے وہی الفاظ دہرائے تو خواجہ تاج محمود پر وجد طاری ہوگیا اور زانو پر ہاتھ مار کر خود بھی وہی مصرعہ دہرانے لگے۔ "آکھ غلام فرید الف" حضرت محبوب الٰہیؒ کے اشارہ پر قوالوں نے ساز سیدھے کر لیے اور یہی مصرعہ۔ "آکھ غلام فریدؒ الف"۔ قوالی کے انداز میں گانا شروع کیا جس سے ساری محفل پر خوب ذوق شوق طاری ہوا اور بہت دیر تک یہی کیفیت رہی۔[1]

---

[1] ہفت اقطاب۔

ابتدائی تعلیم

اشاراتِ فریدی میں حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے قرآنِ حکیم میاں جی صدرالدین نے شروع کرایا لیکن ان کی وفات کے بعد میاں جی محمد بخش نے ختم کرایا۔ نظم کی کتابیں میاں جی احمد یار اور میاں جی برخوردار سے پڑھیں اور درسی کتابیں میاں جی قائم الدین نے پڑھائیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مولوی قائم الدین صاحب مجھے زد و کوب کیا کرتے تھے لیکن میاں جی برخوار خالی مکّے دکھا کر برخوردار دھمکی دیتے تھے۔ فرمایا ایک دفعہ میں ایک لڑکے کو گھوڑا بنا کر سواری کر رہا تھا کہ میاں جی برخوردار بیدار ہو گئے اور مجھے دھمکی دے کر پھر سو گئے۔ جب پھر بیدار ہوئے تو مجھ سے کہنے لگے کہ میں گھوڑا بنتا ہوں اور تم مجھ پر سواری کرو۔ یہ بات سن کر مجھے بہت شرم آئی اور میں نے انکار کر دیا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہے آخر میرے ایک چچا جو وہاں موجود تھے کی سفارش سے مجھے انہوں نے رضامند کر لیا۔ جب میں سوار ہوا تو انہوں نے فرمائش کی کہ ایڑھی بھی لگاؤ۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ میں گھوڑا اس لیے بنا تھا کہ حضرت محبوب الٰہی نے مجھے خواب میں غصے ہو کر فرمایا کہ تم میرے بیٹے کو مکّے دکھاتے ہو۔ حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے کہ بعد میں یہ تمام استاد مجھ سے توحید کی کتابیں پڑھتے تھے۔[1]

سلسلہ طریقت

علوم ظاہریہ سے فراغت پا کر آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا غلام فخر الدین قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مختصر سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ مہارویہ یہ ہے۔

اسمائے مشائخ مع تاریخ وصال و مدفن

حضرت خواجہ غلام فریدؒ تاریخ وصال ۶، ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ مدفن کوٹ مٹھن شریف، حضرت مولانا غلام فخر الدینؒ وصال ۵ جمادی الاوّل ۱۲۸۸ھ مدفن کوٹ مٹھن شریف حضرت خواجہ خدا بخش محبوب الٰہیؒ وصال ۱۲، ذوالحجہ ۱۲۶۹ھ، مدفن کوٹ مٹھن شریف، حضرت قاضی محمد عاقلؒ وصال ۸، رجب ۱۲۲۹ھ مدفن کوٹ مٹھن شریف، حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ وصال ۳، ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ مدفن چشتیاں شریف، حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ وصال ۲۷، جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ مدفن دہلی، نزد مزار پُر انوار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ،

---

[1] اشاراتِ فریدی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ وصال ۲۴ ذیقعدہ ۱۱۶۲ھ مدفن دہلی، حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ مدفن دہلی (نزد جامع مسجد) حضرت خواجہ یحییٰ مدنی وصال ۲۰ صفر ۱۱۲۲ھ مدفن مدینہ منورہ، حضرت شیخ محمدؒ وصال ۱۹ ربیع الاول ۱۰۴۰ھ مدفن دہلی، حضرت خواجہ حسن محمدؒ وصال ۲۰ ذیقعدہ ۹۸۲ھ مدفن دہلی، حضرت شیخ جمال الدین عرف شیخ جمنؒ یوم شہادت ۲۰ ذوالحجہ یا ۲۹ ربیع الاول مدفن دہلی، حضرت شیخ محمود عرف شیخ راجنؒ وصال ۲۲ صفر ۹۰۰ھ مدفن پٹن، حضرت خواجہ علم الدینؒ وصال ۲۶ صفر ۸۰۹ھ مدفن پٹن، حضرت شیخ سراج الدینؒ یکم جمادی الاول ۶۹۴ھ مدفن پٹن، حضرت خواجہ کمال الدین علامہؒ وصال ۲۷ شوال۔ مدفن دہلی، حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ وصال ۱۳ یا ۱۷ رمضان ۷۵۷ھ مدفن دہلی، حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ وصال ۱۷ ربیع الآخر ۷۳۵ھ مدفن دہلی، حضرت شیخ الشیوخ خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ وصال ۵ محرم ۶۶۸ھ مدفن اجودھن (پاکپتن شریف)، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی روشیؒ وصال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۵ھ مدفن دہلی، (مہرولی شریف) حضرت خواجہ بزرگ سلطان الہند نائب الرسول خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیریؒ وصال ۶ رجب ۶۳۳ھ مدفن اجمیر شریف، حضرت خواجہ عثمان ہارونی وصال ۵ شوال ۶۱۷ھ مدفن مکہ معظمہ (احاطہ محل شریف حسین)، حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ وصال ۱۰ رجب ۶۱۲ھ مدفن زندنہ (بخارا) حضرت خواجہ قطب الدین مودودؒ وصال یکم رجب ۵۲۷ھ مدفن چشت، حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ وصال ۳ رجب ۴۵۹ھ مدفن چشت، حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتیؒ وصال ۱۴ ربیع الاول ۴۱۱ھ مدفن چشت، حضرت خواجہ ابو احمد چشتیؒ وصال ۳ جمادی الثانی ۳۵۵ھ مدفن چشت، حضرت خواجہ ابو اسحاق شامیؒ وصال ۱۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ مدفن عکہ ملک شام حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ وصال ۱۴ محرم ۲۹۹ھ مدفن دینور، حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ وصال ۷ شوال ۲۸۲ھ مدفن بصرہ، حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشیؒ وصال ۱۴ شوال ۲۰۷ھ مدفن بصرہ (نزد بعض)، حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم بلخیؒ وصال یکم شوال ۲۶۲ھ مدفن اقلیم شام، حضرت خواجہ جمال الدین فضیل ابن عیاضؒ وصال ۳ ربیع الاوّل ۱۸۷ھ مدفن مکہ معظمہ قبرستان حارۃ الباب، حضرت خواجہ عبد الواحد بن زیدؒ وصال ۲۷ صفر ۱۷۶ھ مدفن بصرہ، حضرت خواجہ

حسن بصریؒ وصال ۴ محرم ۱۱۰ھ مدفن بصرہ، سیدنا و مولانا امیر المؤمنین حضرت ابن ابی طالبؓ ولادت باسعادت یوم جمعہ ۲۳ سال قبل ہجرت، وصال ۲۱ رمضان ۴۰ھ مزار مبارک نجف اشرف (عراق)، حضرت سیدنا و مولانا سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میلاد مبارک ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ صبح صادق عام فیل ۵۳ قبل ہجرت، وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ۔ روضہ اطہر مدینہ طیبہ۔

مسند نشینی جب حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے پیر و مرشد اور بڑے بھائی حضرت خواجہ غلام فخر الدین قدس سرہٗ کا ۵ جمادی الاول ۱۲۸۸ھ کو وصال ہوا تو اس وقت ان کی عمر ۴۵ سال اور حضرت خواجہ صاحبؒ کی عمر ستائیس سال تھی۔ چونکہ آپ اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے اس چھوٹی عمر میں تمام ظاہری و باطنی علوم حاصل کر کے کمالات کو پہنچ چکے تھے۔ اپنے شیخ علیہ الرحمۃ کے وصال پر آپ مسندِ خلافت اور رشد و ہدایت پر متمکن ہوئے۔ آپ کے تبحر علمی اور باطنی کمالات کا شہرہ پہلے ہی سے بلند ہو چکا تھا مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی لوگ ہر طرف سے جوق در جوق حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کرنے لگے۔

سفرِ حج مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے چار سال بعد یعنی ۱۲۹۲ھ میں آپ نے حج بیت اللہ شریف پر جانے کا قصد فرمایا اور دہلی اور اجمیر شریف میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ اور حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتیؒ قدس سرہٗ کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے بمبئی تشریف لے گئے اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر راہی ملک عرب ہوئے۔ اس سفر میں ایک سو سے زائد آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ راستے میں بھی جس شخص نے ساتھ جانے کی خواہش کی آپ نے اسے اپنی ہمراہی میں قبول فرمایا۔ چونکہ آپ کا شہرہ آپ سے پہلے عربستان میں پہنچ چکا تھا۔ سارے عرب میں آپ کی آمد کا خوب چرچا ہوا اور آپ نے وہاں کے غرباء و مساکین پر بے حد دولت خیرات کی۔ غرضیکہ ۴ صفر ۱۲۹۳ھ کو آپ حج سے فارغ ہو کر چاچڑاں شریف پہنچ گئے۔[۱]

درس و تدریس اگرچہ حضرت اقدس کے مشائخ عظام بذاتہٖ خود طلباء کو درس دیا کرتے تھے لیکن چونکہ آپ کے زمانے میں مریدین کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی

---

[۱] ہشت اقطاب۔

تھی اور ہر وقت ہجوم رہتا تھا آپ درس و تدریس میں بہت کم وقت صرف کر سکتے تھے اور زیادہ وقت آپ علوم باطنی کی تدریس اور تربیتِ مریدین میں صرف فرمایا کرتے تھے۔ مشائخ عظام کی سنت میں آپ لوائح جامی کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ لوائح جامی کی آپ نے جو تشریح فرمائی ہے وہ اشاراتِ فریدی میں بیان ہو چکی ہے اور ہمارے اردو ترجمہ میں حضرت اقدس کی شرح کا بھی ترجمہ ہو کر درج کتاب ہو چکا ہے۔ اربابِ طریقت کے لیے یہ ایک نادر تحفہ ہے اور حقائق و معارف کا ایک اعلیٰ سرمایہ ہے۔

تبحرِ علمی

آپ کے تبحرِ علمی اور شانِ معرفت کا یہ عالم تھا کہ دور دراز علاقوں سے علماء و فضلاء اور درویش حاضر ہو کر ادق مسائل دریافت کرتے تھے۔ صاحب ہفت اقطاب لکھتے ہیں کہ :-

"بحر العلوم حضرت مولانا شاکر محمد ڈیروی اپنے وقت کے بے نظیر اور جلیل القدر علماء کی صف میں شمار ہونے والے ہیں۔ چند ماہ حضور کی خدمت اقدس میں بغرض استفادہ وحصول فیوض مقیم رہے۔ کافی عرصے کے بعد کسی دوست نے حضرت مولانا سے دریافت کیا کہ اس عرصہ میں آپ نے کیا کچھ حاصل کیا ہے حضرت مولانا شاکر محمد صاحب نے جواب دیا کہ :-

ابھی تک تو لا الہ الا اللہ کا معنی پورا ختم نہیں ہوا۔

"حضرت مولانا محمد مسلم ساکن بھلن تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ وقت کے جید علماء سے تھے فقیر مؤلف کے والد صاحب کے اساتذہ کرام سے ہیں۔ حضرت مولانا کی خدمت میں کثیر التعداد طلباء دورۂ حدیث و کتب تفسیر و معقول پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد مسلم صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ فرید الدینؒ نے مجھے لا الہ الا اللہ کا معنی سمجھایا تو میں نے اپنے آپ کو حضور کے سامنے طفل مکتب سمجھا :

غلام نرگسِ مستِ تو تاجدارانند

حضرت دیوان ولایت شاہ صاحب اوچ بخاری، حضرت دیوان غلام شاہ صاحب حضرت دیوان خیر شاہ صاحب، حضرت دیوان حیدر بخش صاحب اور دیگر صوفیائے باکمال کے

علاوہ کثیر التعداد امراء، رؤساء اور والیانِ مملکت آپ کے حلقہ بگوش غلام اور مرید تھے۔ نواب صادق محمد خاں والئی بہاولپور آپ کے راسخ الاعتقاد مرید تھے اور حضرت اقدس کی غلامی میں فخر محسوس کرتے تھے۔ نواب قیصر خاں مگسی والئی ریاست جھل (بلوچستان) بھی آپ کے مرید تھے۔ علاوہ ازیں ریاست ٹونک کے نواب محمد عبد العلیم خان بھی آپ کے عقیدت مند مرید تھے۔ چونکہ مغلیہ خاندان کا آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر حضرت خواجہ فخر الدین دہلویؒ کا مرید اور خلیفہ تھا۔ بیشتر شہزادگان خاندان مغلیہ سلسلہ عالیہ فخریہ مہارویہ میں بیعت ہو کر تربیت سلوک حاصل کرتے تھے شاہی خاندان کے ایک فرد نواب غازی الدین حضرت جمال اللہ ملتانی کے مرید و خلیفہ اور حضرت خواجہ خدا بخش صاحب خیرپوری ٹامی والی کے پیر بھائی تھے۔ آپ کا مزار بھی خیرپور میں ہے۔
یہ غزل نواب غازی الدین کی ہے جو محافل سماع کی جان ہے ؎

یوسف اگرمیٔ بازار تو سبحان اللہ　　　رونقِ حسن ضیا بار تو سبحان اللہ

مغلیہ خاندان کے ایک شہزادہ احمد اختر حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ جو بڑے عجز و نیاز سے حضرت اقدس کی خدمت میں اخذ فیض کرتے تھے۔ ایک اکلوتا لڑکا حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخشؒ کا مرید تھا۔ ان کا نام شہزادہ محمد شاہ تھا۔ انہوں نے حضرتؒ نازک سائیں کے ملفوظات جمع کیے ہیں[1]

نواب صاحب بہاولپور کا عجز و انکسار ایک دفعہ حضرت خواجہ صاحبؒ ملتان تشریف لے گئے۔ سارا دن ملنے والوں کا ہجوم رہا حتیٰ کہ بارہ بجے رات تک لوگ حاضر ہو کر مستفیض ہوتے رہے۔ اس سے دربارِ عالیہ کا دربان میاں انکن تھک کر چُور ہو گیا۔ اور دروازہ بند کر کے سویا ہی تھا کہ نواب صاحب بہاولپور نے حاضر ہونے کی خاطر دروازہ کھٹکھٹایا۔ میاں انکن پہلے ہی سے تھک کر نیم جان ہو چکا تھا۔ اس نے غصے میں کہا کون کمتا ہے نواب صادق محمد خان والئی ریاست نے کہا "صادق کتا ہے" یہ سنتے ہی میاں انکن کے ہوش گم ہو گئے۔ جسم پر لرزہ طاری تھا۔ جب دروازہ کھولا تو نواب صادق بڑی خوشی سے میاں انکن سے بغلگیر ہوئے اور پچاس روپے بطور انعام پیش کیے۔[2]

---

[1] ہفت اقطاب۔　　[2] ہفت اقطاب

نواب قیصر خان صاحب کی عقیدتمندی

صاحب ہفت اقطاب لکھتے ہیں کہ :۔
" نواب قیصر خان مگسی والیٔ ریاست جھل کا عالمِ شباب تھا۔ حضرت فرید پاک کے کمال کا شہرہ سن کر چاچڑاں شریف آتے ہیں اور بعیت کی درخواست کرتے ہیں لیکن منظور نہیں ہوتی۔ روزانہ صبح شام کی مجالس میں حاضری ہوتی لیکن حضور توجہ نہیں فرماتے۔ اس پر بہت دن گذر گئے ایک دن نواب قیصر خان اپنے رفقاء و ملازمین سے کہتا ہے کہ اگر آج حضرت صاحب نے مجھے بعیت نہ کیا تو قسم کھاتا ہوں کہ واپس آکر اپنے آپ کو گولی سے اڑا دوں گا۔ بندوق بھر کر پلنگ پر رکھ دیتا ہے اور حضور کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ جونہی اندر داخل ہوتا ہے حضور فرماتے ہیں قیصر خان جلدی آؤ تجھے بعیت کریں۔ تیری بندوق سے ڈر آ رہا ہے۔ نواب قیصر بعیت ہو کر وطن چلے جاتے ہیں . . . کچھ عرصے کے بعد واپس آکر نواب قیصر حضرت اقدس کو اپنے وطن جھل تشریف لانے کی دعوت دیتا ہے۔ مقربین سفارشیں کرتے ہیں۔ درخواست منظور ہوتی ہے۔ تاریخ مقررہ پر حضرت اقدس بمع غلامان خاص فقراء، وخدام خانپور ریلوے سٹیشن پر پہنچ جاتے ہیں۔ زائرین کا ہجوم ہے۔ نواب قیصر خان پھولا نہیں سماتا . . . نواب قیصر خان کسی خادم سے کہتا ہے کہ جس وقت حضور میرے گھر پر قدم مبارک رکھیں گے ایک لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کروں گا۔ یہ بات رفتہ رفتہ حضور اقدس کی خدمت میں پہنچ جاتی ہے۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں، تیاری بند کردو اور واپس چلو۔ نواب قیصر خان کو اس بات کا علم ہوتا ہے۔ زار قطار روتا ہے۔ دست بستہ عرض کرتا ہے معافی مانگتا ہے۔ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر تڑپ تڑپ کر لیٹ رہا ہے لیکن حضور فرماتے ہیں فقیر اس وقت نہیں جا سکتا۔ "

وصال

حضرت اقدس کا وصال ۶ ربیع الاوّل ۱۳۱۹ھ کو ہوا اور اس وقت آپ کی عمر ۵۴ سال تھی۔

حضرت اقدس کے خلفاء، حضرت اقدس کے خلفاء کے اسمائے گرامی

حسب ذیل ہیں :-

(۱) حضرت اقدس کے فرزند ارجمند قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخش صاحب المعروف نازک سائیں قدس سرہ ۔ (۲) حضرت دیوان ولایت شاہ صاحب ساکن اوچ بخاری ۔ (۳) حضرت خواجہ فضل حق صاحب مہاروی ساکن منگھیر شریف (۴) حضرت حافظ محمد صاحب ساکن حاجی پور شریف ۔ (۵) حضرت مولوی احمد بخش صاحبؒ ساکن حجہ عباسیاں (۶) مولوی خان محمد صاحب ۔ (۷) میاں نبی بخش مہرلوالہؒ (۸) میاں جی محمد بخشؒ (۹) میاں محمد یعقوب ساکن چاچڑاں ۔ (۱۰) میاں بلند خان ناگوری (۱۱) میاں عبدالرحمٰن الہ آبادی (۱۲) مولانا رکن الدین جامع ملفوظات (۱۳) ملا نا بو محمد ابراہیم رزگوفی ۔

اولاد حضرت خواجہ صاحبؒ کے فرزند ارجمند قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخش صاحبؒ کے علاوہ آپ کی ایک معصومہ بھی تھیں ۔ جن کا عقد نکاح حضرت میاں امام بخش صاحب کوریجہ کے ساتھ ہوا اور جن کے بطن مبارک سے حضرت خواجہ فیض احمد صاحب الوصال پیدا ہوئے ۔ حضرت فیض صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند حضرت خواجہ فیض فرید مدظلہ العالی اس وقت چاچڑاں شریف میں سجادہ نشین ہیں ۔

حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخش صاحبؒ

حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخش الملقب نازک سائیں کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ میں ہوئی ۔ اپنے والد ماجد کے وصال کے وقت آپ کی عمر شریف تقریباً ۳۶ برس تھی ۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے آپ کی تعلیم و تربیت کے لیے خاص انتظام کیا تھا ۔ قلیل عرصہ میں ختم قرآن کے بعد آپ نے درسی کتابیں مولانا غلام رسول صاحب اور مولوی نصیر بخش صاحب کے ہاں پڑھیں ۔ مشکوٰۃ شریف اور لوائح جامی آپ نے اپنے شیخ حضرت والد ماجد قدس سرہ سے پڑھیں ۔ شرح عقائد کا درس بھی اپنے والد ماجد سے لیا ۔

تبحر علمی حضرت خواجہ محمد بخش صاحبؒ قدس سرہ مادر زاد ولی تھے اور جامع علوم ظاہری و باطنی تھے آپ مشائخ عظام کی سنت میں کچھ وقت درس و تدریس میں صرف کیا کرتے تھے ۔ باقی اوقات تربیت مریدین میں صرف کرتے تھے ۔ خواجہ احمد دین پاروی ؒ ، سید محمد نواز صاحب بھنن امامی ، حضرت مولوی نور محمد صاحبؒ پائی والے ، حضرت مولوی محمد یار صاحب ساکن

گرامی اختیار خان اور دیوان مہر جہانیاں صاحب جیسے عالم حضرت نازک سائیں سے لوائح جامی اور دیگر کتب تصوف کا درس حاصل کیا کرتے تھے۔

باطنی کمالات حضرت نازک سائیں کے باطنی کمالات کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت اقدس کے والد ماجد حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے مولانا محمد علی صاحب پتافی ساکن راجن پور کو جو ولی کامل اکمل تھے حضرت نازک سائیں کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ ان کو دیکھ کر ان کے مقام کا اندازہ لگائیں۔ آپ حضرت نازک کی خدمت میں جب پہنچے تو ان کا مقام دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے اور واپس آکر عرض کیا کہ کمال عروج میں بہت دور پہنچے ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا ہاں خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانے کے لیے انہیں کچھ نیچے لے آنا پڑے گا[1]۔

وصال آپ علیل ہوئے تو دہلی تشریف لے گئے اور حکیم اجمل خان سے علاج کرایا لیکن ایک دن حکیم اجمل خان نے آپ کی طبیعت دیکھ کر خادموں سے کہا کہ آپ کو گھر واپس لے جاؤ۔ چنانچہ چاچڑاں شریف واپس پہنچ کر ۱۲ر رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو واصل بحق ہوئے۔ عمر شریف صرف ۴۶ سال تھی۔

آپ کے خلفاء حضرت خواجہ محمد بخش صاحب قدس سرہٗ کے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

(۱) آپ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ محمد معین الدین صاحبؒ۔ (۲) حضرت مولانا نور احمد صاحب ساکن پائی شریف (فرید آباد) تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خان (۳) حضرت میاں احمد دین صاحب ساکن پراں شریف تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان (۴) جام میاں حامد صاحب علاقہ جلال پور پیر والا (ضلع ملتان)

حضرت خواجہ محمد معین الدین صاحبؒ :- حضرت خواجہ محمد معین الدین قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۲۰ر رمضان المبارک ۱۳۰۱ھ کو ہوئی۔ حضرت خواجہ محمد بخش نازک سائیں کے وصال کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال تھی۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ پیکر حسن وجمال تھے جو شخص آپ

---

[1] ہفت اقطاب۔

کے چہرہ مبارک کی طرف نظر کرتا محوِ حیرت ہو کر رہ جاتا۔

تعلیم و تربیّت

آپ نے کتب فارسی سکندر نامہ تک کی تعلیم مولوی برخوردار صاحب سے حاصل کی درسی کتب کی تعلیم مولوی احمد صاحب اور مولوی تاج محمود صاحب سے حاصل کی۔ ہدایت النحو کے چند سبقات مولوی محمد یار صاحب ساکن گڑھی اختیار خاں سے پڑھے۔ باطنی تربیت آپ کے والد ماجد حضرت نازک سائیں نے فرمائی۔

باطنی کمالات

ایک دفعہ آپ جب بستی ارائیں علاقہ لودھراں ضلع ملتان مدرسہ دینیہ موسوم معین العلوم کا سنگ بنیاد رکھنے کی خاطر تشریف لے گئے تو مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی[1] جو بعد میں شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ (موجودہ اسلامی یونیورسٹی) ہوئے اور مولانا محمد امیر صاحب حضرت خواجہ معین الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں جید عالم تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین نے ان دونوں حضرات کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "صفات اللہ لا عینہ ولا غیرہ" کی تشریح کریں۔ پہلے مولانا محمد امیر نے تقریر کی۔ خواجہ صاحب غور سے سنتے رہے اور دادِ تحسین دیتے رہے۔ اس کے بعد مولانا مولوی غلام محمد صاحب کی باری آئی آپ جامع معقول و منقول تھے نہایت زوردار تقریر فرمائی اور حضرت خواجہ صاحب نے خوب پسند فرمائی۔ اور گاہے بگاہے سبحان اللہ، بارک اللہ کہہ کر دادِ تحسین دیتے رہے۔ جب تقریر ختم ہوئی تو حضرت خواجہ صاحب نے خوش ہو کر فرمایا کہ قد بھی قد ہے اور علم بھی علم ہے۔ (مولانا غلام محمد صاحب طویل قامت تھے) اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ کو چاچڑاں شریف مقیم ہونے اور جمیع اخراجات

---

[1] حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی سابق شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کا ہندوستان بھر کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتا تھا۔ ظاہری علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو باطنی کمالات بھی عطا فرمائے تھے۔ آپ کے پیرِ طریقت حضرت خواجہ شاہ مہر علی گولڑوی قدس سرہٗ تھے۔ آپ سماع کے بہت شائق تھے اور ہر سال عرس پاکپتن شریف میں حاضر ہو کر مجالس سماع میں شریک ہوتے تھے۔ احقر راقم الحروف سے آپ خاص شفقت سے پیش آتے تھے۔ جب آپ کا بہاولپور میں وصال ہوا تو ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور سب لوگ آپ کی مفارقت میں دیوانہ وار سرگرداں تھے۔ خواص کی زبان پر یہ کلمات تھے: موت العالم موت العالم (عالم کی موت جہان کی موت ہے)۔

کے علاوہ یکصد روپیہ ماہانہ کی پیشکش فرمائی لیکن بعض مجبوریوں کے تحت انہوں نے معذرت کا اظہار کیا۔

اس مجلس میں دونوں علماء نے حضرت خواجہ معین الدین صاحب سے بھی درخواست کی کہ آپ بھی اس موضوع پر تقریر فرماویں۔ چنانچہ آپ نے تقریر فرمائی اور اس قدر بلند حقائق و معارف بیان فرمائے کہ دونوں علماء صاحبان عش عش کرتے رہے اور ذوق و وجد میں جھوم رہے تھے۔ تقریر کے دوران دونوں حضرات نے اعتراف کیا کہ ہم علمی مہارت کے باوجود میدانِ معرفت میں آپ کے سامنے طفلِ مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں۔[1]

حضرت کی جاذبیت

ایک دفعہ آپ اپنے رفقاء اصحاب اور خدام سمیت حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ کے عرس پر دہلی تشریف لے گئے آپ نے تمام غلامان کو حکم دیا کہ سب علیحدہ علیحدہ مجلس میں پہنچیں اور میرے ساتھ کوئی نہ جائے۔ میں اکیلا جاؤں گا۔ اور مجلسِ سماع میں جہاں میں بیٹھ جاؤں کوئی شخص دخل انداز نہ ہو۔ سب غلامان کے مجلس میں پہنچ جانے کے بعد آپ پہنچے اور سب سے پیچھے بیٹھ گئے۔ یہ کمال انکسار ہے۔

لیکن آفتاب بھی کہیں چھپ سکتا ہے۔ جس شخص کی آپ پر نظر پڑی ادباً حضرت خواجہ صاحب کے پیچھے بیٹھتا گیا۔ حتیٰ کہ مجلس میں جتنے لوگ شریک تھے سب پیچھے پہنچ گئے۔ اور آپ سب سے آگے بیٹھے تھے۔ حاضرینِ مجلس آپ کی جاذب شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اٹھ کر قدم بوس ہوتے تھے اور قوالوں کے لیے نذرانے حضور کی خدمت میں پیش کرتے رہے۔[2]

پابندئ شریعت

آپ شریعت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس قدر پابند تھے کہ عرسوں پر آپ نے خواتین کا آنا بند فرما دیا تھا۔ تاکہ مرد اور عورتیں یکجا جمع نہ ہوں۔ آپ نے سب لوگوں کو ہدایت کر دی تھی کہ عرس کے قبل یا بعد مستورات کو لایا کریں۔ مجالسِ سماع میں بھی آپ آدابِ شریعت ملحوظ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ریاست بہاولپور کا سیشن جج مہتہ اودھو داس کوٹ شریف میں حاضر ہوا اور مجلسِ سماع میں آکر بیٹھ گیا۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اسے خادم کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ تمہارا مجلس سماع میں شریک ہونا ہمارے لیے آدابِ سماع کے خلاف ہے آپ اس مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے۔ چنانچہ وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ صاحب کم سن لڑکوں

[1،2] ہفت اقطاب۔

کو بھی مجالس سماع میں نہیں بیٹھنے دیتے تھے ؎۱

حضرت خواجہ معین الدینؒ کے خلفاء

حضرت اقدس کے خلیفہ اول بقول صاحب ہفت اقطاب حضرت کے فرزند دلبند حضرت خواجہ قطب الدینؒ تھے اور خلیفہ ثانی حضرت مولانا محمد یار گڑھی اختیار خان تھے۔ جن کی بیعت حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ سے اور تربیت حضرت قطب الموحدین حضرت نازک سائیں سے تھی۔

وصال

حضرت خواجہ معین الدین اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات مجھے ناپسند ہے کہ چاچڑاں شریف میں میری وفات ہو اور کندھوں پر سوار ہو کر کشتی میں رکھا جاؤں اور پھر کوٹ مٹھن جا کر دفن ہوں۔ چنانچہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا فخر جہاں کے عرس کے لیے آپ ۲ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ کو روانہ ہوئے آپ نے سب لوگوں سے اس طرح ملاقات کی جیسے کہ آپ کی آخری ملاقات ہے۔ کوٹ مٹھن شریف پہنچ کر آپ پلنگ پر لیٹ گئے اور لیٹتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ آپ کے وصال کی تاریخ ۲ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قطب عالم خواجہ قطب الدین کا سن ولادت ۱۳۳۱ھ ہے۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ آپ کا اصلی نام قطب فرید اور لقب قطب عالم تھا۔ آپ کی تعلیم کے لیے حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ نے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو مقرر کیا تھا۔ حضرت اقدس کے وصال کے بعد حکومت بہاولپور نے یہ انتظام کیا کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ کو تعلیم کی خاطر بہاولپور میں مقیم کیا اور مولوی محمد ابراہیم صاحب کو بدستور آپ کا استاد رکھا۔ کچھ عرصے کے بعد نواب صادق محمد خاں خامس مرحوم نے مولوی عبدالمالک افسر مال کو حکم دیا کہ مولوی فاروق احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ اور مولوی سلطان احمد صاحب پشاوری کو ہمراہ لے کر حضرت خواجہ قطب عالم کا امتحان لیں۔ آپ کے استاذ مولوی محمد ابراہیم صاحب خائف تھے کہ معلوم نہیں امتحان کس طرح ہو گا۔ لیکن جب یہ تینوں حضرات وہاں پہنچے تو مولوی فاروق احمد صاحب نے خواجہ صاحب سے کہا کہ قبلہ نواب صاحب نے ہمیں آپ کا امتحان لینے کا حکم دیا ہے آپ جہاں سے چاہیں پڑھ کر سنا دیں کہ قبلہ نواب صاحب

؎۱،۲ ہفت اقطاب

کی شرط پوری ہو جائے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا مولوی صاحب یہ خیانت ہے۔ آپ عالم ہیں خیانت نہ کریں۔ جسے امتحان کہتے ہیں آپ وہی لیں اور جہاں سے مرضی آئے پوچھیں۔ اس کے بعد مولوی فاروق احمد صاحب نے کافیہ کا ورق الٹا اور ایک مقام پر انگلی رکھ کر کہا کہ اس کی شرح کریں[1]۔

مولوی ابراہیم صاحب فرماتے ہیں کہ شرح میں آپ نے وہ باتیں بتائیں جو بخدا میں نے آپ کو کبھی نہیں بتائی تھیں۔ آپ نے مولانا جامیؒ کی تحقیق حاصل محصول کی سالم تشریح بیان کر دی جسے دونوں مولوی صاحبان حیرت زدہ ہو کر سنتے رہے۔ جب آپ نے تقریر ختم کی تو مولوی فاروق احمد صاحب کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ ؎

اگر گیتی سراسر باز گیرد   چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

مولوی سلطان احمد صاحب پشاوری سے بھی نہ رہا گیا انہوں نے فرمایا ؎

فی المھد ینطق عن سعادتہ   اثر نجابة ساطع البرھان[2]

وصال

لیکن داناؤں نے کہا ہے کہ نادر ہستیاں زیادہ دیر زندہ نہیں رہتیں۔ حضرت قطب صاحبؒ کا ۲۳ رجب ۱۳۴۳ھ کو وصال ہو گیا جس سے اس خانوادۂ عظیم کے مریدین میں کہرام مچ گیا لیکن قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے   حسرت ان غنچوں پہ جو بے کھلے مرجھا گئے

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد   روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

ہر شخص کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے ؎

میڈا قطبن پیر پیارا   توں رول گیوں جگ سارا

اس کے بعد خواجگان کوٹ مٹھن شریف کی نرینہ اولاد کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

حضرت خواجہ فیض احمد صاحبؒ

خواجہ قطب الدینؒ کے بعد حکومت بہاول پور کی طرف سے حضرت خواجہ فیض احمد صاحب جو حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے نواسے تھے خلیفہ و جانشین مقرر ہوئے۔ حضرت خواجہ فیض احمدؒ اس وقت عاقل، بالغ، فارغ التحصیل، متقی و پرہیزگار تھے۔ دستار بندی کے لیے ریاست بہاولپور کے ہوم منسٹر مولوی

[1-2-3] ہفت اقطاب۔

غلام حسین صاحب آئے۔ جب دستار بندی ہو چکی اور خواجہ فیض احمد صاحبؒ مسجد سے باہر نکلنے لگے تو اس خاندان کے بزرگ ترین مشائخ حضرت خواجہ ہوت محمد ساکن شیدانی شریف نے آگے بڑھ کر ان کا جوتا سیدھا کیا۔ یہ دیکھ کر خواجہ فیض احمد صاحبؒ نے فرمایا قبلہ آپ میرے دادا ہیں۔ ایسا نہ کریں۔ خواجہ ہوت محمد صاحبؒ نے فرمایا۔ اب میں دادا نہیں رہا بلکہ میں تو عاقل محمد بن گیا۔ ہم سب تیرے غلام ہیں[1]۔ سنا ہے کہ حضرت خواجہ فیض احمدؒ کو خلافت بھی حضرت خواجہ ہوت محمد صاحبؒ سے ملی تھی۔ نواب صادق محمد خان خامس عباسی مرحوم بھی خواجہ فیض احمدؒ کے مرید تھے۔

حضرت خواجہ فیض فرید صاحب مدظلہ

حضرت خواجہ فیض احمدؒ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند حضرت خواجہ فیض فرید مدظلہ العالی مسند نشین ہوئے۔ آپ اگرچہ نوجوان ہیں لیکن ذوق و شوق میں معمر ہیں۔ یہی ذوق و شوق کا غلبہ ہے کہ آپ اکثر اوقات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہتے ہیں۔

خواجگان کوٹ مٹھن شریف کی دیگر گدیاں

شیدانی شریف

چاچڑاں شریف کی گدی کے بعد دوسری اہم گدی شیدانی ہے۔ مخادیم شیدانی شریف حضرت خواجہ قاضی محمد عاقلؒ کے پوتے حضرت خواجہ تاج محمودؒ کی اولاد ہیں۔ خواجہ تاج محمودؒ کو اپنے دادا حضرت خواجہ عاقل محمدؒ سے خلافت تھی۔ خواجہ تاج محمودؒ کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ غوث پاکؒ تھے۔ اور حضرت غوث پاکؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ ہوت محمد (ہوت پاکؒ) تھے جو اکثر مستغرق فی الذات رہتے تھے۔ حضرت خواجہ ہوت محمدؒ کے خلیفہ آپ کے پوتے حضرت خواجہ بگن میاں تھے جن کا اب وصال ہو گیا ہے اور آپ کی مسند پر آپ کے فرزند فائز ہیں۔

حضرت شیخ محمد صاحب لاہوریؒ

خواجہ غوث پاکؒ کے ایک خلیفہ حضرت خواجہ حامد شیدانویؒ بھی تھے حضرت شیخ محمد صاحب لاہوریؒ خواجہ حامدؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ شیخ محمد لاہوریؒ کا مزار لاہور کے مشرق میں بستی ڈیڑھ پنڈی میں واقع ہے اور علاقہ لاہور میں مرجع خلائق ہے۔

---

[1] جنت افتاب۔

حضرت خواجہ محمد شریف صاحبؒ

حضرت خواجہ محمد بخش نازک سائیںؒ کے نواسے حضرت خواجہ محمد شریف بھی صاحبِ کمال بزرگ تھے جن کے صاحبزادے حضرت خواجہ احمد علی صاحب اس وقت کوٹ مٹھن شریف میں سکونت پذیر ہیں اور حلقۂ مریدین میں مشائخیت کے فرائض انجام دے رہے ہیں بڑے صاحب درد اور صاحبِ ذوق وشوق ہیں۔

حضرت خواجہ دُرمحمد صاحبؒ ساکن گڑھی اختیار خان

خواجگان کوٹ مٹھن شریف کے نواسوں میں ایک حضرت خواجہ دُرمحمد صاحبؒ تھے جو گڑھی اختیار خان تحصیل خانپور میں سکونت پذیر تھے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت بدھن میاں اس وقت سجادہ نشین ہیں اور تربیت مریدین میں کافی جدوجہد کر رہے ہیں۔ حضرت خواجہ دُرمحمد صاحب بڑے باکمال بزرگ تھے آپ کا حال ہی میں وصال ہُوا۔

آخر میں دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں کے طفیل اپنے اسلاف کے مسلک پہ گامزن ہونے اور شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے اصولوں پہ عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ کیونکہ اسلام میں اصل مدعا قرب الی اللہ، وصول الی اللہ اور تعلق باللہ ہے باقی سب کچھ ہیچ ہے۔ عارف جامیؒ نے سچ فرمایا ہے ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامیؔ
کہ درین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

باب دوم

تصانیف

ہمیں حضرت خواجہ صاحبؒ پر تحقیق کے دوران آپ کی مندرجہ ذیل کتب کا پتہ چل سکا ہے :۔

(۱) مقابیس المجالس یا اشارات فریدی یعنی مجموعۂ ملفوظات جو آپ کے مرید و خلیفہ مولانا رکن الدین نے فارسی میں جمع کیے ہیں اس کے متعلق تفصیل سے بحث ہو گی ۔

(۲) دیوانِ فریدی ۔ یہ آپ کے سرائیکی کلام کا مجموعہ ہے جو شورشِ عشق کے علاوہ حقائق و معارف سے لبریز ہے

(۳) فوائدِ فریدیہ ۔ یہ ایک فارسی زبان میں رسالہ ہے جو سلوک اور ولایت کے متعلق حضرت اقدس کے افادات کا مجموعہ ہے ۔

(۴) مناقب فریدیہ ۔ یہ کتاب ہماری نظروں سے نہیں گذری لیکن ملفوظات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی زندگی میں یہ کتاب چھپ چکی تھی ۔

(۵) ڈوہڑہ جات فریدی ۔ یہ آپ کے ڈوہڑہ جات کا مجموعہ ہے لیکن اس کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے بعض لوگ ان ڈوہڑہ جات کو آپ سے منسوب کرتے ہیں بعض کو اختلاف ہے لیکن معانی اور سوز و گداز کے اعتبار سے دیوانِ فریدی کے لگ بھگ ضرور ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

مقابیس المجالس کی اہمیت

چونکہ ہمارا موضوع یہی مقابیس المجالس ہے اس لیے اس کی اہمیت و افادیت پر تفصیل سے بحث کرتے ہیں :۔ یہ کتاب حضرت خواجہ صاحب کی زندگی کے آخری نو دس سال کی کاوش اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے اور مریدین کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت کے متعلق بیش بہا جواہرات سے لبریز ہے ۔ اس کتاب میں ایسی جامعیت ہے کہ جہاں اس سے عامۃ الناس مستفیض ہو سکتے ہیں طالبانِ راہِ حق کے تمام طبقات یعنی مبتدی متوسط اور منتہی سب کے لیے ان کے حسب استعداد اسباق و نکات موجود ہیں ۔ لیکن اس عظیم خانوادہ کے حلقہ بگوشاں اور ولدوا گان نے اس عظیم الشان کتاب کے متعلق جس قدر بے اعتنائی ، تغافل اور تساہل روا رکھا ہے وہ افسوس ناک ہے ۔ کس قدر ظلم ہے کہ جس کام کے لیے حضرت اقدس

جیسے عدیم الفرصت اور ذاتِ حق میں مستغرق ولیٔ کامل، مکمل اور اکمل نے رات دن مسلسل جد و جہد فرمائی آپ کے نام لیواؤں میں سے کسی نے اس کی نشر و اشاعت کے لیے کماحقہٗ توجہ نہیں فرمائی حالانکہ ان میں بیشمار امرار، ورؤسار اور علمار و فضلار شامل ہیں۔ یہی حشر دیوانِ اوحدی کا ہوا ہے جو حضرت اقدس کے شیخ و برادرِ کلاں حضرت خواجہ غلام فخر الدینؒ کے کلام کا مجموعہ ہے۔ حقائق کے اعتبار سے یہ بہترین کلام ہے اس کا ایک مشرح نسخہ بھی حضرت اقدس کے زیر مطالعہ رہتا تھا جس کے بلند پایہ اقتباسات مقابیس میں موجود ہیں لیکن اب اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

طبع اوّل مقابیس المجالس جس کو آئندہ ہم سہولت کی خاطر اشاراتِ فریدی سے موسوم کریں گے کی پہلی تین جلدوں کی طباعت آپ کے خلیفۂ جانشین قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخش قدس سرہ کے زیرِ سرپرستی نواب محمد عبد العلیم خان والیٔ ریاست ٹونک نے جو حضرت اقدس کے راسخ العقیدہ مرید تھے سال ۱۳۲۱ھ یعنی آپ کے وصال کے دو سال بعد مطبع مفید عام آگرہ میں کرائی۔ چوتھی جلد کی طباعت زیرِ سرپرستی حضرت خواجہ فیض احمد ۱۳۴۶ھ میں باہتمام حکیم صالح محمد جنیدی مطبع رفیق عام لاہور میں ہوئی۔ پانچویں جلد نے اب تک سورج کی روشنی نہیں دیکھی۔ غرضیکہ پہلی تین جلدوں کو طبع ہوئے اب تقریباً پون صدی اور چوتھی جلد کو نصف صدی ہو چکی ہے۔ پانچویں جلد اسی طرح "قدر دان" حضرات کے تنگ و تاریک اور گرد آلودہ کتب خانوں میں طاق نسیان کی زیب و زینت بنی ہوئی ہے۔ اس طرح اب یہ مکمل کتاب ناپید ہے۔

اس احقر راقم الحروف کو جب پہلی بار جام غلام علی مرحوم ہیڈ ماسٹر نے جو احقر کے ہم درس تھے ۱۹۴۲ء میں اشاراتِ فریدی کی چوتھی جلد مرحمت فرمائی تو احقر کی آنکھیں کھل گئیں اور اس کے ترجمہ اردو کا شوق دامنگیر ہوا لیکن یہ تو صرف ایک جلد تھی باقی چار جلدیں معدوم تھیں۔ آخر پندرہ بیس سال کی جد وجہد سے پہلی تین جلدیں میاں حسین بخش جو حضرت خواجہ محمد بخشؒ کے خادم خاص تھے کے گھر واقعہ قلعہ ڈیراور جو ریگستان بہاولپور کے قلب میں ہے سے مل گئیں۔ پانچویں جلد کا دو تین مقامات پر سراغ لگا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مولانا نور احمد فریدی صاحب کی کوشش سے پانچویں جلد بھی سردار محمد اسمٰعیل خان صاحب ایڈووکیٹ سانگھڑ (صوبہ سندھ) جو اس خانوادۂ عظیم کے حلقہ بگوش ہیں کے ہاں سے مل گئی جس سے احقر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تحقیق و ترجمہ پر بھی چند برس صرف ہوئے

اور آج خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم سے مشائخ کوٹ مٹھن کا یہ عظیم الشان خزانہ قدر دان حضرات کے سامنے ہے۔

اشارات فریدی کی اہمیت کی پہلی وجہ اشارات فریدی کی اہمیت کی پہلی وجہ یہ ہے کہ عہدِ حاضر کے نظریۂ لادینیت (SECULARISM) اور مادہ پرستی (MATERIALISM) کے طوفان نے تمام مذاہب کی روحانی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو ختم کر کے ساری دنیا میں حسن بہمیت کا دَور قائم کر دیا ہے اس کے قلع قمع کے لیے روحانیت اسلام سے زیادہ مؤثر کوئی ہتھیار اور کوئی طاقت نہیں ہے۔ چونکہ اشاراتِ فریدی عصرِ حاضر کے ایک ایسے ولیٔ کامل المحل کے ارشادات کا مجموعہ ہے جو علوم قدیم وجدید میں مہارت تامہ رکھنے کے علاوہ عصرِ حاضر کے تمام مسائل و معاملات سے بھی بخوبی آگاہ تھے آپ کے یہ روحانیت سے لبریز ملفوظات تہذیب مغرب کے تمام زہر آلودہ نظریات کے لیے تریاق کا اثر رکھتے ہیں۔

اسلام کی سب سے بڑی کامیابی اور عظمت کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے انسان کو حق تعالیٰ کا قرب و معرفت اور حضوری حاصل ہوتی ہے اور بمصداق حدیث قدسی بی یسمع اور بی یبصر اور حدیث انه ینظر بنور الله اور حدیث تخلقوا باخلاق الله، اسے حق تعالیٰ کی صفات سے متصف ہونے اور خلافت الٰہیہ کے فرائض انجام دینے کی استعداد حاصل ہوتی ہے اور معجزات و کرامات کا حق تعالیٰ کی طرف سے دروازہ کھلتا ہے۔

لہٰذا اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ اولیاء کرام کی تعلیمات کو زندہ کر کے دنیا کے سامنے روحانیتِ اسلام پیش کی جائے کیونکہ عصرِ حاضر کے طوفان لادینیت اور مادیت کا یہی صرف علاج ہے اور حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی کتاب اشاراتِ فریدی اس کام کے لیے اکسیرِ اعظم کا درجہ رکھتی ہے اس وجہ سے کہ آپ عہدِ حاضر کے ولی اللہ ہیں اور عہدِ حاضر کے تمام مسائل اور پیچیدگیوں سے باخبر ہیں۔

اہمیت کی دوسری وجہ:۔ مقابیس المجالس کی اہمیت کی دوسری وجہ یہ

ہے کہ فی الحال اس کتاب کے مفقود ہونے کی وجہ سے حضرت اقدس کا تعارف زیادہ تر آپ کے مجموعہ کلام یعنی دیوانِ فریدی سے ہوا ہے چونکہ بقول مرزا غالب ؎

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو — بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

حضرت اقدس کے "بادہ و ساغر" کو سطحی نظر رکھنے والوں نے مطلقاً مجاز کے رنگ میں دیکھا ہے اور اشعار کے باطن کی طرف بہت کم لوگ گئے ہیں اس لیے یار لوگوں نے دیوانِ فریدی کی کافیوں سے مجاز پرستی کا جواز نکالنا شروع کر دیا ہے حالانکہ حضرت اقدس کا مطمع نظر مجاز کی زبان میں حقیقت کو پیش کرنا تھا۔

مجاز کی ضرورت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حقیقت بیانی مطلوب ہے تو مجاز کی کیا ضرورت ہے اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو مرزا غالب نے دیا ہے ؎

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

چونکہ اقلیم حقیقت کی کوئی زبان ہی نہیں ہے اور ہر طرف سے محبوب حقیقی کی ذات بابرکات کے متعلق ، لاتعین ، منقطع العبارت ، منقطع اللغت ، منقطع النعت ، منقطع الاشارۃ ، منقطع السمت ، بیچوں و بیچگون ، بے مثل ، بے مثال ، بے رنگ و بو ، بے شکل و بے صورت کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں کوئی عارف اس ذاتِ منزہ صفات کے متعلق کہے تو کیا کہے محبوبانِ مجازی جیسے حذ و خال ، عشوہ و ناز ، تیر و کمان ، لب و دندان اور زنجیر و زلف ہی کو استعمال کرنا پڑتا ہے ورنہ خاموشی ہی خاموشی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ مشائخ عظام تربیت خلائق اور علم نفسیات میں ماہرینِ فن کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہیں عوام کو حق تعالیٰ کی طرف بلانے کے لیے ہم رنگِ زمین جال بچھانے پڑتے ہیں۔ تیتر بٹیر کو پکڑنے کے لیے ان کی سی بولی بولنی پڑتی ہے بعض اوقات کچھ عرصہ کے لیے ان کو مجاز میں رہنے کی اجازت بھی دی جاتی ہے۔ تاکہ آتش عشق کے شعلے بھڑک اٹھیں اور ماسویٰ کو جلا کر خاک کر دیں جب ماسویٰ کی محبت جاتی رہی تو کانٹا بدل کر ان کو حقیقت کی پٹڑی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ اس قاعدہ کلیہ پر حضرت خواجہ صاحب نے بھی عمل کیا ہے اور اپنے کلام میں مجاز اور حقیقت کا اس خوبی سے امتزاج کیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن جہاں اربابِ معنی نے آپ کے کلام مجاز

میں غواصی کر کے حقیقت کے موتی نکال لیے ہیں بعض کم ہمت اور کم ظرف افراد مجاز میں پھنس کر رہ گئے ہیں علاوہ ازیں بعض بد طینت لوگوں نے حقیقت کے پہلو سے یکسر قطع نظر کر کے حضرت اقدس کے مجاز پر بے جا نکتہ چینی کی ہے اور آسمان پر تھوکنے کی کوشش کی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے کتاب اشارات فریدی سیف قاتل کا اثر رکھتی ہے جس میں حضرت اقدس نے عشق مجازی کی حقیقت واضح کر کے اسے ابتدائی منزل قرار دیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ ساری اسلامی تاریخ میں صرف تین بزرگ ایسے گذرے ہیں جو آخر عمر تک مجاز میں رہے باقی تمام مشائخ عظام المجاز قنطرۃ الحقیقت پر عمل کرتے ہوئے مجاز ترک کر کے اقلیم حقیقت میں گامزن ہوئے ہیں۔ وہ تین بزرگ یہ ہیں، حضرت شیخ اوحدالدین کرمانیؒ، حضرت شیخ احمد غزالیؒ، حضرت شیخ فخرالدین عراقیؒ۔

مجاز کے متعلق شاہ شمس تبریزی کا شیخ اوحدالدین کرمانی کو انتباہ

حضرت خواجہ صاحب نے ترک مجاز کی ضرورت کو اجاگر کرنے کی خاطر ایک واقعہ بیان کیا ہے آپ فرماتے ہیں ایک دفعہ شاہ شمس الدین تبریزیؒ نے شیخ اوحدالدین کرمانیؒ سے پوچھا کہ آج کل کیا کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ چاند کے حسن کو پانی میں دیکھتا ہوں (یعنی حسن حقیقی کو مجاز میں مشاہدہ کرتا ہوں) آپ نے فرمایا اگر تمہاری گردن میں دنبل نہیں ہے تو چاند کو براہ راست آسمان پر کیوں نہیں دیکھتے۔ (یعنی حسن حقیقی کا براہ راست مشاہدہ کیوں نہیں کرتے اور مجاز کو درمیان میں کیوں واسطہ بناتے ہو گردن میں دنبل سے مراد یہ ہے کہ تمہاری حالت میں نقص ہے۔)

امام اعظمؒ کا مجاز سے پرہیز

اشارات فریدی میں حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد چونکہ بے ریش تھے آپ انہیں ستون کے پیچھے بٹھا کر درس دیتے تھے عرصہ دراز کے بعد جب آپ نے اپنے شاگرد کے سایہ میں ڈاڑھی کا عکس دیکھا تو فرمایا اچھا تمہاری ڈاڑھی نکل آئی ہے اب میرے سامنے بیٹھ کر پڑھا کرو۔

حضرت خواجہ صاحب اور عشق مجازی

آپ اشارات فریدی میں فرماتے ہیں کہ ہر شخص کی زندگی میں تین دور ہوتے ہیں۔ ابتدائی دور وسطی دور اور انحطاط، آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا ابتدائی دور جوش و خروش سے لبریز تھا اور جلدی

سے گذر گیا۔ اس کے بعد وسطی دَور آیا جس میں طبیعت کا میلان دوسری طرف ہو گیا اور اب آخری دَور ہے۔ نیز دیوان فریدی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ابتدائی یعنی مجاز کا فی الواقع دَور جلدی گذر گیا تھا کیونکہ آپ کے شروع کے کلام میں بھی قال کی بجائے حال کا زبردست غلبہ نظر آتا ہے اور مجاز کے رنگ میں حقیقت کا دریا موجیں مار رہا ہے لیکن پھر بھی آپ "بادہ وساغر" عشوہ وغمزہ" "ناز نہورے" جیسے الفاظ ترک نہ کر سکے کیونکہ حقیقت کے ملک کی کوئی زبان ہی نہیں۔ حقائق بیان کرنے کے لیے اقلیم مجاز کی زبان استعمال کرنا پڑتی ہے جس سے کم فہم لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے۔ حالانکہ حضرت اقدس نے دیوان فریدی میں عشق مجازی کی کھلی مذمت فرمائی ہے ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں ؎

بھی گالھا رَت پوں تے ۔ کردیں دھاں فریاد
باجھوں احد حقیقی ۔ محض خراب آباد
حُسن مجازی کوڑا ۔ ہے فانی برباد
کل شئے غیر خدا دے ۔ ھالک بے بنیاد
باجھ محبت ذاتی ۔ کوجھا شور فساد

لفظ "محبت ذاتی" سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ طالب صفات نہیں تھے بلکہ اس سے گذر کر طالب ذات ہو چکے تھے جو بلند ترین مقام ہے۔

حضرت مولانا جامیؒ اور مجاز ہمارے فارسی دان طبقہ میں مولانا جامیؒ عشق مجازی کے علمبردار مانے جاتے ہیں یہ لوگ آپ کے اس قسم کے اشعار اکثر نقل کیا کرتے ہیں ؎

متاب از عشق رُوے گرچہ مجازی است ۔ کہ آں بہرِ حقیقت کارسازی است

اوّل تو اسی شعر کے مصرعہ ثانی میں عشق مجازی کو عشق حقیقی کا ذریعہ بتایا گیا ہے لیکن آپ کے مندرجہ ذیل شعر میں تو مجاز کو فوری طور پر ترک کرنے کی تاکید کی ہے ؎

ولے باید کہ در صورت ۔ نہ مانی ۔ وزیں پل زود خود را بگذرانی

عارف رومیؒ اور مجاز عشق و محبت کی دنیا میں حضرت مولانا رومؒ کارواں سالارِ عشاق مانے جاتے ہیں یار لوگ عشق مجازی کے ثبوت میں آپ کے یہ

اشعار تو پیش کرتے ہیں ؎

مرحبا اے عشقِ خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما اے دوائے نخوت و ناموسِ ما

لیکن جن اشعار میں آپ نے عشق مجازی کی صریح مذمت فرمائی ہے انہیں نظر انداز کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں ؎

عشق با مُردہ نباشد پائیدار عشق را با حیّ و با قیوم دار
عشق ہائے کز پئے رنگے بُود عشق نبود عاقبت ننگے بُود

شیخ فریدالدین عطارؒ اور مجاز

اسی طرح حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ نے اشعار ذیل میں عشقِ مجازی کی مذمت فرمائی ہے ؎

ہر کہ شد در عشقِ صورت مبتلا ہم ازاں صورت فتد در صد بلا
ترک صورت گیر در عشقِ صفت تا بیابد آفتاب معرفت
صورتت جز خلط و خونے بیش نیست مرد صورت مردِ دور اندیش نیست
ہر چہ او از خلط و خون زیبا بود ہر کہ دل بندد برو رسوا شود
عشقِ صورت نیست عشق معرفت عشق شہوت بازئ حیواں صفت

حسنِ مجازی تو کیا مشائخ عظام طلب صفات اللہ سے طلب ذات کو اہمیت دیتے ہیں

بعض کم فہم لوگ اولیاء کرام کا مسلک اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ ان کے ہاں عشق مجازی کا جواز نکلتا ہے لیکن ان نادانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ حسنِ مجازی جو حادث و فانی ہے تو درکنار بلند مقام عارفین اور بلند ہمت کاملین عالمِ ملکوت اور عالمِ جبروت کے مکشوفات و تجلیات میں بھی دل نہیں لگاتے بلکہ طالبِ صفات ہونے کی بجائے طالبِ ذات بننا زیادہ پسند کرتے ہیں اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ ذات کا مقام صفات سے زیادہ بلند ہے لہٰذا طالبِ ذات کا مرتبہ طالبِ صفات سے زیادہ بلند ہونا چاہیئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح عشق مجازی میں نفسانیت ہے عالمِ صفات کے کشف و کرامات اور تجلیاتِ صوری میں بھی نفسانیت کا شمہ موجود ہے اس میں حظِ نفس کا احتمال ضرور ہے بخلاف طلبِ ذات

کے کہ جہاں نفسانیت کا کلی طور پر قلع قمع ہو جاتا ہے اور ذاتِ لاتعین اور غیب ہویت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اقسام حجاب باریک بین عرفا نے حجاب کے تین اقسام بیان کیے ہیں جو مختلف مقامات و منازل کے سالکین کو پیش آتے ہیں۔ حجاباتِ ظلمانی، حجاباتِ نورانی اور حجاباتِ کیفی۔

حجاباتِ ظلمانی حجاباتِ ظلمانی وہ پردے ہیں جو غلبۂ نفسانیت کی وجہ سے بندہ و مولا کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎

حجابِ چہرۂ جاں مے شود غبار تنت — تو خود حجابِ خودی حافظؔ از میاں خیز

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

ہستیٔ تست حجاب تو وگرنہ پیداست — کہ بجز دوست دریں پردہ نہاں چیزے نیست[1]

حجاباتِ نورانی حجاباتِ نورانی سے مراد وہ پردے ہیں جو کشف و کرامات کی وجہ سے سالک اور مالک کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

بیا اے دل دمے از ہستیٔ خود ترکِ دعویٰ کن — میفگن چشم بر صورت نظر در عینِ معنیٰ کن

اس کی وجہ یہ ہے کہ تجلیاتِ صوری میں سالک پھنس کر رہ جاتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

چوں جملہ جہاں مظہر آیات وجودند — اندر طلب از مظہر و آیات گذشتیم

حجاباتِ کیفی حجاباتِ ظلمانی اور نورانی سے گذر کر سالکین کی راہ میں اور پردے حائل ہوتے ہیں جنہیں حجاباتِ کیفی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ذات بحت یا ذات لاتعین اور غیب ہویت کے طلبگاروں کے پیش نظر ہر وقت یہ اصول رہتا ہے ؎

چوں مستِ خلوتش گشتی فلک را خیمہ برہم کن — ستونِ عرش در جنباں طنابِ آسمان درکش

طریقش بے قدم مے رو حدیثش بے زباں مے گو — جمالش بے بصر مے بیں شرابش بے دہاں درکش

لیکن پھر بھی "جمالش بے بصر بیں" اور "شرابش بے دہاں درکش" کی حالت میں بھی ان کو سرور،

---

[1] اس غزل کا ایک شاندار شعر یہ ہے ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامیؔ — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

مستی اور محویت سے واسطہ رہتا ہے جس سے سالکین کو ایک گونا ں لذت حاصل ہوتی ہے۔ بس لذت درمیان میں آئی اور تیور بدل گئے اس وجہ سے کہ اس وقت وہ طالبِ لذّت ہوتا ہے طالبِ مولیٰ نہیں ہوتا، یہ حجاباتِ حقیقی ہیں چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ معاملہ کس طرح نازک ہے، محبوبِ حقیقی سخت نازک مزاج ہے اور ذرا سی بات پر بگڑ جاتا ہے ؎

نازک مزاج شاہاں تابِ سخن ندارد

اس لیے بزرگان کا مقولہ ہے کہ ؎

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

غیرتِ دوست

حضرت شیخ اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے راستے میں ایک نہایت ہی حسین و جمیل عورت ملی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رک گئے۔ میں نے اس سے کہا کہ تو نے میرے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میری بھی یہی حالت ہے لیکن میری ایک ہمشیرہ ہے وہ اس قدر خوبصورت ہے کہ اگر آپ اسے دیکھ لیں تو مجھے بھول جائیں گے میں نے کہا وہ کہاں ہے اس نے کہا آپ کے پیچھے کھڑی ہے جب میں نے پیچھے کی طرف دیکھا تو اس عورت نے اس زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا کہ چہرہ لال ہو گیا اور کہنے لگی کہ کذاب، بطال دل میرے سامنے لگاتے ہو اور دیکھتے اور کو ہو۔ یہ ہے غیرتِ حُسن اور عتابِ محبوبِ حقیقی جو سالکین کی راہ میں حجاب بن کر رہ جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ حسنِ مجازی میں کس قدر وبال ہے اس وبال کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ جو حریمِ دوست میں پہنچ کر محرمِ راز بن جاتے ہیں۔ اصحابِ حال جانتے ہیں کہ جب سالک پر فنائیت کا دَور شروع ہوتا ہے اور یقین جانیں کہ بہت جلدی شروع ہوتا ہے تو اس وقت حُسنِ مجازی کی طرف سالک دیکھ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس سے اس کے مقام میں تنزل واقع ہوتا ہے اور طبیعت میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بے صورت کو چھوڑ کر صورت کی طرف آنا بے حد مشکل ہوتا ہے

اشاراتِ فریدی میں قارئین کرام دیکھ لیں گے کہ حضرت اقدس نے عشقِ مجازی کو راہِ حقیقت میں کس قدر مضر قرار دیا ہے آپ بلاشبہ طالبِ حقیقت تھے لیکن چونکہ ؎

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

آپ نے لامحالہ مجاز کی زبان بھی اختیار کیا ہے لیکن ہر جگہ آپ حقیقت کی طرف بھی اشارے کرتے گئے ہیں تاکہ حقیقی منزلِ مقصود پیشِ نظر رہے۔

اشاراتِ فریدی کی اہمیّت کی تیسری وجہ

اس کتاب کی تیسری اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ جو علمائے ظواہر نے شریعت اور طریقت کے مابین خلیج پیدا کر دی ہے اور اس قسم کے نعرے لگا رہے ہیں کہ طریقت اور مسلکِ تصوف اسلام اور شریعتِ محمدی کے خلاف ہے حضرت خواجہ صاحب نے اپنی تقاریر میں اس کی سخت مذمت فرمائی ہے اور قولاً و عملاً آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ شریعت عین طریقت ہے اور طریقت عین شریعت ہے۔ تصوف عین اسلام ہے اور اسلام عین تصوف ہے۔ آنحضرتؐ کا یہی مسلک تھا اور یہی قربِ حق کا ذریعہ ہے۔ لفظ تصوف کے زمانہ مابعد میں مروج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح تمام علوم اسلامیہ مثل تفسیر حدیث، فقہ، معانی، اسماء الرجال، صرف و نحو آنحضرت صلعم کے زمانۂ مبارک کے بعد مرتب ہوئے۔ علم معرفت یعنی تصوف بھی بعد میں مرتب ہوا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے قول و فعل سے ثابت کیا ہے کہ جو کچھ کسی کو ملا ہے پابندیٔ شریعت کی بدولت ملا ہے اور جو کچھ کسی سے چھینا گیا ہے شریعت کی خلاف ورزی کی وجہ سے چھینا گیا ہے۔

اشاراتِ فریدی کی اہمیّت کی چوتھی وجہ

اس کتاب کی اہمیت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ حضرتِ اقدس کا مسلک توحید وجودی ہے لیکن وحدت الوجود کا جو غلط مفہوم بعض جہلاء نے لے رکھا ہے حضرتِ اقدس نے اس کی سخت مذمت فرمائی ہے۔

اشاراتِ فریدی کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ ہر کام میں سختی سے شریعت کے پابند تھے اور آپ سے فرائض، واجبات اور مؤکدات تو درکنار نوافل بھی کبھی قضا نہیں ہوئیں۔

اشاراتِ فریدی میں آپ نے حضرت شیخ اکبرؒ، مولانا جامیؒ، شیخ صدر الدینؒ اور شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ کے اقوال کی روشنی میں مسئلہ وحدت الوجود پر اس عالمانہ اور عارفانہ انداز میں بحث کی ہے کہ توحید وجودی اور شریعت محمدی میں سرِ مو تفاوت نظر نہیں آتا۔ اس موضوع پر مکمل بحث اپنے مقام پر آرہی ہے۔

اہمیّت کی پانچویں وجہ

اشاراتِ فریدی کی اہمیت کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک علمائے ظواہر اس خوف و فکر کا اظہار کرتے آئے ہیں کہ صوفی لوگ عرس، فاتحہ، نذر، نیاز، سماع وغیرہ میں مبتلا رہ کر رفتہ رفتہ ایک نیا مذہب بنا لیں گے اور اسلام سے منحرف ہو جائیں گے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جس چیز کی بدولت آج تک اسلام کا وجود دنیا میں باقی ہے وہ اولیاء کرام کی روحانی تعلیمات اور ان کے باطنی فیوض ہیں۔ تاریخ اس بات کی بھی گواہی دے رہی ہے کہ مزارات پر اجتماعات اور محافل عرس و سماع کے باوجود جس سختی اور خلوص سے طبقۂ اہل اللہ عقائد شریعت اور اعمال صالحہ پر پابند رہا ہے علمائے ظواہر کو اس کا عشرِ عشیر تک نصیب نہیں ہوا۔ کتاب اشاراتِ فریدی سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اگرچہ حضرت خواجہ صاحبؒ چودھویں صدی کے ولی اللہ ہیں وہی چودھویں صدی جو دورِ فتن کے نام سے مشہور ہے۔ تاہم محافلِ عرس و سماع، زیارات مزارات اور پیری و مریدی کے باوجود آپ شریعتِ محمدی کا مکمل نمونہ تھے اور نہ صرف عوام بلکہ خواص اور علمائے متبحرین کا ملجا و ماویٰ تھے۔ بڑے بڑے جیّد عالم اور فاضل آپ کے سامنے طفل مکتب ہونے کا اعتراف کرتے تھے۔ اور ادق سے ادّق مسائل حل کراتے تھے۔ بلکہ اشاراتِ فریدی اور کتب تاریخ و سیر سے تو الٹا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے تنزّل کی سب سے بڑی وجہ ہی یہی ہے کہ علمائے ظواہر نے اسلام کی روحانیت اور باطنی پہلو کو نظر انداز کر کے ظاہری رسومات پر اکتفا کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع باطنی یعنی اتباع معنوی کو چھوڑ کر انہوں نے صرف اتباع ظاہری کو اسلام سمجھ لیا جس سے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم — نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

وہ نہ دنیا کے رہے ہیں نہ دین کے۔ بلکہ دینِ حق کو انہوں نے مسخ کر کے مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔

خدا سلامت رکھے اِس طبقہ اہل اللہ کو جنہوں نے اسلام کے ظاہری عبادات کے پروگرام کے ساتھ اس کی باطنی تعلیمات پر بھی عمل کیا جس کی بدولت اسلام آج تک زندہ و پائندہ ہے اور ہمیشہ رہے گا کیونکہ قرآنِ عظیم میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اہل حق کا گروہ ہمیشہ موجود رہیگا جو اسلام کا جھنڈا بلند رکھیگا۔

اہمیّت کی چھٹی وجہ

کتاب کی اہمیّت کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ برّصغیر ہند و پاکستان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی حکم سے خواجگانِ چشت کو ورثہ میں ملا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں جو شدید نسبت عشقیہ کا عنصر ہے وہ برّصغیر کے لوگوں کے

عشقیہ مزاج کے عین مطابق ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کو اس وقت کے پایۂ تخت اجمیر میں جاکر برِصغیر کو نورِ اسلام سے منور کرنے کا اشارہ فرمایا اور حضرت خواجۂ بزرگ اور آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے روحانی فیوض و برکات کی بدولت یہ کفرستان بقعۂ نور بن گیا۔ اس سے پہلے حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتی قدس سرہٗ کی روحانی توجہات سے سلطان محمود غزنوی کو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں اور برصغیر میں اسلام کے قدم مستحکم ہوگئے تھے۔ اگرچہ دیگر سلاسل کے مشائخ عظام کا بھی برصغیر کی اصلاح میں کافی ہاتھ ہے لیکن بنیادی طور پر یہ ملک ہمیشہ مشائخ چشت اہلِ بہشت کے دائرہ تسلط و تصرف میں رہا ہے خاص طور پر ملک کی باطنی سیاست اور نظم و ضبط کلی طور پر مشائخ چشت کے ہاتھ میں رہا ہے اور اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا بلکہ اہلِ نظر تو یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ کی حضرت مخدوم سید علی ہجویری داتا گنج بخش قدس سرہٗ کے مزارِ مقدس پر چلہ کشی بھی برصغیر کے چارج کے لین دین کی نوعیت کی تھی۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر جملہ مشائخ چشتیہ کا برصغیر کے لوگوں کے ساتھ خاص تعلق ہے اور نسبت چشتیہ کا غلبۂ ذوق و شوق، سوز و گداز، گریہ و نالہ، آہ و فغاں جس کا اظہار محافلِ سماع میں ہوتا ہے برصغیر کے لوگوں کی نسبت عشقیہ کے عین مطابق ہے چونکہ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ میں نسبتِ عشقیہ چشتیہ کا شدید غلبہ ہے حضرت اقدس کی زندگی اور تعلیمات اس ملک کے لوگوں کے لیے بدرجہ اتم مناسبت اور اہمیت کی حامل ہیں۔

اہمیت کی ساتویں وجہ

اشاراتِ فریدی کی اہمیت کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ عصرِ حاضر کے بلند پایہ ولی اللہ ہیں جن کے مرید اور مریدوں کے مرید، احباب، اصحاب اور ان کی اولاد اب تک زندہ ہیں۔ حضرت اقدس کی خدمت میں کثرت سے علماء، فضلاء، درویش، امراء، رؤساء، مریدین اور دیگر لوگ حاضر ہوکر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔ اور ان ملاقاتوں کی روایات اور داستانیں اب تک ان خاندانوں میں مشہور ہیں۔ چونکہ ان تمام لوگوں کی ملاقاتوں اور سوال و جواب وغیرہ کی تفصیل اشاراتِ فریدی میں آچکی ہے اس لیے یہ کتاب ہم سب کے لیے باعثِ فخر اور باعثِ مسرت ہے کیونکہ اس سے ان کی تمام غیر مصدقہ روایات پر مہرِ تصدیق ثبت ہوتی ہے۔ نیز اس کتاب سے جن حضرات کے بزرگان کی خلافت اور باطنی کمالات کی تصدیق ہوتی ہے وہ بھی تاریخی لحاظ سے بڑی اہمیت کی چیز ہے۔

باب سوم

سلوک الی اللہ

قبل اس کے کہ ہم اپنے اصلی مضمون یعنی حضرت خواجہؒ کے بیان کردہ حقائق و معارف کی روشنی آپ کے بلند منازل و مقامات کا پتہ لگانے کی کوشش میں یعنی اُسی سے

آفتاب آمد دلیل آفتاب

کے طریقے سے نہ کہ اپنی عقل نارسا کی روشنی میں، ہم قارئین کی سہولت کے لیے منازل سلوک الی اللہ پر قدرے روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ زمین بھی تیار ہوتی جائے۔ احکاماتِ تصوف سے بھی آگاہی ہوتی جائے اور ادق روحانی حقائق کے سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی جائے۔

سلوک الی اللہ یاد رہے کہ جس طرح ابتدائے آفرینش سے ذات منزّہ اور لاتعیّن کا بالتدریج ظہور بذریعہ تنزلات (دوائر جمع دائرہ) کی صورت میں ہوا عروجی و نزولی سفر بھی بشکل دائرہ طے کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ایک خاکہ حسبِ ذیل ہے:۔

فنا فی اللہ جب اسلامی عبادات، یعنی فرائض، سنن نوافل، وظائف، اذکار، مشاغل، مراقبات کے ذریعے سالک کو تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تخلیۂ روح نصیب ہوتا ہے تو اس کی نفسانیت میں کمی اور روحانیت میں قوت پیدا ہوتی جس سے وہ عالم قدس کی جانب پرواز کرتا ہے۔ یہ سفر نقطۂ ب سے شروع ہوتا ہے اور نقطہ ع سے ہوتا ہوا مقام الف پر ختم ہوتا ہے لیکن یہ ختم ہونا اصطلاحی ہے نہ کہ حقیقی۔ کیونکہ ذاتِ حق لامتناہی ہے لہٰذا سفر عروجی کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ مقامِ الف پر سالک کو ذاتِ حق میں فنائیت حاصل ہوتی ہے۔

فناء الفناء جب سالک ذاتِ احدیت میں ترقی زیادہ کرتا ہے اور کلی طور پر محو اور فانی ہو جاتا ہے تو اس پر اس قدر لاشعوری کی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ فنا کو بھی بھول جاتا ہے یعنی یہ احساس کہ میں فنا ہو چکا ہوں بھی جاتا رہتا ہے اس مقام کو فناء الفناء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

بقا باللہ لیکن اسلام میں فنا فی اللہ آخری مقام نہیں ہے جہاں پہلی امتوں میں مقام فنا منزلِ مقصود تھا اسلام نے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کا اعلان کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت سے بنی نوع انسان کو حصہ دیا اور فنا فی اللہ کے بعد بقا باللہ کو آخری منزل قرار دیا۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کا خاصہ یہ ہے کہ جب سالک بمصداق حدیث تخلقوا باخلاق اللہ اور حدیث بی یسمع و بی یبصر مقام الف پر پہنچ کر صفات باری تعالیٰ سے متصف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے بات کرتا ہے۔ حدیث الحق ینطق علیٰ لسان العمر سے یہی مراد ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں فنا حاصل کرنے کے بعد وہ اس منصب خلافتِ الٰہیہ کے فرائض انجام دینے کے قابل ہو جاتا ہے جس کا آیہ انی جاعل فی الارض خلیفہ میں اشارہ ہے۔ حق تعالیٰ کی جانب سے یہ اختیارات لے کر اب وہ اپنے اصلی مقام ب پر واپس آتا ہے۔ اس سفر کو تصوف کی اصطلاح میں سفر نزولی یا سیر من اللہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

سیر من اللہ کے دوران سالک کو سیر مع اللہ اور سیر باللہ بھی حاصل ہوتی ہے جو تکمیل کے لوازمات

ہی سے ہیں۔ مقام ب پر واپس آکر سالک وہ نہیں ہوتا جو سفر شروع کرنے سے پہلے اس مقام پر تھا سفر سے پہلے وہ ناقص تھا، اب وہ کامل بن کر آیا ہے۔ پہلے وہ نفس امارہ کے ہاتھوں میں کھیلتا تھا، اب اس کا نفس لوّامہ نفس مطمئنہ ہو چکا ہے۔ پہلے اس کی باطنی آنکھ نابینا تھی اب بینا ہے اب وہ حق تعالیٰ کی بصیرت سے دیکھتا ہے اور حق تعالیٰ کے صفات سے متصف ہو کر منصب خلافت الٰہیہ کی انجام دہی کے لیے جملہ اختیارات لے کر آیا ہے۔ مقام ب پر عود کرنے کو بقا باللہ کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہاں پہنچ کر سالک اپنی ذات سے فانی اور ذات وصفات حق سے باقی ہوتا ہے۔

اس مقام کو مقام عبدیت، عبودیت، دوئی، کثرت، فرق بعد الجمع، مقام صحو اور مقام تمکین سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ جہاں مقام فنا کا خاصا سکر، استغراق، محویت اور مستی ہے۔ مقام بقار کا خاصہ صحو یعنی ہوشیاری اور تمکین ہے۔ یہی وجہ ہے اصحاب فنا کو اہل تلوین اور ارباب بقا کو اہل تمکین کہا جاتا ہے۔ مقام الف پر سالک کو ابن الحال اور مقام ب پر ابو الحال کہتے ہیں۔ مقام الف پر سالک کا تعین گم ہو جاتا ہے مقام ب پر وہ اپنے تعین میں کامل بن کر منصب خلافت الٰہیہ کے فرائض انجام دیتا ہے، لوگوں کی رشد و ہدایت پر مامور ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کرتا ہے اور دیگر فرائض زندگی انجام دیتا ہے۔ لہٰذا اکابر عرفاء کے نزدیک حصول فنا فی اللہ کمال نہیں ہے بلکہ بقا باللہ کمال ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے بھی ارشادات فریدی میں اسی مقام بقا باللہ کو آخری اور بلند ترین مقام قرار دیا ہے کیونکہ اسلام میں یہی معراج بشریت اور یہی تکمیل انسانیت ہے۔

مقامات

سلوک الی اللہ کی مختلف منازل و مقامات سمجھ لینے کے بعد اب قارئین کرام کے لیے حضرت خواجہ صاحبؒ کا مقام سمجھنے میں آسانی ہو گی یہی وہ شاہراہِ حقیقت ہے جس پر تمام اولیاء کرام اور مشائخ عظام گامزن ہو کر منزلِ مقصود پر پہنچے ہیں۔

آپ کا مقامِ فنا فی اللہ

اب ہم آپ کی ولایت کی مختلف خصوصیات بیان کرتے ہیں۔ دیوانِ فریدی اور اشاراتِ فریدی میں حضرت اقدس نے جو حقائق و معارف بیان فرمائے ہیں ان کی روشنی میں آپ کی ولایت کی چند خصوصیات نظر آتی ہیں جن میں سے پہلی خصوصیت آپ کی شان فنا فی اللہ ہے۔ فنا فی اللہ سے پہلے جس سفرِ عروجی کا ذکر سلوک الی اللہ کے باب میں آیا حضرت اقدس نے اسے اپنے اشعار میں یوں بیان فرمایا ہے ؎

گر نے پورے بھید بتائے — عقل فکر سب وہم گمائے
مدہوشی وچ ہوش سکھائے — سارا سفر عروج سمجھایا

یہاں گُر سے مراد شیخ کامل ہے۔ "عقل فکر اور فہم گم ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ مقام فنا فی اللہ میں محویّت و استغراقِ ذات کی وجہ سالک اپنے آپ کو بھول جاتا ہے بلکہ ساری کائنات کو بھول کر صرف ذاتِ حق میں محو ہو جاتا ہے۔ "مدہوشی وچ ہوش سکھائے" سے مراد صفات باری تعالیٰ سے متصف ہونا ہے یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ سالک جس قدر ذاتِ حق میں گہرا جاتا ہے صفات باری تعالیٰ سے اسی قدر متصف ہوتا ہے، حدیث تخلقوا باخلاق اللہ اور بی یسمع و بی یبصر کا اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ نیز صفات باری تعالیٰ سے جس قدر متصف ہوتا ہے کشفِ حقائق اسی قدر زیادہ ہو جاتا ہے لہٰذا، "مدہوشی وچ ہوش سکھائے" سے مراد کشفِ حقائق ہے۔ دیوانِ فریدی میں جگہ جگہ پر آپ کے اسی مقام پر فائز ہونے کے اشارات ملتے ہیں۔ ایک کافی میں آپ فرماتے ہیں ؎

دل مست محو خیال ہے ۔ سیر مو تفاوت نہ سہوں.
اے خیال عین وصال ہے ۔ تے کمال ہے نہ کہ ہے جنون
یہ گم ہونا فنا فی اللہ یعنی ذاتِ حق میں گم ہونا ہے ۔

نیز فرماتے ہیں :۔

الیوم بصر حدید وے ۔ ہر وقت یار تے دید وے
کھولی عشق قلب کلید وے ۔ بھئے گجھڑے راز پدید وے
دل ئل گھدی توحید دے ہے حال روز مزید وے

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :۔

ڈیہنہ ہجر دے مکلا گئے ۔ ویلھے وصال دے آگئے
جانم بجاناں شد قرین ۔ ھٰذا جنون العاشقین

"جانم بجاناں شد قرین" سے وہی قرب معنوی ہے جس کا دوسرا نام فنا فی اللہ ہے ، وصال بھی یہی ہے ۔

مقام فناء الفناء مقام فنا سے اوپر ایک اور مقام ہے جسے فناء الفناء یا فنائے فنا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ ارباب حال کو معلوم ہو گا کہ فنا فی اللہ کے وقت ذاتِ واحد میں فنائیت کا احساس رہتا ہے لیکن بحر احدیت میں مسلسل غوطے لگانے کے بعد ایک ایسا وقت آتا ہے کہ احساس فنائیت بھی نہیں رہتا ہے اور سالک پر کیفیت لاشعوری طاری ہو جاتی ہے ۔ اس مقام کو فناءُ الفناءُ کہتے ہیں یعنی یہ احساس بھی نہ رہے کہ وہ فنا ہو گیا ہے ۔ تصوف کی اصطلاح میں فنا فی اللہ کو قرب نوافل" اور فناء الفناء کو قربِ فرائض کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کے مندرجہ ذیل اشعار سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کی ولایت کی ایک خصوصیت مقام فناء الفناء بھی ہے ۔ ؎

بری بیزار ہن ذاتوں صفاتوں ۔ مست جانانوں
محض آزاد ہن ناموں نشانوں ۔ دین ایمانوں
جنڈاں ڈوں تریں تو غافل ہے ۔ تڈاں ہک نال واصل ہے
لدھا قرب النوافل ہے ۔ دل ایقانوں تے احسانوں

آخری مصرعہ میں لفظ "احسانوں" میں صفت تلمیح ہے جس کا اشارہ حدیث احسان کی طرف ہے

یعنی اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ اُسے دیکھ رہے ہو۔ "بری وا توں حفاتوں" کا مطلب یہ ہے کہ مقام فنار الفنار کے وقت ذاتِ حق میں فنار کا شعور بھی باقی نہیں رہا۔

حضرت اقدس کی ولایت کی تیسری خصوصیت یعنی شان بقا باللہ

حضرت اقدس کی ولایت کی تیسری اور نہایت اہم خصوصیت

آپ کا شان بقا باللہ ہے۔ مقام فنار الفنار دروازہ ہے بقا باللہ کا جسے مقام فنار الفنار حاصل ہوا بس وہ ملکِ بقا میں داخل ہو گیا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ مقام فنا فی اللہ کی محویت، سکر اور استغراق سے نکل کر جب سالک اپنے تعین یعنی مقام دوئی میں عود کرتا ہے تو چونکہ وہ صفات باری تعالیٰ سے متصف ہوتا ہے وہ ہر کام حق تعالیٰ کی صفات سے کرتا ہے بالفاظ دیگر وہ اپنی صفات سے فانی ہو کر حق تعالیٰ کی صفات سے باقی ہو جاتا ہے اس وجہ سے اس مقام کو بقا باللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اکابر اولیائ کے نزدیک یہ مقام سب سے زیادہ بلند اور عروجِ بشریت کی آخری منزل ہے۔ یہاں پہنچ کر سالک انسان کامل بنتا ہے اور خلقت کے ساتھ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شارع اعظم نے لا رھبانیۃ فی الاسلام کا اعلان فرما کر رہبانیت یعنی دوامی ترک دنیا کو ناجائز قرار دیا ہے۔ جہاں دیگر مذاہب میں آخری مقام فنا فی اللہ اور ترکِ دنیا تھا اور ہندو رشی، بدھ، عیسائی اور یہودی راہب ہمیشہ کیلئے جنگلوں کی غاروں میں رہ جاتے تھے۔ پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر رہبانیت کو ناجائز قرار دیا لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ روحانی ضروریات کے ساتھ جسمانی ضروریات پورا کرنے اور روحانی اور مادی ترقی کے حصول کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ وہ جامعیت ہے جو اسلامی تعلیمات کے سوا کسی جگہ نہیں ملتی۔ اسی مقام پر انسان کامل منصبِ خلافت الٰہیہ کے فرائض انجام دینے کے قابل ہوتا ہے۔ اسی مقام پر مسند پہ خلافت پر متمکن ہو کر ہدایتِ خلق پر مامور ہوتا ہے، اسی مقام پر پہنچ کر وہ جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے، سیاست مدن میں حصّہ لیتا ہے اور دیگر فرائض زندگی ادا کرتا ہے۔ اسی مقام پر اس کا ایمان پرکھا جاتا ہے اسی مقام پر محبوب حقیقی کی طرف سے اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے کبھی تجلیات سے نوازا جاتا ہے کبھی استتار سے ستایا جاتا ہے۔ اسی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آکر خواجہ صاحبؒ پکار اٹھتے ہیں ؎

کیوں ٹُک چھپ بھہدیں ڈھولہ میں کنوں
ایہا ریت سکھی ہئی کین کنوں

نیز فرمایا :-

ہے سوز عجب ہے ساز عجب ہے گھنڈ عجب ہے حجات عجب

ہک پاسوں ناز نواز عجب بے پاسوں عجز نیاز عجب

اسی مقام بقائیت پر قوس ابرو سے تیر ہائے مژگان کی بارش کر کے عشاق کے قلوب کو چھلنی کیا جاتا ہے اسی مقام پر پروانوں کو شمع پہ جلا کر خاک کیا جاتا ہے ۔ اسی مقام پر بلبل کو حسنِ گل پہ رقص کرنے اور جان نثار کرنے کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے

آتشِ رخسار گل خرمن بلبل بسوخت چہرۂ خندانِ شمع آفت پروانہ شد

اسی مقام پر کبھی عشاق کو آتشِ عشق میں جلا کر راکھ بنایا جاتا ہے اور کبھی شربت وصل سے سیراب کیا جاتا ہے ۔ کبھی تیغ ابرو سے اس پہ وار کیے جاتے ہیں اور کبھی لب لعل کی شیرینی سے اسے شاد کام کیا جاتا ہے لیکن لطف ہو یا ستم، ظلم ہو یا کرم عاشق صادق ہر حال میں راضی رہتا ہے اور فرطِ مسرت میں پکار اٹھتا ہے

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (عراقیؒ)

تازہ دارد زخم دل فیض نمکدان کسے سبزہ شد نخل مراد از آب پیکان کسے

جب مرزا مظہر جانجاناں کو دشمنوں نے شہید کر دیا تو آپ خاک و خون میں غلطاں اس شعر کا ورد کر رہے تھے

زخم دل مظہر مبادا بہ شود ہشیار باش کیں جراحت یادگار ناوک مژگانِ اوست

جب حضرت خواجہ صاحبؒ پہ ناوک مژگان چلائے جاتے ہیں تو خوش ہو کر فرماتے ہیں

پڑھ بسم اللہ ڈکھڑے چیساں خوشیاں کر کر جھولی پیساں

جے وت تیکوں ہے منظور

فنا سے بقا زیادہ محبوب اور بلند ہے

یہ شانِ بقا باللہ ہے جو اکملین اولیاء اللہ کو فنا فی اللہ سے زیادہ محبوب ہے ۔ فنا میں استغنار ہے اور بقاء میں تسلیم و رضا۔ خاصانِ خدا بارگاہِ رب العزت میں استغنار سے تسلیم و رضا کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ لذتِ وصل سے لذتِ درد ان کو زیادہ محبوب ہے کیونکہ یہی کمال عبدیت اور آخری نقطۂ عروج بشریت ہے وہ ہر وقت

من لذتِ درد تو بدرماں نفروشم کفر سرِ زلف تو بایماں نفروشم

کا وِرد رکھتے ہیں اور محبوب کے جور و ستم کو جو دراصل چھیڑ چھاڑ اور دشنامِ محبت کا درجہ رکھتا ہے خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہتے ہیں۔

حضرتِ اقدس کے کلام میں کثرتِ ہجر و فراق کی وجہ

حضرت خواجہ صاحبؒ کے کلام میں جو ہجر و فراق اور سوز و گداز کا عنصر زیادہ ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ کو دولتِ قرب و وصال سے کم حصہ ملتا تھا اور زیادہ تر آپ ہجوری کی حالت میں پیچ و تاب کھاتے رہتے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ولایت میں بدرجۂ اتم شانِ بقا باللہ رکھتے تھے۔ جس طرح فنائیت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا اسی طرح آپ کا نزول بھی قوی تھا اور بقا باللہ اور عبدیت میں آپ کو کمال حاصل تھا اس وجہ سے آپ کو لذتِ وصل سے لذتِ دردِ زیادہ محبوب تھی اور فنا کی بلندیاں چھوڑ کر آپ مقام دوئی اور کثرت میں آکر اپنے آقا و مولا کا ادنیٰ عبد بن کر رہنے میں زیادہ لذت محسوس ہوتی تھی چنانچہ آپ کے کلام میں اکثر عبدیت اور نیستی کا اقرار در اقرار نظر آتا ہے۔ ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں ؎

ٹھنڈی نیئں تشدید وے   کاوڑ اتے تہدید وے
ایہو ادنیٰ عبد خدید وے   ازلوں ہے دید خرید وے

٭ ازلوں سے مراد یوم الست ہے یعنی جب حق تعالیٰ کے مطالبۂ الست بربکم کے جواب میں سعید روحوں نے بلیٰ کہہ کر طوقِ عبدیت اپنی گردنوں میں ڈالا۔ پس اکابر کاملین کا مقام فنا کو عمداً ترک کر کے مقام بقا، عبدیت، عجز و انکسار پر واپس آنا وعدہ یوم الست کا ایفا ہے۔

امتِ محمدیہ میں اصحابِ بقا کی کثرت ہے

اولیائے امتِ محمدؐ کی زبردست اکثریت اسی مقام بقا باللہ پر فائز ہے اس وجہ سے کہ پیشوائے اولین و آخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ستودہ صفات ذاتی کی جامعیت کا تقاضا ہے کہ آپ کے خلفاء یعنی ہر دور کے مشائخ عظام بیک وقت دولت فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے بہرہ ور ہوں۔ ایسے حضرات جو شربتِ وصل کے چند پیالے پی کر مست ہو جائیں امتِ محمدیہ میں بہت کم ہوئے ہیں ان کو مجاذیب (جمع مجذوب) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

البتہ مختلف اولیاء کرام کے اختلاف طبع و استعداد کے مطابق ان کے مقامات و مراتب ہیں

فرق ضرور پایا جاتا ہے۔ جہاں تک ہمارے خواجہ صاحب کا تعلق ہے آپ کے کلام اور حالات زندگی اور مقالات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ بھی بیک وقت اور بدرجہ اتم مقام فنافی اللہ اور بقاباللہ سے بہرہ ور تھے۔

شدید نسبتِ عشقیہ اور عبدیّت کا اجتماع

اس شانِ بقاو عبدیت کے ساتھ جب شدید نسبتِ عشقیہ کا غلبہ بھی شامل ہوجائے تو قیامت بر قیامت اور غضب در غضب کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت خواجہ کے شدید غلبہ عشقیہ کے ساتھ قوی ترین مرتبۂ بقار، عبدیت، عجز و انکسار، تسلیم و رضا شامل ہوگیا تو آپ کی حالت ایسی ہوگئی کہ جس کا مشاہدہ دیوانِ فریدی اور اشاراتِ فریدی کے اوراق میں ہوسکتا ہے۔ آپ کے طوفانِ عشق نے "جنگل بیلے" غرق کردیئے۔ اور طوفانِ عشق نے کوہ و دشت میں آگ لگادی اشعار ذیل میں آپ کا سوز و گداز ملاحظہ ہو۔

سٹن یار پرانی پیر ڑ دو — بھیاں اکھیاں چھل گئی دلڑی گل
چاک مہیندا آوڑ ویہڑھے — کھیڑے بھیڑے کرن بکھیڑے
کپڑے لیر کتیر دو — گیا ہار سنگھار موساگ کجل
ماہی باجھوں سول قہر دے — ڈیہاں رات فرید بجر دے
نینڑاں نیر وھیر دو — بھر جنگل بیلے چھلّو چھل

درد و فراق میں یاس و حرمان کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے خواجہ صاحبؒ کے کلام میں اس کی کثرت ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

سینگیاں سرتیاں سیجھ چہاون — نانہہ چڑیلی در گل لاون
ہک میں مفت رہی مہجور
پیت پرائی کملا کیتا — عشق اولڑا لوں لوں سیتا
پوُن کللڑے پلپل پور

اپنے آپ کو ستی کی حالت میں ڈال کر حضرت اقدس ہنل یعنی محبوب حقیقی کی جدائی میں یوں فریاد کرتے ہیں ؎

ہے ہے یار بہر دچل ۔۔۔ ہک تل ترس نہ کیتا
کرکے سخت نمائی ۔۔۔ اپنے نال نہ نیتا
ہجر پیالہ ازلوں ۔۔۔ میں مٹھڑی لوپیتا
روہ فریدہ لتاڑاں ۔۔۔ شالا کھادم چیتا

عاشق زار کی نامرادی کی کیفیت ملاحظہ ہو ؎

کیا حال سناواں دل دا ۔۔۔ کوئی محرم راز نہ ہل دا
منہ دھوڑ مٹی سر پایم ۔۔۔ سارا ننگ نموز ونجایم
کوئی پچھن نہ ویہڑے آیم ۔۔۔ ہتھوں الٹا عالم کھل دا

اسی طرح سارا دیوان آتشِ عشق کے شعلوں سے لبریز ہے اور جگہ جگہ پر طوفان غم واندوہ ٹھاٹھیں مار رہا ہے لیکن آپ کا یہ ہجر و فراق اختیاری ہے نہ کہ اضطراری۔ آپ کی ولایت کی شان بقا باللہ اور عبودیت اس بات کی متقاضی ہے کہ قرب و وصل کو ترک کرکے آپ عجز و نیاز اختیار کریں اور آتشِ عشق میں جلتے رہیں۔ یہی مرادِ عاشقین ہے۔

"جتھاں خود قرب ہے دوری"

شانِ عبدیت اور بقا باللہ کے علاوہ حضرت اقدس کے ہجر و فراق اور سوز و گداز کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ ذات باری تعالیٰ کی کوئی حد نہیں ہے اس کے حسن و جمال اور قرب و وصال کی بھی کوئی حد نہیں ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں ۔۔۔ بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہمچناں باقی

لہٰذا سالکین اور کاملین قربِ حق میں جس قدر ترقی کرتے ہیں اس سے اوپر قرب کی ایک اور منزل نظر آتی ہے غرضیکہ وہ ساری عمر جد و جہد جاری رکھتے ہیں۔ اور قرب و وصال کی منازل پر منازل طے کرتے ہیں لیکن نہ ذات کی کوئی انتہا ہے نہ وہ انتہا کو پہنچ سکتے ہیں اس لیے ان کے لیے قرب بھی بُعد بن جاتا ہے

قلندر آنکہ فوق الوصل جوید

کسی نے خوب کہا ہے ؎

قلندر آنکہ فوق الوصل جوید

(قلندر وہ ہے جو وصلِ حبیب سے بھی اوپر کی منزل کا متلاشی ہو)

وصل سے اوپر کون سی منزل ہے وہی قریب سے قریب تر منزل ہے جو کبھی حاصل نہیں ہوتی

اور عشاق عین وصل کی حالت میں بھی مہجوری محسوس کرتے ہیں اور ہر وقت ھل من مزید کے نعرے لگا کر دوست سے قریب اور قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش میں عمر گذار دیتے ہیں لیکن یہ سفر نہ ختم ہوتا ہے اور نہ کبھی ختم ہوگا کیونکہ مدارج قرب اور حسن وجمال محبوب کے مراتب کی کوئی انتہا نہیں۔

دل آرام در مبر دل آرام جو   ہمچو مستقی تشنہ بر آب جو

(دوست بغل میں ہے اور دوست کی تلاش ہے اس مستقی کی طرح جو دریا کے کنارے بیٹھا پانی پی رہا ہے لیکن پھر بھی پیاسا ہے۔)

عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

نگویم کہ بر آب قادر نیند   کہ بر ساحل نیل مستقی اند

حضرت خواجہ صاحبؒ کو بھی یہ بلند مقام حاصل تھا۔ اس لیے آپ فرماتے ہیں ؎

جتھاں خود قرب ہے دوری   اتھاں کیا وصل و مہجوری

انانیت تھئی پوری۔   ہے انسانوں تے رحمانوں

انانیت کا پورا ہونا یہ ہے کہ انسان اور رحمان دونوں اپنے اپنے تعین میں متمکن ہے اگرچہ فنا ر میں انسان کا تعین رحمان میں گم ہو جاتا ہے لیکن جب فنا مبدل ہو جائے بقا میں تو تعین بحال ہو جاتے ہیں۔ اسی مضمون کو ایک اور جگہ پر آپ یوں فرماتے ہیں ؎

شد عکس در عکس ایں بنا   کہ فنا بقا ہے بقا فنا

باقی نماندہ جز انا   کتھ اوتے توں کتھ ہاں تے ہوں

بعض شارحین نے " ایں بنا " سے مراد دنیا یا دنیاوی زندگی لی ہے لیکن یہ تعبیر سیاق وسباق کے خلاف ہے اس سے پہلے آپ فرماتے ہیں ؎

جو مکان تھا بن گیا لامکان   جو نشان تھا ہو گیا بے نشان

شدہ اسم و رسم زمن جدا   اللہ اپنے آپ کو کیا لکھوں

لہٰذا " شدہ عکس در عکس این بنا " سے مراد حضرت اقدس کی روحانی کیفیت ہے۔ غایت قرب اور انتہائی ترقیٔ مدارج پر پہنچ کر جب آپ کو مزید در مزید قرب کی تمنا ستاتی ہے تو اس قرب کو آپ بُعد کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس حالت فنا (وصلِ حبیب) کو مہجوری اور بقا (عبدیت

اور دوئی) قرار دیتے ہیں۔ "عکس در عکس" میں ایک عکس تو یہ ہے کہ بقا (مجبوری) کی حالت میں بھی مزید مقامات طے ہو رہے ہیں اور قرب کی مختلف منازل سے گذر رہے ہیں اس لیے اس حالت بقا کو فنا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ اپنے شیخ حضرت باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک خط کے دوران لکھتے ہیں کہ:۔

"اب میری حالت یہ ہو گئی ہے کہ قرب بھی بُعد بن گیا ہے"۔

حضرت اقدس کا بلند ترین وجد

عین حالت قرب میں ہجر و اضطراب کا اندازہ قارئین کرام کو حضرت خواجہ صاحبؒ کی ایک محفل سماع سے بخوبی ہو جائے گا۔ محفلِ سماع کیا تھی آپ خلوت میں اپنے چند خواص کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ آپ کے محبوب قوال میاں برکت علی نے یہ غزل سنائی ؎

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما
چہ قیامتے کہ نمے رسد ز[illegible] ما

اس غزل کا شروع کرنا تھا کہ حضرت اقدس پر شدید وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور بہت دیر تک اسی ایک شعر پر وجد کرتے رہے۔ عشاق جانتے ہیں کہ واقعی یہ شعر نہیں بلکہ قیامت ہے جس پر انسان ساری عمر رقص کرے تو کر سکتا ہے۔ ساری عمر کیا عاشق صادق ہے تو موت کے بعد قبر میں اور قبر کے بعد بہشت میں بھی رقص کرتا رہے گا کیونکہ قرب حق میں سالک کی پرواز اور جستجو موت پر ختم نہیں ہو گی بلکہ قبر میں بھی وہ منازل قرب طے کرتا رہے گا اور قیامت کے بعد بہشت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قرب کی منزل پر منزل طے کرتا رہے گا لیکن نہ ذات کی انتہا ہے نہ اس کے حسن و جمال کی کوئی حد ہے۔ لاکھوں کروڑوں منازل قرب طے کرنے کے بعد بھی اس کی پیاس نہیں بجھے گی، اور اس شعر پر رقص دوام کرتا رہے گا۔ سعدی نے سچ کہا ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہمچناں باقی

غایت عروج

امید ہے کہ قارئین کرام پر اب قدرے واضح ہو گیا ہو گا کہ ہمارے خواجہ صاحب کا مقام کس قدر بلند تھا۔ شیخ منصور حلاجؒ شربت وصل کے چند پیالے پی کر

مست ہو گئے اور "انا الحق" کا دم بھرنے لگے۔ سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامیؒ نے غلبۂ استغراق فنافی اللہ میں "سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں میرا شان کیسی بلند ہے) کا نعرہ لگایا۔ لیکن کمال ہے ہمارے خواجہ صاحبؒ کی عالی ظرفی کا کہ شدید نسبت عشقیہ اور قرب وصال کے باوجود آپ شربتِ وصل کے پیالے نہیں، صراحی نہیں، خم نہیں، ندی نالے نہیں، دریا نوش کر رہے ہیں لیکن مست اور مغلوب الحال نہیں ہوتے بلکہ عین تمکین اور ضبط و استقلال کے عالم میں ھل من مزید۔

توڑینٹ جو دریا نوش ہن   پُرجوش بھی خاموش ہن
اسرار دے سرپوش ہن   صامت رہن مارن نہ بک

کے نعرے لگا رہے ہیں۔

سبحان اللہ! کیا وسعتِ ظرف ہے اور کیا ہی بلند مقام ہے کہ مے وحدت کے دریا نوش کر رہے ہیں لیکن مست نہیں ہوتے اور صوم وصلوٰۃ پر نہایت سختی سے پابند ہیں شدید غلبۂ عشق کے باوجود مغلوب الحال نہ ہونا بلکہ ھل من مزید کے نعرے لگانا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اکثر مشائخ نے اس حالت سے تنگ آکر بارگاہِ حق میں یہ مناجات کیے ہیں ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ   باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

لیکن خواجہ صاحبؒ ان میں سے نہیں ہیں۔ آپ عین قعر دریا میں تختہ بند ہیں۔ طوفان عشق ومستی ٹھاٹھیں مار رہا ہے لیکن آپ کا دامن تر نہیں ہوتا۔ اور عین جذب ومستی کی حالت میں فرائض اور واجبات تو درکنار نوافل اور روزمرّہ کے اَوراد اور وظائف تک ترک نہیں کرتے۔ شان بقائیت کا یہ عالم ہے کہ ہر عشار کی نماز کے بعد آپ روزانہ سجدے میں جا کر سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ یہ ہے ضبط واستقلال اور یہ ہے شان بقا باللہ کا کمال۔ آخر عمر میں آپ پر استغراق کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے تو بھی نوافل ترک نہیں کرتے حالانکہ اکثر مشائخ اس حالت میں صرف فرائض پر اکتفار کر لیتے ہیں لیکن آپ کمال استغراق کی وجہ سے نوافل ادا نہیں کر سکتے تو امام کے پیچھے نوافل پڑھنے لگتے ہیں لیکن چھوڑتے نہیں۔ یہ ہے کمالِ عروج اور کمالِ نزول جو اولیاء کرام کی جماعت میں بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

جذبۂ فدائیت: مشائخ عظام کا جذبۂ فدائیت بھی ان کی ولایت کی

شانِ بقا باللہ کا نتیجہ ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کا جذبۂ فدائیت ملاحظہ ہو۔ ویسے تو سارا دیوان اس قسم کے کلام سے لبریز ہے نمونے کے طور پر ایک کافی کے بچپیں برجستہ اشعار میں سے چند شعر پیش کیے جاتے ہیں ؎

میڈا عشق وی توں میڈا یار دی توں — میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈا روح دی توں — میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا کعبہ قبلہ مسجد منبر — مصحف تے قرآن دی توں
میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں — میڈا ذوق وی توں وجدان دی توں
میڈا سانول مٹھڑا شام سلونا — من موہن جانان دی توں
میڈا آس امید تے کھٹیا وٹیا — تکیہ مان تے تران وی توں!
میڈا دھرم وی توں میڈا بھرم دی توں — میڈا شرم دی میڈا شان وی توں
جے یار فرید قبول کرے — سرکار وی توں سلطان دی توں
ناتاں کہتر کمتر احقر ادنٰے — لاشے لا امکان وی توں

تحفۂ نیستی

حضرت اقدس کی شان بقا باللہ اور عبدیت کا اندازہ آپ کے ان اشعار سے ہو سکتا ہے ؎

بھئی خلقت تابع سب — تاں دی کیا بھی پیا
گم بھیونڑ ہئی مطلب

آپ کے اس اہم شعر کی شرح

ایک دفعہ یہ احقر اپنے شیخ علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اول حضرت شاہ شہید اللہ فریدی صاحب کے ساتھ جامع مسجد پاکپتن شریف میں بیٹھا اس غزل کے معانی پر گفتگو کر رہا تھا۔

کافر نشدی لذت ایمان چہ شناسی — خود را نہ پرستی عرفان چہ شناسی

چونکہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے الفاظ دہرائے جا رہے تھے یہ سن کر مولوی عبد السبحان خلف الرشید مولانا سراج احمد صاحب ساکن نواں کوٹ تحصیل خانپور نے جو حضرت خواجہ صاحبؒ کے حلقہ ارادت سے تعلق رکھتے تھے آگے بڑھ کر کہا کہ حضرت میرا ایک سوال ہے وہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ

نے فرمایا ہے ؎

غوثی قطبی رتبہ پایو تاں وی کیا تھی پیا
گم تھیونڑ ہے مطلب

انہوں نے کہا کہ آپ اور ہم جانتے ہیں کہ غوثی قطبی رتبہ مقام فنا فی اللہ کے بعد ملتا ہے۔ یعنی اپنی ذات کو ذات حق میں گم کرنے کے بعد لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غوثی قطبی مراتب کے بعد "گم تھیونڑ ہے مطلب" میں کونسا گم ہونا مراد ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے اس شعر کا مطلب خواجگان مٹھن شریف کے قریب کے حلقوں سے دریافت کیا ہے لیکن تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ حضرت شاہ شہید اللہ مدظلہٗ نے فرمایا یہ گم ہونا فنائیت کا گم ہونا نہیں بلکہ بقا باللہ کا گم ہونا ہے۔ جب سالک فنا فی اللہ کے استغراق اور محویت سے نکل کر مقام صحو اور مقام بقا باللہ یا مقام عبودیت پر واپس آتا ہے تو خلافت ارضی کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے اور کائنات کی حکمرانی اس کے حوالہ کی جاتی ہے لیکن وہ اس عجز و انکسار اور تسلیم و رضا کی وجہ سے جو مقام بقا باللہ کا خاصہ ہے اپنا اختیار نہیں چلاتا بلکہ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ پھر اللہ کے حوالے کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی خواہش اور ارادہ بھی ترک کر کے اللہ کی خواہش اور ارادہ میں گم کر دیتا ہے اور خود بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ یہ ہے بقائیت کا گم ہونا جو تحفۂ نیستی اور عجز و انکسار ہے اور یہ بہترین تحفہ ہے جو بارگاہِ حق تعالیٰ میں انسان پیش کر سکتا ہے۔ یہ سن کر مولوی عبدالسبحان صاحب نے کہا کہ آج اس شعر کا مطلب میری سمجھ میں آیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور تحفہ نیستی

حضرت مجدد الف ثانیؒ تحفۂ نیستی کے متعلق یوں فرماتے ہیں:۔

"اشیا اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں ہستیٔ حق کے حسن و جمال کے لیے آئینۂ نیستی ضروری ہے۔ اس وجہ سے مقام بقا سب مقامات سے زیادہ بلند ہے کیونکہ یہ مقام عبدیت و نیستی ہے یہ مقام اکمل اور اتم ہے کیونکہ محبوب ذوق شہود سے لذت حاصل کرتے ہیں اور عاشق نیستی اور عبدیت سے۔ جب تک آدمی اپنے آپ کو نہیں مارے گا کمال نصیب نہیں ہوگا۔"

بقا افضل ہے فنا سے

حضرت اقدس بھی اشاراتِ فریدی کی جلد چہارم مقبوس ۱۹

میں فرماتے ہیں :-

"جب تمام مراتب طے ہو جاتے ہیں تو سالک ھویت مطلقہ اور احدیت ذاتیہ میں مستغرق ہو جاتا ہے لیکن جس شخص پر عنایت ازلی ہو جائے اس مقام سے نزول کر کے پھر مقام عبدیت میں آجاتا ہے۔ جامعیت اسی مقام میں ہے۔ یہ مقام تسلیم و رضا ہے"

اس مقام پر حضرت اقدس اپنی حالت یوں بیان فرماتے ہیں :-

لاچار تے نزار نزار اساں	وہ ڈتڑی بر ہول برات اساں
ہک پاسوں عجز نیاز عجب	پئے پاسوں ناز نواز عجب
ہے سوز عجب ہے ساز عجب	ہے گھنڈ عجب ہے جہات عجب

مشائخ عظام کا مقولہ ہے۔ مشاھدۃ الابرار بین التجلی والاستتار۔ (یعنی اولیاء اللہ کا مشاہدہ تجلی اور استتار یعنی سامنے آنے اور گم ہو جانے کے درمیان ہے) یعنی کبھی محبوب پردہ کر لیتا ہے اور کبھی حسن و جمال کے جلوے دکھاتا ہے)

حضرت داغ نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں	صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

لیکن ہمارے خواجہ صاحبؒ نہایت ہی والہانہ انداز میں "ہے گھنڈ عجب ہے جہات عجب" کہہ کر حضرت داغ سے بازی لے گئے ہیں کیونکہ جو فصاحت اور پیار لفظ "گھنڈ" اور "جہات" میں ہے "چھپنے" اور "سامنے آنے" میں نہیں ہے۔ نیز لفظ "عجب" بھی عجب کیف و مستی کا حامل ہے۔

لطائف ستہ

حضرت اقدس کے مقامات فنا و بقا کا مضمون غیر مکمل رہ جائے گا اگر ہم لطائف ستہ کا ذکر نہ کریں جن کی بدولت یہ مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ لطائف ستہ سے مراد وہ چھ روحانی مرکز ہیں جو انسانی جسم کے اندر ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے لطائف ستہ کو روح انسانی کی مختلف جہات قرار دیا ہے۔ لطائف ستہ یہ ہیں :-

۱۔ پہلا لطیفہ نفس ہے جس کا مقام ناف ہے اس کے نور کا رنگ زرد ہے اور اس کا تعلق عالم ناسوت سے ہے۔

۲۔ دوسرا لطیفہ قلب ہے جس کا مقام بایاں پہلو ہے نور کا رنگ سرخ ہے اور اس کا تعلق عالم

مثال سے ہے۔

۳۔ تیسرا لطیفہ روح ہے جس کا مقام دایاں پہلو ہے۔ نور کا رنگ سبز اور اس کا تعلق عالم ملکوت یا عالم ارواح سے ہے۔

۴۔ چوتھا لطیفہ سِر ہے جس کا مقام لطیفہ قلب اور روح کے مابین وسطِ چھاتی میں ہے نور کا رنگ سفید ہے اور اس کا تعلق عالم جبروت سے ہے۔

۵۔ پانچواں لطیفہ خفی ہے جس کا مقام وسط پیشانی ہے نور کا رنگ نیلگون اور تعلق عالم لاہوت سے ہے۔

۶۔ چھٹا لطیفہ اخفیٰ ہے جس کا مقام ام الدماغ یعنی سر کی چوٹی ہے رنگ سیاہ ہے اور اس کا تعلق عالم ھاھوت سے ہے جب اسمائے الٰہی کی ضربیں ان لطائف پر لگائی جاتی ہے تو یہ زندہ ہو کر ذاکر اور روشن ہوجاتے ہیں۔ ان کے روشن ہونے سے پورا خانۂ وجود منور ہوجاتا ہے حضرت خواجہ صاحب نے اپنے لطائف کے زندہ اور روشن ہونے کا یوں ذکر فرمایا ہے ؎

اے گھر میرا سکھ مندر ۔۔۔ معمور خفی دے اندر
جتھ بحر محیط دا بندر ۔۔۔ اتھ ہر جنسوں ملن سوغاتاں
تھئی نصرت فتح صبوحی ۔۔۔ سب سِرّی، قلبی، روحی
گئی ظلمت نور صبوحی ۔۔۔ کیتیاں جسم عجب برہاتاں

یہاں آپ نے لطیفہ خفی کو بجا طور پر بحرِ محیط (ذات)، کا بندر (بندرگاہ) قرار دیا ہے کیونکہ جب عالمِ قدس سے فیضان کی بارش ہوتی ہے تو سب سے پہلے اسی لطیفہ خفی پر ہوتی ہے پھر اس کی بدولت دوسرے لطائف نوازے جاتے ہیں۔ نیز شروع میں جب روح بچے میں ڈالی جاتی ہے تو پہلے لطیفہ خفی سے داخل ہوتی ہے اور جب موت کے وقت روح نکلتی تو سب سے آخر میں اسی لطیفہ سے نکلتی ہے۔

جب تمام لطائف کے روشن اور مختلف رنگوں سے منور ہونے کے بعد رونق پیدا ہوتی ہے تو حضرت اقدس اسے یوں ظاہر کرتے ہیں ؎

کیتیاں جسم عجب پر بھاتاں

یعنی سارے جسم سے نور کے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ خواجہ میر درد نے اس حقیقت کو دبے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے ؎

کیا تن کو داغوں نے سرو چراغاں　　　کبھی آکے تو نے تماشا نہ دیکھا

سرو چراغاں سے وہ مصنوعی درخت مراد ہے جو شادی بیاہ کی تقاریب پر شاہراہوں پر لگایا جاتا اس پر پتوں کی بجائے چراغ نصب ہوتے ہیں جو تیل ڈال کر جلائے جاتے ہیں۔ ہمارے خیال سے حضرت اقدس کا مصرعہ "کیتاں جسم عجب پر بھاتاں" "سرو چراغاں" سے زیادہ بلاغت اور کیف دستی کا حامل ہے۔

شانِ لطائف

لطائف ستہ کے روشن ہونے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے جب لطیفہ نفس زندہ ہوتا ہے تو سالک خواہشات نفسانی پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے جب لطیفہ قلب، روح اور سِر زندہ ہوتے ہیں تو کشف و کرامات کا دور دورہ ہوتا ہے، جب لطیفہ خفی زندہ ہوتا ہے تو مقام فنا فی اللہ حاصل ہوتا ہے اور جب لطیفہ اخفیٰ زندہ ہوتا ہے تو مقام فنا الفنا حاصل ہوتا ہے جو دروازہ ہے بقا باللہ کا۔

لطائف کے متعلق حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کی وضاحت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب انفاس العارفین میں لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے زمانے میں ایک بزرگ تھے جن کا نام شیخ ادریس تھا۔ ان کے لطائف زندہ ہونے اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ کمرے میں مشغول بیٹھے تھے خادم نے کمرے میں گھاس بھرنا شروع کر دیا لیکن آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ چھ ماہ تک آپ اسی حالت میں بیٹھے رہے جب گھاس ختم ہوا تو اندر سے حضرت شیخ برآمد ہوئے۔ انہوں نے ایک دفعہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں ایک خط لکھا جو ڈاکٹر علامہ اقبال نے بھی اپنے انگریزی خطبات "تشکیل جدید الٰہیات اسلام" میں نقل کیا ہے۔ اس خط میں شیخ ادریس لکھتے ہیں کہ:-

"اگر زمین کی طرف دیکھتا ہوں تو زمین کو معدوم پاتا ہوں۔ اگر آسمان کی طرف دیکھتا ہوں تو آسمان کو معدوم پاتا ہوں۔ اسی طرح عرش و کرسی کو بھی موجود نہیں پاتا۔ حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی نہیں پاتا۔ وجودِ حق کی کوئی انتہا نہیں۔ تمام مشائخ محض یہی نکتہ کہہ کر رہ گئے ہیں۔ اگر آپ کا خیال بھی یہی ہے تو درست ورنہ کوئی اور بات ہو تو ہمیں بھی مطلع کریں تاکہ ہم وہاں تک پہنچ سکیں۔"

اس کا جواب حضرت مجدد الف ثانیؒ نے یوں فرمایا:-

"میرے مخدوم! یہ اور اس قسم کے دوسرے حالات تلوینِ قلب (عدم پختگی) کا نتیجہ ہیں. مشاہدہ بتاتا ہے کہ ان حالات کا حامل مقامات قلب (لطیفہ قلب) میں سے ایک چوتھائی سے زیادہ طے نہیں کر سکا. ابھی تک تین حصے باقی ہیں. مقاماتِ قلب سے گذرنے کے بعد مقام روح (لطیفہ روح) آتا ہے. اس کے بعد مقام سِر (لطیفہ سِر) اس کا دروازہ کھلتا ہے اس کے بعد لطیفہ خفی تک رسائی ہوتی ہے تب جا کر مقام اخفیٰ کے رموز کھلتے ہیں"

حضرت اقدس کی ولایت کی نسبتِ عشقیہ

مقام فنا، فنا الفنا، اور مقام بقا باللہ کے بعد حضرت اقدس کی ولایت کی چوتھی خصوصیت آپ کی شدید نسبت عشقیہ ہے. ویسے تو ہر ولی اللہ کی نسبت عشقیہ ہوتی ہے کیونکہ اسلام سراپا عشق و محبت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا ایمان لہ من لا محبۃ لہ (جس کے دل میں محبت نہیں اسے ایمان بھی حاصل نہیں) یہ کلمات آپ نے تین بار دہرائے. لیکن بعض مشائخ میں دوسروں کی نسبت غلبۂ عشق زیادہ ہوتا ہے چنانچہ مراتب بھی اسی قدر بلند ہوتے ہیں. کیونکہ آتش عشق وہ گولہ اور بارود ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ کا قرب و وصال نصیب ہوتا ہے. جس قدر جذبۂ عشق زیادہ ہوتا ہے مقام اسی قدر بلند ہوتا ہے. حضرت اقدس کے کلام، مقالات اور حالاتِ زندگی سے ظاہر ہے کہ آپ کے قلب میں عشق و محبت کا زبردست طوفان موجزن تھا. چنانچہ آپ کے دیوان کے اندر جو آگ لگا دینے والی چیز موجود ہے وہ آپ کی شدید نسبتِ عشقیہ ہی ہے. آج کل لوگ ایٹمی ایندھن کے ذریعے راکٹ چلا کر چاند اور مریخ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن راکٹِ عشق میں جو قوت ہے وہ چاند، مریخ، سورج کیا عرش و کرسی سے بھی اوپر لے جاتی ہے. یہ قوتِ عشق ہی تھی کہ جب نبی اکرم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو جبرائیل جیسے بلند مقام اور جلیل القدر فرشتے بھی دم توڑ کر بیٹھ گئے اور اس بات کا اعتراف کیا کہ ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم　　فروغ تجلی بسوزد پرم

(اگر بال برابر بھی اوپر جاؤں تو تجلی ذات سے میرے پر جل جائیں گے)

لیکن عاشق صادق سدرۃ المنتہیٰ سے بھی گذر کر نہ جانے کن بلندیوں پر پہنچا. یہی وجہ ہے کہ تمام اولیاء کرام درد حاصل کرنے کی تاکید کرتے آئے ہیں. شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں ؎

درد ما حل کن کہ درماں درد تست

مولانا روم فرماتے ہیں ؎

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے تو افلاطون و جالینوس ما　　اے دوائے نخوت و ناموس ما

یہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی شدید نسبتِ عشقیہ ہی ہے کہ جس نے کوہ و دشت میں آگ لگا دی ہے اور قلوب عشاق کو جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔ یہی نسبت عشقیہ حضرت اقدس کی مقبولیت کی زبردست وجہ ہے اس لیے جب حضرت اقدس نے اسلام کا پیغام عشق کی زبان میں دیا تو ہر فرد بشر نے لبیک کہا آپ کا پورا دیوان تبلیغِ اسلام کا بہترین نمونہ ہے کیونکہ عشق کی زبان سے بہتر دنیا میں کوئی زبان نہیں۔ یہ زبان ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب نے نہایت ہی ماہرانہ طریق پر مجاز کے ذریعے حقیقت کا راستہ بتایا ہے۔ حضرت اقدس کی نسبت عشقیہ کے متعلق مزید صراحت آپ کی شاعری کے عنوان کے تحت آ رہی ہے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کی شانِ محبوبیّت

آخری مقام اولیاء کرام کے مابین آخری مقام کے متعلق قدرے اختلاف پایا جاتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ اختلاف نزاع لفظی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ صرف میلان طبع یا رجحان کا فرق ہے۔ بعض حضرات نے اپنے رجحانِ طبع کے مطابق مقام فنافی اللہ کو آخری اور بلند ترین مقام قرار دیا ہے بعض نے بقا باللہ کو، بعض نے رضا کو، بعض نے محبوبیت کو بلند ترین مقام قرار دیا ہے اور اپنے اپنے وجوہات پیش کیے ہیں لیکن اہل اللہ کی زبردست اکثریت محبوبیت کی طرف گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سالکین کی دو قسمیں ہیں ایک مرید، دوسری مراد، مرید وہ ہے جو اللہ کا طلب گار ہے اور مراد وہ ہے جن کا اللہ طلب گار ہے

ظاہر ہے کہ مراد کا مقام مرید سے بلند ہے۔ مقام عاشقی مرید کا مقام ہے اور مقام محبوبیت مراد کا مقام ہے۔ مرید سالک مجذوب کہلاتا ہے اور مراد مجذوب سالک۔ اول الذکر پر ریاضت و مجاہدہ کے بعد جذب الی اللہ کا غلبہ ہوتا ہے اور آخر الذکر پر ریاضت سے پہلے جذب غالب

ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب۔ (اللہ چن لیتا ہے جس کو پسند کرتا ہے اور راہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے) اس آیت میں پہلی قسم کے لوگ مراد، اور دوسری قسم کے مرید کہلاتے ہیں۔ اب ہم نے دیکھنا ہے کہ ہمارے خواجہ صاحبؒ کس فہرست میں ہیں۔

شانِ محبوبیت کے متعلق حضرت اقدس کی اپنی شہادت

ایک دفعہ آپ کے ایک مرید نے جو عالم اور سالک بھی تھے آپکی کافی ؎

بُولا بنیسر کس نوں پاواں ڈھولن کیتم نا منظور

کی طویل شرح لکھ کر حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے پڑھ کر فرمایا کہ "مولوی صاحب تم نے بولا بنیسر پہنا ہوتا تو شرح بھی لکھ سکتے"۔ اس کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ جس شخص کو مقام محبوبیت حاصل ہے وہی اس کے متعلق کچھ لکھ سکتا ہے دوسرے کی مجال نہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ مولوی صاحب اس مقام سے محروم تھے تیسرا مطلب یہ ہے کہ خود حضرت اقدس اس مقام پر فائز تھے اگرچہ اشعار مذکور میں آپ بولا بنیسر (زیورات) زیبِ تن کرنے سے گریز فرما رہے ہیں اس وجہ سے کہ محبوب نے پسند نہیں کیا لیکن یہ گریز دوست سے روٹھنے کے مترادف ہے۔ جب دوست نے نامنظور کیا تو ہم بھی ہار سنگار نہیں کرتے۔ یہ محبوبیت نہیں تو اور کیا ہے۔ جب سالک اپنا مقام پہچان لیتا ہے تو پھر چھاڑ نازِ نیاز دونوں طرف سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ناز ہے کہ دوست ہم کو نہیں چاہتا تو ہم بھی اس کو نہیں چاہتے۔ ہم ہار سنگار نہیں کریں گے۔ اس مضمون کو کسی نے ہندی زبان میں یوں ادا کیا ہے ؎

نجریوں سے بھر دوں گی چھونے نہ دوں گی سر پر
بہت کرو گے آنے نہ دو گے آپ ہوؤ گے دلگیر

(نجر بمعنی نظر۔ سالک مراد مؤنث کی زبان سے حق تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہتا ہے "نجریوں سے بھر دوں گی" تمہاری طرف دیکھتی رہوں گی لیکن جسم کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گی۔ بس یہی کر سکتے ہو کہ قریب نہیں آنے دو گے میرا کیا بگڑتا ہے تم خود ہی دلگیر ہو گے۔)

شانِ محبوبیت کی ایک مثال

ایک دفعہ دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی قدس سرہٗ کے عرس کے موقعہ پر مجلس سماع

منعقد ہوئی لیکن رنگ نہیں جم رہا تھا اور ساری مجلس پر انقباض کی کیفیت طاری تھی۔ مولانا عبد السلام جو بلند مقام صوفی تھے بھانپ گئے کہ کیا وجہ ہے۔ انہوں نے قوالوں سے کہا کہ عاشقانہ کلام بند کر دو اور کوئی محبوبیت کی چیز گاؤ۔ چنانچہ انہوں نے یہی چیز ؎

نجریوں سے بھر دوں گی چھونے نہ دوں گی سر پر　　بہت کرو گے آنے نہ دو گے آپ ہوؤ گے دلگیر

شروع کی تو فوراً حالت بدل گئی اور اہلِ مجلس پر خوب ذوق و شوق اور جوش و خروش طاری ہوا۔ انقباض کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ حضرت سلطان المشائخ کا مقام محبوبیت ہے آپ پر اس وقت محبوبیت کے انوار کی بارش ہو رہی تھی جس کے ساتھ عاشقانہ کلام کو کوئی مناسبت نہیں تھی۔ جب محبوبیت کا کلام شروع ہوا تو رنگ جم گیا۔

حضرت خواجہ صاحب کے مقام محبوبیت کی مزید شہادت

حضرت اقدس کے مقام محبوبیت کی متعدد شہادتیں آپ کے کلام میں ملتی ہیں مثلاً ایک کافی میں آپ فرماتے ہیں ؎

اُج زیور پئے ٹھندے ہن　　متاں ڈیہنہ سہاگ دے آندے ہن
کجلہ مارو دیداں بھالے　　سرخی مُسک مُسک غم ٹالے
بُولے نبیر تے کھٹالے　　سبھوں لٹکے کھاندے ہن

ایک اور کافی میں فرماتے ہیں ؎

بُولے بنیر ٹھمکن　　والیاں والے جھمکن
زلفاں، سبھوں سُو ول پادن　　تلک تلولے لٹکے لادِن
سرخیاں کجل مساگ سہادن　　ہار سنگار سوہاندے ہن

ایک اور مقام پر آپ اپنی محبوبیت کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

میڈا دستہ نرم کردُر دا　　متاں ونجیں ہتھ ٹکور
رتھ بہندی درگ نہ سہندی　　ہم طبع کمزور
جیکر رتھ ہبیٹھیں تھک پوساں　　گھوڑا کُھنساں بور!
سوکھا، تیز، لغام دا کُولا　　ناں ادکھا سر زور

یہ سب شانِ محبوبیت کے نازونخرے ہیں۔ دوست سے طرح طرح کی فرمائش کی جا رہی ہے۔ محبوب حقیقی کا وصال حاصل ہوتا ہے تو حضرت اقدس مائی ہیر کی زبان میں فرطِ مسرت سے یوں پکار اٹھتے ہیں ؎

رانجھن انگ لگایا ہے	سب غیر دا وہم بھلایا ہے
رانجھن میرے ویہڑے آیا	کھیڑیں بھیڑیں شور مچایا
آیا ولدا نہیں دلایا ہے	بے شک بخت بھڑایا ہے
ماہی میں ول پائی جھاتی	پا کر جھاتی لائیس چھاتی
ہر ویلے ہر جا ساتھی ؛	لوں لوں وچ سمایا ہے

"لوں لوں وچ سمایا ہے" وصل محبوب حقیقی کو ظاہر کرتا ہے۔ وصل محبوب مجازی میں ہرگز یہ کیفیت نہیں آسکتی۔

حضرت نازک سائیں کی شہادت

مقامِ محبوبی کے متعلق حضرت اقدس کے اپنے بے شمار اشارات کے علاوہ واضح طور پر آپ کے فرزند دلبند اور خلیفۂ جانشین حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخش قدس سرہٗ نے اپنے ملفوظات موسوم بہ ابرار المجالس جمع کردہ مرزا محمد شاہ ابن صوفی مرزا احمد اختر شہزادہ مجلس بست و دوم میں فرماتے ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے مقام معشوقیت و محبوبیت حاصل کیا ہے ان میں سے ایک غوث صمدانی سلطان محی الدین شاہ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اور دوسرے سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی مولانا خواجہ شاہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ہیں .... حضرت فرید ثانی علیین مکانی میرے شیخ قدس سرہٗ قدم بقدم پابندِ طریق سلطان نظام الدین اولیاء تھے۔ سرِ مو تفاوت نہ تھا۔ علم و حلم، سخا و عطا، حیا، عفو، احسان، عبادت و محبتِ فقراء صلحاء، شرفاء، اور تقلیل غذا، تنفر از دنیا و از اہل دنیا، ترک لذتِ کج عبادت، باوجود ظاہری ثروت میں جس طرح سلطان المشائخ تھے ان میں اور میرے شیخ میں کوئی فرق نہ تھا۔ اخراجات، حسنات، وسعتِ لنگر شریف گویا ایک نمونہ تھا۔ حضرت سلطان المشائخ کے لنگر کا اور ان کی روحانیت سے بھی فیض یابی حاصل فرمائی تھی۔ میرا قیاس و اندازہ نہیں پہنچ سکتا کہ حضرت کس مقام تک پہنچے تھے۔ ایک دن مخدوم عبد الحق صاحب ساکن اوچ شریف نے

دریافت کیا کہ قبلۂ عالم ! اِس وقت قطبِ ولایت ہندوستان میں کس جگہ مسکن رکھتا ہے۔ میرے شیخ نے زبانِ الہام بیان سے فرمایا کہ ایک دن ایک شخص نے حضرت غوث صاحب ملتانی (حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی) سے عرض کیا اس وقت قطب ولایت ہند کس جگہ ہے آپ نے فرمایا کہ "ملتان سے باہر نہیں"

حضرت قطب الموحدینؒ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کا مقام محبوبیت تھا نیز حضرت اقدس نے جو جواب مخدوم عبدالحق صاحب کو دیا اس سے بھی اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ غوث وقت آپ ہی تھے۔ دانا را اشارہ کافی است۔

حضرت غوث الاعظم کو مقام محبوبیت ملنے کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ سے حق تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ "عاشقی چاہتے ہو یا معشوقی۔ لیکن آپ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس پریشانی میں آپ رات کے وقت بغداد کی گلیوں میں گھوم رہے تھے کہ ایک طرف سے یہ آواز آئی۔ بس معمولی سوال کا جواب بھی نہ دے سکے تم تو بڑے بزرگ کہلاتے ہو" آپ نے مڑکر اس طرف دیکھا تو ایک مفلوک الحال ضعیف آدمی ایک دکان پر جھاڑ پھونک رہا ہے۔ آپ نے خوشی سے ان کے پاس جاکر کہا کہ آپ اس سوال کا جواب عنایت فرما دیں۔ انہوں نے کہا کل شام کو آنا۔ چنانچہ دوسرے دن شام کو جب آپ وہاں پہنچے تو وہ بزرگ موجود نہ تھے۔ آپ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس حلیے کے ایک بزرگ یہاں رہتے تھے۔ اب کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا اچھا وہ کلو وہ تو بڑا بدمعاش نکلا۔ وہ چور تھا اور اس نے کئی قتل کیے ہوئے تھے آج صبح اُسے بادشاہ کے سپاہی پکڑ کر لے گئے ہیں اور اس کو پھانسی دے کر فلاں گھورے پر اس کو پھینک دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت غوث الاعظم کو حیرت ہوئی۔ لیکن چونکہ آپ کو یقین تھا کہ وہ بزرگ تھے۔ آپ اس مقام پر گئے جہاں ان کی لاش پڑی تھی اور کتے اور گدھیں کھا رہی تھیں جب آپ قریب پہنچے تو وہ اٹھ بیٹھے۔ اور آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم نے مقام عاشقی کا حشر دیکھ لیا۔ دوست نے ساری عمر جھاڑ جھونکوائی۔ اس پہ اکتفا نہ کیا چور، ڈاکو اور قاتل کہلوایا، اس پر بھی اکتفا نہ کیا، پھانسی پہ چڑھوایا اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور مار کر کتوں کے سامنے پھینک دیا۔ خبردار عاشقی نہ مانگنا اور معشوقی بھی نہیں طلب کرنی چاہیئے کیونکہ یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات کے برابر ہے تم حق تعالیٰ سے یہ عرض کرو کہ حضور میں طلب سے باز آیا۔ حضور جو چاہیں عطا فرما دیں۔

جب آپ نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تسلیم و رضا سے لبریز یہ جواب پیش کیا تو مرتبۂ محبوبیت عطا ہوا اور آپ "محبوبِ سبحانی" ہو گئے۔

پاکپتن شریف میں کوڑیوں کی رسم بھی محبوبیت کی یادگار ہے

پاکپتن شریف میں حضرت شیخ الشیوخ خواجہ گنج شکر کے عرس کے موقعہ پر شام کے وقت یکم محرم سے ۶ محرم تک جو کوڑیوں کی رسم ادا کی جاتی ہے وہ بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کو مرتبۂ محبوبیت عطا ہونے کی یادگار ہے۔ ایک دفعہ حضرت باباصاحبؒ نے اپنے پیارے مرید حضرت سلطان المشائخ کو جب مقام محبوبیت میں دیکھا تو آپ پر وجد طاری ہوگیا اور رقص کرنے لگے۔ اس وقت آپ کے پاس اور تو کچھ نہیں تھا ایک طاق میں کچھ کوڑیاں پڑی تھیں آپ نے ان کو اٹھا کر لوگوں کی طرف بطور نذرانہ پھینکا۔ یہ رسم آج تک منائی جاتی ہے اور تاقیام قیامت بلکہ عالم ارواح میں ابدالآباد تک منائی جائے گی۔

یافت اور نایافت

یافت اور نایافت سالکین راہِ حقیقت کی دو حالتوں کا نام ہے حالتِ یافت کا سمجھنا تو آسان ہے لیکن نایافت کا جس طرح حصول مشکل ہے اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔ یافت کا مطلب ہے محبوبِ حقیقی کو سالک کی آنکھوں سے یا سالک کے نقطۂ نگاہ سے دیکھنا اور نایافت کا مطلب ہے دوست کو دوست کی آنکھ سے یا اس کے نقطۂ نگاہ سے دیکھنا۔ اور یہ کام بہت مشکل ہے۔ اس کا تعلق بھی مقامِ محبوبیت سے ہے۔ اشاراتِ فریدی میں آپ کی ایک نہایت ادق تقریر درج ہے۔ جس میں آپ نے ان مقامات کی وضاحت فرمائی ہے۔ مختصراً یہ کہ عاشق کا ایک محبوب ہوتا ہے اور معشوق کے دو محبوب۔ ایک محبوب اس کا عاشق ہے اور ایک محبوب وہ خود ہے کیونکہ وہ خود سے بھی محبت کرتے ہیں بلکہ عاشق سے اس لیے محبت کرتے ہیں کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے اور یہ عاشق کا معشوق کے نقطۂ نظر اس کے ساتھ محبت کرنا اور پھر معشوق کا عاشق سے محبت کرنا حالت نایافت کے قبیل سے ہے۔

قلق از سوزشِ پروانہ داری
دلے از سوزِ ما پروا نداری

باب پنجم

ذوقِ سخن

عجبے نیست کہ سرگشتہ بود طالبِ دوست　　　عجب این است کہ من واصل و سرگرانم

حضرت خواجہ صاحبؒ کے ذوقِ سخن اور شاعری کے متعلق آپ کے سوانح نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اُسی ؎

ہر کسے از ظن خود شد یارِ من　　　وز درونِ من نجست اسرارِ من

کے انداز میں لکھا ہے جس سے مبتدی اور شاید متوسط حضرات کی پیاس تو بجھتی ہوگی منتہی حضرات یعنی خواص اور خاص الخاص کی تسکین نہیں ہوتی۔ ہمارا کام حضرت اقدس کے کلام کی ظاہری خوبیوں کا بیان کرنا نہیں ہے۔ ہم آپ کے باطنی کمالات کے خواستگار ہیں اور آپ کے کلام کو باطنی رنگ میں دیکھیں گے لیکن سامعین حضرات کو ذرا گوشِ ہوش سے سننا پڑے گا کیونکہ آپ کا کلام ذوق اور غالب کا کلام نہیں ہے۔ اقبال کا کلام نہیں ہے۔ شیکسپیرؔ اور ملٹن یا ورڈ سورتھ کا کلام نہیں بلکہ عارف باللہ فانی فی اللہ، باقی اللہ اور محبوب اللہ کا کلام ہے۔ جو زبانی جمع خرچ نہیں ہے بلکہ سراسر حال میں ڈوبا ہوا ہے یہ وہ کلام ہے کہ جس پر ؎

قال را بگذار و مردِ حال شو

پوری طرح صادق آتا ہے۔ یہ وہ کلام ہے جو محبوبانِ مجازی کی آلائش سے پاک ہے اور روحانیت کے بلند ترین مقامات یعنی فنا فی اللہ اور بقا باللہ میں پہنچ کر کہا گیا ہے۔ یہ وہ کلام ہے جو تفریحِ طبع اور تعیشِ ذہنی اور تفننِ عقلی کی خاطر نہیں بلکہ یا محبوبِ حقیقی کے ہجر و فراق کی بے تابیوں کا نتیجہ ہے یا قرب و وصال میں فرطِ انبساط کا مظہر ہے۔ آپ کا کلام سلوک الی اللہ کا دستور العمل ہے اور راہ روانِ جادۂ حقیقت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ کا کلام حقائقِ الٰہیہ اور معارفِ لدنیہ کا شاندار مرقعہ ہے اور اسرار و رموزِ تخلیق کا عجیب و غریب مجموعہ ہے۔ آپ نے کائنات کی ہر چیز میں محبوبِ حقیقی کے

جلوے دیکھے ہیں، ہر لحظہ اور ہر آن دوست کی معیت میں بسر کیا ہے، ہر جگہ اور ہر مقام پر دوست کا مشاہدہ کیا، دوست کے عشوے، غمزے، ناز نواز، ظلم و ستم، لطف و کرم کا تماشا دیکھا ہے آپ عاشق دلگداز بھی بنے ہیں اور معشوق دلنواز بھی۔ آپ تیر مژگان سے گھائل ہوئے بھی ہیں اور گھائل کیا بھی ہے آپ دوست کے شدید ترین امتحانات سے گذرے ہیں اور گذر کر کامیاب بھی ہوئے اور ناکام بھی۔ غرضیکہ عاشق و معشوق، محب اور محبوب کے مابین جس قسم کے راز و نیاز ہوتے ہیں آپ ان سب سے گذرے ہیں اور ان سب کو اس لیے بیان فرمایا ہے کہ سالکین راہِ حقیقت زندگی کی اسی اہم شاہراہ سے کامیابی سے گذر کر منزلِ مقصود یعنی محبوبِ ازلی اور معشوق لم یزلی کی بارگاہِ معلّیٰ میں رسائی حاصل کرسکیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم آپ کے کلام اور آپ کے ذوق سخن کے بیان سے عاجز ہیں۔

آپ کے ذوقِ سخن کے متعلق کوئی کہے تو کیا کہے جب کہ آپ ایک ایسی عدیم المثال شخصیت ہیں کہ جو شاعر بھی ہے، عاشق صادق بھی، محب بھی ہے اور محبوب بھی، جو مرید بھی ہے اور مراد بھی، جو شدید نسبتِ عشقیہ کے ساتھ مقام فنا فی اللہ اور بقا باللہ پر متمکن بھی ہے، جو عالم بھی ہے فاضل بھی ہے۔ نکتہ دان، نکتہ ور، نکتہ سنج بھی ہے جو جمیع کمالات ظاہری کا بھی مالک ہے اور کمالات باطنی سے بھی مزین ہے۔ جسے حق تعالیٰ سے براہِ راست تعلق ہے اور سلسلۂ پیام و کلام جاری ہے جو رات دن آتشِ عشق میں خود بھی جل رہا ہے اور دوسروں کو بھی جلا رہا ہے۔ تڑپ بھی رہا ہے اور تڑپا بھی رہا ہے۔ جو وجد و ذوق میں رقص کر بھی رہا ہے اور کرا بھی رہا ہے جو لطف و کرم اور جود و سخا کا بادشاہ ہے اور مرجع خلائق ہے جو ہر خاص و عام کو ظاہری اور باطنی دولت سے مالا مال کر رہا ہے اور قلاش، فقیر، رند اور نادار بھی ہے۔ ایسی شخصیت کے ذوقِ سخن کا تماشا دیکھنا ہو تو دیوانِ فرید کی ورق گردانی کرو یا اشاراتِ فرید کا مطالعہ کرو۔ آپ کے سامنے آپ کی حقیقت کا صحیح نقشہ خود بخود آجائے گا۔

اب آپ کے کلام کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں جن سے آپ کی رفعتِ شان کا قارئین خود اندازہ کرسکتے ہیں۔

محبوبِ حقیقی کا ہر چیز میں جلوہ

آپ ہر چیز میں محبوبِ حقیقی کے جلوے دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں ؎

ہے عشق دا جلوہ ہر ہر جا   سبحان اللہ، سبحان اللہ

خود عاشق خود معشوق بنیا ——— سبحان اللہ، سبحان اللہ
خود بلبل تے پروانہ ہے ——— گل شمع اتے دیوانہ ہے
بھی چاند چکور نوں موہ لیا ——— سبحان اللہ ، سبحان اللہ

ایک اور کافی میں فرماتے ہیں ؎

بن دلبر شکل جہان آیا ——— ہر صورت عین عیان آیا
کھتے آدم تے کھتے شیث نبی ——— کھتے نوح، کتھاں طوفان آیا
کھتے ابراہیم خلیل نبی ——— کھتے یوسف وچ کنعان آیا
کھتے عیسٰی تے الیاس نبی ——— کھتے لچھمن رام تے کان آیا
کھتے احمدؐ شاہ رسولاں دا ——— کھتے محبوب سبھے مقبولاں دا
استاد نفوس عقولاں دا ——— سلطاناں سر سلطان آیا
کل شے وچ کل شے ظاہر ہے ——— سونڑہا ظاہر عین مظاہر ہے
کھتے ناز نیاز دا ماہر ہے ——— کھتے درد کھتے درمان آیا
خاموش فرید اسرار کنوں ——— چپ بیہودہ گفتار کنوں
پر غافل نہ تھی یار کنوں ——— ایہو لاریبی فرمان آیا

اس کافی میں آپ کس زور سے مسئلہ وحدت الوجود بیان فرماتے ہیں۔ یہ کلام مقام عروج اور فنا فی اللہ کی پیداوار ہے لیکن جب آپ اس سے گذر کر مقام بقا باللہ اور عبدیت پر آتے ہیں تو اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے افشائے راز سے توبہ کرتے ہیں اور اسے بیہودہ گفتار قرار قرار دیتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عارف کامل اکمل کا دائمی مقام عبدیت اور بقا باللہ ہے۔ اور مقام فنا تلوین اور سکر کا مقام ہے جہاں شطحیات سرزد ہوتے ہیں۔ منصورؒ کا نعرہ انا الحق اور شیخ بایزید بسطامیؒ کا نعرہ "سبحانی ما اعظم شانی" اسی مقام سکر و تلوین کی پیداوار ہے۔ شیخ منصورؒ زیادہ مست اور مجذوب تھے اس لیے باوجود قید و بند اس سے باز نہ آئے لیکن شیخ بایزید بسطامیؒ کو جب بتایا جاتا تھا کہ عالم استغراق میں آپ نے یہ کلمات کہے ہیں تو آپ مریدین کو کہتے تھے کہ آئندہ کہوں تو مجھے قتل کر دینا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ شیخ بایزید کا مقام شیخ منصور کے مقام سے زیادہ بلند تھا۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کے شعر ؎

خاموش فریدؔ اسرار کنوں   چپ بیہودہ گفتار کنوں

سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ منصورؒ سے آپ کا مقام بلند تھا اور مقام تلوین میں جو کچھ منہ سے نکل گیا مقام تکوین اور بقائیت پر آکر آپ نے اس کا ازالہ کر دیا۔

اسی طرح آپ کئی جگہوں پر اپنے کیے پر پچھتائے ہیں اور شطحیہ کلام کا ازالہ فرمایا ہے۔ مثلاً آپ اپنی کافی ؎

اے حُسن حقیقی نور ازل   تینوں واجب تے امکان کہوں
تینوں خالق ذات قدیم کہوں   تینوں حادث خلق جہان کہوں
تینوں مطلق محض وجود کہوں   تینوں علمیہ اعیان کہوں
ارواح نفوس عقول مثال   اشباح عیاں نہاں کہوں
تینوں عرش کہوں افلاک کہوں   تینوں ناز نعیم جنان کہوں
تینوں تت جماد، نبات کہوں   حیوان کہوں انسان کہوں
تینوں مسجد مندر دیر کہوں   تینوں پوتھی تے قرآن کہوں
تینوں دسرت لچھمن رام کہوں   تینوں سیتا جی جانان کہوں
تینوں ہر دل دا دلدار کہوں   تینوں احمدؐ عالی شان کہوں

آپ جوش وخروش اور ذوق وشوق میں وحدت الوجود کے موتی بکھیرتے ہوئے ۴۳ برجستہ اشعار کے بعد آخر میں مقام تکوین کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنے کیے پر پچھتاتے ہیں۔ اور افشائے راز سے توبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

کر توبہ ترت فریدؔ سدا   ہر شے نوں پر نقصان کہوں
اُسے پاک الکھ بے عیب کہوں   اسے حق بے نام و نشان کہوں

ایک اور کافی ؎

اساں سو بدمست قلندر ہوں   کڈیں مسجد کنڈیں مندر ہوں

میں توحید کے اسرار ورموز بیان کرتے کرتے آخر میں اپنے آپ کو اس کام سے باز آنے کی یوں

تلقین کرتے ہیں ؎

دل وا توں سمجھ فریدؔ الا　　کر محض نہ شعر حبدید ولا

زاہد خشک کو تنبیہ ایک کافی میں آپ زاہد خشک کو تنبیہ فرماتے ہیں اور کس جوش وخروش سے فرماتے ہیں :۔

سن سمجھ ڑے زاہد جاہد توں　　ہن عشق دے اے کلمات عجب
ہے گالھ عجب ہے حال عجب　　ہے چال عجب ہے گھات عجب
ہے ذوق عجب ہے شوق عجب　　ہے عین عجب ہے بین عجب
ہے ذکر عجب ہے فکر عجب　　ہے نفی عجب اثبات عجب
ہک ذاتوں سہنس ذوات عجب　　اسمار افعال، صفات عجب
ٹھپ فقہ اصول عقائد نوں　　رکھ ملت ابن العربی دی
ہے دلڑی غیروں پاک تری　　مصباح عجب مشکوٰۃ عجب
من این الیٰ این است عجب　　ما الی حل فی البین است عجب
من علم الی العین است عجب　　اسرار رموز نکات عجب

اسی طرح فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہوئے آپ آخر فرماتے ہیں ؎

ہر آن احد ڈون دھیان دھرو　　ہے بے شک دین ایمان ایہو
دل نال فریدؔ دا وعظ سنو　　سو بات دی ہے ہک بات عجب

شرح دقائق اس کافی میں حضرت اقدس نے کمال ذوق و وجدان کے ساتھ باون برجستہ اشعار کہے ہیں۔ باقی اشعار کے معانی تو یارانِ نکتہ دان نے سمجھ لیے ہوں گے صرف دو اشعار ایسے ہیں جو بے حد مشکل ہیں۔ ان اشعار کی شرح کے لیے ہم قارئین کرام کو حضرت اقدس کے ملفوظات (مقابیس المجالس) کی طرف لے چلتے ہیں جہاں آپ نے ان مضامین کی تصریح فرمائی ہے وہ اشعار یہ ہیں ؎

من این الیٰ این است عجب　　ما الحاصل فی البین است عجب
من العلم الی العین است عجب　　اسرار رموز نکات عجب

ان اشعار کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت اقدس اپنی مجلس میں بیٹھے عارفین کے اَدق اشعار کی شرح فرمارہے تھے[1] اس اثناء میں آپ نے چند اشعار کے بعد یہ اشعار پڑھے ؎

صوفی چہ فغان است کہ من این الی این — این نکتہ عیان است من العلم الی العین
ما الحاصل فی البحر چہ گوئی سفرے کن — جو خضر بجوئے گر از مجمع بحرین

آپ نے ان اشعار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ شرف الدین قونوی نے شیخ صدرالدین قونویؒ کی خدمت میں خط لکھ کر دریافت کیا کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں ؎

"من این الی این وما الحاصل فی البین"

شیخ صدرالدین نے جواب میں لکھا کہ :-

"من العلم الی العین والحاصل الی البین تجد دنسبة جامعة بین الطوفین ظاهرة بالحکمین"

اس کی شرح آگے آرہی ہے۔

---

[1] اشاراتِ فریدی جلد چہارم مقبوس ۸۰

باب ششم

ذوق سماع

پاسِ ادب یہ ہیں کہ بہ کوبت شہیدِ عشق
باہیئتے چلیدکہ خاک از زمین نہ خاست

حضرت اقدس کے ذوقِ سخن کی طرح آپ کے ذوقِ سماع کے متعلق بھی عقل دنگ، زبان گنگ، اور قدوم خامہ لنگ ہیں۔ ایک ایسے ولی اللہؒ اور عارف باللہ کے متعلق کوئی کہے تو کیا کہے جو خود ایک والہانہ انداز کا شاعر بھی ہے، شدید نسبتِ عشقیہ کے ساتھ فانی فی اللہ، اور باقی باللہ بھی ہے، جو فنا و بقا، اور قرب و بُعد یکساں ہو جانے کی وجہ سے ہر لحظہ ؎

قلندر آنکہ فوق الوصل جوید

کے مصداق بلند سے بلند تر، منازل قرب کے لیے تڑپ بھی رہا ہے، ھل من مزید کے نعرے بھی لگا رہا ہے اور ؎

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمارِ ما
چہ قیامتے کہ نمے رسد ز کنارِ ما بکنارِ ما

پکار پکار کر وجد تمام اور رقص دوام میں بھی مشغول ہے۔ ایسے مجنوں صفت لیکن باوقار اور ابوالحال ولی اللہ، ایسے مجذوب لیکن ہوشیار اور صاحبِ تمکین و صاحبِ ضبط عارف کامل کے ذوقِ سماع کا تماشا دکھانے کے لیے ہم قارئین کرام کو اشاراتِ فریدی میں درج شدہ آپ کی مجالس سماع کی طرف لے چلتے ہیں تاکہ ہر شخص آنکھوں سے دیکھ لے کہ عشق کیا ہوتا ہے۔ لیکن سماع کے وجد و حال کا مشاہدہ کرنے سے پہلے مسئلہ سماع کا علمی، ادبی، کیفی اور شرعی جائزہ بھی لیتے جائیں تاکہ اس بارے میں معترضین نے جو مشائخ چشت پر بالعموم اور خواجہ غلام فریدؒ پر بالخصوص الزامات لگائے ہیں، ان کا ازالہ ہو جائے۔ لہٰذا حضرت اقدس کی مجالسِ سماع

کی سیر کرنے سے پہلے حقیقتِ سماع، جوازِ سماع، آدابِ سماع، شرائطِ سماع، اثراتِ سماع اور مشائخ عظام کی مقرر کردہ ترتیبِ سماع سے واقفیت ضروری ہے۔

حقیقت سماع یہ امر مسلّمہ ہے کہ ہر انسان فطرتِ حق پر پیدا ہوا ہے اور ہر شخص کے قلب میں حق تعالیٰ کا عشق ودیعت کیا گیا ہے۔

البتہ مختلف قلوب کے اندر جذبۂ عشق کم و بیش ضرور ہے جو شخص سب سے بڑا مومن ہے وہی سب سے بڑا عاشق ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم فرماتا ہے والذین اٰمنوا اشد حبا للہ۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔ اللہ کے تم محبوب بن جاؤ گے) ان آیات سے اللہ اور بندہ کے درمیان محبت بلکہ شدید محبت کا ثبوت ملتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فلخلقت الخلق (میں حسن و جمال کا ایک مخفی خزانہ تھا مجھے عشق ہوا کہ میرا کوئی مشاہدہ کرے اس لیے میں نے خلقت کو پیدا کیا) نیز حدیث شریف (بخاری شریف) میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "جب میرا بندہ نوافل یعنی زائد عبادت کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور مجھ سے دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے۔ میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے جو طلب کرتا ہے دیتا ہوں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایمان محبت ہے اور جس کے اندر محبت نہیں ایمان بھی نہیں۔ لا ایمان لہ من لا محبۃ لہ۔ یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ دہرائے۔ اسی طرح بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندہ اور اللہ کا تعلق عشق و محبت کا تعلق ہے۔ اور دنیا میں باقی جس قدر محبتیں ہیں وہ ضمنی ہیں یعنی اللہ کی محبت کے ضمن میں آتی ہیں۔ ان تمام محبتوں کی اصلی وجہ اللہ کی محبت ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالےٰ کے نور سے وجود میں آئی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ آقا کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ہر چیز سے محبت کی جائے۔ یہ قدرتی امر

ہے۔ اللہ کی عبادت بھی اسی لیے فرض ہے کہ عبادت محبت کا نتیجہ ہے۔
محبت نہ ہو تو کوئی حیوان کسی کے آگے رکوع و سجود کرے اور فرمانبرداری میں سرگرم رہے
جب اللہ اور بندے کے درمیان حقیقی تعلق عشق و محبت کا تعلق ہے اور جب اسلام
اس تعلق کو قوی سے قوی تر کرنے کے لیے آیا ہے، گھٹانے کے لیے نہیں آیا تو پھر ہر انسان
کے لیے ایسے ذرائع اختیار کرنا فرض عین ہے جن سے عشقِ الٰہی میں اضافہ ہو۔ ان ذرائع میں
عبادت و ریاضت ضروری ہیں جن سے نفس امارہ کا زور کم ہوتا ہے۔ ان میں ایثار، ہمدردی
عجز و انکسار، غرضیکہ تمام اخلاق حسنہ شامل ہیں جن سے نفسانیت کا اثر کم ہوتا ہے ان ذرائع
میں شعر و سخن ضروری ہے تاکہ آتشِ عشق میں اضافہ ہو اور قربِ حق حاصل ہو۔ ذوقِ سخن یا
اشعار سننے کا دوسرا نام سماع ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

بلبلے برگِ گل خوش رنگ در منقار داشت | واں دراں برگ و نوا نالہائے زار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست | گفت ما را جلوۂ معشوق دراں کار داشت

اس سے ظاہر ہے کہ نالہ و فریاد اور گریہ وزاری صرف ہجر و فراق کے لوازمات نہیں ہیں
بلکہ وصلِ حبیب میں بھی حسنِ جہاں سوز کے جلوے دیکھ کر عشاق گریہ وزاری، آہ و فغاں اور
جوش و خروش میں سرگرم رہتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی زاہد خشک محض دیوار بن کر اس دنیا میں آیا
ہے تو اس کے لیے آواز خوش و ناخوش برابر ہے ہمارا روئے سخن ان کی طرف نہیں ہے۔

صحیح ذوق کی اہمیت

صحیح ذوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ
اس کے بغیر کوئی کام ممکن نہیں، ذوق ایسی چیز ہے
کہ انسان تو انسان جانور بھی اس سے محروم نہیں ہیں۔ سانپ کا مرلی کی آواز پر عاشق ہونا،
اونٹ کا بانگ جرس سے مست ہونا اور گائے بھینسوں کا بانسری کی آواز سے مسحور ہونا،
ضرب المثل ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب نغمے الاپتے تھے تو آپ کی مجلسِ سماع میں بھیڑ
بکری، شیر چیتے، وحوش، طیور اور انسان موجود ہوتے تھے لیکن کسی کو یہ ہوش نہیں ہوتا تھا کہ
ایک دوسرے پر حملہ کریں۔ جب مجلس ختم ہو جاتی تو کئی لوگ بلکہ وحوش و طیور تک مردہ پائے جاتے
تھے۔ ایک دفعہ کثیر تعداد میں عورتیں آپ کی مجلسِ سماع میں مردہ پائی گئیں۔ اگر بقول شخصے سماع

حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایک جلیل القدر پیغمبر کو یہ معجزہ عطا فرما کر کیوں خواہ مخواہ لوگوں کو فعلِ حرام کا مرتکب کرتا۔

صورِ اسرافیل بھی سماع بالمزامیر ہے

اسی طرح صورِ اسرافیل بھی سماع ہے جس میں وہ اثر ہوگا کہ لوگ سن کر جان دے دیں گے۔
اس کے بعد اس کا دوسرا نغمہ اس قدر جان افروز اور روح پرور ہوگا کہ سنتے ہی ہزاروں برس کے مُردے بھی زندہ ہو جائیں گے اور رقص کرتے ہوئے قبروں سے باہر نکلیں گے۔ حضرت اسرافیل کے یہ دونوں نغمے بالمزامیر (باجوں کے ساتھ) ہوں گے۔

حقیقتِ سماع کے متعلق ایک اور نکتہ

حقیقتِ سماع کے متعلق ایک اور نکتہ یہ ہے کہ جہاں حُسن کی تشریف آوری ہوتی ہے حضرتِ عشق بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں ویسے تو ساری دنیا حُسن ہی حُسن ہے لیکن بالعموم دنیا میں چار قسم کے حُسن ہیں۔ حُسنِ صورت، حُسنِ صوت، حُسنِ کلام اور حُسنِ حرکات۔ حسنِ صورت محبوب کا رخِ انور ہے، حُسنِ صوت موسیقی ہے، حُسنِ کلام شاعری اور حُسنِ حرکات رقص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص کے دل میں حسنِ صورت، موسیقی، شاعری اور رقص کی محبت ہے۔ یہ فطرتی امر ہے جس کے روکنے سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ اور قانونِ قدرت میں دخل درمعقولات کے مترادف ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم نقشبندیؒ کا حقیقتِ سماع کے متعلق ایک مشاہدہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب انفاس العارفین میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتی کے مزارِ اقدس پر مراقب تھے۔ اس وقت حضرت شاہ عبدالرحیم اور صاحبِ مزار کے مابین جو گفتگو ہوئی یہ ہے۔
حضرت خواجہ قطبؒ نے فرمایا "شعر کے حق میں تم کیا کہتے ہو"
شاہ عبدالرحیمؒ نے جواب دیا "کلام حسنه حسن و قبحه قبیح"[1] (شعر ایک کلام

[1] یہ حدیث ہے۔

ہے جس کا حسن حسن ہے اور قبیح قبیح ہے)

خواجہ قطبؒ نے فرمایا "بارک اللہ، اب آواز خوش کے حق میں کیا کہتے ہیں"

"شاہ عبدالرحیم نے جواب دیا " ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء" (یہ اللہ کا فضل ہے جسکو نصیب ہو)

حضرت خواجہ قطبؒ نے فرمایا "بارک اللہ، جب دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو اس کو کیا کہتے ہو"

شاہ عبدالرحیم نے جواب دیا " نور علی نور یھدی اللہ بنورہ من یشاء (نور پر نور ہے اللہ ہدایت کرتا ہے جس کو چاہے اپنے نور سے)

حضرت خواجہ قطبؒ نے فرمایا "بارک اللہ! ہم جو کچھ کرتے تھے وہ اس سے زیادہ نہ تھا۔ تم بھی کبھی کبھی ایک دو بیت سنتے رہو[1]

غرضیکہ دلکش آواز میں ایسی کشش ہے کہ جسے سن کر ہر سلیم الطبع انسان محظوظ ہوتا ہے، مسرور ہوتا ہے، مسحور ہوتا ہے اور مست و بے خود ہو جاتا ہے، وحشت دور ہو جاتی ہے، قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے، روحانی ترقی کے راستے کھلتے ہیں، عشق حق میں اضافہ ہوتا ہے، قوتِ پرواز بڑھتی ہے اور قرب حق نصیب ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بد فطرت آدمی کے لیے سماع مضر ہے کیونکہ اس کی خواہشاتِ نفس کو ابھارتا ہے یہ بھی ایک مجنونانہ بات ہے سماع ایک ایسی دوائی ہے کہ جس کے اندر صفت شفا مضمر ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی دوائی بھی ہے کہ جس کا نیک آدمی پر اچھا اثر ہو اور بد پر بُرا۔ البتہ دوائی غلط دی جائے یعنی غلط قسم کا سماع جس میں خواہشات اور غیر شرع امور ہوں تو نقصان دہ ہو سکتا ہے، عورت سے گانا سننا غیر شرع ہے اور غلط سماع ہے۔ بے ریش لڑکوں سے گانا سننا غلط سماع ہے، فاحشہ کلام سننا غلط سماع ہے، شراب کے ساتھ سماع سننا غلط سماع ہے لیکن مشائخ کا سماع ان تمام چیزوں سے پاک ہوتا ہے۔ ان کا سماع خالصاً لوجہ اللہ ہوتا ہے اور خدا، رسولؐ اور اللہ کے دوستوں کی تعریف پر مشتمل ہوتا ہے اس سے خواہ نیک فطرت انسان ہوں یا بد فطرت سب کے قلوب میں خدا اور رسولِ خدا کی محبت بڑھتی ہے اور قرب حق میں اضافہ ہوتا ہے۔ کم فہم لوگ کہتے ہیں کہ سماع کھیل تماشا یعنی لہو ولعب ہے اس لیے

---

[1] اس واقعہ سے حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالرحیم کی طرف سے اصحاب قبر سے ہمکلام ہونا بھی ثابت ہو گیا اور جوازِ سماع بھی حالانکہ یہ دونوں حضرات نقشبندی مجددی ہیں۔ کشف قبور کا اس سے زیادہ واضح ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

حرام ہے۔ افسوس صد افسوس۔ یہاں جانیں نکل رہی ہیں گریہ وزاری ہے آہ وفغاں ہے عشاق مرغ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر جانیں دے رہے ہیں اور یار لوگ اسے کھیل تماشا کہتے ہیں۔ کیا ہی غضب ہے، ظلم ہے، اندھیر ہے۔

جواز سماع جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ سماع ایک دوائی ہے جس کے اندر تمام روحانی بیماریوں سے شفا کا راز مضمر ہے تو یقیناً ایسی چیز اسلام میں حرام نہیں ہو سکتی۔

قرآن اور سماع چنانچہ قرآن عظیم کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ پورے قرآن میں کسی جگہ سماع بالمزامیر یا بلامزامیر کو حرام قرار نہیں دیا گیا۔ سارے قرآن میں صرف ایک آیت ہے جو منکرین سماع، سماع کی حرمت میں پیش کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے، ومن الناس من یشتری لھو الحدیث ...... الی آخرہ (وہ لوگ جو خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ گمراہ کریں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی مذاق۔ ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے)، اس آیت کی شرح مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اپنی تفسیر قرآن میں یوں کی ہے:

"روایات میں ہے کہ نضر بن حارث جو رؤسائے کفار میں سے تھا بغرض تجارت فارس جاتا تو وہاں سے شاہان عجم کے قصص، تواریخ خرید کر لاتا اور قریش سے کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتا ہے آؤ میں تم کو رستم و اسفند یار اور شاہان ایران کے قصے سناؤں۔ بعض لوگ ان کو دلچسپ سمجھ کر ادھر متوجہ ہو جاتے، نیز اس نے گانے والی لونڈی خرید کی تھی۔ لوگوں کو اس کا گانا سناتا تھا اور کہتا تھا کہ دیکھو یہ اس سے بہتر ہے جدھر محمد (صلعم) تم کو بلاتے ہیں۔ کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو اور جان مارو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔"

امام حسنؓ کا قول تفسیر روح المعانی میں لھو الحدیث کی تفسیر میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

کل ماشغلک عن عبادۃ اللہ وذکرہ من السمر والاضاحیک والخرافات والغناء ونحوھا۔ (لھو الحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی یاد اور ذکر سے ہٹانے والی ہو مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق، واہیات مشغلے اور گانا بجانا۔)

مولانا محمود الحسن صاحب کی تفسیر میں مزید یہ صراحت آئی ہے :

"شانِ نزول گو خاص ہو عموم الفاظ سے حکم عام رہے گا۔ جو شغل دینِ اسلام سے پھیرنے کا موجب ہو گا حرام بلکہ کفر ہے۔ ہاں جو لہو کسی امر واجب کا مفوّت، (فوت کرنے والا) نہ ہو اور کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی اس میں نہ ہو وہ مباح ہے .... رہا غنا و سماع کا مسئلہ اس کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھنی چاہیے ....

البتہ نفس غنا (گانا) کو ایک درجہ تک مباح لکھتے ہیں۔ صاحب روح المعانی نے مسئلہ غنا و سماع کی تحقیق نہایت شرح و بسط کے ساتھ کی ہے اور شرائط و قیود مقرر کیے ہیں۔"

اب ایک معمولی سمجھ کا انسان بلکہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ آیت مذکور میں جس "لہو الحدیث" کو گناہ قرار دیا گیا ہے وہ سماع صوفیا ہرگز نہیں ہے بلکہ ہر وہ بات ہے جو لوگوں کو اسلام سے پھیرنے کی غرض سے کی جائے۔ کیا صوفیائے کرام اس لیے نضر بن حارث کی طرح مجالسِ سماع منعقد کرتے ہیں کہ لوگوں کو اسلام سے پھیر کر کسی اور مذہب کی طرف لے جائیں، کیسی احمقانہ بات ہے حضرت امام حسنؓ نے خوب فیصلہ سنایا ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر سے باز رکھے۔ "لہو" ہے اس میں وہ تجارت، کاروبار، ملازمت، کھیتی باڑی اور ہر شغل اور پیشہ شامل ہے جس میں لوگ منہمک رہ کر ذکرِ الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔ اب چونکہ قرآن مجید میں کثرت سے ذکر اللہ کی تاکید آئی ہے اس لیے وہ لوگ بھی اس آیت کی رو سے لہو میں مبتلا ہیں جو صرف پانچ وقت نماز پر اکتفا کرتے ہیں اور ہمہ تن اور ہمہ وقت ذکر اللہ میں مشغول نہیں رہتے۔ یہ صوفیا کرام ہیں جو کم سے کم وقت دنیاوی مشاغل کو دیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ وقت ذکر اللہ کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں سماع ہرگز حرام اور ناجائز نہیں ہے۔ سماع بہت بڑی چیز ہے اور ہر زمانے میں کثرت سے لوگ اس میں مشغول رہتے ہیں اگر یہ چیز ناجائز ہوتی تو قرآنِ عظیم میں ضرور اور صاف طور پر ممانعت آتی۔

مزید جوازِ سماع قرآن کی رو سے

بلکہ کلام پاک میں تو جا بجا سماع کی تاکید آئی ہے اس کے برکات بیان کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر

(۱) ساتویں پارے کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔ واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع۔ (جب لوگ اس چیز کو سنتے ہیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں)

بیشک اس آیت میں آیاتِ قرآنی کی طرف اشارہ ہے لیکن آیاتِ قرآنی بھی ذکرِ اللہ ہے اور جب کسی اور زبان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر و محبت کی باتیں بیان کی جاتی ہیں تو وہ بھی ذکر اللہ ہے بلکہ عشقیہ اشعار اور عشقیہ طرزِ کلام جو قرآن نے عام طور پر استعمال نہیں کی زیادہ عشقِ الٰہی کو برانگیختہ کرنے والی چیز ہے۔

(۲) ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ ط اولئک الذین ھداھم اللہ۔ (خوشخبری دے دو ان لوگوں کو جو قول سنتے ہیں اور اس کے حُسن کا اتباع کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے) اس آیت میں بھی اچھا کلام سننے اور اس سے متاثر ہونے کی تعریف کی گئی ہے اور سننے والوں کو خوش خبری دی گئی ہے یاد رہے کہ قوالی یا قوال مبالغہ کا صیغہ ہے قوال کا مطلب ہے بہت قول بیان کرنے والا مجالسِ سماع میں جو گانے والے ذکر اللہ کو مختلف اقوال (اشعار) کی صورت میں پیش کرتے ہیں اسی آیت کے اسی لفظ "قول" سے مشتق نظر آتے ہیں۔ ورنہ ان کو مغنی (گانے والا) کہا جاتا نہ کہ "قوّال"۔

(۳) ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم (یعنی حق تعالیٰ کے ڈر سے ان کی کھال کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں) یہی حالت اہلِ سماع کی ہوتی ہے کہ سماع کے وقت عشقِ الٰہی کی وجہ سے ان کے صرف رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے بلکہ پورے جسم پر لرزہ طاری ہوتا ہے اور غایت وجد سے رقص کرتے ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں جوازِ سماع میں یہی آیات نقل فرمائی ہیں۔ اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں بے شمار ایسی آیات ہیں کہ جن میں عشق و محبت الٰہی کی تاکید آئی ہے اور یہی سماع صوفیاء کا مقصد ہے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ راستے میں جا رہے تھے۔ ایک طرف کسی نے قرآن کی ایک آیت پڑھی جسے سن کر آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے بعض

حضرات کا سماع قرآن سے جان کا نکلنا بھی روایات میں مذکور ہے۔

جوازِ سماع احادیث نبویؐ کی رُو سے

قرآنِ عظیم کے بعد دوسری چیز جس پر ایمان کا دار و مدار ہے حدیثِ نبویؐ ہے۔ احادیث میں کثرت سے سماع کی حِلّت (جائز ہونا) کا ثبوت موجود ہے۔ نیز بعض احادیث میں اس کی مذمت بھی آئی ہے لیکن محدثین کے نزدیک یہ احادیث غیر معتبر اور موضوع (جعلی) ہیں۔ اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آرہی ہے۔ اس وقت قارئین کرام کے سامنے وہ احادیث نقل کی جاتی ہیں جو صحاح ستہ میں درج ہیں اور جن کے صحیح ہونے میں کسی مذہبی فرقہ کے لوگوں کو اعتراض نہیں۔

(۱) صحیح بخاری میں ربیع بنت معوذ بن عفراء سے روایت ہے کہ جب میری شادی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت چند لڑکیاں دف بجاکر گا رہی تھیں۔ جب ایک لڑکی نے یہ مصرعہ گایا کہ وفینا نبی یعلم ما فی غد (ہمارے درمیان ایک نبی ہے جو کل کی باتیں بتاتا ہے)، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ مت کہو اور جو گیت تم پہلے گا رہی تھیں وہی گاتی رہو"۔ اب غور کا مقام ہے کہ اگر قرآن شریف کی آیت میں "لہو الحدیث" سے ہر قسم کا گانا ہوتا تو آپ اس شادی کی مجلس میں گانا کیوں سنتے رہتے۔ نیز آپ کے دف کے ساتھ گانا سننے سے سماع بالمزامیر بھی جائز ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دف بھی تو آلاتِ غنا میں سے ایک آلہ ہے چنانچہ یہ حدیث سماع بالمزامیر کی کھلی دلیل ہے۔

(۲) صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصار کی شادی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھ کوئی کھیل تماشا نہیں تھا کیونکہ انصار لوگ کھیل تماشے سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیجیے اس حدیث میں تو کھیل تماشا بھی جائز ہوا جس کی بعض علماء نے آیت لہو الحدیث کی رو سے غلط مذمت کی ہے۔ معلوم نہیں یہ لوگ کس وجہ سے شادی بیاہ کے موقعوں پر گانے بجانے کو بُرا کہتے ہیں۔ جب شادی کے موقعہ پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیل تماشہ کے طور پر گانا جائز رکھا تو پھر کتنے تعجب کی بات ہے کہ اولیائے کرام اور ان کے مریدین کی ان مجالس سماع کو خلاف شرع قرار دیا جائے جو بطور خاص ذکرِ حبیب اور عشقِ حبیب میں منعقد کی جاتی ہیں۔

(۳) صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی ایک اور کتاب ابنِ ماجہ ہے جو صحاح ستہ (چھ مستند کتابیں) میں شامل ہے۔ ابنِ ماجہ میں حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی ایک رشتہ دار لڑکی کو انصار میں بیاہ دیا۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ "ان کے ساتھ کوئی گانے والا بھی بھیجا یا نہیں۔ کیوں نہ تم نے ایک گانے والا شخص ساتھ کر دیا" اس صحیح حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ "لہو الحدیث" سے گانا مراد نہیں، بلکہ کافر نضر بن حارث کا اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ جیسی حرکات مراد ہیں۔

(۴) صحیح ابنِ حبان میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میرے زیرِ پرورش ایک لڑکی تھی، جس کو میں نے انصار میں بیاہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی گانے والا کیوں نہ ساتھ بھیجا۔ انصار لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

(۵) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دنوں میں میرے پاس دو لڑکیاں کچھ گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق آئے اور لڑکیوں کو ڈانٹنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر منہ سے ہٹا کر فرمایا "ابوبکر ان کو کچھ نہ کہو۔ ہر قوم کی عید ہوتی ہے جس کی وہ خوشی مناتے ہیں آج ہماری بھی عید ہے۔ یہ سماع بالمزامیر نہیں تو اور کیا ہے۔

(۶) حدیث کی کتب ترمذی، مسند امام احمد، سنن نسائی اور ابنِ ماجہ میں حاطب جمحیؓ سے مسلسل روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال اور حرام کے درمیان فرق یہ ہے کہ جائز اور شرعی نکاح میں دف بجائے جاتے ہیں اور گیت گائے جاتے ہیں۔ اگر گانے کے ساتھ باجے بجانا حرام ہوتا تو آنحضرت نکاح میں باجوں کو کیوں جائز فرماتے

(۷) اسی مضمون کی ایک اور مستند حدیث حضرت عائشہؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ربیع بنت معوذؓ سے منقول ہے۔

(۸) جامع ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کا اعلان کیا کرو، عقد نکاح مسجد میں ہوا کرے اور دف بجایا جائے۔ اس حدیث پاک کی رو سے تو دف یعنی باجوں کا مسجد میں بجانا بھی جائز ہوا۔

(۹) حضرت خوات بن جبیر سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کو جا رہے تھے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے گانے کی فرمائش کی۔ ابو عبیدہ گاتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ حضرت عمر نے فرمایا اب بس کرو ہم نے گاتے گاتے صبح کر دی ہے۔

(۱۰) ایک رات حضرت عمرؓ کا گذر ایک خیمہ پر ہوا جس کے اندر کوئی شخص یہ گا رہا تھا۔

صلی علیہ المصطفون الاخیار — علی محمد صلواۃ الابرار

یالیت شعری والمنایا اطوار — قد کنت قواما ابکار الاسحار

یہ سن کر حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہوا اور با آواز بلند روئے۔ مکرر فرمائش کی اور مکرر گریہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ابیات میں عمر کا نام بھی شامل کر لو اور یہ کہو ؎

وعمر فاغفر له یا غفار

(۱۱) ایک حدیث میں آیا ہے کہ حبشی لوگ مسجد نبوی میں گا رہے تھے، دف بجا رہے تھے ناچ رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو اوپر اٹھا کر یہ تماشا دکھایا۔ اس حدیث کی رُو سے بھی مسجد میں گانا، باجا بجانا اور ناچنا جائز ہوا (یعنی رقص کرنا)۔

(۱۲) ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس کے ساتھ جا رہے تھے راستے میں بانسری کی آواز سنائی دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ جب آواز بند ہو مجھے بتانا۔ اس حدیث سے عام لوگ بانسری کی آواز کو ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن اولیاء کرام اسی حدیث سے جواز سماع بالمزامیر نکالتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر مزامیر (بانسری) کا سننا حرام ہوتا تو ایک نبی کی شان کے شایان نہیں تھا کہ خود تو کانوں میں انگلی دے دیتے اور ایک صحابی کو فعل حرام کا مرتکب ہونے دیتے۔ امام غزالی اور دیگر اولیائے کرام نے کانوں میں انگلیاں دینے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل ہو رہی ہو گی یا کوئی خاص حالت طاری ہو گی جس میں بانسری کی آواز کو خلل انداز ہونا پسند نہ فرمایا۔

(۱۳) بعض احادیث میں سارنگی کی ممانعت آئی ہے اس سے یار لوگوں نے جملہ آلات سماع

اور بعض نے آلات سارنگی کو حرام قرار دے دیا ہے۔ حضرت خواجہ غلام فریدؒ سے جب کسی نے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ نہ سماع حرام ہے نہ مزامیر حرام ہیں بلکہ جب سماع اور مزامیر کے ساتھ کوئی غیر شرعی عوارض شامل ہو جاتے ہیں تو یہ فعل حرام ہو جاتا ہے۔ مثلاً زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ شراب کی محافل میں سارنگی بجایا کرتے تھے۔ جب شراب حرام ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارنگی کا بجانا بھی منع کر دیا تاکہ شراب کی یاد تازہ نہ ہو لیکن ہمارے ملکوں میں شراب کی مجالس میں کون سارنگی بجاتا ہے۔ ہمارے لیے سارنگی اور شراب میں کوئی نسبت ہی نہیں۔

حرمت سماع والی احادیث کے متعلق محدثین کی رائے

جن احادیث سے بعض فقہاء نے سماع کو حرام قرار دیا ہے ان کے متعلق امام نووی کا فتویٰ یہ ہے کہ "یہ تمام روایات بے بنیاد ہیں" (۲) امام سخاوی اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں کہ "جن احادیث سے فقہاء سماع کو حرام کہتے ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں پائی جاتی" (۳) امام ابن حجر عسقلانی شارح حدیث بخاری اپنی کتاب فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ "سماع کے حرام ہونے میں جو احادیث متاخرین نے بیان کی ہیں وہ محض گپیں ہیں۔ اگر اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہوتی تو ضرور مجتہدین عظام اس کو اپنا دستور العمل بناتے"۔ اس سے ظاہر ہے کہ حرمتِ سماع کے بارے میں نہ کوئی آیتِ قرآن ہے نہ کوئی مستند حدیث ہے۔ یہ کسی اَن پڑھ کا قول نہیں ہے بلکہ امام نوویؒ امام سخاوی اور امام ابنِ حجر عسقلانی جیسے جلیل القدر محدثین کے اقوال ہیں۔ معترض کو ذرا ہوش سے کام لینا چاہیے۔

حرمت سماع کی احادیث کے متعلق آئمہ مجتہدین کی رائے

محدثین کے علاوہ ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ان احادیث کو معتبر نہیں مانا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ احادیث بعض متاخرین نے بیان کی ہیں جن کو صحیح و سقیم میں تمیز کا ملکہ نہیں تھا۔ ان احادیث کی تردید میں ابن عربی مالکی نے لکھا ہے کہ حرمت سماع کے بارے

ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس بارے میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب کی سب موضوع (جعلی) ہیں۔ ابن طاہر کا بھی یہی قول ہے۔ بعض اجلّ علمائے شافعیہ کا یہ قول ہے کہ اس قسم کی احادیث صرف منکرین کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت عتبہؓ کا سماع

حضرت عتبہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے شعر سن کر اس زور سے تالی بجائی کہ انگلی سے خون ٹپکنے لگا۔

استاذالائمہ والمحدثین حضرت امام ابراہیم بن سعد اور سماع

امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر علماء کے استاذ امام ابراہیم بن سعدؒ اپنے شاگردوں کو محظوظ اور ان کے قلوب کو نرم کرنے کیلئے حدیث سنانے سے پہلے سماع سنایا کرتے تھے۔ اور ان کے سماع میں دف بجایا جاتا تھا۔ یہ سماع بامزامیر پر کھلی شہادت ہے۔ امام بخاری اور امام شافعی کے استاذ سے زیادہ کس کی شہادت درکار ہے۔

رئیس المحدثین حضرت امام شعبہ کا سماع سننا مزامیر کے ساتھ

حضرت ابوطالب مکیؒ اپنی کتاب قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام شعبہؒ نے جو بڑے محدث تھے منہال کے گھر پر تنبور کے ساتھ گانا گایا۔

صحابہ کرام کا سماع

ماوردی حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاص سے حکایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار (حضرت علی کے بھتیجے) کے ساتھ عود پر گانا سنا۔ عود ایک آلۂ سماع ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن جعفر اپنی لونڈیوں سے تار والے باجے کے ساتھ گانا سنتے تھے تو آپ کے چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ساتھ ہوتے تھے۔ ایک دفعہ جب کسی جنگ کے بعد گانے والی عورتیں قید ہو کر آئیں تو امیر المؤمنین نے ان کو حضرت جعفر بن ابوطالب کے حوالہ کیا کیونکہ ان کو گانا بہت پسند تھا۔

آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ کا سماع بالمزامیر

ابو الفرج اصفہانی روایت کرتے ہیں کہ

مشہور صحابی حسّان بن ثابت شاعر مزامیر کے ساتھ گانا سنتے تھے۔ ابوالعاص مبّرد نے بھی حضرت حسّان بن ثابت کے متعلق یہی روایت بیان کی ہے۔

رسول اللہ صلعم کا سماع اور وجد

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب جبرائیل نے امت کے مساکین کے متعلق آنحضرت صلعم کو بشارت دی تو آپ نے فرطِ مسرت میں آکر گانے والا بلایا اس نے گانا سنایا جس سے آپ پر وجد طاری ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کے کندھے سے چادر گر گئی۔ آپ نے اس چادر کے ٹکڑے کئے اور حاضرین میں تقسیم کر دی۔ اس پر امیر معاویہؓ نے کہا "ما احسن لعبک یا رسول اللہ۔ (یا رسول اللہ آپ کا لہو ولعب کیا ہی اچھا تھا۔) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے معاویہ جو شخص ذکرِ محبوب سُن کر وجد و حرکت میں نہیں آتا وہ صاحبِ کرامت نہیں۔"

دیگر صحابہ جنہوں نے سماع سنا

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قادری اپنی کتاب مدارج النبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جن صحابہ کرام نے سماع سنا ہے ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت سعید ابن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت امیر معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت حسان بن ثابت شامل ہے۔ یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث جو قادری بزرگ ہیں کی تحقیق ہے۔

مختلف سلاسل کے مشائخ عظام اور سماع

دلائل قرآن، حدیث، عمل صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین ومحدثین کے بعد اب ہم صرف سلسلہ چشتیہ کے نہیں بلکہ دیگر تمام روحانی سلاسل کے مشائخ عظام کا سماع کے متعلق مؤقف بیان کرتے ہیں تاکہ معترض حضرات یہ کہنے سے باز آجائیں کہ مشائخ چشتیہ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے باقی سب کے نزدیک حرام ہے۔

حضرت داتا گنج بخش سیّد علی ہجویری لاہوریؒ اور سماع

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ کے تبحّر علمی، پابندی شریعت اور باطنی کمالات سے کون واقف نہیں۔ آپ بھی سماع سنتے تھے۔ نیز آپ نے

اپنی کتاب کشف المحجوب میں حقیقتِ سماع اور آدابِ سماع پر گیارہ مستقل باب باندھے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ :۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سننا چاہتا ہے۔ وہ ابو موسیٰ اشعریؓ کی آواز سنے۔ نیز روایات میں آیا ہے کہ بہشت میں بھی اہلِ بہشت کے لیے سماع ہوگا اور اس طرح ہوگا کہ ہر درخت سے مختلف نغمات اور مختلف سرود جاری ہوں گے جس سے سننے والوں پر محویت طاری ہو جائے گی۔ ابراہیم خواص لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ غلہ اٹھاتے وقت دو اونٹوں کا بوجھ ایک اونٹ پر لادا گیا۔ اور حدی خوان کی آواز سے مست ہو کر اونٹ جلدی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا لیکن جاتے ہی مر گیا۔ ایک دفعہ ایک آدمی اونٹوں کو پانی پلاتے وقت گا رہا تھا۔ حدی کی آواز سے اونٹ اس قدر مست ہوئے کہ پانی پینا ترک کر دیا حالانکہ وہ تین دن کے پیاسے تھے۔ عراق میں لوگ ہرن پکڑنے کے لیے ایک خاص قسم کا گیت گاتے ہیں جسے سن کر ہرن اس قدر مست اور بے خود ہو جاتا ہے کہ لوگ جا کر پکڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی لوگ گیت گا کر ہرن پکڑ لیتے ہیں۔ یہ بات تو عام ہے کہ جب چھوٹے بچے روتے ہیں تو ماں ان کو گہوارے میں ڈال کر لوری دیتی ہے جس سے ان کو لذت محسوس ہوتا ہے اور سو جاتے ہیں۔"

کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ مزید لکھتے ہیں کہ :۔

"جو شخص آواز سن کر کہتا ہے کہ مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تو وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے یا منافق ہے یا بے حس ہے۔"

حضرت داتا گنج بخشؒ اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ :۔

"حضرت داؤد کو حق تعالیٰ نے خوش آواز دی تھی۔ جب آپ نغمات الاپتے تھے تو جنگلی جانور، پرندے، انسان سب جمع ہو جاتے تھے اور جو لوگ نغمات سن لیتے تھے ایک ماہ تک کھانا نہیں کھاتے تھے۔ بچے رونا اور دودھ

پلیا بند کر دیے تھے۔ جب مجلس برخاست ہوتی تھی تو کئی آدمی مردہ پائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں سات سو عورتیں مردہ پائی گئیں اور دو ہزار پرندے مردہ نکلے۔"

کتاب مذکور میں حضرت داتا صاحبؒ نے سماع کے متعلق اولیاء کرام کے بے شمار اقوال نقل کیے ہیں جو طوالت کے خوف سے یہاں درج نہیں کیے جاتے۔ مختصراً یہ کہ:-

"سماع علامت مجبوری ہے اور اس میں مشاہدہ محال ہے۔ لیکن بعض حضرات نے سماع کو علامت حضوری اور وصال تصور کیا ہے۔ کیونکہ سماع میں سالک دوست میں مستغرق ہو جاتا ہے اور جب تک محویت کامل نہ ہو محبت کامل نہیں ہوتی۔"

کتاب مذکور میں حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ نے آدابِ سماع بیان فرمائے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) "جب تک شوق زیادہ نہ ہو سماع نہ سنے۔ (۲) سماع کو عادت نہ بنائے اور کافی وقفوں کے بعد سنے تاکہ سماع کی تعظیم دل سے نہ جاتی رہے۔ (۳) محفل سماع میں کسی بزرگ کا ہونا ضروری ہے۔ (۴) مجلسِ سماع میں عوام کا داخلہ نہ ہو۔ (۵) قوال باادب ہوں۔ (۶) دل تمام اشغال سے خالی ہوں اور طبیعت جمع ہو۔ (۷) تکلیف نہ ہو۔ (۸) جب تک کیفیت طاری نہ ہو بناوٹی طور پر کیفیت نہیں لانی چاہیئے۔ (۹) جب کیفیت پیدا ہو اُسے تکلف سے روکنا نہیں چاہیئے۔ (۱۰) طبیعت قابو میں رکھنی چاہیئے۔ اگر قابو سے نکل جائے تو معذور ہے۔ (۱۱) قوالوں کو نہ ٹوکے نہ فرمائش کرے۔ (۱۲) جب کسی پر حال طاری ہو تو تکلف سے خود حال میں نہ آئے بلکہ ضبط اور استقلال سے کام لے۔ (۱۳) سلطان وقت (واردات سماع) کی قدر کرے تاکہ برکات حاصل ہوں۔ اور میں علی بن عثمان الجلابی یہ پسند کرتا ہوں کہ مبتدیوں کو سماع سے پرہیز لازم ہے تاکہ ان کی طبیعت پراگندہ نہ ہو۔"

حضرت امام غزالیؒ اور سماع

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ نے حقیقتِ سماع، جوازِ سماع برکاتِ سماع اور آدابِ سماع پر اپنی کتاب احیاء العلوم میں مفصل بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے سماع پر ایک علیحدہ رسالہ بھی لکھا ہے۔ حقیقتِ سماع کے متعلق آپ فرماتے ہیں:۔

"اے عزیز! اس بات کو جان اور اس حال کو پہچان کہ آدمی کے دل میں حق تعالیٰ کا ایک بھید پوشیدہ ہے جیسے آگ لوہے اور پتھر کے درمیان ہو۔ جس طرح لوہا پتھر پر مارنے سے وہ آگ نکلتی ہے اور صحرا میں لگ جاتی ہے اسی طرح اچھی اور موزوں آواز سننے سے آدمی کے دل کو جنبش ہوتی ہے اور بے اختیار اس کے دل میں ایک چیز پیدا ہوتی ہے جس سے اُسے عالم علوی اور عالم ملکوت کے ساتھ ایک مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ عالم علوی کیا ہے عالم حسن و جمال ہے ..... جس شخص کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت ہو اس کیلئے سماع ضروری ہے۔ تاکہ آتشِ عشق زیادہ تیز ہو"

امام غزالیؒ حلت و حرمتِ سماع کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ سماع حرام ہے یا حلال۔ جس عالم نے حرام کہا ہے وہ فقط اہلِ ظاہر ہے۔ کیونکہ اس پر یہ بات منکشف ہی نہیں ہوئی کہ خدا کی محبت اس کے دل میں نزول کرتی ہے۔ جوازِ سماع کے متعلق امام غزالیؒ نے وہ تمام احادیث نقل کی ہیں جو پہلے اس کتاب میں درج ہو چکی ہیں"

اس کے علاوہ آپ نے لکھا ہے کہ:۔

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کے لوگوں نے آپ کا استقبال کیا اور دف بجا بجا کر خوشی میں یہ گایا:"

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعی للہ داع

(طلوع کیا ہم پر چودھویں کے چاند (آنحضرتؐ) نے اور واجب ہوا ہم پر شکر اور

قبول ہوئی ہماری دعا)

اسی طرح عید کے دن خوشی کرنا اور سماع سننا بھی درست ہے۔"

شرائط سماع امام غزالی نے سماع کے لیے جو شرائط مقرر کی ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

"(۱) عورت یا امرد (بے ریش لڑکا) سے سماع نہ سنے۔ (۲) سرود کے ساتھ رباب وچنگ بربط اور نائے عراقی نہ ہو کیونکہ ان کی ممانعت آئی ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ شراب نوشوں کی عادت ہے، اور یہ چیزیں شراب کی یاد دلاتی ہیں۔ لیکن طبل، شاہین اور دف اگرچہ اس میں جلاجل (جھانجھ) بھی ہوں جائز ہیں۔ کیونکہ ان کا بجانا شراب خوروں کی عادت نہیں۔ بلکہ دُف آنحضرتؐ کے سامنے بجایا گیا ہے۔ شاہین کے حلال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابنِ عمرؓ سے فرمایا کہ سنتے رہو جب آواز بند ہو جائے تو مجھے بتانا۔ لیکن آنحضرتؐ کے کانوں میں انگلی دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پر اس وقت کوئی بہت بزرگ حال طاری ہو جو شاہین کی آواز سے موقوف ہو جائے۔ (۳) سماع میں کلام فحش اور غیر شرع نہ ہو۔ (۴) سننے والے ہم مشرب اور اہل اللہ ہوں۔ (۵) سماع ایسی جگہ ہونا چاہیئے جہاں عوام کا گذر نہ ہو۔ (۶) وقت ایسا ہونا چاہیئے کہ جس میں کوئی شرعی مجبوری نہ ہو مثلاً نماز کا وقت نہ ہو بلکہ ہر طرف سے فارغ ہو کر اطمینان سے سماع سنے اور متوجہ الی اللہ ہو۔"

مقاماتِ سماع امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ سماع میں تین مقام ہیں پہلا مقام فہم ہے یعنی کلام کا سمجھنا، دوسرا مقام وجد ہے یعنی حال کا طاری ہونا، تیسرا مقام حرکت ہے یعنی رقص کرنا۔ امام غزالی رقص کو مباح کہتے ہیں کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں حبشیوں کا رقص دیکھا۔ اور دف کے ساتھ گانا سنا۔ نیز امام موصوف فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے تو حضرت علی نے خوشی میں آکر رقص کیا۔ اسی طرح جب آنحضرت نے حضرت امام حسینؓ

سے فرمایا کہ صورت اور سیرت میں تم میری مانند ہو تو انہوں نے بھی خوشی میں آکر رقص کیا۔ جب آنحضرت نے حضرت زید بن حارث سے فرمایا تو میرا مولا (غلام) اور بھائی ہے تو انہوں نے خوشی میں رقص کیا۔"

حضرت غوث الاعظمؒ اور سماع

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قادریہ سلسلہ میں سماع ناجائز ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے سردار حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔ قادری بزرگوں کی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت غوث الثقلین نے خود بھی سماع سنا ہے اور اپنے سلسلہ کے لوگوں کے لیے اپنی مشہور و معروف کتاب غنیۃ الطالبین میں آدابِ سماع پر ایک مستقل باب تحریر فرمایا ہے اگر آپ کے نزدیک سماع حرام ہوتا تو آپ آدابِ سماع کیوں تحریر فرماتے۔ کتاب مذکور میں آپ لکھتے ہیں کہ:-

"فقیر کو چاہیئے کہ گانا سننے کے لیے اپنے آپ کو عمداً آمادہ نہ کرے۔ اگر مجلس سماع پر گذر ہو تو ادب سے بیٹھے اور اپنے دل کو پروردگار کی یاد میں مشغول کرے۔ اور دل کو غفلت اور فراموشی (ذکر اللہ کو بھولنا) سے محفوظ رکھے ..... جب مشائخ مجلس سماع میں موجود ہوں تو فقیر کو حتی الامکان سکون سے شیخ کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اگر اس پر حال کا غلبہ ہو تو باندازۂ غلبہ وہ حرکت کر سکتا ہے۔ لیکن حال فرو ہونے پر سکون اور شیخ کا ادب لازم رکھے۔ اور فقیر کو لازم ہے کہ کلام کی فرمائش نہ کرے ..... اگر کسی فقیر پر وجد طاری ہو اور وہ رقص کرے تو سب فقیر اس کی موافقت میں کھڑے ہو جائیں۔ جس شخص کا حال بناوٹی ہو اس سے چشم پوشی کرنی چاہیئے۔ اگر اس کو آگاہ کرنا ضروری سمجھے تو قوتِ قلب سے (یعنی باطنی توجہ سے) اس کو آگاہ کرے نہ کہ زبان سے:"

اس کے بعد حضرت غوث الاعظمؒ اس خرقہ کے آداب بیان فرمائے ہیں جو حالت وجد میں فقرا قوالوں کی طرف پھینکتے ہیں۔

حضرت غوث الاعظمؒ کا خود سماع سننا

حضرت شاہ ابوالمعالی قادری لاہوریؒ کا شمار سلسلۂ عالیہ قادریہ کے جلیل القدر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ اپنی کتاب تحفۂ قادریہ میں لکھتے ہیں :۔

"حضرت شیخ عمر بزازؒ، شیخ علیؒ، شیخ بقاؒ، شیخ ابوسعید قیادیؒ اور دیگر مشائخ اکٹھے ہو کر بقصد زیارت حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں آئے اور حضرت غوث الثقلین نے قوالوں کو بلا کر سماع کی فرمائش کی۔ سماع سنتے ہی حضرت غوث الاعظم جوش میں آ گئے اور رقص کرنے لگے۔ مشائخ مذکور بھی شیخ کی تعظیم میں کھڑے ہو گئے۔ حضرت غوث الاعظم وجد کی حالت میں ہوا میں اڑ کر نظروں سے گم ہو گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کو اس مدرسہ میں پایا جو آپ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس وقت علماء نے آپ سے سوال کیا کہ سماع میں تو حالتِ ذوق پیدا ہو اور تلاوتِ قرآن میں نہ ہو اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ حالت دو چیزوں سے ہوتی ہے ایک سخنِ خوش، دیگر ذکرِ عشق سے، اگر خوش الحان اور صاحبِ دل قاری معنی سمجھ کر سورۂ یوسف پڑھے تو سامعین کو ذوق ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں پند و نصائح اور قصص پڑھنے سے خوف طاری ہوتا ہے۔"

اس کے بعد کتاب مذکورہ میں حضرت شاہ ابوالمعالیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"میں نے حضرت امام عبداللہ یافعیؒ قدس سرہ[۱] کی تصانیف میں دیکھا ہے کہ

---

[۱] حضرت امام عبداللہ یافعیؒ کا شمار اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ قطب مکہ تھے اور مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین اوچی کو ایک خرقۂ خلافت حضرت امام عبداللہ یافعیؒ سے بھی ملا تھا۔ حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ کو "چراغ دہلی" کا خطاب حضرت امام عبداللہ یافعیؒ کا دیا ہوا ہے۔ آپ نے مخدوم جہانیاں سے فرمایا کہ اس وقت خواجہ نصیرالدین "چراغ دہلی" ہیں۔ چنانچہ جب حضرت مخدوم جہانیاں حج سے واپس آئے تو دہلی جا کر سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں خواجہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ کے مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ امام عبداللہ یافعیؒ متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ تاریخ امام عبداللہ یافعی تصوف کی مشہور کتاب ہے۔

حضرت غوث الاعظم کے پوتے شیخ جمال اللہ اس وقت زندہ تھے۔ میں نے علمائے بغداد سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اپنے دادا کے ہمشکل ہیں۔ ان کا نام شیخ عبدالرزاقؒ ہے۔ ہم نے اکثر ان کو بسطام کے جنگل میں اور کبھی کبھی بسطام کے شہروں میں دیکھا ہے۔ ہم نے ان کی عمر دریافت کی تو فرمایا کہ انسان کامل کی حیات و ممات یکساں ہے معلوم نہیں کس قدر باقی ہے۔ البتہ ایک دفعہ میرے جدِ امجد سید عبدالقادر جیلانی نے بموقعہ سماع حالتِ وجد میں فرط عنایت میں مجھ کو بغلگیر کر کے فرمایا تھا کہ "اے جمال اللہ! مہتر عیسیٰ علیہ السلام کو میرا سلام کہنا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا۔

خواجہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور سماع

عام طور پر یہ بھی مشہور ہے کہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں سماع ممنوع ہے۔ حالانکہ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کے سربراہ شیخ الشیوخ حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب عوارف المعارف میں سماع، آدابِ سماع اور جوازِ سماع پر چار مستقل باب باندھے ہیں۔ تفصیل کے خواہاں حضرات اصل کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ یہاں کتاب مذکور سے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ کا قرآن سے اخذ جوازِ سماع

عوارف المعارف کے بائیسویں باب میں آپ نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات نقل کی ہیں جن میں سماع کی تعریف اور تاکید آئی ہے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ آیہ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔ (پس خوشخبری دو میرے ان بندوں کو جو قول سنتے ہیں اور اس میں جو چیز احسن ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی آیت میں آگے لکھا ہے کہ اولئک الذین ھدا ھم اللہ (وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے راہِ راست دکھایا ہے) نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ آیہ واذا سمعوا ما انزل الی الرسول ترٰی اعینھم تفیض من الدمع۔۔ (جب وہ لوگ اس چیز کو سنتے ہیں جو رسولِ خدا صلعم پر نازل ہوئی ہے تو ان کی آنکھوں میں آنسو ابل پڑتے ہیں)" ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تقشعر فیہ جلود الذین یخشون ربھم (حق تعالیٰ کے ڈر سے ان کی کھال کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں)، حضرت

شیخ نے جوازِ سماع میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے گشت کے دوران جب ایک آیت قرآن سُنی تو بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ پس سماع اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچتا ہے۔" آیات قرآن کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے وہ احادیث نبویؐ نقل کی ہیں جن سے سماع ثابت ہے۔

احادیث نبوی کی رُو سے حضرت شیخ شہاب الدین کا اخذ جواز سماع

اس بارے میں آپ نے وہ تمام احادیث نقل کی ہیں جو پہلے اس کتاب میں درج ہو چکی ہیں اگر سلسلہ سہروردیہ میں سماع حرام ہوتا تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ قرآن وحدیث سے اس کا جواز کیسے نکالتے۔

وجد و حال حضرت شیخ کی نظر میں

عوارف المعارف کے تیئیسویں باب میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے سماع کے وجد و حال کا ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :۔

"نغمات سے روح کو لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ میلان فطرتی ہے۔ اس وجہ سے سماع سننے والوں پہ وجد طاری ہوجاتا ہے ..... شیخ ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ عوام کا سماع طبیعت کی متابعت سے ہے۔ مریدوں کا سماع خوف و رجا سے ہے۔ اولیاء کا سماع نعمتوں کے دیکھنے سے ہے۔ عارفین کا سماع مشاہدہ ہے اور اہل حقیقت کا سماع کشف و عیان ہے؛

شیخ الشیوخ کے ہاں آدابِ سماع

کتاب مذکور کے چھبیسویں باب میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے آدابِ سماع بیان فرمائے ہیں جو تقریباً وہی ہی جو امام غزالی نے بیان فرمائے ہیں اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں؛

آئمہ اربعہ اور سماع

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادری اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ :۔

امام ابو حنیفہ اور سماع

امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو دونوں نے جواب دیا کہ "سماع نہ گناہ کبیرہ ہے نہ گناہ صغیرہ۔

بلکہ جائز ہے۔" اور یہ بھی نقل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا ایک پڑوسی تھا جو ہر رات گایا کرتا تھا۔ اور امام صاحب اس کا گانا سنا کرتے تھے۔ ایک رات امام نے اس کی آواز نہ سنی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ قید ہوگیا ہے۔ یہ سن کر امام صاحب خود قید خانہ کے حاکم امیر عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی سفارش کی۔ حاکم نے اس کا نام دریافت کیا تو امام صاحب نے فرمایا اس کا نام عمر ہے۔ حاکم نے حکم دیا کہ عمر نامی جتنے قیدی ہیں سب آزاد کر دیئے جائیں۔ جب عمر رہا ہوگیا تو امام صاحب نے اسے فرمایا کہ جس طرح پہلے گاتے تھے اب بھی گایا کرو۔

علامہ نابلوسیؒ اور سماع

علامہ عبدالغنی نابلوسیؒ جو مشہور حنفی بزرگ اور علامہ شامیؒ کے استاذ ہیں لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے امام ابوحنیفہ کا سماع سننا ثابت ہے۔ اس لیے کہ اگر آپ کے نزدیک گانا جائز نہ ہوتا تو آپ عمر قوال کی سفارش نہ کرتے اور نہ اسے گانے کی فرمائش کرتے بلکہ منع کرتے۔"

علامہ ملا علی قاری حنفی اور سماع

علامہ ملا علی قاری حنفی اپنے "رسالہ سماع" میں فرماتے ہیں کہ "امام ابویوسف (امام اعظم کے شاگرد) جب ہارون الرشید کی محفل سماع میں جاتے تھے تو آپ پر گریہ طاری ہوجاتا تھا۔ جب لوگ آپ سے جوازِ سماع کے بارے میں سوال کرتے تو آپ امام ابوحنیفہ کا وہی قصہ بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر سماع حرام ہوتا تو ہمارے امام کیوں اپنا وقت گانے میں ضائع کرتے۔"

علامہ شامی حنفیؒ اور سماع

علامہ شامی حنفی اپنی کتاب رد المختار علی در المختار میں لکھتے ہیں کہ "اس سے ثابت ہوا کہ "آلۂ لہو" بذاتہٖ حرام نہیں بلکہ جب اس سے لہو کا قصد کیا جائے تو بلحاظ قصد حرام ہے خواہ یہ قصد سامع کی طرف سے ہو خواہ گانے والے کی طرف سے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اسی آلہ کو بعینہٖ بجانا کبھی حلال ہوتا ہے، کبھی حرام ہوتا ہے۔ اس میں سادات صوفیاء کرام کے لیے دلیل ہے۔ جن کے مقاصدِ سماع اس قدر جلیل القدر ہیں کہ جن کو وہی خود بخوبی جان سکتے ہیں۔ پس معترض کو اعتراض میں دلیری اور جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے۔ تاکہ ان کی برکت سے محروم نہ رہے۔ کیونکہ وہی خالص اخیار اور نیک بندگانِ خدا ہیں۔ خدا ان کی وساطت سے ہمیں امداد کرے اور ہم پر ان کی دعائیں اور

برکات نازل کرے۔"

امام مالکؒ اور سماع امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ سماع کے متعلق اہلِ علم کا کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا کہ "میرے علاقے میں (آپ ہمیشہ مدینہ منورہ میں رہے) اہلِ علم اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس کو برا سمجھنے والے عام لوگ یا تو جاہل ہیں یا عراق کے باشندے ہیں جن کی طبائع سخت ہیں۔"

علامہ ابنِ حمدونؒ نے اپنی کتاب تذکرہ اور علامہ ابوالفرجؒ نے اپنی کتاب آغانی میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے سامنے ایک آدمی گاتا ہوا گذرا تو آپ نے اس کے کلام کی تصیحح فرمائی۔ علامہ عیسیٰ بن عبدالرحیم رسالۂ سماع میں لکھتے ہیں کہ امام مالک نے گانا سنا اور خود بھی گایا۔"

امام شافعیؒ کا سماع سننا امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے مذہب میں راگ ہرگز حرام نہیں۔ علامہ یونس بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ امام شافعی سے پوچھا گیا کہ کیا اہلِ مدینہ راگ کو مباح اور جائز خیال کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ علمائے عرب سے ایسا کون ہے جو راگ کو مکروہ سمجھے۔"

امام احمد غزالی بوارق السماع میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے ایک گانے والی عورت سے راگ سنا۔ اور جب سن چکے تو اپنے ساتھی علامہ یونس بن عبدالاعلیٰ سے کہا کہ کیا تم راگ سن کر خوش ہوئے۔ اس نے کہا نہیں۔ اس پر امام موصوف نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ تمہاری حسّ صحیح نہیں۔"

امام احمد بن حنبلؒ اور سماع امام احمد اپنی مشہور کتاب مسند امام احمد میں روایت کرتے ہیں کہ حبشی لوگ آنحضرت کے سامنے دف بجا رہے تھے ناچ رہے تھے اور یہ گا رہے تھے:۔

رسول محمد عبد صالح

"جب آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے ہو تو انہوں نے کہا ؎

رسول محمد عبد صالح

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ناچنا، دف بجانا، گانا اور ناچ دیکھنا جائز ہے۔ امام

احمد بن حنبلؒ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی صالحہؒ کے پاس گانا سنا۔ اور شرح مقنع میں امام احمد سے مروی ہے کہ انہوں نے قوال کو گاتے سنا اور انکار نہ کیا۔ اس پر آپ کی بیٹی صالحہ نے کہا کہ آپ تو اس کو بُرا سمجھتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ لوگ برائی کی آمیزش سے سنتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور سماع

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے رسالہ نکات میں تحریر فرماتے ہیں۔

"نکتہ :- جاہل کیست (جاہل کون ہے)، جواب جاہل آنکہ سماع مطلق را بحر حال، در ہر وقت از ہر کس اندک وبیش حرام داند وفاسق آنکہ مطلق آں را حلال داند (جاہل وہ ہے جو مطلق سماع کو ہر حال میں ہر وقت میں اور ہر شخص کے لیے خواہ کم ہو یا زیادہ حرام سمجھے اور فاسق وہ ہے جو مطلق سماع کو حلال سمجھے (یعنی بلا شرائط) اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ ہر قسم کا سماع حلال ہے اور نہ ہر قسم کا سماع حرام ہے۔ بلکہ حرام چیزوں کی آمیزش سے حرام ہو جاتا ہے اور حرام چیزوں کو خارج کرنے سے حلال ہو جاتا ہے"

امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کا سماع

لطائف اشرفی (ملفوظات حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ جو غوث وقت تھے) میں لکھا ہے کہ "امام ابو یوسف سے مسئلہ سماع کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جائز ہے امام محمد بھی سماع کو جائز سمجھتے ہیں۔ فتاویٰ تتار خانیہ میں ان دونوں حضرات سے جواز سماع ثابت ہے"

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ اور سماع

مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ :-

"قول فیصل اس باب میں جو احادیث پر مبنی ہے یہی ہے کہ نفس سماع عموماً ممنوع نہیں بلکہ اس کی حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجیہ عارض ہوتی ہے"

فتاویٰ خیریہ اور سماع

فتاویٰ خیریہ میں لکھا ہے کہ :-

"جو شخص سماع حلال کو حرام کہے وہ گمراہی میں پڑ گیا اور عقوبت و نکال کا مستحق ہے۔ اس لیے کہ سماع حرام نہیں"

اہلِ حدیث امام قاضی محمد بن علی شوکانی یمنیؒ اور سماع

اہلِ حدیثوں کے امام حضرت حافظ محمد بن علی شوکانی یمنیؒ نے سماع پر ایک مدلل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ابطال دعویٰ اجماع ۔ اس رسالہ میں آپ نے احادیث نبوی سے ثابت کیا ہے کہ سماع جائز ہے ۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ " امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبل سے کوئی روایت راگ کے حرام ہونے میں نہیں آئی ۔ بلکہ دونوں نے راگ سننا ثابت کیا ہے ۔ امام موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

" عبداللہ بن جعفر ابن ابو طالب سماع سنتے تھے اور اپنی خوش الحان لونڈیوں سے تار والے ساز کے ساتھ امیر المومنین حضرت علی کے زمانہ خلافت میں گانا سنا کرتے تھے ۔ قاضی شریح ، سعید ابن مسیب ، عطا بن ریاح اور امام زہری اور امام شعبی سے بھی یہی منقول ہے ۔"

استاذ العلماء والمحدثین امام ابراہیم بن سعدؒ مدنی اور سماع

حضرت امام ابراہیم بن سعد مدنی امام شافعی ، امام بخاری ، امام احمد اور امام شعبہ کے استاد ہیں اور بڑے بلند پایہ محدث ہیں ۔ کتاب میزان الاعتدال جلد اول مدارج النبوۃ جلد اول اور احیاء العلوم جلد چہارم میں لکھا ہے کہ :-

" استاذ الائمہ حضرت امام ابراہیم بن سعد مدنیؒ عُود یعنی باجا کے ساتھ گانا سنتے تھے ۔ جب آپ بغداد تشریف لائے تو ہارون الرشید سے کہا کہ عُود منگوا دُ ۔ ہارون الرشید نے کہا کہ کیا خوشبو دار لکڑی مطلوب ہے ۔ انہوں نے فرمایا نہیں عُود طرب ، ہارون الرشید نے باجا منگوایا اور حضرت ابراہیم بن سعدؒ نے اس کے ساتھ گانا گایا ۔ اس پر ہارون الرشید نے دریافت کیا کہ کیا مدینہ میں اس کا کوئی منکر ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ جس دل پر خدا نے مہر لگا دی ہو وہی منکر ہوگا ۔"

امام احمد غزالیؒ اور سماع

امام محمد غزالیؒ کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالیؒ نے جن کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے ۔ سماع پر ایک رسالہ بوارق الاسماع لکھا ہے کہ جس میں ثابت کیا کہ احادیث کی رُو سے سماع حلال ہے ۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ سماع

فعلِ رسولؐ ہے اور فعلِ رسولؐ کو حرام کہنے والا بالاجماع کافر ہے۔

شیخ الشیوخ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردیؒ اور سماع

حضرت شیخ الشیوخ جناب ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے چچا اور مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ نے ایک مدت تک بغداد میں آپ کی صحبت میں رہ کر فیوض حاصل کیے۔ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب نے اپنی مشہور کتاب آداب المریدین میں سماع پر ایک مستقل باب لکھا ہے اور آداب سماع بیان فرمائے ہیں۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی سہروردی کا سماع و رقص

کتاب مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ بہاؤالحق والدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ نے بھی سماع سنا ہے۔ ایک دفعہ جب عبداللہ رومی قوال نے آپ کو یہ غزل سنائی ؎

عاشقاں کہ شراب ناب خوانند　　　از پہلوئے خود کباب خوانند

(عاشق لوگ جب شراب عشق پیتے ہیں تو اپنے پہلو سے کباب (سوختہ دل) کھاتے ہیں تو اس پر آپ کو وجد آگیا اور چراغ بجھا کر آپ نے رقص فرمایا۔ صبح کے وقت آپ نے قوال کو خلعت کے علاوہ بیس روپے نقد عطا فرمائے۔

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سہروردیؒ اور سماع

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سہروردیؒ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ فی الہند تھے۔ آپ کا شمار جلیل القدر مشائخ میں ہوتا ہے آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کے دوست تھے اور دونوں حضرات مل کر خوب مجالس سماع گرم کیا کرتے تھے۔ بلکہ آپ نے کوشش تمام کے ساتھ سماع کو ترتیب دی اور آج کل جو باقاعدہ سماع ہم سنتے ہیں آپ کا مرتب شدہ ہے۔ جب مولانا احمد جام کی غزل ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　ہر زمان از غیب جان دیگر است

پرحضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری شریک محفل تھے۔

حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ سہروردی

حضرت شیخ بہاوالدین زکریا ملتانی کے مرید اور داماد حضرت شیخ فخر الدین عراقی بھی اہل سماع تھے۔ جب آپ نے ملتان میں رہ کر غزلیں لکھیں اور وہ غزلیں قوالوں نے شہر میں گانا شروع کیں تو مخالفین نے حضرت شیخ بہاوالدین زکریا کی خدمت میں شکایت کی لیکن آپ نے درگذر فرمایا۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی سہروردیؒ اور سماع

حضرت شیخ سعدی شیرازی سہروردی جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ ہیں سماع کے دلدادہ تھے۔ آپ کے یہ اشعار آپ کے ذوقِ سماع پر دلالت کرتے ہیں۔ ؎

مکن عیب درویش حیران و مست — کہ غرق است ازاں مے زند پا و دست
نہ بینی شتر را بر حدائے عرب — کہ چونش برقص اندر آرد طرب
شتر را چو شور و طرب در سر است — اگر آدمی را نباشد خر است

(جب اونٹ حدی کی آواز سے مست ہو جاتا ہے تو اگر آدمی پر اثر نہ ہو تو گدھا ہے)

سماع کے متعلق آپ کے صریح الفاظ ملاحظہ ہوں ؎

سماع اے برادر بگویم کہ چیست — مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گر از برج معنی بُوَد طیر او — فرشتہ فرو ماند از سیر او
جہاں پُر سماع است و مستی و شور — ولیکن چہ بنید در آئنہ کور
نہ بم داند آشفتہ سامان نہ زیر — بآواز مرغے بنالد فقیر

حضرت مخدوم جہانیاں اُوچی سہروردیؒ

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ بڑے عالم فاضل اور جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے اہلِ سماع ہونے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے

کہ آپ چشتیہ سلسلہ میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے جو اہتمام کے ساتھ سماع سنتے تھے۔

حضرت شاہ نعمت اللہ سہروردی ملتانیؒ اور سماع

حضرت شاہ نعمت اللہ سہروردی ملتانی فرماتے ہیں :-

"عارف کامل کے لیے سماع فرض ہے اور سچے طالبانِ خدا کیلئے سماع مفید اور سنت مشائخ ہے غافلین کیلئے جو اذکار و اشغال الٰہی پر مداومت نہیں کرتے سماع بدعت اور مضر ہے"

مشائخ نقشبندیہ اور سماع

مشائخ قادریہ اور سہروردیہ سے جواز سماع ثابت کرنے کے بعد اب ہم حضرات مشائخ نقشبندیہ کے ذوقِ سماع کو بیان کرتے ہیں تاکہ معترضین یہ کہنے کے قابل نہ رہیں کہ صرف مشائخ چشتیہ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے باقی کسی نے نہیں دیا۔

حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ اور سماع

خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سردار ہیں سماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ "من نہ ایں کار میکنم نہ انکار مے کنم" (یعنی نہ میں سماع سنتا ہوں نہ اسے حرام کہتا ہوں) اس سے ظاہر ہے کہ آپ منکر سماع نہیں ہیں۔ آپ کے سماع نہ سننے کی وجہ یہ ہے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا تعلق چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے جو نہایت ہی خاموش طبیعت تھے اس سلسلے میں ذکر جہری کی بجائے ذکر خفی مروج ہے اور خاموشی میں ان کے مراتب طے ہوتے ہیں۔ مرزا مظہر جانجاناں دہلویؒ سے جب کسی نے پوچھا کہ نسبت چشتیہ اور نسبت نقشبندیہ میں کیا فرق ہے تو آپ نے جواب دیا کہ نسبتِ چشتیہ کا نشہ شراب کا سا ہے اور نسبتِ نقشبندیہ کا نشہ افیون کی پینک کی طرح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں جوش و خروش کی بجائے خاموشی سے مراتب طے ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارساؒ نقشبندی اور سماع

حضرت خواجہ محمد پارساؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اعاظم مشائخ میں سے ہیں اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کے خلیفۂ اعظم ہیں آپ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ نے آپ کو بُرخ کا لقب عطا فرمایا تھا۔ یاد رہے کہ بُرخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں ایک بزرگ تھے جو مستجاب الدعوات تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے دعا منگوایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت اویس قرنی کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کا بُرخ فرمایا تھا۔ حضرت خواجہ محمد پارسا فرماتے ہیں کہ :-

"حق تعالیٰ نے عاشق کے دل میں ایک مسرت رکھی ہے اور ایک گوہر امانت پیدا کیا ہے کہ آواز دلکش اس گوہر کو ہلا دیتی ہے اور آدمی کے دل میں وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔ اس کو وجد کہتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر اس کو مکاشفہ ہو اور راگ کے الفاظ اس کی زبان سے نکلیں تو یہ ایک احوالِ لطیف ہوتا ہے۔ اس کو نقد و وجد کہتے ہیں۔ وجد میں اس کا دل ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے آگ میں چاندی اور وہ تمام کدورتیں جاتی رہتی ہیں جو بہت ریاضتوں سے بھی دور نہ ہوں۔"

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نقشبندی اور سماع

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی کا شمار اکابر مشائخ نقشبندیہ میں ہوتا ہے۔ آپ سماع کے بڑے شائق تھے اور اکثر مجالس سماع منعقد کیا کرتے تھے۔ مثنوی یوسف و زلیخا لکھتے وقت جو آپ کی حالت ہوتی تھی بیان سے باہر ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر ایسا حال طاری ہوتا تھا کہ جس میں سماع کے سوا میری کوئی چیز معاون ثابت نہیں ہوتی تھی۔ آپ کے ذوقِ سماع کا اندازہ آپ کے اشعار سے بخوبی ہو سکتا ہے :-

منع سماع و نغمہ و نے میکند فقیہہ ... بیچارہ پے نہ بُرد بہ سرِ نفخت فیہ

مے وہ بہ بانگ نے کہ نداریم بہ فرِ عشق ... پروائے ریش محتسب و سلبت فقیہہ

واعظ بطعن بادہ پرستاں زبان کشاد ... یارب توئی پناہ من از شرِ آں سفیہہ

جامیؔ حریم کوئے فغاں کعبہ صفا است　　طوبیٰ لساکنہ وبشریٰ لزائرہ

حضرت مولانا خواجگیؒ اور مولانا ہبیدی نقشبندیؒ کا سماع

حضرت مولانا خواجگی اور مولانا ہبیدیؒ جن کا شمار اکابر مشائخ نقشبندیہ میں ہوتا ہے اور جو حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کے خلیفہ مولانا محمد قاضی کے خلفاء ہیں۔ اپنے بعض مریدین کو ذکرِ جہری اور سماع سننے کا حکم دیتے تھے۔ اور بعض کو رقص وسرود کا حکم دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"ہمارے خواجگان (نقشبندیہ) کا طریقہ صحو وسکر، سکون واضطرار، اور جہر وخفاء ہے۔ مبتدی ومتوسط کے مناسب حال اخفاء ہے اور منتہی کے مناسب حال اظہار ہے[۱]۔"

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور سماع

حضرت مجدد الف ثانی نقشبندی قدس سرہٗ بڑے پابند شریعت تھے۔ مولوی نعیم الدین اپنی کتاب معمولاتِ مظہریہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں یہ شکایت پیش کی کہ خواجہ ابوہاشم کشمی جو آپ کے خلیفہ اور جامع مقاماتِ امام ربانی ہیں سماع سنتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ تجھے ان سے کیا کام۔ وہ مرتبۂ کمال پر پہنچ چکے ہیں۔ میرے ساتھ بھی ان کو اختلاف جائز ہے۔ جب میں ان کے حال سے تعرض نہیں کرتا تو کسی اور کی کیا مجال کہ ان کے حال پر معترض ہو۔

حضرت امیر ابوالعلیٰ نقشبندیؒ اور سماع

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب انفاس العارفین میں فرماتے ہیں کہ سلسلہ ابوالعلائی کے بانی مبانی سماع سنتے تھے۔ کتاب مذکور میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"آپ کا سلسلہ دو طریقوں سے حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی سے جا ملتا ہے۔ آپ کی بیعت سلسلۂ نقشبندی میں اپنے خالو خواجہ یحییٰ کے ساتھ تھی جو حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ ملا عمر جنہوں نے شرح ملا پر حاشیہ لکھا ہے بھی ابوالعلائی تھے اور امیر ابوالعلیٰ کے خلیفہ خواجہ

[۱] سردلبراں مصنفہ حضرت شیخ سید محمد ذوقی قدس سرہٗ

ولی محمد کے مرید تھے .... امیر ابوالعُلیٰ بڑے ذوق وشوق سے سماع سنتے تھے۔ کبھی آپ کا سماع مزامیر کے ساتھ ہوتا تھا اور کبھی بغیر مزامیر" شاہ ولی اللہ صاحب کتاب مذکور میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :-

"مُلّا لطف اللہ اپنی کتاب جامع مقامات ابوالعلی میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر کے حاضرین پر ہمیشہ بے اختیار وجد طاری رہتا تھا۔ یوں نہیں کہ ان کی محفل میں کوئی خلافِ شرع ارتکاب کرے۔ اور مزامیر یا سرود کی آواز پر رقص کرے۔ آپ مزامیر کو بھی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کے اس فرمان کے مطابق کبھی کبھی سن لیتے تھے کہ

" من نہ انکار میکنم نہ ایں کار مے کنم "

یاد رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم نقشبندی نے حضرت شاہ ابوالعلیٰ سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے بھی انفاس العارفین میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ امیر ابوالعلیٰ سماع سنتے تھے۔ نیز آج کل بھی اس سلسلۂ عالیہ کے جتنے مشائخ اور مریدین ہیں سب اہلِ سماع ہیں اور مزامیر کے ساتھ سماع سنتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔ لاہور میں احقر راقم الحروف نے بارہا ان کی مجالس میں شمولیت کی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندیؒ اور سماع

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ حضرت مظہر جان جاناں دہلوی نقشبندی کے خلیفہ اور تفسیر مظہری اور ارشاد الطالبین کے مصنف ہیں۔ آپ نے سماع پہ ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے مسئلۃ السماع۔ اس رسالہ میں آپ نے نہایت فاضلانہ طریق پر سماع کی حلت اور حرمت میں جو احادیث ہیں ان پر بحث کی ہے اور محدثین حضرات کے حوالہ جات دے کر ثابت کیا ہے کہ حرمت سماع کی تمام تر احادیث موضوع یا ضعیف ہیں۔ آپ نے اس رسالہ میں امام غزالی کا وہ قول بھی نقل کیا ہے جس میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ :-

" راگ کی حرمت (حرام ہونا) پر جو احادیث آئی ہیں وہ اس گانے کے

متعلق ہیں جو شہوت اور عشق بازی سے دل کی شیطانی مرادیں پوری کرتا ہے لیکن وہ گانا جو خدا تعالیٰ کی محبت میں ہو وہ محبوب ہے اور عبادت ہے اور وہ گانا جو نہ شیطان کی مراد پوری کرے، نہ خدا کی محبت میں ہو وہ مباح ہے جیسے شادی کے موقعوں پر گانا سننا جس سے خوشی بڑھتی ہے اور وہ گانا بھی مباح ہے جو عید کے دن یا نکاح کے موقعہ پر گایا جائے۔ اور کسی بچھڑے ہوئے عزیز کی آمد پر، اور ولیمہ کی دعوت پر، اور بچے کی پیدائش پر اور عقیقہ اور ختنہ کے دن، اور حفظِ قرآن کی آمین کے دن وغیرہ وغیرہ پر گایا جائے۔ اس قول کو اکثر علمائے حنفیہ نے بھی اختیار کیا ہے ؟

اس کے بعد حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندیؒ حنفی کتابوں یعنی خزانہ، کافی اور امتناع کے حوالہ جات پیش کر کے ثابت کرتے ہیں کہ خوشی کے موقعوں پر گانا بجانا مباح ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت میں سماع سننا عبادت ہے۔ کتاب امتناع کی عبارت حسبِ ذیل ہے،

"راگ سننے سے رقّت قلب اور خشوع اور وصالِ الٰہی کے شوق کا جوش اور اس کے قہر و عذاب کا خوف پیدا ہوتا ہے اور جس کام کا نتیجہ یہ ہو وہ ایک عبادت ہے ؟

حضرت شیخ شہاب الدینؒ کا ایک قول قاضی ثناء اللہؒ کی زبانی

اس کے بعد قاضی ثناء اللہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :۔

السماع یستجب من اللہ الکریم

(سماع خداوند کریم کی رحمت لاتا ہے)

اس کے بعد حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ :۔

"اگر یہ کہا جائے کہ سماع اہل کے مباح ہے اور نااہل کے لیے گناہ اور یہ کہ آج کل کے درویش اس کے اہل نہیں تو یہ کہنا غلط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا یزال امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ

لایضرھم من خذلھم ولا من خالفھم۔ (میری امت میں برابر ایک جماعت ایسی موجود رہے گی جو خدا کے حکم پر قائم رہے گی اور اس کو کوئی مخالف نقصان نہیں پہنچا سکے گا)، نیز فرمایا مثل امتی کمثل المطر لایدری اولہا خیراً و آخرھا (میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کی نسبت معلوم نہیں کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر)

برادرِ من! اہلِ وجد تین قسم کے ہیں۔ ایک تو اہلِ کمال جن کے باطن میں عشق الٰہی ان کو بے اختیار کر دیتا ہے۔ یہ جماعت خدائی جماعت ہے۔ ان کا انکار خرابیٔ دین کا موجب ہے۔ حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ من عادیٰ ولیاً بارزنی بالمحاربۃ (بخاری و مسلم) (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے) دوسری جماعت وہ لوگ ہیں جو اعلیٰ حالات پیدا کرنے کے لیے راگ سنتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے واردات حاصل کریں۔ یہ بھی محمود ہے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو ریا کے طور پر وجد کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو اہلِ کمال سمجھیں۔ یہ لوگ فاسق اور بدعتی ہیں..... لیکن ہر شخص کے ساتھ بدظنی بھی جائز نہیں کیونکہ بدظنی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ ان بعض الظن اثم (بعض بدظنی گناہ ہے) کیونکہ بدظنی کی وجہ سے آدمی خود فاسق بن جاتا ہے۔ دوسرا فاسق ہو یا نہ ہو۔

ہر کرا جامہ پارسا بینی ۔۔۔ پارسا دان و نیک مرد انگار"

حضرت حافظ شیر محمد صاحب شرقپوری نقشبندیؒ اور سماع

ایک دن حضرت حافظ شیر محمد صاحب نقشبندیؒ چارپائی پر بیٹھے تھے اور پاس ہی سڑک مرمت ہو رہی تھی۔ جب مزدوروں نے کنکریاں چھلنی پر ڈالیں تو اس کی آواز سے آپ پر وجد طاری ہو گیا اور زمین پر گر پڑے۔ نیز روایت ہے کہ ایک دفعہ جب آپ پر انقباض طاری ہوا تو آپ حضرت شاہ شمس الدین سیالویؒ کے خلیفہ سکندر شاہ صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور آستانہ شاہ محمد غوثؒ میں جب محفل سماع

میں شرکت کی تو انقباض رفع ہوگیا۔

حضرت شاہ محمد اسماعیل کرمانوالے اور سماع

حضرت شرقپوریؒ کے خلیفہ حضرت شاہ محمد اسماعیل کرمانوالےؒ عرس پاکپتن شریف کے موقعہ پر اکثر محافل سماع میں شریک ہوا کرتے تھے۔ آپ کے موجودہ سجادہ نشین صاحب بھی عرس پاکپتن شریف کے موقعہ پر محفل سماع میں شرکت فرماتے تھے۔

حضرت مسکین شاہ صاحب لاہوریؒ

حضرت مسکین شاہ صاحب لاہوری نقشبندی تھے لیکن سماع کے بے حد مشتاق تھے۔ اور حضرت خواجہ گنج شکر کے عرس پر محافل سماع میں شریک ہوا کرتے تھے۔

فوجی بینڈ کی آواز پر ایک نقشبندی عالم کا گریہ

ہماری فوج کے امام مسجد مولوی محمد کاظم کا سلسلہ نقشبندیہ تھا اور اکثر ہمارے ساتھ مسئلہ سماع پر بحث کیا کرتے تھے لیکن وہ صاحبِ انصاف بھی تھے اور اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ "فوجی بینڈ (باجا) کی آواز سن کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں"

خواجگان چشتیہ کا سماع

قرآن وحدیث، آئمہ مجتہدین، فقہا، ومحدثین، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور مشائخ قادریہ سہروردیہ، نقشبندیہ کے اقوال اور عمل سے جواز سماع ثابت کرنے کے بعد اب ہم مشائخ چشت اہل بہشت کے سماع کا ذکر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ خواجہ غلام فرید کی طرح مشائخ چشتیہ کی نسبت شدید عشقیہ نسبت ہے جو اصل اسلام اور اصل ایمان ہے۔ بمصداق قولہٗ تعالیٰ والذین آمنوا اشد حباً للہ (جو ایماندار ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہے۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ

حضرت خواجہ حسن بصری تابعی ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ نہ صرف سلسلہ عالیہ چشتیہ کے شیخ الشیوخ ہیں بلکہ سلسلہ عالیہ قادریہ اور سہروردیہ کے بھی شیخ الشیوخ ہیں۔ آپ سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وجد ایک بھید ہے جو دل میں آتا ہے اور اسے

محرک کر دیتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ سماع جو حق سے سنتا ہے حق رسیدہ ہو جاتا ہے اور جو نفس سے سنتا ہے زندیق ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو اسحاق شامیؒ

حضرت ابو اسحاق شامی قدس سرہٗ بکثرت سماع سنتے تھے اور علمائے وقت میں سے کسی کو آپ پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جو شخص ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا معصیت سے کنارہ کش ہو جاتا تھا۔ مریض آتا تو مرض سے خواہ کتنا خطرناک کیوں نہ ہو شفا ہو جاتی۔ اہلِ دنیا کو اجازت نہ تھی لیکن کوئی اہلِ دنیا شریک مجلس ہوتا تو تارک الدنیا ہو کر اٹھتا تھا۔ جب آپ مجلسِ سماع میں رقص کرتے تو تمام حاضرین پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور در و دیوار رقص کرتے نظر آتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ وقت نے حاضر ہو کر بارش کی درخواست کی تو آپ نے محفل سماع منعقد کی فوراً موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ دوسرے دن بادشاہ شکریہ ادا کرنے کی خاطر آیا تو آپ نے رو دیا اور فرمایا نامعلوم مجھ سے کون سی خطا سرزد ہوئی ہے کہ بادشاہ میرے پاس بار بار آرہا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ شرمندہ ہوا اور روتا ہوا گھر چلا گیا۔ جب آپ کے ہاں محفل سماع ہوتی تو آپ کے حکم سے تمام یارانِ مجلس اور قوال تین دن طے کا روزہ رکھتے تھے اور قوالوں کو پہلے توبہ کرائی جاتی تھی۔

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ

آپ جس وقت سماع میں ہوتے تو جس شخص پر آپکی نظر پڑ جاتی تھی صاحبِ کرامت ہو جاتا۔ کسی مریض پر نظر پڑتی تو فوراً صحت یاب ہو جاتا۔ سماع میں آپ کے جبیں مبارک سے ایک نور کی شعاع نکلتی تھی جو آسمان تک نظر آتی تھی۔ یہ دیکھ کر تمام اہلِ شہر کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت شیخ سماع سن رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ جو فتح باب (باطنی دروازوں کا کھلنا) سماع میں حاصل ہوتا ہے کسی دوسرے شغل میں حاصل نہیں ہوتا۔ سو برس کی ریاضت شاقہ سے بھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ آپ کی مجلس میں حضرت خواجہ سری سقطی اکثر شرکت فرمایا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ حضرت شیخ سری سقطیؒ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کے شیخ تھے۔ حضرت جنید بغدادی بھی اہلِ سماع تھے۔ اس لیے حضرت جنید بغدادیؒ سے جس قدر بے شمار سلاسل وجود میں آئے ہیں کسی کو سماع سے انکار نہیں۔ سلسلہ قادریہ وسہروردیہ بھی حضرت جنید کے فیض یافتہ ہیں۔

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ

سماع میں آپ کے جبیں مبارک سے نور تاباں نکل کر آسمان تک پہنچ جاتا تھا اور خلقت معائنہ کرتی تھی۔ آپ کی مجلس سماع میں حضرت شیخ ابوبکر شبلی جو حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ تھے اکثر شریک ہوتے تھے آپ کا قول ہے کہ جو چیز میں نے سماع میں پائی سو سال کی عبادت میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپ کی مجلس میں بھی دنیا داروں کو شرکت کی اجازت نہ تھی۔ جو دنیا دار شریک ہوتا مجذوب ہو جاتا تھا۔ فاسق فاجر بھی آپ کی مجلس میں شریک ہو کر صاحبِ نسبت ہو جاتے تھے اور مریض صحت یاب ہو جاتے۔

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ

آپ ایک دن مجلس سماع میں بیٹھے لوگوں کی نظروں سے غیب ہو گئے۔ بعد میں ایک بزرگ نے اس کی وجہ معلوم کرنی چاہی، تو فرمایا کہ اجازت لے کر جواب دوں گا۔ دوسرے دن جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ایک مقام ہے جسے نورِ اُسود (سیاہ نور) کہتے ہیں۔ کوئی سالک اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر بذریعہ سماع۔ جب صاحبِ سماع اس مرتبہ پر پہنچتا ہے تو لوگوں کی نظروں سے گم ہو جاتا ہے۔ مثل اس ستارہ کے جو آفتاب کی روشنی میں گم ہو جاتا ہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

حضرت خواجہ عثمان ہارونی سماع کا از حد سوق رکھتے تھے اور بکثرت سنتے تھے جب بعض علماء ظواہر نے بادشاہِ وقت سے شکایت کی تو بادشاہ نے آپ کو سماع سے منع کر دیا لیکن آپ نے جوش میں آ کر فرمایا۔ کہ سماع اللہ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ حالت سماع میں بندہ اور خدا کے درمیان پردے اٹھ جاتے ہیں۔ سماع ہرگز ہرگز بند نہیں ہو گا۔ کس میں قدرت ہے کہ مجھے سماع سے روکے۔ میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ قیامت تک میرے مرید اور فرزند سماع سنتے رہیں۔ اور کسی کو اہلِ سماع پر ظفر حاصل نہ ہو گا۔ آپ سات سات دن تک مسلسل سماع سنتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ وقت کے حکم سے مجلس مناظرہ منعقد ہوئی لیکن آپ کی کرامت سے تمام مخالف علماء کی زبانیں بند ہو گئیں اور ان کا سارا علم سلب ہو گیا۔ اور اُمّی محض بن گئے۔ لیکن جب انہوں نے توبہ کی اور معافی مانگی تو ان کا علم لوٹ آیا اور بحث و مباحثہ

سے تائب ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین حسن سجزی اجمیری قدس سرہٗ بکثرت سماع سنتے تھے اور علماء و فقہائے وقت میں سے کسی کو آپ کے سماع پر انکار نہ تھا۔ اکثر علمائے متبحرّ او مشائخ کبار آپ کی مجلس سماع میں حاضر ہوتے اور آپ کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ آپ کے سماع کا یہ عالم تھا کہ سماع میں جان دے دی۔ آپ کے ایک دوست نے مجلس سماع منعقد کرائی۔ قوالوں نے مولانا احمد جام کی غزل گائی۔ جب اس شعر پر پہنچے۔ ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

تو آپ پر وجد طاری ہو گیا اور چار دن رات آپ مسلسل رقص کرتے رہے۔ اس سے سارے شہر دہلی میں تہلکہ مچ گیا۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو آپ باہر آکر نماز پڑھ لیتے تھے اور پھر محو رقص ہو جاتے۔ جب قوال پہلا مصرعہ پڑھتے تو آپ جاں بحق ہو جاتے تھے۔ جب دوسرا مصرعہ پڑھتے تو پھر زندہ ہو جاتے تھے اور رقص کرنے لگتے۔ آخر آپ نے قوالوں کو اشارہ کر دیا کہ دوسرا مصرعہ نہ پڑھنا۔ اس طرح آپ نے رقص کرتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ آپ کی اس حالت کو احقر راقم الحروف نے منقبت میں یوں بیان کیا ہے۔ ؎

زتیغ لا فنا فی اللہ ز الا اللہ بقا باللہ

چہ خوش خوش جاں بجاں پرور سپرد آں مردِ رحمانے

حضرت خواجہ غلام فریدؒ ارشاداتِ فریدی میں فرماتے ہیں کہ وصال سے دو ماہ پہلے حضرت خواجہ قطبؒ بار بار یہ شعر پڑھ کر مست ہو جاتے تھے۔ آخر محفل سماع میں چار دن رات رقص کر کے جان دے دی۔ لقب آپ کا شہیدِ محبت ہے۔

حضرت خواجہ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ آپ بھی بڑے ذوق و شوق سے سماع سنتے تھے۔ اور اکثر یہ رباعی آپ کا وردِ زبان تھی۔ ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زِیم   خاکے شوم و زیرِ پائے تو زِیم
مقصودِ من بندہ ز کونین توئی   بہرِ تو میرم و ز برائے تو زِیم

ایک مرتبہ سماع کے متعلق علماء کے اختلاف کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا "سبحان اللہ! یکے بسوخت و خاکستر شد و دیگر ہنوز در اختلاف است"۔ آپ نے اپنے وصال سے چند روز پہلے حضرت محبوب الٰہی سے فرمایا کہ میں نے دین کے متعلق جو خواہش کی مجھے بخشی گئی۔ بعد میں پشیمان ہُوا کہ حالت سماع میں موت کیوں نہ طلب کی۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ اشاراتِ فریدی میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ گنج شکر کا لقب "حریقِ محبت" ہے یعنی محبت میں جلا ہُوا۔

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ

حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہٗ کو جس قدر سماع کا شوق تھا بیان سے باہر ہے حالتِ سماع میں آپ پر بُکا کا غلبہ رہتا تھا۔ گو آپ کی مجلس میں مزامیر اور تصفیق (تالی بجانا) منع تھا تاہم علمائے ظواہر نے تغلق بادشاہ کے زمانے میں سماع کے متعلق آپ سے مناظرہ کیا۔ اور شکست کھائی۔ جب آپ نے سماع کے جواز میں احادیثِ نبوی پیش کیں تو علماء نے کہا کہ آپ امام ابوحنیفہ کا قول پیش کریں۔ یہ سن کر آپ خشمگین ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگوں پر خدا کا غضب تو نہیں آنے والا۔ میں سرورِ کونین صلعم کا قول پیش کرتا ہوں اور تم امام ابوحنیفہ کا قول طلب کرتے ہو۔ حضرت مولانا فخر الدین زرادی نے جو آپ کے اعاظم خلفاء میں سے تھے اور صاحبِ سیر الاولیاء سید محمد کرمانی کے استاذ تھے۔ اباحتِ سماع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام اصل الاحوال ہے۔ اس رسالہ میں سماع پر فاضلانہ بحث کر کے سماع کا جواز ثابت کیا ہے لیکن یہ بھی لکھا ہے :۔

"سماع مشائخنا کان بلا مزامیر"

(ہمارے مشائخ کا سماع بلا مزامیر تھا)

اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مزامیر حرام ہے۔ کیونکہ مزامیر کا ثبوت احادیثِ نبوی میں موجود ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ شانِ بقا باللہ کی بدولت آپ پر عبدیت اور عجز و انکسار کا غلبہ تھا اور احتیاط کا پہلو مدِ نظر رکھتے تھے۔ نیز چونکہ آپ کا مقام محبوبیت تھا۔ آپ کی طبیعت از حد نازک تھی اور

شاید مزامیر کی آواز کو طبع مبارک برداشت نہ کرتی تھی۔ لیکن آپ کے خلفاء اکثر مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ

مشائخ چشتیہ صابریہ بھی سماع میں بہت زیادہ شغف رکھتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ صابریہ طریقہ کے موجودہ سماع کے رأس و رئیس ہیں۔ آپ بڑی شان کے صاحب علم، عمل، ذوق و حلاوت وجد و سماع تھے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جو نقشبندی تھے اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں کہ :

"حضرت پناہ عالمین شیخ عبدالقدوس گنگوہی باوجود کمال علم ظاہری و باطنی، میں رفعت شان رکھنے کے سماع با مزامیر میں افراط رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیف شرح عوارف میں سماع کی اباحت پر طویل بحث آئی ہے۔"

علمائے دیوبند اور سماع

ہمارے ملک میں بریلوی اور دیوبندی بحث و مباحثہ کی وجہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ علمائے بریلوی تصوف کے حامی اور دیوبندی مخالف ہیں۔ اس لیے ہم یہاں علمائے دیوبند کا جوازِ سماع کے متعلق فتویٰ پیش کرتے ہیں تاکہ بقول عارف رومی ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں　　گفتہ آید در زبانِ دیگراں

حجت تمام ہو جائے۔

علمائے دیوبند کے سردار اور پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فیصلہ ہفت مسائل کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں آپ نے مجالس میلاد، عرس و سماع، فاتحہ، ندائے غیر اللہ، جماعت ثانیہ وغیرہ مسائل کا جواز ثابت کیا ہے۔ سماع کے متعلق آپ کا فیصلہ جو دراصل دیوبند کا فیصلہ ہے یہ ہے :-

"رہا سماع کا مسئلہ یہ بحث از بس طویل ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، سماع محض میں بھی اختلاف ہے جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائطِ جواز مجتمع ہوں اور عوارض مانعہ مرتفع ہوں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ کما فصلہ الامام غزالیؒ۔ اور سماع بآلات (باجوں سمیت) میں بھی اختلاف

ہے۔ بعض لوگوں نے احادیث منع کی تاویلیں کی ہیں اور نظائر فقہیہ[1] پیش کیے ہیں۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ (پانی پتی نقشبندی) نے اپنے رسالۂ سماع میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر آدابِ سماع کا ہونا بر اجماع[2] ضروری ہے۔ جو اس وقت میں اکثر مجالس میں مفقود[3] ہے تاہم ؎

خدا پنج انگشت یکساں نکرد

بہر حال وہ احادیث خبر واحد[4] ہیں اور محتمل تاویل[5]۔ گو تاویل بعید ہے۔ اور غلبۂ حال کا احتمال بھی موجود[6]۔ ایسی حالت میں کسی پر اعتراض کرنا ازبس دشوار ہے۔ مشرب فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح کو ایصال ثواب کرتا ہوں۔ (ہر سال سے مراد یوم وفات ہے جسے آپ نے عرس کے مضمون میں صاف کر دیا ہے) اول قرآن خوانی ہے۔ اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی تو مولود پڑھا جاتا ہے (اس میں ایک، تو مجلس میلاد کا جواز نکل آیا۔ دوسرے یہ کہ سماع بلا مزامیر بھی، یعنی بغیر سازوں کے نعت اور مولود شریف کا گایا جانا اور سنا جانا) پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے (اس سے عرسوں پر طعام پکوانے اور فاتحہ دینے کا جواز نکل آیا ہے جو آج کل کے دیوبندی حضرات کے لیے آنکھیں کھولنے والی چیز ہے۔ کیونکہ آج کل کے دیوبندی نہ عرس کے قائل ہیں نہ میلاد کے، نہ فاتحہ اور طعام کے، نہ سماع بغیر آلات کے حالانکہ دیوبند کے بانی اور علمائے

---

[1] نظائر فقہیہ یعنی فقہی دلائل۔

[2] بر اجماع یعنی اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ شرائط کے ساتھ سماع جائز ہے۔

[3] یعنی بعض لوگ ان شرائط کی پرواہ نہیں کرتے۔ پس ثابت ہوا کہ بعض کا گناہ دوسروں پر نہیں آسکتا۔

[4] خبر واحد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی صرف ایک صحابی ہو۔ اس لیے ایسی احادیث کو معتبر نہیں کہا جاسکتا چنانچہ حاجی امداد اللہ کے نزدیک ممانعتِ سماع و آلاتِ سماع کی احادیث خبر واحد اور غیر معتبر ہیں۔

[5] محتمل تاویل۔ جس کی تاویل ہو سکے یعنی یہ ثابت کیا جاسکے کہ ان مانع احادیث کے باوجود بھی سماع جائز ہے۔

[6] یعنی غلبہ حال کی وجہ سے بھی سماع سننے والے معذور قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

دیوبند کے پیرو مرشد کے نزدیک یہ تمام امور جائز ہیں) اور زوائد امور کی فقیر کی عادت نہیں۔ نہ کبھی سماع کا اتفاق ہوا ہے نہ خالی نہ آلات کے ساتھ۔ مگر دل سے کبھی اہلِ دل پر اعتراض نہیں کیا۔ ہاں جو محض ریاکار مدعی ہو وہ بُرا ہے مگر بلا کسی حجت شرعی کے کسی کو ریاکار کہنا بھی نادرست ہے۔ اس میں بھی عملدر آمد فریقین کا یہی ہونا چاہیئے۔ جو اوپر مذکور ہوا۔ یعنی جو لوگ نہ کریں ان کو کمال اتباع سنت کا شائق سمجھیں۔ جو کریں ان کو اہلِ محبت میں سے جانیں۔ اور ایک دوسرے پر انکار نہ کریں۔ جو عوام کہ غلو میں ہوں ان کا لطف و نرمی سے انسداد کریں "

(ختم ہوا فتویٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا یہ فتویٰ کس قدر واضح، فراخدلانہ اور مطابق شریعت ہے۔ یہ نہیں لکھتے کہ میں سماع کو ناجائز سمجھتا ہوں۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی عادت نہیں ہے نہ کبھی کسی پر اعتراض کیا ہے۔ کاش کہ آج کل کے دیوبندی حضرات دارالعلوم دیوبند کے بانی مبانی اور اکابر دیوبند کے پیر و مرشد کے اس فتویٰ پر عمل کرتے اور خواہ مخواہ سماع اور اہلِ سماع پر اعتراضات کی بارش سے پرہیز فرماتے۔ جن امور سے مجلسِ سماع حرام اور ناجائز بن سکتی ہے تمام اہلِ سماع اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ان غیر شرع امور سے پرہیز کیا جائے۔ اگر کسی جگہ کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے تو کیا ایسی غلطیاں دیوبندی حضرات کے متعلقین اور گھر کے لوگوں سے سرزد نہیں ہوتیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحبؒ اور سماع

تمام اکابر دیوبند میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی زیادہ سخت متبع شریعت مانے جاتے ہیں۔ آپ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ہجرت کے بعد ان کے تمام مریدین اور خلفاء کے ہندوستان میں سرپرست اور سربراہ مولانا رشید احمد گنگوہی مانے جاتے ہیں۔ آپ پر اگرچہ شریعت کے معاملہ میں سخت احتیاط کا پہلو غالب تھا لیکن آپ نے بھی سماع کو حرام اور ناجائز قرار نہیں دیا۔ بلکہ واقعہ مندرجہ ذیل میں تو سماع کی تائید پائی جاتی ہے مولانا اشرف علی تھانوی اپنے رسالہ ضمخانہ باطن میں لکھتے ہیں کہ :-

"مجھ کو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ بہت پسند آیا جو میں نے مولوی الیاس صاحب سے سنا۔ ان کا بیان ہے کہ مولانا گنگوہی سے کسی نے سوال کیا کہ کیا حضرت سلطان جی (سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی) عالم تھے، فرمایا "جی ہاں بڑے عالم تھے۔" اس نے پھر سوال کیا کہ کیا حضرت سلطان جی سماع سنتے تھے۔ فرمایا "ہاں سنتے تھے۔" اس نے پھر سوال کیا کہ ان کے پاس جواز کی کوئی دلیل ہوگی۔ فرمایا "ضرور ہوگی" پھر عرض کیا کہ کیا دلیل ہوگی۔ فرمایا "ہمیں معلوم نہیں۔" سبحان اللہ! اس کو ادب کہتے ہیں۔ شریعت کے ادب کو بھی نہیں چھوڑا اور بزرگوں کا ادب بھی لحاظ رکھا۔ یہ ہیں کمالات جن کے سامنے کرامات حسیہ کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ جواب صاحب کمال ہی دے سکتا ہے۔ ناقص سے ممکن نہیں۔"

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا سماع کے متعلق فتوئ جواز

کتاب خمخانہ باطن میں صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے کہ جب نواب جمشید علی خان نے دریافت کیا کہ بزرگوں سے جو محفلِ سماع منقول کیا وہ ایسا ہی سماع تھا جو آج کل ہو رہا ہے تو مولانا تھانوی نے فرمایا۔:-

"ہرگز نہیں۔ سماع کے لیے بزرگوں نے اکیس بائیس شرطیں لکھی ہیں جن کا آج کل نام و نشان بھی نہیں ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ سماع تھے۔ مگر فوائد الفواد[1] ہیں جس میں ان کے ملفوظات ہیں صاف تصریح ہے کہ سماع کے لیے چار شرطیں ہیں۔ سامعؔ۔ مسمعؔ۔ مسموعؔ۔ آلہ سماعؔ۔

[1] فوائد الفواد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو امیر حسن علی سنجری جو حضرت شیخ کے مرید تھے اور امیر خسرو کے گہرے دوست تھے نے جمع کیے ہیں۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ نے اشارات فریدی میں فرمایا ہے کہ فوائد الفواد اور سیر الاولیاء صرف دو ایسی کتابیں ہیں جو مشائخ چشتیہ کے حالات پر مستند مانی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں کتابیں حضرت سلطان المشائخ کے وقت میں ان کے اصحاب نے ان کے سامنے لکھی تھیں۔ باقی تذکروں میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔

سامع اہل ہویٰ و شہوت نباشد (سننے والا اہل نفس و ہوس نہ ہو) بلکہ صاحب دل صاحبِ حال ہو۔ مُسمع زن و کودک نباشد مردِ تمام باشد (سنانے والا عورت یا لڑکا نہ ہو بلکہ پورا مرد ہو) مسموع ہزل و فحش نباشد (کلام بے ہودہ اور فحش نہ ہو) بلکہ بزرگوں کا کلام ہو، حمد و نعت ہو۔ آلۂ سماع کے متعلق تصریح ہے کہ چنگ و رباب درمیان نباشد (مزامیر درمیان میں نہ ہوں) بس ان کا سماع صرف یہ تھا کہ کوئی خوش الحان شخص کوئی غزل یا حمد و نعت سنا دے۔ اور سننے والے سب اہلِ دل ہوں، فاسقوں اور فاجروں کا مجمع نہ ہو۔ گانے والا اپنے ہی مجمع کا ہو۔"

رسالہ مذکور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :۔

"ایک مرتبہ حضرت سلطان جی کو سماع کا تقاضا ہوا۔ فرمایا کوئی قوال تلاش کرو۔ خدام نے تلاش کیا کوئی نہ ملا۔ فرمایا خواجہ حمید الدین ناگوریؒ کے مکتوبات لاؤ۔ ان کے خطوط کسی خادم کے پاس جمع تھے۔ فرمایا سناؤ۔ چنانچہ ایک خط پڑھا گیا۔ جس کا پہلا جملہ یہ تھا" از خاکپائے درویشاں وگرد راہ ایشاں" اس جملہ کا سننا تھا کہ حضرت سلطان جی کو وجد آگیا اور تین روز تک یہ حالت رہی۔ یہ تھا ان حضرات کا سماع۔ مگر فقہاء اس کو بھی حرام کہتے ہیں کیونکہ سماع کی خاصیت ہے کہ وہ کیفیت موجودہ کو قوی کر دیتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر اس سماع کی بھی اجازت دی گئی تو ان میں جو کیفیت اس وقت موجود ہے اس کو قوت ہوگی اور زیادہ تر نفس میں شر ہے اس کو وہ مفاسد کی طرف مقتضی ہوگا کیونکہ عوام میں شہوت اور نفس کی خواہشات غالب آتی ہیں۔ سماع سے ان میں ہیجان ہوگا، قوت بڑھ جائے گی اور اس سے سخت مفاسد پیدا ہوں گے۔ . . . بزرگوں نے کہا ہے کہ الغناء رقیۃ الزنا یعنی گانا زنا کا منتر ہے۔ فقہاء چونکہ منتظم ہیں تمام عالم کا انتظام ان کے سپرد ہے اس لیے وہ بعض دفعہ ایسی چیز کو بھی منع کرتے ہیں جس میں شرعاً کچھ گنجائش بھی ہو سکتی ہے۔ جس طرح وبا کے زمانہ میں ڈاکٹر کھیرے ککڑی کو مطلقاً

منع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ اس کی قلیل مقدار مضر نہیں ہوتی اور جس کا معدہ بالکل صحیح ہو اس کو زیادہ مقدار بھی نقصان نہیں دیتی لیکن اگر ڈاکٹر اس تفصیل سے ممانعت کرے گا تو کوئی بھی اس کے کھانے سے باز نہیں آئے گا تو ہر شخص اپنے کو صحیح المعدہ سمجھنے لگے گا اور کثیر مقدار کو بھی قلیل ہی کہے گا۔ اس لیے انتظام کا تقاضا یہی ہے کہ وبا کے زمانہ میں کسی کو بھی کھیرے لکڑی کھانے کی اجازت نہ دی جائے بلکہ ان کو پھینک دیا جائے۔ یہی حالت فقہاء کی ہے کہ حضرات صوفیہ نے جس سماع کو اختیار کیا ہے اور شرعاً اس میں گنجائش بھی تھی۔ مگر فقہاء نے انتظاماً اس سے بھی منع فرما دیا۔ چنانچہ حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کا سماع شرعاً ناجائز نہ تھا۔ کیونکہ وہ آداب وحدود کی رعایت کے ساتھ ساتھ تھا۔ مگر فقہاء اس کو بھی بدعت کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور عوام کو اجازت دینے میں مفسدہ ہے۔"

رسالہ مذکورہ میں آگے مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ :۔

"حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں قاضی ضیاء الدین سنامی قاضیٔ وقت تھے۔ وہ ہمیشہ حضرت سلطان جیؒ کے سماع پر نکیر کرتے تھے ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ حضرت سلطان جی کے ہاں مجلسِ سماع گرم ہے وہ دُرّہ لے کر اپنے حشم وخدم کے ساتھ وہاں پہنچے۔ ایک بڑے خیمے کے اندر سماع ہو رہا تھا قاضی صاحب اور ان کے خدم وحشم کو سلطان جی تک پہنچنے کا راستہ نہ ملا۔ خیمہ مجمع سے بھرا ہوا تھا۔ راستہ نہیں مل سکتا تھا۔ صوفیوں کو قاضی اور محتسب کی کیا پرواہ تھی۔ وہاں کون ان کو راستہ دیتا اور کون سلطان جی تک پہنچاتا۔ صوفیہ تو بادشاہ کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ یہاں سب اپنے حال میں مست تھے۔ قاضی صاحب کا جب کوئی زور نہ چلا تو فوج کو حکم دیا کہ خیمے کی طنابیں کاٹ دی جائیں تاکہ خیمہ گر پڑے اور اس کے نیچے دب کر یہ لوگ سماع کو بند کر دیں۔ مگر طنابیں کاٹ دینے کے بعد بھی خیمہ اور چوبیں اسی حالت میں قائم رہیں۔ یہ حضرت

سلطان جی کی کرامت تھی۔ مگر قاضی صاحب بھی اپنی دھن کے ایسے پکّے تھے کہنے لگے کہ میں اس ڈھونگ کا قائل نہیں ہوں۔ بدعتی سے ظاہر میں کرامت بھی صادر ہو تو وہ کرامت نہیں۔ یہ کہہ کر کہ اچھا پھر کسی وقت آؤں گا واپس چلے گئے کچھ زمانہ کے بعد پھر آئے اور برابر نکیر کرتے رہے :

اس کے بعد رسالہ مذکور میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ خوب علیشاہ صاحب الہ آبادی جو بڑے بزرگ تھے حضرت خضر علیہ السلام سے ملا کرتے تھے ان سے کسی نے سماع کی بابت دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے تو آپ نے جواب میں لکھا کہ میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں اس سے تم خود فیصلہ کر لو۔ واقعہ یہ ہے کہ :۔

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ صاحب سماع تھے۔ اور قاضی ضیاء الدین سنامی منکر سماع ان پر نکیر کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مجلس سماع کی خبر سن کر آئے اور نکیر کرنے لگے۔ حضرت سلطان جیؒ نے فرمایا کہ اچھا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھوا دیں۔ تب تو پچھا چھوڑ دو گے۔ قاضی صاحب نے کہا ہاں حضورؐ سے پچھوا دو۔ اس کا ان کو یقین تھا کہ سلطان جیؒ اس درجہ کے بزرگ ہیں کہ حضورؐ کی زیارت کرا دیں گے۔ معتقد بھی تھے اور منکر پر نکیر بھی کرتے تھے سلطان جیؒ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اس تصرّف سے ان پر غنودگی کی حالت اور غیبت سی طاری ہو گئی۔ اس حالت میں ان کو منکشف ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دربار میں رونق افروز ہیں۔ قاضی صاحب کو دیکھ کر فرمایا کہ "فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو" قاضی صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلعم) مجھے اس وقت اپنی حالت کی حقیقت معلوم نہیں کہ میں ہوش میں ہوں بھی یا نہیں۔ اور حضور کے جو ارشادات ثقہ راویوں کے واسطہ سے عالم بیداری میں ہم تک پہنچے وہ اس ارشاد پر مقدم ہیں۔ ان کو اس ارشاد کی وجہ سے چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اس جواب پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اس کے بعد قاضی صاحب کو افاقہ ہوا حضرت سلطان جی نے فرمایا دیکھا ہم نے حضور سے

پچھوا بھی دیا۔ قاضی صاحب نے کہا اور دیکھا ہم نے بھی جواب عرض کر دیا۔ اس کے بعد مجلس سماع گرم ہوئی اور حضرت سلطان جی پر وجد طاری ہو گیا اور کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ اس کے بعد پھر سلطان جی کو وجد آیا اور کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے پھر ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ تیسری بار پھر سلطان جی کو وجد آیا اور کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے پھر ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا مگر اب خود ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور دیر تک ادب کے ساتھ کھڑے رہے۔ جب سلطان جی کو افاقہ ہوا اور خود ہی بیٹھ گئے تو یہ بھی بیٹھے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ پھر آؤں گا۔ میں ان باتوں سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔ راستے میں کسی نے دریافت کیا کہ آپ سلطان جی پر نکیر کرنے گئے تھے۔ پھر خود ہی ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کیوں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب ان کو پہلی بار وجد ہوا تو ان کی روح نے آسمانِ دنیا (پہلے آسمان) تک پرواز کیا۔ میں ان کو وہاں سے یہ کہہ کر واپس لایا کہ تم کو زمین پر رہنا چاہیئے آسمان پر کہاں جاتے ہو، دوبارہ جب وجد ہوا تو روح نے تحت العرش تک پرواز کیا۔ یہاں تک بھی میری رسائی تھی۔ وہاں سے بھی ان کو واپس لایا۔ تیسری بار جب وجد ہوا، وہ فوق العرش (عرش سے اوپر) پہنچ گئے۔ میں نے وہاں سے بھی ان کو واپس لانا چاہا تو حاملانِ عرش نے مجھے روک دیا کہ آگے تمہارا مقام نہیں یہ نظام الدین ہی کا مقام ہے۔ وہی فوق العرش جا سکتے ہیں[۱] اس وقت میں نے حاملانِ عرش کے ادب سے ہاتھ باندھ لیے تھے نہ کہ بدعتی کی تعظیم کے لیے:.....

رسالہ مذکور میں مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ:۔

"پھر قاضی صاحب کی وفات کا وقت آیا اور سلطان جی کو اس کا علم

---

[۱] اس سے ثابت ہوا کہ مجالس سماع پر اولیاء اللہ کی عرش تک اور عرش سے بھی اوپر پرواز کے اکابر دیوبند قائل تھے

ہوا تو عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔[۱] خادم نے قاضی صاحب کو سلطان جی کی تشریف آوری کی اطلاع دی۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ ان سے کہہ دو کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا وقت ہے اس وقت میں بدعتی سے ملنا نہیں چاہتا۔ سلطان جی نے کہلا بھیجا کہ میں ایسا بے ادب نہیں ہوں کہ بدعت میں ملوث ہو کر آپ کے پاس آؤں۔ میں اس سے توبہ کر کے آیا ہوں۔ حدیث۔ والتائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی نے گناہ کیا ہی نہیں) یہ جواب سن کر قاضی صاحب آبدیدہ ہو گئے اور اپنا عمامہ (دستار) غلام کو دے کر کہا کہ اس کو بچھا دو اور سلطان جی سے عرض کرو کہ اس پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں۔ میں ان کے مقام سے واقف ہوں ان میں ایک ہی کسر تھی جب وہ نہیں رہی تو اب وہ اس قابل ہیں کہ میرے عمامہ پر قدم رکھتے ہوئے تشریف لائیں۔ خدام نے حکم کی تعمیل کی اور عمامہ زمین پر بچھا دیا۔ حضرت سلطان جی نے عمامہ اٹھا کر سر پہ رکھ لیا اور فرمایا یہ دستار شریعت ہے۔ اس پر میں قدم رکھوں میری کیا مجال ہے۔ اس کو تو میں سر پہ رکھوں گا۔ چنانچہ سر پہ رکھے ہوئے تشریف لائے۔ قاضی صاحب نے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ بٹھایا اور عرض کیا کہ حضرت اب میرا آخری وقت ہے توجہ فرمایئے کہ خاتمہ ایمان پہ ہو۔ سلطان جی یہ سن کر دیر تک متوجہ رہے اور رخصت ہو کر دہلیز تک پہنچے تھے کہ قاضی صاحب کا انتقال ہو گیا حضرت سلطان پر گریہ طاری ہوا اور کہنے لگے کہ افسوس آج شریعت کا ستون منہدم ہو گیا۔ اللہ اللہ! ساری عمر تو قاضی صاحب آپ پر نکیر کرتے رہے اور آج قاضی صاحب کے وصال پر افسوس کرتے ہیں اور روتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ شریعت کا ستون منہدم ہو گیا

---

[۱] سبحان اللہ! کیا رواداری اور فراخدلی ہے کہ جو شخص ساری عمر مخالفت کرتا رہا حضرت سلطان المشائخ اس کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ کام اولیاء اللہ کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں کر سکتا۔

یہ تھے اللہ والے، یہ عالم تھا ان کے اخلاص کا۔ ان میں محبت تھی تو اللہ کے لیے۔ وہ لڑتے تھے تو اللہ کے لیے۔ ختم ہوا مولانا تھانوی کا بیان۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ کا مزار سے آواز دینا

رسالہ مذکور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت قطب صاحب کا ایک واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب نے لکھا ہے کہ وہ قطب صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ وسوسہ ہوا کہ نامعلوم ان کو میرے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ فوراً ہی قبر سے آواز آئی

من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن — مرا زندہ پندار چوں خویشتن

(مجھے اپنی طرح زندہ سمجھو۔ تم جسم کے ساتھ آتے ہو تو میں روح کے ساتھ آتا ہوں)

حضرت خواجہ قطب الدینؒ کا سماع، شاہ عبدالرحیمؒ کے ساتھ مکالمہ

مولانا تھانوی کتاب مذکور میں لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک مرتبہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب خواجہ قطب صاحب کے مزار پر مراقب تھے تو ان پر حضرت قطب صاحب کی روحانیت کا انکشاف ہوا۔ اس وقت شاہ صاحب نے عرض کیا کہ سماع کے متعلق آپ کی کیا تحقیق ہے۔ فرمایا شعر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا۔ الشعر کلام موزون حسنہٗ حسن وقبیحہ قبیح۔ الحدیث (شعر کلام موزوں کا نام ہے جس کا حسن حسن ہے اور جس کا قبح قبیح ہے۔) اس کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا حسنِ صوت کے متعلق کیا کہتے ہو۔ شاہ صاحب نے عرض کیا۔ یزید فی الخلق ما یشاء (القرآن) بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس زیادت سے مراد حسنِ صوت ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ دونوں جمع ہو جاویں اس وقت تم کیا کہوگے۔ عرض کیا نور علی نور یھدی اللہ لنورہٖ من یشاء (نور پر نور ہے اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا اپنے نور کی طرف جسے چاہے)

فرمایا بس ہمارا سماع یہی تھا۔ اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب نے دیکھا۔ کہ آسمان سے ایک تخت نازل ہوا جس پر ایک بزرگ رونق افروز ہیں حضرت قطب صاحب تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ تخت پھر آسمان پر اٹھ گیا۔ تو شاہ صاحب نے حضرت قطب صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ تھے۔ فرمایا خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ تھے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو سماع کے منکر تھے۔ آپ نے ان کے سامنے اپنی تحقیق کیوں نہ بیان فرمائی۔ فرمایا ادب کے خلاف تھا۔ یہ حضرات عالم برزخ میں بھی ایک دوسرے کا ادب کرتے ہیں۔"

اس کے بعد نواب جمشید علی خان نے عرض کیا کہ بعض لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑکیوں نے دف بجا کر گایا۔ مولانا تھانوی نے فرمایا :۔

"وہ کوئی باقاعدہ گانا بجانا نہ تھا۔ نہ وہ لڑکیاں گانے والی تھیں۔ یونہی بے قاعدہ گانا بجانا تھا۔ گو حدیث سے شادی وغیرہ کے موقع پر دف جائز ہے۔ اور سماع صوفیہ کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مگر بعض دفعہ مصلحت انتظام کیلئے امرِ مباح سے بھی منع کیا جا سکتا ہے۔"

مولانا تھانوی کا سماع سننا اور سنوانا

کتاب خمخانۂ باطن میں مولانا تھانوی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ :۔

"ایک دفعہ میں نے ایک طالب علم کا علاج سماع سے کیا تھا۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ایک طالب علم پر شورش باطنی کا غلبہ ہوا۔ کسی طرح سکون نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اس کے لیے سماع تجویز کیا۔ میرے ایک ملنے والے صاحب سماع تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم لوگ تو مولوی ہیں۔ ہم اپنے یہاں سماع کا انتظام نہیں کر سکتے۔ تم اپنے یہاں لے جاؤ اور سماع سنوا لاؤ۔ امید ہے ان کو سکون ہو جاوے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور خوشی خوشی ان کو اپنے یہاں لے

گئے۔ ان کی جماعت نے بھی اس کو فخر سمجھا کہ ہم سے مولویوں نے رجوع کیا۔ مگر جب وہاں ڈھولکی اور ستار کا انتظام ہوا تو وہ طالب علم بہت بگڑا اور ان کو دھمکایا کہ تم مجھ کو بدعت کا آلہ کار بنانا چاہتے ہو۔ یاد رکھنا سب ڈھولکی ستار توڑ ڈالوں گا۔ خبردار جو میرے سامنے بدعت کا ارتکاب کیا۔ وہ لوگ بہت گھبرائے اور اس کو واپس کر دیا۔ میں خوش ہوا کہ الحمد للہ ان کی حالت سنت کے مطابق ہے پھر میں نے ایک خوش الحان طالب علم سے کہا کہ ان کو کوئی غزل تنہائی میں سنا دو۔ اس طالب علم کا مقام نشست میرے سامنے ہی تھا اس نے امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غزل سنائی۔ ؎

از ہجر تو دل کباب تا کے ۔۔۔ جاں در طلبت خراب تا کے
در مصحفِ روئے او نظر کن ۔۔۔ خسروؔ غزل و کتاب تا کے

میرے کانوں میں بھی آواز آ رہی تھی۔ جب تک غزل سنائی جاتی رہی ان پر حال کا غلبہ رہا۔ بار بار جوش میں کھڑے ہو جاتے اور "تا کے تا کے" پکارتے۔ پھر سکون ہو گیا۔ تو یہ در اصل دوا ہے اور اس کو طبیب ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس مریض کو اس دوا کی ضرورت ہے۔ بغیر شیخ کی اجازت کے اگر کوئی سماع سنے تو غلطی میں مبتلا ہو گا۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور سماع

اس کے بعد لکھا ہے کہ:- حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے یہاں بعض ذاکرین پر ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ وہ ذکر میں تالیاں بجانے لگتے تھے اور تالیاں بجانا بھی سماع کے قریب قریب ہے۔ کیونکہ لہو میں داخل ہے مگر حضرت نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادیؒ حضرت کے یہاں بہت کھلے ہوئے تھے اور حضرت ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت اب تو آپ کے یہاں تالیاں بجنے لگی ہیں حضرت نے ان کو ڈانٹ دیا کہ تم کیا جانو خاموش رہو۔"

اس کے بعد کتاب مذکور میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ :۔

"غرض مزامیر کے ساتھ سماع کو قریب قریب سب صوفیہ نے حرام کہا ہے البتہ بعض نے اس کی اجازت بھی دی ہے علامہ شامی نے (مشہور بزرگ حنفی ہیں جو علوم ظاہری اور باطنی سے مزین ہیں)، ان پر سے اعتراض کو اس طرح رفع کیا ہے کہ فقہاء نے تین وقتوں میں طبل بجانے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ امراء کے یہاں تین مختلف اوقات میں نوبت بجتی ہے اور یہ حکمت بیان کی ہے کہ اس میں نفخات ثلثہ کی تذکیر ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ تذکیر نفخات کے لیے طبل کیلئے اجازت ہے تو جو حضرات صوفیہ اس قسم کے مصالح سے آلات کی اجازت دیتے ہیں ان پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہیئے"۔

اُس وجہ سے مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی علامہ شامی کے معتقد نہ تھے۔ مگر حضرت مولانا گنگوہی ان کے معتقد تھے اور علامہ شامی کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ بات یہ ہے کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب میں غالب علمی بزرگی تھی اور مولانا گنگوہی میں علمی اور باطنی دونوں بزرگیاں تھیں۔ جو شخص ایسا ہوگا وہ علامہ شامی کا معتقد ہوگا۔ کیونکہ علامہ شامی صرف علمی بزرگ نہ تھے بلکہ صاحب باطن بھی تھے"۔

مولانا تھانویؒ کا ایک اور بار سماع سننا

کتاب مذکور میں آگے چل کر مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

" ایک مرتبہ مجھے ریل میں مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی (یہ آپ کے پیر بھائی تھے)، کا قوال فرزند علی مل گیا اس وقت وہ بوڑھا ہوچکا تھا۔ کہنے لگا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ حضور کو کچھ سناؤں۔ چونکہ وہ بوڑھا تھا مزامیر وغیرہ ساتھ نہ تھے صرف سماع ہی سماع تھا اور قوال بھی تھا کس کا۔ مولانا کا۔ میں نے اجازت دے دی۔ اس نے ایک غزل سنائی۔ گو ریل چل رہی تھی اور اس کی گھڑگھڑ کی آواز کانوں کو پریشان کر رہی تھی مگر اس کی آواز غالب تھی اور یہ معلوم نہ ہوتا تھا

کہ ریل چل رہی ہے یا کھڑی ہے۔ ایک غزل کے بعد میں نے آگے اجازت نہ دی۔"

مولانا محمد حسین الہ آبادیؒ کا صاحب سماع ہونا

حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں لیکن سماع خوب سنتے تھے اور مزامیر کے ساتھ سنتے تھے۔ مولانا اشرف علی صاحب نے اپنے رسالہ خمخانۂ باطن میں لکھتے ہیں کہ :۔

"ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے جو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں تھے ان کو گانے بجانے میں کمال حاصل تھا۔۔۔۔ انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ نئے بجانے میں جو کمال حاصل کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ برکت کے واسطے حضرت کے سامنے پیش کردوں۔ اب اگر حضرت بالکل انکار فرماتے ہیں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اور اہل سماع صوفیہ پر انکار لازم آتا ہے۔ اور سنتے ہیں تو اپنے طریقہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ آپ نے ان دونوں پہلوؤں کو کس طرح سنبھالا۔ فرمایا بھائی مجھے تو اس فن سے ذرا بھی مناسبت نہیں۔ ایسے شخص کو سنا کر اپنے فن کی کیوں بیقدری کراتے ہو۔ کسی قدردان کو سنایئے جو اس فن سے واقف ہو۔ اور کمال کی داد دے سکے۔ ہاں ہمارے مولوی محمد حسین صاحب الہ آبادی (جو حضرت حاجی صاحب کے مرید و خلیفہ تھے) ہوتے تو وہ آپ کے کمال کی قدر کرتے۔"

حضرت شاہ محمد حسین الہ آبادی جن کا اوپر ذکر آیا ہے۔ دیوبندی ہونے کے باوجود بڑے ذوق وشوق سے سماع سنتے تھے۔ اور آپ کا وصال بھی سماع ہی میں عرس اجمیر شریف کے موقعہ پر حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کی اس غزل پر ہوا۔

آستیں بر رُخ کشیدہ ہمچو مکار آمدی	در خودی خود در تماشائے بازار آمدی
در بہار الگل شدی در صحنِ گلزار آمدی	بعد ازاں بلبل شدہ با نالہ زار آمدی

خویشتن را جلوہ کردی اندریں آئینہ ہا　　آئینۂ اسمے نہادی خود باظہار آمدی
شورِ منصور از کجا و دارِ منصور از کجا　　خود زدی بانگِ اناالحق خود سرِ دار آمدی
گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا　　خود ز خود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

آخری شعر پر آپ نے طویل سجدہ کیا اور جاں بحق ہو گئے۔ اہلِ باطن کا کہنا ہے کہ آخری شعر پر آپ مراقبۂ ذات میں چلے گئے اور فنا فی اللہ میں اس قدر بلند پرواز کی کہ واپس آنے کی طاقت نہ رہی۔

ایک دفعہ مولانا محمد حسین مسجد میں نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے۔ آپ سے ملنے کے لیے ایک قوال ستار سمیت مسجد میں چلا گیا۔ لوگوں نے شور مچا دیا کہ آلاتِ غنا مسجد میں لایا ہے۔ مولانا محمد حسین صاحب نے تبسم فرمایا تم لوگ بھی تو آلاتِ زنا سمیت مسجد میں آئے ہوئے ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نقشبندیؒ کا سماع بامزامیر سننا

ایک دفعہ جنوبی ہندوستان کا ایک ستار نواز ماہرِ فن دہلی میں بادشاہ کو اپنا ستار سنانے کی غرض سے آیا۔ اس کی عادت تھی کہ بادشاہ کو ستار سنانے سے پہلے تبرکاً کسی درویش کو سناتا تھا۔ دہلی پہنچ کر اس نے دریافت کیا کہ آج کل یہاں کون بزرگ رہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا آج کل حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے سوا کون ہے۔ چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور معروضہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا بھائی میں تو مولوی ہوں اور میرا سلسلہ بھی نقشبندی ہے۔ مجھے باجوں سے کیا نسبت۔ لیکن جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ مان گئے۔ اور فرمایا اچھا بجاؤ۔ وہ اپنے فن میں ماہر تو تھا ہی اس نے نہایت ذوق و شوق اور مہارت کے ساتھ ستار بجانا شروع کیا۔ ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ تم نے فلاں غلطی کی ہے یہ سن کر اس نے ستار کو زمین پہ مار کر توڑ دیا اور کہنے لگا کہ جس شہر کے مولوی لوگ جنہوں نے ساری عمر گانا بجانا نہیں سنا، جب اس قدر باکمال ہیں کہ میری ذرا سی غلطی پکڑ لی ہے وہاں کا بادشاہ کیسا ہوگا۔ اس نے کہا حضور مجھ سے جو غلطی ہوئی وہ اس قدر معمولی تھی کہ بڑے سے بڑا ماہرِ فن بھی نہیں پکڑ سکتا تھا۔ آپ نے کس طرح پکڑ لی۔ آپ نے فرمایا اس قسم کا اتار چڑھاؤ ہم کائنات کے نغموں میں ہمیشہ سنتے رہتے ہیں لیکن

تمہارے کام میں مجھے ناموزونیت نظر آئی جو بتادی۔

امام شافعیؒ کا ماہر راگ ہونا

اسی طرح روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام شافعی کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص سرنگوں ہو کر اداس بیٹھا تھا۔ آپ نے اس سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں مختلف راگوں میں مہارت تامہ رکھتا تھا لیکن ایک راگ جس کا مجھے بے حد شوق تھا نہیں آتا تھا۔ میں نے سنا کہ بغداد میں فلاں شخص یہ راگ جانتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے پاس جا کر سیکھنا شروع کیا۔ آدھا راگ سیکھا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اب اس غم میں بیٹھا ہوں کہ باقی نصف راگ کس سے سیکھوں امام شافعی نے فرمایا غمگین مت ہو۔ آؤ میں تمہیں وہ راگ بتا دوں گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ حضرت امام کی خدمت میں رہ کر اس نے وہ راگ مکمل کر لیا۔

امام احمد بن حنبل کا راگ پر رقص کرنا

حضرت امام احمد بن حنبل کا ایک لڑکا تھا جسے آدھی رات کے بعد سارنگی پر ایک مخصوص گانا سننے کا شوق تھا۔ اس زمانہ میں بغداد میں ایک گویا آیا جو اس فن میں کامل تھا۔ اب مشکل یہ تھی کہ نہ امام صاحب کے لڑکے رات کو کہیں باہر جا کر راگ سن سکتے تھے کیونکہ یہ بات معیوب تھی اور نہ والد ماجد کے ڈر سے گھر پر اسے بلا سکتے تھے۔ آخر یہ تجویز کی کہ آدھی رات کے بعد اسے گھر میں بلایا جائے اور مکان کی اوپر کی منزل پہ دروازے بند کر کے گانا سنا جائے جب امام صاحب نیچے کی منزل میں محو خواب ہوں۔ چنانچہ وہ گویا آیا اور گانا شروع ہوا۔ ابتداء میں احتیاط برتی گئی اور آہستہ آہستہ آواز سے گانا شروع ہوا لیکن بعد میں جوش و خروش اس قدر بڑھا کہ آواز بلند ہو گئی اور سننے والا اور سنانے والا مست و بے خود ہو گئے۔ عین محویت کے عالم میں امام صاحب کے فرزند کو یاد آیا کہ کہیں اس شور و غل سے والد صاحب بیدار نہ ہو جائیں چنانچہ انہوں نے نیچے جھانکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ امام احمدؒ رقص کر رہے ہیں۔ گانے میں تعطل آنے کی وجہ سے آپ نے اُوپر دیکھ کر فرمایا: "بند مت کرو، جاری رکھو۔" آپکے فرزند نے عرض کی کہ "حضور، آپ تو گانے سے منع فرماتے تھے" آپ نے فرمایا "اس قسم کے گانے سے کب منع کرتا تھا۔"

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا ذوقِ سماع

داراشکوہ نے "سکینۃ الاولیا" میں لکھا ہے کہ حضرت میاں میرؒ لاہوری ذوق و شوق سے سماع سنتے تھے۔

حلتِ سماع کے متعلق حضرت خواجہ صاحبؒ کی اپنی صراحت

اشارات فریدی کی پانچویں جلد میں مرقوم ہے کہ حضرت اقدس سے جب سماع کے جواز کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ :-

"سماع حلال است چہ بر حرمت بالاصالۃ آں ہیچ دلیل قطعی یا ظنی قائم نشدہ است - آنچہ در بعض احادیث حکم حرمت سماع وارد شدہ است بالعرض است - بدیں طور کہ اہل عرب در زمانۂ جاہلیت مجالس تنعم (عیش و عشرت) قائم مے داشتند دراں بشراب خمر وغیرہ مسکرات ولہو ولعب نیز مباشرت میشدند - وچوں حکم حرمتِ خمر بالاصالت وارد شد سبب استعمال آں در مجالس سماع بحرمت سماع نیز بالعرض حکم وارد گشت - اگر اکنوں بدیں وضع مجلس سماع قائم کردہ شود کہ شراب وخمر ولہو ولعب ہم دراں مستعمل باشد بیشک بدیں حالت سماع حرام است نہ بالاصالت بلکہ بالعرض - وچوں مجلس از حرام بالاصل خالی باشد چنانکہ مجلس سماع صوفیہ کرام مے باشد بریں قسم سماع ہیچ حرمت وارد نیست نہ بالاصل نہ بالعرض - وآنچہ بعضے مشائخ کرام سماع نشنیدہ اند - چوں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند وغیرہم و بعضے مشائخ شنیدہ اند چو مشائخ کرام چشتیہ وغیرھم وجہ آنست کہ مدار علیہ مشائخ نقشبندیہ در باب فقر مشغولی و مراقبہ است ازیں جہت سماع رانمے شنوند - نہ آنکہ سماع را حرام میدارند چنانچہ در حدیث شریف آمدہ است کہ روزے حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عمر ابن خطاب را فرمودند کہ تو سماع (آوازِ نے) بشنو ومن در گوش خود انگشت نہادم مے نشینم ...... پس معنی ایں حدیث انیست کہ سماع حلال بود - مگر آنحضرت بسبب مشغولی انگشت در گوش مبارک دادہ نقشبند و حضرت عمر ابن خطاب شنیدند ..... چنانچہ خواجہ نقشبند مشغولی و مراقبہ را مستحسن دانستہ سماع نشنیدند نہ کہ انکار کردند - وحرام دانستند ...... حضرت مولانا جامی اگرچہ نقشبندی اند مگر چوں مجتہد وقت بودند سماع را مستحسن دیدہ سماع شنیدہ اند - وسخت -

مولع سماع بودند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا مظہر جان جاناں نقشبندی دہلوی کہ اہل کمال بودند سخت مولع ومحب سماع بودند۔ ایشاں مے فرمودند کہ خلقت و وضع واکتساب ہرشئ خالی از حکمت نیست۔ پس مرا کہ سلک سلسلہ نقشبندیہ حاصل شدہ است حکمت دریں انیست کہ ابقاء وجود من بود واگر نسبت من در سلسلۂ چشتیہ بودے در اندک مدت سوختہ شدہ فانی شدمے۔ تا دیر و مدت دراز نہ زیستمے۔ ایں برکت نسبت نقشبندیہ است کہ باوجود سخت محبت سماع تاب آوردہ ام "

ترجمہ:۔ سماع حلال ہے کیونکہ نفس سماع کے حرام ہونے پر کوئی دلیل قطعی نہ ظنی قائم ہوئی ہے۔ یہ جو بعض احادیث میں سماع کی حرمت آئی ہے یہ دوسرے عوارض کے شامل ہونے کی وجہ سے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اکثر عیش وعشرت کی مجالس قائم کیا کرتے تھے جن میں شراب، لہو ولہب نیز مباشرت کا رواج تھا۔ جب قرآن مجید میں شراب کو حرام قرار دے دیا گیا تو سماع کی بھی ان حرام چیزوں کی وجہ سے مخالفت ہوگئی۔ اگر اب بھی اس قسم کی مجالس قائم ہوں جن میں شراب لہو ولہب شامل ہو تو بے شک اس حالت میں سماع حرام ہوگا۔ اس وجہ سے نہیں کہ سماع درحقیقت حرام ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس کے ساتھ حرام عوارض شامل ہوتے ہیں لیکن اگر سماع ان حرام چیزوں سے خالی ہو جیسے کہ صوفیاء کرام کی مجالس سماع تو اس قسم کے سماع پر کوئی حرمت کی دلیل قائم نہیں ہو سکتی اور یہ جو بعض مشائخ مثل حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند اور دیگر مشائخ نقشبندیہ نے سماع نہیں سنا اور بعض مثل مشائخ چشتیہ وغیرہم نے سماع سنا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشائخ نقشبندیہ کے فقر کا دارو مدار مشغولی ومراقبہ پر ہے وہ اس (نسبت خاموشی) کی وجہ سے سماع سے پرہیز کرتے ہیں نہ اس وجہ سے کہ حرام سمجھتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ سماع سنتے رہو اور میں کانوں میں انگلی دیئے بیٹھا ہوں۔ جب بند ہو جائے تو مجھے بتانا۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ سماع حلال ہے مگر آنحضرت نے مشغولی کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں دے رکھی تھیں اور حضرت عمر کو حکم دیا تھا کہ سنتے رہو۔ حضرت مولانا جامی اگرچہ نقشبندی ہیں مگر چونکہ آپ اپنے وقت کے مجتہد تھے سماع کو مستحسن خیال کر کے سنتے تھے۔ آپ کو سماع سے سخت محبت تھی اسی طرح مرزا مظہر جان

جاناں دہلوی بھی نقشبندی تھے مگر اہلِ کمال ہونے کی وجہ سے سماع سے بہت محبت رکھتے تھے مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالےٰ نے ہر چیز میں کوئی نہ کوئی حکمت رکھی ہے پس میرے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہونے میں یہ حکمت تھی کہ اس کی بدولت میں اب تک زندہ ہوں۔ اگر میں سلسلہ چشتیہ میں ہوتا تو کبھی کا جل کر راکھ ہو گیا ہوتا۔ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکتا۔ یہ نسبتِ نقشبندیہ کی برکت ہے کہ سماع سے سخت محبت کے باوجود میں اب تک زندہ ہوں۔

خلاصۂ بحث آیات قرآنی، احادیث نبوی، عملِ رسول اللہ صلعم اور اقوال و عمل صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین، محدثین، علماء و مشائخ عظام خواہ چشتیہ ہوں خواہ غیر چشتیہ سب کے اقوال و عمل سے واضح ہے کہ سماع حلال ہے چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سماع بالمزامیر یعنی آلات کے ساتھ واقع ہوا، سماع بالمزامیر بھی جائز ہے یہ اور بات ہے کہ جو آلاتِ سماع ہمارے ملک میں اس وقت مروّج ہیں وہ آنحضرت کے زمانۂ مبارک میں مروّج نہ تھے۔ لیکن آلاتِ سماع ضرور تھے۔ اس کے باوجود بعض حضرات نے جن میں بعض مشائخ چشتیہ بھی شامل ہیں سماع بغیر آلات سنا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ انہوں نے احتیاط کا پہلو مدِ نظر رکھا تاکہ عوام کے لیے ان کا عمل ہر قسم کے سماع پر فتویٰ نہ ہو جائے۔ چنانچہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے سردار حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا سماع بلا مزامیر تھا۔

دوسری اہم بات جو اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل ہے یہ ہے کہ سماع مباح ہے فرض نہیں ہے۔ جو حضرات احتیاط کی وجہ سے یا طبیعت کی نامناسبت کی وجہ سے سماع سے پرہیز کرتے ہیں نہ ان پر طعن لازم ہے نہ ان کو قائل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کے ہر اختلافی مسئلہ کے متعلق فقہاء کا فتویٰ یہی ہے کہ عوام جس مکتبِ فکر کے مؤقف کو اختیار کرنا چاہیں بلا دریغ اختیار کر سکتے ہیں۔ اس پر کوئی شرعی حجت قائم نہیں ہوتی۔ اگر کسی فریق کا ردیّہ یا مؤقف حقیقتاً غلط ہے تو یہ ایک اجتہادی غلطی ہو گی جو معاف ہے بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اجتہادی غلطی میں ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا مؤقف قابلِ تحسین ہے۔ جن حضرات کو سماع سے محبت ہے ان کو سماع سننے پر اور جن کو سماع سے رغبت نہیں ان کے سماع نہ سننے پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ بعض لوگوں کو طبعاً میٹھا پسند ہے بعض کو نمکین

عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی اپنی پسند پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ میٹھا پسند کرنے والے کو قطعاً یہ حق نہیں پہنچتا کہ نمکین پسند پر نکتہ چینی کرے یا اسے میٹھا کھانے پر مجبور کرے یا اسے ہمخیال بنانے کی کوشش کرے۔ دنیا اختلاف طبائع، اختلاف نظریات، اختلاف رنگ و بو اور اختلاف عناصر سے قائم ہے اور اس قسم کے اختلاف کو شارع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت قرار دیا ہے۔ ہمیں اپنی کم عقلی کی وجہ سے اسے زحمت نہیں بنانا چاہیئے ورنہ رنگِ محفل جاتا رہے گا۔

رقص دوام آخر میں جن حضرات کو سماع سے محبت ہے ان کی خوش خبری کے لیے یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اسلام اور ایمان نام ہے عشقِ حق کا اور چونکہ حدیث نبوی کے مطابق ہر شخص فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس لیے ہر مسلمان بلکہ ہر شخص عاشق ہے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہر شخص کے اندر عشق کم و بیش حالت میں موجود ہے۔ جو شخص سب سے بڑا مومن ہے وہ سب سے بڑا عاشق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اولیاء کرام خواہ جس سلسلہ سے تعلق رکھتے ہوں چونکہ سب سے بڑے مومن تھے وہی سب سے بڑے عاشق بھی تھے اور سماع نہ سہی کسی نہ کسی صورت میں وہ عشقِ حق میں سرگرداں رہتے تھے۔ اور رقصِ دوام میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی نماز بھی رقص تھی، ان کا چلنا پھرنا بھی رقص تھا ان کا اٹھنا بیٹھنا بھی رقص تھا۔ ایک بزرگ نے جب بکری کی آواز سنی تو حال طاری ہو گیا۔ حافظ شیر محمد صاحب شرقپوری کا حال آپ سن چکے ہیں۔ مزدوروں نے مٹی الگ کرنے کی خاطر جب کنکریاں بڑی چھلنی پر پھینکیں تو اس کی آواز سے آپ پر وجد طاری ہو گیا اور چارپائی سے نیچے گر گئے۔ حالانکہ نقشبندی تھے۔

ایک دفعہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے ان کے اصحاب نے شکایت کی کہ ہمارے زمانے میں حضرت داؤد کا سا خوش الحان کوئی نہیں ہے جس کی آواز سے انسان اور چرند، پرند وجد میں آجائیں۔ انہوں نے کہا اب بھی ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس طرح اللہ کہہ کر چیخ ماری کہ تمام سامعین پر وجد طاری ہو گیا اور رقص کرنے لگے حضرت ابو سعید ابوالخیر جمعہ کے دن بن سنور کر جامع مسجد میں نماز پڑھنے جا رہے تھے مسجد کے دروازے پر

ایک فقیر کھڑا لوہے کا چمٹا بجا رہا تھا اس پر آپ کو وجد طاری ہو گیا اور رقص کرنے لگے جب لوگ نماز سے فارغ ہو کر باہر آئے تو آپ بدستور رقص کر رہے تھے۔ ایک عالم نے آپ کو دیکھ کر طعن کیا تو وہ بھی رقص کرنے لگا۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم　　جنید و شبلی و عطار شد مست

غرضیکہ عشق حق میں تمام اولیاء کرام ہر وقت سرشار، مدہوش اور مست رہتے ہیں اور حالت وجد میں رہتے ہیں۔ اولیاء کرام کیا دنیا کی ہر چیز ہر وقت رقص میں مشغول ہے۔ سورج اپنے محور پر رقص کر رہا ہے۔ چاند اپنے محور پر رقص کر رہا ہے۔ تارے اپنے محور پر محو رقص ہیں۔ زمین محوِ رقص ہے بلکہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ محوِ رقص ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ تخلیق کائنات کا سبب ہی عشق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔ (میں حسن و جمال کا ایک مخفی خزانہ تھا مجھے عشق ہوا کہ اپنے حسن و جمال کا تماشا کروں پس مَیں نے کائنات کو پیدا کیا۔

حضرت خواجہ صاحب کا ایک بلند ترین شعر پر وجد دوام

اب ہم ناظرین کو وہ واقعہ یاد دلاتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ صاحب نے ایک ایسے شعر پر رقص کیا کہ جس پر ساری عمر بلکہ موت کے بعد قبر میں بھی قیامت تک اور قیامت کے بعد بہشت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عشاق رقص میں مشغول رہ سکتے ہیں۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب حضرت اقدس کے قوال میاں برکت علی نے خلوت میں آپ کو قوالی سنائی اور یہ شعر گایا:۔

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمارِ ما　　چہ قیامتے کہ نمے رسد ز کنارِ ما بکنارِ ما

(اے محبوب ہم نے ساری عمر آپ کے ساتھ شراب نوشی کی یعنی حسن و جمال حقیقی کی شربت کے پیمانے نوش کیے لیکن پھر بھی ہمارا شوق پورا نہیں ہوا۔ کیا قیامت اور غضب ہے کہ تو ہماری بغل سے ہماری بغل میں نہیں آتا) اس شعر پر حضرت اقدس پر اس شدت سے وجد طاری ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس شعر کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ چونکہ اللہ تعالے کی ذات لامتناہی ہے اس کے جملہ صفات بھی لامتناہی ہیں۔ اس لیے حق تعالے کے

حسن وجمال کی بھی کوئی حد نہیں۔ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہمچناں باقی

لہٰذا عاشق صادق جس قدر حق تعالیٰ کے قرب میں جاتا ہے اور حسن وجمال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس سے اوپر ایک اور منزل نظر آتی ہے جب اس منزل پر پہنچتا ہے تو ایک اور منزل نظر آتی ہے غرضیکہ قرب و وصال کی منازل پر منازل طے کرتا رہتا ہے لیکن حسن و جمال کے لطیف سے لطیف تر جلووں کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر وقت نئی آن نئی بان نئی شان سے محبوب حقیقی جلوہ گر نظر آتا ہے اور شدتِ طلب کی وجہ سے عاشق صادق قریب سے قریب تر اور قریب تر سے قریب ترین ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے کیونکہ حسن و جمال اور قرب و وصال کی کوئی حد نہیں اس لیے عین وصل میں بے قرار رہتا ہے اور بیقراری میں پکار اٹھتا ہے کہ ؎

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنجِ خمار ما
چہ قیامتے کہ نمے رسد ز کنارِ ما بکنار ما

اسی وصل میں مہجوری اور قرب میں بُعد کو محسوس کر کے عشاق نے کہا ہے کہ:-

قلندر آنکہ فوق الوصل جوید
(قلندر وہ ہے جو وصل سے بھی اوپر کا متلاشی ہے)

اس مقام کو حضرت خواجہ صاحب یوں بیان فرماتے ہیں ؎

جھاں خود قرب ہے دُوری

عشاق ساری عمر قرب و وصال میں ترقی کرتے کرتے تھک جاتے ہیں لیکن تسکین نہیں ہوتی۔ پس یہ وہ شعر ہے جس پر عشاق ساری عمر رقص کرتے رہیں گے۔ بلکہ موت کے بعد قیامت تک اور قیامت کے بعد ابدالآباد تک رقص کرتے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دوست کے حسن و جمال کے مشاہدہ کے وقت حضرت خواجہ عثمان فرماتے ہیں :-

نمے دانم کہ آخر چوں دمِ دیدار مے رقصم ‌ ‌ مگر نازم بہ ایں ذوقے کہ پیشِ یار مے رقصم

تو آں قاتل کہ از بہرِ تماشا خونِ من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجرِ خونخوار مے رقصم

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہِ جانبازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار مے رقصم

خوشا رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را
زہے تقویٰ کہ من با جبہ و دستار مے رقصم

منم عثمانِ ہارونی کہ یارِ شیخ منصورم
ملامت مے کند خلقے و من بردار مے رقصم

غرضیکہ عشاق ہمیشہ رقص کرتے رہتے ہیں بعض قابو سے باہر ہو کر کھلم کھلا رقص کرتے ہیں بعض پاس ادب اور ضبط و استقلال کی وجہ سے قلباً رقص کرتے رہتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے :-

پاسِ ادب یہ بیں کہ بکوئیت شہیدِ عشق
باہیئتے تپید کہ خاک از زمین نہ خاست

زاہدانِ خشک کی منزلِ مقصود

اگر زاہدانِ خشک اور اصحاب ظواہر کی منزل مقصود بہشت بریں اور حور و قصور ہے تو ہونے دیں۔ عاشقوں کی بہشت یہ نہیں ہے۔ عاشقوں کی بہشت اللہ ہے۔ خواجہ حافظ نے خوب کہا ہے ؎

باغِ بہشت و سایۂ طوبیٰ و قصر و حور
با خاکِ کوئے دوست برابر نے کنم

حضرت شیخ عمر فارض کا وقتِ نزع ہے۔ آپ کو سات بہشت دکھائے گئے کہ یہ تیرا انعام ہے۔ انہوں نے منہ پھیر لیا اور یہ شعر کہا ؎

ان کان منزلتی فی الحب عندکم
ماقد رأیت فقد ضیعت ایامی

(اگر میرے عشق کی قدر و منزلت یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں (یعنی سات بہشت) تو میں نے ساری عمر برباد کی)۔ اس کے بعد آپ پر خاص تجلی ہوئی اور جاں بحق ہو گئے۔ زاہدانِ خشک اور علمائے ظواہر سے تو ہمارے رند غالب بھی بازی لے گئے۔ فرماتے ہیں :-

طاعت میں تا رہے نہ مئے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

شرائط و آدابِ سماع

جوازِ سماع کے بعد اب شرائطِ سماع کا بیان ضروری ہے چونکہ سماع میں مضرت کا پہلو بھی موجود ہے اس لیے اولیاء کرام نے

ہرکس وناکس کو سماع سننے کی اجازت نہیں دے رکھی۔ بلکہ انہوں نے مجالسِ سماع کے لیے چند شرائط مقرر کی ہیں جن سے نا اہل لوگوں کا داخلہ بند ہو جاتا ہے اور صرف خواص باقی رہ جاتے ہیں۔ امام غزالی نے احیاءالعلوم میں اور دیگر مشائخ نے سماع کے لیے تین شرائط قائم فرمائی ہیں۔ مکان۔ زمان۔ اخوان۔

شرطِ مکان مکان جہاں مجلس سماع منعقد ہو رہی ہو ایسا ہونا چاہیئے کہ وہاں عوام اور نا اہلوں کا گذر نہ ہو۔ پُر سکون مقام ہو۔ غیر شرع امور کا دخل نہ ہو۔

زمان سماع سننے کے لیے ایسا وقت مقرر کیا جائے کہ جس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو۔ مثلاً نماز کا وقت نہ ہو۔ ایسا وقت ہو کہ جب ہر طرف سے فراغت اور سکون میسر ہو۔ اور کسی قسم کی مداخلت کا امکان نہ ہو۔

اخوان مجلس سماع میں ایسے لوگ بلائے جائیں جو اہلِ سماع ہوں۔ محرم راز ہوں، اہلِ حق ہوں، فاسق فاجر اور منکرِ سماع نہ ہوں۔ اور کلام مجاز کو حقیقت پر محمول کرنے والے ہوں۔ حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کلام سننا اور اپنی یہ پیاس بجھانا چاہتے ہوں۔ یاد رہے کہ ایک نامحرم کے شمول سے ساری محفل کا فیضان زائل ہو سکتا ہے۔

آدابِ سماع مجلسِ سماع کے لیے بزرگان نے جو آداب مقرر فرمائے ہیں ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں :۔

۱۔ مجلسِ سماع میں باوضو رہنا چاہیئے۔

۲۔ غیر شرع امور سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ مثلاً شراب نوشی نہ ہو۔ مرد اور عورتیں یکجا نہ ہوں۔ خلاف شرع اور بے ہودہ کلام نہ گایا جائے۔ ننگے سر نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ باادب یعنی دو زانو یا مربعہ بیٹھنا چاہیئے۔ پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھنا نہیں چاہیئے۔ توجہ الی اللہ سب سے بڑی شرط ہے یعنی ہر وقت متوجہ الی اللہ ہونا چاہیئے۔ اِدھر اُدھر دیکھنے اور ہنسی مذاق سے پرہیز لازم ہے۔ دوران سماع میں سگریٹ، بیڑی، پانی، شربت، چائے اور پان منع ہے البتہ درمیان میں وقفہ دے کر چائے پانی پی سکتے ہیں۔

۳۔ مجلسِ سماع میں چھوٹے بچے یا اُمرد نہ ہوں حتیٰ کہ قوالوں میں بھی اُمرد نہ ہو۔

۴۔ مجالس سماع میں کلام کی فرمائش منع ہے بلکہ یہ کام میر مجلس کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیئے۔
۵۔ دوران سماع قوالوں کی غلطی پکڑنا یعنی ان کے الفاظ صحیح کرنا منع ہے۔ہاں اگر کوئی بے جا کلام ہو تو میر مجلس اس کی تصحیح کر سکتے ہیں۔ہر شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا۔
۶۔ قوالوں کو جو نذرانے پیش کیے جائیں۔میر مجلس کے ذریعے پیش کیے جائیں۔براہِ راست قوالوں کو کوئی چیز دینا یا ان کی طرف پھینکنا منع ہے۔
۷۔ سماع میں اگر کسی شخص پر وجد طاری ہو جائے اور وہ کھڑا ہو جائے تو اس کی تعظیم کے لیے تمام اہلِ مجلس کو کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ہاں اگر کوئی مسخرہ کھڑا ہو جائے تو اسے اچھے طریقے سے مجلس سے باہر لے جانا چاہیئے۔
۸۔ حتی الوسع تواجد اور رقص اور ھاھو سے پرہیز کرنا لازم ہے۔اور مغلوب الحال ہونے کی بجائے غالب الحال رہنا چاہیئے۔کیونکہ تواجد سے ایک تو فیضان بند ہو جاتا ہے دوسرے باقی لوگوں کے حال میں خلل پڑتا ہے۔ضبط و استقلال سے فیضان میں اضافہ ہوتا ہے۔اور تواجد سے نقصان ہوتا ہے۔تواجد کا مطلب یہ ہے کہ فیضان برداشت نہیں ہو سکا۔جو شخص ایک دو پیالے پی کر مست ہو جائے اسے مزید کون دیگا۔
۹۔ اگر کسی کو حال آجائے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے نہ اس کا مذاق اڑانا چاہیئے بلکہ خاموشی اور ادب سے رہنا چاہیئے۔تضع اور عمداً حال پیدا کرنے سے پرہیز لازم ہے۔
۱۰۔ اگر تجدید وضو کی ضرورت پیش آئے تو محفل سے باہر چلا جائے اور تجدید کرے۔
۱۱۔ آج کل چونکہ ان تمام آداب و شرائط کی پابندی مشکل ہو گئی ہے اس لیے اگر علمائے کرام ان غلطیوں پر اعتراض کریں تو ان کو برحق سمجھ کر اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔نہ کہ ان پر جوابی حملے کرنے چاہئیں۔

ترتیب سماع چونکہ نماز کی طرح سماع بھی سلوک الی اللہ کا خلاصہ ہے۔سماع میں جس قسم کا کلام گایا جاتا ہے سالکین پر ان ہی واردات کا نزول ہوتا ہے اس لیے مشائخ عظام نے کلام کی ایسی ترتیب مقرر کی ہے کہ جس سے سلوک الی اللہ کی ابتدائی منازل شروع ہو کر آخری منازل تک رسائی ہو جائے۔چنانچہ سماع تبرک کے طور پر نعتِ نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع کیا جاتا ہے۔ نعت کے بعد عشقیہ کلام آتا ہے تاکہ سامعین کے قلوب میں آتشِ عشق کے شعلے بلند ہوں اور پرواز میں مدد ملے۔ چونکہ سیر عروجی میں پرواز کی پہلی منزل فنافی اللہ ہے عشقیہ کلام کی متعدد غزلیات کے بعد جب زمین تیار ہو جائے تو توحید یا فنائیت کا کلام گایا جائے جس سے سالکین مراقب ہو کر مراقبۂ فنا میں چلے جاتے ہیں۔ فنار کے بعد چونکہ فنار الفنا کا مقام ہے اس کے بعد قوال ایسا کلام شروع کریں جس سے لاتعین اور احدیت کی طرف رجوع ہو فنار الفنار کے بعد عبودیت یا بقاباللہ کا مقام ہے جس کا خاصہ عجز و انکسار اور تسلیم و رضا ہے یہاں پہنچ کر تسلیم و رضا اور نیستی اور عجز و انکسار کا کلام گایا جائے تاکہ سالکین مراقبۂ ذات بحت اور لاتعین سے نکل کر عبدیت اور دوئی میں آئیں۔ اور حق تعالیٰ کی الوہیت کے سامنے اپنی نیستی اور عجز کا اقرار کریں۔ دورانِ سماع میں اس بات کا خیال نہایت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا ترتیب کو بحال رکھا جائے۔ اور اگر فنا کا کلام ہو رہا ہے تو مضمون بدل کر نہ عشقیہ کلام کی طرف جائیں نہ نعت و منقبت مشائخ شروع کریں۔ ورنہ انقباض طاری ہوگا۔ اسی طرح آخر میں بقا، عبدیت، نیستی اور تسلیم و رضا کے کلام کے بعد پھر فنا یا نعتیہ کلام شروع نہ کرے۔ بلکہ سالکین کو اپنے منازل و مراحل سلوک میں رہنے دیا جائے۔ نیز اگر کسی کلام پر کسی شخص پر وجد طاری ہو گیا ہے تو تنگ آکر کلام بند نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ جاری رہنے دینا چاہیئے ورنہ یکایک بندش سے اس کی موت واقع ہو سکتی ہے البتہ مجلس کا وقت ختم ہو رہا ہو تو اس شخص کو قوالوں کے ساتھ علیحدہ چھوڑ کر درمیان میں حلقہ قائم کیا جا سکتا ہے تاکہ دیگر رسومات مجلس پوری کی جا سکیں۔ ہاں جب یہ معلوم ہو جائے کہ وجد کرنے والے کی تسکین ہو چکی ہے اور وہ تھک چکا ہے تو قوالوں کو وہ کلام چھوڑنے اور آگے بڑھنے کا اشارہ کرنا چاہیئے۔

منقبت اولیاء مجلس سماع میں مشائخ عظام کی منقبت کا وقت شروع میں یا نعت کے بعد ہے۔ جب کسی ولی اللہ کی منقبت ہو رہی ہو تو سالکین کو اس بزرگ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے۔ اس سے اس ولی اللہ کی طرف سے سالک پر فیضان جاری ہو جاتا ہے۔ لیکن قوالوں کو چاہیئے کہ سب کو خوش کرنے کی خاطر مختلف اولیائے کرام کا نام لے کر منقبت مخلوط نہ کریں ورنہ فیضان میں خلل واقع ہوگا۔ منقبت اولیاء کے وقت سامعین

کو مؤدب ہو کر بیٹھنا چاہیئے اور غیر ضروری حرکات سے پرہیز کرنا چاہیئے ورنہ دوسری طرف سے خفگی ہوگی مؤدب اور متوجہ ہو کر بیٹھنے سے فیضان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

حضرت اقدس کی مجالس سماع

حقیقتِ سماع، جوازِ سماع، برکاتِ سماع، آدابِ سماع اور ترتیبِ سماع کے متعلق مختصر تمہید کے بعد

اب ہم اپنے اصلی مضمون یعنی حضرت خواجہ صاحب کے ذوقِ سماع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب جیسے ولولہ انگیز اور کوہ و دشت میں آگ لگا دینے والے شاعر کے ذوقِ سماع کے متعلق کوئی کہے تو کیا کہے جبکہ آپ کی شانِ ولایت میں نسبتِ عشقیہ کا شدید غلبہ ہو، پھر اس طوفانِ عشق کے ساتھ طوفانِ حُسنِ حقیقی کی ہر وقت آپ کے سامنے جلوہ نمائی ہو پھر اس کے ساتھ بحرِ فنافی اللہ کے سکوت اور سکون سے نکل کر مقامِ عبدیّت، نزول اور بقا باللہ کا سوز و گداز، درد و داغ، ہجر و فراق اور نالہ و فریاد بھی جمع ہو جائے اور مزید براں بمصداق ؎

قلندر آنکہ فوق الوصل جوید

آپ ہر آن، ہر لمحہ اور ہر لحظہ، قرب و وصال کی منازل پر منازل طے کر رہے ہوں اور جو پیہم قلب پر حسنِ ازل کی بجلیاں گرنے کی وجہ سے ہر وقت یہی نعرے لگا رہے ہوں کہ ؎

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنجِ خمارِ ما　　چہ قیامتے کہ نمے رسد زکنارِ ما بکنارِ ما

ایسی عدیم المثال اور عظیم الشان سراپا درد شخصیت کے ذوقِ سماع کے متعلق بس یہی کہنا کافی ہے کہ آپ کے وجد و رقص کا تماشا دیکھنا ہو تو دیوانِ فریدی کی ورق گردانی کرو اور اشاراتِ فریدی کا مطالعہ کرو۔ حضرت شیخ کے ذوقِ سماع کی صحیح تصویر آپ کے سامنے آ جائے گی۔

دیوانِ فرید تو آپ حضرات دیکھ چکے ہیں لیکن ممکن ہے کسی صاحب نے آنکھیں بند کر کے دیکھا ہو ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے اب ہم قارئین کرام کو حضرت اقدس کی مجالسِ سماع میں لے چلتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایک عاشقِ صادق محبوبِ حقیقی کے ہجر میں اور وصال میں بھی کس طرح تڑپ تڑپ کر جان نثار کرتا ہے اور کس طرح ہر لحظہ نئی جان حاصل کرتا ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

ہلالیؒ نے بھی اسی مضمون کو خوب ادا کیا ہے فرماتے ہیں ؎

خواہم از خدا بدعا صد ہزار جان تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو
من کیستم کہ زہبر تو جاں را فدا کنم اے صد ہزار جانِ مقدس فدائے تو

اس غزل کا مطلع اس سے بھی زیادہ زوردار ہے فرماتے ہیں ؎

مُردم ازیں الم کہ نمردم برائے تو اے خاک بر سرم کہ نشد خاک پائے تو

مقطع بھی اسی طرح شاندار ہے فرماتے ہیں ؎

از پادشاہی ہمہ آفاق خوش تراست ایں سلطنت کہ گشت ہلالی گدائے تو

آؤ اب ہم حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات یعنی ارشارات فریدی کے آئینے میں آپ کے سوز و گداز، آپ کے درد و داغ، آپ کے وجد و حال کا نقشہ دیکھتے ہیں. لیکن آگے جانے سے پہلے اپنے قلب پر نگاہ ڈال کر قارئین کرام سچ بتائیں کہ حضرت شیخ کے وجد و حال کی بات سن کر آپ کے دل میں وہی وجد و حال کی صورت پیدا ہوگئی ہے یا نہیں؟ ضرور ہوئی ہے اور یہی عاشق صادق اور ولیٔ کامل کے کمال کی علامت ہے کہ کاملین کو دیکھ کر یا ان کے درد و عشق کا تذکرہ سن کر دل میں وہی حال پیدا ہو جائے۔

اشارات فریدی میں حضرت اقدس کی زندگی کے صرف نو سال یعنی رجب ۱۳۱۰ھ سے لے کر ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ تک کا حصہ ریکارڈ میں آیا ہے۔ یہ آپ کی عمر کا آخری حصہ ہے ان آخری نو سالوں میں جب درد و عشق کا بے پناہ طوفان موجیں مار رہا ہے تو معلوم نہیں کہ آپ کا عہد شباب اور وسط کا زمانہ کس قدر قیامت خیز ہوگا۔ اس کا تماشا دیوانِ فریدی میں دیکھا جا سکتا ہے. لیکن اشاراتِ فریدی میں ریکارڈ شدہ زندگی میں پہلی بار جب ہم آپ کے ذوقِ سماع کا مشاہدہ کرتے ہیں تو وہ اتفاقاً سماع بلا مزامیر ہے۔ رات کے اندھیرے میں آپ کا ایک غلام بنام سردار وفقیر پہرہ دیتے ہوئے حکیم سنائی کے مناجات گاتا ہے. کائنات سو رہی ہے. لیکن حضرت خواجہ صاحب بیٹھے سن رہے ہیں اور محظوظ ہو رہے ہیں. صبح کے وقت جب آپ وضو فرما رہے ہیں تو سردار وفقیر آتا ہے حضرت اقدس اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور وضو کی حالت میں بیٹھے ہوئے پھر اسی کلام کی فرمائش کرتے ہیں اور سردار وفقیر اپنے والہانہ انداز میں پھر

مناجات شروع کرتا ہے۔ ؎

مالکا ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی — نروم من بجز آں راہ کہ تو آں راہ نمائی
ہمہ درگاہ تو جویم، ہمہ درکار تو پویم — ہمہ توحید تو گویم کہ بتوحید سزائی
تو خداوند یمینی تو خداوند یساری — تو خداوند زمینی تو خداوند سمائی
تو زن و جفت نہ جوئی تو خور و خفت نخواہی — احد بے زن و جفتی ملکا کامروائی
نہ نیازت بولادت، نہ بفرزند تو حاجت — تو جلیل الجبروتی تو امیر الامرائی

(یہ مکمل مناجات ارشاداتِ فریدی پہلے ترجمہ اردو میں درج ہے۔)

یہ مناجات سن کر حضرت اقدس بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ حکیم سنائی اگرچہ پہلے امیر کبیر تھے بعد میں ایک مجذوب کی توجہ سے بلند مراتب تک پہنچے۔ درویشی اختیار کرنے کا واقعہ مفصل اشاراتِ فریدی میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

مجلس سماع ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو حضرت خواجہ صاحب نے سرورِ کائنات فخر موجودات سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس منایا۔ قوالوں نے مولانا جامی کی یہ غزل شروع کی ؎

کل ما فی الکون وہم او خیال — او عکوس فی المرایا او ظلال
لاح فی ظل السوا شمس الہدیٰ — لا تکن حیران فی تکیہ الظلال
کیست آدم عکس نورِ لم یزل — چیست عالم موج بحرِ لایزال
عکس را کے باشد از نور انقطاع — موج را چوں باشد از بحر انفعال
عین نور و بحر داں ایں عکس و موج — چوں دوئی زیںجا محال آمد محال
کلمینی یا حمیرہ کردہ ورد — بالبِ میگوں آں شیریں مقال
وز ملال زلف پر آشوب او — گفت با خاش ارحنی یا بلال
گفتگو تا چند جامی لب بہ بند — حال مے باید چہ سود از قیل و قال

اس غزل پر حضرت اقدس پر گریہ طاری ہوا اور طبیعت مبارک میں بہت جوش تھا۔
قارئین کرام! غور فرماویں کہ اس وقت کی مجالسِ سماع میں کس قدر ارفع و اعلیٰ کلام پڑھا جاتا تھا۔

اس غزل میں مولانا جامی نے مسئلہ وحدت الوجود بیان فرمایا ہے۔ یہ توحید کا کلام ہے اور اصحاب سماع اس قسم کے کلام کو سنتے ہی مراقبۂ ذات یعنی فنائیت میں چلے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس نے اس غزل پر نہ وجد فرمایا نہ اٹھ کر رقص کیا بلکہ بیٹھے بیٹھے بحرِ ذات بے پایاں اور بے کنار میں غرق ہو گئے۔ قدرے جوشِ گریہ کا اظہار اس وجہ سے تھا کہ آپ کی نسبت زبردست عشقیہ ہے۔ اہلِ سماع کے نزدیک یہ کلام متوسطین کا ہے۔ اصحاب بقا باللہ یعنی منتہیوں کا کلام بھرپور عجز و انکسار، تسلیم و رضا اور شدید گریہ و زاری کا مظہر ہوتا ہے اس غزل کی شرح اشاراتِ فریدی میں کر دی گئی ہے۔

اس کے بعد قوالوں نے یہ غزل گائی ؎

آں کانِ حسن بود و نبود از جہاں نشان | الآن ان عرفت علی ما علیہ کان
اعداد و کون و کثرت صورت نمائی است | فالکل واحد یتجلی بکل شان
نور یست محض کردہ با وصاف خود ظہور | نام تنوعاتِ ظہورش بود جہان
جامی کشیدہ دار زبان را کہ سرِّ عشق | رمز یست کس مگو و حدیثے است کس مدان

حضرت اقدس نے اس غزل پر بھی گریہ فرمایا اور سر مبارک دائیں بائیں ہلایا۔ یہ غزل بھی توحید کے مضمون پر ہے اور مقامِ فنائیت کی طرف لے جاتی ہے بہت ہی بلند کلام ہے۔ اس سے ان حضرات کے ذوقِ سماع کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

اس کے بعد قوالوں نے یہ کافی گائی ؎

ہیں توں شہنشاہ وے چاک مجھیندا | میں تاں تیڈی وے توڑ سنجانی وے میاں
میں تاں تیڈی بردی رہساں | جے تیئں سینے ساہ
وے چاک مجھیندا۔

اس کلام پر حضرت اقدس کو گریہ ہوا اور ساری محفل میں آہ و فغاں اور جوش و خروش برپا رہا۔ مجلس کے خاتمہ پر حسبِ دستور حضرت اوحدی (حضرت مولانا غلام فخر الدین یعنی حضرت خواجہ غلام فرید کے بڑے بھائی اور پیر) کا یہ نعتیہ کلام قوالوں نے پیش کیا ؎

اے مہر خوش لقا سلام علیک | آفتاب ہدیٰ سلام علیک

ہر دم از حق ترا رسد پیغام | اے نبی خدا سلام علیک
مے خرامی و مہر و ماہ گویند | سرورِ انبیاء سلام علیک
دو جہاں از طفیل تو پیدا | اے شہ دو سرا سلام علیک
دیدۂ اوحدی بخاک درت | گوید اے توتیا سلام علیک

اس نعت پر قطب الوحدین حضرت خواجہ محمد بخش قدس سرہٗ پر وجد طاری ہوا اور کافی دیر تک گریہ کرتے رہے۔ آخر میں ختم پڑھا گیا اور دعا کے بعد مجلس سماع برخاست ہوئی۔

دیگر محفل سماع

۱۴ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو حضرت خواجہ صاحب نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی روشی قدس سرہٗ کا عرس منایا۔ محفل سماع میں قوالوں نے سب سے پہلے یہ شعر پڑھا ؎

شرف را گر بہ تیغ غم کشی و خونِ او ریزی | ہر قطرہ کہ از خونش چکد حرفِ وفا خیزد

اس شعر پر حضرت اقدس پر گریہ طاری ہوا اور ساری محفل شور و فغاں اور آہ و نالہ سے گونج اٹھی۔ حضرت شاہ بو علی قلندر کی اس غزل کا ایک اور شعر یہ ہے ؎

مپنداری کہ عشق تو رود از دلِ عاشق | چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

حضرت امیر خسرو نے اس مضمون کو یوں ادا فرمایا ہے ؎

روزیکہ ذرہ ذرہ شود استخوانِ من | باشد ہنوز در دل رسیم ہوائے تو

اس غزل کا مطلع بھی ملاحظہ ہو ؎

ہر شب منم فتادہ بگرد سرائے تو | ہر روز آہ و نالہ کنم از برائے تو

یہ محفلِ سماع مختصر رہی۔ سماع کے اختتام پر حافظ صاحب نے ختم پڑھا اور دعا مانگی گئی۔

دیگر محفل سماع

۷ ماہ رجب ۱۳۱۴ھ حضرت سلطان الاولیاء خواجہ محمد عاقل صاحب الروضہ قدس سرہٗ کے عرس کے موقعہ پر کوٹ مٹھن شریف میں اجتماع عظیم تھا۔ محفلِ سماع میں امام بخش قوال نے یہ غزل گائی ؎

دلہا کباب جلوہ مستانۂ تو اند | جانہاں خراب گردشِ پیمانۂ تو اند
خورشید طلعت از پے ذر دیدہ دیدنت | گرم تلاش روزنِ کاشانۂ تو اند

قومیکہ از جہاں دل بیدار بردہ اند　　در خوابِ مرگ گوشش بر افسانۂ نواند

اس غزل پر حضرتِ اقدس پر گریہ طاری ہوا۔ حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخش صاحب پر بھی کیفیت کا شدید غلبہ ہوا آپ اپنا سر حضرت خواجہ صاحب کے زانو پر رکھ کر بہت روئے اس وقت حضرت خواجہ صاحب اپنے فرزندِ ارجمند کے سر پر کمال شفقت سے ہاتھ پھیر رہے تھے اور خود بھی اشک ریز تھے اس کے بعد قوالوں نے یہ کافی گائی ؎

ذات تیںڈی ہے وو یار برحق مطلق　　ہر رنگ دے وچ وو توں ہیں ھو حق

پئے گئے پیچ اڑاں گے

اس کافی پر حضرتِ اقدس پر حال کا غلبہ ہوا اور بے حد جوش و خروش کے ساتھ آپ کے سینہ مبارک سے ہا ہا ہا کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس وقت آپ کی وہ حالت تھی کہ دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ غرضیکہ بہت دیر تک آپ پر وجد طاری رہا لیکن آپ نے کمال ضبط سے کام لیا اور کھڑے ہو کر رقص نہ کیا بلکہ بیٹھے ہوئے پیچ و تاب کھاتے رہے۔ عرس کے دوسرے روز جب مجلس سماع منعقد ہوئی تو قوالوں نے یہ دوہڑا پڑھا ؎

ماہی جھوک لدائی ویندا کلڑی ویندا اسٹی　　رانجھن نال چو پیندی ویساں کنئو رکھائی مٹی

اس کلام پر حضرتِ اقدس پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ خادم نے یکے بعد دیگرے تین رومال پیش کیے جو آپ دیدہ سے تر ہو گئے۔

اس کے بعد قوالوں نے یہ دوہڑہ گایا ؎

بھتے چاک تیںڈڑے میاں بابل ملنوں رانجھن جیہانہ کوئی

ہتھ ریٹا گل وچہ گانی مونڈھے سونڈے سوئی

اس چیز پر بھی آپ کو کافی گریہ ہوا۔

دیگر محفل سماع

۳؍ ذوالحج ۱۳۱۴ھ کو حضرتِ اقدس نے حضرت قبلہ عالم مہاروی قدس سرہٗ کا عرس منایا۔ جب محفل سماع مرتب ہو گئی تو حضرتِ اقدس کی اجازت سے قوالوں نے یہ غزل شروع کی ؎

عارفِ اسرارِ پنہا نیم ما　　حاکمِ اقلیمِ عرفا نیم ما

ماگدا یا نیم لیکن تاج بخش ہم بملک فقر سلطانیم ما
ہم بہ بتخانہ خدا را ساجدیم ہم بکعبہ بت پرستا نیم ما

اس کے بعد قوالوں نے یہ غزل گائی ؎

ترک من اے من غلام روئے تو جملہ ترکان جہاں ہندوئے تو

ان غزلوں پر مجلس میں بہت شور برپا ہوا اور صوفیائے باصفا پر وجد طاری ہوا چند ایک حضرات نے کھڑے ہو کر رقص کیا۔ حضرت اقدس پر ذوق وشوق کی حالت طاری رہی۔

اس کے بعد قوالوں نے حضرت امیر خسرو کی یہ غزل گائی ؎

دل زتن بردی و درجانی ہنوز درد ہا دادی و درمانی ہنوز
ملکِ دل کردی خراب از تیغ ناز وندریں ویرانہ سلطانی ہنوز
ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اس چیز پر بھی مجلس میں کافی ذوق وشوق رہا اور حضرت خواجہ صاحب پر گریہ طاری رہا۔ اس کے بعد قوالوں نے یہ دوہڑے شروع کئے۔

نون نیڑے پئی ڈس یار دی نحن حبل الورید کنوں
نیڑے وسدا تے ڈسدا نا ہیں گھنڈ کرے میری دید کنوں
یار اُریرے تے بھال پریرے میں کیویں ڈیکھاں بُعد کنوں
یار دی بات انوکھی حیدر باہر گفت وشنید کنوں

کر بسم اللہ صاحباں لیا سبق قرآن قامت مرزا یار دی لیسو الف پچھان
کتیاں اس الف تھیں وحدت آن ظہور جس دل ویداں بھالدی اس ول ڈسد انور

اس کلام پر بھی حضرت اقدس گریہ کرتے رہے اور ساری مجلس میں ذوق وشوق کی حالت طاری رہی۔ اس کے بعد سلام پڑھا گیا اور ختم کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔

دیگر محفل سماع

۱۰ ماہ ذوالحج ۱۳۱۴ھ حضرت خواجہ خدا بخش محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس تھا۔ قوالوں کی متعدد چوکیاں مختلف مقامات سے آئی ہوئی تھیں حضرت قطب الموحدین نے مجلس میں تشریف لا کر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور بچوں اور بے ریش

تیسری اجمیر شریف کے قوالوں کی اور چوتھی چوکی حضرت اقدس کے خاص قوال میاں برکت علی کی تھی۔ پہلے امام بخش نے یہ ڈوہڑا پڑھا ؎

پلکاں نال بوہاریساں انگن اے در چھوڑ نہ ویساں
توڑیں کوجھی کملی بے عملی جیندیں تائیں قول پلیساں

اس پر حضرت اقدس کو کچھ گریہ ہوا۔ اس کے بعد برکت علی نے قوالی شروع کی۔ پہلے اس نے یہ اشعار گائے ؎

فخر دیں آپ کو کس نام سے میں یاد کروں	باپ ہیں، پیر ہیں، مرشد ہیں خدا ہیں کیا ہیں
گھڑی ذات صفات کی سر سے دی اتار	تن من دھن اور شان سب گرُ پر وار دوں وار

اس کے بعد اس نے یہ غزل گائی ؎

اگر ز نازِ تو دل خستہ و حزیں دارم	بدیں خوشم کہ بتِ چوں تو نازنین دارم
مرا اگرچہ در دستِ غم فسردہ و ختہ	ہنوز داغِ غلامیت بر جبیں دارم

اس غزل پر حضرت اقدس پر بہت گریہ طاری ہوا اور دوسرے لوگوں پر بھی ذوق و شوق طاری رہا۔

دیگر محفل سماع

۶ محرم ۱۳۱۵ھ حضرت اقدس نے شیخ الشیوخ حضرت خواجہ گنج شکر کا عرس منایا۔ اکابر میں سے میاں فضل حق صاحب منگھروی، میاں نبی بخش صاحب ساکن مہر ملیوالہ، میاں غلام محمد صاحب قصوری و دیگر احباب موجود تھے۔ آغاز سماع حضرت خواجہ غلام فخر الدین اوحدی کی اس نعت سے ہوا ؎

اے مہِ خوش لقا سلام علیک	آفتاب ہدیٰ سلام علیک

اس کے بعد قوالوں نے یہ ڈوہڑا پڑھا ؎

بھلیاں بھاہ بھلیری سمجھو اساں بریاں دی آس تساہاں
توں ہیں مالک بریاں بھلیاں دا توں بن کون اساہاں
قسم تینڈی دل چاہے تینوں توں بھی چاہ کڈاہاں
خوشدل ہوسنگ بھلیاں دی گھت سچا سانگ اساہاں

لڑکوں کو محفل سے باہر نکال دیا۔ اور محفل خانہ کے دروازے بند کر دیئے۔ قوالوں نے حضرت مولانا احمد جام کی یہ غزل شروع کی ؎

منزلِ عشق از مکانے دیگر است	مرد ایں راہ را نشانے دیگر است
بر سرِ بازار صرافانِ عشق	زیر ہر دارے جوانے دیگر است
کشتگانِ خنجرِ تسلیم را	ہر زماں از غیب جان دیگر
احمدا تا گم نگردی ہوشیار	کیں جرس از کاروانے دیگر است

اس غزل پر صوفیانِ باصفا پر وجد طاری ہوا اور بعض نے کھڑے ہو کر رقص کرنا شروع کیا اس پر صاحبزادہ صاحب نے خادموں کی ایک قطار بنا کر رقص کرنے والوں اور حضرت خواجہ صاحب کے درمیان حائل کر دی تاکہ ان کی متابعت میں حضرت اقدس کو کھڑا نہ ہونا پڑے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد حضرت خواجہ صاحب پر حال کا ایسا شدید غلبہ ہوا کہ آپ کھڑے ہو گئے اور نہایت جوش و خروش کی حالت میں رقص کرنے لگے یہاں تک کہ ٹوپی سر سے گر گئی جو ایک خادم نے اٹھالی۔ جب حال کا غلبہ فرو ہوا تو آپ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد قوالوں نے یہ ڈوہڑا گایا ؎

جے آکھاں توں ڈسدا ناہیں تجھ بن کی ڈِسدا	جے آکھاں توں ڈسدا ایں پھر روپ ڈسانواں کسدا
اس بہروپیئے یار کنوں دل گاٹمن مول نہ وِسدا	جیسدا ظاہر باطن ڈیکھاں تو ظاہر باطن تِسدا

اس ڈوہڑے کے آخری مصرع پر حضرت خواجہ صاحب پر بہت گریہ طاری رہا۔ اس کے بعد حضرت اقدس کی اجازت سے ہماروی قوالوں نے یہ چیز شروع کی ؎

ہیں نہیں لائق صاحباں مرزا ہے لجپال	مرزا دی شان عظیم کوں جانن کی سیال

ان اشعار پر حضرت اقدس پر گریہ طاری رہا اس کے بعد مولود شریف پڑھا گیا اور ختم کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔

دیگر محفل سماع ۵ ربیع ماہِ جمادی الاول سنہ ۱۳۱۵ھ کو حضرت اقدس کے شیخ حضرت خواجہ غلام فخر الدین کا عرس تھا۔ بے شمار خلق خدا جمع تھی۔ قوالوں کی چار چوکیاں آئی ہوئی تھیں۔ ایک چوکی چاچڑاں شریف کے قوالوں کی تھی، دوسری شیدانی شریف

اس پر حضور اقدس پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ آپ کی آہ و فغاں سارے محفل خانہ میں سنائی دے رہی تھی۔ اور وہ جوش و خروش برپا تھا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ دوسرے اہلِ سلوک بھی مدہوش تھے۔

اس کے بعد قوالوں نے یہ ڈوہڑا پڑھا ؎

ناز تینڈا تے نیاز میںڈا اہن زائد شرح بیانوں ۔۔۔ عشق تینڈے وچ وِلڑی ہوئی فارغ سوڑ زیانوں

دستوں ساقی بھر بھر پیتم مئے ساغر عرفانوں ۔۔۔ سید پیر فرید لدھا تھیا فیض وڈا سبحانوں

اس پر حضرت اقدس پر پہلے سے بھی زیادہ وجد طاری ہوا اور با آوازِ بلند حضرت اقدس کے قلب سے ہا ہا ہا کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ باقی مجلس پر بھی از حد جوش و خروش طاری رہا اس کے بعد قاری نے ختم پڑھا اور دعا کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔

حضرت خواجہ صاحب کے ذوقِ سخن کی ایک اور مثال

ایک دفعہ حضرت اقدس شعراءِ متقدمین کے اعلیٰ و ارفع کلام پر بڑے ذوق و شوق سے تبصرہ فرما رہے تھے آپ نے فرمایا مولانا جامی کا کلام دوسرے حضرات کی بہ نسبت محافل سماع میں زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ ان کا کلام بھی خوب ہے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا جامیؒ کی غزلیات میں سے یہ اشعار پڑھے ؎

۱۔ حدیثے مشکل و سرّ یست مغلق ۔۔۔ کہ در کون و مکان کس نیست جز حق

۲۔ چو بندی از تصاریفِ شیوں چشم ۔۔۔ ترا مصدر نماید عین مشتق

۳۔ صوفی چہ فغاں است کہ من ایں الی این ۔۔۔ ایں نکتہ عیاں است من العلم الی العین

۴۔ مالحاصل فی البحر چہ گوئی سفرے کن ۔۔۔ چو خضر بجو گہر از مجمع بحرین

اس اہم اور ادق رباعی کی شرح

ترجمہ :- (۱) اس بات کا سمجھنا از حد مشکل ہے کہ کون و مکاں میں سوائے حق تعالیٰ کے دوسری کسی کا وجود نہیں۔

۲۔ اگر مختلف تجلیات ربانی کے ظہور پر تم نظر نہ کرو تو مصدر عین مشتق پاؤ گے۔ یعنی خلق کو خالق کا عین دیکھو گے،

۳۔ اے صوفی تم من این الی این (سفر کہاں سے کہاں تک ہے) پر کب تک سوچتے رہوگے یہ نکتہ من العلم الی العین سے عیاں ہے۔ یعنی اگر اس بات کو معلوم کرنا ہے کہ سالک کا سفر کہاں سے کہاں تک ہے تو من العلم الی العین یعنی علم الیقین سے عین الیقین تک پہنچو۔ یہ نکتہ خود بخود حل ہو جائے گا اور عین الیقین تک اس وقت تک رسائی نہیں ہوتی جب تک فنائے نفس کے بعد سلوک تمام کر کے مشاہدہ حق نصیب نہ ہو)

۴۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ سمندر سے کیا حاصل ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سفر کرو اور خضر کی طرح مجمع البحرین پر پہنچ کر گوہر مقصود حاصل کرو۔ مجمع البحرین سے مراد دو سمندروں کا یکجا ہونا ہے، یعنی بحرِ ہستی روح انسانی اور بحرِ ہستی باری تعالےٰ کا ایک ہو جانا۔)

یہ اشعار پڑھ کر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ شیخ شرف الدین قونوی نے شیخ صدر الدین قونوی کو خط لکھ کر دریافت فرمایا کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں:۔

"من این الی لاین وما لحاصل فی البحرین"

شیخ صدر الدین نے جواب میں لکھا کہ:۔

"من العلم الی العین والحاصل فی البحرین تجدد نسبۃ جامعۃ بین الطرفین ظاھرۃ بالحکمین"

(من العلم الی العین یعنی علم الیقین سے عین الیقین تک رسائی حاصل کرنا بذریعہ قائم کرنے نسبت جامعہ بین الطرفین یعنی دونوں طرفوں سے ایک من جانب سالک دوسرے من جانب ذاتِ باری تعالیٰ بہ تقاضائے حکمین یعنی دو حکموں کے تحت ایک حکم شریعت دوم حکم طریقت یا ایک حکم ظاہر دوم حکم باطن جس کا حصول مقام فنا و بقا ہے) اس شعر میں نسبت جامعہ سے مراد جامعیت ہے یعنی جب سالک کے لیے مقام فنا بقا بن جاتا ہے اور بقا فنا بن جاتا ہے تو قرب بُعد بن جاتا ہے اور عین وصال کی حالت میں سالک ھل من مزید کے نعرے لگاتا ہے اور بلند تر منازل حسن و جمال کا متلاشی ہوتا ہے۔ یا الحکمین کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ عروج اور نزول یعنی فنا و بقا دونوں حالتوں میں بیک وقت جامعیت برقرار رہتی ہے۔ آپ کے مصرعہ "جتقاں خود قرب ہے دوری" کا مطلب یہی نسبت جامعہ یا جامعیت ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس

نے یہ اشعار پڑھے ؎

اے جاودان بصورتِ اعیان برآمدہ گاہے نمودہ ظاہر وگہہ مظہر آمدہ
گاہش کشیدہ جاذبہ عاشق عنان باداغ عاشقانِ بلا پرور آمدہ
گاہش گرفتہ جلوہ معشوق آستین بر شکل دلبران پری پیکر آمدہ
بحر یست متفق کہ ز اوصافِ مختلف باران و قطرہ و صدف، و گوہر آمدہ

اس کے بعد حضرت شیخ نے یہ اشعار پڑھے ؎

اے ز ہمہ صورتِ خوب تو بہ صورک اللہ علی صورتہ
روئے تو آئینہ حق بینی است در نظرِ مردم خود بین ہنہ
بلکہ حق آئینہ و تو صورتی وہم دوئی را بہ میاں راہ مدہ
صورت از آئینہ نباشد جدا انت بہ متحد فانتبہ

اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

اے فسونِ چشم مست مایۂ دیوانگی آشنایانِ ترا از خویش ہم بیگانگی
شیوہ عاشق چہ داند زاہد خلوت نشین جلوہ طاؤس کے آید ز مرغ خانگی

ان تمام اشعار کی شرح اشاراتِ فریدی کے اردو ترجمہ میں موجود ہے۔
اس کے بعد فرمایا کہ سلطان الاولیاء آپ کے جدِ امجد حضرت قاضی محمد عاقل، پیر شیخ نور بخش اسیری کی غزلیات پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ آپ پر اکثر اس قسم کی غزلوں سے وجد طاری ہوتا تھا۔ اس وجہ سے کہ آپ پر محویت کا غلبہ تھا ؎

در مقام لی مع اللہ سیر نیست وحدتیست محض اینجا غیر نیست

حضرت قاضی صاحب کا رقص

فرمایا کہ ایک دفعہ مجلس سماع میں حضرت قبلہ سلطان الاولیاء پر اسیری کی اس غزل پر وجد طاری ہوا ؎

دلبر ما درمیانِ جان ماست جان زغفلت ہر طرف در جستجوست

حالتِ وجد میں آپ کھڑے ہو گئے اور رقص کیا۔ آپ کمالِ ذوق و شوق کی حالت

میں فرما رہے تھے کہ ؎

"دلبرِ ما خود یقیں ایں جانِ ماست"

چونکہ آپ کی مجلس سماع میں بڑے بڑے علماء و فضلاء موجود تھے۔ حضرت شیخ کے ان الفاظ پر سب حیران تھے کہ آپ نے کیا کہہ دیا ہے ان کے دل کی بات معلوم کر کے آپ نے اسی مجلس اور اسی حالتِ رقص میں گویا جواب کے طور پر فرمایا ؎

من نے گویم انا الحق یار میگوید بگو ‏ ‏ چوں نگویم چوں مراد لدار میگوید بگو

یعنی جو کچھ میری زبان سے سرزد ہُوا ہے مَیں از خود نہیں کہہ رہا بلکہ دوست کہہ رہا ہے۔ کہ کھو اس کے بعد فرمایا کہ ساری عُمر میں حضرت سلطان الاولیاء کی زبان سے یہی ایک کلمۂ شطح صادر ہُوا۔

حضرت خواجہ خدا بخش محبوبِ الٰہی کا رقص

اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ پر اگرچہ بے شمار بار وجد طاری ہوا لیکن تین دفعہ ایسا شدید وجد طاری ہُوا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک دفعہ آپ کوٹ مٹھن شریف میں حضرت سلطان الاولیاء کا عرس منا رہے تھے۔ محفل سماع میں آپ کو ایک شعر پر اس قدر شدید حال آیا کہ آپ کی زبان مبارک باہر نکل آئی تھی اور آپ بالکل بے خودی کی حالت میں کھڑے ہو کر رقص کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ فخر الاولیاء نے قوالوں کو گانے سے منع کر دیا لیکن آپ بدستور آہ و فغاں کرتے رہے اور زار زار روتے رہے۔ علاج معالجہ کیا گیا اور کافی دیر کے بعد آپ کا غلبۂ حال فرو ہُوا۔

دوسری بار پاکپتن شریف میں اس شعر پر آپ پر وجد طاری ہُوا ؎

بنرا تم کون ہو رے جس نے جگت برمایا

(بنرا بمعنی دولہا۔ یعنی اے دولہا تم کون ہو جس نے سارے جہان کو غم عشق میں مبتلا کر رکھا ہے) کثرتِ گریہ سے آپ کی حالت یہ تھی کہ ڈاڑھی مبارک کے ہر بال سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی۔ طرفہ یہ کہ عین آہ و فغان کی حالت میں آپ کا چہرہ مبارک نہایت بشاش تھا اور غایتِ انبساط سے آپ کے دندانِ مبارک موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آ رہے تھے

کامل چار گھنٹے تک یہ حالت قائم رہی۔

تیسری بار کوٹ شریف میں حضرت سلطان الاولیاء کے عرس کے موقعہ پر ان اشعار پر آپ پر وجد طاری ہوا ؎

سنبل بے تاب لالہ سیاہ مست نیاز   یک جلوہ زاں جمال بگلزار آمدہ

اور چاشت سے لے کر ظہر تک آپ رقص میں مشغول رہے۔ آپ اکثر چاشت کے وقت سے سماع شروع کرکے دوپہر کے وقت ختم کیا کرتے تھے لیکن اس روز نماز ظہر کا وقت آگیا یہ دیکھ کر آپ کے خادم خاص جُندو نے عرض کیا کہ قبلہ نماز ظہر کا وقت آگیا ہے لیکن حضرت شیخ نے ایک نہ سنی اور بدستور رقص کرتے رہے۔ ایک گھنٹے کے بعد خادم نے پھر عرض کیا کہ قبلہ نماز ظہر کا وقت اب فوت ہونے والا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اسی مجلس میں کعبہ رو ہو کر نمازِ ظہر ادا کی اور نماز سے فارغ ہو کر مجلس میں بیٹھ گئے ختم پڑھا گیا اور مجلس برخاست ہوئی۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی ساری عمر میں صرف ایک دفعہ حالت وجد میں مجلس سے باہر نکل گئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن مشائخ میں سے ایک بزرگ کے عرس کے موقع پر محفلِ سماع میں شریک تھے۔ ایک شعر پر آپ پر وجد طاری ہوگیا اور کھڑے ہو کر آپ رقص کرنے لگے۔ اسی حالت میں آپ مجلس سے باہر چلے گئے اور اندرونِ خانہ جا کر میرے شیخ کی والدہ کے پاس جاکر پلنگ پر بیٹھ گئے لیکن بات بالکل نہ کی۔ خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے بعد اٹھ کر میری والدہ کے گھر چلے گئے اور پلنگ پر خاموش بیٹھے رہے۔ وہاں سے اٹھ کر دوبارہ مجلس میں آئے اور رقص کرنے لگے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ حضرت فخر الاولیاء فرمایا کرتے تھے کہ ہر سالک کو چاہیئے کہ ایک قوال شب و روز اپنے ساتھ رکھے۔ خواہ اسے ملازم رکھ لے خواہ ویسے صحبت میں رکھے بہر حال حتی المقدور قوال ہر وقت ساتھ ہونا چاہیئے کیونکہ سماع میں بے حد تاثیر ہے۔ فرمایا حضرت خواجہ محمد سلیمان قدس سرہٗ میاں احمد قوال کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اکثر سفر میں آپ اسے اپنے پیچھے سواری پر بٹھاتے تھے۔

دیگر مجلس سماع:۔ ۲۳ر جمادی الاول ۱۳۱۶ھ کو حضرت خواجہ فخر الاولیاء

کا یوم عرس تھا۔ مجلس سماع میں حضرت اقدس کے ساتھ صاحبزادہ قطب الموحدین شریک تھے دیگر صوفیاء و فقراء کا بھی ہجوم تھا۔ سب سے پہلے برکت علی نے خالی ستار بجایا جس پر حضرت اقدس کو حال آگیا۔ آپ نے جوش و خروش کی حالت میں سر مبارک دائیں بائیں ہلایا جس سے ٹوپی سر مبارک سے گر گئی۔ لیکن اس وقت آپ خاموش تھے۔ آہ و فغان اور گریہ زاری نہ تھی۔ بعد میں قوال نے یہ شعر گایا ؎

کدام کس کہ ترا دید بے قرار نشد | کدام دل کہ تو غمزہ زدی فگار نشد

اس کے بعد برکت علی نے یہ غزل شروع کی ؎

سوزِ دل از ترانۂ ماموج مے زند | بے خوابی از فسانۂ ما موج میزند

آں آتشے کہ پنبۂ حلاج رالبسوخت | در خار آشیانۂ ماموج مے زند

آئینہ وار جلوۂ آں نور مطلقیم | ایں بحر در کرانۂ ماموج مے زند

آں بادۂ طہور کہ در آب کوثر است | در ساغرِ شبانۂ ماموج مے زند

کردیم شرح حسن تو در ہر طرف رواں | انوار در زمانۂ ماموج مے زند

آں بادہ کہ در سرِ منصور در گرفت | نیز از شراب خانۂ ماموج مے زند

اس غزل پر آپ کا حزن و ملال، فرحت و انبساط میں تبدیل ہوگیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ بلند سے بلند تر مقام پر پہنچ گئے اور آنکھوں میں خمار کی سی حالت پیدا ہوگئی۔ قوال آخری تین شعر کا وِرد کرتا رہا۔ اور آپ گریہ زاری کی بجائے تبسم دلربا سے غایتِ فرحت و انبساط کے ساتھ کلام سنتے رہے۔ یاد رہے کہ چونکہ یہ کلام توحید اور فنائیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضرت اقدس پر بھی فنا کا غلبہ ہوا اور استغراق ذاتِ بحت کی وجہ سے سمندر کی پہنائی و وسعت میں چلے گئے اور طبیعت میں سکون آگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک علاج ہے، جذب و حال اور بے قراری رفع کرنے کا۔ اسی حالت کا نام حضرت اقدس نے اپنے کلام میں "دریا نوشی" رکھا ہے۔ بمصداق کافی ؎

توڑین جو دریا نوش ہین
پرجوش بھی خاموش ہین

دیگر محفل سماع اور شدید غلبۂ حال

۲۷ ماہ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ کو حضرت مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ کا تیسرا یوم عرس تھا تمام علماء، فضلاء، خلفاء، و مریدین حاضر تھے۔ امام بخش قوال نے یہ غزل گائی ؎

دایم یوسفے کہ بخوابش ندیدہ کس — در دیدہ بر گرفتہ نقابش ندیدہ کس

چندیں ہزار خانہ دل خراب کرد — وز عاشقانِ خانہ خرابش ندیدہ کس

اس چیز پر حضرت اقدس پر شدید گریہ طاری ہوا خصوصاً اس وجہ سے کہ ہجر کا کلام ہے۔ دوسرے صوفیا، باصفا اور اہلِ مجلس پر بھی حال کا غلبہ رہا۔ قطب الموحدین حضرت صاحبزادہ صاحب پر بھی گریہ طاری تھا۔

اس کے بعد قوالوں نے یہ غزل شروع کی ؎

آں کانِ حسن بود نہ بود از جہاں نشان — الآن آں عرفت علی ما علیہ کان

ان اشعار کا پڑھنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب پر کیفیت کا شدید غلبہ ہوا اور آپ نے کھڑے ہو کر رقص شروع کر دیا۔ وجد کا غلبہ اس قدر تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس سے ساری مجلس میں آہ و فغاں کے نعرے بلند ہوئے حتیٰ کہ قوالوں پر بھی گریہ طاری تھا۔ حضرت اقدس پر کافی دیر تک وجد طاری رہا۔ حالت فرو ہونے کے بعد حضرت اقدس نے سجدہ کیا اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ خادم نے آپ کو ٹوپی پہنائی۔ لیکن آپ پر دوبارہ حال کا غلبہ ہوا اور کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ کوئی نصف گھنٹہ رقص کرنے کے بعد آپ نے سجدہ کیا اور بیٹھ گئے۔ خادم نے پھر ٹوپی پہنائی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ پر پھر حال کا غلبہ ہوا اور کھڑے ہو کر رقص میں مشغول ہو گئے۔ نصف گھنٹہ رقص کرنے کے بعد آپ نے سجدہ کیا اور بیٹھ گئے۔ اسی طرح کئی بار آپ رقص کرتے کرتے بیٹھ جاتے تھے اور پھر کھڑے ہو کر رقص کرتے تھے۔ آپ کے وجد و رقص کی وجہ سے پوری مجلس میں جو جوش موجزن تھا۔ اس کا بیان مشکل ہے۔ اس سے پہلے یہ سماں کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ یاد رہے کہ یہ واقعہ حضرت اقدس کے وصال سے تقریباً ایک سال پہلے کا ہے۔ جس وقت آپ کی عمر ۷۵ سال تھی۔ اس عمر میں اور ولایت کے اس آخری مقام پر اس قدر گریہ و زاری اور وجد و رقص کا ہونا ثبوت ہے اس بات

کا کہ زندگی کے آخری سال میں بھی آپ پر عبودیت غالب تھی۔ جو شان بقا باللہ کا خاصہ ہے۔

باب ہفتم

وحدت الوجود

توحید متاعیست کہ بردار فروشند　　　گل نیست کہ در کوچہ و بازار فروشند

اب ہم حضرت خواجہ صاحبؒ کے مسلکِ وحدت الوجود پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ وحدت الوجود ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے متعلق امت میں بلکہ امت سے باہر دیگر اربابِ ملل و نحل یعنی اربابِ مذہب اور معقولات کے مابین بھی کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ نہایت ہی ادق اور مشکل ہے اور مشکل اس لیے ہے کہ اس کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے جس کی کُنہ تک آج تک نہ کوئی پہنچا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ غیر محدود اور انسانی عقل محدود ہے۔ اور محدود (FINITE) کے لیے غیر محدود (INFINITE) کا سمجھنا محال ہے۔

عقلی ثبوت

انسانی دماغ یا عقل میں صرف اتنی قابلیت ہے کہ جزوی طور پر ذات و صفاتِ حق تعالیٰ کا اسے کچھ نہ کچھ علم ہو سکتا ہے۔ اس علم کی بنا پر اربابِ عقل و دانش نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی مختلف جھلکیاں دیکھی ہیں اور اس کے متعلق مختلف نظریات قائم کیے ہیں جو اکثر و بیشتر آپس میں متصادم ہیں اس وجہ سے کہ ہر شخص کی عقلی استعداد مختلف ہے۔ لیکن قرآنِ عظیم نے عقلی ثبوت کے علاوہ معرفتِ حق کے دو اور طریقے بتائے ہیں۔ ایک قانونِ شہادت، دوسرا وجدان۔ قانونِ شہادت کا مطلب یہ ہے کہ۔

قانونِ شہادت

چونکہ اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات کا کما حقہٗ سمجھنا انسانی عقل کی حد سے باہر ہے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام جن کو ان کی بلند روحانی استعداد کے مطابق معرفتِ حق حاصل ہوتی ہے کی شہادت کے ذریعے لوگوں

کو یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی برحق ہے اور اس کی ذات وصفات کی کیفیت اور ماہیت کیا ہے۔ قانونِ شہادت کی اہمیت عقلی ثبوت سے اس لیے بڑھ کر ہے کہ محدود عقل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا جو تصور دل میں قائم ہو سکتا ہے اس کی حیثیت ایک بت کی ہو گی جو کسی عقل کی اختراع ہو گا۔ لیکن وہ خدا ہی کیا جو عقل میں آسکے۔ اس کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہو کر آنا اور ذات وصفات باری تعالیٰ کی کیفیت بیان کرنا زیادہ صحیح اور زیادہ قابلِ اعتبار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان کو ذاتِ حق سے زیادہ قرب اور زیادہ معرفت حاصل ہے۔ اب ساری دنیا کے کاروبار کی بنیاد ان دو قسم کے ثبوتوں پر ہے یعنی عقلی دلائل اور قانونِ شہادت۔ یہ قانونِ شہادت دراصل ایمان بالغیب ہے۔ آپ ڈاکٹر کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ میرے سر میں درد ہے دوائی دیجئے۔ اب اگر ڈاکٹر آپ سے سر کے درد کا ثبوت طلب کرے تو آپ کیا جواب دیں گے۔ لیکن ڈاکٹر ثبوت نہیں طلب کرتا بلکہ آپ کی شہادت کے ذریعے غیب پر ایمان لاتا ہے۔ اس طرح عدالتوں کے عام کاروبار قانون، استدلال اور قانونِ شہادت پر مبنی ہیں اگر ان دو اصولوں کو غیر معتبر قرار دیا جائے تو ہم ایک انچ آگے نہیں جا سکتے اور ایک لمحہ زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے قرآنِ عظیم نے بھی ذات وصفاتِ حق تعالیٰ کے متعلق لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے یہ دو طریقے استعمال کیے ہیں۔

طریقِ وجدان

بلکہ اس سے بڑھ کر ایک اور طریقہ اختیار کیا ہے جسے وجدان کہا جا سکتا ہے۔ عقل جسمانی چیز ہے اور وجدان کا تعلق روح سے ہے ہر شخص کی روح مسلمان ہونے کے علاوہ عارف بھی ہے۔ وجدانی طور پر ہر شخص حق تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہے اور اسے حسبِ حیثیت معرفتِ حق بھی حاصل ہے لیکن چونکہ دماغ محدود ہے اس لیے وہ وجدان کو علم کی صورت میں لا کر ظاہر نہیں کر سکتا بلکہ اکثر اوقات واجد یا صاحبِ وجدان کو یہ شعور بھی نہیں ہوتا کہ اسے معرفت یا مشاہدہ حق حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کی مثال تو آفتابِ عالم تاب بلکہ خالقِ آفتاب کی ہے وہ ہرگز چھپ نہیں سکتا۔ وہ خدا ہی کیا جو پردوں کے پیچھے چھپ سکے۔ اس لیے عرفاء کا کہنا ہے کہ حق تعالیٰ

شدتِ قرب اور شدتِ ظہور کی وجہ سے نظر نہیں آتے ورنہ وہ تو ہر جگہ ڈھنڈھنا کر موجود ہیں۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن۔ اول بھی وہی ہے آخر بھی وہی ہے ظاہر بھی وہی ہے باطن بھی وہی ہے چنانچہ وجدانی یا روحانی بصیرت سے ہر شخص کو اس کی اپنی اپنی روحانی استعداد کے مطابق معرفت حق حاصل ہے لیکن سوائے خاص لوگوں کے اس کا احساس و شعور نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کو کچھ احساسات بھی ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس ان احساسات کے بیان کے لیے زبان نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اقبال نے نیٹشے کے متعلق فرمایا ہے ؎

قلب او مومن دماغش کافر است

اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کا قلب مومن ہے۔ اگر قلب کے ساتھ کسی شخص کا دماغ بھی مومن ہو جائے تو وہ سونے پر سہاگہ ہے ورنہ بھٹکا پھرتا ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے دل و دماغ دونوں مومن اور عارف ہوتے ہیں ان کو معرفتِ حق بذریعہ اتم حاصل ہوتی ہے۔ انبیاء اور اولیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کو پیدائشی اور وہبی طور پر معرفت حق حاصل ہوتی ہے اور اولیاء کو کسبی طور پر یعنی کوشش سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔

اس کوشش کا دوسرا نام مجاہدہ نفس سلوک الی اللہ یا طریقت و تصوف رکھا گیا ہے سلوک الی اللہ کیا ہے مجاہدات و ریاضات اور عشق کے ذریعے نفسانی خواہشات کو کمزور اور روحانی قویٰ کو قوی بنایا جاتا ہے جس سے بمصداق کل شیئ یرجع الی اصلہ (ہر چیز اپنی اصل کی طرف جاتی ہے) روح انسانی نفسانی آلائش سے پاک ہو کر حق تعالیٰ کے قرب و معرفت کے قابل ہو جاتی ہے اور ذاتِ حق کا صحیح تصوّر قائم کیا جاسکتا ہے۔

حقیقت وحدت الوجود

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم قارئین کو وحدت الوجود کی حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق آج تک جس قدر لوگوں نے بیان دیئے ہیں وہ سب کے سب عارف تھے یا غیر عارف۔ ممکن ہے فلاسفروں کو بھی حق تعالیٰ نے دماغی قابلیت کے علاوہ وجدانی قابلیت سے نوازا ہو اور انہوں نے قلب اور دماغ

دونوں کے انکشافات کی بنا، پر بیان دیئے ہوں بہرحال ذات حق کے متعلق دنیا میں مختلف نظریات اور مختلف تصورات گشت کر رہے ہیں۔

نظریۂ تنزیہہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حق تعالیٰ اس کائنات سے ماوری ہے اس نظریہ کو یورپ میں ٹرانسینڈینس (TRANSCEDANCE) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نظریۂ تشبیہ بعض کے نزدیک خالقِ کائنات اسی کائنات کے اندر موجود ہے۔ اس سے باہر نہیں ہے یورپ میں اس کا نام امیننس (IMMANANCE)

نظریۂ ہمہ اوست یا وحدت الوجود بعض کا خیال ہے کہ حق تعالےٰ کائنات میں بھی ہے اور کائنات سے باہر بھی ہے اور کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اس کو وحدت الوجود یا ہمہ اوست کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یورپ میں اسے پینھتی ازم (PANIHEISM) کہتے ہیں۔ بعض لوگ (PANENTHEISM) کے قائل ہیں (PANTHEISM) کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا وجود خدا کا وجود ہے اور (PANENTHEISM) کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز خدا کے وجود میں ہے۔

نظریۂ استویٰ علی العرش بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حق تعالےٰ کائنات سے ماوریٰ آسمانوں سے بھی اوپر عرش پر مقیم ہے۔ یہ امام ابن تیمیہ کا عقیدہ ہے جو ٹرانسینڈینس سے قریب تر ہے۔ ان کے اس عقیدے کی بنیاد آیہ الرحمن علی العرش استویٰ، ہے۔ اس سے متکلمین حضرات نے امام موصوف پر تجسیم اور محدودیت کے الزام لگائے ہیں بالفاظ ذیل اس عقیدہ سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور وہ محدود ہے۔ کیونکہ جب یہ تصور قائم کر لیا جائے کہ حق تعالےٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر بیٹھے ہیں تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ وہ کسی صورت اور جسم میں موجود ہے اور یہ کہ صرف عرش پر بیٹھے ہیں باقی کسی جگہ موجود نہیں ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی ذات، وجود یا ہستی محدود ہے۔ کیونکہ جو ہستی ایک جگہ پر ہو اور باقی تمام جگہ اس سے خالی ہو تو وہ لازماً محدود ہو جاتی ہے اس وجہ سے امام موصوف کے خلاف شدید مخالفت کے بادل چھا گئے۔ لیکن وہ اپنے عقیدہ پر ڈٹے

رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بقول ان کے اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے تو پھر حلول و اتحاد لازم آتا ہے جو کفر ہے۔

حقیقتِ حلول و اتحاد

حلول کا مطلب یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ تمام موجودات میں حلول کیے ہوئے جیسے پانی میں نمک یا شکر۔ عیسائی اور ہندو مذاہب میں یہ عقیدہ عام ہے۔ عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی شکل میں ظاہر ہوئے اور ہندو کہتے ہیں کہ کرشن اور رام اللہ تعالیٰ کے اوتار تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان میں اتر آئے تھے۔ یورپ میں اس نظریہ کا نام انکارنیشن (INCARNATION) ہے۔

اتحاد کا مطلب ہے دو چیزوں کا یکجا جمع ہونا۔ شریعت اسلامیہ میں حلول و اتحاد دونوں حرام ہیں اس وجہ سے کہ ذات باری تعالیٰ قدیم ہے اور مخلوق حادث۔ نہ قدیم حادث ہو سکتا ہے نہ حادث قدیم۔

وحدت الوجود سے حلول لازم نہیں آتا

وحدت الوجود کے قائل علمائے اسلام نے امام ابن تیمیہؒ سے مناظرے کیے اور بتایا کہ وحدت الوجود سے حلول و اتحاد لازم نہیں آتا کیونکہ حلول و اتحاد کے لیے تعدد وجود لازمی ہے لیکن یہاں سرے سے غیر کا وجود ہی نہیں ہے جو وجود ہے وہ وجودِ حق ہے۔ باقی موجودات کا وجود اضافی (RELATIVE)، وہمی (IMMAGINARY) اور اعتباری یا ظلی اور عکسی ہے۔ جس طرح آئینہ میں زید کا عکس یا کسی چیز کا سایہ۔

امام ابن تیمیہؒ کے عرش کے محدود معنی

ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے عرش و کرسی کے محدود معنی لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وسع کرسیہ السمٰوٰات والارض (عرش و کرسی میں تمام کائنات شامل ہے) لہٰذا آیہ الرحمٰن علی العرش استوٰی کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ضرور ہے لیکن اس عرش میں ساری کائنات شامل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف اوپر کی سمت میں آسمانوں کے اوپر عرش پر مقیم نہیں ہے بلکہ اوپر نیچے دائیں اور بائیں آگے پیچھے ہر جگہ موجود ہے۔

عقیدۂ استویٰ علی العرش عام علم جغرافیہ کی رو سے بھی غلط ہے

عقیدہ استویٰ علی العرش سائنس

اور علم جغرافیہ کی رو سے بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے اور پرائمری کے بچے بھی جانتے ہیں کہ زمین گول ہے اور فضا میں معلق ہے بلکہ متحرک ہے اور دو قسم کے چکر لگا رہی ہے ایک چکر وہ اپنے محور کے گرد لگاتی ہے جس سے دن اور رات اور اوقات پیدا ہوتے ہیں دوسرا چکر سورج کے گرد لگا رہی ہے جس سے ماہ و سال اور موسم پیدا ہوتے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ برِّ اعظم ایشیا کرۂ ارض کی جس سمت پر واقع ہے۔ برِّ اعظم امریکہ اس کی مخالف سمت پر واقع ہے۔ اس لیے جب ہمارا دن ہوتا ہے امریکہ میں رات ہوتی اور جب ہماری رات ہوتی امریکہ میں دن ہوتا ہے اور یہ کہ جو ہماری اوپر کی سمت ہے وہ امریکہ میں نیچے کی سمت ہے اور جو ہماری نیچے کی سمت ہے وہ امریکہ کے لیے اوپر کی سمت ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اوپر کی جانب عرش پر مقیم ہے تو امریکہ والوں کے نزدیک وہ نیچے کی سمت ہوگی جو ہمارے پاؤں کی طرف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سمت اور مکان و زمان سب اعتباری اور اضافی ہیں حقیقت میں ان کا وجود ہی نہیں ہے۔ سورج اور زمین کے وجود میں آنے سے مکان و زمان وجود میں آئے۔ اس سے پہلے نہ مکان تھا نہ زمان۔ اللہ ہی اللہ تھا۔ کان اللہ ولم یکن معہ شیئ (اللہ تھا اور اس کے سوا اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی حدیث) نیز فرمایا اَلْاٰنَ کما کان (اب بھی اللہ اسی طرح ہے جس طرح پہلے تھا) یعنی اب بھی اس کے سوا کسی اور چیز کا وجود نہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ عقیدہ استویٰ علی العرش سائنس اور جغرافیہ کی رو سے بھی صحیح نہیں۔

تمام عقائد میں سے عقیدۂ وحدت الوجود صحیح ترین ہے

اب چونکہ قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو لامحدود اور لاانتہا کہا گیا ہے اور چونکہ وحدت الوجود کے سوا تمام مذکورہ بالا عقائد کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات محدود ہو جاتی ہیں اس لیے لازماً یہی

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عقیدۂ وحدت الوجود حق ہے۔

بُت پرستی کیوں حرام ہے

وحدت الوجود کو حق تسلیم کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا کے سوا کسی اور کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ سب خدا کا وجود ہے تو پھر بت پرستی کیوں ممنوع ہے اس کا جواب یہ ہے۔ بت خدا نہیں بلکہ خدا سے جدا نہیں ہے مثال کے طور پر زید کا ہاتھ زید نہیں ہے لیکن زید سے جدا نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر زید کا ہاتھ نہ زید کا عین نہ غیر۔ چنانچہ عارفین حضرات کا قول بھی یہی ہے کہ صفات اللہ ھی لا عینہ ولا غیرہ (اللہ تعالیٰ کی صفات نہ اس کا عین ہیں نہ غیر) اس لیے بت کو خدا ماننے سے زید کے ہاتھ کو زید تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ دنیا میں کوئی بیوقوف سے بیوقوف ایسا نہ ہوگا جو زید سے رقم طلب کرتے وقت اس کے ہاتھ کو مخاطب کر کے کہے کہ مجھے زید کی جیب سے رقم نکال دو۔ لیکن عارفین کے نزدیک زید اور اس کے ہاتھ کی مثال بھی اللہ تعالیٰ پر صادق نہیں آتی ہے اس وجہ سے وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔ لیس کمثلہ شیئ ٔ

خالق و مخلوق کا تعلق

مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ اپنی کتاب لوائح جامی میں فرماتے ہیں کہ خالق کا مخلوق سے جو تعلق ہے وہ نہ ایسا تعلق ہے جو جزو کا کل سے ہے نہ وہ تعلق ہے جو ظرف کا مظروف سے ہے بلکہ یہ تعلق صفت و موصوف کا تعلق ہے اور لازم و ملزوم کا تعلق ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں :۔

"مراد باندراج کثرتِ شیون در وحدتِ ذات نہ اندراج جزو است در کل یا اندراج مظروف در ظرف اندراج اوصاف و لوازم است در موصوف و ملزوم "

نیز لائحہ نمبر ۱۵ میں فرماتے ہیں :۔

" صفات غیر ذات اند من حیث ما یفھمہ العقول و عین ذات اند من حیث التحقق والحصول "

(یعنی صفات حق تعالیٰ کا غیر ہیں فہم عقل کے اعتبار سے اور عین ہیں حقیقت و

وصول (فنا) کے اعتبار سے)

اب چونکہ کائنات حق تعالیٰ کی صفت تخلیق کا ظہور ہے اس لیے ایک اعتبار سے عین حق ہے اور ایک اعتبار سے غیر حق ہے۔ اگر صفت کو موصوف کا عین سمجھا جائے تو کائنات عین حق ہے اگر غیر سمجھا جائے غیر حق ہے۔ بس نقطۂ نگاہ کا فرق ہے ایک لحاظ سے عین ہے ایک لحاظ سے غیر ہے جس طرح ایک کتاب اپنے مصنف کی صفتِ علم کا مظہر ہے اگر صفتِ علم کو مصنف کا عین کہا جائے تو کتاب مصنف کی عین ہے اگر غیر کہا جائے تو غیر ہے۔ صرف نقطۂ نگاہ فرق ہے یہی وجہ ہے کہ عارفین حضرات نے فرمایا ہے کہ :-

صفات اللہ ھی لا عینہ و لا غیرہ

زید کے ہاتھ کی طرح نہ کائنات حق تعالیٰ کا عین ہے نہ غیر۔ لیکن ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ کائنات کو حق تعالیٰ کا عین تسلیم کرنے سے کائنات کی کسی چیز کو خدا نہیں کہہ سکتے اور نہ بت پرستی جائز ہے کیونکہ یہ زید کے ہاتھ کو زید تسلیم کرنے اور زید کی بجائے زید کے ہاتھ سے رقم طلب کرنے کے مترادف ہے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی مجلس میں کسی نے دریافت کیا کہ جب وحدت الوجود حق ہے اور ذاتِ حق سے کوئی چیز باہر نہیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ ہر چیز میں اپنی جمیع صفات کمال کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ ذاتِ حق جمیع صفات کے ساتھ ہر چیز میں موجود نہیں اس وجہ سے کہ ادنیٰ اشیاء میں یہ استعداد نہیں ہے کہ جمیع صفاتِ کمال کی متحمل ہو سکیں۔ اس لیے تعیّن پرستی یا بت پرستی حرام ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ چونکہ انسان کا قلب عام اشیاء سے زیادہ استعداد کا مالک ہے اس لیے حق تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا کسی حد تک متحمل ہو سکتا ہے لیکن جملہ صفات کمال کا کلی طور پر ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ اسی استعداد کی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت یعنی خلافتِ ارضی کو آسمان (یعنی آسمان والے فرشتے) اور زمین پہاڑ وغیرہ کے پیش کیا تو سب نے انکار کر دیا اور متحمل ہونے سے اقرارِ عجز کیا۔ وحمل الانسان انہ کان ظلوما جھولا (اور انسان نے قبول کر لی) اس وجہ سے وہ ظلومی اور جھولی تھا) فرشتے اس لیے

منصب خلافت قبول نہ کر سکے کہ وہ سراپا نور تھے۔ زمین اور پہاڑ اس لیے قبول نہ کر سکے کہ وہ سراپا ظلمت تھے۔ لیکن چونکہ حضرت انسان روح اور جسم کا مجموعہ تھا اس کا ایک پہلو نورانی تھا اور ایک ظلمانی۔ اس وجہ سے وہ ذات و صفات کا عکس قبول کرنے کے لیے مکمل آئینہ کی صلاحیت رکھتا تھا۔ انہ کان ظلوما جہولا۔ سے مراد یہ نہیں کہ وہ ظالم اور جاہل تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی ایک طرف نورانی تھی اور ایک طرف تاریک اس لیے وہ آئینۂ حق نما بن سکتا تھا یا بن چکا تھا جس میں بمصداق حدیث کنت کنزاً مخفیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (میں حسن و کمال و کمال کا مخفی خزانہ تھا مجھے خواہش ہوئی یا عشق ہوا کہ پہچانا جاؤں یعنی محبت کیا جاؤں اس لیے میں خلقت کو پیدا کیا)، حق نمائی کی صلاحیت تھی۔ آیت مذکور کے سیاق و سباق پر غور کیا جائے تو کلماتِ ظلوماً جہولاً ستائشی ہیں نہ کہ الزامی۔

کیا غنا و وجوب ذاتی میں کاملین شریک ہو سکتے ہیں

ایک دفعہ مولانا رکن الدینؒ جامع ملفوظات نے عرض کیا کہ قبلہ! کیا حق تعالےٰ کی صفت وجوب ذاتی و غنائے ذاتی میں کاملین شریک ہو سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک انسان اپنی ہستی پر قائم ہے اسے غنا اور وجوب ذاتی میسر نہیں آتا۔ جب وہ محو ہو گیا تو اس کی صفات صفات حق ہو جاتی ہیں نہ وہ رہتا ہے نہ اس کی صفات، اور وجوب و غنائے ذاتی اسی طرح حق تعالیٰ کی صفات رہ جاتی ہیں۔ جس طرح پہلے تھیں۔ نہ کہ انسان کی۔ آپ نے فرمایا کہ انسان ممکن ہے اور حق تعالیٰ واجب واجب کا وجود غیر کا محتاج نہیں۔ ممکن کا وجود غیر کا محتاج ہے۔ ممکن (انسان)، واجب (حق)، نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ اپنے علم میں اپنے آپ کو واجب میں فانی سمجھے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کائنات ایک کھیل ہے اور تماشا ہے۔ جو حق تعالیٰ نے اپنا حسن و جمال دیکھنے کی خاطر پیدا فرمایا ہے۔ اس کھیل کی بنیاد اثنینیت (دوئی یا کثرت)، پر موقوف کیا ہے۔ اور اثنینیت کیا ہے امکانیت (ممکن ہونا)، ہے۔ جب تک یہ کھیل باقی ہے امکانیت اور دوئی بھی لازم ہے۔ اگرچہ اثنین (انسان)، اپنے علم میں جانتا ہے کہ میں واحد ہوں (یعنی مقام فنا فی اللہ میں)، اس وجہ سے کہ اثنین کا وجود واحد سے ظاہر ہوا اور حقیقت اثنین عین

حقیقت واحد ہے پھر بھی انسان کا تعین باقی رہتا ہے۔

مولانا جامی کی تصریح

اس مضمون کے متعلق مولانا جامی لائحہ ۲۳ میں فرماتے ہیں:۔
"حقیقت وجود اگرچہ بر جمیع موجودات ذہنی و خارجی مقول و محمول مے شود۔ اما او را مراتب متفاوت است۔ بعضہا فوق بعض۔ و در ہر مرتبہ اسامی وصفات (اسماء وصفات) ونسبُ اعتبارات مخصوصہ است کہ در سائرُ مراتب نیست۔ چوں در رتبۂ الوہیت و ربوبیت و مرتبۂ عبودیت وخلقیت۔ پس اطلاقِ اسامئ مرتبہ الوہیت و ربوبیت مثلاً اللہ و رحمٰن بر مراتب کونیہ عین کفر و محض زندقہ باشد۔ وہمچنیں اطلاقِ اسامی مخصوصہ کونیہ بر مرتبہ الہیہ غایتِ ضلالت و نہایتِ خذلان باشد ؎

اے گماں بردہ کہ صاحبِ تحقیقی — واندر صفت صدق ویقین صدیقی
از ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد — گر حفظِ مراتب نکنی زندیقی

مولانا جامی کے قول کی شرح خواجہ صاحب کی زبانی

لائحہ مذکور کی شرح حضرت خواجہ صاحبؒ نے اشاراتِ فریدی کی جلد چہارم مقبوس ۳۳ میں یوں فرمائی ہے:
"اگر ہم یہ کہیں کہ زید حضرت وجود ہے تو جائز ہے یا یہ کہیں کہ گھوڑا وجود ہے تو جائز ہے یا درخت وجود ہے پہاڑ وجود ہے تو جائز ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زید حیوان ہے، گھوڑا حیوان ہے، گائے بکری حیوان ہے لیکن مختلف حیوانات کو ایک دوسرے پر محمول کرنا صحیح نہیں یعنی یہ کہنا کہ زید گھوڑا ہے۔ یا گھوڑا گائے ہے ہرگز جائز نہیں۔ اسی طرح اسمائے مرتبہ حضرت وجود کو افراد پر محمول کرنا بھی جائز نہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز خدا ہے اللہ ہے یا رحمٰن ہے عین کفر اور بے دینی ہے۔"

صُوم صلواتوں بھر داعاری" کا مطلب

بعض ظاہر بینوں کو حضرت اقدس کے توحید کے کلام مثلاً:۔

صوم صلواتوں بھر دا عاری   زندی مشرب ہے مشہور

سے یہ مغالطہ ہوا ہے کہ چونکہ حضرت اقدس کا مسلک توحید وجودی تھا اس لیے آپ نے بھی صوم وصلوٰۃ ترک کر دیا تھا لیکن اشاراتِ فریدی کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ فرائض تو درکنار آپ سنن اور نوافل بلکہ مرشد کے بتائے ہوئے اوراد، وظائف، اذکار، مشاغل مراقبات وغیرہ کے بھی سختی سے پابند تھے۔ آپ پنجگانہ نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ اور مریدین کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ پس "صوم صلواتوں بھر دا عاری" کا مطلب یہ ہے۔ آپ پر اس درجہ کا قرب و وصال غالب تھا جس کی وجہ سے دیگر عابدوں اور زاہدوں کی طرح کثرت سے نوافل ادا نہیں کر سکتے تھے اور صرف فرائض اور مؤکدات پر عامل ہونے کی وجہ سے اس عبادت کو قلیل کالمعدوم سمجھتے تھے۔ چنانچہ سرکارِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ساری ساری رات نوافل میں گذارنے کے باوجود بارگاہِ رب العزت میں اقرارِ عجز کرتے تھے اور اکثر یہ مناجات کیا کرتے تھے کہ یا وھاب سبحانک ماعبدناک حق عبادتک ماذکرناک حق ذکرک ماعرفناک حق معرفتک ماشکرناک حق شکرک ؛ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہے تو کس کی مجال ہے کہ کثرتِ عبادت پر نازاں ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عارفین، کاملین اور واصلین صوم و صلواۃ کے سختی سے پابند تھے۔ یہاں تک حضرت شیخ حسین ابن منصور الحلاج بھی کمال استغراق اور محویت کے باوجود ہر شب چار سو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ شیخ اکبر ابن عربیؒ وحدت الوجود میں غلو کے باوجود اس قدر پابند شریعت تھے کہ آپ کا شمار فرقۂ ظاہریہ میں ہونے لگا۔ لہٰذا "صوم صلواتوں بھر دا عاری" کا یہ مطلب نہیں کہ وحدت الوجود سے ترک صوم صلواۃ لازم آتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ استغراقِ ذات کی وجہ سے عابدوں اور زاہدوں کی طرح کثرت صوم و صلواۃ سے معذور ہیں۔ یہ ملامتیہ کلمات ہیں نہ کہ شطحیہ۔

خلاصۂ بحث

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ وحدت الوجود حق ہے لیکن وحدت الوجود کا مطلب یہ نہیں کہ ہر چیز خدا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ ہر چیز خدا ہے نہ خدا سے جدا ہے۔ نہ بندہ خدا بن سکتا ہے اور نہ خدا بندہ بن سکتا ہے۔ شیخ اکبر کا

قول برحق ہے :-

العبد عبد وان تعرج   والرب رب وان تنزل

(عبد عبد ہے خواہ وہ کتنا عروج کرے ۔ رب رب ہے خواہ وہ کتنا نزول فرمائے)

یعنی اس کا موجودات میں ظہور ہو) عقیدہ وحدت الوجود سے نہ حلول لازم آتا ہے نہ اتحاد نہ ترک صوم لازم آتا ہے نہ ترک صلواۃ ۔ نہ کائنات کو آپ عین حق کہہ سکتے ہیں نہ غیر حق ۔ یہ آپ کی مرضی ہے کہ صفات حق کو حق کا عین سمجھیں یا غیر ۔ عین سمجھیں تو وحدت الوجود ہے ۔ غیر سمجھیں تو کثرت وجود ۔ حقیقت میں وحدت الوجود ہے اور مجاز میں کثرتِ وجود ۔ اور ہم نے حقیقت اور مجاز دونوں کھیل کھیلے ہیں ۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ وحدت الوجود شیخ اکبرؒ کا مسلک ہے اور وحدت الشہود حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا ۔ یہ بھی مشہور ہے کہ نظریہ وحدت الوجود خلاف شرع ہے اور وحدت الشہود مطابقِ شریعت ہے ۔ اس وجہ سے کہ وحدت الوجود میں حادث و قدیم مخلوط ہو جاتے ہیں اور وحدت الشہود سے اختلاط لازم نہیں آتا لیکن ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ وحدت الوجود سے نہ حادث قدیم ہو سکتا ہے نہ قدیم حادث ۔ ابن عربیؒ کا قول واضح ہے :۔

العبد عبد وان تعرج   والرب رب وان تنزل

اس میں شک نہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعض مکتوبات میں وحدت الوجود کی مخالفت آئی ہے لیکن بعض مکتوبات سے تائید بھی ثابت ہے ۔ یہ تضاد بیانی نہیں بلکہ مختلف اوقات اور مختلف منازل سلوک پر مختلف تجلیات کا ظہور ہے جس کی وجہ سے یہ اختلاف محض نزاع لفظی بن کر رہ جاتا ہے ۔ مختلف منازل سلوک پر مختلف انکشافات اور تجلیات کو احقر راقم الحروف کے شیخ حضرت مولانا سیّد محمد ذوقی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب سرّ دلبراں میں یوں بیان فرمایا ہے :۔

"لفظ وجود کا اطلاق صوفیاء کرام کی اصطلاح میں واجب تعالٰی پر ہوتا ہے اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ صرف ذات حق تعالٰی

ہی ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے برعکس دیگر اشیاء کے جو ہستیٔ مطلق سے
قائم ہیں ؎

ہر چہ آید در نظر غیر تو نیست ۔۔۔ یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

یہاں "توئی" سے مراد ذات ہے۔ "بوئے تو" سے مراد صفات اور "خوئے تو"
سے مراد افعال باری تعالیٰ ہیں۔ چنانچہ وحدت الوجود سے مراد ہے کہ ؎

مجموعۂ کونین بقانون سبق ۔۔۔ کردیم تفحص ورقاً بعد ورق
حقاکہ ندیدیم و نخواندیم درو ۔۔۔ جز ذات حق و شیون ذاتیہ حق

"اس حقیقت تک از روئے کشف و مشاہدہ پہنچنے سے قبل ایک درمیانی
منزل آتی ہے جس میں سالک بوجہ غلبہ انوار حق جملہ موجودات کو اپنی نظر سے
غائب پاتا ہے اور غیر حق سے یہاں تک روگردانی کرلیتا ہے کہ بسا اوقات
حفظ مراتب سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور غلبۂ حال میں سبحانی ما اعظم شانی یا
انا الحق یا اسی نوع کے نعرے بلند کرنے لگتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دن میں
جب آفتاب کی روشنی کا غلبہ ہوتا ہے تو آسمان میں ستارہ ایک بھی نظر نہیں
آتا۔ اور دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ آسمان میں کوئی ستارہ نہیں حالانکہ ستارے
ہوتے ہیں۔ گو آفتاب کی چمک انہیں ڈھانپ لیتی ہے لیکن یہ حالت ان کے
وسط سلوک کی ہے۔ ابتدائے سلوک میں سالک کی حالت رات کو ستارے
دیکھنے والے کی سی ہوتی ہے کہ تارے تو دیکھتا ہے مگر آفتاب نہیں دیکھتا۔
انتہائے سلوک میں رات دن کی کیفیات سے تجاوز کر کے حقیقت کے میدان
میں اپنا خیمہ نصب کرتا ہے جہاں سے وہ آفتاب کو بھی دیکھتا ہے اور
تاروں کو بھی اور صریحی طور پر معلوم کرلیتا ہے کہ یہ سب تارے آفتاب کی
کی روشنی سے چمکتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر وہ حفظ مراتب کا بھی خیال رکھ سکتا
ہے اور اس مقام پر یہ عقدہ اس کیلئے حل ہو جاتا ہے کہ ؎

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد ۔۔۔ گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

وسطِ سلوک میں جو حالت طاری ہوتی ہے وہ وحدت الشہود ہے اور انتہائے سلوک کی حالت وحدت الوجود ہے۔ جمہور صوفیہ کا مسئلہ توحید وجودی پر اتفاق ہے۔ اظہارِ حقیقت کے لیے البتہ مختلف پیرایوں اور مختلف اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ مگر حقیقتاً سب آپس میں متفق ہیں۔ عوام و اغیار کو جو اختلافات نظر آتے ہیں وہ سطحی اور لفظی ہیں نہ کہ معنوی"

مکتوباتِ امام ربّانی میں وحدت الوجود کا ثبوت

سلوک الی اللہ کے مختلف مراتب یعنی ابتدائے سلوک، وسطِ سلوک اور انتہائے سلوک کے مختلف مکاشفات اور مشاہدات کا اندازہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مختلف ادوار کے مکتوبات سے ہو سکتا ہے۔ آپ مکتوب نمبر ۳۱ دفتر اول میں فرماتے ہیں ؎

"اگر فقیر نے وحدت الوجود قبول کیا تھا تو وہ کشف سے تھا، نہ از روئے تقلید کے، اور اگر اب انکار ہے تو الہام کے سبب سے ہے اور الہام میں انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر الہام غیر پر حجت نہیں ہے"

مکتوب نمبر ۵ دفتر سوم بنام میر نعمان، جو آپ نے قید خانہ سے لکھا میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس کی عنایت نے حق تعالیٰ کے جلال و غضب کی صورت تجلی نہ فرمائی اور قید خانہ کے قفس میں بند نہ ہوا تب تلک شہود (وحدت الشہود) کے تنگ کوچہ سے کلّی طور پر نہ نکلا"

مکتوب نمبر ۸۹ دفتر سوم، بنام قاضی اسماعیل فرید آبادی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے کمال معرفت سے وحدت الوجود کو شرح کیا اور بابوں اور فصلوں میں تقسیم کیا۔ ۔ ۔ ۔ اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ اکبر حق پہ ہیں اور ان پر طعن کرنے والے دور از ثواب ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ صوفیہ جو کلام "ہمہ اوست" کے قائل ہیں عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں

جانتے۔ اور حلول اور سریان ثابت نہیں کرتے۔ بلکہ ظہور اور ظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں نہ کہ وجود اور تحقیق کے اعتبار سے۔"

مکتوب ۲۴۶ دفتر اول بنام میر نعمان میں آپ اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی رباعیات کی شرح میں اپنے رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"اس رسالے میں توحید آمیز علوم ان رباعیات کے مناسب درج ہوئے ہیں اور علماء اور وحدت الوجود کے قائل صوفیاء کے درمیان تطبیق دی گئی ہے۔ اور اس طرح تحریر ہوا ہے کہ فریقین کے درمیان نزاع لفظی ہے۔"

مکتوب ۴۴ دفتر دوم بنام محمد صادق ولد حاجی مومن میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"بس صوفیاء جو وحدت الوجود کے قائل ہیں حق پر ہے اور علماء بھی جو کثرتِ وجود کا حکم دیتے ہیں حق پر ہیں۔ وجود کا معاملہ حقیقت کی طرح ہے اور کثرت کا معاملہ مجاز کی طرح ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مندرجہ بالا ارشادات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ آپ آخر عمر میں وحدت الوجود کے قائل ہو گئے تھے اور ایک اعتبار سے کائنات کو عینِ حق اور ایک لحاظ سے غیر حق جانتے تھے۔ مثال کے طور پر آئینہ میں زید کا عکس زید کا عین بھی ہے اور غیر بھی۔

حضرت ابنِ عربیؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ زید کے عکس کو زید کا عین بھی سمجھتے ہیں اور غیر بھی۔ وحدت الوجود کے متعلق یہی نکتہ سمجھ لینے کے بعد نہ کوئی جھگڑا باقی رہتا ہے نہ فساد۔ اس سے نہ دیوبندی ناراض ہوتے ہیں نہ بریلوی۔ اس سے نہ پردہ دری ہوتی ہے نہ افشائے راز ہوتا ہے۔ جھگڑا اس وقت ہوتا ہے جب دو نقطہائے نگاہ کو بیک وقت صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک نقطۂ نگاہ سے زید باپ ہے ایک لحاظ سے وہ کسی کا بیٹا ہے ایک اعتبار سے وہ کسی کا خاوند ہے ایک اعتبار سے وہ کسی بہن کا بھائی ہے۔ اگر اسے ہر لحاظ سے باپ قرار دیا جائے تو وہ اپنے باپ، ماں، بہن اور بیوی کا بھی باپ بن جاتا ہے جو غلط ہے۔ لہٰذا مسئلہ وحدت الوجود بھی حقیقت کے اعتبار سے حق ہے۔

اور مجاز کے اعتبار سے باطل ہے۔ یہ دنیا مجاز کی دنیا ہے اور ہمارا تعین یا تشخص بھی مجاز سے تعلق رکھتا ہے جب تک دنیا کا یہ کھیل باقی ہے ہمارا تعین بھی باقی رہے گا البتہ عروج یعنی مقام فنافی اللہ میں عارضی طور پر یہ تعین مٹ جاتا ہے لیکن مقام دوئی اور مجاز میں واپس آنے پر یہی تعین بحال ہو جاتا ہے۔ اب چونکہ قبر میں بھی بلکہ قیامت کے دن اور قیامت کے بعد بہشت اور دوزخ میں بھی ہر شخص کا تعین باقی رہے گا ورنہ عذاب و ثواب بے معنی ہے۔ لہٰذا یہ کھیل کچھ دائمی نظر آتا ہے۔ چونکہ ذاتِ حق کی کوئی انتہا نہیں اس لیے ہر شخص کی روح ہمیشہ قرب و وصال کی منازل طے کرتی رہے گی لیکن انتہا کو نہیں پہنچ سکے گی۔ کیونکہ ذاتِ حق کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں تطبیق شاہ ولی اللہؒ کی تحریر میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے اپنے رسالہ مکتوب مدنی میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں تطبیق ثابت کی ہے آپ فرماتے ہیں:-

"آپ نے پوچھا ہے کہ کیا شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نظریات میں تطبیق ممکن ہے۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکوس و ضلال ہیں جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں کسی طرح بھی ابن عربیؒ کی تصریحات کے خلاف نہیں . . . . نیز حقائق ممکنات کو ان معنوں میں اسماء و صفات کے عین مترادف قرار دینا کہ وجود خارجی میں بہرحال ان کے عکوس و ظلال پائے جاتے ہیں جنہیں اعیانِ ممکنات کہا جاتا ہے کسی انداز سے بھی شیخ مجددؒ کی تصریحات کے منافی نہیں۔"

شاہ اسمٰعیل شہید اور تطبیق

شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مرید و خلیفہ حضرت سید احمد شہید کے مرید و خلیفہ ہیں نے بھی اپنی کتاب عبقات میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور حضرت مجدد الف ثانی کے نظریۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں تطبیق ثابت کی ہے۔

عبقہ ۱۲ میں آپ لکھتے ہیں کہ :-

" لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اختلاف کی واقعی نوعیت کیا ہے۔ آیا یہ صرف نزاع لفظی یا تعبیری اختلاف ہے یا حقیقت اور واقعہ کا اختلاف ہے۔ اس کے جواب میں متاخرین کا وہ گروہ جس نے زبردستی اپنے آپ کو صوفیوں کی جماعت میں داخل کر لیا ہے اور اصطلاحاً جن کو متصوفہ کہتے ہیں ان لوگوں نے اختلاف کو حقیقی اختلاف قرار دیتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نتیجہ اور مآل کے لحاظ سے بھی ان دونوں فرقوں میں اختلاف ہے۔ اس کو دیکھ کر ایک عامی باور کرنے لگتا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا اختلاف واقعی حقیقی اختلاف ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ دونوں فریقوں میں ہر ایک نے اس مقام پر کسی ایک پہلو کے متعلق اجمال سے کام لیا ہے اور اپنے زمانے کے اقتضا کے لحاظ سے جس پہلو کی تفصیل ان کے نزدیک اہمیت رکھتی تھی اس میں مشغول ہوئے ہیں ورنہ صحیح یہ ہے کہ شیخ اکبر جن کی طرف نظریۂ وحدت الوجود منسوب کیا جاتا ہے اور باور کرایا جاتا ہے کہ وہ خالق اور مخلوق کے درمیان اتحادی رشتے کے قائل تھے انہی کی عبارتوں کا ایک ذخیرہ پیش کیا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے خالق و مخلوق کی مغائرت کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانیؒ جن کو وحدت الشہود کے نظریے کا علمبردار سمجھا جاتا ہے ان کے کلام میں بکثرت ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن میں مخلوق و خالق کے اتحاد کی تصریح کی گئی ہے۔"

آگے چل کر شاہ اسمٰعیل شہید مختلف بزرگوں کے اقوال نقل کرتے ہیں اور آخر میں اپنی طرف سے یہ تبصرہ کرتے ہیں :-

" بہر حال عارف جامیؒ اور شیخ صدر الدین قونوی کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ یہ حضرات شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے نظریۂ وحدت الوجود کے سب سے بڑے حامی ہیں۔ لیکن اس وحدت الوجود کا واقعی مطلب جو ان حضرات نے

خود بیان کیا ہے اس میں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ جو کچھ فرماتے ہیں ان میں انصاف سے بتاؤ کہ کیا اختلاف ہے۔ دونوں کے مسلکوں میں کیا فرق ہے۔۔۔
۔۔۔بہرکیف خالق و مخلوق میں قیومیت کے تعلق کو مان لینے کے بعد دونوں دعوے درست ہو جاتے ہیں یعنی یہ کہ خالق و مخلوق میں اتحاد بھی ہے اور یہ بھی کہ موطن و محل و مقام نیز ماہیت کے لحاظ سے دونوں میں مغائرت بھی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کا غیر بھی ہے۔ واقعہ یہی ہے جس کے دو پہلو ہیں۔ اور ہر ایک فریق ان دو پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف زیادہ جھک گیا ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ نظریۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے متعلق عرفاء کے مابین جو اختلاف نظر آرہا ہے وہ نزاعِ لفظی ہے نزاعِ حقیقی نہیں ہے۔ حقیقت میں سب متفق ہیں کہ ایک لحاظ سے کائنات عینِ حق ہے اور ایک لحاظ سے غیر۔ اگر صفات کو موصوف کا عین کہا جائے تو کائنات عینِ حق ہے اگر صفات کو موصوف کا غیر قرار دیا جائے تو کائنات غیرِ حق ہے۔ یہ ہر شخص کی سمجھ اور منشاء پر منحصر ہے کہ صفت کو موصوف کا عین قرار دے یا غیر۔ اس میں کوئی مجبوری یا اکراہ نہیں ہے۔ حقیقت میں عینیت ثابت ہے اور مجاز میں مغائرت۔ عروج میں عینیت اور نزول (کثرت) میں غیریت۔ جب تک مقامِ عروج (فنافی اللہ) تک رسائی نہیں ہوتی یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اصحابِ حال کی باتیں اصحابِ قال نہیں سمجھ سکتے۔ عارف رومیؒ نے سچ فرمایا ہے ؎

قال را بگذار و مردِ حال شو پیشِ مردِ کاملے پامال شو

شیخ کامل کے پاؤں کی خاک بنے بغیر اور سلوک الی اللہ طے کئے بغیر فنائے نفس ممکن نہیں اور جب تک فنائے نفس میسر نہ ہو نفس امارہ مطیع ہو کر نفس مطمئنہ نہیں ہو سکتا ہے یہ بات کثرتِ ذکر، کثرتِ عبادات، ریاضات اور مجاہدات سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کا نفس بہت قوی اور شریر ہے جب اس کے ساتھ شیطان مل جاتا ہے تو سالک کی مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن عنایت حق اور نظرِ شیخ شامل حال ہو تو نفس و شیطان کا اچھی

طرح مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور ان کا زور ختم کر کے عالم بالا کی طرف آسانی سے ترقی ہو سکتی ہے
اس سے ظاہر ہے کہ اصلاح کا کام خالی کتابیں لکھنے پڑھنے سے نہیں ہو سکتا بلکہ عہدِ نبوی سے
بُعد کی وجہ سے قلب پر زنگ اور آلودگی کے جو انبار لگ جاتے ہیں مشائخ عظام نے اس کو
دھونے کے لیے عبادات، ریاضات اور ذکر و اذکار کا ایک جامع کورس تیار کیا ہے۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اگرچہ عبادت اور مجاہدہ کا یہ پروگرام جاری تھا جسے بمصداق
حدیث رجعنا من جہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر میں جہادِ اکبر قرار دیا گیا ہے لیکن آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اس قدر روحانی قوت تھی کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر ڈالنے سے،
آپ کی نظرِ شفقت سے، آپ سے کلام کرنے سے اور آپ کے چھونے سے صحابہ کرام کے
مراتب طے ہو جاتے تھے۔ جب بمصداق حدیث خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم
ثم یلونھم۔ لوگوں کے قلوب پر زنگ نے جمنا شروع کیا تو مشائخ عظام اور اولیائے کرام
نے تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے سخت مشقتیں تجویز کیں اور قلب اور دیگر لطائف پر
ضربیں لگانے سے نفس کا زور کم کرنے کے لیے سلوک الی اللہ کے نام سے ایک مکمل کورس
مرتب کیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور روح میں قوتِ پرواز
پیدا ہوتی ہے اور قربِ حق حاصل ہوتا ہے۔

باب ہشتم

تصوّف کے خلاف اہلِ یورپ کے غلط الزامات اور ان کے جوابات

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وحدت الوجود کے متعلق حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے بعض افکار ویدانت سے مستعار لیے ہیں یہ دراصل مستشرقین کے الزامات کی گونج ہے جو انہوں نے اس غرض سے اسلام کی ہر چیز کو بُرا اور عیسائیت کی ہر چیز کو اچھا ثابت کرنے کے لیے عائد کیے ہیں تاکہ اسلام سے لوگ متنفر ہوں اور عیسائیت کی طرف رجوع کریں اور اس طرح سے عیسائی اقوام کی ساری دنیا پر برتری اور تسلط برقرار رہ سکے۔ ان اعتراضات والزامات کا جواب ہم نے اپنی کتاب مشاہدۂ حق کے آخری باب میں شرح وبسط کے ساتھ دے دیا ہے تفصیل کے خواہاں حضرات اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ یہاں اس بحث کا مختصر خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

دو اصول دیگر مذاہب کی روحانی تعلیمات کو تصوّف کا ماخذ قرار دینے کی جسارت سے پہلے ان باتوں پر غور کرنا پڑے گا کہ:۔

(۱) دیگر مذاہب یعنی عیسائیت، یہودی مذہب، ہندو مذہب، بدھ مذہب اور فلسفۂ یونان کی روحانی بلندی کی آخری حد کیا ہے۔ یعنی ان کی روحانی تعلیمات سے کیا کچھ ان کو حاصل ہوا۔ اور اسلام کی روحانی بلندی کہاں تک تھی یعنی ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا دیگر مذاہب کے لوگ زیادہ بلندیوں تک پہنچے تھے یا مسلم اربابِ روحانیت۔ کیونکہ عطا وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس زیادہ ہو۔ جو خود مفلس ہو وہ دولت مند کو کیا عطا کر سکتا ہے۔

(۲) دوسرا سوال جو قابلِ غور ہے یہ ہے اور یہ سوال یورپ کے چند غیر متعصب اور انصاف پسند اربابِ عقل و دانش نے اٹھایا ہے کہ تاریخ کے جس دور میں مسلمانوں کو دیگر مذاہب کی روحانیت سے استفادہ کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے آیا اس دور میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کا کوئی تاریخی میلان بھی ممکن تھا۔ یا یوں ہی گمان کر لیا گیا ہے۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے یہ ہم مسلمانوں کی طرف سے اٹھایا گیا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں اور یورپ کے مصنفین نہیں جانتے کہ مسلم اولیائے کرام اور مشائخ عظام نے قرب و معرفتِ حق میں جن بلند منازل و مقامات تک رسائی حاصل کی ہے دیگر مذاہب کے اربابِ روحانیت اس کی گرد تک نہیں پہنچ سکے تھے چونکہ یہ مضمون کافی طویل ہے قارئین کرام سے استدعا ہے کہ اس کا تفصیلی مطالعہ ہماری کتاب مشاہدۂ حق میں کریں۔ مختصر یہ کہ ہندو، بدھ، عیسائی اور یونانی روحانی سسٹم اور روحانی ترقی کا ہم نے ان کے اربابِ روحانیت کی تصانیف میں مطالعہ کیا ہے اس سے ظاہر ہے ان کا معیار فنا فی اللہ تھا اور فنا چونکہ لامحدود ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے ان مذاہب کے اربابِ روحانیت فنا فی اللہ میں معمولی بلندی تک پہنچ سکے تھے۔ یہ ان کی تحریرات سے ثابت ہے جو ہمارے پاس موجود ہیں لیکن فنا فی اللہ میں مسلم اولیاءِ کرام نے جو ترقی کی ہے اس کی ہوا تک غیر مذاہب کے لوگوں کو نہیں لگی۔ اس بات کا اندازہ دونوں گروہوں کے اربابِ روحانیت کی تصانیف کے ذریعے آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ روحانیت سے علمی لگاؤ کے ساتھ ذاتی تجربہ یعنی قال کے ساتھ حال بھی شامل ہو۔

یہ تو تھا مقام فنا فی اللہ، اور اس کا بھی معمولی درجہ جو دیگر مذاہب کے اربابِ روحانیت کا نقطۂ عروج تھا۔ لیکن اس کے علاوہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کے اعلانِ ربی کی رُو سے مسلم اولیاءِ کرام کو جو کچھ عطا ہوا وہ دیگر مذاہب کے لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

یاد رہے کہ جس روحانی عروج کی طرف بنی نوع انسان مختلف انبیاء علیہم السلام کے ذریعے تدریجی ترقی کر رہی تھی۔ پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی آخری منزل تک رسائی کرائی تھی۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام تھے ان میں جزوی کمالات تھے کیونکہ وہ نہ پوری بنی نوع انسان کے لیے تھے نہ ہمیشہ کے لیے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ساری بنی نوع انسان اور ہر زمانے اور ہر دَور کے لیے مخصوص تھیں اس لیے آپ کی تعلیمات میں روحانی ترقی کی بلند ترین منزل کی نشان دہی کے ساتھ جامعیت کا ہونا بھی لازمی تھا۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات میں جہاں مقام فنا فی اللہ میں بلند ترین منزل کی نشان دہی کر دی گئی

ہے تکمیل انسانیت کے لیے بقا باللہ کی منزل بھی دکھا دی گئی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ دیگر روحانی طرائق میں صرف فنافی اللہ اور وہ بھی کم درجہ کا حصول ممکن ہے لیکن اسلام میں بلند ترین درجات فنافی اللہ کے علاوہ مقام بقا باللہ بھی بتا دیا گیا جو دیگر مذاہب میں نظر نہیں آتا۔

عیسائی مصنفین کی تضاد بیانی

اول تو عیسائی مصنفین نے تصوف کے متعلق متضاد بیان دیئے ہیں اور ایک دوسرے کے نظریات کا قلع قمع کر دیا ہے دوسرے ایک مصنف نے اپنے بیانات میں بھی تضاد بیانی سے کام لیا۔ یعنی نادانستہ طور پر انہوں نے اپنی تردید آپ کر دی ہے۔

منصف مزاج یورپی مصنف ماسینو

اس کے علاوہ یورپ میں چند ایسے منصف مزاج ادیب بھی پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے تصوف کی ہر چیز یہاں تک شطحیات (یعنی کلمات انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی) کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور فرانس کے ادیب ماسینو (MASSIGNON) ہیں جو منصور حلاجؒ پر سند (AUTHORITY) مانے جاتے ہیں ان کی ان انکشافات نے دنیا کو حیرت زدہ کر دیا ہے اور بڑے بڑے متعصب عیسائی مصنفین کو بھی انکار کی جرأت نہیں رہی۔ دوسرے انصاف پسند مصنف آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر آربری ہیں جو ڈاکٹر نکلسن کے شاگرد ہیں۔ جب نکلسن نے اپنی اوائل عمر کی کتابوں میں تصوف کو عیسائیت اور فلسفۂ یونان کا مرہون منت بتایا تو ان کو ان کے اپنے شاگرد آربری نے پُرزور خط لکھ کر اس بات کا قائل کیا کہ ان کے یہ الزامات صحیح نہیں ہیں۔ اس احتجاج کے بعد ڈاکٹر نکلسن نے آربری کو یہ جواب دیا :-

" مجھے اس بات پر اصرار نہیں کہ یونانی فلسفہ یا کوئی اور چیز تصوف کا ماخذ ہے ... تصوف اور اولیاء کے متعلق مجھے ہمیشہ یہی نظر آتا تھا کہ قرآن و حدیث کی ڈبل بنیاد کے بغیر اسلامی تصوف کی یہ وسیع اور خوبصورت عمارت نہ کھڑی کی جا سکتی تھی نہ قائم رہ سکتی تھی پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وہ فقر جس میں آپ فخر محسوس کرتے تھے وہ در اصل روحانی فقر تھا جس میں

آپ کو اللہ کے سوا کسی مادی چیز پر بھروسہ نہ تھا تصوف کے متعلق جن لوگوں نے کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے میری رائے میں غیر تسلی بخش ہے۔"

ماسینو کے متعلق پروفیسر آربری کا بیان

اپنی کتاب تاریخ تصوف کا تعارف (INTRODUCTION TO HISTORY OF SUFISM) میں پروفیسر آربری لکھتے ہیں کہ :-

"صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ تصوف ہند و فلسفہ ویدانت سے ماخوذ ہے۔ یہ نظریہ تسلیم کرنے سے پہلے یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ تاریخ کے اس دور میں اسلام اور ہندوستان کے درمیان خیالات کا لین دین بھی ممکن تھا یا نہیں۔ ماسینو نے اسی کسوٹی پر باقی نظریات مثلاً تصوف پر ایرانی اثر، آریہ اثر، عیسائی اثر، یونانی اثر کو پرکھا ہے اور آخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تصوف کی اصل قرآن ہے اور قرآن ہی سے تصوف کی ہر چیز یہاں تک کہ شطحیات بھی نکلی ہے۔ قرآن کے علاوہ احادیث نبوی میں بھی بلکہ احادیث قدسی میں بھی تصوف کا پتہ چلتا ہے۔"

آربری اور اسپین کے پروفیسر آسن پلے سیوس

ہسپانیہ کے عیسائی ادیب پروفیسر آسن پلے سیوس کا خیال ہے کہ تصوف کا ماخذ عیسائیت ہے اس کے متعلق پروفیسر آربری کی رائے ملاحظہ ہو اسی کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

" آسن پلے سیوس (ASIN PLACIOS) لکھتے ہیں کہ تصوف کی اصل عیسائی مذہب ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے قرآن کی چند آیات کا ذکر کیا ہے جو انجیل کی عبارت سے ملتی جلتی ہے۔ پلے سیوس کا خیال یہ ہے کہ پیغمبر اسلام (صلعم) نے یہ چیز انجیل مقدس سے حاصل کی ہے لیکن قرآن اور انجیل میں مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ دونوں مذاہب کی روحانی اور اخلاقی تعلیمات ایک جیسی ہیں۔ جب خدا ایک ہے

اور حقیقت ایک ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مشابہت نہ ہو۔ دراصل اسلام کی ہر اچھی چیز کو دوسرے مذاہب سے منسوب کرنے کی عادت غیر مسلم مصنفین کی بد دیانت صحافت (DISHONEST SCHOLRSHIP) بلکہ بدترین قسم کا مذہبی تعصب (SECTARIAN BIGOTRY) ہے بہترین استدلال وہ ہے جو سائنسی تحقیق پر مبنی ہے .... پلے سیوس نے اپنی کتاب اسلام اور ڈیوائن کامیڈی[1] لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ ڈانٹے کی کتاب کامیڈیا ڈیوائنا ابن عربیؒ کی کتاب فتوحاتِ مکیہ کی نقل ہے۔ یہ کتاب لکھ کر آسن پلے سیوس نے اپنے پہلے نظریات (یعنی تصوف کا ماخذ عیسائیت ہے) پر پانی پھیر دیا ہے۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ گنگا الٹی نہیں بہہ رہی تھی (یعنی باقی علوم و فنون کی طرح تصوف کے میدان میں مسلمان عیسائیوں کے استاد تھے شاگرد نہیں تھے) مثال کے طور پر ہسپانیہ کے روحانی پیشوا سینٹ جان آف کراس (SAINT TOHN OF THE CROSS) کی نظموں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ اس نے مسلم صوفیاء سے استفادہ نہ کیا ہو۔ اسی طرح کیٹلان ریمانڈ لل (CATALAN RAYMOND LULL) کا کلام دیکھ کر اس بات میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ صوفیاء کرام سے متاثر ہوئے "

ڈاکٹر نکلسن کی رائے

آگے چل کر پروفیسر آر بری اپنے استاد ڈاکٹر نکلسن کی یہ رائے نقل کرتے ہیں۔

"جہاں تک علم روحانیت کا تعلق ہے اہلِ مغرب اب بھی اسلام سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں ...... یہ ناممکن تھا کہ مسلم صوفیاء کا عیسائی

---

[1] اس کتاب میں پلے سیوس نے یہ ثابت کیا کہ اٹلی کے شہرہ آفاق شاعر ڈانٹے کی کتاب کامیڈیا دیوائنا ہسپانیہ کے شیخ ابن عربی کی کتاب فتوحات مکیہ کی نقل ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یورپ کے لوگوں نے اسلام سے سیکھا نہ کہ مسلمانوں نے عیسائیوں سے۔

اکابر روحانیت مثل ٹامس ایکوئی ناس (THOMAS AQUINAS)
ایکہارٹ (ECKHART) اور ڈانٹے (DANTE) پر کوئی اثر نہ ہوا ہو
اس وجہ سے کہ اس زمانے میں دونوں مذاہب کا ذریعۂ اتصال علم روحانیت تھا۔"

کٹر متعصب عیسائی میکڈ نالڈ کی رائے

انگلستان کے مشہور متعصب عیسائی مشنری ڈی ۔ بی میکڈانالڈ (D.B-MACDONALD) لکھتے ہیں کہ :۔

" ٹامس ایکوئی ناس پر امام غزالی کا گہرا اثر ہوا۔"

تصوف اور گوئٹے

پروفیسر آربری لکھتے ہیں کہ :۔

" ایران کی صوفیانہ شاعری نے تو الٹا جرمنی کے مشہور اور ہر دلعزیز شاعر گوئٹے (GOTHE) اور فرانس کے سلوسٹر (SILVESTER DE SACY) پر بڑا اثر ڈالا۔ سلوسٹر تصوف کے بڑے مداح تھے ان کی صوفیانہ شاعری کا گوئٹے پر گہرا اثر ہوا۔"

اٹلی کا پروفیسر تھالک اور تصوف

کتاب مذکور میں پروفیسر آربری لکھتے ہیں کہ :۔

" تھالک نے یہ ثابت کرنے کیلئے بڑا زور لگایا کہ تصوف مجوسی مذہب سے متاثر ہوا لیکن بری طرح ناکام رہا آخر اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ تصوف کی اصل عربستان ہے یہاں تک کہ منصور کے فلسفۂ فنا کے متعلق بھی اب تھالک کا نظریہ یہ ہے کہ یہ پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے اس نے یہ حدیث پیش کی ہے۔ لی مع اللہ وقتٌ لا یسعنی نبی المرسل و

ؔ جرمنی کے مشہور و معروف شاعر گوئٹے اپنی کتاب (نظم) " فوسٹ " (FAUST) لکھ کر زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔ لیکن دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ ان کی نظموں میں خواجہ حافظ شیرازی بول رہے ہیں۔ یورپ کے بعض مصنفین نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ گوئٹے پر خواجہ حافظ شیرازی کا گہرا اثر ہوا تھا۔

ملک المقرب) (مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ قرب ہے جہاں نہ کسی نبی رسول کی رسائی ہے نہ کسی مقرب فرشتہ کی)

آخر حقائق کا پکا فیصلہ یہ ہے کہ تصوف کی بنیاد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنی روحانیت ہے"

اب ہم مسلم صوفیاء کرام پر دیگر مذاہب کی خوشہ چینی کا الزام لگانے والوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ جب یورپ کے ارباب عدل و انصاف خود اس بات کے معترف ہیں کہ صوفیاء کرام نے دیگر مذاہب سے کچھ لیا نہیں ہے بلکہ عطا کیا ہے تو آپ لوگوں کے عائد کردہ الزامات کا آخر کیا ثبوت ہے۔ ان کے غلط الزامات کو دیکھ کر ایک عامی بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ الزامات تصوف اور دوسرے مذاہب کی روحانی تعلیمات سے ان کی لاعلمی کا نتیجہ ہیں۔ اگر وہ محنت کرکے ریسرچ سے کام لیں۔ تو حقیقت خود بخود سامنے آجائے گی جیسے اہلِ یورپ کے سامنے آگئی ہے۔

کھوکھلے الزام

جو لوگ تصوف اور صوفیاء کرام پر دوسرے مذاہب سے اخذِ روحانیت کے الزام لگاتے ہیں ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صوفیائے کرام اور دیگر مذاہب کے درمیان شدید قسم کے اختلافات موجود ہیں جن کی نوبت کفر اور شرک تک پہنچ جاتی ہے۔

صوفیاء اور فلسفہ یونان کے مابین اختلافات

اسلامی دنیا کا بچہ بچہ جانتا ہے معلوم نہیں معترضین کیوں نہیں جانتے کہ صوفیاء کرام اور مسلم فلاسفروں مثل بوعلی سینا، ابونصر فارابی اور ابن الرشد وغیرہ کے درمیان شدید اختلافات پائے جاتے تھے۔ صوفیاء کرام نہیں بلکہ عامۃ المسلمین بھی ان مسلم فلسفیوں کو جنہوں نے یونانی فلسفہ کے اصول اپنائے کافر اور مشرک تک کہنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اسلامی عقائد اور فلسفۂ یونان میں پہلا بنیادی اختلاف یہ ہے کہ اسلام میں خدا تعالیٰ کے سوا سب کچھ فانی ہے۔ لیکن فلسفۂ یونان میں خدا کے ساتھ مادہ اور روح کو بھی قدیم کہا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ "نو افلاطونیت" (NEO-PLATONISM) میں ذاتِ حق میں فنا ہو جانا۔ آخری مقام ہے پلاطینوس (PLOTINUS) جس کی تعلیمات کو نیو پلے ٹونزم (نو افلاطونیت) کہتے ہیں کا مؤقف بھی یہی ہے کہ آخری مقام فنا ہے لیکن اسلامی روحانی تعلیمات کی رُو سے آخری مقام بقا باللہ ہے جس کا پلاطینوس نے ذکر نہیں کیا کہ اس کا کوئی وجود بھی ہے۔

ہندو فلسفہ روحانیت اور اسلامی تصوّف

ہندو فلسفہ روحانیت میں خدا، روح اور مادہ کو قدیم مانا گیا ہے لیکن اسلام میں خدا کے سوا کسی اور چیز کو قدیم ماننا کفر ہے۔ نیز ہندو روحانیت میں بھی آخری مقام فنا فی اللہ ہے بقا باللہ اور عبدیّت کا انہوں نے نام بھی نہیں سنا۔ لیکن اسلامی روحانیت میں فنا فی اللہ سے گذر کر بقا باللہ اور عبدیّت آخری مقام قرار دیا گیا ہے۔ ہندو مذہب میں تناسخ یعنی آواگون ایک بنیادی عقیدہ ہے جو اسلام میں کفر ہے۔

بدھ مت اور تصوّف

اسی طرح بدھ فلسفۂ روحانیت میں مادہ قدیم ہے اور آخری مقام فنا ہے لیکن اسلام میں مادہ کو قدیم کہنا کفر ہے اور آخری مقام بقا باللہ ہے۔

باب نہم

عرس اور زیارتِ قبور

دیگر مشائخ عظام کی طرح ہمارے خواجہ صاحبؒ بھی عرائس اور زیارتِ مزارات کے دلدادہ تھے۔ لیکن معترضین عرائس اور زیارتِ قبور کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں جس سے احکام شریعت سے کم واقفیت رکھنے والوں کے دلوں میں اولیائے کرام کے خلاف شبہات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ لہٰذا اس باب میں ہم اس مسئلہ پر مختصر بحث کریں گے تاکہ عوام ان کے زہریلے پروپیگنڈا سے محفوظ رہ سکیں۔

عرس

پہلے ہم عرس کو لیتے ہیں۔ عرس کی غرض و غایت کسی بزرگ کا یومِ وصال منانا اور ان کی یاد تر و تازہ کرنا ہے تاکہ آنے والی نسلیں ان کی تعلیمات اور اعلیٰ خدمات سے جو انہوں نے انجام دیں بے خبر نہ رہ جائیں اور مشعلِ دینِ حق روشن رہے۔ جو لوگ عرس کو خلاف شرع اور بدعت خیال کرتے ہیں ان کے پاس قرآن و حدیث سے کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ بس وہ یہ کہہ کر عوام کو شکوک میں ڈالتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کون سے عرس منائے تھے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کا ایک کام نہ کرنا اور اس کام کا از روئے شریعت حرام ہونا دو مختلف امور ہیں۔ صحابہ کرام نے تو ریل اور موٹر کا سفر بھی نہیں کیا۔ نیز جس انداز میں اب علوم اسلامیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، معانی، صرف و نحو مرتب ہو کر مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں صحابہ کرام کے زمانے میں یہ کہاں رائج تھے۔ کیا یہ بھی ناجائز ہیں۔ نیز معترضین کا یہ قول بھی غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرس نہیں منائے۔ عرس یا دیگر تقاریب منانے کے طور و اطوار ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں یہ صحیح ہے کہ اصحابِ سلف اپنی تقاریب منانے کے لیے وہ انتظامات نہیں کرتے تھے جو آج کل کیے جاتے ہیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ زمانے کے رواج کے مطابق ہر قوم نے

اپنے تہوار اور مقدس ایام مناتے ہیں۔ مثلاً جب جنگِ احد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سمیت کئی صحابہ کرام شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہر سال اسی شہادت کے دن شہدائے اُحد کی قبور پر جایا کرتے تھے۔ اس وقت نہ لاؤڈ سپیکر تھے، نہ شامیانے، نہ صوفے سیٹ، نہ میز کرسی۔ لیکن قبروں پر حضور اقدس کا جانا اور یوم وصال پر جانا ثابت ہے۔

پہلا ثبوت اس سے ایک تو زیارتِ قبور کا ثبوت ملتا ہے دوسرے خاص یوم وصال کے موقعہ پر زیارت قبور کا ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خاص یوم وصال پر اولیائے کرام کے مزارات پر جانے میں جو حکمت ہے اس سے آنحضرت صلعم، صحابہ کرام اور دیگر اہلِ بصیرت واقف ہیں اگر کوئی حکمت نہ ہوتی تو پھر زیارت کے لیے یوم وصال کیوں منتخب کیا جاتا۔ حکمت یہ ہے کہ جس روز انبیاء، اولیاء اور شہدا کا وصال ہوتا ہے وہ یوم وفات نہیں، حقیقی معنوں میں یوم وصال ہوتا ہے جب عاشقِ صادق ساری عمر کی تپش اور کاوشوں کے بعد بالآخر محبوبِ حقیقی سے جا ملتا ہے۔ اس روز عاشقِ صادق اور محبوبِ حق کے اعزاز میں عالم بالا کی طرف سے انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے جس سے زائرین پر بھی ترشح ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرس کے موقعہ پر ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے روحانی ارتقاء اور تزکیہ نفس حاصل ہو رہا ہے۔

دوسرا ثبوت زیارت قبور کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کثرت سے قبروں پر جانے ان کو سلام کرنے اور ان کے لیے دُعا مانگنے کی تاکید آئی ہے۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اہلِ قبور زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں۔ اہلِ حدیثوں کے امام حضرت امام ابن تیمیہ کے شاگرد امام ابن قیم نے اپنی کتاب موسوم بہ کتاب الروح میں متعدد احادیث نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب زائرین اپنے رشتہ داروں کی قبروں پر جاتے ہیں تو اگر زائرین کے حالات اچھے ہوں تو خوش ہوتے ہیں اگر حالات بُرے ہوں تو وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ بھی احادیث

سے ثابت ہے کہ جب لوگ مُردہ دفن کر کے واپس آتے ہیں تو مُردہ ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا رہتا ہے ۔

اولیاء کرام زندہ ہیں

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب عام مُردوں کا یہ حال ہے تو زائرین کے حالات سے واقف ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں یا مغموم ہوتے ہیں تو اولیاء کرام کا کیا حال ہوگا جو بمصداق حدیث "موتوا قبل ان تموتوا" موت سے پہلے فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ اور زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہ زندہ جاوید ہونا خالی مفروضہ نہیں ہے بلکہ قرآن ان کی حیاتِ جاودانی پر ناطق ہے۔ قرآن عظیم میں متعدد مقامات پر شہداء کو زندہ کہا گیا ہے بلکہ ایک مقام پر تاکیداً ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو مُردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں۔ جب شہداء زندہ ہیں تو صدیقین یعنی اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام بدرجہ اتم زندہ ہیں کیونکہ قرآن عظیم میں ہر جگہ اسی ترتیب سے ذکر آیا ہے انبیاء، والصدیقین والشہداء، والصالحین۔ علی ترتیب المراتب ۔

ایک نکتہ

احادیث سے ثابت ہے کہ عام مُردوں کی ارواح بھی زندہ ہیں اور شہداء، صدیقین اور انبیاء کو بھی تاکیداً زندہ کہا گیا ہے جب عام اور خاص دونوں کے ارواح زندہ ہیں اور زائرین کے حالات سے باخبر ہیں تو پھر شہداء، صدیقین اور انبیاء کے لیے کون سی تخصیص باقی رہ گئی ہے۔ پھر تو سب برابر ہوئے۔ قرآن کی نص قطعی ہے۔ شہداء کو مطلق زندہ قرار دیا گیا ہے۔ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں عام لوگ یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ اپنے کارناموں کی وجہ سے زندہ ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں عالم برزخ میں زندہ ہیں لیکن عالمِ برزخ میں تو ہر روح زندہ ہے۔ ورنہ عذاب و ثواب قبر بے معنی ہے۔ ظاہر بینوں کی یہ تاویلات نص قطعی کی تحریف کے مترادف ہے۔ جب اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ شہید کو مُردہ مت کہو وہ زندہ ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ زندوں کی طرح متصرف ہے ورنہ عالم ارواح میں زندہ تو عام لوگوں کے ارواح بھی ہیں۔ شہداء کو خاص طور پر زندہ کہنے کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہے۔ اس آیت شریفہ کا مطلب یہی ہے کہ شہداء کو طاقتِ تصرف بھی حاصل ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ اسلامی

جنگلوں میں لوگوں نے سبز پوش مجاہدین کو کفار سے لڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ حافظ ابن قیم نے تو کتاب مذکور میں کئی ایسے واقعات بیان کئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف زمانوں میں اپنی اُمت کے مُصیبت زدہ لوگوں کی اعانت فرمائی۔ نیز دیگر اولیاء کرام کے مزارات و تصرفات بھی کتاب مذکور میں درج ہیں۔ یہ تاریخ ہے اور صحیح تاریخ ہے۔ تاریخ کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ تاریخ کے ساتھ جب قرآن وحدیث کی تائید شامل ہو جائے تو پھر کس کی مجال ہے کہ جھٹلا سکے۔

جامع ملفوظات

حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

کپتان واحد بخش سیال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقبوس ۱:- بوقت شب شنبہ ۱۹ رجب ۱۳۱۰ھ

بعد از نمازِ عشا دولت پا بوسی کہ باعث حصول سعادتِ دارین و موجب وصول مرادات کونین ہے میسر ہوئی۔

روح اور جسم مثالی

حضرت مخدوم ولایت شاہ اوچی کے بھائی مخدوم غلام شاہ کے ساتھ میں نے حضرت شیخ سے کتاب ستہ مراتب کا سبق حاصل کیا۔ سبق سے فراغت کے بعد روح کے متعلق سلسلہ گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ جسم کثیف اور ظلمانی سے مفارقت کے بعد روح کا جسمِ مثالی سے تعلق ہو جاتا ہے جو لطیف اور نورانی ہے اور جسمِ مثالی میں روح اسی طرح تصرف اور تدبیر کرتا ہے جس طرح کہ اس دنیا کی زندگی میں۔

تحفہ مرسلہ کی اہمیت

اس کے بعد فرمایا تحفہ مرسلہ ایک بابرکت کتاب ہے۔ اس کی ایک برکت یہ ہے کہ یہ شیخ المشائخ ابو سعید مخزومیؒ کی تصنیف ہے جو حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے پیر ہیں۔ دوسری برکت یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب اپنے فرزند روحانی شیخ عبد القادر جیلانی کے لیے لکھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تحفہ مرسلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مصنف قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کا ثواب میں نے سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ہے اس لیے اس کا نام تحفہ مرسلہ رکھا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ مسئلہ وحدت الوجود پر کتابیں لکھنا اور اس کے متعلق راز و رموز بیان کرنا سراسر کفر ہے ۔ سبحان اللہ! حضرات اولیاء کرام اپنی ان کتابوں کا ثواب تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو پیش کریں اور یہ لوگ کفر کے فتوے لگائیں ۔

مولانا روم کی عظمت

اس اثنا میں بندہ نے دست بستہ عرض کیا ۔ حضور ان کی بڑی بدبختی ہے کہ اصل ایمان کو کفر کہتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جو قرآن و حدیث کے خلاف ہیں اور اپنے آپ کو گمراہی کے گڑھے میں ڈالتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن جس شخص پر اس طائفہ اہل عرفان کی شان عظیم اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے وہ تو یہ کہتا ہے ۔

من چہ گویم وصفِ آں عالی جناب ۔۔۔ نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

(میں اس عالی مقام بزرگ یعنی مولانا جلال الدین رومیؒ کا کیا وصف بیان کروں جو پیغمبر تو نہیں لیکن کتاب رکھتا ہے یعنی مثنوی معنوی جو حقائق و معارف الٰہیہ سے لبریز ہے)

آنحضرت کے بعد نبوت کی نفی

حضرت خواجہؒ نے اس شعر کے معنی مختصر و مجمل طور پر یوں بیان فرمائے کہ حضرت مولانا سلطان الاولیاء محمد جلال الدین رومیؒ قدس سرہ کو پیغمبر کہنا بے ادبی ہے کیونکہ وہ حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تشریف لائے ۔ لیکن آپ کی کتاب مثنوی شریف جو گنجینۂ حقائق عرفان اور دقائق اسرار سبحان ہے گویا کتب سماوی مثل تورات و انجیل و زبور کے ہمسر نظر آتی ہے اور دوسرے اولیاء کرام اہل کمال کی کتب کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی اور حضرت مولاناؒ کا مرتبہ بھی اس قدر بلند ہے کہ کسی کو حاصل نہیں ۔

مقبوس ۲ بوقت چاشت بروز اتوار ۸ صفر ۱۳۱۱ھ

مولانا محمد حامد فتح پوری رحؒ

حسبِ عادت مبارک احقر سے حال پُرسی کے بعد ارشاد فرمایا کہ کس طرح آنا ہوا۔ عرض کیا کہ مولانا مولوی عبدالرحمان بن مولانا مولوی نورالدین فتح پوری جو اس احقر کے استاد ہیں فوت ہو گئے ہیں اور ان کے بھائی مولوی عبدالستار جو ان کے سجادہ نشین ہیں حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ ان کے حال پر ظاہراً و باطناً توجہ فرماویں اور تربیت و تلقین مربیانہ فرماویں تاکہ ان کی نسبت زُمرۂ صوفیا میں قوی ہو جائے۔ یہ خبر سن کر آپ کو بہت افسوس ہوا اور مولوی عبدالستار سے جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے دریافت فرمایا کہ علم عربی کس کتاب تک اور کس عالم سے پڑھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ شرح ملّا تک مولوی علی محمد مرحوم سے تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ نے افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی علی محمد بہت نیک آدمی تھے۔ اس اثنا میں حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے کہا کہ مولوی محمد حامد فتح پوری قدس سرہٗ ایسے باکمال آدمی تھے کہ جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ کو باکمال سمجھ کر روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر داخل کیا تاکہ ایک مردہ کبوتر کو روضۂ اقدس سے باہر نکال لائیں۔ حضرت خواجہ رحؒ نے فرمایا کہ یہ روایت ان کے متعلق نہیں ہے لیکن میں نے بعض لوگوں کو ان سے منسوب کرتے ہوئے سُنا ہے ہاں ان کی دستار بندی کے متعلق یہ بات زبان خاص و عام پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہوئی۔ اس کے بعد اس احقر سے دریافت فرمایا کہ معاملہ کس طرح ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نے صحیح فرمایا ہے اس کے بعد فرمایا کہ ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دستار عطا ہونے کا قصہ کس طرح ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے بعد میں نے سارا واقعہ آپ کے سامنے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا شاید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہوگی کہ یہ دستار فلاں کو پہنچا دینا۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تحائف بہت اولیاء اللہ کو ملے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا روضۂ اطہر سے مردہ کبوتر باہر نکالنے کا قصہ یوں ہے کہ ایک

نابالغ لڑکے کو لوگوں نے روضۂ اقدس کے اندر بھیجا تاکہ مردہ کبوتر نکال لائے اور مزار مقدس کی شکست و ریخت کو بھی دیکھ کر بتائے ۔ جب وہ لڑکا باہر آیا تو مدہوش اور خاموش تھا لیکن کبوتر اس کے ہاتھ میں تھا ۔ اور اسی سکوت و خاموشی کی حالت میں تیسرے دن فوت ہو گیا ۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ مولوی محمد حامد فتح پوری کو خلافت و اجازت حضرت حافظ محمد جمال اللہ ملتانی سے تھی یا حضرت خواجہ خدا بخش خیرپوری قدس اسرارہم سے ۔ بندہ نے عرض کیا کہ آپ حضرت حافظ صاحب کے مجاز تھے لیکن آپ کے انتقال کے بعد خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بھی رہے ہیں اور فیض حاصل کیا ہے ۔

قاضی محمد عیسیٰ صاحب خانپوری رحمۃ اللہ علیہ

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ خدا بخش خیرپوری قدس سرہ، حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ جانشین تھے اور قاضی محمد عیسیٰ خانپوری کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بزرگ تھے جو حضرت حافظ صاحب کے مجاز تھے ۔ حضرت خواجہ خدا بخش خیرپوری نے ان سے کہا کہ کیا آپ کو میں بھی اپنی طرف سے خلافت دوں ۔ یہ سن کر وہ رعونت سے پیش آئے اور چیں بجبیں ہو کر کہنے لگے کہ اپنے پیر بھائی سے خلافت حاصل کیوں کروں ۔ اس سے خواجہ خدا بخش صاحب رنجیدہ خاطر ہوئے اور چلے گئے ۔ راستے میں قاضی محمد عیسیٰ ملے ۔ سلام علیکم کے بعد فرمایا کہ میں آپ کو اپنی طرف سے مجاز بناتا ہوں انہوں نے عرض کیا کہ زہے عنایت و مرحمت ۔ یہ میرے لیے عین سعادت ہے خواجہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنے پیر بھائی سے بھی اجازت لینا پسند کرتے ہو ۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کی اجازت میرے پیر و مرشد کی عین اجازت ہے پس آپ نے اسی جگہ بیٹھ کر ان کو مجاز کیا ۔ اس کے بعد فرمایا جو شخص خانپور جاتا ہے اسے خیرپور آنے کی ضرورت نہیں اور جو خیرپور جاتا ہے اسے خانپور جانے کی حاجت نہیں ۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت حافظ جمال اللہ کے تمام خلفاء کے لیے ان کی اپنی اجازت کے باوجود حضرت خواجہ خدا بخش رح کی اجازت ضروری ہے۔

مقبوس ۳: بروز جمعرات ۱۱ صفر ۱۳۱۱ھ

حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کے خلفاء حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ کے خلفاء کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مولوی محمدؒ باران حضرت خواجہ محمد سلیمان رضی اللہ عنہ کے تمام خلفاء سے علوم ظاہری و باطنی میں فائق تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تین بزرگوں کے تین خلفاء کمالات ظاہری و باطنی میں باقی تمام خلفاء سے زیادہ بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ایک مولوی محمدؒ باران جو خواجہ سلیمانؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ دوسرے خواجہ خدا بخش صاحب خیرپوریؒ جو حضرت حافظ جمال اللہ قدس سرہ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ تیسرے حضرت مولوی سلطان محمود خان بیلویؒ جو ہمارے حضرت ہمارے قبلہ شیخ الشیوخ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ محمد عاقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن اتباعہ کے برگزیدہ خلیفہ تھے۔

مقبوس ۴: بوقت ظہر بروز شنبہ ۱۱ جمادی الاول ۱۳۱۱ھ

جامع ملفوظات خلوتِ خاص میں حضرت اقدس نے تمام اہل مجلس سے فرمایا کہ باہر چلے جاؤ۔ مجھے رکن الدین (جامع ملفوظات) سے ایک کام ہے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے کمال شفقت سے اس غلام کو نزدیک بٹھا کر فرمایا کہ جو حال ہے بیان کرو۔ چنانچہ بندہ نے عہد طفل سے اس وقت تک جو کچھ پیش آیا تھا عرض

کیا۔ اس کے بعد قبلہ رو ہو کر آپ دو زانو بیٹھ گئے جس طرح آدمی تشہد میں بیٹھتا ہے
اور اس غلام کو حکم فرمایا کہ میری طرح میرے پہلو میں بیٹھ جاؤ۔ بندہ نے حکم کی تعمیل کی۔
اس کے بعد آپ نے از سرِ نو چند اوراد تلقین فرمائے اور اشارات و رموز بھی بندہ کے
کے حسب نصیب عطا فرمائے۔

مصرع بیک دیدارش افتاد آنچہ افتاد
(ایک ہی دیدار میں مل گیا جو مل گیا)

نیز فرمایا کہ اگر اس سے زیادہ جاننے کا شوق ہے تو میرے رسالہ مسالک فریدی کا
مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آیا کتاب کیمیائے سعادت مل سکے گی۔
عرض کیا کہ جی ہاں بندہ کے گھر میں موجود ہے۔ فرمایا پندرہ دن کے بعد آنا اور یہ
دونوں کتابیں ساتھ لانا۔ ان کے چند مقامات کی تمہارے لیے نشان دہی کر دوں گا
اور علم تصوف اور وحدتِ وجود کی ایک اور کتاب بھی تمہیں پڑھاؤں گا کیونکہ اس
علمِ شریف کا حصول واجبات میں سے ہے۔

اس کے بعد عرض کیا کہ حضور! اس غلام کی ساری عمر لہو و لعب میں خراب ہو گئی
ہے اور گناہگاری اور سیہ کاری میں بسر ہوئی ہے۔ صوم و صلوات، حج و زکوٰۃ
جیسے نیک کاموں سے ذرہ بھر بہرہ ور نہیں ہوا۔ اب جب کہ حضور کے دامن کے
نیچے پناہ گیر ہوا ہے۔ یہ بندہ چاہتا ہے کہ حضور کے کلمات عالی کو اپنے ناقص فہم
کے مطابق یاد کر کے ایک کتاب کی صورت میں جمع کرے۔ تاکہ نجات کا ذریعہ ہو
کیونکہ اس سے بہتر کوئی ذریعہ نجات اور توشہ عقبیٰ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم لکھو
پہلے مجھے دکھا دیا کرو۔ میں مناسب ترمیم کر دیا کروں گا۔ اس برکت والی خلوت
کے بعد بندہ اپنے گھر چلا گیا اور مقررہ میعاد کے بعد حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ
کتب مذکور ساتھ لائے ہو۔ عرض کیا جی ہاں! اس کے بعد دونوں کتابیں آپ کی
خدمت میں پیش کر دیں۔ نیز جو ملفوظات بندہ نے اس وقت قلمبند کر لئے تھے وہ
بھی پیش کئے۔

مقبوس ۵ :۔ بوقتِ عصر بروز چہار شنبہ ۲۶ جمادی الاول ۱۳۱۱ھ

چوڑھوں کا اسلام

چوڑھوں کے ایمان اور اسلام کے متعلق گفتگو ہونے لگی - آپ نے فرمایا کہ چوڑھے مسلمان ہیں - باقی رہا خدائے تعالےٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنا - اگرچہ یہ لوگ حرام کھاتے ہیں - حرام کو حلال نہیں سمجھتے بلکہ حرام کو حرام سمجھتے ہیں اور حلال کو حلال - اس سے گناہ لازم آتا ہے کفر لازم نہیں آتا - جس طرح جو شخص ہمیشہ شراب پیتا ہے یا دائماً زنا میں مبتلا ہے وہ گنہگار رہے کافر نہیں ہے - خلاصہ یہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا - پس چوڑھے اہلِ سلام ہیں لیکن حرام کھانے کی وجہ سے گنہگار ہیں - خاص کر ہمارے علاقے میں رہنے والے چوڑھے جو دوسرے گناہ کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور کناسی یعنی صفائی وغیرہ کے سوا کوئی کام نہیں کرتے - ان کے اسلام میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ کناسی موجباتِ کفر میں سے نہیں ہے -

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا جود و کرم

اس کے بعد اولیاءِ کرام کے کمالات کے متعلق گفتگو ہونے لگی - آپ نے فرمایا حضرت محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدین بدایونی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ایک ملازم تھا جو ساری عمر آپ کی غیبت اور شکایت کرتا رہا - حضرت شیخ اس کی بدگوئی کے متعلق جتنی باتیں سنتے تھے کچھ نہیں فرماتے تھے - جب وہ آدمی فوت ہوا تو آپ فوراً اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز ادا کر کے سر سجدہ میں رکھا اور حق تعالےٰ سے دعا کی کہ یا الٰہی اس نے جو کچھ میرے حق میں کہا ہے میں نے معاف کیا ہے - تو بھی اپنی رحمتِ عام کے صدقے اسے معاف کر دے - اگر اس کے ذمہ تیرے حقوق ہیں تو میری اس سفید

داڑھی کے صدقے کہ جسے میں خاکِ عجز و نیاز میں رگڑ رہا ہوں تو اسے معاف کر دے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت محبوبِ الٰہی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر ظاہری و باطنی کمالات اور عظمت عطا کی تھی شاید کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ کہتے ہیں کہ آپ کا لنگر اس قدر وسیع تھا کہ روزانہ کئی اونٹ صرف پیاز کا چھلکہ اٹھا کر باہر پھینکتے تھے باقی اخراجات کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک دن جب کہ آپ کی مجلس میں علماء و مشائخ موجود تھے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ میں مفلس آدمی ہوں۔ مجھے زرِ کثیر عطا فرمائی جائے۔ اس کے ساتھ اس نے بے ہودہ بکواس کی جس سے حضرتِ شیخ کو کافی پریشانی ہوئی لیکن آپ نے کچھ نہ کہا اور خاموشی اور نرمی سے سنتے رہے حاضرینِ مجلس اس کی یاوہ گوئی اور بے ہودہ بکواس سے بہت خفا ہوئے۔ حضرت شیخ کے سامنے کچھ کہہ تو نہیں سکتے تھے لیکن ان کے چہروں سے ناراضگی کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت شیخ نے اس آدمی سے پوچھا کہ اے جوان تو کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا زرِ خالص کے بیس دینار مانگتا ہوں۔ آپ نے اسے چالیس دینار دے کر رخصت کیا۔ حاشیہ نشینوں نے عرض کی کہ حضور اس نے بیہودہ بکواس کی ہے اور آپ نے اسے بیس دینار زیادہ عطا کر دیئے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ میں بھی تمہاری طرح آدمی اور خدا کا بندہ ہوں۔ مجھے تم لوگوں پر کوئی فضیلت نہیں بلکہ علم و فضل میں تم سب مجھ سے زیادہ ہو۔ لیکن اس فضیلت کے باوجود تم میرے قدموں پر سر رکھتے ہو اور میری تعریف و تحسین کرتے ہو۔ پس اس عزت و توقیر کے مقابلے میں یہ بیس دینار جو زائد دیے ہیں کچھ بھی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس شخص نے مجھے میرے عیوبِ نفس سے آگاہ کیا ہے اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ انعام و اکرام کا مستحق ہے اور جو کچھ میں نے اسے دیا ہے وہ اس کے حق سے بہت ہی کم ہے۔

غیر مشروع رسومات کی مذمت

اس کے بعد بری اور غیر شرع رسومات کے متعلق گفتگو ہونے لگی

حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہر شہر اور ہر علاقے میں ایسی بری اور غیر شرع رسوم جاری ہو گئی ہیں کہ ان کو رفع کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے بلکہ دائرہ امکان سے باہر ہو گیا ہے۔ مثلاً ہمارے علاقے کی عورتیں چھوٹی آستین کے کرتے پہنتی ہیں اور بازو ننگے رکھتی ہیں۔ چہرہ اور بدن کو بھی نہیں ڈھانپتیں۔ اکثر عورتیں سر پہ دوپٹہ تو رکھ لیتی ہیں لیکن چہرہ، سر، بال اور سینہ چھپانے کی کوشش نہیں کرتیں بلکہ بے باکانہ اور بے حجابانہ گلی کوچوں میں پھرتی ہیں اور غیر محرم مردوں کے سامنے جلوہ نمائی کرتی ہیں اور اس پر فخر کرتی ہیں۔ شادی بیاہ میں بھی بہت مذموم اور ناشائستہ رسوم جاری ہو گئی ہیں۔ چنانچہ مرد اور عورتیں مل کر ناچتے ہیں اور پاؤں زمین پہ مارتے ہیں اور نقارے کی چوٹ پر تالیاں بجاتے ہیں۔ یہ تمام رسوم اور شگون اہل ہنود اور کافروں کی ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہو گئی ہیں بلکہ ان کو بہت مرغوب اور محبوب ہیں۔ اگر منع کیا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے باپ دادا کی رسومات ہیں کیسے ترک کریں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے قبلہ حضرت خواجہ محمد عاقل رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک دفعہ اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں گئے جب اس علاقے میں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے شیخ حضرت شیخ نور محمد رضی اللہ عنہ جو بڑے متقی و پرہیزگار تھے بلکہ اپنے وقت میں سب سے بڑے متقی تھے۔ ایک شادی کے مجمع میں تشریف رکھتے ہیں اور تمام غیر مشروع رسومات عمل میں لائی جا رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر ہمارے خواجہ نے عرض کیا کہ حضور انور شیخ زماں اور قطب دوراں ہیں۔ ان لوگوں کو کیوں منع نہیں فرماتے تاکہ ان حرکات سے باز آئیں اور خدائے عزوجل اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔ حضرت شیخ نے فرمایا ان رسوم باطلہ نے عوام الناس کے دلوں میں اس قدر گھر کر لیا ہے کہ اگر ان کو منع کیا جائے اور وہ ان سے بھی باز آجائیں اور تقدیر الٰہی سے ان کے اموال اور اولاد میں کوئی نقصان آجائے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ رسومات ادا نہ کرنے کی وجہ سے یہ آفت آئی ہے۔ اس سے وہ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس سے وہ کافر ہو جاتے ہیں لیکن ان رسومات پر عمل کریں تو گنہگار رہوں گے۔ کافر و مشرک نہیں ہوں گے۔ نعوذ باللہ من ذالک

(خدا تعالےٰ اس سے ہمیں بچائے) اس لیے میں نے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ اس پر اس احقر راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضور ان رسومات بد کی وجہ سے ان لوگوں کو سخت گرفت ہوگی یا نہیں۔ فرمایا بڑی گرفت ہوگی۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ دینِ متین کے احکام پر عمل کرنا کتنی بڑی سعادت ہے اور قربِ حق حاصل کرنے کا کس قدر اچھا ذریعہ ہے فرمایا ہاں یہ صراطِ مستقیم اور سوادِ اعظم ہے پس جس نے اس سے باہر قدم رکھا بادیۂ ضلالت و الحاد میں غرق ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بہت سے ایسے شیطانی کام ہیں جو بظاہر اچھے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ نقصان دہ ہوتے ہیں اور انکار کرنے والا شیطان کے فرمانبرداروں میں شامل ہو جاتا ہے۔ شیطان کا کام ہی یہی ہے کہ جہلا کے سامنے برے کاموں کو اچھا بنا کر دکھاتا ہے اور ان کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

حضرت خواجہ فریدالدینؒ گنج شکر کا کشف شیطان کے متعلق

اس کے بعد فرمایا کہ روایت ہے کہ حضرت خواجہ شیخ المشائخ العارفین خواجہ فرید الحق والدین گنج شکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ابتدائے حال میں ایک دفعہ بغرض سیر و سیاحت علاقہ مارواڑ میں تشریف لے گئے اور وہاں کے شہروں اور صحراؤں کی سیر کرتے رہے۔ اتفاقاً آپ کا گذر ایک بڑے مندر یعنی بت خانہ پر ہوا۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی زبان کاٹ کر بت کی نذر کی ہے اور اس کے سامنے آہ و زاری کر رہا ہے۔ اس وقت اس نے مندر کی دیواروں کو چوما اور چاٹا جس سے اس کی زبان درست ہو گئی گویا کبھی خراب ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ دوسرے بت کے سامنے گیا اور زبان کاٹ کر اس کی نذر کی اور اسی طرح دیوار چومنے چاٹنے سے اس کی زبان ٹھیک ہو گئی۔ یہ دیکھ کر تمام لوگ حیران اور سرگردان تھے اور اس شخص کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ حضرت شیخ کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا کہ یہ شخص درحقیقت شیطان ہے جو اس بازی گری سے لوگوں کو شیفتہ

اور فریفتہ کر رہا ہے اور گمراہی کے گڑھے میں ڈال رہا ہے۔ پس آپ اس کے نزدیک گئے اور اس کے کان میں کہا کہ تو ابلیس لعین ہے۔ یہاں سے بھاگ جا اور لوگوں کو گمراہ اور تباہ نہ کر۔ اس پر اس نے اپنے شیطان ہونے کا اعتراف کیا اور بہت شرمندہ ہوا۔

امام غزالیؒ کی عظمت

اس کے بعد آداب سلوک اور طریقت کی کتابوں کا ذکر ہونے لگا حاضرین میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور احیاء العلوم ایسی کتاب ہے جو اسرار و رموز سے لبریز ہے۔ آپ لوگوں کو حکم فرمائیں کہ اس کتاب کو پڑھیں۔ فرمایا ہاں تین کتابوں کا مطالعہ واجب بلکہ فرض ہے کیونکہ یہ لب لباب طریقت اور مقبول اہلِ حقیقت ہیں اور ہمارے مشائخ عظام کا معمول یہی رہا ہے کہ طالبانِ راہ حقیقت کو ان کے مطالعہ کا حکم فرماتے ہیں۔ ان میں سے ایک مصباح الہدایت ترجمہ عوارف المعارف ہے۔ دوسری احیاء العلوم تیسری کیمیائے سعادت ہے جو احیاء العلوم کا خلاصہ ہے اور جو شخص زیادہ علم سے بہرہ ور نہیں اس کے لیے بہت مفید ہے۔

عالمِ ارواح میں حضرت موسیٰؑ اور امام غزالی کی ملاقات اور سوال و جواب

اس کے بعد فرمایا کہ ان دو کتابوں کے مصنف حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ ہیں آپ بڑے بلند پایہ بزرگ ہیں۔ چنانچہ یہ روایت حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں درخواست کی کہ امتِ محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علماء میں سے کسی عالم سے ملاقات کرائی جاوے تاکہ ان سے گفتگو کر سکوں۔ چنانچہ عالمِ ارواح میں امام غزالیؒ کے ساتھ ملاقات وقوع پذیر ہوئی۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے امام غزالیؒ سے سوال کیا کہ آپ کا نام کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا میرا نام محمد بن محمد غزالی ہے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام

نے فرمایا کہ آپ نے ضرورت سے زیادہ جواب دیا ہے یعنی میں نے تو صرف آپ کا نام دریافت کیا تھا۔ آپ نے اپنے والد کا نام اور وطن بھی بتا دیا ہے۔ اس پر امام صاحب نے کہا کہ میں نے یہ اس لیے کیا کہ آپ بھی انسان ہیں۔ میں بھی انسان ہوں۔ ظاہر ہے کہ انسان عالم الغیب نہیں ہے۔ جب آپ کو میرا نام معلوم نہ تھا تو میرے والد اور وطن کا علم بھی آپ کو نہیں ہوگا۔ اس لیے اگر میں صرف اپنا نام بتاتا تو آپ کو مزید سوال کرنے کی زحمت ہوتی۔ اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ضرورت سے زائد بات آپ نے فرمائی تھی۔ جب حق سبحانہٗ و تعالےٰ نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ

مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوسٰى — موسےٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے

تو آپ نے جواب دیا کہ

هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا — میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور
وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي — بکریاں ہانکتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں آپ سے سوال کیا کہ ہاتھ میں کیا ہے۔ اس کا جواب یہ تھا کہ یہ عصا ہے۔ اس سے زیادہ بات کرنا زائد از ضرورت معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے مزاج میں جلال کا غلبہ تھا۔ آپ نے امام غزالیؒ کے منہ پر طمانچہ مارا۔ کہتے ہیں کہ جب امام غزالی پیدا ہوئے تو آپ کے چہرے کی ایک طرف طمانچہ کے اثر سے سُرخ تھی۔

شیخ احمد غزالیؒ

اس کے بعد فرمایا کہ آپ کے بھائی امام احمد غزالی قدس سرہٗ بڑے عالی مقام مشائخ تھے۔ فقر کے میدان میں آپ کے سلاسل امام محمدؒ غزالی سے کہیں زیادہ ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ کبرویہ و سہروردیہ و نوربخشیہ و مذہبیہ آپ ہی کے فیض سے جاری ہو کر آج تک قائم ہیں لیکن امام محمدؒ غزالی سے کوئی سلسلہ جاری نہیں ہوا کیونکہ آپ نے جو خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا اسے اپنے ساتھ لے گئے اور کسی کو عطا نہیں کیا تھا

شیخ احمد غزالیؒ کا کشف

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن کسی نے شیخ احمد غزالی سے دریافت کیا کہ آپ کے بھائی محمدؒ کہاں ہیں اور کس کام میں مشغول ہیں ۔ فرمایا کہ خون میں غرق ہے ۔ سائل نے ان کو تلاش کیا تو مسجد میں پایا ۔ اُسے شیخ احمدؒ رح کی بات سے تعجب ہوا اور ماجرا امام محمدؒ غزالی سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی نے سچ کہا ہے کیونکہ اس وقت میں مسئلہ حیض و نفاس پر غور کر رہا تھا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ احمدؒ کو اپنے بھائی محمدؒ کا فروعات میں اجتہاد پسند نہیں تھا اس لیے فرمایا کہ خون میں غرق ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ غزالی رح کا شمار ابرار میں ہوتا ہے اور شیخ احمدؒ مقربین میں سے تھے ۔ اور حسنات الابرار سیئات المقربین (ابرار کے نزدیک جو نیک اعمال ہیں مقربین کے لیے دہ گناہ کا درجہ رکھتے ہیں) مشہور مقولہ ہے ۔

امام محمدؒ غزالیؒ اور احمدؒ غزالیؒ کا سلسلۂ طریقت

اس کے بعد فرمایا کہ امام محمدؒ غزالی بھی اپنے عصر کے مشائخ عظامؒ اور مشاہیر علمائے امت محمدیہؐ تھے صلے اللہ علیہ وسلم ۔ اس وجہ سے آپ کا لقب حجۃ الاسلام تھا ۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ امام محمدؒ غزالیؒ کا سلسلۂ طریقت کس ولی اللہ سے ملتا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ امام غزالی رح کے پیر شیخ ابو علی فارمدیؒ ہیں اور شیخ احمدؒ غزالی کے پیر شیخ ابوبکر نساج ہیں ۔ شیخ ابو علی فارمدی اور شیخ ابوبکر نساجؒ دونوں حضرت ابو القاسم گورگانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید ہیں ۔ امام غزالی کی عمر چوسٹھ سال تھی (بعض روایات میں چپن سال ہے) دیکھو اس قدر قلیل مدت میں تمام ظاہری اور باطنی علوم کی تکمیل ، کافی عرصہ تک درس و تدریس کا کام جاری رکھا ، اپنے مذہب میں اجتہاد کیا ، ریاضت و مجاہدہ میں کمال حاصل کیا ، اور ہر مضمون پر معتبر کتابیں تصنیف کیں چنانچہ تفسیر یاقوت التاویل جو چالیس جلدوں پر مشتمل ہے ، جواہر القرآن ، احیاء العلوم ،

کیمیائے سعادت، مشکوٰۃ الانوار و دیگر کتب آپ کی تصانیف میں شامل ہیں۔
اس کے بعد فرمایا کہ اس قدر کثیر تصانیف کا وجود میں آنا آپ کی کرامت ہے ورنہ
یہ بات طاقتِ بشر سے باہر ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصانیف ایک کرامت ہے

اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح حضرت شیخ محی الدین ابن عربی شیخ اکبر قدس سرہ
کی تصوف میں تصانیف کی تعداد ایک روایت کے مطابق پانچ سو ہے اور دوسری
روایت کے مطابق ساڑھے تین ہزار ہے۔ یہ بھی آپ کی کرامت اور خرق عادات
ہے کہ جس کا آپ سے ظہور ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ اکبر کتاب فصوص الحکم کے
دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ جو کچھ میں نے تصنیف کیا ہے یا تالیف کیا ہے سب آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سن کر لکھا ہے۔ اس پر اس کمترین بندہ (جامع
ملفوظات) نے عرض کیا کہ حضور کیا اولیاء اللہ کتابوں کی تصنیف کے لیے حق تعالےٰ
کی طرف سے بھی مامور ہوتے ہیں یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ
الْهَوٰى ..... (اپنی طرف سے کلام نہیں کرتے بلکہ وہ بیان کرتے ہیں جو
اللہ تعالےٰ وحی فرماتے ہیں) یہ بات اولیائے کرام کے حق میں بھی صادق آتی ہے
اور قیامت تک یہ حکم نافذ اور جاری رہے گا۔

نسوار سونگھنے کے متعلق فتوےٰ

نسوار کے متعلق بات ہو رہی
تھی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ
نے فرمایا کہ نسوار سونگھنا اچھا کام نہیں ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ درالمختار میں حضرت
شیخ نجم الدین کبریٰ رح سے منقول ہے کہ تمبا کو حرام ہے کیونکہ یہ نشہ آور ہے اور ہر نشہ آور
چیز حرام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نسوار مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ اگرچہ میں بھی نسوار
سونگھتا ہوں لیکن یہ میری عادت نہیں ہے۔ جب ترک کرتا ہوں تو طبیعت میں

کوئی تشویش نہیں ہوتی - جب سفرِ حج پر روانہ ہوا تو نسوار کو ترک کر دیا تھا - جب ہم حرم محترم میں داخل ہوئے تو ہمارے رفقاء جو نسوار کے عادی تھے خوب نسوار استعمال کرتے رہے - میں نے ان سے کہا کہ یہ متبرک مقام ہے - ملائک اور حق تعالےٰ کے انوار و برکات کے نزول کا مقام ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہے یہاں شرک و بدعت کی نجاست سے پرہیز کرنا چاہیئے- چنانچہ ان لوگوں نے میری بات پر عمل کیا اور حرم شریف میں نسوار کو ترک کر دیا -

ملفوظ ۶ :- بوقت عشا بتاریخ ۲۷ ماہ مذکور سن مذکور

اُونی کپڑے پر نماز جائز ہے

حضرت خواجہؒ نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ اونی کپڑے پر نماز پڑھنا کیسا ہے - اس نے جواب دیا کہ شرح وقایہ میں لکھا [illegible] کہ اون پر [illegible] مکروہ ہے - اس کے بعد آپ نے اِس احقر سے دریافت کیا کہ [illegible] کیا خیال [illegible] - عرض کیا کہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ مسئلہ کس طرح ہے - [illegible] نے فر[illegible] [illegible]نی کپڑے پر نماز پڑھنا اور سجدہ دینا بالکل جائز ہے اور اس میں [illegible] کراہت [illegible] ہے - اس احقر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں یاد نہیں مسجد نبوی [illegible] ادجود یکہ [illegible] سے بڑے بڑے [illegible] علم و فاضل لوگ آئے ہوئے تھے - لوگ [illegible] کپڑے [illegible] پر نماز پڑھتے تھے - اگر [illegible] میں کوئی کراہت ہو تو عالم منع کر د[illegible] -

اس کے بعد فرمایا کہ شیعہ مذہب میں سوائے ارض حرم کے کسی جگہ نماز جائز نہیں - میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب شیعہ لوگ جائے نماز پر نماز پڑھتے تھے تو دراز ہو کر جائے نماز سے آگے زمین پر سجدہ کرتے تھے - یہ احقر بندہ رکن الدین جامع ملفوظات عرض پرداز ہے [illegible] - کہ شرح وقایہ کی عبارت اپنی

جگہ پر لیکن کسی معتبر کتاب مثل کنزالاقائق، درالمختیار کی شروحات، جامع الرموز، اور ہدایہ میں کسی جگہ یہ نہیں لکھا کہ اذن پہ نماز مکروہ ہے۔ (اس کے بعد مولانا رکن الدین نے فقہ کی متعدد کتابوں کے حوالہ جات پیش کیے ہیں جو طوالت کے خوف سے ترک کیے گئے)۔

خواب میں تلقین وظیفہ

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں میاں محمد بن میاں نور محمدؒ صاحب حاجی پوری کے خادمان میں سے ایک خادم ہوں۔ انہوں نے مجھے ایک کام کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اگر اجازت ہو تو عرض کردوں۔ آپ نے فرمایا کہو۔ اس نے کہا کہ میاں صاحب نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور انور نے عالم رویا میں قرآن شریف کی ایک آیت ان کو تعلیم کی اور فرمایا کہ اس آیت کو پڑھا کرو۔ جب وہ بیدار ہوئے محویت کی وجہ سے اور تو کچھ یاد نہ تھا۔ آیۂ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (نہیں بھیجا ہم نے تجھے اے پیغمبرؐ بجز رحمت سارے جہانوں کے لیے) یاد تھی۔ پس انہوں نے مجھے آیت کی صحت، تعیّنِ وقت اور تعداد کے متعلق دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ جو حکم عالی ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ آپ نے یہی آیت کاغذ پہ لکھ کر اس کو دی اور فرمایا کہ اسے صبح کی نماز کے بعد یا جب موقعہ ملے تریاسی ۸۳ بار پڑھ کر اپنے جسم پر دم کرے۔ اس کے بعد اس آدمی نے کسی دوسرے آدمی کی طرف سے عرض کیا کہ اسے خوف جگر اور ہول دل کی وجہ سے دسا دس آتے ہیں۔ کوئی تعویذ عنایت فرمائیں۔ آپ نے یہ آیت لکھ کر دی اور فرمایا کہ تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْا اِیْمَاناً مَّعَ اِیْمَانِھِمْ وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْماً حَکِیْماً ط

مقبوس :- بوقت دوپہر روز جمعرات پہلی شعبان سال مذکور

دنیا سے ایمان سلامت لے جانے پر شکر واجب ہے

حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے دوسرے سے پوچھا کیا حال ہے۔ اس نے کہا شکر ہے لیکن فوراً کہا کہ میں نے غلط کہا ہے اور خطا کی ہے کیونکہ شکر اس وقت ادا کروں گا جب کوٹ مٹھن میں دفن ہوں گا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اے جوان آج تم نے مشائخ کبار کی طرح بات کہی ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک دفعہ سید الطائفہ حضرت جنید رضی اللہ تعالے عنہ چند لوگوں کے ساتھ بیٹھے بات کر رہے تھے اور اپنے ارادے ظاہر کر رہے تھے۔ ایک نے کہا خیریت ہے۔ دوسرے نے جواب دیا شکر ہے۔ حضرت شیخ جنیدؒ نے فرمایا اے دوست ابھی تک تو اس فانی دنیا میں ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ کس طرح اس دنیا سے رخصت ہو گے۔ شکر اس وقت ادا کرنا چاہیئے جب یہاں سے ایمان سلامت لے جائے کیونکہ عاقبت کی خبر نہیں کہ خاتمہ کس طرح ہو گا۔

حقیقت ایمان کامل

اس کے بعد ایمان کامل کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ایک دفعہ سلطان العارفین شیخ الشیوخ حضرت خواجہ محمد عاقل رضی اللہ تعالے عنہ سے کسی نے ایمان کامل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایمانِ کامل فقر تام (مکمل فقر) کا نام ہے اور یہ بھی فرمایا کہ الحمد لِلّٰہِ اَنَا مُؤمِنٌ کامل (الحمد للہ میں مومن کامل ہوں)

طاق عدد منحوس نہیں متبرک ہے

اس کے بعد چند گویے آئے اور گانا سنایا۔ فراغت کے بعد آپ نے ایک کو تین روپے اور دوسرے کو دس روپے عنایت

فرمائے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور جس آدمی کو آپ نے تین روپے دیئے ہیں عرض کرتا ہے چار روپے عنایت کیے جائیں کیونکہ تین کا عدد اچھا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات سادہ لوح آدمیوں کے دل میں غلط بیٹھ گئی ہے کہ تین یا پانچ یعنی و تر (طاق عدد) منحوس ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ مشائخ عظام کا ہر کام طاق عدد کے ساتھ ہوتا ہے۔ نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر کام میں طاق عدد کی تاکید فرمائی ہے چنانچہ تبسم فرما کر دوسرے آدمی سے کہا کہ تم بھی دس روپوں میں سے ایک روپیہ واپس کر دو تاکہ تمہارا عدد بھی طاق ہو جائے۔ اس پر تمام اہلِ مجلس ہنسے اور وہ لوگ چلے گئے

الطرق الی اللہ

اس کے بعد راہِ خدا تعالےٰ کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ میرے شیخ قبلہ و کعبہ فرمایا کرتے تھے کہ شمس العارفین حضرت مولانا فخر الدین دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کو ملنے کے راستے اتنے ہیں جتنے کہ آسمان میں ستارے[1]۔

مقبوس ۸:- بوقت عشا بروز شنبہ ماہ و سال مذکور

مختلف اقوام کے بیان میں

دولت پابوسی نصیب ہوئی۔ مختلف اقوام کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہندوستان، مارواڑ اور پنجاب کے لوگ ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور اس ملک کے قدیم باشندگان میں سے ہیں لیکن چار قومیں باہر سے آکر آباد ہوئی ہیں۔

۱- اولیاء کرام سے یہ بھی منقول ہے۔ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق (اللہ تعالیٰ تک رسائی کے راستوں کی تعداد اتنی ہے جتنے کہ تمام مخلوق کے سانس)۔

ایک قریش، جو عرب شریف سے آئی ہے - دوسری بلوچ جو ایران سے آئی ہے - تیسری افغان جو خراسان اور چوتھی مغل جو ترکستان سے نقل مکانی کر کے یہاں آباد ہوئی ہے - حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی دہلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں - فرمایا کہ آپ صحیح النسب سید بخاری ہیں اور حضرت مخدوم جلال الدین سرخ بخاری اوچی قدس سرہٗ سے بھی رشتہ قرابت رکھتے ہیں - اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے سلسلہ چشتیہ کے مشائخ اہلِ سادات ہیں - ان میں سے چار چشت میں مدفون ہیں - ایک خواجہ ابو احمد ابدال - دوسرے آپ کے فرزند خواجہ ابو محمد محترم - تیسرے حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف - چوتھے آپ کے فرزند ارجمند خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس اسرار ہم ہیں - تین ہندوستان میں ہیں - ایک حضرت خواجہ معین الحق والدین اجمیری رضی اللہ تعالےٰ عنہ - دوسرے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی - تیسرے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بدایونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ - اس کے بعد سائل نے عرض کیا کہ کیا حضرت خواجہ امام بصری بھی سادات میں سے ہیں - آپ نے فرمایا کہ آنجناب اقوام عرب میں سے ہیں علوی نہیں ہیں - لیکن یہ بات اچھی طرح معلوم نہیں کہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں - سائل نے پھر کہا کہ کیا سلسلہ چشتیہ بہشتیہ ان سے متصل ہے - فرمایا ہاں آپ پیر پیران اور مقتدائے جملہ خواجگان اور منتہائے تمام مشائخ طریقت ہیں - چاروں سلسلے یعنی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ آپ ہی سے جاری ہیں اور آپ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مرید ہیں اور خرقہ خلافت بھی ان ہی کے دست حق پرست سے حاصل کیا ہے۔

قدیم ترین مذہب

اس کے بعد اہل ہنود (ہندو) کے مذہب کا ذکر ہونے لگا - آپ نے فرمایا کہ ہنود کا مذہب قدیم اور کہنہ ہے اور ہر مذہب اس کے بعد وجود میں آیا ہے کیونکہ یہ مذہب حضرت آدم علیہ السلام کا ہے - اس کے بعد جو پیغمبر تشریف لائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے

حکم سے انہوں نے مذہب ہنود سے مخالفت کی اور وہ شریعت نافذ کی جو اس پر نازل ہوئی۔

ذکر خلفائے قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

اس کے بعد حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ کے خلفا کی شان و مراتب اور ان کی باہمی الفت و محبت کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی قطب الاقطاب ہیں۔ ان کے اور ہمارے شیخ الشیوخ خواجہ محمد عاقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان بے حد محبت تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ ہمارے شیخ قدس سرہٗ سخت بیمار ہو گئے۔ جس قدر علاج معالجہ کیا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ حضرت حافظ جمال اللہ رحؒ کی خدمت یہ ایک شعر لکھ کر قاصد کے ذریعے بھیجا کہ ؎

بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

(میری جان لبوں تک پہنچ چکی ہے تو آتا کہ میں زندہ رہوں۔ میرے مرنے کے بعد آئے تو کیا فائدہ)

قاصد ظہر کے وقت ملتان پہنچا۔ حضرت حافظ صاحب نماز ظہر پڑھ کر مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ قاصد نے رقعہ پیش کیا۔ پڑھ کر خادم کو حکم دیا کہ فوراً گھوڑے پر زین رکھو اور خود گھر اطلاع کیے بغیر روانہ ہو پڑے۔ حتیٰ کہ آپ پا پیادہ دریائے چناب کے کنارے بندر شیر شاہ تک پہنچ گئے جو ملتان سے سات کوس پر ہے۔ خادم بیچارہ بھاگتے بھاگتے ان سے جا ملا۔ اس اثنار میں حضرت خواجہ نے اس غلام کی طرف توجہ کر کے فرمایا کہ دیکھو کمالِ محبت نے گھوڑے پر زین ڈالنے کی انتظار بھی نہ کرنے دی۔ حضرت حافظ صاحب دوسرے دن حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچے اور بغلگیر ہوتے ہی ہمارے حضرت خواجہ صاحب کی بیماری رخصت ہو گئی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی بیمار ہی نہیں ہوئے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت حافظ جمال اللہؒ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً مولوی گل محمد بھی جو ہمارے حضرت صاحب الروضہ (قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ) کے مرید تھے موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یار یہ تو بتاؤ کہ ہمارے پیر حضرت قبلہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ہم فقیروں کا کفیل اور سردار کون ہوگا۔ مولوی گل محمدؒ نے کہا خدا بہتر جانتا ہے۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ آپ کا پیر ہوگا۔

مقبوس ۹ :- بوقت عشاء بروز سہ شنبہ ماہ و سال مذکور

انگریز انجینئر نے حضرت خواجہ کے خوف سے سڑک کا رُخ تبدیل کر دیا

حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا ایک انگریز افسر نے ہمارے حضرت خواجہ محمد عاقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ اقدس کے سامنے سڑک کا نقشہ تیار کیا۔ اس نے رات کو ایک خواب دیکھا اور ردوڑتا ہوا آیا کہ حضرت خواجہ خدا بخش رضی اللہ عنہ کہاں ہیں لوگوں نے کہا کہ چاچڑاں شریف میں ہیں۔ اس نے کہا اٹھو ہم ان کی خدمت میں جا کر معافی مانگتے ہیں۔ پس وہ افسر چاچڑاں جا کر حضرت محبوب الٰہی خواجہ خدا بخش قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں صدق دل سے آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا جو کچھ تم نے بیان کیا ہے۔ واقعہ اس طرح نہیں ہے بلکہ قصہ یوں ہے کہ اس انگریز افسر نے سڑک اس حرم محترم کے گرد تجویز کی جس کے اندر روضہ منوّرہ ہے۔ جب اس کی خبر حضرت محبوب الٰہی کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے یہ کام کیا تو جوتے مار کر سر توڑ دوں گا۔ یہ بات سن کر انگریز نے یہ خیال ترک کر دیا۔

انگریز کپتان جہاز کا مسلمان ہونا

اس کے بعد فرمایا کہ میرے پیر امام العارفین قطب الارشاد حضرت خواجہ فخرالدین والملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریائے سندھ کے راستے بذریعہ جہاز کراچی جانے کا قصد فرمایا - جہاز کے تمام ملازم آپ کے مرید اور جان نثار تھے چنانچہ ہر شخص نے آپ کی غلامی میں کمر باندھ لی اور کام میں مصروف ہو گئے - جہاز کے افسر نے جو انگریز تھا جب دیکھا کہ اس کا تمام ماتحت عملہ حضرت خواجہ کی خدمت میں اس قدر عجز و انکسار سے پیش آ رہا ہے - نیز جب اس نے حضرت خواجہ صاحب کی نورانی شکل کا مشاہدہ کیا اور ولایت کے آثار دیکھے تو اس کے دل میں عقیدت پیدا ہوئی اور آپ کی خدمت میں عرض کرایا کہ میں لاولد ہوں - دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے لڑکا عطا فرمائے - آپ نے کہلا بھیجا کہ اگر تو اسلام قبول کرے تو تمہارے بیٹے کا پیدا ہونا میرے ذمہ ہے - اس نے عرض کیا کہ میں پانچسو روپے ماہانہ تنخواہ لے رہا ہوں - اسلام قبول کرنے پر وہ مجھے برطرف کر دینگے اور میں تنخواہ سے محروم ہو جاؤنگا حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر تم برطرف ہو گئے تو میرے ہاں مقیم ہو جانا جو تنخواہ یہاں لے رہے ہو یہ فقیر ہر ماہ اپنی گرہ سے ادا کر دیا کرے گا - اس نے کہا کہ مجھے منظور ہے لیکن اس معاملہ میں اپنی بیوی سے مشورہ کر لوں - اس کے بعد حضرت خواجہ بزرگ کراچی تشریف لے گئے اور اسے وہاں چھوڑ دیا - واپسی پر آپ نے اس کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ مر گیا ہے - آپ نے افسوس کیا اور اس کی موت کا واقعہ دریافت فرمایا - لوگوں نے بتایا کہ وہ اس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں لیکن اس کی بیوی منع کر رہی تھی اور اسے ملامت کرتی تھی کہ یہ کام مت کرو - جب اس نے دیکھا کہ اس نے اسلام سے مشرف ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا تو اس نے اسے زہر دیدی اور وہ فوت ہو گیا - حاضرین نے عرض کیا کہ حضور اس کی عاقبت کس طرح ہو گی کفر پر یا ایمان پر - حضرت خواجہؒ نے فرمایا اس کی عاقبت محمود ہے کیونکہ وہ ایمان پر مرا ہے -

حضرت خواجہ غلام فخرالدین کی عظمت

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہمارے پیر شیخ اکبر، خواجہ بزرگ اور بلند مقام ہیں۔ نیز فرمایا کہ حضرت میاں صاحب میاں خواجہ اللہ بخش تونسوی نے میرے شیخ کے متعلق فرمایا ہے کہ در اصل مشائخ عظام اور پیرانِ طریقت کے سجادہ مشیخیت پر آپ (خواجہ فخرالدین قدس سرہ) متمکن ہیں نہ ہم نہ کوئی دوسرا۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں (حضرت خواجہ اللہ بخش) نے انصاف کی بات کہی ہے۔ بیشک امر واقعہ اسی طرح ہے اور ان کو معلوم ہے۔

اس کے بعد فرمایا مجھے حافظ غلام یٰسین چیلا دہنی نے بتایا ہے اور ان کو ان کے چچا مولوی غلام فخرالدین نے بتایا کہ ایک دفعہ سید الواصلین خواجہ فخرالدین والملت رضی اللہ تعالےٰ عنہ، حضرت قبلہ عالم دعالمیان خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ کے مزار پرانوار کی زیارت کے لیے اپنے اصحاب سمیت جا رہے تھے۔ جب میرے گھر کے قریب آپ کا گذر ہوا تو میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ایسے مشغول بخدا تھے کہ جیسے مشائخ متقدمین ہوا کرتے تھے۔ بیشک آپ شغلِ اصلی میں مشغول تھے اور ہمارے زمانے میں دوسرے لوگ نقلی شغل میں مشغول ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحب مذکور بھی نیک آدمی تھے کہ ان کو یہ بات معلوم ہو گئی اور حضرت شیخ کو پہچان لیا۔

حضرت قبلہ عالم کے حقیقی جانشین حضرت قاضی محمدؐ عاقل ہیں

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلۂ عالم فرید العصر وحید الدہر خواجہ نور محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سجادہ نشین[1] قدوۂ محققین ہمارے خواجہ قاضی محمدؐ عاقل رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں[1]۔ اور اس

---

۱ - سجادہ نشین سے مراد یہاں جانشین ہے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کے چار خلفاء تھے لیکن جانشین ہمیشہ ایک ہوتا ہے اور وہ خلیفہ جانشین کہلاتا ہے جو سب سے زیادہ
(باقی برصد -)

بارے میں میرے پاس چند شواہد اور اسناد ہیں - ایک یہ کہ حضرت قبلۂ عالم نے اپنے فرزند ارجمند خواجہ نور حسن کو اپنے سامنے ہمارے حضرت قاضی صاحب قدس سرہٗ سے بیعت کرایا -

حضرت قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کا خواب میں خلافت حاصل کرنا

حالانکہ حضرت قبلۂ عالم کے تمام خلفاء اس وقت موجود اور حاضر تھے - ان میں سے کسی کو یہ خدمت سپرد نہ کی - دوسری بات یہ ہے کہ ایک دن حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا کہ آیا آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے - کسی شخص نے جواب نہ دیا - لیکن ہمارے خواجہ علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا ہے - آپ نے خلوت میں ان سے دریافت کیا کہ کیا دیکھا ہے - انہوں نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصری سے لے کر حضرت مولانا فخر الدین محبّ جہان دہلوی قدس اسرارہم تک تمام پیرانِ طریقت بھی حاضر ہیں - اس جگہ ایک حوض تھا جس میں روح گلاب اور عطر خالص ملا ہوا تھا - اس حوض میں مجھے غسل دیا گیا اور حضرت مولانا قدس سرہٗ نے اپنے مبارک ہاتھ سے میرے سر پر دستار باندھی اور پوشاک پہنائی - اس کے بعد میں بیدار ہو گیا اور اب تک اس عطر کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں -

---

بقیہ صـــ - باکمال ہو اور شیخ کے بعد اس کی مسند پر بیٹھے - یہاں اگرچہ ظاہراً حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی مسند پر آپ کے فرزند خواجہ نور حسن قدس سرہ متمکن ہوئے لیکن چوں کہ آپ نے ان کا ہاتھ قاضی صاحب قدس سرہ کے ہاتھ میں دیا تھا حقیقت میں جانشین حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوئے - خلیفہ جانشین کے لیے یہ ضروری نہیں کہ شیخ کے شہر میں مقیم رہے - بلکہ جہاں کا حکم ہو جا سکتا ہے - جس طرح حضرت خواجہ گنج شکر قدس سرہٗ کو ان کی عدم موجودگی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ نے اپنا جانشین مقرر فرمایا - کچھ عرصہ دہلی میں رہنے کے بعد حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ہانسی جا کر مقیم ہوئے - پھر وہاں سے اجودھن (پاکپتن) تشریف لے گئے -

اس پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تجھے مبارک ہو۔ میری خواہش بھی یہی تھی الحمد للہ کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے تمہیں سجادگی عطا کی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے تمام کام ہمارے قبلہ قاضی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تولیت میں دے دیئے تھے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ آپ حضرت قبلۂ عالمؒ کے اہلِ بیت کی طرح تھے کیونکہ مستورات یعنی ازواجِ مطہراتِ حضرت قبلۂ عالم ہمارے حضرت سے پردہ نہیں کرتے تھے۔ اور آپ بچوں کی طرح گھر میں آیا جایا کرتے تھے اور یہ نہایتِ قرب کی علامت ہے جو اور کسی کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ معاملہ وراثت پر موقوف نہیں جس طرح کہ نبوت۔ اگر نبوت موروثی ہوتی تو تمام پیغمبر پشت بہ پشت ایک ہی خاندان میں ہوتے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے نبی ایسی جگہ پر مبعوث ہوتے تھے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتا تھا کہ اس جگہ ہوں گے اور نبوت و ولایت میں کوئی فرق نہیں۔ وہی ایک چیز ہے جسے چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں یہ نوشتۂ پیشانی ہے۔ چنانچہ نقل ہے کہ حضرت خواجہ نور الصمد شہید نے اپنے والد بزرگوار حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو وصال سے دو دن پہلے عرض کیا کہ حضور مہربانی فرمادیں مجھے بھی خواجگان کی نعمت سے حصہ ملے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فرمایا بیٹے ابھی یاد آیا ہے۔ جب میری زندگی کے دو دن باقی رہ گئے ہیں۔ اس سے پہلے تم کہاں تھے۔ اب کام میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے لیکن ایک حیلہ باقی ہے۔ اگر اس پر عمل کرو تو امید ہے کہ کچھ حصہ مل جائے گا۔ وہ حیلہ یہ ہے کہ ہمارے فقراء کی خدمت اپنے اوپر لازم کرلو اور روز و شب ان کی صحبت میں بسر کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کی نفی

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہٗ ہمارے قبلہ قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت خاتم النبیین کے بعد خلعتِ نبوت کسی کو عطا ہوتی

تو قاضی صاحب کو عطا ہوتی - اور حضرت مولانا قدس سرہٗ حضرت خواجہ نور محمد نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے احباب اور فقراء میں ان کی مثل کوئی شخص نہیں - اس کے بعد حضرت خواجہ نے احقر راقم الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ دیکھو کہ پیر کا پیر اپنے مرید کے مرید کے حق میں کس قدر مدحت سرائی کرتا ہے اس سے ان کا عالی مقام ظاہر ہوتا ہے -

حضرت شیخ قبلہ عالم کے ہاں حضرت قاضی صاحب کا قرب و منزلت

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انیس خلوت اور شبانہ روز ہم جلیس، ہمدم، محرم راز اور یگانہ تھے - ان کے لیے اور حضرت خواجہ نور محمد نارووال کے لیے ہمیشہ اجازتِ عام تھی - ہر وقت بلا تردّد آیا جایا کرتے تھے - اور حضرت شیخ جس حال میں ہوتے تھے یہ دونوں حضرات حاضر ہوتے تھے اور خدمتِ اقدس میں بیٹھ جاتے تھے لیکن حضرت حافظ جمال اللہ قدس سرہٗ کے لیے اجازت طلب کرنا ضروری تھا - جب حجرۂ خاص کے باہر آپ پہنچتے تو اندر جانے کی اجازت طلب کرتے - اگر اجازت ہوتی اندر جاتے تھے ورنہ واپس چلے جاتے تھے - اور اپنے متعلق (حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی خود) یہ فرماتے تھے - ہم غریبوں کو کوئی نہیں پوچھتا کہ کون ہے -

حضرت قبلہ عالم کے خلفاء میں سب سے زیادہ رشد و ہدایت کا ظہور حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے ہوا

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہٗ سے رشد و ہدایت کا اس قدر ظہور ہوا کہ باقی خلفاء میں سے کسی کے ہاتھ سے نہیں ہوا - کیونکہ آپ کے رشد و ارشاد کا یہ حال ہے کہ اگر ہمارے حضرت صاحب

روضہ (قاضی صاحب قدس سرہٗ) سے لے کر مجھ تک کے تمام مریدین اور حضرت خواجہ نور محمد نارووالہ ؒ اور جناب حافظ جمال اللہ ملتانی ؒ اور حضرت غلام حسن صاحب چلیہ ہنی کے تمام مریدین اور ان کے تمام سجادگان و خلفاء کے مریدین کا شمار کیا جاتے تو بیس لاکھ یا زیادہ سے زیادہ پچیس لاکھ آدمی ہوں گے اور یہ تعداد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہٗ اور آپ کے خلفاء کے مریدین کا نصف بھی نہ ہوگا۔ مثلاً تونسہ کی غرب کی طرف نظر کریں تو قندھار اور غزنی تک آپ کے مریدین پھیلے ہوئے ہیں اگر شمال کی جانب دیکھیں تو پشاور اور خراسان تک۔ شرق کی جانب کشمیر تک اور ہندوستان میں حیدرآباد دکن تک آپ کے مرید اور غلام موجود ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب ہمارے شیخ فخر الاولیا مولانا فخر جہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمیر شریف میں قیام پذیر تھے۔ اس شہر کے شرفا اور اکابر میں سے پانچسو آدمی آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور سلسلۂ قدسیہ فخریہ میں داخل ہوئے۔

حضرت خواجہ نور محمد نارووالہ ؒ کی عظمت کا ذکر انکے شیخ کی زبان پر اس بارے

بعد فرمایا کہ جب حضرت خواجہ نور محمد نارووالہ قدس سرہٗ کا وصال ہوا۔ تو آپ کے پیر حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد قدس سرہٗ ان کے مزار پر حاجی پور تشریف لے گئے اور ان کے فرزند ارجمند حافظ محمد صاحب سے فرمایا کہ تم ان کی قبر پہ روضہ کیوں نہیں تعمیر کرتے کیونکہ میں نے جس ولی صاحب روضہ کو دیکھا ہے ان سے زیادہ نہیں دیکھا۔ خواجہ محمد نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور نے حکم دیا ہے تو روضہ فوراً تعمیر ہو جائے گا۔ اس کے فوراً بعد ان کے دولتمند مریدین کی مدد سے ایک عالی شان مقبرہ وجود میں آگیا۔ معاونین میں سے ایک غازی خان داؤد پوتہ تھے جو گڑھی اختیار خان کے باشندہ تھے اور حضرت میاں صاحب کے بڑے مخلص مریدین میں سے تھے۔ انہوں نے غازی پور میں جو گڑھی سے شمال کی جانب تین کوس کے فاصلہ پہ ایک بلند محل تیار کرایا ہوا تھا جس کی چھت پہ بیٹھ کر اپنے پیر کے روضہ اقدس کی زیارت کیا کرتا

تھا ۔ جب حضرت خواجہؒ نے حکایت تمام کی تو احقر نے عرض کیا کہ حضور! حضرت خواجہ نور محمدؒ کے لقب نارووالہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے ۔ فرمایا کہ نارووالہ ایک چاہ کا نام جو آپ کا مسکن ہے ۔

صحبتِ شیخ کی مدّت

اس کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر رہنے کا ذکر ہونے لگا ۔ فرمایا پہلے دستور یہ تھا کہ ہر سال مرید چھ ماہ حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کرتے تھے اور ریاضت و مجاہدہ کر کے فیوض و برکات حاصل کرتے تھے اور چھ ماہ اپنے گھر میں بسر کرتے تھے ۔ لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ نو ماہ شیخ کی خدمت میں رہے اور تین ماہ اپنے گھر میں گزارے ۔ اس زمانے کے مہلکات سے نجات کا یہی طریقہ ہے ۔

شیخ کی نافرمانی کا حشر

اس کے بعد فرمایا کہ حافظ جان محمدؒ سیت پوری جو ہمارے حضرت قبلہ قاضی صاحب قدس سرہٗ کے نامور مرید اور بلند مرتبہ بزرگ ہیں جب سیت پور سے آ کر آپ کے مرید ہوئے تو چند روز اقامت کے بعد واپس جانے کی اجازت طلب کرنے لگے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا حافظ جی تمہارے لیے چند روز مزید ہمارے پاس رہنا ضروری ہے کیونکہ آپ نے نور باطن سے معلوم کر لیا تھا کہ ان پر وارداتِ الٰہی کا نزول ہونے والا ہے ۔ لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اور زیادہ عجز و انکسار سے رخصت طلب کرنے لگے ۔ اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر رہنا پسند نہیں کرتے تو تمہاری مرضی جاؤ ۔ چنانچہ وہ گھر کی طرف روانہ ہو گئے ۔ جب ونگ نامی گاؤں جو کوٹ مٹھن سے شمال مشرق کی طرف راجن پور کے نزدیک تین کوس کے فاصلہ پر ہے پہنچے تو وہاں ان کے ایک دوست حافظ اسحاق نامی رہتے تھے ۔ رات اس کے گھر پر رہے ۔ علی الصبح وضو کر کے مسجد میں گئے اور مصلّے پر کھڑے ہو کر امامت کرائی

اور ہوش و حواس کی سلامتی سے نماز ادا کی - سلام پھیرنے کے بعد بے معنی باتیں کرنے لگے کہ اس جگہ نہ رکھا اور اس جگہ نہ رکھا اس قسم کی بے معنی باتیں کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور اسحاق کے حق میں ایسی باتیں کرنے لگے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اسہال میں مبتلا ہو کر مر جائے گا - اس کے بعد ڈنڈا ہاتھ میں لیا اور اہلِ مسجد کو مارنے لگے - پھر ویرانے میں چلے گئے اور آنے جانے والوں کو روکنے لگے - جو شخص سامنے آتا اس کی خوب پٹائی کرتے - غرضیکہ انہوں نے ساری عمر جنون اور دیوانگی میں گزار دی - آخر عمر میں کپڑے بھی اتار کر پھینک دیئے اور ننگا رہنے لگے لیکن پہلے کی نسبت زد و کوب کم کرتے تھے -

مجذوب نے قیدیوں کی رہائی کرائی

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے خواجہ قبلہ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالےٰ عنہ (حضرت خواجہ خدا بخش قدس سرہٗ خواجہ غلام فریدؒ کے والد) کے مریدین میں سے چند لوگ خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے کسی مقدمہ کے متعلق حضرتِ شیخ سے درخواست کی کہ فلاں حاکم کے پاس سفارشی خط تحریر فرما دیں تاکہ ان کے آدمیوں کو جو قید خانہ میں تھے رہا کر دے - آپ نے فرمایا کہ حاکم کے پاس ہرگز خط نہیں لکھوں گا - اگر چاہو تو حافظ جان محمدؒ مجذوب کے پاس خط لکھ دوں - انہوں نے یہ بات قبول کر لی اور حضرت خواجہؒ نے حافظ صاحب کے نام خط لکھ کر ان کے حوالے کیا - انہوں نے جا کر خط حافظ جان محمدؒ کو دے دیا - حافظ صاحب نے خط کو ہاتھ میں لے کر چوما اور آنکھوں پر رکھا - اس کے بعد وہ باہر چلے گئے اور کچھ دیر کے بعد ایک ٹوکری میں کچھ پھل لا کر ان کے سامنے رکھے کہ یہ میری مہمانی ہے اور خود حاکم کے پاس چلے گئے اور جا کر کہا کہ میرے پیر نے فلاں آدمیوں کی رہائی کے متعلق خط لکھا ہے - اگر تم ان کو رہا کرتے ہو تو درست ورنہ وہ خود بخود چلے جائیں گے - حاکم نے کہا یہ کوئی دستور نہیں - میں ان کو ہرگز رہا

نہیں کروں گا۔ یہ سن کر وہ وہاں سے واپس آئے اور قید خانہ کی طرف جا کر قیدیوں سے کہا کہ اپنے زنجیر توڑ دو اور باہر چلے جاؤ۔ کوئی شخص تمہارا نام نہیں لے گا۔ انہوں نے آپ کے کہنے پر عمل کیا اور جیل خانے سے باہر چلے گئے لیکن کسی نے ان سے یہ نہ پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ دیکھو اس وقت وہ عاقل اور دانا ہو گئے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولوی نور محمدؒ بڑا محمد پوری بھی ہمارے حضرت صاحب روضہ کے خلیفہ تھے۔

اسی مجذوب نے تمام بھینسوں کو بلا کر دودھ حاصل کیا

ایک دن وہ حضرت شیخؒ کی زیارت کے لیے حاضر ہونے کی غرض سے کشتی میں سوار ہو کر آرہے تھے کہ دریا کے کنارے ایک جنگل میں حافظ جان محمدؒ مجذوب ڈنڈا کندھے پر رکھ کر آرہے تھے۔ جب نزدیک پہنچے تو دریافت کیا کہ مولوی صاحب کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں۔ حافظ صاحب نے کہا میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو کشتی میں بٹھا لیا لیکن ڈر رہے تھے کہ خدانخواستہ کوئی حرکت نہ کر دیں اور مارنا پیٹنا شروع نہ کر دیں۔ لیکن وہ خاموش بیٹھے رہے۔ جب دن غروب ہو گیا تو مولوی نور محمدؒ نے اپنے آدمیوں کو قریب کے گاؤں میں بھیجا تاکہ دودھ لے آئیں لیکن وہ لوگ خالی ہاتھ واپس آئے اور شکایت کی کہ گاؤں کے لوگ بدتمیز ہیں۔ انہوں نے دودھ دینے سے انکار کیا ہے اور سخت سست بھی کہا ہے۔ یہ سن کر حافظ جان محمدؒ نے غصہ میں آکر کہا کہ مولوی صاحب اتنی مدت تم حضرت شیخؒ کی صحبت میں رہے ہو ابھی تک دودھ حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوئے۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دائیں بائیں دیکھ کر بھینسوں کو اس طرح آواز دینے لگے جس طرح گلہ بان دودھ نکالنے کے وقت آواز دیتے ہیں۔ ان کی آواز سن کر ہر طرف سے بھینسیں جمع ہونے لگیں۔ بھینسوں کے مالک

بھی ڈر کے مارے بھاگتے ہوئے آئے اور حافظ صاحب کے سامنے جھک کر بصد عجز و نیاز معافی مانگی اور اس قدر دودھ پیش کیا کہ مولوی صاحب اور ان کے تمام ہمراہی سیر ہو گئے بلکہ پانی کی بجائے سب دودھ پیتے رہے۔

حضرت قاضی محمد عاقل رح کے خلفاء

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضرت صاحب روضہ علیہ الرحمۃ کے کتنے اور کون کون خلفاء تھے۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ دو کا تو ذکر ہو چکا ہے۔ تیسرے خلیفہ مولوی عبداللہ بھٹھار احمد پوری، چھٹے مولوی گل حسن احمد پوری، پانچویں مولوی سلطان محمود خان بیلوی ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں۔

اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے دریافت کیا۔ مجذوب فقیر جسے لوگ مکوڑا کہتے تھے اور رمان مان بھی کہلاتے تھے اور اکثر اوقات چاچڑاں شریف میں رہتے تھے ان کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بڑے بزرگ تھے۔ اور مولوی صاحب مولوی سلطان محمود خان بیلوی کے مرید تھے۔

نواب غازی الدین دکھنی رح

اس کے بعد نوابوں کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ نواب غازی الدین دکھنی رحمۃ اللہ علیہ ظاہری شان و شوکت کے باوجود سب کچھ ترک کر کے دہلی پہنچے اور حضرت مولانا قدس سرہٗ (مولانا فخر دہلوی رح) کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور صحبتِ شیخ اختیار کر کے شغلِ حق میں مشغول ہو گئے۔ کافی عرصے کے بعد تکمیل کو پہنچے اور خلافت حاصل کر کے ظاہری اور باطنی ولایت سے مشرف ہوئے۔ وہ درویش کامل تھے۔ اپنے شیخ کی مدحت میں انھوں نے یہ شعر کہا ہے ؎

سزا است فخرِ جہاں را خطاب ذی النورین
کہ از دو نورِ رُخے آفاق طرح ظلمت ہست

(مولانا فخر جہاں دہلوی کو خطاب ذوالنورین راست آتا ہے کیونکہ ان کے

دو نوروں سے جہان روشن ہے -)

حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ دو نور سے مراد ایک قبلۂ عالم وعالمیان حضرت خواجہ نور محمدؐ مہاروی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور دوسرے خواجہ نور محمدؐ نارووالہ قدس سرہٗ ہیں -

حدیث اَنْتَ وَشِیعَتُکَ فِی الْجَنَّۃ

اس کے بعد مذہب شیعہ کا ذکر ہونے لگا - حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سبّی پن جو اس زمانے میں محض بدعت ہے اور یہ جو سبّی لوگ اس حدیث سے اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ اَنْتَ وشیعَتُکَ فِی الْجَنَّۃ (تو اور تیرے فرقہ کے لوگ بہشتی ہیں) یہ آج کل کے سبّیوں پر صادق نہیں آتا کیونکہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فرقہ کے لوگ جن کا اس حدیث میں ذکر ہے - صراطِ مستقیم اور سنتِ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر تھے لیکن ان کے تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسرارِ ولایت کو چھپاتے تھے - بخلاف آج کل کے سبّیوں کے جو اہل سنت وجماعت کے طریقہ سے منحرف ہو چکے ہیں اور اہلِ سنت وجماعت ہی وہ طریقہ ہے کہ جس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ قائم تھے - اب انہوں نے اہل سنت وجماعت کے مقابلے میں ایک نیا مذہب بنا لیا ہے - اور اصحاب کبار کی عزت اور تکریم جو قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کی بجائے انہوں نے سب یعنی بدکلامی کا طریقہ اختیار کر لیا ہے - پس اس رسوائی اور گمراہی کے ہوتے ہوئے یہ فرقہ کس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مسلک پر ہو سکتا ہے اور یہ حدیث شریف کس طرح ان کے حق میں صادق آسکتی ہے - اس کے بعد فرمایا کہ یہ رفض وبدعقیدگی اب زیادہ ہو گئی ہے - پہلے زمانے میں بالکل نہیں تھی - چنانچہ پہلے زمانے کے قلندر اور لعل شہباز قلندر کے داغدار فقیر سب کے سب اہلِ طریقت اور اہل سنت وجماعت

تھے اور ہرگز سب نہیں کہتے تھے۔ اور ہندوستان میں اب بھی اس قسم کے فقیر اہلِ طریقت و نیک عقیدہ موجود ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب میں ملتان گیا تو گردیزی سادات میرے پاس آئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ کب سے رفض میں مبتلا ہوئے ہو۔ انہوں نے کہا چار پشتوں سے اس سے پہلے ان کے آباد و اجداد میں رفض کی بو تک نہ تھی۔ میں نے گردیزیوں کی ایک کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ سید یوسف گردیزی جو ان کے جدِ امجد ہیں۔ ایک واسطہ سے حضرت شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ کے مرید ہیں اور وہ رفض سے بالکل پاک تھے اور خالص سنی اور صوفی تھے۔

مقبوس ۱:- بوقت عشا، شنبہ ۱۸ شوال سال مذکور

حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے قول قدمی ھذہٖ علیٰ رقبۃ اولیاء اللہ کا مطلب

حضرت غوث الاعظم رض کی عظمت کا ذکر ہو رہا تھا۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور یہ جو مشہور ہے کہ حضرت شیخ کا قدم مبارک ہر ولی کی گردن پر ہے۔ اس کی کیا کیفیت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت شیخ قدس سرہٗ کرسی پر بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ اس اثنا میں عالمِ غیب سے ایک عجیب حالت آپ پر طاری ہو گئی۔ اس وقت جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے، تمام انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ مقربین بھی رونق افروز تھے۔ پس جناب باری تعالےٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے عبدالقادر ہم نے ہر ولی کو تمہارے زیرِ قدم کیا ہے۔ ان کو کہدو کہ تمہارے زیرِ قدم ہو جائیں۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا۔ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلیٰ رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِی

اللہ (میرا یہ قدم سب اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) پس ہر ولی کامل، منتہی، غوث قطب، اوتاد، ابدال وغیرہ قریب وبعید سے جو اس وقت روئے زمین پر حضرت غوث الاعظم کے ہم عصر اور ہم زمان تھے۔ خواہ مرتبہ میں حضرت شیخ کے برابر یا مساوی تھے یا مرتبہ میں کم تھے مگر درجہ انتہا تک پہنچے ہوئے تھے۔ سب یہ کلام سن کر پوری رضا و رغبت سے حضرت شیخ کے زیر قدم[۱] ہو کر سرفراز و ممتاز ہوئے۔ سوائے اولیاء مقدم (یعنی آپ سے پہلے زمانے کے) اور اولیائے متاخر اور مبتدیان اور سالکان کے جو ابھی انتہائے سلوک کو نہیں پہنچے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ اس حکم سے خارج ہیں اس وجہ سے کہ یہ حکم خاص ان منتہیوں کے لیے ہے جو آپ کے ہم عصر تھے آپ کی اس مجلس میں سو سے زیادہ اکابر اولیاء اللہ موجود تھے۔ سب نے گردن نیچے کر لی اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کے زیر قدم ہو گئے اور سب سے پہلے ولی اللہ جو اس سعادت سے مشرف ہوئے۔ شیخ علی ہیئتی رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے جن کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے۔

۱- زیر قدم - کتاب سیرِ دلبراں (ملنے کا پتہ مکتبہ المعارف گنج بخش روڈ۔ لاہور۔ مصنفہ حضرت مولانا سید محمد ذوقی قدس سرہٗ) میں حالت زیر قدم کی یوں تشریح آئی ہے۔ "اولیاء اللہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اور انبیاء ہی سے اقتباس فیض کرتے ہیں۔ جس ولی کو جس نبی سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ اس کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ولی فلاں نبی کے قلب پر یا فلاں نبی کے زیر قدم ہے۔ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے زیر قدم ہوتا ہے۔ مثلاً کسی ولی کو ولایت ابراہیمی، کسی کو ولایت یوسفی، کسی کو ولایت موسوی، کسی کو ولایت سلیمانی، کسی کو ولایت عیسوی حاصل ہوتی ہے۔ منتخب اولیاء بوجہ اپنی جامعیت کے ولایت محمدی سے نوازے جاتے ہیں"۔ لہٰذا حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کے زیر قدم ہونے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تمام اولیاء ہم عصر کو آپ کی ولایت سے فیض یاب ہونے کا حکم ہوا بوجہ اس جامعیت کے جو آپ کو حاصل تھی۔

اصحابِ رقبہ کے دو گروہ

اس کے بعد فرمایا کہ اولیائے اصحاب رقبہ (جنہوں نے گردن جھکائی) کے دو گروہ ہی ایک اولیائے حاضرین، دوسرا اولیائے غائبین اور شیخ کا قدم حاضرین کی گردن پر تھا۔ بطریق ظاہر جو ہر خاص و عام کے سامنے تھا۔ اور غائبین کا زیر قدم ہونا بطریق باطن تھا۔ کیونکہ وہاں دل مطیع کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ ابومدین مغربی قدس سرہٗ نے جو حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے پیر ہیں جو اس وقت اپنے گھر پر ملک مغرب (مراکش) میں بیٹھے تھے۔ اپنے اصحاب کے سامنے اچانک اپنی گردن جھکالی اور فرمایا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اَمْرَ اللہ (ہم نے اللہ تعالےٰ کا حکم سنا اور قبول کیا)۔ یاران مجلس نے خلوت میں وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ آج شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو حق تعالےٰ سے یہ حکم ہوا ہے اور یہ کہنے پر آپ مامور ہوئے ہیں کہ قدمی ھٰذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ یہ سن کر اس زمانہ کے تمام اولیاء اللہ نے کمال عجز و انکسار سے گردنیں جھکالی ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی حق تعالےٰ کے حکم کی اطاعت کی ہے اور آنحضرت کے زیر قدم ہونے کے لیے گردن جھکالی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا اصحابِ رقبہ ہونا

اس اثناء میں ایک آدمی نے سوال کیا کہ کیا حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رضی اللہ تعالےٰ عنہ اصحاب رقبہ ہیں یا نہیں۔ آپ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال ہوگی اور یہ عمران کی ابتدائے سلوک کی ہے۔ ہاں اگر آپ کے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ اصحاب رقبہ ہوں تو عجب نہیں۔ اگر آپ بھی نہ ہوں تو آپ کے شیخ حضرت حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ ضرور اصحاب رقبہ ہوں گے۔

حضرت غوث الاعظم کی مجلسِ وعظ میں لوگوں کا جاں بحق ہونا

اس کے بعد

فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کا ایک لقب واعظ ہے۔ اس وجہ سے کہ آپ ہر جمعہ کے دن وعظ کیا کرتے تھے اور وعظ کے دوران آپ پر عالم غیب سے عجیب وغریب واردات کا نزول ہوتا تھا۔ قریب ستر ہزار نفوس آپ کے وعظ میں شریک ہوتے تھے۔ آپ کی ظاہری کرامات میں سے ایک کرامت یہ تھی کہ جس قدر لوگ آپ کے نزدیک ہوتے تھے لفظ بلفظ اور حرف بحرف سمجھتے تھے اور حق تعالےٰ کے جلال کبریائی اور عشقِ الٰہی کے اسرار ورموز آپ اس طرح بیان کرتے تھے کہ کئی لوگوں کی جان نکل جاتی تھی اور عشقِ الٰہی میں جامِ شہادت نوش کرتے تھے۔ ایک دن آپ کرسی پر بیٹھے وعظ کر رہے تھے کہ شیخ علی ہیتی کو نیند آگئی۔ یہ دیکھ کر حضرت شیخ کرسی سے اتر کر شیخ علی کے پاس گئے۔ باادب ہوکر کھڑے ہوگئے۔ جب وہ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ خواب میں کیا دیکھا ہے۔ شیخ علی نے کہا کہ خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا اسی وجہ سے میں بھی کمال ادب سے آپ کے سامنے کھڑا رہا۔ اس پر حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک کو خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دوسرے کو بیداری میں۔ اس کی وجہ فرق مراتب ہے۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مرتبہ شیخ علیؒ کے مرتبہ سے زیادہ بلند تھا۔ اس لیے آپ کو بیداری میں اور شیخ علی کو خواب میں زیارت ہوئی۔

حضرت غوث الاعظمؒ کی ایک اور کرامت

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شیخ ابوالمعالی نام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی مجلس وعظ میں بیٹھا تھا کہ اسے حاجتِ بشری کا اس قدر تقاضا ہوا کہ وہ حواس باختہ ہوگیا۔ آنکھوں میں تاریکی چھاگئی اور چہرہ سیاہی مائل ہوگیا۔ چونکہ مخلوقات کے انبوہ کی وجہ سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے حضرتِ شیخ کی طرف دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ حضرت شیخ

کی طرح ایک اور صورت نمودار ہوئی ہے - ایک صورت کرسی پر وعظ کر رہی ہے اور دوسری صورت نے اس آدمی کے پاس جاکر اپنے پیراہن کی آستین اُس کے مُنہ پر ڈالدی - اس واقعہ سے سوائے اس آدمی کے اور کوئی مطلع نہ ہوا - اس کا اثر یہ ہوا کہ اس شخص نے اپنے آپ کو ایک بڑے صحرا میں پایا جہاں ایک نہر چل رہی تھی اور اس کے کنارے پر ایک درخت تھا - ابو المعالی کے پاس ایک رومال تھا جس میں چابیوں کا ایک دستہ تھا - اس نے رومال کو درخت کی ایک شاخ پر لٹکایا اور اپنے کام میں مشغول ہوگیا - فراغت کے بعد اس نے وضو کیا - دو نفل نماز شکرانہ ادا کی اور دعا مانگی - اس کے بعد حضرت شیخ نے اپنی آستین اس کے چہرے سے ہٹائی اور اس شخص نے اسی طرح اپنے آپ کو مجلسِ وعظ میں پایا - تازہ وضو کی وجہ سے اس کے اعضاء پر تری بھی موجود تھی - کچھ عرصے کے بعد اس نے موحل کی طرف سفر اختیار کیا - اتفاقاً وہ ایک صحرا میں سے گزرا اور علامات دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ وہی مقام ہے جہاں اس نے قضائے حاجت کی تھی - وہ درخت بھی موجود تھا جس پر اس کا رومال اور چابیوں کا گچھا آویزاں تھا - اس نے رومال اٹھایا اور سفر جاری رکھا - جب سفر سے واپس آیا اور حضرت شیخ کی زیارت سے مشرف ہوا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کرے - لیکن آپ نے اس کے کان میں فرمایا کہ تمہارے رومال کا واقعہ مجھے معلوم ہے - خاموش رہو اور کسی سے نہ کہو -

حقیقتِ قتل کو خواب میں مبدّل کرنا

اس کے بعد فرمایا کہ ایک تاجر حضرت شیخ حمّاد دباسؒ قدس سرہٗ کا مرید تھا - شیخ حمّادؒ حضرت غوث الاعظم کے صحبت کے پیر تھے - اس تاجر کی عادت یہ تھی کہ جب تجارت کا مال تیار کر لیتا اور سفر کا ارادہ کرتا تو پہلے وہ اپنے پیر شیخ حمّادؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر برکت اور منفعت کے لیے دعا کراتا تھا - اور جس ملک کا حضرت شیخ اشارہ فرماتے تھے وہاں جاتا تھا -

واپسی پر نفع میں سے مقررہ حصہ نکال کر حضرت شیخ کی خدمت نذر کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مال تیار کر کے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور مال تیار کر لیا ہے۔ دعا فرمادیں کہ صحیح و سلامت جاؤں اور واپس آؤں اور جس ولایت کا حکم ہو اُسی طرح جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اس دفعہ تمہارے مقدر میں یہ ہے کہ فلاں ولایت میں تجھے بہت فائدہ ہوگا۔ لیکن واپسی کے وقت جب فلاں علاقے میں سے گزرے گا تو چور تمہارا مال لوٹ لیں گے اور تجھے قتل کر دیں گے۔ یہ سُن کر وہ ان کی مجلس میں سے اٹھا اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا حال سنایا۔ آپ نے فرمایا اب کی بار میں تمہارا ضامن اور کفیل ہوں۔ جاؤ سلامت رہو گے اور خیریت سے واپس آؤ گے۔ پس وہ تاجر اسی ملک کی طرف روانہ ہوا۔ مال فروخت کیا اور بہت نفع کمایا۔ واپسی پر جب اس علاقے سے گزرا کہ جس کا ذکر شیخ حمادؒ نے کہا تھا تو رات کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک قافلے کے ساتھ جا رہا ہے۔ قافلے کو رہزنوں نے لوٹ لیا ہے، اور قافلے والوں کو قتل کر رہے ہیں اور اس کو بھی کسی نے تلوار مار کر قتل کر دیا ہے۔ اس سے خوف زدہ ہو کر وہ بیدار ہوا اور دیکھا کہ اس کی گردن پر قدرے زخم ہے اور تھوڑا سا گوشت اور رگیں بھی کٹ چکی ہیں۔ لیکن مال سلامت ہے۔ واپسی پر اس نے اپنے پیر شیخ حمادؒ کی خدمت میں واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ کا تصرف (کرامت) ہے کہ تمہارے قتل اور مال تجارت کے برباد ہونے کو جو ظاہر میں مقدر ہو چکا تھا۔ آپ نے خواب و خیال میں مبدل کر دیا۔ جب حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکایت تمام کی تو صاحبزادہؒ فضل حق بن خواجہ نصیر بخش مہاروی مگھیروی نے جو آپ کے مرید خاص اور مورد عنایات بے غایات ہیں عرض کیا کہ ایک دن میرے والد بزرگوار نے حضرت محبوب الٰہی (حضرت خواجہ خدا بخش صاحب) رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں نیاز نامہ لکھا اور یہ شعر بھی تحریر کیا ؎

اولیاء راہست قدرت از الٰہ　　تیر جستہ باز گرداند ز راہ
(اولیاء اللہ کو حق تعالےٰ سے یہ قدرت حاصل ہے کہ جاتے ہوئے تیر کو واپس بلا سکتے ہیں)

حضرت محبوبِ الٰہی رحؒ نے فرمایا کہ یہ شعر حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے حق میں ہے۔

حضرت قبلہ عالم مہاروی اور اس شعر کی شرح

یہ سن کر حضرت خواجہ رحؒ نے فرمایا کہ میرے شیخ حضرت خواجہ فخر الملت والدین و فخرِ اولیاء رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مولوی نور محمدؒ برڑا نے حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمدؒ مہاروی قدس سرہٗ سے اس شعر کے معنی دریافت کیے تو آپ نے فرمایا کہ یار میں مُلا نہیں ہوں آپ عالم ہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ایک ولی اللہ کی رائے تقدیرِ الٰہی کے خلاف نہیں ہوتی - اس وجہ سے کہ ولی کا ارادہ عین تقدیر ہے - تقدیر وہی ہے جو اس کی منشا ہے - کیونکہ ولی اللہ کا ہر قول و فعل حق سبحانہٗ تعالےٰ کا قول و فعل ہے - پس جو کچھ حق کی طرف سے صادر ہوتا ہے اور ظہور پذیر ہوتا ہے تقدیر وہی ہے -

غوثیت متفقہ کا مطلب

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوالعباس قصاب آملی رضی اللہ تعالےٰ عنہ بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں اور غوثیتِ متفقہ پر فائز تھے - غوثیتِ متفقہ جس کا دوسرا نام غوثیتِ کلیہ بھی ہے یہ ہے کہ تمام اولیائے ہمزمان اس پر متفق ہوں - اس قسم کی غوثیت بہت کم وقوع پذیر ہوتی ہے - آپ اپنے اصحاب اور مریدین کو فرمایا کرتے تھے کہ یارو سوائے فرض اور سنت کے کوئی نماز اور کوئی درود و وظائف نہ کرو بلکہ خوب آرام سے سوجایا کرو کیونکہ یہ قصاب مقامِ عبادت سے گذر چکا ہے - اسے عبادت کی ضرورت نہیں ہے - اب جو عبادت کرتا ہے تم لوگوں کے لیے کرتا ہے -

حضرت ابو العباس قصابؒ کی کرامت

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن ایک لڑکا اونٹ کی مہار پکڑے شہر آمل کے بازار میں جا رہا تھا۔ اونٹ پر بھاری بوجھ تھا۔ اتفاقاً اونٹ کا پاؤں پھسل گیا اور گر پڑا۔ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ دیکھ کر لڑکا زار و قطار رونے لگا۔ حضرت شیخ ابو العباس کو رحم آیا اور حق تعالیٰ کی درگاہ میں مناجات کی کہ الٰہی اونٹ کی ٹانگ ٹھیک کر دے یا اس قصاب کے دل کو لڑکے کی آہ و زاری سے مت جلا۔ اس کے بعد وہ اونٹ فوراً کھڑا ہو گیا اور تیزی سے چلنے لگا۔

اس کے بعد سنّی مذہب کا ذکر ہونے لگا۔ اس موقعہ پر آپ کا کلام طویل تھا لیکن راقم الحروف نے صرف خلاصۂ کلام پر اکتفا کیا ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ سنّی اور خارجی دونوں مذاہب یکساں ہیں اور دونوں فرقے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے متفق بھی ہیں۔ سنّی لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے محبت کرتے ہیں اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مبغوض اور دشمن سمجھتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں اور گالی دیتے ہیں۔ خارجی وہ ہیں جو سوائے شیخین (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ) تمام اصحاب کبار کو برا کہتے ہیں اور گالی دیتے ہیں۔ وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سنتِ نبویؐ شیخین تک جاری رہی اور باقی خلفائے راشدین کی خلافت کے وقت منقطع اور مفقود ہو گئی۔ چنانچہ بقول ان کے باہمی جنگ و جدال کی وجہ نفسانیت اور انانیت تھی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ اس عقیدۂ باطل سے ہمیں پناہ دے کیونکہ خوارج کی طرف سے یہ سراسر بہتان اور افترا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم تھے اور باہمی مخالفت اور جنگ و جدال کی وجہ یہ تھی کہ اعلائے کلمۂ حق اور مدافعتِ دین کی خاطر ہر شخص اجتہاد[1] سے کام لیتا تھا نہ کہ

---

[1] اجتہاد۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ قیام حرم شریف کے باقی بر صـ

نفسانیت اور خود غرضی کی وجہ سے ۔ چنانچہ جب یہ ظاہر ہو جاتا تھا کہ فلاں شخص حق پر ہے تو سب لوگ مخالفت چھوڑ کر اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس کی فرمانبرداری فرض سمجھتے ہیں ۔

شیطان پر لعنت نہ بھیجنا گناہ نہیں

اس کے بعد حاضرینِ مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ ایک دفعہ میرا ایک سنّی کے ساتھ مناظرہ ہوا ۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تم اصحاب کبار رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو برا کہتے ہو ۔ اس نے جواب دیا کہ اگر کوئی ولیِ کامل جو آپ کے پیر کا ہم مرتبہ ہے ۔ اگر آپ کے پیر کی مخالفت کرے اور اس کے ساتھ جنگ کرے تو تم کو اس قدر غصہ آئے گا کہ اگرچہ اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت تمہارے اندر نہیں ۔ تم اس کو گالی ضرور دو گے اور اس سے بغض رکھو گے ۔ یہ سُن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس سوال کی تردید کے لیے میرے پاس ایک قوی دلیل ہے کہ وہ شیطان کا ملعون ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے ۔ پس اگر کوئی شخص اپنی ساری عمر اس پر لعنت نہ بھیجے تو اس سبب سے اس پر کوئی گناہ نہیں اور قیامت میں اس پر کوئی عذاب و مواخذہ نہ ہوگا ۔ اس وجہ سے ہم کو کسی شخص پر لعنت بھیجنے کا حکم نہیں ملا ہے ۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم جن کی بزرگی ، عظمت ، عزت و اکرام ، کمال اور وقار آیات بیّنات قرآن اور احادیث و اخبار صحیحہ سے ثابت

بقیہ صفحہ :- دوران بعض مسائل حل ہوگئے ۔ ان میں سے ایک مشاجرت صحابہ ہے ۔ اختلاف صحابہ کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا مقام مجتہد کا تھا اور ہر صحابی اپنے اجتہاد پر عمل کرنے پر مکلف تھا ۔ اس لیے باہمی جنگ و جدل میں جو جان سے مارے گئے طرفین کو رتبۂ شہادت نصیب ہوا ۔ کیا یہ بھی مخالفت ہے کہ میدانِ جنگ میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور مسجد میں ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے ۔

ہے۔ اُن کے حق میں کم و بیش کہنا اور گالی دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام کو بُرا کہنے والا دوزخی ہے اور قیامت میں اسے سخت عذاب ہو گا۔ جب معاملہ یہ ہے تو پھر اس بزرگ کے حق میں کچھ نہ کہے جو تمہارے شیخ کی مخالفت کرتا ہے اس وجہ سے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلاف سے اولیاء کرام باخبر ہیں دوسروں کو کیا خبر۔ پس آدمی کو چاہیئے کہ صحابہ کرام کو برا کہنے اور طعنہ دینے سے اجتناب کرے بلکہ اولیائے مقربین جن کو درجۂ قرب الی اللہ حاصل ہے۔ ان کے متعلق بھی زبان درازی نہ کرے۔ نیز دل میں بھی ان کے خلاف کوئی خیال نہ لائے اور نہ انکار کرے کیونکہ اس خیالِ بد کے آتے ہی اس کے ایمان کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ اور ذرہ بھر ایمان باقی نہیں رہتا خواہ بات زبان پر آئے یا نہ آئے۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ۔

ملفوظ ۱۱: بوقت عشاء چہار شنبہ بارہ رمضان المبارک سال مذکور

فضیلت اولیائے کے بیان میں

بعض مشائخ کی بعض پر فضیلت کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کشف کی بنا پر اگر ایک ولی یہ کہے کہ فلاں ولی اللہ تمام اولیاء اللہ سے افضل ہے تو فضیلت کے معاملے میں اس ولی کی رائے کا پابند نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر شخص کو اپنا پیر اور اپنے سلسلہ کے مشائخ حالت کشف میں افضل نظر آتے ہیں چنانچہ شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ، فرماتے ہیں کہ جب میں سلسلۂ کبرویہ میں مرید ہو گیا تو مجھے ایک آدمی نے کہا کہ آپ نے حضرت ابویزید بسطامی قدس سرہٗ کے سلسلے میں کیوں بعیت نہیں کی جو سلسلۂ طیفوریہ کے نام سے مشہور ہے اور اس سلسلے میں ایسے بزرگ وجود میں آئے ہیں کہ جن کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ میں نے کہا اس وجہ سے کہ ایک دن میں وضو کر رہا تھا اور اس اثنا

میں مجھے محسوس ہوا کہ میرے حواس معطل ہو گئے ہیں - اور عالم بیخودی میں دیکھا کہ کعبہ کی طرف پردہ اٹھایا گیا اور اس آسمان سے اوپر ایک اور آسمان نمودار ہوا اس آسمان پر ایک ستارہ تھا جو سورج کی طرح چمک رہا تھا اور ایک شخص یہ کہہ تھا کہ جانتے ہو یہ نور اور روشنی کہاں سے آ رہی ہے - میں نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں - اس نے کہا یہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا نور ہے - اس کے بعد وہ آسمان گم ہو گیا اور دوسرا آسمان ظاہر ہوا - اس پہ بھی ایک ستارہ تابان و درخشاں تھا جو آفتاب عالم تاب سے زیادہ روشن تھا - میں نے پھر وہی آواز سنی کہ جانتے ہو کہ کس کا نور ہے - میں نے کہا معلوم نہیں - فرمایا یہ شیخ مجد الدین بغدادی قدس سرہٗ کا نور ہے - اس کے بعد حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ چونکہ شیخ رکن الدین قدس سرہٗ کے مقدر میں اس سلسلہ میں بیعت ہونا لکھا تھا۔ اس کی فضیلت ان کو دکھائی گئی -

شیخ عبد الوہاب متقیؒ کا خواب فضیلتِ اولیاء کے متعلق

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ شیخ عبد الوہاب متقی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ایک رات میں خواب میں زیارت رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا اور عرض کیا کہ اس وقت حضور کی امت میں کون سے ولی اللہ افضل ہیں - آپؐ نے فرمایا شیخ علی متقی - اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ ان سے کم اور باقی تمام سے افضل کون ہیں - فرمایا کہ شیخ طاہر بورا - پس شیخ عبد الوہاب نے شیخ علی متقیؒ سے بیعت کی اور اُن کے بھائی نے شیخ طاہر بورا سے -

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا کشف فضیلت اولیاء کے متعلق

اس کے بعد فرمایا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے کشفیات میں لکھتے ہیں کہ میرا کشف اس قدر صحیح ہے کہ تمام دنیا و مافیہا کے حالات مجھے اس طرح نظر آتے ہیں جس

طرح کوئی اپنے ہاتھ کی لکیریں دیکھتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ صاف دیکھتا ہوں پس انہوں نے کشف میں دیکھا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت شاہ حبیب اللہ مرزا مظہر جان جاناں[1] قدس سرہٗ تمام اولیاء سے زیادہ افضل ہیں - حالانکہ اس وقت دوسرے اولیاء اللہ مثل خواجہ فخر جہاں فخر الملت والدین دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ جو تمام مشائخ عصر کے مقتدا تھے بھی موجود تھے - لیکن ان تمام میں سے مرزا مظہر جان جاناں کو افضل بتانے کی وجہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ

---

۱ - مرزا مظہر جان جاناں نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تھے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور مولانا فخر جہاں چشتی دہلوی اور خواجہ میر درد قدس اسرارہم کے ہم عصر تھے - آپ کو بادشاہ کے ایک سنّی وزیر نے قتل کرایا تھا اور جان کنی کے وقت یہ شعر آپ کی زبان پر جاری تھا

؎ زخم دل مظہر مبادا بہ شود ہوشیار باش　　کیں جراحت یادگار ناوک مژگانِ اوست

(خدا کرے زخم دل اچھا نہ ہو کیونکہ یہ زخم دوست کے تیر مژگان کی یادگار ہے) اس کے بعد اس وزیر کا یہ حشر ہوا کہ اس کے دل میں سخت درد اٹھا - حکیموں اور طبیبوں نے بہت زور لگایا لیکن درد بڑھتا گیا - آخر ایک بزرگ سے دعا کی درخواست کرائی - انہوں نے فرمایا تم درد کی شکایت تو کرتے ہو لیکن وہ خواب چھپا رہے ہو جس کی وجہ سے درد اٹھا ہے - اس کے بعد اس نے وہ خواب بھی سچ سچ بتا دیا - اس نے خواب میں یہ دیکھا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا کہ علی دیکھو فلاں سنّی نے میرے دوست کو قتل کرا دیا ہے - حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کمان اٹھائی اور کھینچ کر ایک تیر وزیر کی چھاتی میں مارا - یہ وہی درد تھا جس میں وہ مبتلا تھا - آخر اس درد کی شدت میں تڑپ تڑپ کر مر گیا - مرزا مظہر جان جاناں کی طبیعت اس قدر لطیف تھی کہ کیچڑ کو دیکھ کر آپ کو قے آجاتی تھی - خاکروب کو نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن آپ کی اہلیہ نہایت تند خو اور سخت مزاج تھیں - آپ نے صبر سے اس کی سختی برداشت کی اور مراتب میں ترقی پائی -

کا سلسلہ نقشبندیہ تھا ۔

مقبوس ۲۱:- بوقت عشاء جمعہ رمضان المبارک سال مذکور

اس وقت راقم الحروف نے چوتھے مقبوس سے لے کر ساتویں مقبوس تک جو کچھ تحریر کیا تھا پیش کیا ۔ آپ نے تمام حاضرین مجلس کو باہر جانے کا حکم فرمایا ۔ جب سب لوگ چلے گئے تو فرمایا پڑھو ۔ چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا اور آپ لفظ بلفظ سنتے گئے ۔ ایک دو مقامات پر اصلاح بھی فرمائی ۔ یہ بھی فرمایا کہ جب جزد کو جمع کرو اور تالیف کرو ۔ پہلے مجھے دکھا دیا کرو ۔ اس کے بعد کتاب کی شکل میں لکھنا ۔ چنانچہ آپ نے تمام تصحیح شدہ اوراق واپس کر دیئے ۔ الحمد للہ والمنتہ ۔

تعارض کتب

اس کے بعد خلوت ختم ہو گئی اور مجلس عام شروع ہوئی ۔ تعارض (اختلاف) عبارات کتب کا ذکر ہونے لگا آپ نے فرمایا کہ جواہر جلالی اور جامع العلوم یہ دونوں کتابیں حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں اوچی قدس سرہ کے ملفوظات پر مشتمل ہیں ۔ ان میں لکھا ہے کہ خارجی وہ ہے جو حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کو برا کہتا ہے اور آپ سے بغض رکھتا ہے ۔ اور باقی تینوں صحابہ کرام کو اچھا اور برحق مانتا ہے لیکن یہ بات باقی تمام کتب و روایات سابقہ سے مختلف ہے ۔ نیز مؤلف کتاب کا بیان ہے کہ یہ الفاظ میں نے کئی بار حضرت مخدوم علیہ الرحمۃ کو پڑھ کر سنائی ۔ اس پر حضرت خواجہ رح نے فرمایا کہ خیر ان کو اسی طرح روایت ملی ہو گی ۔ کیونکہ روایات میں بھی فرق ہے ۔

سفر نامہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کی حقیقت

اس کے بعد فرمایا کہ وہ کتاب جو سیر نامۂ مخدوم جہانیاں کے نام سے موسوم ہے وہ بھی حضرت مخدوم پر محض افتراء

اور بہتان ہے۔ اس کتاب کے مؤلف نے جو کچھ لکھا سب غلط ہے۔ ان غلط بیانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت مخدوم رح سیاحت کے دوران بلادِ مغرب میں سے ایک شہر میں پہنچے جس کا نام قسطنطنیہ ہے جس میں ایک لاکھ بازار اور ہر بازار میں ایک لاکھ دکان ہیں یہ محض دروغ ہے کیونکہ قسطنطنیہ جس کا دوسرا نام استنبول ہے جس کا دوسرا نام استنبول ہے۔ آج بھی آباد ہے اور سلطان روم کا دارالسلطنت ہے۔ اس نام کا اور کوئی شہر دیارِ مغرب میں نہیں ہے۔ اس شہر میں زیادہ سے زیادہ دو لاکھ مکان ہوں گے۔ معلوم نہیں ایک لاکھ بازار کہاں سے آگئے۔ ہاں اگر عالم مثال میں انہوں نے اس نام کا کوئی شہر دیکھا ہے تو یہ ہو سکتا ہے۔ مؤلف کتاب کی دوسری غلط بیانی یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ سیر کرتے ہوئے آپ زمین کے آخری کنارے تک پہنچ گئے اور دیکھا کہ آسمان زمین کے ساتھ مس کر کے گھوم رہا ہے۔ آپ نے اپنا جامہ آسمان کے دامن پر رکھا اور کام میں مشغول ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد دیکھا تو جامہ موجود نہ تھا۔ آٹھ پہر آپ وہاں کھڑے رہے حتیٰ کہ آسمان کی گردش سے آپ کا جامہ پھر وہاں پہنچ گیا اور آپ اٹھا کر چلے گئے۔

سمٰوات کی کیفیت

یہ بات صریحاً غلط ہے۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ عرش عظیم محیط ہے کرسی پر اور کرسی محیط ہے سمٰوات پر۔ اور سمٰوات بھی ایک دوسرے پر محیط و محاطہ ہیں اور آسمانِ دنیا (سب سے نیچے والے آسمان) کے نیچے کئی کرّے ہیں۔ پہلا کرّہ نار۔ دوسرا کرّہ ہوا۔ تیسرا کرّہ آب۔ چوتھا کرّہ ارض ہے۔ اور آسمانِ دنیا اور کرّہ ارض کا درمیانی فاصلہ تمام طرفوں سے خواہ اوپر سے نیچے خواہ آگے سے پیچھے۔ متکلّمین حضرات کے نزدیک پانچ سو سال کا راستہ ہے اور حکماء (سائنسدانوں) کے نزدیک پانصد ہزار (پانچ لاکھ میل ہے)۔ اب آسمان کا زمین سے مس کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اگر یہ بات بھی تسلیم کر لی جائے تو آسمان کا دامن کہاں سے اتر گیا۔ کیونکہ آسمان خود مدوّرِ حقیقی ہے (گول ہے) جس کا نہ نشیب ہے نہ فراز۔ دوسری بات یہ ہے کہ آسمان کی رفتار ایک سیکنڈ کئی لاکھ میل ہے۔ ایک منٹ میں ساٹھ سیکنڈ اور ایک

گھنٹے میں ساٹھ منٹ ہوتے ہیں اور بارہ گھنٹے کے چار پہر ہوتے ہیں - پس آسمان پر کسی جگہ ایک نشان لگا دیا جائے تو وہ نشان آٹھ پہر میں کئی مرتبہ گزر جائے گا اس لیے حضرت مخدوم قدس سرہٗ نے جس جگہ اپنا جامہ رکھا تھا وہ مقام کس طرح آٹھ پہر کے بعد واپس آیا -

مقبوس ۱۳ :- بوقت عصر بروز سہ شنبہ شوال سال مذکور

بدھ کے دن سفر شروع کرنا منع ہے

آپ نے فرمایا کہ تجھے اس لیے بلایا ہے کہ جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاؤ کیونکہ کل بدھ ہے اور بدھ کے دن سفر کرنے سے ہمارے شیخ علیہ الرحمۃ نے منع فرمایا ہے - اس کے بعد خلوت میں احقر نے چند سوال کاغذ پر لکھ کر پیش کیے - آپ نے پڑھ کر ہر سوال کا جواب باصواب دیا - اس اثنا میں احقر نے عرض کیا کہ یہ بندہ حضور اقدس سے اس قدر ڈرتا ہے کہ بعض اوقات جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے - اس وجہ سے ممکن ہے - اس کمینہ بندہ سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہو جائے جو موجب رنجش ہو - یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور نہایت ہی شفقت سے فرمایا کہ پیر کو مرید کے حق میں ہرگز رنجش نہیں ہوتی - اگر پیر کو رنج ہو بھی جائے تو اس سے غرض اصلاح ہوتی ہے کیونکہ پیر کا کام مرید کو سنوارنا ہے جس طرح کہ ایک مشاطہ کسی عروس کو آراستہ کرتی ہے اور زینت دیتی ہے -

شیخ کی خدمت میں کمال ادب سے پیش آنا چاہیئے

اس کے بعد فرمایا کہ فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ اپنے شیخ علیہ رحمۃ کے ہاں کتاب عوارف پڑھ رہے تھے - چونکہ اس نسخہ کا خط صاف نہیں

تھا ۔ حضرت شیخ بعض مقامات پہ خاموش ہوجاتے تھے ۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میری زبان سے یہ نکل گیا کہ حضرت شیخ نجیب الدین[۱] متوکل قدس سرہٗ کے پاس ایک نسخہ ہے جو بہت خوش خط ہے ۔ اس سے حضرت شیخ قدس سرہٗ خفا ہوئے اور فرمایا کہ فقیر کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ غلط عبارت کو صحیح کر سکے اور صحیح کی غلط سے تمیز کر سکے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے ان کو علیحدہ کر دیا اور قریب آنے سے منع کر دیا ۔ اس حالت میں چند یوم گزر گئے لیکن کسی نے حضرت شیخ کے سامنے ان کی سفارش نہ کی ۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ اس سے میری یہ حالت ہوگئی کہ جی چاہتا تھا کہ کنوئیں میں کود کر خود کشی کر لوں کیونکہ ایسے جینے سے مرنا اچھا ہے ؎

ظہورِ خشم بزرگان تہی ز حکمت نیست — غبارِ چہرہ گردوں دلیل باران است

(بزرگوں کا غصہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا ۔ آسمان کے چہرے پہ غبار کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ بارش ہونے والی ہے) اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے حضرت شیخ کے فرزند ارجمند سے جو ان کے دوست تھے سفارش کرائی ۔ چنانچہ آپ راضی ہو گئے اور اپنے پاس بلا کر نہایت ہی لطف و محبت سے پیش آئے اور فرمایا کہ پیر مشاطہ ہوتا ہے جس کا کام سنوارنا ہے ۔ اس کے بعد آفتاب غروب ہوگیا اور نماز مغرب کا وقت آگیا ۔ آپ نے فرمایا کہ اب بدھ کا دن شروع ہو گیا ہے ۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے کل بدھ یہاں گزارنے کا ارادہ کر لیا تھا ۔ آپ نے فرمایا اچھا ۔ سبحان اللہ کیا ہی پر برکت و سعادت خلوت تھی ۔

مقبوس ۱۴ :- بوقت عصر بروز سہ شنبہ ذوالحج ۱۳۱۱ھ

---

۱ ۔ شیخ نجیب الدین متوکل حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے برادر حقیقی اور پیر بھائی تھے اور بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے ۔ آپ سماع کے بڑے مشتاق تھے ۔

زیارت قدم مبارک

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ اس مسجد کے صحن میں تشریف رکھتے تھے جو روضۂ اقدس کے قریب ہے اور کثرت سے لوگ جمع تھے۔ بعض بیٹھے ہوئے تھے۔ بعض کھڑے تھے اور زیارت وقدمبوسی کی غرض سے ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں تھی کیونکہ یہ حضرت امام العارفین خواجہ محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے عرس کا موقعہ تھا۔ اس اثنا میں چند آدمیوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان جو ایک صندوق میں تھا لاکر حضرت شیخ کے سامنے چارپائی پر رکھا۔ ایک خادم پنکھا ہلا رہا تھا۔ آپ نے اسے پنکھا ہلانے سے منع فرمایا اور وہ خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا۔ چونکہ موسم بہت گرم تھا اور ہوا بند تھی اور خلقت کا بھی ہجوم تھا۔ حضرت شیخ کے کپڑے پسینہ سے تر ہو گئے تھے اور قطرے زمین پر گر رہے تھے۔ اس وقت حضرت شیخ نظافت اور لطافت جسم کی وجہ سے گلاب کے پھول کی طرح نظر آرہے تھے۔ بلکہ پھول سے تشبیہ دینا بھی بے ادبی ہے۔ اس کے باوجود آپ نہایت اطمینان وسکون سے سرنگوں بیٹھے تھے۔ مولود خوانی کے بعد ان لوگوں نے صندوق میں سے وہ پتھر نکالا جس پر حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان تھا۔ حضرت خواجہ نے نشان قدم مبارک کو آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھا اور اپنی چادر کو قدم مبارک کے ساتھ مس کر کے اپنے چہرہ پر رکھا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ زیارت سے مشرف ہوئے۔

مقبوس ۱۵ :- بوقت عشاء، چہار شنبہ، پندرہ ماہ مذکور وسال مذکور

بدھ کے دن سفر کرنے کا نقصان

ایک آدمی کے ہاتھ پر پھوڑا تھا اور شدت سے درد

محسوس کر رہا تھا۔ آپ نے قرآن مجید کی چند آیات پڑھ کر دم کیں اور فرمایا کہ اس پر اگر برف رکھی جائے تو سکون محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد میاں غوث بخش نے رخصت طلب کی تو فرمایا کہ آج بدھ ہے۔ ہمارے حضرت صاحب روضہ کسی کو بدھ کے دن سفر کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایک مرید نے بدھ کے روز اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ آج مت جاؤ۔ آج بدھ ہے۔ بدھ کے دن شیخ کی خدمت سے جانا منع ہے۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے اجازت دے دی۔ راستے میں چوروں نے اسے پکڑ لیا۔ کپڑے اتار لیے اور مار پیٹ کر چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ روتا ہوا برہنہ جسم واپس آیا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا! عزیز میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ آج مت جاؤ۔ لیکن تم نے نہ مانا اور چلے گئے اور نتیجہ دیکھ لیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ بدھ کے دن میں کیا طاقت ہے کہ مصیبت لائے کیونکہ فاعل حقیقی حق تعالےٰ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے اس دن کے اندر یہ تاثیر رکھی ہے کہ جس سے یہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔

شیخ سے گستاخی کی سزا

اس کے بعد پیر کی بات نہ ماننے اور بے پروائی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ حاجی ابوالخیر نامی ایک شخص حاجی پور شریف میں رہتا تھا۔ وہ سفر حج سے واپس آرہا تھا کہ راستے میں مزاریوں کے علاقے سے گزرا جہاں چوروں نے اس کو گرفتار کر لیا اور حج سے جو تبرکات لایا تھا چھین لیے اور کپڑے اتار کر بھگا دیا۔ اسی حالت میں وہ کوٹ شریف (کوٹ مٹھن) آیا اور حضرت قبلہ صاحب روضہ (قاضی عاقل محمد قدس سرہٗ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس جگہ ہمارے شیخ تشریف فرما تھے آیا اور دیوار کے پیچھے سے سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے اسے پہچان لیا اور فرمایا حاجی ابوالخیر ہو۔ یہ سن کر وہ زار و زار رونے لگا۔ آپ نے ایک چادر اس کی طرف پھینکی۔ چادر لپیٹ کر وہ حاضر خدمت ہوا اور بیٹھ گیا۔ اور ساری

سرگزشت بیان کی - آپ نے اس کے حال پر رحم فرمایا اور اپنے پارچات میں سے ایک پوشاک منگوا کر اس کو دے دی - پہلے اس نے شلوار پہنی - شلوار پہنتے ہی اس کی حالت متغیر ہو گئی اور انوار و برکات کا نزول اس پر ہونے لگا - اس کے بعد اس نے پیراہن زیب تن کیا جس سے انوار و برکات میں مزید ترقی ہوئی - جب اس نے کلاہ سر پر رکھا تو اس کی حالت میں اس قدر ترقی ہوئی کہ عالم بالا کی سیر میسّر ہو گئی - اس کے بعد فرمایا کہ ابوالخیر تجھے گھر سے جدا ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے اب جلدی گھر جاؤ - اہل خانہ تمہارے لیے اداس ہیں اور تم ان کے لیے - چنانچہ وہ چلا گیا اور اس کی حالت روز بروز ترقی کرتی گئی - اور اس کا استغراق بڑھتا گیا - یہ دیکھ کر لوگوں نے گروہ در گروہ آنا جانا شروع کر دیا - غرضیکہ ایک دفعہ ہمارے حضرت خواجہ نارووالہ کے عرس میں شرکت کی غرض سے روانہ ہوئے اور حاجی ابوالخیر کے گھر کے قریب سے گذرے تو وہاں کے تمام لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوئے - لیکن حاجی ابوالخیر نہ آیا - بلکہ اس کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ وہ بھی پیر ہیں - میں بھی پیر ہوں - جونہی اس کے دل میں یہ خطرہ (خیال بد) آیا - حضرت شیخ اس سے مطلع ہو کر اس کے پاس تشریف لے گئے - لیکن وہ پھر بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا - آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا ؎

نشانِ لطفِ مشائخ تہی ز کربت نیست ‌‌ ‌ ‌ گہے سحاب بہاری تگرگ ریز است

(لطفِ مشائخ پر اترانا نہیں چاہیئے - اس کے اندر مصیبت بھی ہے - کیونکہ ابر بہاری کبھی کبھی اولے بھی برساتا ہے -)

آپ نے فرمایا حاجی جی خیر ہے - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حالت جس طرح پہلے تھی وہی ہو گئی اور سب کچھ جاتا رہا -

مقبوس ۱۶ :- بوقت عصر بروز چہار شنبہ بیستم ماہ مذکور سال مذکور

آپ مسجد کے صحن میں روضۂ مبارک کی طرف منہ کرکے تشریف فرما تھے۔ انبوہِ خلق بے اندازہ تھا۔ ہر شخص باری باری حاضر ہو رہا تھا اور عرض معروضات کر رہا تھا۔ ایک شخص نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور شجرہ شریف میرے پاس موجود ہے۔ اس پر اپنے دست مبارک سے کچھ لکھ دیں تو باعث برکت ہوگا۔ چنانچہ آپ نے اس پہ یہ لکھا :-

" الٰہی بحرمت وغربت خاکِ راہ دردمندان فقیر غلام فرید عاقبت برادر ایشان بخیر گردان ۔" اس کے بعد ایک اور آدمی نے یہی عبارت اپنے شجرہ پر تحریر کرائی۔ اس کے بعد ایک آدمی نے بیماری سے شفایابی کے لیے پانی دم کرایا۔ اس اثنا میں لوگ باری باری آتے رہے اور ہاتھ اور قدم مبارک چومتے رہے۔ جس سے آپ کو کافی تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمام لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں میں سب کے لیے مجموعی دعا مانگتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھا کر سب کے لیے دعا کی

مقبوس ۱۷:- بوقت مغرب جمعہ ۱۷ ماہ مذکور سال مذکور

دولت پابوسی نصیب ہوئی۔ آپ روضۂ اقدس کے صحن میں پکے فرش پر بیٹھے اوراد و وظائف پڑھ رہے تھے اور تمام لوگ خاموش بیٹھے تھے۔ اس وقت نواب غلام دستگیر خان دکھنی جو آپ کے مرید خاص تھے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے آکر سر زمین پر رکھا اور حضرت اقدس کے پاؤں پر اپنا چہرہ مس کیا۔ اس وقت آپ روضہ مقدس کے اندر تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد واپس آکر گھر چلے گئے۔

مقبوس ۱۸:- بوقت عشا یک شنبہ ۱۹ ذی الحج سال مذکور

حضرت خواجہ معروف کرخی کی وسعتِ مشرب

مسلک کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ حضرت خواجہ معروف کرخی قدس سرہٗ کا زمانہ ایسا تھا کہ مختلف مذاہب آپس میں برسرِ پیکار تھے لیکن آپ کے مسلک میں اس قدر وسعت تھی کہ آپ نے اپنے اصحاب کو وصیّت کی تھی کہ میری وفات کے بعد تمام لوگ خواہ مسلمان ہوں، یہود ہوں یا نصاریٰ یہ دعوےٰ کرینگے کہ یہ شیخ ہمارے دین پر تھا۔ پس تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس ملت و مذہب کے لوگ میرا جنازہ اٹھالیں گے میرا وہی مذہب ہوگا۔ اور پھر ان لوگوں کو اجازت ہوگی کہ اپنے مذہب کی رسومات کے مطابق عمل کریں۔ چنانچہ جب آپ کا وصال ہوُا اسی طرح واقعہ ہوُا۔ یعنی مسلمان، یہودی، نصاریٰ، مجوسی سب نے دعوےٰ کیا کہ یہ ہمارے مذہب پہ تھے۔ یہ دیکھ کر خلیفہ وقت باہر آیا اور کہا کہ میں حضرت شیخ کی وصیت کے مطابق حکم دوں گا۔ سب لوگ جنازہ اٹھانے کی کوشش کریں، جو فرقہ جنازہ اٹھا سکے گا وہی ان کو اپنی رسومات کے مطابق دفن کرنے کا حق دار ہوگا۔ چنانچہ غیر مسلموں نے جنازہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن نہ اٹھا سکے۔ جب مسلمانوں نے جنازہ اٹھایا تو کامیاب ہوگئے۔ یہ دیکھ کر دیگر مذاہب کے لوگ شرمندہ ہوئے اور چلے گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ معروف کرخی کی وفات اس طرح ہوئی کہ آپ اپنے حضرت شیخ حضرت امام موسےٰ رضا رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زیارت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ آپ گر کر خلقت کے پاؤں کے نیچے کچلے گئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

کبر و رعونت

اس کے بعد کبر اور رعونت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ یعنی وہ تکبّر جو علم وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ رعونت کے چار اقسام ہیں۔ اول رعونت نفس، دوم رعونتِ علم،

سوم رعونت نسب، چہارم رعونت مال ۔ پس اگر تم رعونتِ نفس میں مبتلا ہو تو آیۃ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ انفسکم (کیا تم دوسروں کو نصیحت کرتے ہو اور خود اس پر عمل نہیں کرتے) پر غور کرو اور شیطان کو دیکھو کہ تکبّر نے اس کو برباد کر دیا ۔ اگر تمہاری رعونت علم کی وجہ سے ہے تب بھی شیطان اور بلعم باعون کو دیکھو کہ کس طرح مردود ہوئے ۔ اگر تمہارا تکبّر اعلیٰ نسب کی وجہ سے ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی حالت پر غور کرو کہ اس کی عاقبت کس طرح ہوئی ۔ اگر تم کو اپنے مال و دولت پر فخر ہے تو فرعون، شداد اور نمرود کو دیکھو کہ ان کا کیا حشر ہوا ۔

کیا قانونِ قرأت کے بغیر نماز میں قرآن پڑھنا جائز ہے

اس کے بعد حاضرینِ مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا حضرت فلاں عالم کہتا ہے کہ جو شخص نماز میں قرآن مجید کی آیات قانونِ قرأت سے نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی ۔ جب کہ لوگ الحمد للہ کو ہائے ہوز سے پڑھتے ہیں علیٰ ہذا القیاس ۔ آپ نے فرمایا اس مسئلہ کا فیصلہ تو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کر دیا تھا ۔ جب آپ نے فرمایا کہ سِینُ البلالِ شینٌ" (حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سین شین کے برابر ہے [۱]) نیز فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ حبیب عجمی قدس سرہٗ جو حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ اعظم تھے

---

۱ ۔ سین البلال ۔ یاد رہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب اذان دیتے تھے تو اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی بجائے اَسھد الا الہ الا اللہ کہتے تھے کیونکہ شین آپ کی زبان مبارک سے ادا نہیں ہو سکتا تھا ۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی گئی تو آپ نے ان کو معذور قرار دے کر جائز فرمایا ۔

امامت کر رہے تھے لیکن قرآن علم قرأت کے مطابق نہ پڑھا۔ کسی نے اعتراض کیا کہ شیخ نے قرآن صحیح نہیں پڑھا۔ حضرت خواجہ حبیبؒ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ظاہر قرآن کو آراستہ کیا ہوا ہے اور میں نے باطن قرآن کو ہے۔[1]

اس کے بعد فرمایا حضرت قبلہ خواجہ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانے میں بڑے بڑے عالم و فاضل رہتے تھے لیکن کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا۔ حضرت خواجہ عالم متبحر تھے اور علمائے عصر میں سے کوئی شخص ان کی ہمسری نہیں کر سکتا تھا لیکن آپ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے جو قانونِ قرأت نہیں جانتے تھے۔ پھر بھی آپ نے کسی پر اعتراض نہ فرمایا اور یہ نہ کہا کہ تم کس طرح قرأت پڑھتے ہو۔ لیکن اب ایسے مولوی پیدا ہو گئے ہیں جو قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اور حجتیں پیدا کرتے ہیں۔

مقبوس ۱۹:- بوقت عشاء سہ شنبہ ۲۷ ذوالحج سال مذکور

تھوڑے عرصے میں آسمان صاف ہو گیا۔ اور بجلی کی چمک جاتی رہی۔ سبحان اللہ کیا تماشا تھا۔ جو پردہ غیب سے نمودار ہوا۔ معلوم رہے کہ حضرتِ اقدس کو ابر، باراں، برق، و رعد سے اس قدر محبت تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ چنانچہ چند کافیوں میں بھی آپ نے اس محبت کا اظہار فرمایا ہے۔

۱۔ ایک دفعہ حضرت حبیب عجمی امامت کر رہے تھے اور قرآن قرأت سے نہیں پڑھ رہے تھے۔ ایک بزرگ نے جماعت میں شامل ہونا چاہا لیکن چونکہ قرأت صحیح نہیں تھی۔ جماعت میں شامل نہ ہوئے۔ ان کو رات خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور عرض کیا کہ حضور آپ تک رسائی کس طرح حاصل ہوئی۔ جناب باری تعالےٰ سے فرمان ہوا کہ حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھنے سے۔ یہ سن کر انہوں نے توبہ کی اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔

حضرت اقدس پلنگ پر آرام فرما رہے تھے۔ تسبیح ہاتھ میں تھی اور کچھ پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد اٹھ بیٹھے۔ اور دریافت فرمایا۔ کہ وہ کون بیٹھا ہوا ہے۔ کیا رکن الدین ہے؟۔ خادم نے عرض کیا کہ جی ہاں وہی ہے۔ آپ نے اس بندہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا! کہ رکن الدین تم یہاں تھے؟۔ عرض کیا کہ۔ جی ہاں!۔ بات یہ ہے کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی کے عرس کے اختتام پر حضرت اقدس کوٹ شریف سے چاچڑاں تشریف لا چکے تھے۔ بندہ بھی ساتھ آیا تھا لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے دو تین دن حاضرِ خدمت نہیں ہو سکا تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ شاید وہ بھی چلا گیا ہو گا۔ نیز اس سوال سے کہ تم یہاں تھے؟ تنبیہ بھی مراد ہے۔ کہ یہاں موجود ہونے کے باوجود ہمارے پاس کیوں نہیں آئے۔ کیونکہ وصول الی اللہ کے لیے بہترین طریقۂ محبت اور زیارتِ شیخ ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے کفایۃً انتباہ فرما دیا تھا۔ اس لیے بندہ اپنی غلطی سمجھ کر خاموش رہا۔

اس کے بعد شمال کی طرف منہ کر کے فرمایا! کہ اس طرف بادل نظر آرہا ہے۔ لیکن جونہی حضرت اقدس نے بادل کی طرف دیکھا اور خوش ہو کر توجہ فرمائی۔ تو بادل زیادہ ہو گیا۔ اور بجلی چمکنے لگی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب بجلی کڑکنے کی آواز بھی آئے گی۔ ابھی یہ بات لب مبارک سے نکلی ہی تھی۔ کہ بادل گرجنے لگا۔ شعر

چوں بحضرت خواجہ رغبت ابر بود　　　رعد غراں برق خنداں رو نمود

اس کے بعد آپ سرور و انبساط کے عالم میں۔ پلنگ سے اتر کر دو تین قدم آگے آئے اور ابر کا مشاہدہ کرنے لگے۔ بجلی چمک رہی تھی اور بادل گرج رہا تھا۔ جسے آپ دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ اور اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ کے نعرے لگا رہے تھے۔ اس کے بعد آپ پلنگ پر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ۔ اب ابر کی جانب سے ہوا بھی چلے گی۔ یہ کہنا تھا کہ شمال کی جانب سے ہوا چلنے لگی۔ حالانکہ اس سے پہلے جنوب کی جانب سے ہوا چل رہی تھی۔ شعر

ہر چہ مرمئی بود گشتہ در وجود　　　چوں خیالش رفت آں رفتند زود

اس کے بعد پورا بادل چھا گیا۔ اور بجلی اس طرح چمکنے لگی کہ آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ برسنے والا بادل نہیں ہے بلکہ خالی ہوا ہے۔ شعر

ابر پارہ گشت برق و رعد رفت

باد صرصر آمدہ برباد رفت

یہ فرما کر آپ دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔ اور تمام غلامان اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔

مقبوس ۲:۔ بوقت عشاء جمعرات پنجم محرم ۱۳۱۲ھ

صحابہ کرام کے متعلق کمال احتیاط

آپ پلنگ پر بیٹھے وظائف پڑھ رہے تھے۔ لوگ سامنے بیٹھے ہوئے تھے ۔ اس اثنا میں اقامت کی آواز آئی تو آپ اٹھ کر نماز باجماعت میں شریک ہوئے ۔ نماز کے بعد باقی لوگ چلے گئے ۔ ایک ہندو حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ حضور ہمارے ایک رشتہ دار کی شادی ہے ۔ اگر اجازت ہو تو نقارہ ، دف اور دیگر مزامیر جو شادیوں پر بجائے جاتے ہیں ہم بھی بجائیں ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چیزیں میں نے اپنے عملہ کے لوگوں کے لیے ممنوع قرار دی ہیں نہ کہ باقی لوگوں کے لیے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ صاحب الروضہ (حضرت خواجہ قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ) کے زمانے میں ایک شخص مولوی غلام داؤد نامی تھے جو فاضل آدمی تھے اور کوٹ مٹھن شریف میں درس دیتے تھے ۔ وہ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور اہل سنت وجماعت سے تعلق رکھتے تھے لیکن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے باقی صحابہ کرام کی نسبت کچھ زیادہ محبت رکھتے تھے ۔ اس وجہ سے علمائے وقت ان کو پکڑ کر حضرت شیخ کی خدمت میں لائے ۔ آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے مولوی غلام داؤد تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق کیا کہتے ہو ۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا حضرت تمام اصحاب رسولؐ کو برحق سمجھتا ہوں اور ہر ایک سے محبت کرتا ہوں لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس لیے زیادہ محبت ہے کہ تمام مشائخ طریقت کے سلاسل آپ کی ذات گرامی سے فیض یاب ہیں ۔ یہ سن کر آپ نے ان کو رہا کر دیا ۔ لیکن جب تک مولوی غلام داؤد زندہ رہے کوئی شخص ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تھا ۔ دیکھو پہلے زمانے کے لوگ کس طرح راسخ العقیدہ

تھے کہ اگرچہ مولوی مذکور رافضی نہیں تھے لیکن ایک معمولی سی بات کی وجہ سے لوگ ان سے کس قدر متنفر ہو گئے تھے۔ آج کل لوگ صحابہ کرام کے خلاف ہزارہا باتیں بناتے ہیں پھر بھی اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ حضرت خواجہ فخر الدین وملت رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس سبب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے کہ آپ پیران پیر ہیں یا اس کے جدِ امجد ہیں یا ایک شخص ایسا ہے جس کا پیشہ بہادری ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بہادری کی وجہ سے زیادہ محبت رکھتا ہے یہ تمام اقسام محبت رفض کی طرف لے جانے والی ہیں اور ان سے اجتناب کرنا چاہیئے

اس کے بعد فرمایا کہ ملک مارواڑ میں کافر بہت ہیں اور مسلمان کم۔ لیکن جو مسلمان ہیں بڑے جید مسلمان ہیں اور غیر شرع امور کی ان سے بُو تک نہیں آتی۔ لوگ بھنگ اور دیگر منشیات سے پرہیز کرتے ہیں اور احکام دین کی سختی سے پابندی کرتے ہیں اور علمائے کرام سے مسائل دریافت کرتے رہتے ہیں۔

لنگر کی سوکھی روٹی اور چٹنی کی قدر و قیمت

اس کے بعد لنگر خانہ اور طعام کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تمام باورچیوں میں سے میاں احمد یار بہت قابل آدمی ہے۔ خوب اچھے کھانے پکا سکتا ہے۔ نیز فرمایا کہ نواب صادق محمد عباسی (فرمانروائے ریاست بہاولپور جو آپ کے نہایت مخلص مرید تھے) کہتے ہیں کہ میں دو باتوں کے لیے کوٹ مٹھن آتا ہوں۔ ایک حضرت خواجہ کی زیارت کے لیے۔ دوم احمد یار کے ہاتھ کا پکا ہوا پلاؤ کھانے کے لیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ کے فرزندان کی بیعت چونکہ ہمارے حضرات کے ساتھ تھی۔ جب کوٹ مٹھن آتے تھے تو ان کے لیے خوب اچھے اچھے کھانے تیار کیے جاتے تھے۔ ایک دفعہ خواجہ نور حسن قدس سرہٗ جو حضرت قبلہ عالم کے فرزندوں میں سے آئے ہوئے تھے اور روزانہ قسم د

قسم کے کھانے ان کے لیے تیار کیے جاتے تھے ۔ ایک دن بارش ہو گئی اور گوشت نہ مل سکا ۔ باورچی نے حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضورؑ آج گوشت نہیں ملا اور بارش کی وجہ سے دوسرے لذیذ کھانے بھی تیار نہیں ہو سکتے پیرزادہ صاحب کے لیے کیا پکایا جائے ۔ آپ نے فرمایا کہ سوکھی روٹی کے ساتھ لہسن کی چٹنی بنا لو ۔ چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور یہ کھانا پیرزادہ کے پیش کیا ۔ انہوں نے خیر محمد باورچی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج کیا پکا ہے ۔ اس نے عرض کیا کہ چٹنی اور خشک روٹی ۔ فرمایا آگے آؤ ۔ یہ سن کر اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا کہ شاید مار پڑے گی ۔ جب نزدیک پہنچا تو انہوں نے اپنے کندھے سے لنگی اتار کر اس کو عطا کی اور فرمایا کہ الحمد للہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی اس سے پہلے مجھے پیرزادہ سمجھ کر عمدہ کھانے کھلاتے تھے ۔ آج آپ نے غلام سمجھ کر یہ کھانا بھیجا ہے ۔

مقبوس ۱۲ :- بوقت عشا ، یک شنبہ ، چار محرّم سال مذکور

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ پلنگ پر بیٹھے تھے تسبیح ہاتھ میں تھی اور ذکر کر رہے تھے پہلے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کیا ۔ اس کے بعد الا اللہ کا پھر اللہ اللہ کا ذکر کیا

کرامت سے کوڑیاں روپے بن گئے

اس کے بعد مشائخ عظام کی کرامات کا ذکر ہونے لگا ۔ فرمایا

ا ۔ عام طور پر اذکار و مشاغل خلوت میں کیے جاتے ہیں ۔ آپ کے لوگوں کے سامنے ذکر کرنے کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کو ذکر کی تحریص ہو ۔ اور ذکر کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے ۔ نیز لوگوں کا اکثر ہجوم بھی رہتا تھا ۔ وقت بچانے کے لیے خلوت کی بجائے جلوت میں ذکر کرنا اسی لیے بہتر سمجھا ہو گا ۔

ایک دن ایک مطربہ (گانے والی) اپنے سازو سامان کے ساتھ گدائی کی غرض سے ہمارے قبلہ صاحب روضہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور آداب بجالاکر بخشش کی استدعا کی۔ آپ نے مسعود نامی خادم کو حکم دیا کہ چھ عدد کوڑیاں اس کو دے دو۔ اس نے دست بستہ عرض کیا کہ میں اس عطیے سے خوش ہوں لیکن اپنے ہاتھ سے عطا فرما دیں۔ آپ نے خادم سے کوڑیاں لے کر اس عورت کو دیں۔ اس روز کے بعد اس عورت کو چھ روپے روزانہ غیب سے ملنے لگے۔

مقبوس ۲۲:۔ بوقت زوال بروز جمعہ ۱۶ محرم سال مذکور

اس وقت رکن الدولہ نصرت جنگ بہادر نواب صادق محمد خان عباسی (حکمران ریاست بہاولپور) جو حضرت شیخ کے راسخ الاعتقاد مرید ہیں کا خط موصول ہوا جس میں انہوں نے بیماری سے شفایابی کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ خط پڑھ کر اس کا جواب لکھا اور فرمایا کہ کوئی آدمی جا کر نماز جمعہ کے متعلق دریافت کرے۔ ایک خادم نے مسجد میں جاکر معلوم کیا اور واپس آکر اطلاع دی کہ نماز تیار ہے۔

طریق وضو

آپ نے اس طریق پر وضو فرمایا۔ پہلے دونوں ہاتھ کلائیوں تک تین بار دھوئے۔ اس کے بعد تین بار کلی کی۔ تین بار ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ مبارک پیشانی کے بالوں سے لے کر زنخدان (ٹھوڑی) تک اور ایک کان کی لَو سے دوسرے کان کی لو تک کمال احتیاط سے چار[1] بار دھویا اور ریش مبارک کو اچھی طرح پانی سے تر کیا۔ پھر پورے سر کا مسح کرنے

۱۔ چار بار دھونے سے زیادہ صفائی مقصود ہوگی۔ اگر صفائی مطلوب ہو تو ہر عضو تین سے زائد بار دھونا جائز ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔

کے بعد ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کیا اور لوٹا خادم کے ہاتھ سے لے کر دونوں پاؤں مبارک اپنے ہاتھوں سے دھوئے اور پاؤں کی انگلیوں کا بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے خلال کیا اور مسجد چلے گئے۔ اس فقیر کی یہ عادت تھی کہ ہر وضو کے بعد جائے وضو پر جایا کرتا تھا اور ریش مبارک سے جو بال گرا ہوا پاتا تھا اٹھا لیتا تھا۔ چنانچہ اس روز بھی جائے وضو پر گیا اور ایک بال مبارک حاصل کیا۔ وہ بال مبارک اب تک محفوظ ہیں۔ آپ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے گئے۔

اولیائے کرام سے بدظنی باعث سلبئ ایمان ہے

اس کے بعد اولیاء کرام سے انکار کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی قدس سرہ، نے اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ یوسف رازی کے پاس نہ جانا۔ آپ کے منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یوسف حسین رازی قدس سرہ کا مسلک ملامتیہ تھا۔ بعض لوگ ان کے معتقد تھے اور بعض منکر۔ اس لیے حضرت شیخ کا خیال تھا کہ ممکن ہے کہ وہ مرید وہاں جا کر ان کا منکر ہو جائے۔ لیکن وہ مرید اصحاب طریقت میں سے تھا۔ حضرت یوسف حسین رازیؒ کی خدمت میں چلا گیا۔ جب واپس آیا تو حضرت شیخ جنید قدس سرہ نے پوچھا کیا تم یوسف رازی کے ہاں گئے تھے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا انکار کے ساتھ واپس آئے ہو یا اعتقاد کے ساتھ۔ اس نے جواب دیا کہ اعتقاد کے ساتھ۔ حضرت شیخ نے فرمایا الحمد للہ اگر اعتقاد کے ساتھ واپس آئے ہو تو تمہارا ایمان سلامت ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب اولیاء کرام سے بدظنی کرنے کی وجہ سے ایمان کو نقصان پہنچتا ہے تو جو شخص ان کو برا کہتے ہیں اور گالی دیتے ہیں ان کے ایمان کا کیا حال ہو گا۔

محفل سماع

اس کے بعد برکت علی قوال کو جو قوال بھی تھا اور گویا بھی حکم دیا کہ ہارمونیم لاؤ۔ وہ گھر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہارمونیم لے آیا آپ نے فرمایا شروع کرو۔ چنانچہ اس نے چند غزلیں گائیں جس سے تمام اہل

مجلس محظوظ ہوئے۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ بھی ذوق و شوق سے سنتے رہے۔

مقبوس ۱۲۳: بوقت عصر بروز شنبہ ۱۷ محرّم سال مذکور

نانوے مقبوس سے لے کر چودھویں مقبوس تک پیش خدمت کیے۔ آپ پڑھ کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ آج میں نے پڑھے ہیں۔ آئندہ تم پڑھنا اور میں سنا کرونگا

مقبوس ۱۲۴: بوقت عصر بروز جمعہ ۲۴ محرّم سال مذکور

بدھ کے دن سفر شروع کرنا منع ہے

بدھ کے دن سفر کرنے کا ذکر ہو رہا تھا آپ نے فرمایا بدھ کے دن شیخ کی خدمت سے رخصت ہونا یا کسی کام کے لیے سفر کرنا منع ہے۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور بدھ کے دن گھر جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے[1]۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ منکوحہ کے ساتھ مباشرت بھی بدھ کے دن منع ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی ممانعت نہیں۔

منگل کے دن غسل کرنا اور تیل لگانا

اس کے بعد اس احقر نے عرض کیا کہ حضور یہ جو عورتوں میں مشہور ہے کہ

۱۔ بدھ کے دن سفر کرنا۔ احادیث میں بدھ کے دن حجامت کرانا منع ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو منع فرمایا تھا۔ حضرات خواجگان چشت اہلِ بہشت بدھ سفر کرنے سے بھی منع کرتے ہیں کوئی روایت دیکھی ہوگی۔ ہاں اگر کوئی آدمی سفر میں ہے اور بدھ کے دن ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جانا چاہتا ہے تو جا سکتا ہے نیز بدھ کے دن واپسی کا سفر بھی کر سکتا ہے۔

ہفتہ اور منگل کے دن غسل کرنا، تیل لگانا اور نئی پوشاک پہننا جائز نہیں اس کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں حضرت خواجہ فخر الاولیاء رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے شیخ قدس سرہٗ نے ایک خادم سے فرمایا کہ تیل لاؤ اور میرے سر پر لگاؤ۔ اس نے عرض کیا کہ یا حضرت آج منگل ہے۔ آپ خاموش ہو گئے اور تیل نہ لگوایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات درست ہے۔ لیکن ایک اور دفعہ جب میرے شیخ علیہ الرحمۃ نے تیل لگانے کا حکم دیا اور خادم نے منگل کا دن یاد دلایا تو آپ نے جھنجلا کر فرمایا کہ منگل کیا چیز ہے۔ تیل لے آؤ۔ چنانچہ تیل لایا گیا اور آپ کے سر پر لگایا گیا۔[1]

اس کے بعد حضرت خواجہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور فلاں ضعیف عورت عرض کرتی ہے کہ میرا بیٹا ملازم سرکار ہے اور کسی دور دراز مقام پر تعینات ہے دعا کریں اس کا تبادلہ کسی قریب جگہ پر ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔ میری طرف سے اس عورت کے بیٹے کے افسر کو خط لکھو کہ اسے تبدیل کر دے۔

والدہ کی خدمت حج سے بہتر ہے

اس کے بعد فرمایا کہ شیراز میں ایک بزرگ رہتے تھے جو شخص آپ کی خدمت میں جا کر حج جانے کا ارادہ ظاہر کرتا تھا۔ آپ اس سے پوچھتے تھے کہ اے جوان کیا تمہاری والدہ زندہ ہے یا مردہ۔ جو شخص یہ کہتا تھا کہ زندہ ہے آپ اسے حج پر جانے سے منع کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ تمہارا حج اس کی خدمت کرنا ہے۔ واپس جاؤ اور اس کی خدمت کرو۔ اس کے بعد ایک شخص ایک

۱۔ تیل لگانا۔ حضرت شیخ کی طرف سے ایک دفعہ منگل کے دن تیل نہ لگانے اور دوسری دفعہ تیل لگانے کا یہ سبب ہوگا کہ پہلی بار تیل لگانے کی زیادہ خواہش نہ ہوگی اور ممکن ہے کہ اس روز غلبہ استغراق زیادہ ہو اور خادم کی بات پر زیادہ دھیان نہ دھرا ہو۔ ورنہ شریعت میں اس امر کی کوئی ممانعت نہیں آئی۔

چینی کی طشتری لایا جس پر چند آیاتِ شفا لکھی ہوئی تھیں ۔ حضرت شیخ نے طشتری کو دونوں ہاتھوں میں لے کر زبان مبارک کو ان آیات پر پھیرا اور لعاب دہن حلق میں لے گئے ۔ یاد رہے کہ ان ایام میں حضرت شیخ بیمار تھے اور ایک آدمی کو حکم فرمایا تھا کہ آیاتِ شفا چینی کی طشتری پر زعفران سے لکھ کر روزانہ لایا کرو ۔

یہاں حضرت شیخ کے ملفوظات کی پہلی جلد کا اختتام ہوتا ہے ۔ یہ تین سال کی محنت کا ثمرہ ہے ۔ اس اثنا میں جو کچھ اس احقر نے اپنے کانوں سے سنا ہے وہی لکھا ہے ۔ اگرچہ پیر بھائیوں میں سے بڑے معتبر آدمیوں نے بعض اوقات کہا کہ حضرت شیخ نے فلاں موقع پر فلاں بات فرمائی لیکن احقر نے اس کے تحریر کرنے سے انکار کیا کیونکہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۔ آخر میں التماس ہے کہ جو شخص یہ ملفوظات پڑھے احقر کے لیے دعائے خیر کرے ۔ اور اس بندہ ہیچ مقدار کو درمیان میں نہ دیکھے اس وجہ سے اول سے آخر تک ان ملفوظات کا حضرت اقدس نے خود مطالعہ فرمایا ہے اور جہاں کمی یا بیشی کی ضرورت تھی حضور اقدس نے اپنے ہاتھ سے اصلاح کر دی ۔ پس درحقیقت متکلم اور کاتب آپ خود ہیں ۔ یہ بندہ درمیان میں نہیں ہے ۔ ؎

من و تو درمیاں کارے نداریم　　بجز بے ہودہ پندارے نداریم

جلد دوم

مقبوس ۲۵ :- بوقت عصر بروز یک شنبہ ۶ محرم ۱۳۱۲ھ

دربان نے اندر آکر عرض کیا کہ حضور ایک آدمی دروازہ پر کھڑا ہے وہ عرض کرتا ہے کہ مجھے کوئی وظیفہ تلقین فرمایا جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ میرے بیٹے کے پاس جائے اور ان سے وظیفہ پوچھے۔ اس کے بعد دربان نے دوبارہ آکر عرض کیا۔

حضرت اقدس کا بیعت کرنے کا طریقہ

ایک آدمی آیا ہے وہ عرض کرتا ہے کہ میں نو مسلم ہوں اور مرید ہونے کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا اُسے اندر لے آؤ۔ وہ آدمی اندر آیا اور حضرت شیخ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے اس طرح کہ آپ کے کفِ دست اس آدمی کے ہاتھوں کے پشت سے لگ رہے تھے اور آپ کی انگلیوں کے سرے اس کی کلائیوں تک پہنچ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ سرنگوں ہو گئے اور کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کہو میں توبہ کرتا ہوں تمام گناہوں سے۔ یہ بات تین بار دہرائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ نماز پڑھتے ہو۔ اس نے کہا جی ہاں پڑھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہر نماز کے بعد دس بار درود شریف اور دس بار سورۂ اخلاص اور نماز عشاء کے بعد ایک سو بار کلمہ طیبہ پڑھا کرو۔

مقبوس ۲۶:- بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۱۸ صفر سال مذکور

آپ وضو کر رہے تھے اور ایک خادم لوٹا ہاتھ میں لیے وضو کرا رہا تھا۔ وضو کے بعد تھوڑا سا پانی لوٹے میں بچ گیا اور خادم بچا ہوا پانی لے کر جانے لگا۔ میں نے کہا یہ پانی کہاں لے جا رہے ہو۔ اس نے کہا ایک آدمی بیمار ہے اس کو پلاؤں گا تاکہ شفا ہو۔

مقبوس ۲۷:- بوقت مغرب جمعرات ۹ جمادی الاول سال مذکور

ان دنوں حضرت خواجہ فخر عالم قدس سرہٗ کا عرس ہو رہا تھا۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ مسجد کے صحن میں مشرق کی جانب منہ کیے تشریف فرما تھے اور کثرت سے لوگ حاضر ہو کر دست بوسی کر رہے تھے۔ اس اثنا میں ایک عورت ہاتھ میں ایک پڑیا لیے حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور اس کے اندر سرمہ ہے اس کو ہاتھ لگا دیں۔ آپ نے اپنی انگلی مبارک پڑیا میں ڈالی اور واپس کر دی۔

شفایابی کا عمل

اس کے بعد ایک آدمی آیا اور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے پاؤں پر سر رکھ کر بہت سخت رونے لگا۔ اس نے عرض کیا کہ میرا بیٹا بیمار ہے اور اس کے بچنے کی امید نہیں ہے۔ آپ مہربانی فرماویں اور اس پانی پر دم کر دیں تاکہ اسے پلاؤں۔ آپ نے اس سے برتن لے کر سورۂ فاتحہ ایک بار اور آیاتِ شفا میں سے ہر آیت ایک ایک بار اور کلمہ تمجید ایک بار پڑھ کر پانی پر دم کیا اور فرمایا کہ روزانہ یہ پانی بیمار کو پلاتے رہو۔ اس کے بعد اذان شروع ہوئی۔ جب مؤذن نے دوسری بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو آپ نے دونوں انگوٹھے اپنی آنکھوں پر رکھے۔

مزارات پر حاضری کا طریقہ

نماز مغرب سے فارغ ہو کر آپ نے روضہ مبارک کے دروازے پر جا کر چوکھٹ پر بوسہ دیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور اپنے دونوں رخسار چوکھٹ سے لگائے۔ اس کے بعد آپ روضہ مقدس کے اندر تشریف لے گئے اور مزار مقدس کے پائنتی کی طرف بوسہ دیا اور صاحب روضہ قدس سرہٗ کے مزار سے شروع کر کے تمام قبروں پر بوسہ دیا۔ اس کے بعد سرہانے کی طرف جا کر حضرت خواجہ محبوب الٰہی قدس سرہٗ کی قبر کے سامنے دو زانو ہو کر نصف گھنٹہ تک مراقب رہے۔ مراقبہ کے بعد آپ وہاں سے اُٹھے اور مزارات کے کٹہرہ پر بوسہ دیتے ہوئے باہر آئے۔ اور اپنے حجرۂ خاص میں جا کر بیٹھ گئے۔ اور دربان نے دروازہ بند کر دیا کچھ دیر بعد آپ نے اس احقر کو طلب فرمایا۔ اس اثنا میں آپ نے ایک آدمی کو اس طریقے سے مرید بنایا کہ اسے اپنے سامنے بٹھا کر مراقبہ کیا اور چند بار سورۂ اخلاص پڑھی۔ آپ نے کوئی اور چیز بھی پڑھی لیکن یہ احقر سن نہ سکا۔ اس کے بعد آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ کہ کہو میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی اور یہ بات تین بار دُہرائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ نماز باقاعدگی سے پڑھا کرو اور ہر نماز کے بعد درود شریف دس بار، سورۂ اخلاص دس بار، اور عشاء کے بعد کلمہ طیبہ تین سو بار اور سورۂ اخلاص بھی تین سو بار پڑھا کرو۔ اس کے بعد ایک خادم نے عرض کیا کہ حضور بیشمار مخلوق مرید ہونے کے لیے دروازے پر موجود ہے۔ آپ نے اپنی چادر دونوں ہاتھوں میں لے کر مراقب ہو گئے اور آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہے۔ اس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ یہ چادر باہر لے جاؤ اور اس کی تہ کھولے بغیر سب لوگوں سے کہو چادر کو ہاتھ لگائیں۔ چنانچہ خادم چادر باہر لے گیا اور حسب فرمان چادر کے ذریعے سب کو بیعت کرا کر واپس آگیا۔ اس وقت حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ اس قدر جلال میں تھے کہ چہرہ مبارک پر نگاہ نہیں کی جا سکتی تھی۔ یہ کوٹ مٹھن شریف کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد یہ احقر گھر چلا گیا۔

مقبوس ۲۸:- بوقت عشا ، شب دوشنبہ ۲۶ جمادی الاول سال مذکور

صحت بصارت کا عمل

حضرت شیخ وظیفہ میں مشغول تھے - فراغت کے بعد یہ آیت اِس ترتیب سے پڑھی -

اِنَّ اللّٰہَ یُمسِکُ السَّمٰوٰتِ والارض اَنْ تَزُولا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ بَعْدِہٖ اِنَّہٗ کَانَ حلیماً غفوراً ط

یہ آیت بسم اللہ کے ساتھ پانچ دفعہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سِروں پر دم کیں اور دونوں آنکھوں سے انگلیاں لگائیں - یہ عمل پانچ بار دہرایا - اس طرح یہ چیز پچیس بار پڑھی گئی - جب احقر نے یہ اوراق تصحیح کے لیے پیش کیے تو حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ حضور کس کام کے لیے یہ اوراد پڑھ کر آنکھوں پر دم کیے جاتے ہیں آپ نے فرمایا - بصارت کی تیزی کے لیے اور آنکھوں کی تمام بیماریوں کے دفع کے لیے ہر نماز کے بعد پانچ مرتبہ پڑھا جاتا ہے - اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور کیا اس غلام کو بھی پڑھنے کی اجازت ہے - فرمایا ہاں اجازت ہے - اس کے بعد آپ کسی اور کام میں مصروف ہو گئے اور احقر چلا آیا -

مقبوس ۲۹:- بوقت عشا ، چہار شنبہ ۲۸ ماہ و سال مذکور

بعض قدیم شہروں کا ذکر

اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ فلاں شہر پرانا ہے اور فلاں نیا ہے - آپ نے ارشاد فرمایا کہ شہر ڈیراور[1] زمانہ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب تعمیر ہوا - شہر جیسلمیر ا جواب

۱- ڈیراور - یہ ایک قدیم شہر ہے جو سابقہ ریاست بہاولپور کے علاقہ ریگستان میں واقع ہے

باقی بر صـ

بھارت میں ہے) بھی عرصہ آٹھ سو سال ہوئے تعمیر ہوا تھا۔ پگل[1] بھی قدیم شہر ہے۔ اور ماروا اور نارو دو بہنیں تھیں جو شہر پگل کی رہنے والی تھیں۔ مارو میاں ڈھولہ کی معشوقہ تھی۔ میاں ڈھولہ ایک ہندو تھا جو علاقہ گنج بھج کا رہنے والا تھا۔ ہمارے زمانے میں معشوق کو ڈھولہ کہتے ہیں۔ بعض اوقات لوگ عاشق و معشوق کے نام کو ملا کر مارو۔ ڈھولہ کہتے ہیں اور اس ترکیب سے اس سے مطلق معشوق مراد لیتے ہیں۔

مقبوس ۳۰: بوقت مغرب سہ شنبہ ۱۶ جمادی الآخر سال مذکور

حسن اخلاق

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ وظائف میں مشغول تھے کمرے میں کافی لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے یہ احقر حضرت شیخ کی پشت کی جانب بیٹھ گیا۔ لیکن آپ نے پیچھے دیکھ کر احقر کو دوسری جگہ پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پس پشت کسی کا بیٹھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ بہاولپور میں نواب صادق محمد عباسی کی دعوت کے دوران آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔

بقیہ ض اور بھارت کی سرحد سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پہ ہے نیز بہاول، احمد پور شرقیہ اور لیاقت پور سے بھی تقریباً تیس تیس میل کے فاصلہ پہ ہے۔ یہاں ایک نہایت ہی مضبوط پکی اینٹوں کا قلعہ ہے۔ یہ شہر قدیم زمانے کے راجاؤں کا پایۂ تخت بتایا جاتا ہے۔ بہاولپور کے نوابوں کے زمانے میں یہاں سنگ مرمر سے ایک عالی شان مسجد تیار کی گئی جو اب تک صحیح سلامت موجود ہے۔ پرانی تاریخ میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ریگستانی علاقہ پہلے سرسبز اور آباد علاقہ تھا اور اس کے وسط میں شہر ڈیرا ور آباد تھا۔

۱۔ پگل بھی علاقہ ریگستان میں واقع ہے۔

مقبوس ۱۳۱:- بوقت عشاء دو شنبہ ۱۳ رمضان المبارک سال مذکور

استغراق فی الذات کے باوجود صوم وصلوٰۃ کی پابندی

تسبیح آپ کے ہاتھ میں تھی اور آپ پر کمال استغراق کی حالت طاری تھی - اسرار غیبی کی واردات سے آں حضرت کے چہرہ پر اس قدر آثار ہیبت وجلال نمودار تھے کہ دیکھنے والوں میں تابِ نظارہ نہیں تھی - آپ کی ذات گرامی پر لحظہ بہ لحظہ تحیر کا اضافہ ہو رہا تھا - اور باوجودیکہ اس عظمت وجلال کی حالت میں کسی کی طرف آپ متوجہ نہیں ہو سکتے تھے اس غلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خیر ہے (بہاولپوری زبان میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ خیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کیسا مزاج ہے یا کیا حال ہے) اور پھر سرنگوں ہو کر عالم غیب میں مشغول ہو گئے - قریب ایک گھنٹہ کے بعد تسبیح پلنگ پر رکھ دی اور فرمایا کہ برادران اٹھو نماز پڑھ لیں - چنانچہ صفیں بنائی گئیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے بعد سب لوگ نوافل میں مشغول ہو گئے - اس کے بعد آپ نے یہ دعا پڑھنا شروع کی اور سب لوگ آپ کے ساتھ شریک ہو گئے[۱] :-

سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزت و العظمة والهيبة والقدرة والكبرياء والجبروت سبحان الملك الحي الذی لا ينام ولا يموت سبوح

۱- کمال استغراق فی الذات (فنا فی اللہ) کے باوجود حضرت اقدس کا صوم وصلوٰۃ حسب قاعدہ ادا کرنا اور تراویح کے درمیان تسبیح پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو شریعت کا کس قدر پاس تھا - لیکن ہمارے چشتی بھائی معمولی سی کیفیت پر نماز ترک کر دیتے ہیں اور ہمہ اوست کے نعرے شروع کر دیتے ہیں -

قدوس ربنا و رب الملئکۃِ و الروح اللھم اجرنا من النار یا مُجیرُ یا مُجیرُ یا مُجیر والصلواۃ بر حضرت خواجہ عالم سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اس کے بعد حافظ قرآن مجید پیش امام ہوئے اور نماز تراویح شروع ہوگئی ۔ تراویح کی بیس رکعتیں دس سلام کے ساتھ یعنی دو دو رکعت دوگانہ کے ساتھ ادا کی گئیں ۔ ہر چار رکعت کے بعد دعائے مذکور پڑھی جاتی تھی حتےٰ کہ جب بیس رکعت ختم ہوئیں تو آخری رکعت کے بعد حسب معمول ہاتھ اٹھا کر ہم نے دعا مانگی جیسا کہ ہر نماز کے بعد مانگی جاتی ہے ۔ ان بیس رکعتوں میں قرآن مجید کا ایک پارہ پڑھا گیا ۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے پہلی اور آخری چار رکعت کھڑے ہو کر ادا کیں لیکن درمیانی بارہ رکعت بیٹھ کر پڑھیں ۔ کیونکہ آپ کے پاؤں پر پھوڑا نکل آیا تھا جس سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی اور زیادہ دیر تک کھڑے نہیں ہو سکتے تھے ۔ لیکن باقی نماز یعنی فرض، سنت اور وتر آپ نے کھڑے ہو کر ادا کی ۔ تراویح سے فراغت کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ اسی استغراق کی حالت میں اپنی خلوت میں چلے گئے ۔

مقبوس ۳۲ :- بوقت عصر، چہار شنبہ ۱۵ رمضان المبارک سال مذکور

حضرت اقدس چارپائی پر بیٹھ کر وضو کر رہے تھے اور تمام حاضرین مجلس حلقہ باندھے کھڑے تھے ۔ آپ نے سرائیکی اردو فقیر سے کہا کہ تم رات سحری کے وقت حکیم سنائی رح کے مناجات پڑھ رہے تھے اب بھی وہی پڑھو ۔ یہ سنتے ہی اس نے یہ مناجات پڑھنا شروع کیے سے

مناجات حکیم سنائی عہ[1]

---

[1] حکیم سنائی کا مزار شہر غزنی ملک افغانستان میں ہے ۔ آپ بڑے بزرگ تھے ۔ تو بہ سے

مناجات حکیم سنائیؒ

مالکا ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی — نروم من بجز آں راہ کہ تو آں راہ نمائی،

ہمہ درگاہ تو جویم ہمہ درکار تو پویم — ہمہ توحید تو گویم کہ بتوحید سزائی

تو خداوند یمینی تو خداوندِ یساری — تو خداوندِ زمینی تو خداوندِ سمائی

تو زن و جفت نہ جوئی تو خور و خفت نخواہی — احدا بے زن و جفتی مَلِکا کام روائی

نہ نیازت بولادت، نہ بفرزند تو حاجت — تو جلیل الجبروتی تو امیر الامرائی

تو کریمی تو رحیمی، تو سمیعی تو بصری — تو مُعِزّی تو مُذِلی، ملک العرش بجائی

ہمہ را عیب تو پوشی ہمہ را غیب تو دانی — ہمہ را رزق رسانی کہ تو با جود و عطائی

نہ بدے خلق تو بودی بنود خلق تو باشی — نہ تو خیزی نہ نشینی نہ تو کاہی نہ فزائی

نہ سپہری نہ کواکب نہ بروجی نہ دقائق — نہ مقامی نہ منازل نہ نشینی نہ بپائی

بری از چون و چرائی بری از عجز و نیازی — بری از صورت و رنگی بری از عیب و خطائی

بری از خوردن و خفتن بری از تہمتِ مُردن — بری از بیم و امیدی بری از رنج و بلائی

تو علیمی تو حکیمی تو خبیری تو بصیری — تو نمائندہ فضلی تو سزاوار ثنائی

نتواں وصف تو گفتن کہ تو در وصف نگنجی — نتواں شرح تو کردن کہ تو در شرحِ نیائی

اَحَدٌ لیس کمثلہٖ صَمَدٌ لیس بضدی — لمن الملک تو گوئی کہ سزاوارِ خدائی

لب و دندان سنائی ہمہ توحیدِ تو گویند — مگر از آتشِ دوزخ بُوَدش زود رہائی ع ۱

ترجمہ (۱) اے میرے مالک میں تیرا ذکر کرتا ہوں کیونکہ تو پاک پروردگار ہے۔

بقیہ صہ پہلے آپ بادشاہ کے قصیدہ خوان تھے۔ لیکن ایک مجذوب کے اشارے سے بادشاہ کی صحبت ترک کر کے درویش ہوئے۔ مفصل ذکر آگے آرہا ہے۔

۱۔ سبحان اللہ! کس قدر محبوب کلام ہے۔ ہمیں اس بات سے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کو بھی یہ کلام محبوب تھا اور عین وضو کے دوران اس کی فرمائش کر دی اور محظوظ ہوئے۔

جو راستہ کہ تو مجھے دکھاتا ہے اس کے سوا کوئی راستہ اختیار نہیں کروں گا۔

۲۔ میں ہر وقت تیری درگاہ کا جویاں ہوں اور تیرے ہی راستے پر گامزن ہوں۔ میں ہر وقت تیری توحید مانگتا ہوں کیونکہ تو توحید کے لائق ہے۔

۳۔ تو دائیں طرف کا خدا ہے۔ تو بائیں طرف کا خدا ہے۔ تو زمینوں کا خدا ہے اور تو آسمانوں کا خدا ہے۔

۴۔ تجھے نہ شادی بیاہ کی ضرورت ہے نہ کھانے پینے کی۔ تو احد ہے اور بے زن وجفت مالک ارض سموات ہے۔

۵۔ نہ تجھے باپ کی ضرورت ہے نہ تجھے فرزند کی حاجت ہے۔ تو عالم جبروت کا بادشاہ ہے اور احکم الحاکمین ہے۔

۶۔ تو کریم ہے تو رحیم ہے تو سمیع ہے (سننے والا) تو بصیر ہے (دیکھنے والا) جس کو چاہے تو عزت دے دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ تو بجا طور پہ مالک عرش وکرسی ہے یعنی کائنات کا مالک ہے۔

۷۔ تو سب کے عیب جانتا ہے اور سب کے عیب چھپاتا ہے۔ تو سب کو رزق پہنچاتا ہے کیونکہ تیری ذات کریم ہے۔

۸۔ جب کچھ نہ تھا تو موجود تھا۔ جب کچھ نہ ہوگا تو موجود ہوگا۔ تو کھڑا ہونے یا بیٹھنے سے پاک ہے۔ نہ تو کم ہوتا ہے، نہ زیادہ۔

۹۔ نہ تو آسمانوں کا باسی ہے نہ کواکب کا نہ بروج کا۔ نہ تیرا کوئی مکان ہے نہ منزل۔ نہ تو کھڑا ہے نہ بیٹھا ہے۔ یعنی ان حالتوں سے تو پاک ہے۔

۱۰۔ نہ تجھے کسی چیز سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے نہ تجھے کسی کی ضرورت ہے۔ تو شکل وصورت اور عیب وخطا سے پاک ہے۔

۱۱۔ تو کھانے پینے سے پاک ہے اور مرنے سے برتر ہے۔ نہ تجھے کسی کا خوف ہے نہ کسی سے طمع ہے۔ نہ تجھے کوئی غم ہے نہ ڈر۔

۱۲۔ تو علیم ہے تو حکیم ہے تو خبیر ہے تو بصیر ہے۔ تو فضل وکرم کا مالک اور

حمد و ثنا کا مستحق ہے۔

۱۳۔ نہ تیرا کوئی وصف بیان کر سکتا ہے نہ تو وصف میں آسکتا ہے۔ نہ کوئی تیری کنہہ تک پہنچ سکتا ہے نہ تیری کوئی کنہ ہے۔

۱۴ اے میرے احد کوئی چیز تیری مثل نہیں ہے اور میرے صمد تیرا ہمسر کوئی نہیں ہے تو سارے جہانوں کا مالک مطلق ہے اور سارے جہانوں کی خدائی کے لائق ہے۔

۱۵۔ سنائی کے لب و دندان سے تیری ہی حمد و ثنا نکلتی ہے۔ ممکن ہے اس وجہ سے آتش دوزخ سے نجات ہو سکے۔

جب اس شخص نے یہ مناجات ختم کیے تو حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ حکیم سنائیؒ بڑے بزرگ تھے۔ شروع میں وہ امیر کبیر تھے۔ فن شعر و سخن میں کمال حاصل تھا اور فصاحت و بلاغت میں یگانہ روزگار تھے۔ اس وجہ سے آپ کو بادشاہوں کا قرب حاصل تھا اور ان کے قصائد پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

عطار روح بُود و سنائی دو چشم او ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

(شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ روح تھے اور سنائی اس کی دو آنکھیں۔ ہم یعنی یہ شعر کہنے والے (شاید سعدی شیرازیؒ) سنائی اور عطار کی پیروی کرنے والے ہیں)

حکیم سنائی کی توبہ کا واقعہ

اس کے بعد فرمایا کہ حکیم سنائی کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ ایک رات قصیدہ لکھ کر بادشاہ کے پاس جا رہے تھے۔ رات اندھیری تھی اور چاروں طرف بادل چھائے ہوئے تھے۔ راستے میں ان کا گذر ایک مجذوب کے حجرہ کے قریب سے ہوا۔ اس وقت وہ مجذوب شراب پی رہا تھا۔ جونہی حکیم سنائی قریب پہنچے اس نے کہا ایک پیالہ اور لا دے تاکہ حکیم سنائی کے سر کو کھا جاؤں کیونکہ اس قدر علم و

دانش اور بلندئ طبع کے باوجود راہِ حق سے دور بھاگ رہا ہے۔ جب انہوں نے مجذوب کی یہ بات سنی تو اس قدر متاثر ہوئے کہ بادشاہ کے پاس جانا ترک کر دیا اور وہیں سے واپس ہو کر گھر گئے اور تائب ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کتاب نام حق میں حکیم سنائی کے یہ اشعار مشہور ہیں ؎

خود سنائی چہ بس نکو گفتہ است　　دُرِ معنی نگر کہ چو سفتہ است
غمِ دیں خور کہ غمِ غمِ دین است　　ہمہ غمہا فرو ترازیں است
غمِ دنیا مخور کہ بے ہودہ است　　ہیچ کس در جہاں نیاسودہ است

(۱۔ سنائی نے کیا خوب بات کہی ہے اور حکمت کے کیسے موتی پروئے ہیں۔
۲۔ حکمت کی بات یہ ہے کہ دین کا فکر کرو کیونکہ حقیقی فکر اور حقیقی کام یہی ہے۔ دنیا کے سارے کام اس ایک کام سے کم درجہ ہیں۔ دنیا کی فکر نہ کرو کیونکہ یہ بے ہودہ بات ہے۔ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس سے کوئی شخص آسودہ نہیں ہے۔)

مقبوس ۳۳: بوقت چاشت بروز جمعرات یکم شوال یوم عید

عید کے دن حضرت اقدس کی پوشاک

اس روز حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے سر پر کمخواب کی ایک ٹوپی تھی جس کا استر سُرخ رنگ کا تھا اور جس میں روئی بھری ہوئی تھی۔ ایک زرد رنگ کی سالاری (لنگی کی ایک قسم ہے) جس میں سرخ رنگ کی دھاریاں تھیں، ٹوپی پر باندھے ہوئے تھے۔ یہ وہ سالاری تھی کہ حضرت مولانا فخر جہاں رضی اللہ تعالےٰ عنہ عید کے دن سر پر باندھتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ بھی وہ سالاری تبرکاً صندوق سے نکال کر عید کے دن سر پر باندھتے تھے اور بعد فراغت نماز عید واپس صندوق میں رکھ دیتے تھے۔ اس کے ساتھ آپ نے ایک زرکنار سُرخ لنگی جس میں طلائی تاریں چمک رہی تھیں کندھوں پر ڈال رکھی

تھی - سفید ململ کا کرتہ، لٹھے کی سفید چادر زیب تن تھی - طلائی کام کا جوتا پاؤں میں تھا - ریش مبارک میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا - آپ کی تصویر اشعار ذیل میں کسی نے خوب کھینچی ہے ؎

کلاہ سروری پوشیدہ برسر — ادائے دلبری آوردہ دربر
بسالاری کہ بستہ برکلاہش — شدہ جانہا تاراج نگاہش
ادائے پرنیاں کردہ حمائل — بہر تارش دو صد آویختہ دل
کشیدہ قامتے چوں تازہ شمشاد — بآزاری غلامش سرو آزاد
رخ او مطلع صبح صباحت — لب او گوہر کان ملاحت
فروزاں لمعۂ نور جبینش — مہ و خورشید را او بر زمینش
مکحل نرگش از سرمۂ ناز — زمژگان بر جگرہا ناوک انداز
زخلوت خانہ آں گنج نہفتہ — بروں آمد چو گلزار شگفتہ
خراماں ساخت سرو نازنین را — فزود از آسمان شان زمین را

(ان اشعار کا مطلب وہی ہے جو اشعار سے پہلے کی عبارت میں بیان کیا جا چکا ہے) غرضیکہ بدیں جمال وخوبی حضرت شیخ خراماں گھر سے باہر تشریف لائے - عید کی وجہ سے لوگ بکثرت جمع تھے - آپ اس ہجوم کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے - آپ نے صفیں تیار کرائیں اور ہر صف میں ایک مکبر (تکبیر کہنے والا) مقرر فرمایا تاکہ نماز میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہونے پائے - نماز کے بعد آپ نے خطبہ سنا اور دعا مانگ کر اپنے حجرۂ خاص میں رونق افروز ہوئے - اس وقت پسینے کے قطرات جو رُخ انور پر نمودار تھے - موتیوں کی طرح چمک رہے تھے یا پھول کی پتیوں پر شبنم کے قطرات کی طرح موسم بہار کا سا سماں پیدا کر رہے تھے - اے دوست حضرت شیخ کے حسن وجمال کا وصف کس طرح بیان کر سکتا ہوں کہ نہ طاقت دید ہے نہ طاقت گفتار - میری چشم بے بصر ہے اور زبان گنگ ؎

جمال نیکواں در پیش او گم — چناں کز پرتو خورشید انجم

کمال حسنش از اندیشہ بیرون	زحد عقل فکرت پیشہ بیرون

نیارم بیش ازیں گفتن کہ چوں بود	کہ از ہر وصف کاندیشم بیرون بود

۱۔ اس کے سامنے حسینانِ جہاں کا حسن و جمال گم تھا جس طرح کہ آفتاب عالم کے سامنے تارے گم ہوتے ہیں۔

۲۔ اس کا حسن و جمال قیاس سے باہر ہے کیونکہ وہاں تک عقل کی رسائی ناممکن تھی۔

۳۔ اس کی تعریف کی جائے تو کیا کی جائے جب اس کی ہر بات عقل سے باہر ہے

مقبوس ۲۴۔ بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۱۳ شوال سال مذکور

تعظیمی سجدہ

سجدہ تحیت کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب قدس سرہٗ کے زمانے میں ایک شخص نے آپ کی مجلس میں سجدۂ تحیت کے بارے میں شور برپا کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر کتاب فوائد الفوائد اور سیر الاولیاء میں تفصیل سے آیا ہے۔ آخر حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ نے اس بحث کرنے والے سے فرمایا۔ تعظیمی سجدہ سابقہ امتوں میں مستحب تھا لیکن پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ مبارک میں منسوخ ہو چکا ہے۔ البتہ اس کی اباحت (مباح ہونا)، اب تک باقی ہے۔

اس کے بعد فرمایا حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے پاس آتا ہے اور اپنا سر میرے پاؤں پر رکھتا ہے تو اس سے مجھے کراہت آتی ہے۔ لیکن چونکہ میرے شیخ علیہ الرحمۃ (حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہٗ) کی خدمت میں بھی اسی طرح لوگ آکر پاؤں پر سر رکھتے تھے اور آنحضرت منع نہیں فرماتے تھے۔ میں بھی منع نہیں کرتا کیونکہ شیخ کے عمل کی مخالفت کرنا امرِ قبیح (برا کام) ہے

حضرت محبوب الٰہیؒ کے آگے متبحر علماء کا سجدۂ تعظیم

اس کے بعد فرمایا حضرت سلطان المشائخ

محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے زمانۂ مبارک میں چند علمائے متبحر جو علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے موجود تھے مثل حضرت خواجہ حسام الدّین ملتانی، حضرت مولانا شمس الدین یحییٰ، حضرت خواجہ علاء الدین نیلی، رضی اللہ تعالےٰ عنہم جو اصحاب عشرہ سلطان المشائخ (حضرت کے دس خلفاء) میں سے تھے۔ یہ تمام حضرات علوم میں بے نظیر تھے۔ ان کے علاوہ حضرت خواجہ فخر الدین زرادی بھی آپ کے دس خلفاء میں سے تھے اور اس قدر عالم متبحر تھے کہ ہندوستان بھر میں لوگ آپ سے سند لیتے تھے۔ ایک خواجہ وجیہہ الدین پائلیؒ تھے جو امام وقت تھے۔ ان کا مرتبہ اس قدر بلند تھا کہ ایک دفعہ جب حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہٗ کے روضۂ اقدس کے اندر داخل ہوئے تو اندر سے آواز آئی کہ "السلام علیکم یا ابوحنیفۂ وقت"۔ ان کے علاوہ ایک حضرت قاضی محی الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ کی شان یہ تھی کہ جب حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کی مجلس میں آتے تھے تو آپ دونوں قدموں پر سرو راست کی طرح کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگرچہ یہ آخری دو حضرات ان دس خلفاء میں سے نہیں تھے تاہم حضرت سلطان المشائخ ان سے خاص لطف و عنایت سے پیش آتے تھے۔ ان حضرات میں سے ہر ایک تمام علوم میں یگانۂ روزگار کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی بیشمار علماء کرام موجود تھے جو روزانہ دیکھتے تھے کہ لوگ حضرت سلطان المشائخ کی زیارت کے وقت اپنا سر آپ کے پاؤں مبارک پر رکھتے ہیں لیکن کسی نے تعظیمی سجدہ پر نہ اعتراض کیا نہ انکار، نہ طعن و تشنیع سے کام لیا۔

مقبوسؔ ۲۵۔ بوقت ظہر بتاریخ ۲۷ شوال ۱۳۱۲ھ

سیویستان کونسا علاقہ ہے

حضرت اقدس نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ سیویستان کونسا علاقہ ہے۔

انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ پس آپ نے فرمایا — سیویستان سیستان کے علاوہ ہے۔ آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ سیوستان سیوی ڈہاڈھر کو کہتے ہیں۔ حضرت شیخ عارفؒ جو حضرت خواجہ گنجشکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایک خلیفہ ہیں، سیویستانی ہیں اور پیر حضرت میر بالا پیر لاہوری جن کا اسم مبارک شیخ خضر ہے (شاید ان سے مراد حضرت میاں میر لاہوری قدس سرہٗ ہے) بھی سیویستانی ہیں۔ اس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور سیوی ڈہاڈھر میں ایک قدیم مسجد ہے جسے مسجد علی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ وہاں تشریف لائے تھے اس ملک کے لوگ کافر تھے۔ آپ نے ان کو مسلمان بنایا اور ایک مسجد تعمیر کی۔ اس وجہ سے اُسے مسجد علی کہتے ہیں۔ ایک اور شخص نے عرض کیا کہ اس پہاڑ میں جہاں پانی کے چشمے نظر آتے ہیں بہت سے مقامات اور آثار صحابہ کرام سے منسوب ہیں اس کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کا ہمارے ملک میں تشریف لانا ثابت نہیں ہے نیز فرمایا کہ اگر مسلمانوں سے پوچھا جائے تو وہ کہتے ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قدم کے نشان ہیں اور یہاں فلاں صحابی آیا ہے اور وہاں فلاں۔ اور یہاں چہار یار آئے اور قیام پذیر ہوئے۔ اگر ہندوؤں سے دریافت کیا جائے تو ان مقامات کو اپنے بزرگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ چنانچہ کاک ندی کے کنارے پر ایک مقام ہے جہاں ایک پانی کا چشمہ ہے جس کا پانی نہایت سرد ہے اور جہاں ہزاروں اونٹ پانی پیتے ہیں لیکن خشک نہیں ہوتا۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ بھگت کبیر کا استدراج دکرامت ہے۔ اور مسلمان کہتے ہیں کہ یہ چار یار کی کرامت کا نشان ہے جن سے ان کی مراد حضرت خواجہ گنجشکر رضؓ، حضرت غوث بہاء الحق والدین زکریا ملتانی، حضرت سید جلال الدین سُرخ بخاری اوچیؒ اور حضرت لعل شہباز قلندر سہوانی رضؓ ہے۔

حضرت آدمؑ کے قدم کا نشان

اس کے بعد فرمایا کہ علاقہ سراندیپ (لنکا) میں ایک پتھر پر حضرت آدم صفی اللہ ابو البشر علیہ السلام کے قدم کا نشان ہے جس کا عرض دو ہاتھ اور طول چار ہاتھ ہے۔

اس کے بعد ایک آدمی آیا جس نے حضرت شیخ کا اپنا دیوان سامنے رکھ کر مختلف قافیوں کے اوزان کا قافیہ اور ردیف کی ترتیب کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ترتیب میں نے خود دی ہے اور میں نے یہ ترتیب احادیث اور اسمار الرجال کی ترتیب سے اخذ کی ہے۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ اگر کروڑوں قافیاں لکھی جائیں پھر بھی ترتیب ختم نہیں ہوگی۔ جب ردیف ی تک پہنچ جاتی ہے تو الف سے دوبارہ شروع کر دی جاتی ہے۔

مقبوس ۳۶ :- بتاریخ ، ۱ محرم ۱۳۱۳ھ

یہ آپ کے فرزند ارجمند

حضرت صاحبزادہ صاحب کی شادی

مادر زاد ولی شیخ کامل و مکمل قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخش عرف حضرت نازک سائیں کی شادی مبارکبادی کا موقعہ تھا ۔ حضرت خواجہ فخر العالم (خواجہ فخر جہاں) کے محل میں قالین بچھا کر مسند تیار کی گئی تھی ۔ خلقت کا ہجوم تھا ۔ نواب صاحب رکن الدولہ نصرت جنگ نواب صادق محمد خان عباسی (والئ ریاست بہاولپور) جو آپ کے مرید خاص تھے بھی اپنے امراء اور وزراء سمیت محفل میں حاضر تھے ۔ دوسرے روساء ، مخادیم ، شرفاء ، سادات ، تمندار اور عوام الناس مریدین سب موجود تھے اور پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں تھی ۔ اس وقت حجام نے اٹھ کر شادی کا جوڑا پیش کیا ۔ سب سے پہلے حضرت خواجہ علیہ رحمۃ نے سرخ رنگ کا دھاگہ جس میں لوہے کا چھلہ (گول سادہ انگشتری) بندھا ہوا تھا جسے ہندی زبان میں گانا کہتے ہیں دولہا کی دائیں کلائی پر باندھا ۔ اس کے بعد حجام نے اپنے ہاتھ سے دائیں پاؤں میں گانا باندھا ۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب کھڑے ہو گئے اور حجام نے دستار ٹھیک کر کے اس کا ایک سرا حضرت خواجہ علیہ رحمۃ کے ہاتھ میں دیا ۔ آپ نے اسے ہاتھ میں لے کر دعا پڑھی اور دستار پر دم کیا ۔ حاضرین مجلس نے بھی دعا پڑھ کر دستار کی طرف دم کرنے کا اشارہ کیا ۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے ہاتھ سے دستار سر پہ باندھی ۔ دستار کے ایک کونے میں سبز رنگ کے ریشم کے کپڑے کا ایک خریطہ بندھا ہوا تھا ۔ جس کے اندر الائچی خورد ، قرنفل وغیرہ تھے ۔ اس کے بعد دولہا کو ململ کا ایک کرتہ پہنایا گیا جو بلوچی طرز پر بنایا گیا تھا اور

اس میں بیشمار شکن اور پیچ در پیچ تھے - اس کے بعد سرخ رنگ کی چادر پہنائی گئی جسے ہندی زبان میں چارسون کہتے ہیں - دوسری لعل چادر جسے ریٹھہ کہتے ہیں دولہا نے کندھوں پر رکھی اور نعلین (جوتا) سرخ جس پر چاندی کا کام کیا ہوا تھا پاؤں میں ڈالی - دستار، ریٹہ اور چارسون جوڑی (کھدر) کے کپڑے کے تھے اور کرتہ ململ کا تھا - ریٹہ اور چارسون کا رنگ قوہ یعنی منجیٹھ تھا - دستار اور کرتہ سفید تھے خواجگان اس قسم کا لباس شادی کے سوا کسی موقعہ پر نہیں پہنتے تھے - نیز ایک وساوہ (کپڑا) سرخ رنگ جس میں زربافی کا کام ہوا ہوا تھا - بغل میں لیا - اس کے بعد برات لڑکی والوں کے گھر کی طرف روانہ ہوئی - صاحبزادہ صاحب کے خسر خواجہ نور محمد کوریجہ تھے - جب حویلی کے دروازہ پر پہنچے تو محرم حضرات حویلی کے اندر چلے گئے اور غیر محرم باہر ٹھہرے رہے سو لوازمات عروسی انجام دینے کے بعد باہر آئے اور مسند پر تشریف فرما ہوئے -

لنگر کا عظیم الشان انتظام

ہر قسم کے مہمانوں کے لیے علیحدہ باورچی خانے مقرر تھے - ایک باورچی خانہ نواب صاحب بہاولپور کے لیے تھا - دوسرا نواب صاحب کے امراء اور وزراء کے لیے - تیسرا باقی سرکاری افسران کے لیے - چوتھا روساء اور تمنداروں کے لیے - پانچواں سادات کرام اور مخادیم کے لیے - چھٹا علماء، فضلاء اور طلباء کے لیے - ساتواں عام مریدوں اور زمینداروں کے لیے - آٹھواں عوام الناس اور رعایا کے لیے مخصوص تھا - اس کے علاوہ غیر مسلم ہندوؤں کے لیے اشیائے خام کا بندوبست تھا - لنگر خانوں کا انتظام آٹھ دن رہا اور کارکنان ان ایام میں اس قدر مصروف رہے کہ نہ دن کے وقت آرام تھا نہ رات کے وقت - کھانا ہر وقت پک رہا تھا اور ہر وقت تقسیم ہو رہا تھا - اور اس قدر لذیذ اور عمدہ کھانے تیار کیے جا رہے تھے کہ دیکھ کر عقل دنگ ہوتی تھی - تقسیم کا یہ انتظام تھا کہ ہر قسم کے مہمانوں کے لیے علیحدہ رجسٹر تیار تیار کیے گئے جن میں ان کے نام اور ولدیت، قومیت درج تھی - کھانا دینے سے

پہلے داروغہ کی طرف ایک پرچہ جاری کیا جاتا تھا اور اس پرچہ کے مطابق مختلف قسم کے کھانے باورچی خانوں سے ملتے تھے۔ اسی طرح باقی سامان مثل پلنگ، چارپائی، بستر، لوٹا گلاس، مصری شربت، بادام ہر شخص کو درجہ بدرجہ پرچہ کے مطابق ملتے تھے۔ گھوڑوں کا گھاس دانہ وغیرہ بھی فہرست کے مطابق جاری ہوتا تھا۔ عوام الناس جن کا نام رجسٹروں میں درج نہ تھا عام لنگر خانے سے کھانا حاصل کرتے تھے۔ کھانے کی مقدار اس طرح مقرر تھی کہ جس شخص کے گھر کے آدمی دس تھے اس کو بیس آدمیوں کا اور جس کے گھر تیس آدمی تھے اس کو ساٹھ آدمیوں کا کھانا ملتا تھا۔ مہمانوں کے علاوہ قوال، گوّیے اور تماشاگر بے شمار تھے جو ہندوستان۔ مارواڑ۔ پنجاب۔ سندھ وغیرہ سے آئے ہوئے تھے اور دن رات اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ آتشبازی کا بھی بڑے پیمانے پر انتظام تھا اور رات کے وقت رنگ برنگ کی آتشبازی سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی تھی۔ آتش بازی میں حضرت خواجہ علیہ رحمۃ بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ آتش بازی کا سامان چھ ماہ قبل لوگ ملتان سے لے کر آئے ہوئے تھے اور اس پر پانچ سو بیس روپے خرچ ہوئے تھے۔ (جو آج کل کے بیس ہزار سے بھی زیادہ ہوں گے)، اسی طرح شادی کے سازو سامان پر بائیس ہزار روپے خرچ ہوئے (جو آجکل کے حساب سے تین چار لاکھ روپے کے برابر ہوں گے)۔ یاد رہے کہ حضرت خواجہ علیہ رحمۃ نے یہ شادی چھوٹے پیمانے پر کی تھی۔ بڑے پیمانے پر ۱۳۰۳ھ میں ایک شادی ہوئی تھی جس پر تیس ہزار روپے خرچ ہوئے تھے۔

مقبوس ۳۷۔ بوقت عشاء دو شنبہ ۲ جمادی الاوّل سال مذکور

ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور مجھے کوئی وظیفہ عطا فرماویں۔ آپ نے فرمایا فجر کی نماز کے بعد ایک ہزار بار کلمہ طیّبہ پڑھا کرو۔ اس نے دوبارہ عرض کیا کہ یہ وظیفہ حضور نے پہلے بھی ارشاد فرمایا تھا۔ اور باقاعدگی کے ساتھ پڑھتا ہوں

آپ نے فرمایا اس کے علاوہ ایک ہزار بوقت دوپہر پڑھا کرو۔ اس وظیفے میں بڑا اثر ہے۔ ایک دفعہ شروع کر کے پھر ترک نہیں کرنا چاہیئے۔

مقبوس ۱۴۸ :- بوقت ظہر بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی چشتی صابری قدس سرہٗ

حضرت شیخ احمد عبدالحق

ردولوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ احمد عبدالحق رضی اللہ تعالےٰ عنہ بڑے صاحب کرامات و خرق عادات بزرگ تھے اور حضرت خواجہ جلال الدین پانی پتی رضی اللہ تعالےٰ عنہ[۱] کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ جلال الدین قدس سرہٗ نے اپنی زندگی میں شیخ عبدالحق قدس سرہٗ کو خلافت دے کر اپنا خلیفہ وجانشین مقرر فرمایا تھا۔ اپنے شیخ کے وصال کے بعد شیخ عبدالحق رح نے تمام مشائخ کی خدمت میں جا کر فیوض و برکات حاصل کیے۔ آپ کے وجود مسعود میں آتش عشق الٰہی اس قدر موجزن تھی کہ تسکین نہیں ہوتی تھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ زندہ اولیاء کرام کے فیضان سے آتشِ عشق کو سکون نہیں آتا تو آپ نے مزاراتِ مشائخ کا رُخ کیا اور کئی مقابر پر جا کر اعتکاف کیے اور چلے کاٹے۔ لیکن پھر بھی مطمئن نہ ہوئے۔ آخر قبر کھدوا کر اپنے آپ کو اس کے اندر دفن کرایا اور چھ ماہ اس کے اندر دفن رہے جب باہر آئے تو بے حد کمزور اور لاغر ہو چکے تھے۔ اس وقت آپ کا فتح باب ہوا (عالم غیب کا دروازہ کھلا) اور اولیاء کرام کے مزارات سے فیوض حاصل کرنے لگے

۱۔ حضرت شیخ جلال الدین حضرت شاہ شمس الدین ترک پانی پتی رح کے مرید و خلیفہ تھے۔ جو حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کے خلیفہ تھے اور آپ حضرت شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین مسعود گنجشکر قدس سرہٗ کے بھانجے، داماد اور خلیفہ تھے۔

اور بلند مقامات پر پہنچ کر سکون و قرار حاصل کیا - آپ کا استغراق اس قدر قوی تھا کہ فرزند کے فوت ہونے کی بھی آپ کو خبر نہیں ہوئی تھی - بلکہ کئی روز کے بعد جب علم ہوا تو دل پر ذرہ بھر ملال نہ تھا -

شیخ عبدالحق کی حضرت غوث الاعظمؒ کی طرح کی مشغولی

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشغولی کی کیفیت بھی اسی طرح تھی - فرق یہ تھا کہ حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ ہر وقت مستغرق رہتے تھے لیکن حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ مجالس وعظ و نصائح کے لیے وقت نکال لیتے تھے - اگر وعظ کے وقت آپ کا کوئی فرزند فوت ہو جاتا اور آپ کو اطلاع کی جاتی تو آپ فرماتے تھے کہ جنازہ تیار کر کے لے آؤ - جب جنازہ آتا تھا تو آپ کرسی سے اتر کر نماز جنازہ پڑھاتے تھے اور فارغ ہو کر اسی طرح وعظ میں مشغول ہو جاتے تھے - دل میں کوئی رنج و ملال نہ ہوتا تھا - بلکہ آپ نے اپنے لوگوں کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر میرا کوئی بیٹا فوت ہو جائے تو مجھے صرف نماز جنازہ کے وقت اطلاع دیا کرو - کہتے ہیں کہ آپ کے فرزند بہت تھے اور تمام آپ کی زندگی میں فوت ہوئے اور سات بیٹے آپ کے وصال کے بعد باقی رہ گئے تھے - جن کے فیض و برکت سے سارا جہان روشن ہوا -

شیخ عارف صابریؒ کی ولادت

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ کے مزاج میں جلال بہت تھا جس کی وجہ سے آپ کا کوئی بیٹا زندہ نہیں رہتا تھا اور ان کے سامنے فوت ہو جاتا تھا۔[1] اس لیے آپ کی اہلیہ ہمیشہ غمزدہ رہتی ہیں - اور ہمیشہ حضرت شیخ سے

---

۱ - آپ کے ہاں جو بچہ پیدا ہوتا تھا کلمہ حق حق اس کی زبان پر جاری ہوتا تھا - یہ دیکھ کر حضرت شیخ احمد عبدالحق فرماتے تھے کہ یہ بچہ زندہ رہنے کے قابل نہیں فوت ہو جائے گا - چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد وہ فوت ہو جاتا تھا - جب آپ نے اپنی اہلیہ سے ایک بچہ دینے

عرض کرتی رہتی تھیں - ایک دن آپ نے فرمایا تھا کہ میں تجھے ایک بیٹا دوں گا - اس کے بعد جب آپ کے گھر میں شیخ عارف قدس سرہٗ پیدا ہوئے تو فرمایا میں نے تمہیں یہ لڑکا دیا ہے - جب شیخ عارف جوان ہوئے تو ان کی شادی کا ارادہ کیا - والدہ کے عزیز واقارب میں سے ایک شخص تھے جو عالم و فاضل اور دولت مند اور سرکاری افسر تھے - ان کی ایک بیٹی تھی جو نہایت حسینہ وجمیلہ تھیں - آپ نے ان کو شادی کی دعوت دی - انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے کہا کہ یہاں شادی کرنا مناسب نہیں کیونکہ شیخ عبدالحق کے ایک ہاتھ میں بہشت اور دوسرے ہاتھ میں دوزخ ہے - یعنی جلال وجمال ہیں مجھے کیا ضرورت کہ اپنے آپ کو اس مصیبت میں ڈالوں - جب یہ بات آپ تک پہنچی تو آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوئے - لیکن اس شخص کے پیٹ سے خون جاری ہوگیا چنانچہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر بصد عجز و نیاز معافی کا طلبگار ہوا اور رشتہ دینے پر بھی رضامندی کا اظہار کیا - چنانچہ اسی وقت نکاح خوانی ہوگئی اور شادی کی تاریخ بھی مقرر ہوگئی - لیکن حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ اس بیماری سے مرجائے گا - جب اس نے بہت معافی مانگی تو آپ نے فرمایا اچھا شادی ہونے تک زندہ رہو گے - اس کے بعد مر جاؤ گے - یہ سن کر اس نے اپنی لڑکی کی سہیلیوں کو حضرت شیخ کی خدمت میں بھیج کر عرض کرایا کہ شادی کی تاریخ مزید چھ ماہ تک بڑھا دی جائے - آپ نے یہ بات منظور کرلی - لیکن چھ ماہ کے بعد جب شادی ہوگئی تو وہ شخص اسی خونی اسہال کی بیماری سے فوت ہوگیا -

---

بقیہ ص - کا وعدہ فرمایا اور شیخ عارفؒ پیدا ہوئے تو حق حق کہنے کی بجائے وہ عام بچوں کی طرح روتے ہوئے پیدا ہوئے - یہ دیکھ کر حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ بچہ زندہ رہنے کے قابل ہے - پس وہ زندہ رہے اور بڑے بزرگ ہوئے - حضرت شیخ احمد عبدالحق نیز دیگر سلاسل کے تمام مشائخ کے مفصل حالات مع ملفوظات وکرامات کتاب مرۃ الاسرار میں درج ہیں -

حضرت شیخ کا حجرہ جلالی و حجرہ جمالی

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالحق رضی اللہ تعالٰے عنہ کے لیے دو حجرے تھے - ایک حجرہ جلالی تھا دوسرا جمالی - جب آپ کو کسی شخص پر غصہ آتا تھا تو حجرۂ جلالی میں چلے جاتے تھے - اور مغضوب علیہ کو آتش قہر و جلال میں جلاتے تھے - جب کسی پر شفقت اور رحم فرماتے تھے تو حجرہ جمالی میں تشریف لے جاتے تھے اور اس کے قلب کو نور جمال سے منور فرما کر کمال تک پہنچاتے تھے اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ کے دو خلفاء تھے - ایک کا نام شیخ مخلص رحؒ اور دوسرے کا نام شیخ بختیار تھا -

حضرت شیخ کے مرید کا خود بخود مرنا اور حضرت شیخ کا اسے زندہ کرنا

شیخ مخلص کے دل میں عالم ارواح کے لیے نسبت جذب غالب تھی - اس وجہ سے وہ اپنے شیخ کی خدمت میں ہمیشہ یہی عرض کرتے تھے کہ میں مرنا چاہتا ہوں اور عالم ارواح کو جانا چاہتا ہوں - لیکن حضرت شیخ ان کو منع کرتے تھے کہ یہ کام مت کرو - ایک دن انہوں نے اپنے ایک عزیز سے کہا کہ آج میں نے مرنے کا ارادہ کر لیا ہے - لیکن حضرت شیخ کو اطلاع نہ کرنا - جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو پھر نماز جنازہ کے لیے اطلاع دینا - یہ کہہ کر لیٹ گئے - چادر اوڑھ لی اور مر گئے - لیکن اس بات کی خبر تجہیز و تکفین سے پہلے حضرت شیخ کو ہو گئی - آپ بہت غصہ ہوئے اور اُٹھ کر فوراً اس پلنگ کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے فرمایا مخلص مخلص مخلص چھیالیس دفعہ آواز دینے کے بعد شیخ مخلص زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھے - حضرت شیخ نے فرمایا اے مخلص میں نے تجھے مرنے سے منع نہیں کیا تھا ؟ تم میری اجازت کے بغیر کیوں عالم ارواح کی طرف چلے گئے ؟ انہوں نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ حضور یہ میرا قصور ہے - آپ معاف فرما دیں - آیندہ ہرگز یہ کام نہیں کروں گا بلکہ جب مرنے کا ارادہ کروں گا تو آپ سے پہلے اجازت لے کر مروں گا -

اس کے بعد حضرت خواجہ علیہ رحمۃ نے فرمایا کہ ایک دفعہ خود شیخ عبدالحق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہی کام کیا - اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ سفر پہ تشریف لے گئے اور آپ کو بہت نذر نذرانے پیش ہوئے - سیر کرتے ہوئے آپ ایک مقام پر پہنچے جہاں ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ تھا اور سبزہ زار درخت سایہ افگن تھے - آپ نے اپنے خادموں سے فرمایا کہ یہ جگہ مجھے بہت پسند آئی ہے - چنانچہ آپ نے رات کو وہاں قیام فرمایا - رات کو خیر و عافیت سے سوئے - صبح اٹھ کر لوگوں نے دیکھا تو حضرت شیخ اس دار فانی سے کوچ کر چکے تھے - یہ دیکھ کر خادموں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا اور شیخ کے پاس جا کر عرض کیا کہ کل آپ نے فرمایا تھا کہ یہ جگہ مجھے پسند آئی ہے - آپ نے اس سے اپنے وصال کی طرف اشارہ فرمایا تھا لیکن ہم بے عقلوں نے نہ سمجھا اب اگر ہم آپ کے بغیر وطن گئے تو لوگ کہیں گے کہ خادموں نے دولت کے طمع میں آکر شیخ کو قتل کر دیا ہے - جب انہوں نے اس قسم کی گریہ وزاری کی تو حضرت شیخ زندہ ہو کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ اگر تم میرے مرنے پر رضامند نہیں تو میں نہیں مرتا - چنانچہ اس واقعہ کے بعد کافی مدت تک آپ زندہ رہے - آپ کی عمر سو سال سے زائد تھی -

مقبوس ۱۰۵ - بوقت ظہر بروز سہ شنبہ ۸ ربیع الاول سال مذکور

حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی

دولت پابوسی نصیب ہوئی - حضرت اقدس کتاب انوار الرحمٰن مصنفہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی میں سے باب سماع کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے - اور کبھی کبھی اپنے فرزند ارجمند مرید و خلیفہ حضرت خواجہ محمد بخش رح کی طرف متوجہ ہو کر کتاب کی عبارت پڑھ کر ان کو سناتے تھے - وہ عبارت یہ تھی :-

حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنویؒ کا ذوقِ سماع

جمعہ کے دن مراقبہ ظہر ملتوی کیا جاتا تھا اور منگل

کے دن بھی دوسرے ایام کی نسبت مجلس مراقبہ میں تخفیف ہوتی تھی - نماز جمعہ کے بعد شیخ سماع کی طرف متوجہ ہوتے تھے - اور مسجد کے محراب میں بیٹھ کر قوالوں کا انتظار کرتے تھے - اگر قوالوں کو دیر ہوتی تو آپ شیخ غضنفر علی یا ننھے خان وغیرہ مریدین یا کسی دوسرے خوش الحان مرید کو حکم دیتے تھے کہ مزامیر کے بغیر گاکر کچھ سنائیں - اس سے آپ کو قدرے ذوق ہوجاتا تھا - لیکن اہل مجلس کی حالت دگرگوں ہوجاتی تھی اور نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگ جاتے تھے - جب قوال آجاتے تھے تو مزامیر (باجے) کے ساتھ قوالی شروع ہوجاتی تھی - یہ دیکھ کر علمائے قشیریین (وہ علماء جو حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری کے مسلک پر تھے اور سماع بامزامیر کے خلاف تھے) نے اعتراض کیا کہ سماع بالمزامیر حرام ہے اور مولانا صاحب اپنے زہد و تقوےٰ کے باوجود مسجد میں بیٹھ کر سماع سنتے ہیں - چنانچہ انہوں نے نواب معتمدولہ کے پاس جاکر شکایت کی لیکن ناکام رہے - آخر انہوں نے یہ تجویز سوچی کہ قوالوں کو مارپیٹ کر بھگا دیا جائے - جب اس بات کی اطلاع شیخ کو ہوئی تو فرمایا کہ اگرچہ مطلق غنا (گانا) اور مطلق مزامیر (بجانا) کے جواز کے متعلق علمائے محققین کے نزدیک کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور میرے نزدیک اگر اس کے حرام ہونے کا ذرا بھر بھی ثبوت ہوتا تو کبھی اس کے پاس نہ جاتا - ہم سماع کو فعل پیغمبر ؐ اور فعل خلفائے راشدین اور سنت پیرانِ طریقت سمجھ کر قاعدہ باطن کے مطابق نوافل سے زیادہ مفید مانتے ہیں اور سماع سنتے ہیں - جب حقیقت یہ ہے تو مسجد میں بھی سماع سننے میں کوئی ممانعت نہیں ہونی چاہیئے - لیکن چونکہ لوگ کم عقلی کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا ہیں - میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کی دل آزاری کروں یا میری وجہ سے قوالوں کو کوئی نقصان پہنچے - لہٰذا میں آج سماع ترک کرتا ہوں - چنانچہ آپ قوالوں کو رخصت کرکے مغموم بیٹھے تھے کہ مولوی یعقوب صاحب ردولوی چشتی صابری جو حضرت مولانا سے کمال عقیدت رکھتے تھے، آگئے اور دریافت کیا کہ آپ نے سماع ترک کردیا ہے؟ - آپ نے فرمایا کہ آج کا جمعہ خالی گیا ہے - کیا کروں سوائے مسجد کے ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور مسجد میں سماع سننے پر یہ

لوگ اعتراض کرتے ہیں اور قوالوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں - اور مجھے سماع سے زیادہ کوئی مشغولی زیادہ مفید نظر نہیں آتی - " قہر درویش برجانِ خویش " چونکہ لوگوں کی دل آزاری اور قوالوں کی ایذا رسانی مجھے پسند نہیں اس لیے سماع نہیں سنا - مولوی صاحب موصوف نے عرض کیا کہ آپ کی اس نیت کا کسی کو علم نہ ہو سکے گا اور منکرین یہی کہیں گے کہ آخر کار سماع کا حرام ہونا مولانا پر ثابت ہو گیا اور انہوں نے ترک کر دیا ہے - اس سے دو نقصان ہوں گے - اول یہ کہ لوگ یہ خیال کریں گے کہ خواجگان چشت علیہم رحمۃ نفسانی خواہشات کی بنا پر غیر شرع فعل کے مرتکب تھے اور مولانا نے اپنے مشائخ کا طریقہ ترک کر دیا ہے - دوم یہ کہ ترک سماع سے حضرت کے دل کو صدمہ ہو گا اور جب کامل کا دل رنجیدہ ہوتا ہے تو غیرتِ الٰہی جوش میں آتی ہے جس سے خاص و عام کو نقصان پہنچتا ہے - اگر مناسب سمجھیں تو مسجد سے باہر سماع کا انتظام کیا جائے - تھوڑی دیر سوچنے کے بعد مولانا اس بات پر راضی ہو گئے - قاسم علی و کاظم علی قوال جو فعلو قوال کے بھتیجے تھے مع ساز حاضر تھے - باہر چبوترہ کے فرش پر بیٹھ کر انہوں نے قوالی شروع کر دی - اور حضرت مولانا بھی مسجد کے صحن ہی بیٹھ گئے اور خواجہ حافظ کی یہ غزل سننے لگے ؎

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بُوَد — سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بُود
تا زِ میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود — سرِ ما خاکِ رہِ پیرِ مغاں خواہد بود

(۱- جس زمین پر اے دوست تیرے پاؤں کا نشان لگ گیا - صدیوں تک اس پر عارفین عالی مقام سجدہ کرتے رہیں گے -

۲ - جب تک اس جہان میں شراب اور شراب خانہ (شراب وحدت) کا نام و نشان رہے گا ہمارا سر دوست کے قدموں کی خاک بنا رہے گا -)

اس سے اہلِ مجلس پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ بیان سے باہر ہے - پس اس روز سے یہ معمول ہو گیا کہ آں حضرت مسجد کے صحن میں دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور قوال مسجد سے باہر وضو کے چبوترہ پر بیٹھ کر قوالی کرتے تھے " ختم ہوئی کتاب انوار الرحمٰن کی عبارت -

بہادر شاہ ظفرؒ چشتی کا مقولہ

اس کے بعد حضرت اقدس نے کتاب بند کر کے رکھ دی اور باداموں کی ٹوکری سے جو سامنے پڑی تھی، دو بادام اپنے لیے اٹھائے اور دو بادام اپنے فرزند ارجمند خواجہ محمدؒ بخش صاحب کو دیئے اور خادم کو اشارہ فرمایا کہ باقی بادام اہلِ مجلس میں تقسیم کر دے۔ اس کے بعد فرمایا کہ بادشاہ ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ دہلوی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تین چیزیں خراب نہیں ہوتیں اور ہمیشہ پُر لطف رہتی ہیں۔ اول بادام، دوم اشعار، کیونکہ یہ بھی مجھے ہمیشہ تروتازہ نظر آتے ہیں۔ سوم میرے پیر بھائی یعنی شیخ المشارق والمغارب حضرت مولانا فخر الملت والدین محمدؒ دہلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مرید کیونکہ وہ بھی ہمیشہ تروتازہ اور خوش آیند ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بیشک ظفر بادشاہ نے بہت سچی بات کہی کہ اس سلسلہ عالیہ کے مرید ہمیشہ حق تعالےٰ کی راہ میں واثق اور راسخ ہیں۔

حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنویؒ کے مزید حالات

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ بڑے بزرگ تھے۔ آپ کا شمار اکابر اولیائے نامدار میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے وقت میں مقتدائے خلق اور جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ ہندوستان کے اکثر علماء آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ کا اصلی وطن شکارپور (سندھ) ہے۔ آپ کے آبا و اجداد حضرت موسن شاہ صاحب لوح والہ قدس سرہٗ کے مرید تھے یہ مقام لوح صاحبان اور رگھوٹکی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ نے صغیر سنی میں موسن شاہ صاحب کے پوتے حضرت ابو محمدؒ صالح شاہ سے بیعت کر لی تھی۔ طلب علم کی خاطر بہاولپور کے علاقے میں مہار شریف جا کر مولوی اسد اللہ صاحب مصنف کتاب اسدیہ جو بڑے عالم تھے اور حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ کے پیر بھائی تھے کے ہاں ظاہری علوم کی تعلیم شروع کی۔ اس وقت آپ کے دل میں بیعت اور علوم باطنی کے حصول کا خیال نہیں آیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد ہندوستان چلے گئے اور حضرت مولانا فخر جہان دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولٰنا فخر

قدس سرہ، کے ہاں علوم باطنی اور حقائق ومعارف کی تعلیم زیادہ اور علوم ظاہری کی تعلیم کم تھی - لیکن پھر بھی ان کی طبیعت باطن کی طرف مائل نہ ہوئی اور وہ علوم ظاہری کے حصول کے لیے کوشاں تھے - اس وجہ سے وہ حضرت مولینا علیہ رحمۃ کی خدمت میں رہ کر چلے گئے اور رامپور پہنچ کر کچھ عرصہ وہاں علم حاصل کیا - وہاں سے وہ بنگال چلے گئے اور قصبۂ بہار میں جاکر حضرت مولینا عبدالعلی بحرالعلوم جو عالم بے بدل اور اپنے وقت کے شیخ تھے کے ہاں تمام عقلی اور نقلی علوم (علوم عقلی سے مراد فنون ہیں مثل منطق، فلسفہ، معقول، ریاضی، نجوم اور نقلی سے مراد تفسیر، حدیث، فقہ علوم دین ہیں) کی تحصیل تمام کر کے سند ودستار حاصل کی - وہاں سے رخصت ہو کر آپ حیدرآباد دکن پہنچے اور چار سال تک درس وتدریس میں مصروف رہے اور تمام کتب درسیہ متداولہ کو کئی بار پڑھایا -

مجذوب سے ملاقات

ایک دن ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی - مجذوب نے کہا اے عبدالرحمٰن ہماری طرف کب آؤ گے - مجذوب کی یہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی اور اس سے سلوک الی اللہ کا شوق پیدا ہوا - اس کے بعد چند یوم اس مجذوب کی تلاش میں رہے لیکن معلوم ہوا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں - اس کے بعد حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو کر ہندوستان واپس آ گئے اور اولیائے کرام اہل مزارات واہل حیات کی تلاش میں پھرتے رہے اور ہر ولی اللہ سے فیضان حاصل کرتے رہے اور خلافت واجازت سے مشرف ہوتے رہے - اسی طرح آپ کو سلسلہ قادریہ میں سید شاہ غلام علی قدس سرہٗ سے خلافت واجازت ملی - سید غلام علیؒ کو شاہ غلام دوستؒ سے، ان کو شاہ عبدالرزاق ہانسوی قدس سرہٗ اور ان کو چند واسطوں سے حضرت حبیب عجمی قدس سرہٗ سے اور ان کو حضرت خواجہ خواجگان خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل ہوئی -

آپ کی نسبت قادریہ قدوسیہ

اسی طرح نسبت قادریہ ایک اور وسیلہ سے شاہ عبدالرحمٰن کو شیخ عبدالقدوس

گنگوہی قدس سرہٗ سے ملی جو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جا ملتی ہے۔

نسبت قادریہ فخریہ

حضرت شاہ عبد الرحمٰن کو نسبت قادریہ فخریہ حضرت شاہ محمدؐ عظیم قدس سرہٗ سے، اور ان کو حضرت مولینا فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ سے اور آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہٗ سے اور ان کو چند واسطوں سے حضرت شیخ محمدؐ غیاث نور بخش قدس سرہٗ سے پہنچی ہے۔

نسبت چشتیہ نظامیہ فخریہ

سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ میں حضرت شاہ عبد الرحمٰنؒ کو حضرت شاہ محمدؐ عظیم دہلویؒ سے آپ کو حضرت مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ سے آپ کو حضرت شاہ نظام الدین اورنگ ابادی قدس سرہٗ سے، اسی طرح یہ سلسلہ حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ تک جا پہنچتا ہے۔

نسبت چشتیہ نظامیہ مینائیہ

اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبد الرحمٰن کو اجازت وخلافت حضرت خواجہ پیر بخش قدس سرہٗ سے، آپ کو حضرت شاہ قدرت اللہ قدس سرہٗ سے آپ کو شاہ عبد اللہؒ سے آپ کو حضرت شاہ بدھن یا بھولن قدس سرہٗ سے، آپ کو چند واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اوچی قدس سرہٗ سے۔ آپ کو حضرت خواجہ مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے تا آخر سلسلہ۔

سلسلۂ چشتیہ قدوسیہ

اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبد الرحمٰن کو اجازت وخلافت حضرت سید امیر اللہ تھانیسری قدس سرہٗ سے۔ آپ کو حضرت شاہ فاضل قدس سرہٗ سے۔ آپ کو حضرت شاہ میراں بھیک قدس سرہٗ سے اور آپ کو حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی سے تا آخر سلسلہ۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ

سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں حضرت شاہ عبد الرحمٰن کو خلافت واجازت حضرت مولانا نور الہدیٰ قدس سرہٗ سے۔ آپ کو حضرت مولوی محمدؐ سلیم سے۔ آپ کو چند واسطوں سے حضرت شیخ علاء الدین علی احمد صابر قدس سرہٗ سے تا آخر سلسلہ۔

سلسلہ قلندریہ مجی شاہیہ اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن قدس سرہٗ کو اجازت و خلافت حضرت شاہ فرزند علی قدس سرہٗ سے ۔ آپ کو حضرت حاجی الحرمین قاضی محمد تقی مہونوی سے ۔ آپ کو حضرت قاضی مینا قلندر قدس سرہٗ، آپ کو چند واسطوں سے حضرت سید خضر رومی قدس سرہٗ سے

سلسلہ قلندریہ اویسیہ حضرت شاہ عبدالرحمانؒ کو چند واسطوں سے حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر قدس سرہٗ سے ۔ آپ کو حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ سے ۔

سلسلہ اویسیہ اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن کو اجازت وخلافت حضرت حاجی یحیی قدس سرہٗ سے آپ کو حضرت محکم الدین سیرانی قدس سرہٗ سے ۔

سلسلہ شطاریہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن قدس سرہٗ کو حضرت شیخ باب اللہ میدنی پوری قدس سرہٗ سے ۔ آپ کو حضرت شیخ باکو قدس سرہٗ سے ۔ آپ کو چند واسطوں سے حضرت شیخ محمدؒ غوث گوالیاری قدس سرہٗ سے ۔

سلسلہ نقشبندیہ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن کو اجازت وخلافت حضرت شاہ غلام غوث امروہیؒ سے ۔ آپ کو حضرت شاہ ابوالقاسم قدس سرہٗ سے ۔ آپ کو چند واسطوں سے حضرت سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ، اور آپ کو امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۔[1]

اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الموحدین خواجہ محمد بخش قدس سرہٗ نے دریافت کیا کہ سلسلہ مجی شاہیہ قادریہ ہوگا ۔ فرمایا سلسلہ مجی شاہیہ دراصل چشتیہ ہے قادریہ نہیں اس سلسلہ کو قلندریہ خضریہ بھی کہتے ہیں ۔ یہ سلسلہ قلندریہ تمام سلاسل قلندریہ سے سابق اور

---

۱ ۔ یہ تمام سلاسل حضرت خواجہ صاحبؒ نے فی البدیہہ بیان فرمائے نہ کوئی کتاب دیکھی نہ کسی سے پوچھا ۔ اس سے آپ کی قوت حافظہ کا پتہ چلتا ہے ۔

اول ہے۔ اس وجہ سے کہ حضرت شرف الدین بوعلی قلندر اور حضرت لعل شہباز قلندر اور دوسرے قلندریہ سلسلے بعد میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور مجی شاہیہ حضرت خضر رومی قدس سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ اور حضرت خضر رومی قدس سرہٗ کی نسبت اور بیعت کا حال تحقیق سے کسی کو معلوم نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک واسطے سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔

حضرت شاہ مدار بدیع الدینؒ و حضرت خضر رومیؒ

اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح شاہ مدار بدیع الدین قدس سرہٗ کی نسبت و بیعت بھی کسی کو تحقیق سے معلوم نہیں۔ نیز حضرت خضر رومیؒ اور شاہ مدار کی عمر بھی کسی کو معلوم نہیں۔ حضرت خضر رومیؒ بلادِ روم سے تشریف لائے تھے اور حضرت شاہ مدارؒ بھی اسی ولایت سے آئے تھے اور دونوں بزرگوں کی طرف سے ہندوستان میں سلسلے جاری ہوئے۔

اس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور یہ جو مکھن پور میں ایک روضہ قبلہ شاہ مدار کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت شاہ مدار قدس سرہٗ کا مدفن ان کے اپنے وطن میں ہے اور یہاں مکھن پور میں صرف روضہ ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ محمد بخشؒ نے دریافت کیا کہ قبلہ لفظ مجی شاہی کسی لفظ کی تحریف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لفظ مجتبٰی سے، جو شاہ تراب علیؒ کے پردادا ہیں۔ اور اس قسم کے انحراف اور تغیر بہت واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے مشائخ میں حضرت خواجہ جمن شاہ قدس سرہٗ کا نام جمال الدین ہے۔ جمال الدین سے جمن شاہ ہو گیا ہے۔ اس پر احقر نے عرض کیا کہ قبلہ یہ تحریف کیسے ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ والدین اور دیگر رشتہ دار پیار اور محبت کی وجہ سے جمال الدین کی بجائے جمن کہتے تھے۔ رفتہ رفتہ اسی طرح مشہور ہو گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے دیوان میں بھی جمن تخلص فرمایا ہے اور سلسلہ مشائخ میں بھی اسی طرح درج ہے۔

توشہ شاہ احمد عبدالحق رحؒ

اس کے بعد اس کمترین بندہ نے عرض کیا کہ حضور ہمارے اس ملک میں حضرت شاہ احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ کا توشہ (نیاز) اس طریقے پہ دیا جاتا ہے کہ گھی، گندم کا آٹا اور شکر سفید برابر وزن لے کر حلوہ بناتے ہیں اور اقتباس الانوار میں یوں لکھا ہے کہ یہ توشہ اس طرح بنایا جاتا ہے کہ گندم کا آٹا سوا سیر، شکر سفید سوا پاؤ، اور اسی قدر روغن زرد (گھی) مہیا کرے۔ اس کے بعد وضو کر کے پاک جگہ پہ روٹی پکائے اور گھی اور شکر ملا کر مالیدہ بنائے اور فاتحہ بروح پاک حضرت شیخ احمد عبدالحق رحؒ دے۔ اس کے بعد آپ کی اولاد کو سب سے پہلے کھلائے۔ اگر اولاد موجود نہ ہو تو مریدین سلسلہ کو جو صوم وصلواۃ کے پابند ہوں، کھلائے۔ اس کے بعد دوسرے نماز گذار آدمی کھا سکتے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ اپنی زندگی میں اپنے مریدین کے علاوہ کسی کو کھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لیکن آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند ارجمند قطب وقت شیخ عارف قدس سرہٗ نے عام اجازت دے دی تھی اور فرمایا تھا کہ اگر توشہ یہاں نہ لایا جا سکے تو ہمارے سلسلہ کے مریدین کو دے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو مساکین اور درویشوں کو دے دے تاکہ ان کی حاجت براری ہو۔ حضرت خواجہ علیہ رحمۃ نے فرمایا کہ توشہ کی اصل جو حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ کا فرمان ہے اور جو آپ کے زمانے میں ہوتا تھا یہی ہے جو اقتباس الانوار میں درج ہے یعنی پانچ پاؤ ارد گندم، پانچ چھٹانک شکر سفید اور پانچ چھٹانک روغن زرد رزق حلال سے فراہم کر کے پہلے وضو کرے اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائے۔ اور گھی میں مالیدہ بنا کر اس میں شکر ڈال دے۔ اور مریدین سلسلہ عالیہ چشتیہ کو جو پابند صوم وصلواۃ ہوں کھلائے اور مریدین سلسلہ عالیہ موجود نہ ہوں تو ان نمازیوں کو کھلائے جو کھانا چاہیں۔ لیکن بے نمازی اور حقہ پینے والوں کو نہ کھلائے کیونکہ اگر توشہ حصول مراد کے لیے تیار کیا ہے تو بے نمازیوں اور حقہ پینے والوں کو کھلانے سے مراد حاصل نہ ہوگی۔ جب تک کہ اس قسم کا دوسرا توشہ نہ دے۔ اگر مراد حاصل ہونے کے بعد توشہ تیار کیا ہے اور بے نمازیوں اور حقہ پینے والوں کو کھلایا ہے تو توشہ دینے والے کو کئی قسم کے نقصانات پہنچیں گے۔ اور توشہ بھی مزید دینا پڑے گا کیونکہ پہلا توشہ مقبول نہیں

اس کے بعد فرمایا کہ جب حصول مراد کے لیے توشہ دینا چاہے تو توشہ حصولِ مقصد سے پہلے ادا کرے تاکہ حضرت شیخ کی توجہ شامل حال ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ جو ہمارے علاقے میں توشہ حلوہ کی صورت میں تیار کرتے ہیں یہ بھی مشائخ کرام متاخرین نے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن بہتر وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کیونکہ وہ حکم خاص ہے اور یہ عام ہے۔ پس اگر کوئی سخت ضرورت پیش آئے یا مہم عظیم درپیش ہو تو پہلے توشہ نذر کرنے کی نیت کرے اور حصولِ مقصد سے پہلے توشہ ادا کردے۔ اگر مقصد اہم نہ ہو تو دوسری قسم کا توشہ تیار کرکے دے دے۔ اور پہلی قسم میں اسی قدر تیار کرے کہ جس قدر مقرر ہے اس میں کمی یا بیشی جائز نہیں۔ اور دوسری قسم میں وزن کی شرط نہیں ہے۔ جس قدر ہو سکے جائز ہے کیونکہ اس دوسری قسم میں رقم نذر کرنے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ پس اگر پانچ روپے کی نذر مانی ہے تو آٹا۔ گھی اور شکر اس رقم کے مطابق خریدے۔ چنانچہ ایک دفعہ نواب صاحب بہاولپور یعنی نواب صادق محمد خان کے جدِ امجد نے چند سو روپے کی نذر مان کر رقم ہمارے قبلہ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دی۔ تاکہ ان کی طرف سے توشہ تیار کرکے دیا جائے۔ حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ نے اس رقم سے کئی گنا زیادہ توشہ حلوہ کی صورت میں تیار کرایا اور فقراء کو کھلا دیا۔ لیکن اس دوسری قسم میں یعنی حلوے کی صورت میں بھی باقی شرائط کی پابندی ضروری ہے۔

مقبوس ۴ - بوقت چاشت بروز شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

محفلِ سماع

یہ جناب رسالت مآب سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے عرس کا دن تھا۔ مجلسِ سماع منعقد ہوئی اور قوالوں نے دف، طنبور اور چنگ (سارنگی) کے ساتھ نغمہ سرائی کی اور غزلیں گاتے رہے۔ بڑی پرذوق وشوق محفل تھی اور لوگوں کا ہجوم تھا حضرت خواجہ علیہ رحمتہ کے ساتھ ولیِ مادر زاد حضرت خواجہ محمد بخش صاحب بھی شریکِ محفل

تھے ۔ قوالوں نے ان اشعار سے قوالی شروع کی ؎

کُلّ مَا فِی الْکَوْنِ وَہم اَوْ خیال	اَوْ عُکُوس فِی المَرَایَا اَوْ ظِلَال
لاح فی ظل السوا شمسُ الھدی	لاتکن حیران فی تقلیب الظلال
کیست آدم عکس نور لم یزل	چیست عالم موج بحر لایزال
عکس را کے باشد از نور انقطاع	موج را چوں باشد از بحر انفصال
عین نور و بحر داں ایں عکس و موج	چوں دوئی اینجا محال آمد محال
کلّمینی یا حمیرا کردہ وِرد	بالب میگون آں شیریں مقال
وز ملال زلف پر آشوب او	گفت با خالش ارحنی یا بلالؓ
گفتگو تا چند جامی لب بہ بند	حال باید چہ سود از قیل و قال

ترجمہ ۱۔ جو کچھ کونین میں ہے سب وہم وگمان ہے ۔ یعنی وجود اعتباری ، اضافی اور خیالی ہے حقیقی نہیں یا آئینہ میں عکس کی مانند ہے یا نظری دھوکہ ہے ۔

۲۔ سایہ کیا ہے سورج کا عکس ہے ۔ سایہ دیکھ کر حیران نہیں ہونا چاہیئے ۔

۳۔ آدم کیا ہے نور ازلی کا عکس ہے ۔ عالم کیا ہے بحر بیکراں کی ایک موج ہے ۔

۴۔ عکس نور سے کب جدا ہو سکتا ہے اور موج کب سمندر سے علیحدہ ہو سکتی ہے ۔

۵۔ اس عکس (آدم) اور موج (جہان) کو سمندر کا عین سمجھ کیونکہ یہاں دوئی و کثرت محال ہے ۔

۶/۷ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بحرِ ذات لاتعین میں مستغرق ہو جاتے تھے تو باہر

۱۔ کلام کی بلندی ملاحظہ ہو ۔ ہمارے ہم مشرب دلدادگان سماع ذرا غور فرمادیں کہ اس وقت کے قوالوں اور سماع سننے والوں کا معیار کس قدر بلند تھا اور کس قدر اعلیٰ وارفع مضامین کو سماع میں پیش کیا جاتا ہے ۔ آج کل یہ حالت ہوگئی ہے کہ لچر فلمی قسم کے گانوں پر صوفیان باصفا کو حال آجاتا ہے اور ادنیٰ قسم کے قوالوں کی حوصلہ افزائی کر کے مشرب و معیار اہل اللہ کو خراب سے خراب تر کر رہے ہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ تربیت کی اشد ضرورت ہے ۔

آنے کی خاطر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرماتے تھے کہ میرے ساتھ بات چیت کرو تاکہ حالت فنائی اللہ سے نکل کر دوئی میں آسکیں۔ لیکن جب ذات میں فنا ہونے کا شوق ہوتا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرماتے تھے کہ اذان دے کر مجھے تسکین دو۔ یہ حدیث پاک ہے اور شعر ہذا میں صنعت تلمیح کے طور اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ لا الہ الا اللہ سنتے ہی لاموجود فی الکون الا ھو کی حالت آپ پر طاری ہو جاتی تھی۔

۸۔ اے جامی اب خاموش ہو جا اور رازِ الٰہی افشا نہ کر۔ قال چھوڑ دے اور حال میں کوشش کر۔

اس غزل پر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ پر گریہ اور ذوق و شوق طاری ہوا۔ اس کے بعد قوالوں نے مندرجہ ذیل غزل شروع کی

آں گاں حسن بود نبود از جہاں نشان	الآن اَنْ عَرَفْتُ عَلٰی مَا عَلَیہ کان
اعداد کون و کثرت صورت نمائیشت	فالکل واحد یتجلی بکل شان
نوریست محض کردہ باوصاف خود ظہور	نام تنوعات ظہورش بود جہان
جامی کشیدہ دار زباں را کہ سرِ عشق	رمزیست کس نگو وحدیثیست کس مدان

ترجمہ۔ ۱۔ جب اس جہان کا نام و نشان بھی نہ تھا اس وقت حسن ازلی جلوہ گر تھا۔ اب اس حسن کا ظہور ہے اور ہمیشہ پہچانا جا چکا ہے۔ اس شعر میں صنعت تلمیح ہے اور حدیث کان اللہ و لم یکن معہٗ شئً والآن کما کان کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ یہ تمام تعینات یعنی کثرتِ اشیاء نمائشی صورتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی ایک

۱۔ بلندیٔ مضمون کے لحاظ سے یہ غزل بھی بہت اعلیٰ ہے اور اس وقت کے حضرات کے ذوقِ سماع کی صحیح عکاسی کر رہی ہے۔ کاش کہ آج کل کے مشائخ حضرات قوالوں اور سماع سننے والوں کا معیار و ذوق کا سماع بلند کرنے کی سعی کریں۔

ہر شان میں جلوہ نما ہے۔

۳- یہ جہاں اس نورِ محض کی صفات کا ظہور ہے اور تعینات کے اظہار کا نام جہان ہے

۴- اے جامی خاموش رہ اور رازِ حقیقت بیان نہ کر- کیونکہ یہ راز نہ کوئی سمجھ سکتا ہے نہ بیان کر سکتا ہے۔

ان اشعار پر حضرت اقدسؒ پر وجد کی سی حالت طاری ہوئی اور وفورِ شوق سے سر دائیں بائیں طرف ہلا رہے تھے۔

اس کے بعد یہ کافی گائی گئی ؎

ہیں نوشاہنشاہ دے چاک مجھیندا	میں تاں تیڈی دے توڑ [illegible] تی وے میاں
میں تاں تیڈی بردی رہساں جے تین سینے ساہ	ہیں نوشاہنشاہ دے تو چاک مجھیندا

(ہیر اپنی بھینسوں کے نوکر رانجھا کو مخاطب کر کے کہہ رہی ہے کہ بظاہر تو تم چاک یعنی نوکر ہو لیکن بباطن تم شہنشاہ ہو- میں تیری ہو چکی ہوں- ہمیشہ کے لیے پہچان و میرے دوست- جب تک تن میں سانس ہے میں تیری باندی (غلام) ہوں اے میرے غلام نما آقا)- اس کافی پر بھی حضرت اقدس پر کیفیت طاری ہوئی لیکن باقی صوفیا پر اس قدر غلبہ حال ہوا کہ ان کی ھو ھا کی آوازیں دور تک سنائی دیتی تھیں- اس سے تمام اہلِ مجلس پر ذوق و شوق طاری ہوا-

اس کے بعد قوالوں نے یہ نعت پڑھی ؎

اے مہِ خوش لقا سلام علیک	آفتاب ہدیٰ سلام علیک
ہر دم از حق ترا رسد پیغام	اے نبیِّ خدا سلام علیک
مے خرامی و مہر و ماہ گویند	سرورِ انبیاء سلام علیک
دو جہاں از طفیل تو پیدا	اے شہ دوسرا سلام علیک
دیدۂ اوحدی بخاکِ درت	گوید اے توتیا سلام علیک[1]

۱- اوحدی ہر خواجہ غلام فخر الدین قدس سرہٗ کا تخلص ہے جو حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ کے

ترجمہ ۱۔ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے حضرت اوحدی مناجات کرتے ہیں کہ اے حسن وخوبی کے درخشندہ ماہتاب تجھ پہ لاکھوں سلام اور ہدایت کے آفتاب تجھ پہ لاکھوں سلام۔

۲۔ حق تعالےٰ سے ہر لحظہ تجھ پہ یہ پیغام نازل ہوتا ہے کہ اے خدا تعالےٰ کے نبی تجھ پر لاکھوں سلام۔

۳۔ ماے سرو خراماں جب تو خراماں خراماں چلتا ہے تو سورج چاند ستارے کہتے ہیں۔ اے سرور انبیاء تجھ پہ لاکھوں سلام۔

۴۔ دونوں جہاں تیرے طفیل وجود میں آئے۔ اے دونوں جہانوں کے بادشاہ تجھ پر لاکھوں سلام۔

۵۔ تیرے در کی خاک کو مخاطب کر کے مجھ اوحدی کی آنکھیں یہ کہتی ہیں کہ اے میرے سرمہ نور افزا تجھ پہ لاکھوں سلام۔

اس مولود پر حضرت خواجہ محمد بخش صاحب پر کیفیت طاری ہوئی اور گریہ کرتے رہے۔ اس کے بعد ختم شریف پڑھا گیا۔ حضرت اقدسؒ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور مجلس ختم ہو گئی۔ تصحیح کے وقت جب یہ اوراق حضرت اقدسؒ کے پیش کیے تو احقر نے "سلامٌ علیک" یعنی میم پر تنوین ڈالی تھی۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا۔ تنوین سے وزن بڑھ جاتا ہے میم پر خالی ضمہ (پیش) کافی ہے یعنی "سلامُ علیک" پڑھنا چاہیئے۔

مقبوس ۱۴۳ بوقت چاشت روز دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

محفل سماع آج حضرت خواجہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی

بقیہ صہ۔ بڑے بھائی اور پیر تھے۔ دیوان اوحدی اسرار و رموز توحید میں بلند پایہ کلام کا مجموعہ ہے جس کی طباعت از سر نو کی سخت ضرورت ہے۔ امید ہے احقر مترجم یہ کام بھی کرے گا۔

کاکی قدس سرہٗ کے عرس کا دن تھا۔ لوگ کثرت سے جمع تھے اور قوال اپنے سازوسامان سمیت قوالی میں سرگرم تھے۔ اس اثنا میں حضرت اقدس اور صاحبزادہ محمدؐ بخش صاحب تشریف لائے۔ قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

شرف را بہ تیغ غم کُشی و خون او ریزی | بہر قطرہ کہ از خونش چکد حرفِ وفا خیزد

اس غزل کا ایک شعر یہ ہے ؎

مپنداری کہ عشقِ تو رُود از دلِ عاشق | چوں میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

ترجمہ ۱۔ خواجہ بوعلی قلندر جن کا پورا نام شرف الدین بوعلی قلندر ہے اور جو حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے ایک خلیفہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اے دوست اگرچہ تو مجھے غم کی تلوار سے قتل کرتا ہے اور میرے خون سے زمین کو رنگین کرتا ہے لیکن میرا یہ حال ہے کہ غایت تسلیم و رضا میں ہر قطرۂ خون جو زمین پہ گرتا ہے اس سے لفظ "وفا" لکھا جاتا ہے۔

۲۔ اے محبوب یہ خیال مت کر کہ تیرے عشق سے کسی وقت عاشق کا دل خالی ہوتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عاشق جب مرتا ہے تو عشق میں مبتلا مرتا ہے اور جب قیامت میں زندہ ہوگا تو عشق میں مبتلا ہوکر زندہ ہوگا۔

اس غزل پر بھی حضرت اقدس گریہ فرما رہے تھے لیکن صوفیا حضرات حالتِ وجد میں اگر جوش و خروش کے ساتھ رقص کر رہے تھے۔

اس کے بعد یہ نعت پڑھی گئی ؎

لی حبیبٌ عربیٌ مدنیٌ قرشی | کہ بُود درد و غمش مایۂ شادی و خوشی

فہم رازش چہ کنم او عربی من عجمی | لاف عشقش چہ زنم او قرشی من حبشی

گرچہ صد مرحلہ دور است ز پیش نظرم | وجہہٗ فی نظری کل غداۃ و عشی

جامیؔ ارباب وفا جز رہِ عشق نروند | شرم بادت کہ ازیں راہ قدم باز کشی

ترجمہ ۱۔ میرا محبوب عربی ہے، مدنی ہے، قریشی ہے اور اس کا غم میرے لیے باعث شادی و خوشی ہے۔

۲ - میں اس کی حقیقت کا راز کیسے معلوم کر سکتا ہوں - وہ عربی ہے میں عجمی ہوں - اس
کے عشق کا دعواے کیسے کر سکتا ہوں کہ وہ اعلےٰ نسب قریشی اور میں حبشی ہوں -
۳ - اگرچہ میرا محبوب سو منزل دور ہے لیکن میری نظر صبح شام اس کے رُخِ انور پر ہے
۴ - اے جامی اہلِ وفا عشقِ رسولؐ کے سوا دوسرا راستہ اختیار نہیں کرتے - تیرے
لیے کس قدر شرم کی بات ہے کہ اس کے راہِ عشق میں تو سست رفتار ہے

اس نعت پر بھی حضرت اقدسؒ پر کیفیت طاری ہوئی - جب قوال خاموش ہوئے تو حافظ قرآن نے ختم شریف پڑھنا شروع کیا - اس وقت بھی حضرت اقدس پر حالت طاری تھی اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے رومال تر ہوگیا - جب مجلس برخاست ہوئی تو اکثر لوگ چلے گئے لیکن حضرت اقدس اسی جگہ بیٹھے رہے - اس اثنا میں حضرت خواجہ قطب الاقطاب قدس سرہٗ کی خانقاہ مبارک (دہلی) سے جو مجاور آئے ہوئے تھے انہوں نے حاضر ہوکر قدیمانہ دستور کے مطابق دستارِ تبرک پیش کی - اس وقت حضرت اقدس تبرک کے ادب کی وجہ سے راست قد کھڑے ہوگئے - چنانچہ مجاوروں نے دستار آپ کے سر پہ باندھی اور چند کاک (خشک نان جو خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کی کرامت سے ظاہر ہوئے - مجاور اسی شکل کے نان تیار کر کے اہل سلسلہ کو عنایت کرتے ہیں) بھی پیش کیے - اسی شب حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس سرہٗ کی خانقاہ (دہلی) کے مجاوروں نے بھی تبرکات پیش کیے - حضرت اقدس نے پہلے مجاوروں کو چالیس اور دوسرے کو ساٹھ روپے پیش کیے (جو آج کل کے دو تین ہزار روپے کے برابر ہونگے)

مقبوس ۴۲ :- بوقت مغرب سہ شنبہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

کثیر لوگوں کو مرید بنانے کا طریقہ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ مرید ہونے والوں کو بلاؤ - یہ سُن کر خادم لوگ باہر دوڑتے ہوئے گئے اور بہت سے لوگوں کو اندر لے آئے جو شوق ارادت میں ماہی بے آب

کی طرح تڑپ رہے تھے - آپ نے رومال پھیلا کر فرمایا کہ سب لوگ اس رومال کو پکڑلو اور خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ - حضرت اقدس نے بھی رومال کا ایک کونہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور سرنگوں ہو کر مراقب ہو گئے - کچھ دیر کے بعد آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ سب کہو ہم توبہ کرتے ہیں تمام گناہوں سے اور یہ کلمات تین بار دہرائے - اور مریدوں نے بھی تین بار توبہ کی - اس کے بعد آپ نے رومال اٹھا کر فرمایا نماز ہمیشہ پڑھا کرو اور ہر نماز کے بعد دس بار درود شریف اور دس بار سورۂ اخلاص اور نماز عشاء کے بعد ایک سو بار کلمہ طیبہ کا ورد کیا کرو - اس کے بعد فرمایا کہ جو عورتیں بیعت ہونا چاہتی ہیں ان کو بھی لے آؤ چنانچہ ایک خادم دوڑ کر ان کو لے آیا - ان کو بھی اسی جگہ بٹھا کر اسی طرح رومال کے ذریعے بیعت کیا - اور وظیفہ تلقین فرمایا - لیکن ان کو نماز پڑھنے کی زیادہ تاکید فرمائی - اس کے بعد ایک شخص نے وظیفہ کی درخواست کی - تو آپ نے اس کو بھی ایک دو وظائف تعلیم فرمائے اس کے بعد فرمایا کہ یہاں کوئی ذکر جہری کرنے والا بیٹھا ہے - خادم نے عرض کیا کہ جی ہاں مولوی رکن الدین بیٹھے ہیں - اس وقت اس احقر کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ اس آدمی کو ذکرِ جہری کا طریقہ بتا دو - یہ خادم اٹھا اور علیحدگی میں جا کر اسے ذکر جہری تعلیم کیا -

مقبوس ۴۳ :- بوقت مغرب شب پنجشنبہ ۱۷ / ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

نرمی و رقت قلب کا وظیفہ

اس وقت ایک طالب علم نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور نرمی اور رقتِ قلب کے لیے کوئی وظیفہ عنایت فرما دیں - آپ نے فرمایا میاں فقیرا! نماز مغرب کے بعد تین ہزار گیارہ مرتبہ ذکر اسم ذات یا اللّٰہُ یا اللّٰہُ پڑھا کرو -

مقبوس ۴۴ :- بوقت مغرب شب شنبہ ۱۹ / ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

ریاست بہاولپور میں حضرت خواجہ کے زمانے میں یہ تعزیہ نکالنے کی کسی کو اجازت نہ تھی

وضو کر کے اٹھے اور مسجد میں جا کر خود اقامت کہی اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ وظائف پڑھتے رہے اور کبھی کبھی حاضرین مجلس سے بھی بات چیت کر لیتے تھے۔ ہر شخص اپنے مطلب کی بات کر رہا تھا اور جواب حاصل کر رہا تھا۔ اس اثنا میں میاں محمود بخش سکنہ گڑھی نے عرض کیا کہ حضور ہمارے شہر میں شیعہ اور رافضی لوگ روز بروز اپنی ناپسندیدہ حرکات تیز کر رہے ہیں۔ اہل سنت وجماعت کے عقائد کی تذلیل کرتے ہیں۔ عاشورہ کے دن انہوں نے تازیہ نکالا۔ چہلم کے دن بھی انہوں نے دوبارہ تازیہ نکالا اور ماتم کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ عاشورہ کے بعد سات جمعہ تک ہر شب جمعہ وہ لوگ جمع ہو کر مجلس قائم کرتے ہیں۔ مرثیے پڑھتے ہیں اور صحابہ کرام کی مذمت کرتے ہیں۔ حضرت اقدس رح نے فرمایا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ان میں سے دو تین سید ہیں۔ ایک دایہ ہے جس کا نام حیات دایہ ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے لوگ ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ان گمراہ لوگوں کی گرفتاری کے متعلق وزارت کی طرف سے ہر افسر کے نام قطعی احکام جاری ہو چکے ہیں۔ جب مخادیم اوچ شریف کو تعزیہ نکالنے کی اجازت نہیں ملی تو اور کون ہوتے ہیں۔

مقبوس ۴۵: بوقت مغرب شب یک شنبہ ۲ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

شیخ محمد کامل کھٹپار

حضرت اقدس رح تسبیح ہاتھ میں لیے وظائف پڑھ رہے تھے۔ گاہے بگاہے حاضرین مجلس سے بھی مخاطب ہو جاتے تھے۔ اسی اثنا میں دربان نے آکر عرض کیا کہ سندھ سے بزرگان کٹپار والہ کی اولاد میں سے ایک شخص آیا ہے۔ جس کے ہمراہ دو اور آدمی ہیں وہ حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اندر لے آؤ۔ انہوں نے آکر قدم بوسی حاصل کی اور بیٹھ گئے۔ آپ نے مزاج پرسی

کے بعد فرمایا کہ کس طرح آنا ہوا - انہوں نے عرض کیا کہ حضرت باہو سلطان قدس سرہٗ جو ہمارے پیران پیر ہیں، کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں - چونکہ گھر سے روانہ ہو چکے ہیں یہ ارادہ ہوا کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائیں - یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضور بھی ہمارے راستے میں ریل گاڑی کے موقعہ پر قیام پذیر ہیں - اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ طریقت کے بارے میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں - آپ نے فرمایا آج یہاں رہو - کل جو کچھ دریافت کرو گے انشاء اللہ تعالےٰ جواب ضرور دوں گا - اس کے بعد ان کو اپنی قیام گاہ پر لے جایا گیا - بعد ازاں حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ محمدؐ کھٹیار والہ جو اس نووارد کے دادا ہیں بڑے بزرگ تھے اور سندھ کے اکثر مشہور و معروف خاندان جو ارباب فقر ہیں، ان کے مرید ہیں - شیخ محمدؐ کامل قدس سرہٗ حضرت مخدوم موسن شاہ صاحب لوح والہ کے مرید ہیں اور خرقہ خلافت و تکمیل مخدوم محمدؐ صدیق سیڑہ قدس سرہٗ سے حاصل کیا - حضرت مخدوم موسن شاہ صاحب حضرت سلطان باہو قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے جن کا مزار شورکوٹ کے قریب زیارت گاہ خلق ہے - سلطان باہو قدس سرہٗ حضرت سید عبد الرحمٰن دہلویؒ کے مرید و خلیفہ ہیں - اس کے بعد فرمایا کہ سلطان باھوؒ کے فقر کا اظہار اس وقت ہوا جب آپ کے پیر کا نام ان کے نام سے مشہور ہوا چنانچہ ان کو سید عبد الرحمٰن سلطان باھو کہتے ہیں -

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کس سلسلہ طریقت سے تعلق رکھتے ہیں - ارشاد فرمایا کہ سلسلہ عالیہ قادریہ سے -

اپنے پیر کے علاوہ کسی اور بزرگ سے فیض حاصل کرنا

اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور یہ جو عام مشہور ہے کہ ایک پیر دوسرا مرشد یہ کس طرح ہے آپ نے فرمایا کہ یہ بات جاہل لوگوں میں بہت غلط مشہور ہو گئی ہے - کہ ایک پیر لینا چاہیئے اور دوسرا مرشد - ان کی اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک ولی اللہ سے بیعت کی ہے اور اس کے پیر فوت ہو گئے یا پیر اور مرید کے درمیان

اس قدر مفارقت اور مسافت واقع ہوگئی ہے کہ مرید کے لیے پیر کی خدمت میں حاضر ہونا مشکل ہے تو وہ پیر سے جدا ہوا ہوا شخص کسی دوسرے شیخ کامل مکمل کی خدمت میں حاضر ہو کر اسرار توحید اور حقائق و معارف کی تعلیم و تربیت حاصل کر کے سلوک کے تمام مراتب طے کر چکا ہے اور خرقۂ خلافت حاصل کر چکا ہے تو یہ دوسرا شیخ اس کے آدمی کا مرشد کہلائے گا۔ کیونکہ لفظ مرشد مشتق ہے ارشاد سے۔ جس کے معنی ہیں راہ دکھانا چونکہ اس آدمی نے اس شیخ کی امداد اور عنایت سے ہدایت و معرفت حاصل کی ہے لہٰذا یہ شیخ اس کے مرشد ہیں اور وہ شیخ جن سے اس نے پہلے بیعت کی تھی اس کے پیر کہلائیں گے۔ پیر اور مرشد میں فرق اسی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے سلوک کے تمام مدارج اس شیخ کے ہاں طے کیے ہیں جن سے وہ شروع میں بیعت ہوا تھا اور خرقۂ خلافت بھی ان سے حاصل کیا ہے تو اس کے پیر اور مرشد وہی ایک شیخ ہوں گے۔ یہ بات صرف جاہلوں میں مشہور ہوگئی ہے۔ ضرور بالضرور ایک پیر لینا چاہیئے اور ایک مرشد۔ خواہ پہلا پیر موجود کیوں نہ ہو۔ دوسرا مرشد ضرور لینا چاہیئے۔ ان کا یہ خیال غلط ہے

اس کے بعد ایک شخص نے دریافت کیا کہ قبلہ کیا عرب میں بھی تمام سلاسل موجود ہیں یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عرب میں سب سے زیادہ غالب اور جاری سلسلہ شاذلیہ ہے جس کی ابتدا حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ سے ہوئی۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر مغربیہ ہے۔ جس کے بانی حضرت شیخ ابومدین مغربی قدس سرہٗ ہیں۔ سلسلۂ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ بھی عرب شریف میں پائے جاتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے پیر حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ

اس کے بعد فرمایا کہ عربستان میں سلسلۂ چشتیہ زیادہ تر حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کی بدولت پھیلا ہے جو چشتی صابری ہیں۔ آپ کا اصلی وطن ہندوستان میں مقام پانی پت ہے۔ لیکن انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے آپ ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں کہ جائے امن و حصن حصین ہے، قیام پذیر ہوگئے۔ ان کے ساتھ مولوی رحمت اللہ بھی تھے جو بہت بڑے عالم تھے اور آپ

فوت ہو گئے ہیں لیکن حاجی امداد اللہ صاحب جو بہت کامل بزرگ ہیں زندہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔ دیوبند، دہلی، سہارنپور اور گنگوہ کے اکثر جیّد علماء حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم

مولوی رشید احمدؒ صاحب گنگوہی بھی حاجی صاحب کے مرید اور خلیفہ اکبر ہیں۔ ان کے اور خلفاء بھی بہت ہیں چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحبؒ اور مولوی محمدؒ یعقوب صاحب وغیرہم۔[۱] (حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کا مقام پیدائش ممکن ہے بقول حضرت خواجہ علیہ رحمۃ پانی پت ہو۔ لیکن بعد میں آپ تھانہ بھون میں رہتے تھے جو سہارنپور کے قریب ہے۔ پہلے آپ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں مرید ہوئے۔ وصال شیخ کے بعد آپ حضرت شیخ میاں جیو نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر مرید ہونے سے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں داخل ہو گئے۔ اگرچہ دار العلوم دیوبند کے بانی مبانی مولانا محمدؐ قاسم نانوتویؒ مشہور ہیں لیکن دراصل یہ دار العلوم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کے حکم پہ جاری ہوا۔ ہندوستان سے ہجرت کی وجہ یہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں آپ نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند فرمایا اور فوج تیار کر کے ان کے خلاف لڑتے رہے اور کئی ایک مقامات پہ فتح بھی حاصل کی۔ ان تمام معرکوں میں سے شاملی کی جنگ زیادہ مشہور ہے جہاں آپ کی فوج نے انگریزی فوج پہ فتح حاصل کی تھی۔ لیکن جب بالآخر انگریز غالب آ گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ۔ مولانا رشید احمدؒ گنگوہیؒ اور مولانا محمدؐ قاسمؒ کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے تو آپ ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ لیکن مولانا رشید احمدؐ صاحبؒ گرفتار ہو گئے تھے اور کافی عرصہ جیل خانے

۱۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کے اس ملفوظہ سے ثابت ہوا کہ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہم علمائے دیوبند صحیح معنوں میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ اور اہلِ طریقت تھے حالانکہ بعض صوفی حضرات ان کو غلط فہمی سے وہابی کہتے ہیں۔

میں رہنے کے بعد رہا ہوئے۔ جس جہاز میں حضرت حاجی صاحب سفر کر رہے تھے۔ اس کا کیپٹن ایک جرمن افسر تھا جس کا نام مولٹکے (MOLTKE) تھا۔ جب اس نے ٹکٹ طلب کیے تو حاجی صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر مٹی کے ڈھیلے جو استنجا کی خاطر رکھے تھے نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیئے۔ اس کے ہاتھ میں جاتے ہی وہ ڈھیلے سونا بن گئے۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ افسر مسلمان ہو گیا اور جدہ پہنچ کر استعفٰے دے دیا اور حضرت شیخ کے مریدین میں شامل ہو گیا اور بڑے مراتب کو پہنچا۔ انہوں نے مکہ معظمہ میں ایک مشک خرید لی تھی۔ جب دو آنے رقم جمع ہو جاتی تھی تو مشک رکھ کر یادِ خدا میں مشغول ہو جاتے تھے۔ حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی کرامات دیکھ کر شریف حسین والیٔ حجاز آپ کا بڑا معتقد ہو گیا تھا۔ اسی طرح خدیو مصر کا پیر جب مکہ معظمہ آیا تو حاجی صاحب کی عظمت ولایت دیکھ کر نہ صرف خود مرید ہوا بلکہ اپنے تمام مریدین کو بھی حکم دیا کہ آج سے تم سب حاجی امداد اللہ کے مرید ہو۔ حتیٰ کہ مصر جا کر اس نے خدیو مصر کو حکم دیا کہ تم بھی غیبی طور پر حاجی صاحب سے بیعت کر لو۔ خدیو مصر کے پیر کی بدولت سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ امدادیہ بلاد عرب میں بہت پھیلا۔ ان کے علاوہ حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر رضؓ کی بدولت بھی سلسلہ چشتیہ عربستان میں پھیلا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب شریف میں فریدا اور صابر نام کثرت سے رکھے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کو بھی سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں خلافت حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکی سے بمقام مکہ معظمہ ملی تھی۔) مترجم

مقبوس ۴۶:۔ بعد از نماز مغرب دوشنبہ یکم ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے وظائف سے فارغ ہو کر ایک سفید ریش آدمی کو اس طرح بیعت فرمایا کہ اس کو اپنے سامنے بٹھا کر دیر تک مراقبہ کیا۔ آپ نے اس وقت اس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کہو۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ط مرید نے کلمہ پڑھا۔ اس کے بعد تین بار توبہ کرائی۔ اسی طرح ایک اور آدمی کو بھی آپ نے بیعت کیا۔

مقبوس ۱۲۔ بوقت بین العصر و مغرب روز سہ شنبہ ۲ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

انبیاء و ملائک کی تصاویر

دولت پا بوسی نصیب ہوئی۔ حضرت اقدس کے ہاتھ میں ایک تختہ تھا جس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں تھیں اور ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اس اثنا میں مولوی غلام احمد اختر نے حاجی عمر خان سے کہا کہ دیکھو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ، انگلیاں اور انگلیوں کے سرے (انامل) بعینہٖ حضرت خواجہ صاحب علیہ رحمتہ کے ہاتھ انگلیوں اور انامل کی طرح ہیں۔ حاجی عمر خان نے کہا واقعی اسی طرح ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ چند انبیاء علیہم السلام کی تصاویر دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ان کے ہاتھ اور انگلیاں بھی اسی طرح تھیں۔ جب حضرت خواجہ علیہ رحمتہ نے یہ بات سنی تو ایک سرد آہ نکالی اور یہ مصرع پڑھا۔ مصرع

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

(بروں کو نیکوں کی بدولت کریم بخشتا ہے)

بائیس خواجگان

اس کے بعد مولوی مذکور نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ اس غلام کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مہتر جبرئیل کیا چیز ہے اور انسان کی صورت میں کیوں متمثل ہوتے تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا وہ ایک مقرب فرشتہ ہیں جو حق تعالےٰ اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان احکام شریعت پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ نیز حضرت جبرئیل علیہ السلام بائیس خواجگان میں سے ایک خواجہ بھی ہیں۔ یہ بات سن کر راقم الحروف نے عرض کیا کہ قبلہ یہ بائیس خواجگان کون کون ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ خرقہ جو معراج کی شب درگاہ رب العزت سے حضرت رسول کریم

صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا - وہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عطا فرمایا - حضرت علی رضؓ نے حضرت خواجہ حسن بصری رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ فضیل ابن عیاض رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم بلخی رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ امین الدین ہبیرہ بصری کو - انہوں نے حضرت خواجہ علی ممشاد دینوری رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی کو - انہوں نے حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتی رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ ابومحمد رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ ابویوسف رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو - انہوں نے حضرت خواجہ فرید الدین گنجشکر رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی رضؓ کو - انہوں نے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رضؓ کو عطا فرمایا۔ اور حضرت خواجہ نصیر الدین رضؓ وہ خرقہ معراجیہ اپنے ساتھ قبر میں لے گئے - اس کے بعد فرمایا کہ بائیس خواجگان جن کو خرقۂ معراجیہ عطا ہوا - یہی حضرات بلند درجات ہیں - چنانچہ پہلے خواجہ جبرئیل علیہ السلام ہیں - دوسرے خواجہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں - تیسرے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں - چوتھے حضرت خواجہ حسن بصری اور بائیسویں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی ہیں -

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت غوث اعظم حضور سلطان الاولیاء ہمارے شیخ قاضی الحاجات صاحب روضہ نے فرمایا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رضؓ تک اکیس خواجگان ہوتے ہیں - پس بائیسویں خواجہ اگرچہ یہ بات ظاہر کرنے کے قابل نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ بائیسویں خواجہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں -

تبرّکات کا دفن کرنا

اس کے بعد فرمایا کہ وصال کے وقت حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی ؒ نے وصیّت

کی تھی کہ ان تبرکات کو جو مجھے اپنے شیخ حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ سے ملے ہیں۔ میری قبر کے اندر سرہانے کی طرف دفن کر دینا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مزار کے سرہانے کی طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک تو یہ خرقۂ معراجیہ تھا۔ باقی ایک دستار تھی۔ ایک لکڑی کا پیالہ (کاسہ چوبین)۔ ایک عصا۔ ایک تسبیح۔ ایک جوڑا نعلین چوبین (لکڑی کا جوتا) تھے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ تسبیح کو میری انگلی پر باندھ دینا اور باقی تبرکات کو میرے سرہانے کی طرف دفن کر دینا۔

خرقۂ معراجیہ کی حقیقت

اس کے بعد اس احقر نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ حضور وہ خرقۂ معراجیہ کپڑا تھا یا کوئی اور چیز تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ وہ خرقۂ معراجیہ ایک باطنی چیز ہے اور راز مخفی ہے۔ کپڑے اور اشیائے محسوسہ میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ خرقہ کپڑے کی ایک قسم تھا اور اسے امیر المومنین علی رضؓ نے خواجہ حسن بصری رضؓ کو عطا فرمایا اور دست بدست خواجہ نصیر الدین رضؓ تک پہنچا تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف ان حضرات کو خرقہ ملا لیکن حضرت امام حسن رضؓ، امام حسین رضؓ اور دیگر ائمہ سادات اور باقی مشائخ عظام محروم رہ گئے۔ اس سے ہمارے مشائخ عظام کی ائمہ سادات اور دیگر مشائخ عظام پر تفضیل اور ترجیح لازم آتی ہے۔ اس لیے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ خرقۂ معراجیہ ایک مخفی راز ہے۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ہر اس شخص کو ملا جو اس نعمتِ عظمےٰ کے لائق تھا۔ اس سے تمام اشکال ختم ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور جب وہ خرقہ معنوی تھا اور محسوسات میں سے نہیں تھا تو اس کے دفن کرنے کے کیا معنی ہوئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ خرقۂ معراجیہ ایک قسم کی خصوصیت تھی جو بے شک ان بائیس حضرات کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ اور اس خصوصیت کو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی اپنے ساتھ

قبر میں لے گئے ۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور جب فقر و ولایت کا انحصار اس خرقۂ معراجیہ پر ہے اور وہ چیز حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی پر ختم ہو گئی تو پھر ہمارے باقی مشائخ عظام اور پیرانِ طریقت کو دولتِ ولایت اور فقر کیسے حاصل ہوئی ۔ آپ نے فرمایا کہ ولایت کا انحصار خرقہ پر نہ تھا ۔ یہ ولایت کی ایک خصوصیت کا نام ہے اور وہ چیز خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رضؓ پر ختم ہو گئی ۔ لیکن ولایت اور فقر اپنے تمام شیون اور کمالات کے ساتھ حضرت خواجہ نصیر الدین رضؓ سے ہمارے مشائخ عظام میں جاری اور نافذ ہے اور قیامت تک جاری رہے گی ۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ تبرکات محسوسہ کہ جن کے بارے میں حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلوی رضؓ نے دفن کرنے کی وصیت فرمائی تھی حضرت سلطان المشائخ کی طرف سے ان کو عطا ہوئے تھے ۔

وسائط فیضان بین الحق والانسان الکامل

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اور انسان کامل کے درمیان چند واسطے ہیں کہ جن کے ذریعے فیضان انسان کامل تک پہنچتا ہے ۔ پہلا واسطہ جماعت مہیمیّین ہے ۔ دوسرا واسطہ جماعت کروبین ہے تیسرا واسطہ روح اعظم ہے ۔ چوتھا واسطہ روح القدس یعنی جبرئیل عؑ ہے اور جبرئیل علیہ السلام آخری واسطہ ہیں ۔ چنانچہ ہر فیض جو انبیاء علیہم السلام پر وارد ہوتا ہے ۔ جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے وارد ہوتا ہے اور خود جبرئیل علیہ السلام مندرجہ بالا وسائط سے فیض حاصل کرتے ہیں ۔ چونکہ جبرئیل علیہ السلام انسان کامل سے قریب تر ہیں اس لیے صورتِ انسان میں ظاہر ہوتے ہیں ۔

ملائک مذکر ہیں یا مؤنث

اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ تصویر میں جبرئیل عؑ کو اَمْرَد (بے ریش لڑکا) اور خواتین کی صورت میں دکھایا گیا ہے ۔ یہ اچھی بات نظر نہیں آتی ۔ آپ نے فرمایا چونکہ ملائکہ پیدائشی طور پہ تذکیر و تانیث (مذکر و مؤنث) سے پاک ہیں اس لیے ان کی تصویر اَمْرَد کی صورت میں بنائی گئی ہے ۔ کیونکہ امرد کی صورت مرد اور عورت دونوں

کے لیے مشترک ہے - اس کے بعد فرمایا کہ ملائکہ جو صورت چاہیں اختیار کر سکتے ہیں -
اس لیے جبرئیل علیہ السلام کبھی حضرت دَحیہ کلبی (صحابی رسولؐ اللہ) کی صورت میں ظاہر
ہوتے تھے - جن کی داڑھی بھی تھی، اور کبھی کسی اعرابی (دیہاتی) کی صورت میں ظاہر ہو
کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایمان - اسلام - قیامت اور احسان کے متعلق
سوالات کیے - ممکن ہے کہ تصویر بنانے والے نے جبرئیل علیہ السلام کو اسماعیل علیہ
السلام کے ساتھ اُمرد کی صورت میں دیکھا ہو اور اس طرح تصویر کھینچ لی ہو - نیز فرمایا کہ
ہندو لوگ ملائکہ کی تذکیر و تانیث کے قائل ہیں - شاید اسی وجہ سے قرآن شریف میں آیا
ہے کہ ان الذین لا یؤمنون یسمون الملائکة تسمیة
الانثیٰ (کافر لوگ ملائکہ کے نام عورتوں جیسے رکھتے ہیں) اس اثنا میں مولوی غلام محمد
نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ قبلہ شاید ہندوؤں کے نزدیک ملائکہ کی تذکیر و تانیث
ان کے تاثیر و تاثر کے اعتبار سے ہو - آپ نے سر ہلا کر مثبت میں جواب دیا اور پھر
وضو کرنا شروع کیا - ایک آدمی نے قریب ہو کر آہستہ سے کوئی بات کی - جو باقی لوگ نہ
سن سکے - اس کے بعد حضرت اقدس نے ازرہِ کرم فرمایا کہ اب یہ جوان ایک نیا مسئلہ
لایا ہے - یہ سنتے ہی ہم لوگ حضرت اقدس کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے - آپ نے
فرمایا یہ کہتا ہے کہ میں نے کتاب مدارج النبوّت میں لکھا دیکھا ہے کہ جب حضرت بی بی
عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو ان کے لیے قبر تیار کی
گئی لیکن قبر میں اتارنے سے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر پر جا کر ان کے لیے
دعائے مغفرت فرمائی اور فرشتوں کو آواز دی کہ خوبصورت عورتوں کی شکل اختیار کر کے
اس کے نزدیک آؤ - اس پر ایک آدمی نے عرض کیا کہ اس واقعہ کے بعد اب فرشتے تمام
عورتوں کے پاس زنانہ شکل اختیار کر کے آتے ہیں یا نہیں - آپ نے فرمایا نہیں یہ چیز
صرف ان کے لیے مخصوص تھی - اس کے بعد فرمایا کہ مدارج النبوّت بہت مستند کتاب
ہے جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے -

دیوان معین کی حقیقت

اس پر مولوی مذکور نے کہا کہ کتاب معارج النبوّت بھی عجیب چیز ہے۔ فرمایا ہاں اس کے اندر چاشنی بہت ہے اور ملّا معین صاحبؒ واعظ کی تصنیف ہے۔ ان کا ایک دیوان بھی ہے۔ جس کا نام دیوان معین ہے اور چھاپے خانے والوں نے زیادہ بکری کی خاطر اس دیوان کو شیخ الاسلام خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ سے منسوب کر دیا ہے حالانکہ اس کے مصنف ملا معینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اسی طرح محی کاشی کے دیوان کو انہوں نے حضرت غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے منسوب کر دیا ہے۔ اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے دریافت کیا کہ محی کاشی بھی درویش ہیں یا نہیں۔ فرمایا وہ درویش اہلِ باطن نہیں ہے بلکہ صرف شاعر ہوا ہے۔ لیکن ملّا معین صاحب معارج النبوّت درویش تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نقشبندی تھے کیونکہ وہ مولانا جامیؒ کے اصحاب و مریدین میں سے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تفسیر نقرہ بھی ان کی تالیف ہے۔

بندش کشف کی ایک وجہ

اس کے بعد نماز مغرب باجماعت ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد ایک شخص نے جو احمد پور شرقیہ سے آیا تھا۔ بادام پیش کیے۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا یہ باغبان ہے۔ ان کا والد میاں محمدؐ علی سرکاری باغبان تھا جو ہمارے شیخ حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مرید خاص تھا اور ذکر جہری بہت کرتا تھا۔ ایک دن اس نے میرے پاس آکر کہا کہ مجھے کشف بہت ہوتا تھا اور شہر میں جو واقعہ ہوتا تھا اس کا علم مجھے آوازِ غیب یا القار کے ذریعے پہلے ہو جاتا تھا۔ لیکن اب یہ چیز بند ہو گئی ہے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ مولوی غلام احمد نے عرض کیا کہ شاید کشف بند ہونے کا سبب ترقی مدارج ہو گا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی تقریر سے یہی معلوم ہوتا ہے

مقبوس ۴۸: بوقت مغرب پنجشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

دعائے نور کی اجازت

حضرت اقدس وضو فرما کر اٹھے ہی تھے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ حسب ارشاد دعائے نور لکھوا کر لایا ہوں۔ حضور مطالعہ فرما کر درستی فرما دیں اور پڑھنے کی اجازت مرحمت فرما دیں۔ آپ نے وہیں کھڑے ہو کر وہ دعا پوری پڑھی۔ تین غلطیاں درست فرمائیں اور فرمایا کہ ہر نماز پنجگانہ کے بعد یہ دعا ایک دفعہ پڑھا کرو۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور اس دعا کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھا جاتا ہے۔ فرمایا یہ درود شریف دعا کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ اس وقت یہ درود شریف دعا کے ساتھ لکھ دیا گیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلَیْنَا مَعَهُمْ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ قبلہ دعائے نور کس مقصد کے لیے پڑھی جاتی ہے فرمایا فتوحات کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ (یعنی غیب سے رزق کی کشائش کے لیے) اس کے بعد نماز مغرب با جماعت ادا کی اور وظائف میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ عشار کا وقت ہو گیا۔ آپ نے نماز عشار بھی جماعت کے ساتھ پڑھی۔ ابھی سنت اور وتر باقی تھے کہ ایک خادم نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور صدقہ کے لیے کون میرے ساتھ جائے گا

طریقہ صدقہ

آپ نے فرمایا رکن الدین کو لے جاؤ۔ اگرچہ احقر (رکن الدین) نے سنت اور وتر نہیں پڑھے تھے۔ تعمیل حکم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن جاتے ہوئے خیال آیا کہ حضرت اقدس سے صدقہ کرنے کا صحیح طریقہ دریافت کر لوں۔ واپس آکر عرض کیا کہ حضور صدقہ کرنے کا طریقہ کتابوں میں تو پڑھا ہے لیکن اگر آپ بھی بتا دیں تو بہتر ہو گا۔ اس وقت آپ وظائف پڑھ رہے تھے۔ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے تین بار سجدہ میں طویل دعائیں مانگیں

اور احقر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مکان سے دور جا کر ایک گڑھا کھدواؤ اور سالم سیاہ رنگ کی بکری کو جو صحیح البدن ہو اور فربہ اور بے عیب ہو زمین پر بجانب قبلہ شریف لٹاؤ اور یہ دعا اَللّٰھُمَّ ھٰذا لَکَ اَللّٰھُمَّ ھٰذا فداء فلاں بنت فلاں فَتَقَبَّلہ مِنھَا تین بار پڑھ کر بکری کی پیشانی پر دم کرو۔ لفظ فلاں بنت فلاں کی بجائے میری اہلیہ اور میری اہلیہ کی والدہ کا نام لے کر قصاب سے کہنا کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر بکری ذبح کرے لیکن تم اور ذبح کرنے والا دونو باوضو ہونے چاہئیں۔ اس کے بعد وہی دعا دہرائی تاکہ اچھی طرح یاد ہو جائے۔ نیز فرمایا کہ مرد کے لیے فلاں بن فلاں اور عورت کے لیے فلاں بنت فلاں پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح مرد کے لیے مِنہُ اور عورت کے لیے منھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ بکری ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اتاری جائے اور اس کے تین چار ٹکڑے کر کے اس گڑھے میں ڈالے جائیں۔ نیز بکری کا سر، پاؤں، انتڑیاں، معدہ، جگر، دل، گردہ وغیرہ بھی نکال کر گڑھے میں دفن کیے جائیں۔ اس کے بعد گوشت کو ہڈیوں سے جدا کر کے ہڈیاں بھی اس خندق میں ڈالی جائیں۔ گوشت کے ساٹھ حصے کر کے ساٹھ آدمیوں میں تقسیم کیا جائے۔ اگر ایک گھر کے پانچ آدمی آکر ایک ایک حصہ لے لیں یہ بھی جائز ہے لیکن وہ ساٹھ آدمی غریب اور مسکین ہوں دولت مند نہ ہوں اور نہ وہ صدقہ دینے والوں کے رشتہ دار ہوں۔ یہ ہے صدقہ دینے کا طریقہ۔ اس کے بعد چار پانچ آدمی احقر کے ہمراہ بھیج کر فرمایا کہ سب کام یہ لوگ کریں گے۔ تمہارا کام صرف دعا پڑھنا اور بکری کی پیشانی پر دم کرنا اور یہ دیکھنا ہے کہ سب کام حسب ہدایات ہوتے ہیں۔ اس کے بعد احقر نے دست بستہ عرض کیا کہ صدقہ کس لیے دیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ دفع مرض، خوف قید، خوف دشمن یا خوف قتل جیسی آفات و بلیات کے دفعیہ کے لیے دیا جاتا ہے۔

مقبوس ۲۹: بوقت عشاء شنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

سلسلہ چشتیہ کی معتبر کتابیں

حضرت اقدس اوراد میں مشغول تھے اور تمام حاضرین مجلس سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ جب وظائف سے فارغ ہو کر آپ حاضرینِ مجلس کی طرف متوجہ ہوئے تو خادم نے عرض کیا کہ ایک جوان نو مسلم بیعت ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے اسے حسب دستور بیعت فرمایا۔ اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ صوفی جان ساکنہ میرٹھ جو سلسلہ صابریہ سے تعلق رکھتا ہے کہتا ہے کہ کتاب سیر الاولیاء جو حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالےٰ عنہ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ) کے ملفوظات پر مشتمل ہے چنداں معتبر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا پورے سلسلہ چشتیہ میں تین کتابیں بدرجہ اعلیٰ معتبر اور مستند ہیں۔ اوّل سیر الاولیاء۔ دو اور کتابوں کا نام بھی آپ نے لے کر فرمایا کہ صابری لوگ کتاب سیر الاولیاء سے اس لیے ناخوش ہیں کہ جہاں سیّد مبارک امیرِ خورد نے اس کتاب میں حضرت شیخ الاسلام گنجشکر خواجہ فرید الملت والدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے تمام خلفاء کے اسمائے گرامی تفصیل سے لکھے ہیں۔ انہوں نے حضرت شیخ علی احمد صابر قدس سرہٗ کا ذکر مجمل اور غیر معروف طور پر کیا ہے[۱]۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ شیخ علی صابر نام ایک بڑے درویش، ثابت قدم اور نفس گیر اور سخت کوش

۱۔ حضرت مخدوم علی احمد صابر کا ذکر اختصار سے کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ اجودھن میں حضرت خواجہ گنجشکر رض کی خدمت میں حاضر ہو کر خلافت سے مشرف ہوئے تو اس سے تقریباً دس سال پہلے حضرت مخدوم صابر رض خلافت حاصل کر کے کلیر شریف جا چکے تھے۔ اس لیے حضرت مخدوم صابر رض کے حالات سے حضرت محبوب الٰہی رض کے اصحاب واقف نہیں تھے۔

بزرگ تھے جن کو حضرت شیخ الشیوخ العالم گنجشکر قدس سرہٗ سے خلافت ملی ہوئی تھی اور حضرت شیخ الشیوخ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ "اے صابر تم مزے سے زندگی بسر کرو گے (حضرت خواجہ گنجشکر قدس کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ " بھوگہا خواہی کرد "، یعنی مزے کرو گے)۔ اس لیے آپ کی ساری عمر مزے سے گزری۔ اور مخدوم صابر قدس سرہٗ نہایت خوش باش اور کشادہ پیشانی تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دوسری قدیم کتابوں میں کسی جگہ تفصیل کے ساتھ مخدوم علی احمد صابر قدس سرہٗ کا ذکر نہیں آیا بلکہ اس قدر مجمل اور مختصر حال بھی نہیں آیا جس قدر کہ سیر الاولیا رمیں ہے۔

حضرت مخدوم صابر قدس سرہٗ کی خلافت کی تصدیق

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا حضور یہ جو صاحب سیر الاولیا ر نے حضرت مخدوم صابر قدس سرہ کے متعلق لکھا ہے اس سے صابری حضرات ناخوش ہوتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جو کچھ ان کے متعلق لکھا گیا ہے اس سے تو آپ کا جاہ وجلال ثابت ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد فرمایا میاں خلیل الرحمٰن نے جو حضرت خواجہ قطب جمال ہانسوی کی اولاد میں سے ہیں ایک کتاب لکھی ہے اور اس کتاب میں نظامیوں اور صابریوں کے مباحث کے دوران لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ علی احمد صابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو شیخ الشیوخ حضرت گنجشکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خلافت نہیں ملی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ میاں خلیل الرحمٰن کی یہ بات قابل اعتبار نہیں۔ انہوں نے یہ بات محض تعصب کی وجہ سے جو ان کو صابریوں سے ہے لکھی ہے کیونکہ حضرت شیخ علی احمد صابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے سلسلہ دراز جاری ہوا ہے اور بڑے

ا۔ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے اپنے ان ملفوظات میں ایک جگہ فرمایا کہ مخدوم صابرؒ حضرت شیخ فریدالدین گنجشکرؒ کے خلیفہ اول تھے۔ لیکن حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا ر حضرت شیخ کی عمر کے آخر میں آکر مرید ہوئے اور خلافت پائی۔ اس لیے سیر الاولیا ر اور فوائد الفوائد جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے مریدین نے لکھی ہیں میں حضرت مخدوم صابرؒ کا مفصل ذکر نہیں ہے۔

عظیم الشان بزرگ اس سلسلۂ صابریہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ قدیمی کتابوں میں نہ شیخ علی احمد صابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے نہ ان کے مرید و خلیفہ حضرت شمس الدین پانی پتی، نہ ان کے مرید و خلیفہ شیخ جلال الدین پانی پتی کا ذکر آیا ہے اور نہ ان تینوں بزرگوں کی صحیح تاریخ وصال صابریوں کو مل سکی ہے اس لیے لوگ میاں خلیل الرحمٰن کے قول کو صحیح سمجھنے لگ گئے ہیں۔

سیر الاقطاب کا غیر معتبر ہونا

اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ کتاب سیر الاقطاب کے مصنف مولوی اللہ دیا نے اپنی طرف سے ان بزرگوں کی تاریخ وصال لکھی ہے لیکن اقتباس الانوار کے مصنف اسے قبول نہیں کرتے اور اقتباس الانوار سلسلۂ صابریہ کی بڑی معتبر کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے جہاں کہیں سیر الاقطاب سے روایت نقل کی ہے وہاں فوراً لکھ دیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے یا غیر معتبر ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ کتب قدیم میں جہاں شیخ شمس الدین ترک کا نام آیا ہے وہ شیخ شمس الدین ترک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار روشی کاکی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔
اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی حکمت اس طرح ہے کہ مشائخ عظام کے ملفوظات میں مثلاً حضرت شیخ الشیوخ العالم فرید الدین گنجشکر قدس سرہٗ کے ملفوظات اسرار الاولیا[۱] اور راحت القلوب[۲] میں بھی شیخ علی احمد صابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ذکر نہیں آیا۔ ان ملفوظات

۱-۲۔ بعض صوفیا کے نزدیک ان دونوں کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے۔ خیر المجالس میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ نہ ہمارے شیخ حضرت خواجہ گنجشکر رضؓ نے کوئی کتاب لکھی ہے نہ میں نے۔ نیز حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رضؓ جو حضرت خواجہ نصیر الدین کے خلیفہ اعظم ہیں فرماتے ہیں کہ جب میں اجودھن (پاکپتن) گیا تو کسی نے آپ کو حضرت خواجہ بدر الدین اسحاق کے جمع کردہ ملفوظات کا مجموعہ دکھایا لیکن میں نے ان کا انکار کیا اور کہا کہ یہ جعلی ہیں۔ احقر مترجم کہتا ہے کہ اگر فرض

کے جمع کرنے والوں کی عادت یہ تھی کہ فلاں روز فلاں تاریخ فلاں فلاں بزرگان بیٹھے تھے لیکن شیخ علی احمدؒ صابر قدس سرہٗ کا اسم گرامی کسی جگہ نہیں آیا۔ اور نہ ملفوظات کے اندر کسی اور مقام پر آپ کا ذکر آیا ہے حالانکہ شیخ بدرالدین اسحاق قدس سرہٗ جو اسرار الاولیاء کے جامع ہیں کا ضبط تاریخ اور الفاظ اس قدر پختہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے حضرت شیخ الشیوخ کی زبان درفشان سے سنا۔ اسی طرح لکھ دیا۔ اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے چنانچہ شیخ بدرالدین اسحاق نے اسرار الاولیاء میں لکھا ہے کہ فلاں تاریخ حضرت گنجشکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت شیخ نظام الدین بدایونی کے حق میں فرمایا کہ نظام تمہارا فیض مشرق سے مغرب تک پہنچ جائے گا اور تمہارا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور یہی بات بلا اختلاف کتاب راحت القلوب میں اُسی تاریخ کی قید کے ساتھ حضرت سلطان المشائخ کے حق

بقیہ صــــ۔ محال یہ ملفوظات معتبر بھی ہوں حضرت مخدوم صابرؓ کا ان میں کیسے ذکر آسکتا ہے کیونکہ آپ ان حضرات سے تقریباً دس سال پہلے خلافت حاصل کر کے کلیر شریف چلے گئے تھے اور آپ کے حالات کوئی نہیں جانتا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؓ نے حضرت گنجشکرؓ کی زندگی کے صرف آخری دس سال پائے تھے لیکن مخدوم صابرؓ شروع سے آپ کے ساتھ رہتے تھے کیونکہ آپ حضرت گنجشکرؓ کے بھانجے اور داماد تھے۔ علاوہ ازیں اسرار الاولیاء اور راحت القلوب میں ایسی روایات درج ہیں جو عقائد اہل سنت وجماعت کے خلاف ہیں۔ لہٰذا یہ کتابیں جیسا کہ حضرت بندہ نواز سید محمدؒ گیسو درازؒ نے فرمایا ہے مستند نہیں ہیں۔ نیز شیخ جمالی کی کتاب سیر العارفین جو نہایت ہی معتبر قدیم کتاب مانی جاتی ہے جہاں سیر الاولیاء، فوائد الفوائد، خیر المجالس، مناقب قطبی، خزانہ جلالی سے اقتباسات درج ہیں۔ حضرت خواجہ گنجشکر سے منسوب اسرار الاولیاء، راحت القلوب اور دیگر خواجگان چشت کے ملفوظات مثل انیس الارواح، دلیل العارفین وغیرہ کا کوئی اقتباس درج نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو یہ کتابیں اس وقت وجود میں نہیں آئی تھیں یا شیخ جمالی نے خود ہی ان کو مسترد کر دیا۔

میں درج ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ صابری حضرات روایت کرتے ہیں کہ ایک دن جناب شیخ الشیوخ العالم حضرت گنجشکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے سینہ کا علم مولانا نظام الدین کو ملا ہے اور میرے قلب کا علم علی احمد صابر کو پہنچا ہے۔ وہ لوگ یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ حضرت گنجشکر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرا علم نظام الدین لے گیا ہے اور میرے مشائخ کا علم علی احمد صابر کو ملا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان دونوں روایات سے بھی حضرت سلطان المشائخ کی عظمت، کمالات اور رفعت مقام کا ثبوت ملتا ہے۔ اس پر مولوی غلام احمد اختر نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور یہ کس طرح سے۔ آپ نے فرمایا۔ سینہ مقام محمدی ہے اور قلب مقام توحید ہے۔ اور جامعیت مقام محمدی کو حاصل ہے نہ کہ قلب کو کیونکہ قلب محض مقام وحدت ہے اور دوسری روایات سے بھی اس لیے ترجیح ثابت ہوتی ہے کہ چونکہ منبع فیوضات حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہٗ تمام مشائخِ عظام کے وارث تھے پس آپ کا علم بھی جامع ہوا اور یہ حضرت سلطان المشائخ کو ملا اور حضرت گنجشکر قدس سرہٗ کے مشائخ عظام کا علم جو صرف جہت بطون سے باقی رہا وہ حضرت مخدوم علی احمد صابرؒ کو منتقل ہوا۔ جب تصحیح کے لیے یہ اوراق راقم الحروف حضرت اقدس کے پاس لے گیا اور لفظ "منتقل" ہوا پر پہنچا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ کی حضرت شیخ علی احمد صابر پر ترجیح کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ چونکہ حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہٗ، عالم شہادت میں تشریف فرما تھے جو مقام جامعیت ہے۔ اس مقام پر جمع و تفرقہ دونوں موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب تک آپ اس عالمِ ناسوت میں رہے آپ کا علم بھی جامع تھا۔ اس لیے مذکورہ بالا دو امور کے ساتھ حضرت شیخ کی جامعیت علم بھی سلطان المشائخ کو نصیب ہوئی۔ لیکن جب حضرت خواجہ گنجشکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس عالمِ شہادت سے جو مقام جامع ہے مقام بطون کی طرف انتقال فرما گئے اور دوسرے جہان میں جو کہ صرف مقام وحدت و بطون

ہے۔ قیام فرمایا تو لازماً آپ کا اس مقام کا علم بھی صرف جہت وحدت و بطون پر ہوگا اور یہ علم حضرت شیخ علی احمد صابر قدس سرہٗ کو عطا ہوا۔ چنانچہ حضرت شیخ علی احمد صابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا حال بھی اس کے مطابق تھا۔ آپ کا ہمیشہ استغراقِ وحدت میں مستغرق رہنا اس بات کی صریحی دلیل ہے کہ آپ کو وہی علم عطا ہوا۔

حضرت امیر خسرو رضؓ کی حضرت شیخ علی احمدؒ صابرؒ سے ملاقات

اس کے بعد فرمایا کہ میاں اللہ دیا نے لکھا ہے کہ حضرت امیر خسروؒ شیخ علی احمدؒ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے[۱] ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کس کے مرید ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین قدس سرہٗ کا مرید ہوں۔ پھر پوچھا کہ حضرت سلطان المشائخ کے خلفاء کتنے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جتنے آسمان پر ستارے ہیں۔ حضرت شیخ علی احمدؒ قدس سرہ نے فرمایا کہ جس وقت میرا شمس طلوع کرے گا تمام ستارگان پوشیدہ ہوجائیں گے اور لفظ شمس سے ان کا اشارہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کی جانب تھا جو آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت مخدوم صابرؒ نے اتنا فرمایا کہ میرا ایک شمس کافی ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولوی اللہ دیا کا یہ بے ادبانہ کلام اس کا اپنا وضع کردہ ہے۔ اس کا ذکر کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا۔ نیز شیخ شمس الدین ترک کا ذکر کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا اور جو کچھ معتبر کتابوں میں درج ہے یہ ہے کہ شیخ شمس الدین ترک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضؓ کے خلیفہ تھے نہ کہ کوئی دوسرا شمس الدین

۱۔ حضرت امیر خسرو رضؓ کی حضرت مخدوم صابرؒ کے ساتھ ملاقات کی سند کہیں نہیں ملتی۔ اس لیے یہ روایت غیر معتبر ہے۔ البتہ حضرت شاہ شمس الدین ترک پانی پتی کے متعلق تمام تذکرہ جات میں لکھا ہے کہ آپ حضرت خواجہ گنجشکر رضؓ کے مرید تھے لیکن خلافت حضرت مخدوم صابر رضؓ سے حاصل کی تھی۔

(حضرت شاہ شمس الدین ترک حضرت بابا صاحبؒ کے مرید تھے لیکن خلافت حضرت مخدوم صابر سے ملی تھی۔ ممکن ہے حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی صحبت بھی پائی ہو)

شیخ احمد عبد الحق ردولویؒ

اس کے بعد فرمایا کہ اس سلسلہ شریفیہ صابریہ کو حضرت شیخ عبد الحق ردولوی قدس سرہٗ سے بہت شہرت حاصل ہوئی ہے اور شیخ عبد الحق قدس سرہٗ کے حالات معتبر کتابوں میں درج ہیں۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب اخبار الاخیار میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ شیخ احمد عبد الحقؒ کی بیعت شیخ جلال الدین اور شیخ شمس الدین کے واسطہ سے شیخ علی صابر سے جا ملتی ہے[۱]۔ پس جب کتاب اخبار الاخیار میں جو نہایت معتبر و مستند کتاب ہے شیخ شمس الدینؒ و شیخ جلال الدینؒ کا ذکر نہیں ہے (ذکر تو موجود ہے۔ حضرت اقدس کا مطلب یہ ہے کہ مفصل ذکر نہیں ہے) بلکہ صرف شیخ احمد عبد الحق ردولویؒ کا ذکر آیا ہے تو پھر اس سے زیادہ معتبر کون سی کتاب ہے کہ جس کا اعتبار کیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا شیخ احمد عبد الحق کے ان دو مشائخ کے عدم ذکر سے میاں خلیل الرحمٰن کے استدلال کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک شیخ شمس الدین ترک صرف ایک ہے اور وہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے خلیفہ ہیں[۲]۔

۱۔ اخبار الاخیار جیسی مستند کتاب کی یہ روایت قابل اعتبار ہے کہ شیخ عبد الحق ردولوی کو خلافت حضرت شیخ جلال الدین اور شیخ شمس الدین کے ذریعے مخدوم علی احمد صابر رضی اللہ عنہ سے تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاہ شمس الدین ترک مخدوم صابرؓ کے خلیفہ تھے۔

۲۔ اسی مقبوس کے آخر میں اور اسی جلد دوم کے مقبوس نمبر ۳۲ میں بھی حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ شیخ شمس الدین ترک حضرت صابرؓ صاحب کے مرید و خلیفہ تھے اور شیخ جلال الدین شیخ شمس الدین ترک کے خلیفہ تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی رکن الدین کاتب ملفوظات نے غلطی سے شیخ شمس الدین ترک کو اس ملفوظ میں قطب صاحبؓ کا خلیفہ لکھا ہے۔

شیخ احمدؒ عبدالحق کا جوشِ طلب

اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ شیخ جلال الدین پانی پتی رضؓ نے شیخ احمد عبدالحق ردولوی ؒ کو اپنی زندگی میں اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کردیا تھا لیکن وہ اپنے شیخ کے وصال کے بعد طلب حق میں وہ اس قدر کوشاں اور جوشاں تھے کہ اپنے تمام مشائخ عظام کی خدمت میں جاکر فیض حاصل کیا لیکن پھر بھی اطمینان نہ ہوا - اس کے بعد انہوں نے حضرات اہلِ مزارات کا رُخ کیا اور پھر عرصہ چھ ماہ تک آپ نے قبر کھود کر اس کے اندر چلّہ کشی کی حتےٰ کہ آپ کو وہ نسبت حاصل ہوگئی کہ جس کی تلاش میں تھے اور درجہ تکمیل پہ پہنچ کر مطمئن ہوئے - لیکن جب قبر سے باہر آئے تو ڈنڈا ہاتھ میں لے کر حکمران کی صورت میں باہر نکلے - رحمۃ اللہ علیہ -

سلسلۂ سراجیہ

اس کے بعد حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ قبلہ سلسلۂ سراجیہ کے فقرار کہاں ہیں - آپ نے ہاتھ سے جنوب مغرب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف ہیں - نیز فرمایا کہ ایک آدمی جو اپنے آپ کو حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ کی اولاد بتاتا ہے اور اپنے آپ کو سراجی کہتا ہے ملا ہے - اس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کے خلفار ویسے تو بہت ہیں لیکن آپ کے اعظم خلفار تین ہیں - اول شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ، دوم حضرت خواجہ اخی سراج الدین آئینۂ ہند قدس سرہٗ سوم حضرت شیخ قطب الدین منوّر جو حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی رضؓ کے پوتے ہیں اور جن کا شمار ہانسی کے چار اقطاب میں ہوتا ہے - اس اثنار میں کسی شخص نے عرض کیا کہ حضور ہانسی کے وہ چار قطب کون کون ہیں - فرمایا ایک قطب حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی، دوسرے آپ کے فرزندِ ارجمند شیخ برہان الدین صوفی، تیسرے شیخ قطب الدین منور، چوتھے ان کے فرزند شیخ نور الدین انور رضی اللہ تعالےٰ عنہم ہیں -

سیّد محمود کرمانی

اس کے بعد سیر الاولیار کے معتبر اور مستند ہونے کا ذکر ہونے لگا - آپ نے فرمایا یہ کتاب حضرت سلطان المشائخ

کی خاندانی کتاب ہے ۔ اوراس کے مصنف اوران کا سارا خاندان سب ثقات (معتبر راوی) اور حضرت شیخ الشیوخ سلطان المشائخ کے مقربان درگاہ تھے اور آں حضرت کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے ۔ چنانچہ سیّد محمود کرمانی یعنی سیّد محمّد امیر خورد کرمانی کے دادا تجارت کی غرض سے اس ملک میں آتے جاتے تھے اوران کے چچا سیّد احمد کرمانی صوبۂ ملتان کے حاکم تھے ۔ جب سیّد محمود تجارت کے سلسلہ میں کبھی کبھی اجودھن شریف (پاکپتن شریف) سے گزرتے تھے تو شیخ الشیوخ خواجۂ خواجگان خواجہ فریدالدین گنجشکر قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہؤا کرتے تھے ۔ اس سے اُن کے دل میں حضرت شیخ الشیوخ کی محبت اس قدر مستحکم ہوئی کہ انہوں نے تجارت ترک کردی اور اپنے چچا سیّد احمد سے کہا کہ دل یہ چاہتا ہے کہ بقیہ عمر حضرت گنجشکر قدس سرہٗ کی خدمت میں گزار دوں ۔ سیّد احمد نے کہا کہ ملتان میں حضرت شیخ الاسلام غوث العالم بہاءالدین زکریا رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی صاحب کمالات ہیں ۔ اگران کی خدمت میں رہو تو مجھ سے بھی دُور نہیں ہو گے ۔ سیّد محمود نے کہا کہ میرا دل جس دام میں گرفتار ہوچکا ہے ۔ اس کے سوا مجھے کسی جگہ قرار نہیں ملے گا ۔ پس اس حالت میں حضرت خواجہ گنجشکر کی خدمت میں پہنچ کر قرب تمام حاصل کیا اور ادھر سے بھی نظرِ لطف وشفقت میں اضافہ ہوا ۔ حتیٰ کہ حضرت گنجشکرؓ کے کفن کے اوپر کی چادر سے سیّد محمود کرمانی کی اہلیہ کا دوپٹہ بنایا گیا اور سیّد محمود کی اولاد اور حضرت خواجہ گنجشکرؓ کی اولاد کے درمیان رشتۂ رضاع بھی ثابت ہے (یعنی رضاعی بھائی تھے) نیز حضرت سلطان المشائخ اور سیّد محمود کے درمیان محبت قلبی حد درجہ کی تھی ۔ یہاں تک کہ حضرت سلطان المشائخ سیّد محمود کرمانی کو حضرت شیخ الشیوخ کے وصال کے بعد اپنے ہمراہ دہلی لے گئے ۔

سیّد حسین کرمانی

سیّد محمود کرمانی رحؒ کے فرزندوں کو بھی حضرت سلطان المشائخ سے غایت درجہ کا قرب حاصل تھا ۔ یہاں تک کہ سیّد محمّد امیر خورد کے چچا سیّد حسین کو حضرت سلطان المشائخ نے اپنی فرزندی میں قبول فرمالیا تھا اوران کو اپنا بیٹا کہتے تھے اور یہ سیّد حسین بے حد حسین وجمیل تھے ۔ جس وقت

حضرت سلطان المشائخ پر حالت قبض[1] طاری ہوتی تھی تو حکم دیتے تھے کہ سیّد حسین کو لاؤ۔ ان کو دیکھتے ہی آپ پر حالتِ بسط طاری ہو جاتی تھی۔ سیّد حسین کو حضرت شیخ کی خدمت میں اس قدر قرب تھا کہ بادشاہانِ وقت بھی حضرت سلطان المشائخ کا قرب حاصل کرنے کی خاطر سیّد حسینؒ کی خوشامد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات دو دو لاکھ روپے ان کی خدمت میں نذر کرتے تھے۔ نیز حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں خلافت نامے لکھنے کا کام بھی سیّد حسین کے سپرد تھا۔

امیر خوردؒ

اس کے بعد فرمایا کہ امیر خورد نے اگرچہ سلطان المشائخ قدس سرہٗ سے بیعت کی تھی لیکن حضرت شیخ کا وصال ان کے سنّ بلوغ سے پہلے ہو چکا تھا۔ امیر خورد نے جو کچھ سیر الاولیاء میں لکھا ہے اپنے چچا سیّد حسین اور اپنے والد سیّد نور الدین مبارک سے سُن کر لکھا ہے۔

کتاب فوائد الفواد مصنفہ حضرت امیر حسن علا سنجریؒ

اس کے بعد ایک شخص نے کہا کیا کہ صوفی جان کہتا ہے کہ اگر سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں کوئی معتبر کتاب ہے تو وہ فوائد الفواد ہے جو بعینہٖ پیر ہے۔ آپ نے فرمایا کتاب فوائد الفواد ثقاہت اور

۱۔ حالت قبض و بسط دو روحانی حال ہیں۔ جب قبض طاری ہوتی ہے تو کشف قلبی بند ہو جاتے ہیں۔ قبض کے معنی ہیں بند کرنا اور بسط کے معنی ہیں کھولنا۔ حالتِ بسط میں واردات قلبی اور کشف و کرامات جاری ہو جاتے ہیں۔ اس حالت کو ابتدا میں خوف و رجا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وسط میں قبض و بسط سے اور آخر میں ہیبت و انس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی اسی حالت کے تبدل تغیر کو اس شعر میں ظاہر کرتے ہیں ؎

گہے بر طارم عرش بہ نشینم ۔۔۔ گہہ پشت پائے خود نہ بینم

(کبھی عرش پر پہنچ جاتا ہوں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نظر نہیں آتی)

وثاقت (صحیح ہونے میں) سیر الاولیاء سے بھی چار انگشت زیادہ ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ کتاب حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کے حضور میں لکھی گئی۔ علاوہ ازیں یہ کتاب محض حضرت شیخ کے اقوال کا مجموعہ ہے اور اس کے مصنف حضرت میر حسن سنجری جو کچھ لکھتے تھے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر کے تصحیح کرا لیتے تھے۔

حضرت امیر خسروؒ

اس کے بعد فرمایا حضرت امیر خسروؒ کو حضرت سلطان المشائخ سے اس قدر قرب تھا کہ آپ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ "اے ترک از تمام جہان برنجم از تو نرنجم و اگر از وجود خود برنجم و از تو نرنجم" (اے ترک سارے جہان سے رنجیدہ ہو جاؤں لیکن تجھ سے نہ رنجیدہ خاطر ہوں۔ اگر اپنے وجود سے بھی رنجیدہ ہو جاؤں لیکن تجھ سے نہ رنجیدہ خاطر ہو جاؤں) اور آپ یہ شعر بھی پڑھتے تھے ؎

گر برائے ترکِ تُرکم ارّہ بر تارک نہند ترک تارک گیرم و اما نگیرم ترک تُرک

(اگر تُرک یعنی امیر خسرو کو ترک کرنے یعنی چھوڑنے کے لیے میرے تارک یعنی سر پہ ارّہ بھی چلایا جائے تو اپنے سر کو قربان کر دوں گا لیکن تُرک کو (امیر خسرو کو) ترک نہیں کرونگا یعنی نہیں چھوڑوں گا) نیز روایت ہے کہ خلفائے عظام میں سے جن پہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کے مزاج مقدس میں کدورت پیدا ہوتی تھی۔ امیر خسروؒ کی سفارش سے معافی مل جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود امیر خسروؒ حضرت میر حسن علا سنجری (مصنف فوائد الفواد) سے کہا کرتے تھے کہ کاش کہ میری تمام تصانیف آپ کے نام پہ ہوتیں اور آپ کی کتاب فوائد الفواد میرے نام سے منسوب ہوتی۔

مولانا ضیاء الدین برنیؒ

اس کے بعد فرمایا کہ تین حضرات حضرت سلطان المشائخ کو بطور تحفہ ملے ہوئے تھے۔ ایک امیر خسروؒ۔ دوسرے میر حسن علا سنجری مصنف فوائد الفواد، تیسرے مولانا ضیاء الدین برنی جو بے حد لطیفہ گو اور بذلہ سنج (ظریف و پر مزاح) تھے۔ یہ تمام دوست اکثر میر حسن علا کے مکان پہ جمع ہوا کرتے تھے۔

مولانا علاء الدین نیلی رح

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا علاء الدین نیلی حضرت سلطان المشائخ کے دس خلفاء میں سے تھے جن کو عرف عام میں عشرِ مبشرہ کہا جاتا تھا۔ بڑے عالم و فاضل تھے اور ہندوستان کے اکثر علماء کو آپ سے علم حاصل ہوا ہے۔ آخر عمر میں آپ کتاب فوائد الفواد سینے پر رکھ کر ہر وقت مطالعہ کیا کرتے تھے۔ آپ کے کسی دوست نے کہا کہ کس وجہ سے آپ اس کتاب کو عزیز رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ تمام کتابوں کا علم میرے سینے میں ہے لیکن اقوالِ مخدوم کا کوئی نظیر نہیں ہے۔ اس کے بعد برادرم مولوی غلام احمد اختر نے عرض کیا کہ حضرت میر حسن علا کا ایک شعر ہے جس سے دو معنی نکل سکتے ہیں ؎

سخنم چوں سخنِ خسرو نیست   سخن اینست کہ من مے گویم

(اس شعر کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ میرا کلام امیر خسرو کے کلام کی طرح نہیں یعنی اس سے بڑھ کر ہے۔ کلام وہ ہے جو میں کہتا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ میرا کلام ان کے کلام سے بلند تر ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ میرا کلام امیر خسرو کے کلام کا کہاں مقابلہ کر سکتا ہے۔ پس حقیقت یہی ہے جو میں نے بیان کر دی ہے۔ یعنی امیر خسرو کا کلام ہر لحاظ سے میرے کلام سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ یہ شعر سن کر حضرت اقدس بہت محظوظ ہوئے اور یہ شعر خود بھی پڑھتے رہے۔

افضل الفوائد و راحت المحبین

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت امیر خسرو رح نے بھی حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات دو کتابوں کی صورت میں جمع کیے ہیں۔ ایک کا نام افضل الفوائد اور دوسری کا نام راحت المحبین ہے لیکن حکایات و اقوال وہی ہیں جو یہ دونوں حضرات یعنی امیر خسرو رح اور حسن علا سنجری رح سنتے تھے اور لکھتے تھے۔ لیکن جو مقبولیت فوائد الفواد کو حاصل ہوئی ہے وہ افضل الفوائد کو نہیں ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ سائیں ولایت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دونوں بزرگوں کی کتابوں کا جائزہ لیا ہے۔ اگرچہ روایات دونوں کی صحیح ہیں لیکن جو لذت فوائد الفواد میں ہے افضل الفوائد میں نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ سائیں ولایت شاہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ امیر خسروؒ سخنور تھے لیکن انہوں نے اپنی کتاب افضل الفوائد کا نام فوائد الفواد کی مشابہت میں رکھ کر اچھا کام نہیں کیا۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ

اس کے بعد حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہٗ کے کمالات کا ذکر ہونے لگا۔ کسی نے عرض کیا کہ اس روایت کی کیا حقیقت ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ نے وصیت فرمائی تھی کہ ہمارے سلسلہ میں فلاں فلاں علامات کے ساتھ ایک بزرگ پیدا ہوں گے۔ پس جس زمانے میں وہ پیدا ہوں اسے غنیمت اور دولت سمجھنا چاہیئے اور ان سے اس سلسلہ کے تمام مشائخ اور مریدین کی مغفرت کے لیے دعا منگوانی چاہیئے اور ان کی دعا کی برکت سے تمام اہلِ سلسلہ بخشے جائیں گے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ بزرگ حضرت سلطان المشائخ کے زمانۂ مقدس میں پیدا ہوئے اور آپ نے حسب وصیّت ان سے دعائے مغفرت منگوائی۔ اسکی حقیقت کیا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ روایت بالکل صحیح بلکہ اصح ہے اور کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلفاء

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ سے بہت خلفاء نے خرقۂ خلافت حاصل کیا ہے لیکن ان میں سے دو خلفاء اعظم ہیں۔ ایک حضرت بندہ نواز سید محمدؒ گیسو درازؒ جو آپ کے خلیفہ جانشین ہیں کیونکہ خلیفہ جانشین وہ ہوتے ہیں جو شیخ کے وصال کے بعد ان کی مسند پر بیٹھتے ہیں اور تمام خلفاء سے زیادہ لائق و فائق ہوں اور مثل شیخ ہوں۔ دوسرے حضرت شیخ کمال الدین علامہؒ۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت محمود میاں احمد آبادیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم خواجہ کمال الدین علامہؒ کو اپنا پیر مانتے ہیں۔ اسی طرح ہم حضرت گیسو درازؒ کو بھی اپنا پیر سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ خواجہ علم الدین نے جو شیخ سراج الدین بن حضرت

شیخ کمال الدین علامہ کے فرزند و خلیفہ تھے حضرت سید محمدؒ گیسو درازؒ سے بھی خلافت حاصل کی ہے۔

سید گیسو دراز کا خواب اور مشائخ کی دہلی سے ہجرت

اس کے بعد مولوی غلام احمدؒ اختر نے عرض کیا کہ حضور حضرت چراغ دہلوی کے وصال کے بعد ہمارے خواجگان میں سے کس نے دہلی سے ہجرت کی اور ہجرت کی وجہ کیا تھی۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت خواجہ سراج الدینؒ نے ہجرت کی اور دہلی سے تمام مشائخ کی ہجرت کی وجہ وہ رویا (خواب یا مشاہدہ) ہے۔ جو سید محمد گیسو درازؒ نے دیکھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت گیسو درازؒ نے خواب میں دیکھا کہ دہلی اور اس کے مضافات میں عنقریب مغلوں کی جانب سے تاخت و تاراج وقوع پذیر ہوگا اور قتل عام سے سارا علاقہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اس وجہ سے اکثر مشائخ دہلی سے ہجرت کر کے اطراف و جوانب میں چلے گئے۔ چنانچہ سید گیسو درازؒ خود دکھن کی طرف تشریف لے گئے۔ بعض مشائخ پورب کو گئے اور بعض نے دوسرے علاقوں کی طرف رجوع کیا۔ لیکن حضرت خواجہ سراج الدین نے ولایت گجرات کی طرف جا کر مقام پٹن میں قیام فرمایا۔ چنانچہ ہمارے مشائخ میں سے تین حضرات کے مزارات پٹن میں مشہور و معروف ہیں ایک خواجہ سراج الدینؒ دوسرے خواجہ علم الدینؒ تیسرے خواجہ محمود راجنؒ۔

سلطان التمش و ناصر الدین محمودؒ

اس کے بعد فرمایا جب مشائخ کرام نے دہلی سے کوچ فرمایا تو بادشاہ تیمور گرگان نے ہند پر حملہ آور ہو کر ملک کو تاخت و تاراج کر ڈالا اور بڑی تباہی رونما ہوئی۔ اس کے بعد سلاطین دہلی کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ سلطان شمس الدین التمش بڑے نیک سیرت بادشاہ تھے (ان کے فرزند) سلطان ناصر الدین محمود غازی بھی بہت نیک و صالح تھا۔ یہاں تک کہ نہ اپنے لیے کوئی خادم روا رکھتے تھے نہ اپنی ملکہ کے لیے۔ ملکہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی تھی۔ نیز بادشاہ قرآن مجید لکھ کر اپنا اور ملکہ کا گذارہ کرتے تھے۔ جب ملکہ ضعیف ہو گئی تو اس نے عرض کیا کہ اب مجھ سے نہ کھانا پکایا جاتا ہے نہ گھر کا کام ہوتا ہے۔ بیت المال سے اجرت دے کر کوئی ملازمہ رکھنی چاہیئے تاکہ یہ سب کام کر لے۔ سلطان نے جواب دیا کہ بیت المال میں میرا کوئی حق نہیں ہے اور جو کچھ قرآن لکھنے اور فروخت کرنے سے حاصل ہوتا ہے اس سے ملازمہ

نہیں رکھی جاسکتی۔ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے گذر جائے گی۔ یہ چند یوم بھی اسی طرح بسر کرلو۔
ایک دن بادشاہ نے قرآن شریف لکھ کر ایک آدمی کو دیا کہ فروخت کر کے اجرت میرے پاس لے آؤ۔ کسی شخص نے دگنی اجرت پیش کی۔ دگنی اجرت اس لیے پیش کی کہ بادشاہ کا لکھا ہوا قرآن مجید ہے۔ جب وہ آدمی اُجرت لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے نصف رقم لے لی اور باقی نصف واپس کردی۔ اس خیال سے کہ یہ میرا حق نہیں ہے۔ میری تحریر کی اُجرت یہی ہے جو میں نے لے لی ہے۔ اس سے زیادہ ناجائز ہے۔

فیروز تغلق

اس کے بعد فرمایا کہ بادشاہ فیروز بھی خدا پرست اور نیک آدمی تھا۔ کہتے ہیں کہ جب سلطنت کی باری اس تک پہنچی تو اس نے اس سے انکار کردیا اور کہا کہ جب بعض مردانِ خدا نے سلطنت ترک کردی تو میں کیوں اپنے آپ کو اس میں گرفتار کروں۔ یہ اچھا کام نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر ارکان سلطنت حضرت مخدوم خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بادشاہ کو حکم دیں کہ بادشاہی کا بوجھ خود اٹھائے۔ چنانچہ آپ نے بادشاہ کو طلب کر کے فرمایا کہ بادشاہت اور تخت نشینی سے انکار نہ کرو۔ اس نے عرض کیا کہ چند شرائط کے ساتھ بادشاہی قبول کرونگا۔ حضور یہ شرائط پوری کرنے کا وعدہ فرمادیں تو پھر میں تخت وتاج قبول کرلوں گا۔ حضرت اقدس نے دریافت کیا کہ وہ کیا شرائط ہیں۔ عرض کیا پہلی شرط یہ ہے کہ میرے ملک میں طاعون اور وبا نہ آئے۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ نہیں آئے گی۔ دوم یہ کہ میرے ملک میں قحط نہ پڑے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ نہیں پڑے گا۔ اس نے کہا تیسری شرط یہ ہے کہ میری سلطنت میں قتال یعنی جنگ وجدل نہ ہو۔ آپ نے فرمایا وہ بھی نہیں ہوگا۔ اس نے کہا چوتھی شرط یہ ہے کہ جو گناہ مجھ سے یا میری رعایا سے صادر ہو اس کا وبال اس فیروز کی گردن پر نہ آئے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ نہ کسی دوسرے کی گردن پہ آئے گا نہ فیروز کی گردن پر آئے گا۔ یہ کہہ کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت مخدوم کی اس کلام کی برکت سے اس کی سلطنت میں کوئی خلل واقع نہ ہوا حتی کہ ایام پیری میں اس کو بادشاہی سے منع کردیا تاکہ اس بات کی زیادہ نمائش نہ ہو۔

حضرت خواجہ گنجشکرؒ قدس سرہٗ کے خلفاء

اس کے بعد حضرت خواجہ گنجشکرؒ

قدس سرہٗ کے خلفاء کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ کے خلفاء ویسے تو بیشمار تھے لیکن جیّد اور اکبر خلفاء کہ جن سے بہت فیض جاری ہوا ہے۔ یہی دو حضرات تھے اوّل حضرت مخدوم علی احمد صابرؒ۔ دوم حضرت سلطان المشائخ۔ اگرچہ حضرت قطب جمال ہانسوی قدس سرہٗ سے بھی سلسلہ جاری ہوا ہے لیکن ان کی نسبت کم اور تھوڑی ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد مولوی غلام احمد اختر نے عرض کیا کہ جب حضرت قطب جمال ہانسوی کی تمام اولاد نے سلسلۂ نظامیہ میں بیعت کر کے فیض حاصل کیا تو پھر سلسلہ جمالیہ نے کیسے شہرت پائی۔ آپ نے فرمایا چونکہ خواجہ برہان الدینؒ حضرت قطب جمال ہانسوی کے فرزند ہیں۔ خواجہ قطب الدین منور آپ کے پوتے ہیں اور خواجہ نور الدینؒ خواجہ قطب الدین منور کے فرزند ہیں اس لیے اگرچہ ان حضرات نے سلسلہ نظامیہ میں بیعت کی لیکن چونکہ نسبتی طور پر حضرت قطب جمال ہانسوی کی اولاد ہیں اس لیے ان کا سلسلہ جمالیہ مشہور ہو گیا۔

اس کے بعد مولوی مذکور نے عرض کیا کہ سلسلہ نظامیہ کے مریدین زیادہ ہیں یا سلسلہ صابریہ کے۔ آپ نے فرمایا کہ صابریہ سے نظامیہ زیادہ ہیں۔ جس طرح سلسلۂ سراجیہ کے مرید سلسلہ نصیریہ سے کم ہیں۔ اسی طرح سلسلہ صابریہ کے مرید نظامیہ سے کم ہیں۔

۱۔ حضرت خواجہ صاحب علیہ رحمۃ کی اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مخدوم صابرؓ حضرت خواجہ گنجشکرؓ کے خلیفہ اوّل تھے۔ نیز چونکہ وہ آپ کے بھانجے اور داماد بھی تھے اس لیے گھر کے فرد تھے اور شروع سے مرید ہو کر دیگر خلفاء سے بہت پہلے خلافت حاصل کر چکے تھے اور آپ کی تعیناتی ولایت کلیر شریف میں ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مخدوم صابرؓ کے مفصل حالات سیر الاولیاء اور فوائد الفوائد میں نہیں ہیں۔ بلکہ اجمالی ذکر ہے۔ یہ کتابیں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؓ کے اصحاب نے لکھی ہیں اور حضرت سلطان المشائخ جب پہلی بار حضرت خواجہ گنجشکرؓ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت مخدوم صابرؓ تقریباً دس سال پہلے خلافت حاصل کر کے کلیر شریف جا چکے تھے۔

مقبوس ۵ : بوقت عشاء دو شنبہ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

تلقین وظائف

ایک آدمی نے عرض کیا کہ مجھے پانچ رکوع قرآن شریف پڑھنے کی اجازت عطا فرمادیں۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے پڑھا کرو اس نے عرض کیا کہ کس وقت پڑھوں۔ فرمایا جس وقت موقعہ ملے۔ اس کے بعد ایک اور آدمی نے عرض کیا کہ یا حضرت اس سے پہلے آپ نے کلمہ طیبہ ایک سو بار پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ یہ کام میں عشاء کے بعد کرتا ہوں لیکن یہ تھوڑا ہے۔ اس سے زیادہ مرحمت فرمایا جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ عشاء کے بعد تین سو بار درود شریف اور تین سو بار سورۂ اخلاص پڑھا کرو۔ اور یہ وظیفہ ہمارے مشائخ کا عزیز ترین وظیفہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اوائل عمر میں میں نے کافی مدت تک یہ وظیفہ پڑھا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولانا فخر صاحب وصال رضی اللہ تعالٰی عنہ کا دستور یہ تھا کہ طلب علم کے زمانے میں وظیفہ نہیں بتاتے تھے۔ جب میں نے آں حضرت سے بیعت کی تو میرا طالب علمی کا زمانہ تھا مجھے آپ نے یہ وظیفہ بتایا۔ میں نے کافی عرصے تک یہ وظیفہ پڑھا۔ چونکہ میری طبیعت میں احتیاط کا پہلو بدرجہ کمال تھا۔ میں ہر تسبیح کے بعد دس دفعہ زائد پڑھ لیتا تھا اور کافی احتیاط سے پڑھتا تھا اس لیے ان چھ تسبیحوں پر کافی وقت صرف ہو جاتا تھا اس سے میری طبیعت پر بوجھ پڑنے لگا نیز رات کو مطالعہ کتب بھی کیا کرتا تھا۔ پس میں نے یہی بہانہ بنا کر حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ رات کے وقت کتابوں کا مطالعہ اور وظیفہ دونوں مشکل کام ہیں جس طرح ارشاد ہو اسی طرح عمل کیا جائے۔ میرا خیال تھا کہ حضرت شیخ فرمائیں گے کہ وظیفہ ترک کر دو اور مطالعہ جاری رکھو۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ پہلے مطالعہ کر لیا کرو۔ اس کے بعد وظیفہ پڑھا کرو۔

اس کے بعد حضرت اقدس نماز عشاء کے لیے کھڑے ہو گئے اور راقم کو آپ کے پہلو میں جگہ ملی۔ جب آپ نے تشہد (التحیات) پڑھی تو اس قدر صاف پڑھی کہ میں ایک ایک حرف

سنتا رہا۔ نماز سے فارغ ہوکر آپ وہیں بیٹھ گئے اور وظیفہ پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد تین سجدے کیے اور ہر سجدے میں سات بار سورہ فاتحہ پڑھی اور ہر سجدہ کے بعد تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی دیر تک بیٹھے رہتے تھے۔ بعد فراغت آپ اُٹھ کر پلنگ پر جا بیٹھے

حالات خواجگان کوٹ مٹھن شریف

اس کے بعد مولوی غلام احمدؐ اختر نے حضرت خواجہ فخر جہاں قدس سرہٗ صاحب وصال کے حالات بیان کرنے کے لیے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیاء صاحب روضہ (حضرت خواجہ محمد عاقل قدس سرہٗ) کی ولادت باسعادت سال ۱۱۴۹ھ میں واقع ہوئی اور وفات ۱۲۲۹ھ میں چنانچہ اہل کمال نے آپ کی تاریخ وصال اس مصرعہ میں نکالی ہے سے روز ہشتم بود از ماہ رجب ۱۲۲۹ھ

آپ کی عمر شریف اسی سال تھی۔ آپ کے فرزند حضرت خواجہ علی احمد قدس سرہٗ کی وفات نو شعبان ۱۲۳۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے فرزند حضرت خواجہ محبوب الٰہی (خواجہ خدا بخش صاحب یعنی خواجہ غلام فریدؒ کے والد) کی ولادت سال ۱۲۰۶ھ میں اور وفات بوقت عشا شب جمعہ تاریخ بارہ ذوالحجہ ۱۲۶۹ھ کو ہوئی۔ چنانچہ لفظ "خالدِ خلد" سے آپ کی تاریخ وصال نکلتی ہے آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ حضرت صاحب وصال (حضرت خواجہ غلام فخر الدین قدس سرہٗ جو حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے پیرادر بڑے بھائی تھے کی ولادت باسعادت سال ۱۲۳۴ھ میں اور وصال بروز دوشنبہ بوقت چاشت پانچ جمادی الاوّل ۱۲۸۸ھ ہوا۔ آپ کی عمر شریف چون سال تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ (خواجہ خدا بخش) کی عمر چوبیس سال تھی کہ حضرت خواجہ علی احمدؒ کا انتقال ہوگیا اور آپ کی عمر اٹھائیس سال تھی کہ خواجہ فخر جہاں صاحب وصال پیدا ہوئے۔ جب خواجہ محبوب الٰہی کی عمر شریف بچپن سال ہوئی تو میں (خواجہ غلام فرید) پیدا ہوا۔ جب حضرت محبوب الٰہی کا وصال ہوا تو حضرت صاحب وصال (مولانا غلام فخر الدین) پینتیس سال کے تھے اور میری عمر آٹھ سال تھی اور جب حضرت صاحب وصال کا وصال ہوا تو میری عمر ستائیس سال تھی۔ اس کے بعد فرمایا میرے شیخ حضرت فخر جہاںؒ اپنے والد حضرت قبلہ محبوب الٰہی (خواجہ خدا بخش صاحب) کے مرید، خلیفہ اکبر اور جانشین

تھے۔ آپ تمام ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے اور قطبیت عظمیٰ آپ کا مقام تھا۔ آپ نے ظاہری علم مولوی عبدالرحمٰن صاحب المعروف جوگی ساکن چاچڑاں شریف سے حاصل کیا۔ ایک دن مولوی صاحب مذکور نے حضرت قبلہ محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اکثر طالب علم شرح ملا اور شرح عقائد تک پہنچ گئے ہیں لیکن صاحب زادہ صاحب (مولانا فخر جہاں) ابھی مطول شروع کر رہے ہیں۔ دعا کریں۔ حضرت قبلہ محبوب الٰہی نے فرمایا کہ کتاب مطول لاؤ۔ جب کتاب لائی گئی تو آپ نے خود مولانا فخر جہاںؓ کو کتاب شروع کرائی اور کتاب کا بیشتر حصہ خود پڑھایا۔ آپ کی برکت سے حضرت صاحب وصال کو ملکہ کامل حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ علیہ رحمۃ خود فرمایا کرتے تھے کہ جب میں تحصیل علم سے فارغ ہوا تو میں اپنے اندر درس دینے کی استعداد محسوس نہیں کرتا تھا چنانچہ میں نے رات کو حضرت خواجہ فخرالدین دہلوی قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اے غلام فخرالدین تم درس کیوں نہیں دیتے۔ بے فکر ہو کر تدریس کا کام شروع کر دو۔ جس لفظ کا معنی سمجھ میں نہ آئے مجھ سے پوچھ لیا کرو۔ میں تجھے بتا دیا کرونگا۔ اس کے بعد میں نے درس شروع کر دیا۔

مشائخ کے مشرب میں معمولی فرق

اس کے بعد فرمایا حضرت مولینا فخر جہاں قدس سرہٗ کے عادات، عبادات اور تنظیم اوقات حضرت خواجہ محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے مطابق تھے۔ صرف تھوڑا سا فرق تھا۔ پہلا فرق یہ تھا۔ جہاں حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ تمام کتب متداولہ درسیہ کا درس دیتے تھے۔ حضرت مولانا فخر جہاں قدس سرہٗ کے درس میں کتب قواعد و درسیہ کم ہوتی تھیں لیکن کتب حدیث شریف مثل صحیح بخاری و مشکوٰۃ شریف وغیرہ اور کتب فقہ و تفسیر کثرت سے پڑھائی جاتی تھیں۔ خاص کر درس حدیث بمنزلہ فرض تھا۔ میں نے بھی شرح ملا آپ سے پڑھی ہے۔ دوسرا فرق یہ تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت حضرت محبوب الٰہی ایک ربع (پاؤ) کرتے تھے لیکن میرے حضرت نصف پارہ روزانہ پڑھتے تھے۔ تیسرا فرق یہ تھا کہ ختم خواجگان چشت اہل بہشت میں حضرت محبوب الٰہیؓ مداومت کرتے تھے لیکن حضرت قبلہ فخر جہاںؓ شروع میں اس

پر عمل کرتے تھے لیکن آواخر میں ترک کر دیا تھا۔ چوتھا فرق یہ تھا کہ وظیفۂ مغرب میں حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ دو گھنٹے مشغول رہتے تھے۔ ہمارے حضرت شروع میں اسی قدر لیکن بعد میں ایک گھنٹہ مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ علیہ رحمتہ اس قدر متقی اور پرہیزگار تھے کہ حضرت خواجہ محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عہدِ طفلی میں بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا لیکن انہوں نے یہ کام بھی نہیں کیا۔ اتباعِ سنتِ نبویہ میں آپ اپنے والد ماجد حضرت قبلہ محبوب الٰہی کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کئی بار جسمانی درد میں مبتلا ہوئے لیکن ساری عمر میں آپ سے صرف تین نمازیں فوت ہوئیں۔ آپ شدید درد کی حالت میں ہر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ کی ایک نماز ہمارے سامنے فوت ہوئی اور دو نمازیں ہم سے پہلے۔ لیکن ان تینوں نمازوں کو آپ نے بصورتِ قضا ادا کیا۔ نیز فرمایا کہ آپ دو دفعہ عارضۂ دُنبل میں مبتلا ہوئے۔ پہلی دفعہ وصال سے پانچ سال پہلے اور دوسری دفعہ جب اس مرض میں مبتلا ہوئے تو یہ مرض مہلک ثابت ہوا اور آپ کا اسی بیماری میں وصال ہوا۔ پہلا حملہ دوسرے سے زیادہ شدید تھا کیونکہ دوسرا دُنبل صرف آپ کے دائیں ہاتھ پر نمودار ہوا تھا۔ اگرچہ آپ کا وصال اسی مرض میں ہوا لیکن پہلے دُنبل کا درد نہایت شدید ہوتا تھا کیونکہ اس وقت آپ دو دنبل میں مبتلا ہوئے۔ ایک پشت مبارک پر دوسرا بائیں ہاتھ پر۔ پشت پر جو دنبل تھا وہ بہت سخت تھا اسے آواژ گون دنبل کہتے ہیں۔ اس وقت آپ کے بچنے کی امید نہیں تھی لیکن چونکہ ابھی زندگی باقی تھی۔ آپ نے یہ مصائب برداشت کیے اس کے بعد فرمایا کہ ان بیماریوں اور شدید درد و الم کے باوجود آپ ہمیشہ نماز باجماعت ادا کرتے رہے[۱]۔ اور ہر نماز کے لیے نیا تہ بند (چادر) بدلتے تھے۔ لیکن چادر کا بدلنا آپ کے لیے اس قدر مشکل تھا کہ جب کھڑے ہو کر چادر بدلتے تھے تو سارا جسم کانپتا تھا اور چہرہ متغیر ہو جاتا تھا لیکن اس تکلیف کے باوجود آپ طہارتِ بدن و طہارتِ جامہ کے لیے بے حد

۱- اس روایت سے ہمارے آج کل کے ان چشتی بھائیوں کی آنکھیں کھلنی چاہئیں جو خواجگانِ چشت کی طرح وحدت الوجود کے تو قائل ہیں لیکن وحدت الوجود کی آڑ میں نماز ترک کر دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ جب سب کچھ وہی تو کس کی نماز، کہاں کا روزہ۔

کوشاں رہتے تھے۔

حضرت فخر الاولیاء کا ذوقِ سخن

اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے شیخ قدس سرہ کو ذوق شعر و سخن غایت درجہ کا تھا۔ آپ کا کلام پُر ذوق اور حقائق و معارف سے لبریز ہے۔ چنانچہ آپ کا سارا کلام ایک دیوان کی صورت میں جمع کر لیا گیا ہے جس میں اسرار توحید و نکاتِ سلوک درج ہیں۔ آپ کا تخلص اوحدی تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے دل میں شعر گوئی کا شوق حضور حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ کے وقت سے تھا۔ مجھے یہ ڈر رہتا تھا کہ اگر میری شاعری کا علم حضرت اقدس کو ہو گیا تو ناراض ہوں گے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ کسی ایسے قدیم شاعر کا تخلص اختیار کیا جائے جس کا دیوان ہمارے ملک میں ناپید ہو چکا ہو۔ مجھے خیال آیا کہ اوحدی ایک پرانے بزرگ ہیں جن کا دیوان ہمارے علاقے میں ناپید ہے۔ اس لیے میں نے اوحدی تخلص اختیار کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخؒ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی چند غزلیں قوالوں کو یاد کرا دی تھیں۔ ایک دفعہ عرس کے موقعہ پر قوالوں نے میری یہ غزل گائی ؎

شعلۂ عشقت چو از آتش دل ما سوختہ　　　زد علم بیرون ز دل کون و مکان را سوختہ

(جب تیرے عشق کا شعلہ بلند ہوا تو اس نے میرا دل جلا کر خاک کر دیا بلکہ دل سے باہر نکل کر اس نے کون و مکان بھی جلا دیا۔ یعنی ماسوائے اللہ کا وجود میرے لیے ختم ہو گیا اور حق ہی حق رہ گیا)

اس غزل پر حضرت خواجہ محبوب الٰہی پر کیفیت طاری ہوئی اور گریہ و وجد طاری ہو گیا۔ مجلس کے اختتام پر آپ نے قوالوں سے دریافت کیا کہ یہ غزل کس شاعر کی ہے۔ چونکہ میں نے قوالوں کو یہ راز فاش کرنے سے منع فرمایا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ غالباً شیخ اوحدی اصفہانی کی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ بیشک شیخ کامل کا کلام ہے اور میں نے آپ کے یہ کلمات اپنے حق میں دعائے خیر سمجھے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ اوحدی اصفہانیؒ حضرت شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کے اشعار پر مشتمل ایک دیوان ہے جو حقائق و معارف سے لبریز ہے۔ آپ کا تخلص اوحدی تھا اور لفظ اوحدی میں یائے نسبت حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی کی طرف منسوب ہے۔ اس کے بعد فرمایا آج کل کے لوگوں کا خیال ہے کہ اگلے زمانے

کے بزرگ جو تخلص جی میں آتا تھا بلا وجہ اختیار کر لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ فخر العالم کے زمانے میں ایک آدمی تھا جس نے عبدی تخلص اختیار کر رکھا تھا حالانکہ عبدی سے کوئی معنی نہیں نکلتے۔ مہمل محض ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت صاحب وصال (مولانا غلام فخر الدین) پہ ذوق و وجد غالب تھا اور اکثر اوقات سرود اور غزلیں قوالوں سے سنتے رہتے تھے اور آپ پہ جوش کے ساتھ وجد طاری ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ عرس کے موقعہ پر حضرت بُلھے شاہ صاحب کی اس کافی پہ آپ پر وجد طاری ہو گیا ؎

اوس پڑتالی نچتا ہوں میں نوں جس گت یار نچایا ہے

ایک دفعہ اس شعر پہ آپ پر عرس کوٹ مٹھن شریف میں وجد طاری ہو گیا ؎

مگو کہ قطع بیابانِ عشق آسان است — کہ کوہ ہائے بلا ریگ این بیابان است

(یہ مت کہو کہ عشق کے بیابان کا طے کرنا آسان ہے۔ اس بیابان کے اندر مصائب کے پہاڑ کثرت سے موجود ہیں)

اس شعر پہ آپ نے اس قدر رقص کیا کہ حاضرین مجلس پر حیرت طاری ہو گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ کے کمالِ وجد و جوش کی دو علامات تھیں۔ ایک جھندگی (کودنا) جس میں آپ کی ٹانگیں تہ ہو جاتی تھیں اور گھٹنے بالکل بند ہو جاتے تھے۔ دوم آواز ہاہاہا جو جوش کامل سے دل سے نکلتی ہے۔

آپ وظائف کے وقت بھی جوش و خروش سے سماع سنتے تھے

اس کے بعد فرمایا کہ مجالسِ عرس کے علاوہ وظائف کے دوران اکثر چاشت کے وقت آپ پر جب غلبۂ حال ہوتا تھا تو قوالوں کو طلب کر لیتے تھے۔ قوال گاتے رہتے تھے اور آپ سنتے جاتے تھے۔ کبھی عشاء کے وظائف کے وقت بھی آپ پہ حالت طاری ہو جاتی تھی اور قوالوں کو بلا کر سماع سنتے تھے لیکن اکثر چاشت کے وقت زیادہ جوش ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں رات کے وقت پلنگ پر بیٹھے قوالی سنا کرتے تھے۔ نیز جب کبھی باہر سے صوفیانِ کرام میں سے مثل مولوی عثمان

آتے تھے تو آپ قوالوں کو بلا کر مجلس گرم کر لیتے تھے۔ جب مولوی صاحب مذکور پر وجد طاری ہوتا تھا تو ادب کے خیال سے آپ پلنگ سے اتر کر نیچے بیٹھ جاتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کوٹ مٹھن شریف میں عرس کے موقعہ پہ آپ پر ان اشعار پر وجد طاری ہوا اور ہاہاہا کے نعرے مارنے لگے ؎

دو عالم غرق انوارِ تجلی است   همه ذات بے خود ہمچو موسے است

(دونوں جہان محبوب حقیقی کے انوار کی تجلی میں غرق ہیں اور کائنات کا ہر ذرہ موسےٰ علیہ السلام کی طرح بے خود و مدہوش ہے۔ تم دوست کی طلب میں کیوں مجنوں بن کر سرگردان ہو۔ نظر کھولو اور دیکھو کہ ہر جگہ لیلےٰ جلوہ گر ہے)

دریائی سفر میں غلبہ حال

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی زیارت کے لیے روڑھی کا سفر درپیش ہوا۔ میں بھی حضرت شیخ (مولانا فخر جہاںؒ) کے ہمراہ تھا۔ ہم کشتی کے ذریعے کوٹ مٹھن سے روڑھی جا رہے تھے۔ کشتی پر کثرت سے لوگ سوار تھے۔ کشتی میں حضرت اقدس کے لیے ایک خلوت خانہ بنایا گیا تھا۔ جہاں بیٹھ کر آپ وظائف وغیرہ پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اس مقام پہ بیٹھے وظائف پڑھ رہے تھے کہ آپ پر حالت طاری ہوگئی اور گریہ غالب آگیا چنانچہ قوالوں کو بلا کر آپ سماع سننے لگے۔

مقبوس ۵۱: بوقت مغرب سہ شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ کتاب فوائد الفواد میں جو سیر الاولیا سے زیادہ اونچی کتاب ہے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین بدایونی قدس سرہٗ) کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ ہر سیّد جو سنی ہے صحیح النسب نہیں ہے۔ اس پہ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سادات اہل شیعہ صحیح النسب نہیں ہیں۔ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت

بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ظلم وستم کر کے باغ فدک چھین لیا تھا۔ یہ صدیق اکبر رضؓ پر محض بہتان اور افترا ہے کیونکہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ برحق تھے اور بہ حیثیت خلیفہ برحق باغ فدک آپ کے تصرف میں تھا (جس طرح چاہتے کر سکتے تھے) اس کے بعد فرمایا کہ شیعہ لوگوں نے سادات کے متعلق یہ مشہور کر رکھا کہ کسی شہر میں ایک سیّد رہتا تھا جس کا نام اجل شاہ تھا۔ اس کا ایک لڑکا تھا جو غلیل اٹھا کر پانی بھرنے والی عورتوں کے گھڑوں کو نشانہ بنا کر توڑ دیتا تھا۔ لوگوں نے ادب کی وجہ سے اجل شاہ کے ہاں اس کے بیٹے کی شکایت نہ کی لیکن عورتوں کے لیے لوہے کے گھڑے بنوا لیے تاکہ اس کے لڑکے کی گولیوں کا نشانہ نہ بن سکیں۔ یہ دیکھ کر اس لڑکے نے بھی لوہے کی گولیاں بنوا لیں اور بدستور عورتوں کے گھڑوں کو توڑتا رہا۔ لوگوں نے مجبور ہو کر اجل شاہ سے شکایت کی۔ اجل شاہ تلوار ہاتھ میں لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ یہ بیٹا میرا نہیں ہو سکتا۔ سچ سچ بتا دے ورنہ قتل کر دوں گا۔ چنانچہ اس نے اعتراف کیا کہ یہ لڑکا کسی اور شخص کا نطفہ ہے۔ پس اجل شاہ نے اعلان کر دیا کہ یہ میرا لڑکا نہیں ہے جس طرح چاہو اس سے سلوک کرو۔[۱]

مقبوس ۵۲: بوقت عشا پنجشنبہ یکم ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

دنیا کی عمر | اس دنیا کی عمر کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مجوس، ہنود اور بدھ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کی عمر اٹھارہ ارب سال ہے۔ اس میں سے

۱۔ یہ سادات کے صحیح النسب نہ ہونے کا کس قدر بودا ثبوت ہے۔ اوّل تو مٹی کی گولیوں سے پکے گھڑوں
۱۔ کا ٹوٹنا محال ہے اور پھر لوہے کی گولیوں سے لوہے کے گھڑوں کا ٹوٹنا کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔
دوسری بات یہ ہے کہ اگر فی الواقع یہ روایت صحیح ہے اور کسی شہر میں سید اجل شاہ رہتا بھی تھا تو کیا ساری دنیا کے سادات اُسی ایک شہر میں رہنے والے ایک حرامی لڑکے کی اولاد ہیں۔ جس شہر کا تاریخ نے نہ نام بتایا ہے نہ محل وقوع نہ کیفیت نہ ملک کا نام۔ اس روایت کا یقین اگر روایت گھڑنے والے جہلاء کر لیں تو کر سکتے ہیں۔ کوئی ذی عقل اور ذی شعور انسان اس کا باور نہیں کر سکتا۔

گیارہ ارب سال گذر چکے ہیں اور سات ارب سال باقی ہیں - فرمایا کہ حضرت داراشکوہ صاحب قدس سرہٗ نے ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کے اقوال کی تصدیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے یعنی قرآن شریف سے بھی دنیا کی مدت اٹھارہ ارب سال ثابت ہوتی ہے چنانچہ داراشکوہ نے یہ دو آیات پیش کی ہیں - آیۂ اول - یُدَبِّرُ الامْرَ مِنَ السماءِ الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہٗ الف سنۃ مما تعدون آیۂ دوم - تعرج الملٰئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہٗ خمسین الف سنۃ (اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک کے امور کی تدبیر کرتا ہے اور عروج کرتا اس کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار گنتی کے ایک ہزار سال ہیں - آیۂ دوم - ملائکہ اور روح اوپر جاتے ہیں - اس کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ ایک یوم سے مراد ایک سال ہے اور دوسرے یوم سے مراد ایک دن ہے - پس ہزار سال کو ایک سال کے تین سو ساٹھ دنوں سے ضرب دی جائے تو جواب تین لاکھ ساٹھ ہزار نکلتا ہے اور جب اس حاصل ضرب کو پچاس ہزار سے ضرب دی جائے تو جواب اٹھارہ ارب نکلتا ہے - چنانچہ مولوی غلام احمدؐ اور دیگر حساب دان لوگوں نے لالٹین کی روشنی میں کاغذ کے پرچے پر حساب لگا کر حضرت اقدس سے عرض کیا کہ واقعی جواب اٹھارہ ارب[1] نکلتا ہے - آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں عارفوں کا کلام ہے -

---

۱ - اٹھارہ ارب یہ حضرت داراشکوہ حضرت ملاشاہ لاہوری کے خلیفہ تھے جو حضرت میاں میر لاہوری کے خلیفہ ہیں - اس میں شک نہیں کہ حضرت داراشکوہ صاحب کشف بزرگ بھی تھے اور ہندو علم روحانیت سے بھی واقف تھے لیکن انہوں نے اپنی کتابوں میں خاص کر اپنی مشہور کتاب مجمع البحرین میں ہندو فلسفۂ روحانیت کی ہر بات کو اسلامی تصوف کی ہر بات سے تطبیق دینے کی جو کوشش کی ہے وہ سعی لاحاصل کے برابر ہے - نیز جن مندرجہ بالا دو آیات قرآنی سے داراشکوہ نے دنیا کی کل مدت اٹھارہ ارب سال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے - یہ استدلال بھی کسی ماہر علم ریاضی کی سمجھ میں نہیں آتا - یہ صحیح ہے کہ ایک سال کے تین سو ساٹھ دنوں کو ایک ہزار سے ضرب دی جائے تو جواب

اس کے بعد اس احقر نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور یوم بمعنی سال بھی آیا ہے۔ آپ نے آیۂ پاک کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَان تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس آیت میں لفظ یوم سے چند معانی مراد ہیں۔ یوم سے مراد لمحہ، ساعت اور روز اور سال ہے۔ چنانچہ ھو فی شان[1] کا اشارہ اسی معنی کی طرف ہے۔

بقیہ صہ۔ تین لاکھ ساٹھ ہزار آتا ہے اور تین لاکھ ساٹھ ہزار کو پچاس ہزار سے ضرب دی جائے تو جواب اٹھارہ ارب آتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آخر یہ دو دفعہ ضرب کا عمل کیوں کیا جائے۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں لکھا ہے کہ ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ایک سال کے تین سو ساٹھ دنوں کو آخر کیوں ایک ہزار اور پچاس ہزار میں ضرب دی جائے۔ یہ حساب دانی کا طریقہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ استدلال کسی ریاضی داں کی سمجھ میں آتا ہے۔ حضرت دارا شکوہؒ کا یہ استدلال ان کی اُسی خواہش کا نتیجہ جس کے تحت وہ ہندو فلسفہ کی ہر بات کو صحیح سمجھ کر قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ بات اچھی طرح نبھائی نہیں جا سکتی۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا ایک آیت میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ عالم بالا کے ایک دن کی مقدار اس دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے اور دوسری آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ عالم بالا کے ایک دن کی مدت اس دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ بادی النظر میں قارئین کہیں گے کہ ان دو آیات میں دو مختلف باتیں کیسے کہی گئی ہیں۔ ان دو بیانوں میں کیسے تطبیق ہو سکتی ہے اس بات کو سمجھنے کے لیے علم نجوم کا جاننا ضروری ہے۔ آج کل جن لوگوں نے چاند کا سفر کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ چاند پر دن رات کی مدت اور زمین پر دن رات کی مدت میں بڑا فرق ہے۔ زمین کے دن رات کی مدت کا تعین صرف اس وقت سے ہوتا ہے جس وقت میں ہماری زمین کا ایک حصہ آفتاب کی روشنی سے منور رہتا ہے اور یہ مدت تقریباً چوبیس گھنٹے ہے۔ لیکن دوسرے ستاروں پر اور چاند پر ایک دن رات کی مدت چوبیس گھنٹے ہونا ضروری نہیں۔ ان ستاروں پر دن رات کی مدت کا انحصار اُن کے آفتاب سے فاصلے اور دیگر امور پر ہے۔ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں یوم کی مقدار ایک ہزار سال اور دوسری آیت میں پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے۔ کیونکہ

رام چندر جی اور کرشن جی

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ سری کرشن جی اور رام چندر صاحب فقیر اور درویش تھے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمام اوتار اور رشی لوگ اپنے اپنے وقت کے پیغمبر اور نبی تھے اور ان میں سے ہر ایک کے

بقیہ صـ - یہ دونوں مقداریں دو علیحدہ علیحدہ مقامات کے متعلق ہیں۔ کسی تیسرے اور چوتھے مقام کے لیے یوم کی تعداد اس سے بھی مختلف ہو سکتی ہے۔ اسی طرح عالم بالا کے ہر مقام کے متعلق یوم کی مدت مختلف ہو سکتی ہے۔

لیکن قرآن مجید کی ان دو آیات سے اس دنیا کی مدت نکالنا حضرت دارا شکوہ نے معلوم نہیں کس طرح ثابت کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہندو فلسفہ میں مادہ کو ذات باری تعالیٰ کی طرح قدیم کہا گیا ہے جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ جب وہ لوگ دنیا کی مدت اٹھارہ ارب سال بتاتے ہیں تو ان کا مطلب یہ نہیں کہ اٹھارہ ارب سال کے بعد دنیا ختم ہو جائے گی اور قیامت آجائے گی۔ بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور اس کی بجائے دوسری دنیا پیدا ہو جائے گی۔ اس سلسلہ لامحدود کو وہ تناسخ یا آواگون کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو اسلام میں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ نیز مادہ کا حق تعالیٰ کی طرح قدیم ماننا بھی کفر ہے۔ لہٰذا ہندو دھرم کی ہر چیز کس طرح قرآن سے ثابت کی جا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر مذہب کے اصول روحانیت میں کچھ نہ کچھ مشابہت پائی جاتی ہے لیکن یہ ثابت کرنا کہ اسلامی علم روحانیت کی ہر بات کا جواب یا نظیر دوسرے مذاہب میں موجود ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ جہاں دوسرے مذاہب ایک خاص قوم اور ایک خاص وقت کے لیے تھے اسلام کی وہ شان ہے کہ ساری دنیا کے لیے ہے اور قیام قیامت تک ہے۔ اس لیے جو جامعیت حق تعالیٰ نے اسلامی تعلیمات میں رکھی ہے اس کا دوسرے مذاہب میں ملنا محال ہے چنانچہ باقی چیزوں کو چھوڑ کر صرف مسئلہ فنا اور بقا کو لیجئے۔ امتِ محمدیہؐ کے اولیاء کرام کی فنافی اللہ کے جن بلند ترین مقامات و منازل تک رسائی ہوئی ہے۔ دوسرے مذاہب کے ارباب روحانیت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے اور جہاں تک بقاباللہ کا تعلق ہے یہ ہی اولیاء امتِ محمدیہ کا خاصہ۔ دوسرے مذاہب میں جہاں فنافی اللہ کا ایک زیریں درجہ منزل مقصود تھا اور بقاباللہ

پاس کتاب ہے چنانچہ چار وید زبان سنسکرت میں اب بھی موجود ہیں اور ان میں سے ہر نبی لوگوں کی رسومات بد توڑنے کے لیے مبعوث ہوا۔ لیکن جب ہندو لوگوں میں برہمنوں کی قدر و منزلت حد سے زیادہ ہونے لگی۔ برہمنوں نے یہ مشہور کر دیا کہ خلق کی حق تک رسائی ان کی وساطت کے بغیر ناممکن ہے۔ ان فاسد عقائد کو مٹانے کے لیے مہاتما بدھ مبعوث ہوئے۔ انہوں نے حکم دے دیا کہ جو شخص برہمن کو قتل کرے گا نجات پائے گا۔ جب گاؤ پرستی کی رسم زور پکڑ گئی تو سری کرشن جی مبعوث ہوئے۔ جنہوں نے گاؤ پرستی کو ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ گائے کی کھال

بقیہ صـ سے ان کو کچھ حاصل نہ تھا۔ اولیائے امت محمدیہ فنا فی اللہ کے بلند ترین مقامات پر پہنچے فنائے تام تک ان کی رسائی ہوئی اور اس کے بعد نزول کی منازل طے کرتے ہوئے وہ باقی باللہ ہوئے اور امور دنیا اور ہدایت و رشد خلق کی طرف متوجہ ہوئے۔ دیگر مذاہب کی روحانیت میں تقابلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ مترجم کی کتاب مشاہدہ حق جس میں یہ مقامات و منازل تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کا ناشر مکتبہ المعارف۔ گنج بخش روڈ لاہور ہے۔

بقیہ صـ ۱۔ عارفین نے اس آیۂ پاک میں لفظ یوم سے مراد تجلی کی ایک جھلک لی ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ دن بھی آفتاب کی تجلی کی ایک جھلک ہے۔ لہٰذا آیۂ مذکور سے یہ معانی عارفین لیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی ہر تجلی کی نئی شان ہے۔ عارفین کا مشاہدہ کہ حق تعالیٰ کی تجلیات اس کثرت سے ہیں کہ بندگانِ خدا پر نزول تجلیات کے دوران ایک تجلی کا کبھی تکرار نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص پر ہر آن اور ہر لحظہ نئی نئی تجلیات کا ورود ہوتا ہے۔

۱۔ گاؤ پرستی بھی برہمنوں کی شرارت سے شروع ہوئی۔ ہندو مذہب میں شروع میں یہ دستور تھا کہ جب مندروں میں گائے کی کثرت سے قربانی ہوتی تھی تو برہمنوں کے پاس کثرت سے گوشت جمع ہو جاتا تھا چنانچہ انہوں نے حکم دے دیا کہ گائے ذبح کرنے اور قربانی دینے کی بجائے زندہ گائیں پیش کی جائیں اس تجویز سے وہ بیشمار جانوروں کے مالک بن کر مالدار ہو گئے۔ لہٰذا اپنی دولت بڑھانے کی خاطر انہوں نے گاؤ کشی قطعاً ممنوع کر دی اور زندہ جانور جمع کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ یہ رسم ہندو مذہب کا جزو بن گئی اور گائے کشی نہ صرف ختم ہو گئی بلکہ اس کی پرستش تک نوبت پہنچ گئی۔

پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور گائے کی قربانی کے علاوہ آپ کثرت سے گائیں ذبح کرتے تھے۔ ان لوگوں میں اگرچہ عادات اور عبادات کے فروع میں اختلاف ہے لیکن اصل سبب ایک ہے یعنی رجوع الی اللہ تعالیٰ اور توحید۔

مذہب زرتشت

اس کے بعد فرمایا کہ زرتشت صاحب کی نبوت بھی ایک طرح سے حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے تفترق امتی علیٰ ثلث و سبعین فرقۃ یعنی میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق مجوس (زرتشتی آتش پرست) کے ستر فرقے ہوں گے۔ یہود کے اکہتر، نصاریٰ کے بہتر اور مسلمانوں کے تہتر فرقے ہوں گے۔ چونکہ مجوس جو زرتشت کی امت ہیں کا ذکر اہل کتاب کے مقابلے میں آیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زرتشت صاحب بھی اپنے وقت کے نبی و پیغمبر تھے۔

مقبوس ۵۳: بوقت عشا جمعہ دوم ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

سادات مودودیہ

سادات کرام کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ سادات مودودیہ یعنی حضرت خواجہ مودود چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہمارے مشائخ عظام میں سے ہیں کی اولاد بے شمار ہے اور سارا خراسان سادات مودودیہ اور ان کے مریدین سے پُر ہے اور کوہستان کا وہ علاقہ جو کلات وغیرہ کے نام سے موسوم ہے اس میں بھی کثرت سے سادات مودودیہ اور ان کے مریدین پائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی سادات مودودیہ بہت ہیں۔ نیز فرمایا کہ حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس سرہٗ حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں۔

سلطان المشائخ اور سید جلال الدین بخاری اوچی کی رشتہ داری

اس کے بعد حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ حضور کیا سلطان المشائخ قدس سرہٗ بھی سید ہیں فرمایا ہاں آپ صحیح النسب سید بخاری

ہیں اور حضرت سید جلال الدین سُرخ بخاری اوچی قدس سرہٗ[۱] کے رشتہ دار ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین محمدؒ بن حضرت سید احمدؒ بن حضرت سید علیؒ اور آپ کی والدہ ماجدہ بی بی زلیخا۔ حضرت سید عربؒ کی بیٹی تھیں اور حضرت سید علیؒ اور سید عربؒ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ یہ دونوں بھائی حوادث روزگار کی وجہ سے بخارا سے ترک سکونت کر کے ہندوستان آئے اور اقامت پذیر ہوئے یہ حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاری اوچیؒ کے والد کا اسم گرامی بھی سید علی ہے اور اس سید علی کے والد اور حضرت سلطان المشائخ کے دادا سید علی و سید عرب کے والد ایک دوسرے کے چچا زاد بھائی تھے۔

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ کیا حضرت سلطان المشائخ کی اولاد اب دہلی میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا حضرت سلطان المشائخ نے ساری عمر عالم تجرّد میں گذاری اور شادی نہیں۔

نوٹ۔ مقبوس چودہ سے لے کر یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ حضرت اقدس کے قیام خانپور کے دوران لکھا گیا۔ آپ مع اہل و عیال و خدام سرکاری بنگلے میں قیام پذیر تھے۔ اس کے بعد جو کچھ لکھا گیا وہ ملتان کے قیام کے دوران لکھا گیا تھا۔

مقبوس ۵۴: بوقت نیم شب دوشنبہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

نماز قصر

احقر نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور ملتان میں جو قیام ہو گا۔ اس کے دوران نماز پوری پڑھی جائے یا قصر۔ آپ نے فرمایا ہم پندرہ دن سے زائد قیام کی نیت سے آئے ہیں۔ اس لیے نماز پوری پڑھیں گے۔

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ننہیال بھی حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بات شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب انفاس العارفین میں بیان کی ہے۔

مقبوس ۵۵ :- بوقت عصر روز دو شنبہ ۵ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

آداب مجلس سماع

ایک شخص عرض کر رہا تھا کہ فلاں جگہ ایک بزرگ کا عرس تھا میں مجلس سماع میں شامل ہوا لیکن مجلس میں بچے بہت تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ کتاب اقتباس الانوار میں لکھا ہے کہ شیخ سوندھا جو بڑے بزرگ تھے کے وقت میں ایک دن مجلس سماع گرم تھی۔ شیخ سوندھا اور دوسرے سالکین اور صوفی لوگ موجود تھے۔ ان حضرات پر بڑی کیفیت طاری تھی اور ساری مجلس میں آہ وفغاں کے نعرے لگ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد یہ سارا ذوق وشوق اور جوش وخروش بند ہوگیا اور معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس سے سب لوگ حیران ہو کر شیخ سوندھا کی طرف متوجہ ہوئے۔ شیخ سوندھا نے فرمایا کہ اس مجلس میں حضرت شیخ المشائخ خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار روشی کاکیؒ شامل تھے اور مجلس کا یہ ذوق وشوق ان حضرات کی صحبت کی برکت سے تھا اب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں شمولیت کی خاطر تشریف لائے تھے لیکن لیکن جب آپ نے دیکھا کہ مجلس میں بے ریش لڑکے بھی بیٹھے ہیں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے اور حضرت خواجہ بزرگ اور خواجہ قطب الاقطاب بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت کی خاطر اٹھ کر چلے گئے ہیں۔ اس وجہ سے معاملہ سرد پڑ گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن کوٹ مٹھن شریف میں حضرت سلطان الاولیاء صاحب الروضہ (حضرت خواجہ قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ) کے عرس کے موقعہ پر حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ کی طبیعت ناساز تھی۔ آپ نے حضرت خواجہ فخر جہاںؓ کو فرمایا کہ آج مجلس میں آپ چلے جائیں۔ جب آپ مجلس میں داخل ہوئے تو ایک شخص پر وجد طاری ہوا اور اٹھ کر رقص کرنے لگا۔ اس حالت میں پہلے اس نے عمامہ (پگڑی) اتار کر قوالوں کو دی۔ اس کے بعد چادر اور چادر کے بعد کرتہ اور کرتہ کے بعد شلوار کی نوبت آئی تو اس نے شلوار

اتار کر قوالوں کو دے دی اور ننگا ہو کر مجلس میں رقص کر رہا تھا اور رھا ھو کے نعرے لگا رہا تھا - یہ دیکھ کر حضرت مولانا فخر جہاں قدس سرہٗ بہت غصے ہوئے لیکن چونکہ آپ کے چچا بزرگوار حضرت خواجہ تاج محمود ؒ بھی مجلس میں کھڑے تھے - انہوں نے ادباً کچھ نہ کہا اور انکی وجہ سے کسی دوسرے کی بھی مجال نہ تھی کہ کچھ کہتا - یا چادر اور تہ بند دیتا - آخر حضرت مولانا فخر جہاں قدس سرہٗ رنجیدہ ہو کر مجلس سے باہر چلے گئے - جب یہ بات حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے سامنے بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے سوچو تا کیوں نہ اس کے سر پر مارا - اس کو یہ خبر تو تھی کہ کپڑے قوالوں کو دیے جائیں لیکن یہ خبر نہ تھی کہ ننگا پن ڈھانپ لے -

مقبوس ۵۶ :- بوقت عشا سہ شنبہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور میں نے سُنا ہے کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی غریب نواز رحؒ نے حضرت سلطان الاولیاء صاحب روزہ (حضرت خواجہ محمد عاقل قدس سرہٗ) کو مولوی نور محمد برڑا ؒ کے متعلق حکم دیا تھا کہ اس بھورے (گورے) نوجوان کا خیال رکھنا - حضرت اقدس نے فرمایا کہ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ یتیم ہے کیونکہ اس کا پیر فوت ہو گیا ہے - اس کے بعد حضرت سلطان الاولیاء (قاضی صاحب قدس سرہٗ) ان کو ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی جی وظیفہ کرو وظیفہ کرو - لیکن چونکہ مولوی صاحب کو ان دنوں اس بات کا خیال نہ تھا - ہر دفعہ یہی جواب دیتے تھے کہ چونکہ حضور اقدس کے دامن کے نیچے پڑا ہوا ہوں - مجھے یقین ہے کہ ایمان سلامت لے جاؤں گا - محنت کی کیا ضرورت ہے - آخر ایک دن حضرت سلطان الاولیاء نے سختی سے فرمایا کہ وظیفہ کرو اور سلوک میں داخل ہو جاؤ - انہوں نے عرض کیا کہ قبلہ پہلے مجھے یہ بتا دیں کہ میں کچھ بن جاؤں اور مقصود کو پہنچ جاؤں گا - اس کے بعد وظیفہ شروع کروں گا - سلطان الاولیاء نے فرمایا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آخر عمر میں مقصود کو پہنچ جاؤ گے - اور یہ بھی فرمایا کہ اس چیز کی میں تمہیں ایک علامت بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم جاؤ اور رات کو وظیفہ شروع کرو - اگر اس وقت رات کو کوئی شخص تجھے شیرینی

مولوی نور محمد برڑا ؒ

لا دے تو سمجھ لو کہ مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔ پس مولوی صاحب چلے گئے اور رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ مسجد میں جا کر وظیفہ پڑھنے لگے۔ اور دل میں یہ تھا کہ نہ اس وقت مجھے کوئی شیرینی دے گا نہ میں وظیفہ پڑھتا رہوں گا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص چادر اوڑھے آیا اور شیرینی کا ایک تھال لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ مولوی صاحب نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ کون ہو۔ لیکن اس نے کچھ نہ کہا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ یہ لو یہ لو اور غیب ہو گیا۔ اس وقت مولوی صاحب کو یقین آیا کہ علامت پوری ہو گئی ہے اور کام بن جائے گا۔ پس دل و جان سے کام میں مشغول ہو گئے اور روز بروز ترقی کرنے لگے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مولوی نور محمدؒ (مذکور) کو خلافت حضرت مولوی عبداللہ صاحب ٹھٹھار احمد پوریؒ سے ملی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور اس غلام نے سنا ہے کہ ان کو خلافت حضرت سلطان الاولیاءؒ سے ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں درست ہے۔ انکو حضرت سلطان الاولیاء سے بھی اجازت بیعت ملی ہے۔ میں نے خود اپنے شیخؒ سے سنا ہے کہ انکو اجازت بیعت حضرت سلطان الاولیاء سے ملی لیکن خرقۂ خلافت[1] مولوی صاحب احمد پوریؒ سے ملا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص تھا جس کا نام محمود تھا اور وہ حضرت مولوی نور محمدؒ صاحب کے خاص مریدین اور خدمت گاروں میں سے تھا۔ ایک دن میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم کتنا عرصہ مولوی نور محمدؒ صاحب کی خدمت میں رہے ہو اور ان کو مولوی عبداللہ احمد پوری سے کس قدر رابطہ تھا۔ اس نے جواب دیا کہ ان کو مولوی صاحب کے ساتھ اس قدر تعلق قوی تھا کہ جب جب ان کا وصال ہوا تو کہتے تھے کہ ان کا روضہ میں بنوا دوں گا۔ یہ ان کا مجھ پر حق ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگرچہ میرے شیخ کا قول صحیح اور صادق ہے۔ محمود کی گواہی سے

۱۔ اجازت بیعت اور خلافت میں یہ فرق ہے کہ بیعت کی اجازت کو خلافت نیابتی سے موسوم کیا جاتا ہے اور صاحب بیعت جب کسی شخص کو بیعت کرتا ہے تو اپنے شیخ کے نام پر داخل سلسلہ کرتا ہے۔ لیکن خلافت ملنے کے بعد وہ اپنے نام پر داخل سلسلہ کر سکتا ہے۔ اس لیے اجازت بیعت کو خلافت نیابتہ اور دوسری خلافت کو خلافت مطلقہ کہا جاتا ہے۔

بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

حسن و جمال کی وجہ سے ایک عورت نوازی گئی

اس کے بعد فرمایا کہ مولوی نور محمدؒ صاحب کی آمد و رفت

حضرت قبلہ عالمؓ کی خدمت میں کثرت سے ہوتی تھی۔ راستے میں ایک گاؤں تھا جہاں ایک خوبصورت اور نیک سیرت عورت رہتی تھی۔ وہ گھر سے روانہ ہو کر رات اس گاؤں میں بسر کرتے تھے اور اس عورت کو وہ بہن کہہ کر پکارتے تھے اور رات ان کے ہاں رہتے تھے۔ ایک دن حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ اس علاقے میں تشریف لے گئے اور اتفاق سے مولوی نور محمدؒ بھی ہمراہ تھے۔ حضرت قبلۂ عالم کی عادت تھی کہ جس جگہ عصر کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا تھا رات بھی اسی جگہ بسر فرماتے تھے۔ اتفاقاً جب اس گاؤں کے قریب آپ پہنچے تو نماز ظہر کا وقت تھا۔ حضرت قبلہ عالمؓ اپنے اصحاب سمیت وہاں اترے اور نماز ظہر ادا کی۔ مولوی صاحب کے دل میں یہ حسرت تھی کہ اس دفعہ اس ماہ پارہ کے جمال سے محروم رہ گئے کیونکہ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت شیخ روانہ ہو جائیں گے اور جہاں عصر کی نماز پڑھیں گے رات کو اسی جگہ قیام فرماویں گے۔ کاش کہ آپ رات اسی جگہ بسر کرتے۔ حضرت قبلۂ عالمؓ روشن ضمیر تھے۔ اس کے دل کی بات سے آگاہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ کوزہ میں پانی لاؤ۔ ضرورت بشری کے لیے صحرا میں جاتا ہوں۔ جب کوزہ لایا گیا تو آپ نے مولوی نور محمدؒ کو فرمایا کہ کوزہ اٹھا لو۔ جب جنگل میں پہنچے تو حاجت بشری تو ایک بہانہ تھا۔ آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ عرصہ ہوا کسی خوبصورت کو نہیں دیکھا۔ لہٰذا آج رات اسی گاؤں میں قیام کرتے ہیں شاید کسی خوبرو کا دیدار ہو جائے۔ یہ سن کر مولوی صاحب خوش ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ حضور اس گاؤں میں ایک عورت ہے جو نہایت ہی حسینہ اور جمیلہ ہے اور میں نے اسے بہن بنایا ہوا ہے۔ جب کبھی حضور کی خدمت آتا ہوں رات اس کے گھر پہ بسر کرتا ہوں اور اس کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ چنانچہ مولوی صاحب کی خاطر حضرت قبلۂ عالم نے رات اسی گاؤں میں بسر کی۔ مولوی صاحب اس پاکدامن عورت کو بھی آپ کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا کہ اسے بیعت سے مشرف کریں۔ اس گاؤں میں ایک مکان خالی کرایا گیا تھا۔ آپ نے

اس مکان میں اس عورت کو بیعت فرمایا اور ایک گھنٹے تک اس کو اوراد اور وظائف تعلیم کرتے رہے۔ اس اثنا میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ عورتوں کو بیعت کرنے کا دستور یہ تھا کہ جب تک کسی دوسرے شخص کو نہیں بٹھاتے تنہائی میں کسی عورت کو بیعت نہیں کرتے۔ لیکن یہ اس عورت کی خوش قسمتی تھی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ نہایت ہی منتقی تھے۔ ایک گھنٹے تک اسے تنہائی میں بیعت کیا اور وظائف تعلیم فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت قبلہ عالم رضؓ کے خلیفہ حضرت خواجہ نور محمد نارووالہؒ کا وصال ہوا تو مولوی نور محمدؒ صاحب کو سخت صدمہ ہوا اور جب حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو مولوی صاحب اور بھی آتش غم والم میں جلنے لگے۔ دس بارہ سال کے بعد ان کا گذر اس گاؤں سے ہوا جہاں وہ عورت رہتی تھی۔ جب اس سے ملے تو کیا دیکھتے ہیں وہ نہایت ہی عبادت گذار اور کمزور ہو چکی ہے۔ اس نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ بھائی اچھا ہوا آپ آگئے۔ میں نے آپ سے بہت سی چیزیں دریافت کرنی ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی کیفیت بیان کی۔ اس کی باتیں سن کر مولوی صاحب نے کہا میری بہن یہ باتیں جو تم مجھ سے پوچھ رہی ہو مجھے ان کی مطلق خبر نہیں ہے۔ اور یہ باتیں مجھ سے بالاتر ہیں۔ حضرت قبلہ سلطان الاولیاء (حضرت قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ) زندہ ہیں ان سے دریافت کروں گا۔ چنانچہ قبلہ عالم رضؓ کے عرس سے فارغ ہو کر اس نے اس عورت کو ہمراہ لیا اور حضرت سلطان الاولیاء قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آپ نے بھی ایک گھنٹہ تک اس سے تنہائی میں باتیں فرمائیں اور جب باہر تشریف لائے رو رو کر یہ فرما رہے تھے کہ سبحان اللہ کہ میرے شیخ رضؓ (حضرت قبلہ عالمؒ) کی ایک گھنٹہ کی صحبت سے یہ عورت اس قدر بلند مقامات پر پہنچ گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ مولوی نور محمدؒ صاحب کو حضرت سلطان الاولیاء سے بھی اجازت بیعت تھی لیکن وہ ڈرتے تھے اور کم مرید بناتے تھے۔ حتیٰ کہ جب مولوی عبداللہ صاحب احمد پوریؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تو مریدین کی تعداد بڑھ گئی۔ اور ان کو خلافت ملنے کا قصہ یوں ہے کہ حضرت مولوی عبداللہ صاحب کا دستور یہ تھا کہ جب حضرت سلطان الاولیاء قدس سرہٗ کے عرس پر آئے تھے روضۂ مطہرہ کے گرد طواف کرتے تھے اور جوش میں آکر ہا ہا کرتے تھے اور رقص کرتے تھے اور اس حال میں مغلوب ہو کر کبھی تالاب میں غوطہ لگا کر اور کپڑے

تر کر کے طواف کرتے رہتے تھے۔ ایک دن غوطہ لگا کر تالاب سے باہر آئے اور پیراہن اُتار کر مولوی نور محمد صاحب کو پہنا دیا اور فرمایا کہ اے مولوی جب تجھے حضرت سلطان الاولیاء سے اجازت بیعت ہے لوگوں کو بیعت کیوں نہیں کرتے۔ اب بلاخوف لوگوں کا ہاتھ پکڑ اور بیعت کر۔

سید محمدؒ مصنف بحر المعانی

اس کے بعد مشائخ کرام کی عمروں کا ذکر ہونے لگا۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور سنا ہے کتاب بحر المعانی کے مصنف کی عمر تین سو سال تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا یہ بات صحیح نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ان کی عمر ایک سو چالیس سال تھی یا کچھ کم و بیش۔

اس کے بعد فرمایا کہ بحر المعانی کے مصنف سید محمدؒ کے والد بزرگوار سید جعفر مکی شریف مکہ[1] تھے۔ سید جعفر مکی کے ایک چچا تھے جن کا نام سید عون تھا۔ اس نے سید جعفر کے ساتھ جنگ کر کے غلبہ حاصل کیا اور سید جعفر مکہ معظمہ چھوڑ کر ہندوستان آ گئے اور کچھ عرصے کے بعد صوبہ دہلی کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ جب سید محمدؒ کی عمر اٹھارہ سال ہوئی تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر امام العارفین حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا دیا اور بیعت سے مشرف کرایا اور یہ عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو حضور کا غلام بنایا ہے اور خدمتگاری کے لیے خدمت اقدس میں سپرد کیا ہے۔ حضرت سید محمدؒ نے بائیس سال حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر شرف صحبت حاصل کیا۔ ان کے ذمہ تین خدمات تھیں۔ اوّل حضرت شیخ کے حجرہ کا چراغ روشن کرنا دوم وضو کرانا، سوم استنجا کے ڈھیلے بیت الخلاء میں رکھنا۔ اس کے بعد فرمایا کہ سید محمدؒ بن سید جعفر مکی فرماتے ہیں کہ استنجا کے ہر ڈھیلے کو پہلے میں اپنے رخسار پر مل کر اس قدر ملائم کرتا تھا کہ میرے چہرے کا خراش ہونا بند ہو جاتا تھا۔ اور اس کے بعد اُسے بیت الخلاء میں رکھتا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان سید محمدؒ قدس سرہٗ کا شمار مشائخ عظام میں ہوتا ہے۔ آپ کثیر الدعوٰے تھے اور تین سو اسی کامل مکمل اولیاء کرام سے آپ نے اپنے پیر کے فرمان کے مطابق خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاءُ واللّٰہ ذو الفضل العظیم

۱۔ یہ ایک سرکاری عہدہ ہے جسے آج کل گورنر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل کرنے والا ہے)

زندہ صحابیٔ رسولؐ کی زیارت

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضور سنا ہے ان سید محمد جعفر مکی قدس سرہٗ کی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک صحابی سے بھی ملاقات ہوئی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا ہاں یہ بات صحیح ہے۔ آپ نے حضرت صفوان بن قصی رضی صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے جو ایک پہاڑ کی غار میں رہتے تھے۔ آپ نے ان سے خرقہ خلافت بھی حاصل کیا ہے لیکن یہ حکایات عالم باطن سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ قبلہ آیا یہ صحابی بھی ان تین سو اسی مشائخ میں شامل ہیں جن سے انہوں نے خلافت حاصل کی۔ آپ نے فرمایا ہاں شامل ہیں۔

مشائخ صابریہ کی بدولت سلسلہ جمالیہ پھر سے جاری ہوا

اس کے بعد فرمایا کہ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشائخ کی عمریں بھی بہت دراز تھیں۔ اگرچہ بعض مؤرخین نے غلطی بھی کی ہے۔ چنانچہ اقتباس الانوار کے مصنف نے سیر الاقطاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ قطب جمال ہانسوی رح کا سلسلہ شیخ جلال الدین پانی پتی صابری رح کی دعا سے جاری ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ قطب جمال قدس سرہٗ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے خادم سے کہا کہ آج فلاں سرائے میں جاؤ وہاں فلاں شکل و حلیہ کا ایک جوان مسافر تازہ وارد ہوگا۔ اس کو میرے پاس لے آؤ۔ خادم چلا گیا اور اس نے دیکھا کہ اسی شکل اور حلیہ کا ایک جوان سرائے میں بیٹھا ہے اور وہ آدمی شیخ جلال الدین رح پانی پتی تھے۔ خادم ان کو حضرت خواجہ قطب جمال رح کے پاس لے آیا۔ آپ نے اُن سے کہا کہ اے شیخ جلال الدین دعا کرو کہ میرا سلسلہ میری اولاد سے جاری ہو جائے۔ انہوں نے دعا کی اور یہ ان کی دعا کی برکت ہے کہ سلسلہ جمالیہ جاری ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اقتباس الانوار کے مصنف نے سیر الاقطاب کی یہ روایت قبول نہیں کی کیونکہ یہ صریحی جھوٹ ہے اس وجہ سے کہ حضرت شیخ علی احمد صابر قدس سرہٗ کے ہم زمان تھے۔ اپنی عمر ختم کر کے اس دنیا سے چلے گئے۔ ان کے بعد ان مرید و خلیفہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رح بھی چلے گئے اور ان کے مرید شیخ جلال الدین کی عمر صابریہ سلسلہ کی کتابوں میں اسی سال لکھی ہے۔ یہ بھی روایت

ہے کہ شیخ جلال الدین پانی پتی نے اپنی عمر میں سے دس سال حضرت مخدوم جہانیاں اوچی قدس سرہٗ کو جو (چشتیہ سلسلہ میں) حضرت چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے دی تھی۔ لہٰذا یہ قول کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ شیخ جلال الدینؒ کو خواجہ قطب جمال ہانسوی کی صحبت ملی تھی۔ ہاں اگر ان کی عمر سو سال ہے تو پھر صاحب سیر الاقطاب کا قول صحیح ہے۔

اس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور شیخ جلال الدین پانی پتی کی دعا سے سلسلہ جمالیہ کا جاری ہونا کیا معنی رکھتا ہے جب کہ خواجہ جمال الدین ہانسویؒ کی اولاد کا سلسلہ نظامیہ ہے۔ ان کا سلسلہ صابریہ ہوتا تو پھر یہ بات صحیح ہوتی۔ اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا۔ جب حضرت خواجہ قطب جمال ہانسویؒ کا وصال ہوا تو آپ کی اہلیہ اپنے بیٹے حضرت برہان الدین کو جن کی عمر اس وقت سات سال تھی اٹھا کر حضرت شیخ الشیوخ العالم خواجہ گنجشکر قدس سرہٗ کی خدمت میں بیعت کی خاطر لے گئیں۔ آپ نے ان کو بیعت کیا اور اسی وقت خرقۂ خلافت بھی پہنا دیا۔ لیکن اُن کے فرزند حضرت خواجہ قطب الدین منورؒ نے خلافت حضرت سلطان المشائخ سے حاصل کی۔

حُسن پرستی

اس کے بعد حسن پرستی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا مجھے ساری دنیا میں دو چیزیں محبوب ہیں۔ ایک سماع (قوالی) دوسرے حسن پرستی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بیشک سماع ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر مشائخ کرام متفق ہیں لیکن حسن پرستی پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔ تم نے یہ نہیں سنا ؎

کہ ایں حظِ نفس است وآں قوتِ جان

(یعنی حسن پرستی لذتِ نفس ہے اور سماع غذائے روح)

چونکہ حسن پرستی میں لذتِ نفس کا نہ ہونا مشکل ہے۔ اس لیے مشائخ عظام نے اس سے منع کیا ہے۔ اس کے بعد پھر اس شخص نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور شیخ اوحد الدین کرمانیؒ اور شیخ فخر الدین عراقیؒ نے بھی حسن پرستی کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان دو حضرات کے علاوہ شیخ احمد غزالیؒ نے بھی حسن پرستی کی ہے۔

جوازِ سماع

اس کے بعد فرمایا کہ جہاں تک سماع کا تعلق ہے۔ فی حد ذاتہ یعنی اپنی ذات سے پاک و حلال ہے۔ جس سماع کو حرام کہا گیا ہے وہ حرام چیزوں

کے شامل ہونے سے حرام ہوا ہے مثلاً جب دولت مند لوگ سماع سنتے ہیں تو شراب کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور ہنسی مذاق اور بے ہودہ باتوں سے پرہیز نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ مجلس سماع میں عورتوں اور بے ریش لڑکوں کے شامل ہونے سے بھی سماع ناجائز ہو جاتا ہے۔ اگر غیر شرع چیزیں نہ ہوں تو سماع حلال ہے۔ چونکہ مشائخ عظام اپنی مجالس میں ان چیزوں کو شامل نہیں ہونے دیتے لہٰذا ان کا سماع اپنی اصلی حالت پہ آ جاتا ہے یعنی جائز ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اُسی شخص نے عرض کیا کہ حضور جب شیخ اوحد الدین کرمانیؒ پر مجلس سماع میں وجد طاری ہوتا تھا تو بے ریش لڑکوں کے سینے سے پیراہن اٹھا کر اپنا سینہ ان کے سینے سے لگاتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے۔ اس کے بعد اُسی آدمی نے عرض کیا کہ حضور سُنا ہے کہ شیخ فخر الدین عراقی قدس سرہٗ بے ریش لڑکوں کو سجدہ کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا سجدہ نہیں کرتے تھے بلکہ اُن کے پاؤں چومتے تھے۔ اور اپنی آنکھیں اُن کے پاؤں سے لگاتے تھے۔

ایک دفعہ جب مصر سے شام کی طرف روانہ ہوئے تو بادشاہِ مصر نے شام کے گورنر کو خط لکھا کہ میرے پیر تمہاری ولایت میں آ رہے ہیں ان کے ساتھ کمال ادب سے پیش آنا اور عزت و تکریم کرنا جب حضرت شیخ ملک شام کی سرحد پہ پہنچے تو گورنر اپنے تمام ارکانِ دربار اور امراء کو لے کر استقبال کے لیے آ پہنچا۔ اس گورنر کا لڑکا نہایت حسین و جمیل تھا۔ جب شیخ کی نظر اس لڑکے پر پڑی تو سواری سے اتر کر اس کے پاس گئے اور اس کے پاؤں پر بوسے دینے لگے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ حیران ہوئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور زیرِ لب کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے۔

حسن مجازی سے حسن حقیقی کا مشاہدہ افضل و اعلیٰ ہے

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ شمس الدین تبریزیؒ نے شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کے پاس جا کر دریافت کیا کہ آج کل آپ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ چاند کا پانی کی طشت (تھال) میں مشاہدہ کرتا ہوں۔ حضرت شمس الدینؒ نے فرمایا کہ اگر تمہاری گردن پہ دنبل (پھوڑا) نہیں تو چاند کو آسمان پہ کیوں نہیں دیکھتے[ا]۔ یہاں حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کا اشارہ مجاز کی طرف تھا

ا۔ چاند کو پانی طشت میں دیکھنے سے ان کی مراد یہ ہے کہ حسن ازلی کا مشاہدہ خلقت کے حسن میں کرتا

باقی بر صفحہ

شیخ روزبہان بقلی کے قول کی تشریح

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت شیخ روزبہان بقلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مولف تفسیر عرائس البیان) فرمایا کرتے تھے کہ مجلس سماع میں امارد (بے ریش لڑکوں) کا ہونا لازمی ہے۔ لیکن دوسرے تمام مشائخ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے اور شیخ روزبہان بقلیؒ کے قول کو فتویٰ کے طور پر نہیں مانا۔ یعنی یہ قول ان کی اپنی ذات کے لیے ہے۔ باقی لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ روزبہان بقلیؒ کے قول کا مطلب دراصل یہ ہے کہ قوال بے ریش ہونے چاہیئں تاکہ خوش آواز ہوں نہ یہ کہ بے ریش لڑکے سماع سننے میں شامل ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بزرگوں کی باتوں کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیئے (عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ مے ماند نوشتن شیر و شِیر

شیر آں باشد کہ ہر دم مے خورد شیر آں باشد کہ مردم را خورد

یعنی اولیائے کرام کی باتوں کا اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ اگرچہ لفظ شیر اور شِیر دونوں ہم شکل ہیں لیکن شیر یعنی دودھ وہ ہے جس کو آدمی کھاتے پیتے ہیں اور شیر (جانور) وہ ہے جو آدمی کو کھاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اولیائے کرام عام آدمیوں کے ہم شکل ہوتے ہیں لیکن دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جب اولیائے کرام حسن پرستی میں مشغول ہوتے ہیں تو نفسِ امارہ سے کلی طور پر پاک ہونے کی وجہ سے اس کے شر سے محفوظ ہوتے ہیں لیکن عام لوگ حسن پرستی

بقیہ ص ۔ ہوں لیکن شاہ شمس الدین تبریزی کا مقام زیادہ بلند تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہاری گردن میں دُنبل یعنی نقص دید کی وجہ سے ہے۔ اگر تمہاری حالت ارفع و اعلیٰ ہوتی تو براہ راست محبوب حقیقی کے حُسن و جمال کا مشاہدہ کرتے۔ بالفاظِ دیگر سالک کو طالب ذات ہونا چاہیئے۔ طالب صفات نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مقام صفات سے مقام ذات زیادہ بلند و برتر تھے۔ مقامِ صفات متوسطین کا مقام ہے اور مقام ذات منتہیوں کا مقام ہے لیکن مقامِ ذات سے بھی زیادہ ارفع و اعلیٰ مقام ذات بَحت ہے۔ یا ذات لا تعیّن جس کو فنا الفنا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اولیائے اَخص یعنی خاص الخاص کا مقام ہے۔ اس کے بعد بقا باللہ ہے جو مقام نزول اور عبدیت یا دوئی ہے مترجم

کریں تو گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ مترجم)

عورتوں کی آواز سے پرہیز لازمی ہے

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ مخدوم کریم حیدر ساکن اوچ شریف جو حضرت محبوب الٰہیؒ (حضرت خواجہ خدا بخش قدس سرہٗ) کے خلیفہ تھے ۔ اپنے گھر کے اندر وظائف میں مشغول تھے ۔ اس وقت ان کے بھائی مخدوم نوبہار کے گھر میں جو کچھ فاصلہ پر تھا طوائف گا رہی تھیں ۔ جب ان کی آواز مخدوم کریم حیدرؒ کے کانوں میں پہنچی تو اس سے ان کو ذوق ہوا ۔ جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ عرض کیا ۔ آپ نے فرمایا مخدوم جی عورتوں کی آواز سے پرہیز کرنا چاہیئے

شریعت زراعت کیلئے گرد باڑ کا کام دیتی ہے

اس کے بعد فرمایا کہ حافظ غلام رسول ساکن چاچڑاں شریف بڑے عبادت گزار، سالک اور زہد و تقویٰ سے مزیّن تھے ۔ یہاں تک کہ چالیس سال تک انہوں نے نہ سر کو تیل لگایا نہ کنگھی کی ۔ وہ بیوی بچوں سے علیٰحدہ رہتے تھے اور سخت اونی کپڑا جسے عرفِ عام میں دُھسّہ کہتے ہیں اوڑھتے تھے ۔ ان پر استغراق اس قدر غالب تھا کہ جب نماز عشاء میں رکوع میں مستغرق ہوتے تو صبح تک اُسی حالت میں کھڑے رہتے تھے ۔ یہی حال سجدہ کا تھا ۔ چنانچہ ایک دن حافظ غلام رسول کو ایک مراثن نے جو خود دُھسّہ پوش تھی اور زیور وغیرہ نہیں استعمال کرتی تھی چند اشعار گا کر سُنائے ۔ جب اس بات کی اطلاع حضرت مولانا فخر جہاں قدس سرہ، کو ہوئی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور جب حافظ صاحب کو خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو اگرچہ آپ ان کی عزت کیا کرتے تھے کیونکہ وہ آپ کے استاد تھے صرف اس قدر فرمایا کہ آپ نے مجھے کیا سمجھا ہے میں تو ان ملاؤں میں سے ہوں جنہوں نے شیخ منصور کو دار پر لٹکوایا تھا ۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ شریعت کے احکام زراعت کے گرد باڑ کا کام دیتے ہیں ۔ جو شخص باڑ کو نقصان دینا شروع کرتا ہے وہ زراعت کو کیسے بچا سکتا ہے (یہاں زراعت سے مراد ایمان اور باڑ سے مراد احکام شریعت ہیں یعنی جو شخص احکام شریعت کا لحاظ نہیں کرتا اپنا ایمان برباد کر دیتا ہے)

خوبصورت لوگوں کا قبولِ دُعا حدیث سے ثابت ہے

اس کے بعد اُسی شخص نے عرض کیا حضور خوبصورت آدمی کو دیکھ کر ہر شخص کا دل خوش ہوتا ہے ۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ درست ہے کہ ہر شخص کا دل خواہ وہ مشائخ کرام ہوں یا عام آدمی یہی چاہتا ہے کہ خوبصورت آدمی کا مشاہدہ کرے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اطلبو الحاجات من حسان الوجوہ (خوبصورت آدمیوں سے حاجت طلب کرو یعنی دعا کراؤ) لیکن بالکل آوارہ اور تباہ حال ہو کر ان کے پیچھے نہیں پڑ جانا چاہیئے کیونکہ یہ خطرناک اور بُری بات ہے ۔ اس پر اس آدمی نے عرض کیا کہ حضور آپ نے خود فرمایا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ پر حالت قبض طاری ہوتی تھی تو سیّد حسن کو دیکھنے سے حالتِ بسط حاصل ہو جاتی تھی ۔ آپ نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے صحیح ہے لیکن سیّد حسن کو آپ اپنا بیٹا بھی کہتے تھے اور ان کو دیکھنے سے حالت قبض ، حالتِ بسط میں مبدّل ہو جاتی تھی ۔ لیکن مجھ سے یہ بھی پوچھ لو کہ حضرت سیّد حسن کی عمر کیا تھی ۔ اس نے کہا کیا عمر تھی ؟ ۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی عُمر اس وقت پچاس سال تھی ۔

مرید کے گناہ کا شیخ کے حال پر اثر

اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمدؒ مہاروی غریب نوازؒ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے واپس آئے تو چھ ماہ تک جس شخص کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کرتے تھے ۔ اسی وقت اس کے دل میں نور پیدا ہو جاتا تھا ۔ لیکن اس کے بعد کسی مرید سے ناشائستہ حرکت اور زنا سرزد ہو گیا ۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالمؓ فرماتے تھے کہ اگر ہمارے اصحاب میں سے کسی شخص سے یہ گناہ سرزد نہ ہوتا تو قیامت تک مرید ہوتے ہی ، لوگوں کے دل فوراً منور ہوتے رہتے ۔ اس کے بعد نماز عشاء بجماعت پڑھ کر حضرت اقدس مشغول ہو گئے اور سب لوگ اُٹھ کر چلے گئے ۔

مقبوس ۵۷ بوقت سہ روز سہ شنبہ ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۴ھ

انگریزی سائل کا حاضر ہونا

جب آپ نماز عصر بہ جماعت ادا کر کے باہر تشریف لائے تو بنگلے کے دروازہ پر ایک انگریز کھڑا تھا۔ جب اس نے حضرت اقدس کو دیکھا تو ٹوپی (ہیٹ) سر سے اتار کر سلام کیا اور بصد عجز و نیاز عرض پرداز ہوا کہ ضعف بصارت کی وجہ سے حکومت نے مجھے ملازمت سے علیحدہ کر دیا ہے یہ دیکھ کر کسی خادم نے عرض کیا کہ یہ سائل نظر آتا ہے۔ خیرات مانگتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس قسم کے آدمی کو کیا دینا چاہیئے۔ خادم نے عرض کیا دو تین روپے۔ آپ نے فرمایا دے دو خادم نے دے دیئے۔ اس کے بعد تین بگھیاں سواری کے لیے منگوائیں۔ ایک پر آپ اور چند خدام خاص سوار ہوئے۔ باقی دو بگھیوں پر خاص خاص آدمیوں کے لیے اشارہ فرمایا کہ سوار ہو جائیں۔ احقر راقم الحروف کا شمار تو عوام میں سے تھا لیکن از راہِ کرم اسے بھی اشارہ ہوا کہ سوار ہو جاؤ۔ اس کے بعد سیر کو روانہ ہوئے اور مغرب کے وقت واپس آ کر نماز مغرب با جماعت ادا فرمائی۔ اس کے بعد آپ تسبیح ہاتھ میں لیے وظائف پڑھ رہے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ حاضرین سے باتیں بھی کر رہے تھے۔

چھجو مذہب

اس وقت ایک ہندو جو محکمہ ڈاک میں نوکر تھا اور پہلے حضرت اقدس سے متعارف تھا آیا اور قدم بوسی سے مشرف ہو کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے ہندو مذہب کے عقائد دریافت کیے۔ اس نے کہا حضور میرا مذہب چھجو ہے جو بہت کہنہ (پرانا) ہے۔ چھٹی صدی میں پیدا ہوا۔ پہلے اس مذہب کے سب لوگ اپنے آپ کو چھپاتے تھے لیکن اب اس کی کچھ تشہیر ہوئی ہے۔ اس مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند عزوجل کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ ان کے خیالات مسلمان صوفیائے کرام کی طرح موحدانہ ہیں۔ بت پرستی کو کفر اور گمراہی سمجھتے ہیں۔ ہم لوگ دو پیغمبروں کی پیروی اور متابعت کرتے ہیں۔ ایک حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام، دوسرے سری کرشن جی صاحب کو بھی ہم رسول

اور نبی برحق سمجھتے ہیں - ہم نے قرآن شریف کا شاستری زبان میں ترجمہ کر لیا ہے اور روزمرّہ اس کی تلاوت کرتے ہیں - اس کے بعد نمازِ عشاء کا وقت ہو گیا اور وہ آدمی چلا گیا - احقر نے عرض کیا کہ حضور آیا یہ چھجو مذہب کے لوگ مسلمان ہیں یا نہیں - آپ نے فرمایا کہ شرعاً یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں - میں نے عرض کیا کہ کیا یہ موحّد ہیں؟ آپ نے فرمایا "موحّدان" - یہ لفظ آپ کی زبان پر تھا کہ اقامت ہو گئی اور آپ اٹھ کر نماز میں شامل ہو گئے - احقر بھی آپ کے پہلو میں کھڑا ہو کر مشغولِ نماز ہوا -

مقبوس ۵۸: بوقت عصر بروز چہار شنبہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

اس وقت آپ شاستری زبان، گرمکھی اور انگریزی کے قواعد خود لکھ کر خدام خاص کو پڑھا رہے تھے کیونکہ آپ کو علم لدنّی حاصل ہے اور آپ تمام علوم و فنون اور حقائق و معارف کے سرچشمہ ہیں - اس کے بعد آپ نے اُٹھ کر نماز عصر ادا کی -

مقبوس ۵۹: بوقتِ عشاء پنجشنبہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

حضرت شیخ کی فنِ موسیقی میں مہارت

حضرت اقدس تسبیح ہاتھ میں لیے وظیفہ پڑھ رہے تھے اور حاضرین مجلس کے سوالات کا جواب بھی دے رہے تھے - اس اثناء میں ایک شخص باہر سڑک پر جا رہا تھا - اور چلتے چلتے خیال راگ گا نمنٔ گا رہا تھا - اس کی آواز سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ خیال گا نمنٔ حضرت منشی غلام حسن صاحب ملتانی کی اختراع (ایجاد) ہے - اور خیال چھلہ سید میرن شاہ کی ایجاد ہے اس پر حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ میرن شاہ اب بھی زندہ ہے - میں نے اُسے دیکھا ہے بوڑھا ہو گیا ہے - سر اور داڑھی کے بالوں کو حنا سے سُرخ کیا ہوا ہے اور بہاولپور میں رہتا ہے -

حضرت خواجہ خدا بخش صاحبؒ کی عظمت

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ قاضی صاحب خانپوری کہاں کے مرید ہیں۔ آپ نے فرمایا قاضی محمدؐ علیہ الرحمۃ حضرت خواجہ محمدؐ جمال ملتانیؒ کے مرید ہیں اور اجازت بیعت بھی ان سے حاصل کی ہے۔ اس کے بعد حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ حضور قاضی علیہ الرحمۃ کیا بلکہ آں حضرت کے تمام خلفاء کو خلافت حضرت خواجہ خدا بخش خیرپوری قدس سرہٗ سے ملی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں سید بلند شاہ صاحب ساکن جھکڑ ان سید محمدؐ شاہ رنگیلہ، مولوی حامد صاحب فتح پوری چندرانی والہ، مولوی محمد موسےٰ ملتانی، منشی غلام حسن ملتانی۔ یہ سب حضرات حضرت حافظ محمدؐ جمال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلفاء ہیں۔ لیکن انہوں نے حضرت خیرپوریؒ سے بھی خلافت حاصل کی ہے۔ نیز سید صدیق محمدؐ بن سید محمدؐ شاہ رنگیلہ حضرت حافظ صاحب کے مرید تھے اور خلافت حضرت خیرپوریؒ سے حاصل کی تھی۔

اس کے بعد فرمایا حضرت خواجہ خدا بخش خیرپوریؒ کے بیشمار مرید تھے۔ ملتان، خیرپور اور گردونواح میں سب آپ کے مرید ہیں۔ جب آپ اپنے شیخ کے عرس پر ملتان جاتے تھے تو لوگ اس کثرت سے مرید ہوتے تھے کہ ملتان شہر میں پتاشے ختم ہوجاتے تھے۔ ہندو لوگ آپ کے آنے سے بہت پہلے بتاشے تیار کرنا شروع کرتے تھے اور بتاشوں کے انبار لگ جاتے تھے لیکن وہ بھی ختم ہوجاتے تھے۔

مولوی گل محمد صاحبؒ احمد پور شرقیہ

اس کے بعد فرمایا کہ مولوی گل محمدؐ احمد پوری حضرت حافظ محمدؐ جمال ملتانیؒ کے خلیفہ تھے لیکن ان کی حالت سلب شدہ تھی۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت خواجہ خدا بخش صاحب خیرپوری حضرت حافظ صاحبؒ کے خلیفۂ جانشین تھے۔ بلکہ آپ حضرت حافظ صاحب کے فقر کی کنجی تھے (کلید فقر)، اور حضرت حافظ صاحبؒ کے تمام اسرارِ فقر و کمالات کا ظہور ان کی بدولت ہوا۔ اس لیے آپ کا عرس بھی حضرت خیرپوری کے ذمہ تھا۔

بڑے پیر بھائی سے بے ادبی کی وجہ سے عتاب

جب تک آپ زندہ رہے شیخ کا عرس کرتے رہے۔

چنانچہ ایک دفعہ عرس کی خاطر ملتان شریف گئے۔ حافظ صاحب کے دوسرے خلفار بھی موجود تھے۔ چونکہ حضرت صاحب خیرپوری کے بعد مولوی گل محمدؐ صاحب سب سے بڑے خلیفہ تھے۔ حضرت صاحب خیرپوری نے مولوی گل محمدؐ کے مکان پر جاکر کہا کہ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ جو کچھ مجھے حضرت حافظ صاحبؒ سے حاصل ہوا ہے۔ آپ کو دوں۔ لیکن انہوں نے رعونت اختیار کی اور کہا کہ اپنے گھر میں رکھو اور مجھے اپنی جلوہ گری مت دکھاؤ۔ مجھے اپنے پیر نے اس قدر دیا ہے کہ کسی اور کی ضرورت نہیں۔ آپ کو میں صرف پیر بھائی سمجھتا ہوں اور اولیٰ اور بہتر جانتا ہوں۔ یہ سن کر آپ رنجیدہ خاطر ہوئے اور خشمناک ہو کر واپس چلے گئے۔ اگرچہ آپ کمال درجہ کے حلیم الطبع اور رحیم تھے لیکن جب کسی پر غصہ آتا تھا تو کبھی نہیں ٹلتا تھا۔ چنانچہ اسی حالت میں آپ حضرت حافظ صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے اور اپنی قوم کے ایک نوجوان کو حکم دیا کہ بندوق لے کر بیٹھ جاؤ۔ جب گل محمدؐ آئے تو اُسے گولی مار دینا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس واقعہ سے پہلے مولوی گل محمدؐ کا خیال تھا کہ حضرت حافظ صاحب کا روضہ تعمیر کرائیں گے لیکن جب ان سے یہ ناشائستگی وقوع پذیر ہوئی تو حضرت صاحب خیرپوریؒ نے حضرت شیخ کا روضہ تعمیر کرایا۔ اس بے ادبی کے بعد مولوی گل محمدؐ کی حالت سلب ہو گئی اور اُن سے خصائل ذمیمہ اور افعال ردّیہ صادر ہونے لگے۔ چنانچہ پہلے وہ امین تھے اور لوگ ہزاروں روپے مالیہ سرکار وصول کر کے ان کے پاس امانت رکھتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے انکار کر دیا کہ میرے پاس کسی کی امانت نہیں ہے۔ اس سے بیشمار مال حرام اُن کے پاس جمع ہو گیا اور طوائف کو بلا کر ان کا رقص دیکھتے اور اپنی زبان پر روپیہ رکھ کر طوائف کو کہتے تھے کہ اپنی زبان سے روپیہ اٹھا لو۔ آخر عمر میں بہت بوڑھے ہو گئے لیکن شہوتِ نفس اس قدر غالب تھی کہ بارہ سالہ لڑکی کے ساتھ شادی کی تمنا کرتے رہے۔

قاری عزیز اللہؒ و قاری صبغۃ اللہؒ کی سماع سے نفرت

اس کے بعد کسی نے پوچھا کہ حضور جس آدمی کو حضرت صاحب خیرپوری نے بندوق چلانے کے لیے مقرر کیا تھا کیا اس نے اپنے پیر کے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ایک اور آدمی نے پوچھا کہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا کہ قاری عزیز اللہ صاحب

اور قاری صبغۃ اللہ صاحب دونوں بھائی حضور شیخ المشارق المغارب خواجہ خواجگان قبلہ عالم مہاروی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلفاء تھے۔ قاری عزیز اللہؒ کا شمار کاملین میں ہوتا ہے اور قاری صبغۃ اللہ رح بھی درویش تھے اور علم ظاہری میں متبحر تھے۔ ایک سو اسی طالبعلم آپ کی خدمت میں درس لیتے تھے۔ بڑے متشرع، زاہد اور متقی تھے۔ دونوں بھائیوں نے ساری عمر میں کبھی سماع نہیں سنا تھا۔ نیز حضرت قبلہ عالم خود بھی سماع کم سنتے تھے[1] اور نہ اپنے خلفاء کو سماع کا حکم دیتے تھے اور آپ خود اس سے نفرت کرتے تھے۔ اگر کبھی سماع سننے کا اتفاق ہوتا تھا تو اپنے مشائخ عظام کی سنت کے طور پر مجلس میں شامل ہو جاتے تھے۔ لیکن آپ کے وصال کے بعد پہلے عرس کے دن ہمارے خواجہ صاحب الروضہ (حضرت قاضی محمد عاقل صاحب قدس سرہ)، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ حضرت خواجہ محمد جمال ملتانیؓ حضرت قبلہ عالمؓ کے دیگر خلفائے اہل صفا سب موجود تھے اور خانقاہ کے دروازہ پر مجلس سماع منعقد ہوئی۔ یہ دیکھ کر قاری صبغۃ اللہ صاحب جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا بدعت ہے جو حضرت شیخ کے مزار پر شروع کر دی ہے۔ دیکھو میں ابھی تمہارے تمام سازوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے تمام طالب علموں کو جمع کیا اور اُن کے

۱- سماع کم سننا۔ حضرت اقدسؒ کی اس روایت سے ثابت ہے کہ حضرت قبلہ عالم سماع کم سنتے تھے بلکہ سماع سے نفرت کرتے تھے۔ لیکن آج کل ہم چشتی سماع کو فرض سمجھ کر ہر کس و ناکس کو سننے پر مجبور کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص پرہیز کرے تو اس کی مخالفت میں کٹ مرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ راقم مترجم خود بھی بڑے شوق سے سماع سنتا ہے لیکن ہمیں فراخ دلی کا سبق اپنے خواجگان سے سیکھنا چاہیئے۔ سماع مباح ہے یعنی جائز ہے نہ فرض ہے نہ واجب ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ میں بھی جلیل القدر اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ بعض سماع نہیں سنتے تھے بعض سنتے تھے۔ لہٰذا سماع کو تصوف کی کسوٹی بنا کر ہر شخص کو اس پر پرکھنا درست نہیں ہماری روش یہ ہونی چاہیئے کہ جو شخص چاہے سماع سنے جو نہ چاہے نہ سنے۔ نہ کسی کو مجبور کرنا چاہیئے اور نہ سماع سے انکار کرنے والے کو برا کہنا چاہیئے۔ البتہ جو شخص سماع کو حرام کہے اس کا جواز قرآن و سنت سے ثابت کرنا چاہیئے۔

ہاتھ ڈنڈے دے کر اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے مجلس کی طرف بڑھے۔ اہل مجلس میں سے باقی تو سب حضرات خاموش بیٹھے رہے لیکن حضرت حافظ جمال اللہ صاحب نے فرمایا جلدی مجھے بندوق دو۔ اگر قاری صبغۃ اللہ نے مجلس کے صفہ میں قدم رکھا تو اسے بندوق مار دوں گا[1]۔ یہ دیکھ کر قاری صاحب صفہ کے دروازے تک آئے لیکن واپس چلے گئے اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

ملفوظ ۶: بوقت عصر بروز خمیس ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

شیخ روزبہان بقلی کی عبارت کی تشریح

حضرت اقدس تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے۔ جب تلاوت سے فارغ ہوئے تو راقم الحروف نے آپ کی خدمت میں ایک کاغذ کا ٹکڑا پیش کیا جس پر تفسیر عرائس البیان فی حقائق القرآن مصنفہ شیخ کامل حضرت ابو محمد روزبہان بقلی قدس سرہٗ متوفی ۶۰۶ھ کی یہ عبارت درج تھی۔

قال اللہ سبحانہ، ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس یا عاقل احذر مما یغوی اھل العزت باللہ من الاشکال المخایبل التی تبدو فی غواشی او مغتھم وھم یحسبون انھا مکاشفات الغیوب ونواردات القلوب ویدعون انھا عالم الملکوت وانوار الجبروت وما یتبعون الا ھوسات انفسھم ومخابیل شیاطینھم التی تصور عند ھم اشکالا

۱۔ حضرت حافظ محمد جمال قدس سرہٗ کا بندوق طلب کرنا ان لوگوں کے حملے کی مدافعت کے لیے تھا نہ کہ عداوت یا ضد کی وجہ سے۔ نیز قاری صبغۃ اللہ صاحبؒ کا تحمل بھی قابل داد ہے کہ جوش کے باوجود پیچھے ہٹ گئے اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ مشائخ کی زندگی سے ہر قسم کے سبق ملتے ہیں۔ چھوٹی باتوں کو بڑا بنا کر بدمزگی پیدا کرنا مشائخ کے اصول کے خلاف ہے

۔ وتمثلاو یزینون لھم انھا الحق والحق منزہ عن الاشکال والتمثال وایاک یاصاحبی وصحبۃ السالوسین المجاھلین بالحق الذین یدعون فی زماننا بمشاھدت اللہ مشاھدۃ حق للاولیاء ولیس بمکشوفتہ للاعداء قال الجنید رئیتُ سبعین عارفا قد ھلکوا بالتوھم توھموا انھم عرفوہ وھو قولہ ان یتبعون الا الظن وقال الشبلی من تحقق فی حقیقتہ الحق فھو نفس الحقیقتہ لان اللہ تعالیٰ یقول ان یتبعون الا الظن انھم یاصاحبی ان اشارت حقیقتہ ھذھا الاٰیۃ بتاول الی کل اذاالکل معزلون عن ادراک حقیقتہ الحق وما ادرکوا فھو اقدارھم وجل قدر الحق عن اقدارھم وادراکھم قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ وما قدرو اللہ حق قدرہ ولذالک احترء الواسطی فی حق سلطان العارفین ابی یزید بسطامی قدس سرہ بقولہ کلھم ماتوعلی التوھم حتی ابویزید مات علی التوھم۔

ترجمہ۔(اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نہیں پیروی کرتے مگرظن یعنی وہم و گمان کی اور پیروی کرتے ہیں ہوا وہوس کی)

تفسیر۔حضرت شیخ روزبہان بقلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اے عقلمند اس بات سے ڈر کہ بعض وہ حضرات جو اللہ تعالےٰ کے ہاں معزز ہیں پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ انکی سرگردانی کی وجہ ان کے اشکال خیالیہ (توہمات) ہیں جو ان کے دماغ میں پیدا ہوگئے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اشکال مکاشفات غیب اور عجائب قلوب ہیں۔ وہ لوگ یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ یہ عالم ملکوت اور عالم جبروت کے انوار ہیں۔ حالانکہ وہ ہوس نفس اور شیاطین کے وساوس میں مبتلا ہیں جن کو غلطی سے یہ لوگ اشکال وتماثیل سمجھتے ہیں اور شیاطین اپنے تابع

لوگوں کے سامنے ان چیزوں کو اچھا کر کے دکھاتے ہیں اور یہ باور کراتے ہیں کہ یہ حق یعنی حقیقت ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ اشکال و تمثال سے منزّہ اور پاک ہیں۔ لہٰذا اے دوست اپنے آپ کو ان مکّار اور جاہل لوگوں کی صحبت سے محفوظ رکھ جو حق تعالےٰ سے بے خبر ہیں لیکن دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ یہ مشاہدہ حق ہے۔ ہمارے زمانے میں مشاہدۂ حق خاص ہے اولیاء اللہ کے لیے نہ کہ دشمنانِ حق کے لیے۔ جیساکہ حضرت جنید قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر ایسے عارف دیکھے ہیں جو توہم میں ہلاک ہو گئے ہیں۔ وہ اس وہم میں مبتلا تھے کہ ہمیں عرفان حاصل ہے۔ لیکن ان کا حال وہی ہے جو حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حقیقت حق کے متعلق تحقیق کا دعوےٰ کرتا ہے وہ حقیقت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمادیا ہے کہ یہ لوگ اپنے وہم و گمان کے تابع ہیں۔ پس عزیزمن جاننا چاہیئے کہ اس آیت میں کل کی طرف اشارہ ہے۔ اس وجہ سے کہ تمام لوگ حقیقتِ حق کے ادراک سے معذور ہیں پس جس کسی نے حقیقت کا ادراک کیا ہے اپنے اندازہ اور اپنی استعداد کے مطابق کیا ہے لیکن حق تعالےٰ ہر شخص کی استعداد اور ادراک سے بالا اور برتر ہے جیساکہ حق تعالےٰ نے خود فرمایا وَمَا قدرُ اللہ حق قدرہٖ اور انہوں نے حق تعالیٰ کی قدر کا حق ادا نہیں کیا ہے یعنی اس کی عظمت کے مطابق اس کا عرفان کوئی شخص نہیں کرسکا۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ ابوبکر واسطیؒ نے سلطان العارفین حضرت شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے متعلق یہ کہنے کی جرأت کی کہ سب لوگ توہم میں مرگئے اور ابایزید توہم میں مرا (ختم ہوئی عرائس البیان کی عبارت)

احقر راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضور شیخ واسطیؒ کو کس طرح جرأت ہوئی کہ حضرت شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے متعلق کہہ دیا کہ توہم میں مبتلا تھے حالانکہ آپ مشائخ کبار کے مقتدا ہیں۔ نیز احقر نے کتاب کی عبارت کے باقی مطالب کے متعلق بھی دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! اور یہ شعر پڑھا :-

روزبہان فارسِ میدان عشق　　　فارسیاں را شہِ ایوان عشق

(شیخ روزبہان میدان عشق کے شاطر ہیں اور اہلِ فارس کے لیے بادشاہ ایوان

عشق ہیں)

اس کے بعد سوال کے جواب میں حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ شروع میں قرآن شریف کی آیت نقل کی گئی ہے - وہاں سے لے کر شیخ شبلیؒ کے قول تک ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو شیاطین کے دام مکاری میں مبتلا تھے اور جب تک زندہ رہے اس دام سے خلاصی نہ پائی - نعوذ باللہ من ذالک (اللہ تعالےٰ ہمیں اس سے پناہ دے) اور شیخ شبلیؒ کے قول سے لے کر شیخ ابوبکر واسطیؒ کے قول تک یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ کی کنہہ ذات تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی - اور شیخ واسطیؒ کے قول سے آخر تک اُن لوگوں کے لیے تنبیہہ ہے جو شیاطین کے دام تزویر میں پھنس کر مغرور ہو گئے ہیں حتیٰ کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جب شیخ ابویزید بسطامی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے اکابر بھی کنہہ ذات حق سبحانہ تک نہیں پہنچ سکے تو ان لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ شیاطین کے پیدا کردہ وساوس و توہمات میں پھنس کر مست ہو جائیں - اور ان خیالاتِ باطلہ کو مشاہدہ حق سمجھیں - اس کے بعد فرمایا کہ اس قسم کی تنبیہات و توبیخات احادیث شریف میں بھی واقع ہوئی ہیں - تاکہ ناقص اور کم حوصلہ لوگ گمراہی سے بچ جائیں ورنہ شیخ بایزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار تو اکابر واصلین اور عارفین میں ہوتا ہے اور آپ حقیقی معنوں میں عارف باللہ تھے -

مکرِ شیطان

اس کے بعد فرمایا کہ بعض اولیائے اللہ شیطان کے مکر و فریب میں بھی آ گئے ہیں لیکن چونکہ وہ مقربان اور محبوبان حق سبحانہ و تعالےٰ تھے وہ فوراً شیطان کے مکر و فریب پر مطلع ہو گئے اور مقصود اصلی کو پہنچے - چنانچہ نفحات الانس (مصنفہ مولانا عبدالرحمٰن جامی نقشبندی قدس سرہٗ) میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ چند مشائخ بیٹھے آپس میں مشاہدہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے - ان میں سے ایک شیخ ابو محمد خفافؒ تھے جب ہر شخص نے اپنی اپنی بات ختم کر لی تو سب نے شیخ ابو محمد سے استدعا کی کہ آپ بھی فرمائیں - آپ نے فرمایا کہ ایک دن میری آنکھوں کے سامنے سے تمام حجاب اٹھا لیے گئے اور پردے ہٹا دیے گئے - میں نے دیکھا کہ حق تعالےٰ عرش بریں پر بیٹھے ہیں - میں نے ان کو سجدہ کیا اس کے بعد وہ تمام مشائخ ایک عالم محدث کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ ہمیں رسولِ خدا

صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنائیں - انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ آسمان اور زمین کے درمیان شیطان کا ایک عرش ہے جب کسی کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو اس کے سامنے یہ عرش ظاہر کرتا ہے - یہ بات سن کر شیخ ابو محمدؒ پر گریہ طاری ہو گیا - انہوں نے توبہ کی اور نمازیں قضا پڑھیں[1] اور اس جگہ پر جا کر شیطان پر لعنت کی۔

شیخ ابو بکر واسطی رحؒ

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ ابو بکر واسطیؒ - اکابر اولیائے اور حضرت شیخ جنیدؒ کے اصحاب و خلفاء میں سے تھے - توحید و تصوف میں آپ کے کلمات بہت بلند اور دقیق ہیں - اس وجہ سے اکثر لوگ اُن کے منکر ہوئے ہیں حتٰی کہ آپ کو ستّر شہروں سے شہر بدر کیا گیا - آخر انہوں نے مرو میں سکونت اختیار کر لی - کسی نے عرض کیا کہ مرو میں سے کس طرح نہ نکالے گئے - آپ نے فرمایا کہ وہاں بعض لوگ آپ کا کلام سمجھ سکتے تھے۔

حضرت شیخ روزبہان بقلی رحؒ

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ روزبہان بقلی[2] قدس سرہٗ کا شمار بھی مشائخ کبار میں ہوتا ہے - ایک دفعہ آپ کا گذر

---

۱ - نمازیں قضا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حالت گمراہی میں جو نمازیں ادا کر چکے تھے - ان کو صحیح نہ سمجھا اور ان نمازوں کا اعادہ کیا جو اس دوران میں پڑھ چکے تھے کیونکہ شیطان کو سجدہ کرنے کے بعد کی تمام نمازیں باطل ہو گئیں۔

۲ - حضرت شیخ روزبہان بقلیؒ شیراز کے رہنے والے تھے اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے آپ کی تفسیر موسوم بہ عرائس البیان حقائق و معارف سے لبریز ہے - اگرچہ یہ تفسیر مختصر ہے تاہم آیاتِ قرآنی کے آپ نے وہ اسرار و رموز بیان کئے ہیں کہ جن سے کلام پاک کی حقیقی عظمت اور باطنی بلندی ظاہر ہوتی ہے - حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور اس باطن کا ایک اور باطن حتٰی کہ سات بواطن تک - اس تفسیر میں آپ نے قرآن کا بطون در بطون بیان فرما کر امت پر احسانِ عظیم کیا ہے - احقر مترجم کے پاس یہ تفسیر موجود ہے اور ترجمہ اردو کی کوشش ہو رہی ہے کیونکہ اردو کے میدان میں اس وقت

ایک سرائے کے قریب سے ہوا۔ سرائے کے اندر ایک ماں اپنی حسین وجمیل بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ بیٹی سرائے سے باہر نہ جانا۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے حسن کا بازار کم ہو جائے۔ اور تاکہ تیرے خریدار مشتاق تر ہو جائیں۔ شیخ روزبہان نے باہر سے جواب دیا کہ حسن کہاں چھپ سکتا ہے۔ خواہ تم اسے ہزار پردوں میں چھپاؤ لیکن حسن ظاہر ہو کر رہے گا اور عاشقوں کے دلوں کو کباب کر کے چھوڑے گا۔ اس پر احقر نے یہ مصرع پڑھا۔ ؎

حسن نہ آنست کہ ماند نہاں
آپ نے دوسرا مصرع خود پڑھ دیا ؎
گرچہ بود پردہ جہاں در جہاں
(حسن وہ ہے کہ چھپ نہیں سکتا اگرچہ سارے جہان پردہ بن جائیں)

مقبوس ۶۱: بوقت عشاء بروز جمعہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

امام مہدیؑ کے متعلق حضرت اقدس کا مؤقف

حضرت اقدس تسبیح ہاتھ میں لیے وظائف پڑھ رہے تھے آپ نے حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی سے فرمایا کہ چچ نامہ پڑھو۔ چچ نامہ ایک تاریخ کی کتاب ہے جو فارسی میں ہے اور اس میں اقوام سندھ، سیوستان، بکھر، سکھر، روہڑی اور سندھ کے دوسرے مقامات وسلاطین کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس آدمی نے کتاب پڑھنا شروع کیا اور آپ سنتے رہے۔ جب ذکر امام مہدی تک پڑھا جا چکا تو آپ نے فرمایا کہ کتاب اقتباس الانوار لاؤ۔ خادم نے کتابوں کا صندوق کھولا اور وہ کتاب لا کر آپ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے تسبیح پلنگ پر رکھ دی اور کتاب کھول کر فرمایا کہ یہ بادشاہ کتاب ہے (یعنی کتابوں کی سردار اور شاندار کتاب ہے) آپ نے تین مقام پر کتاب پڑھی۔ ان میں سے ایک یہ ہے :۔
"ولایت مطلقہ عامہ کے خاتم حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہیں جن کے زمانے میں امام

کوئی تفسیر نہیں ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ یہ آرزو پوری فرماویں۔ اور معاونین مل جائیں۔

مہدیؑ ہوں گے ۔ کسی کا یہ قول صحیح ہے کہ امام مہدی یہی عیسےٰ علیہ السلام ہوں گے کیونکہ اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے کہ لَا مَھْدِی اِلَّا عیسیٰ ابنِ مریمؑ[1] (عیسےٰ ابن مریم کے سوا کوئی مہدی نہیں) "

دوسری عبارت یہ ہے :۔

" مطلعِ انوارِ سرمدی، وہ خاتمِ ولایت محمدیؐ، وہ مجددِ دین پاکِ احمدی، امام برحق ابوالقاسم محمدؐ بن حسن مہدی رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ آپ ائمہ اہل بیت کے بارھویں امام ہیں ۔ آپ کی ولادت شب جمعہ ۱۱ ماہ شعبان ۲۵۸ھ بمقام سر من رائے عرف ساحرہ ہوئی لیکن کتاب شواہد النبوت میں تاریخ ولادت ۲۳ رمضان ۲۵۸ھ ہے آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی نرجس، بعض کے نزدیک سوسن اور بعض کے ہاں صیقل تھا۔ بارھویں امام کی کنیت اور اسم گرامی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے۔ آپ کے القاب مہدی، حجت، قدیم، منتظر، صاحب زماںؑ اور خاتم اثنا عشرہ ہیں اور صاحب زمان کی عمر اپنے والد امام عسکری رضؓ کی وفات کے وقت پانچ سال تھی کہ آپ مسندِ امامت پر بیٹھے ۔ جس طرح حق تعالےٰ نے حضرت یحیےٰ ابن زکریا علیہ السلام کو حالت طفلی میں کرامت عطا فرمائی اور عیسےٰ ابن مریم کو بچپن میں بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ اسی طرح آپ کو بھی صغر سنی میں امام بنایا "

تیسری عبارت جو مراۃ الاسرار کے مصنف نے کتاب حبیب السیر سے نقل کی ہے یہ ہے

" یہ امر تمام علمائے بزرگوار اور فضلائے عالی مقدار کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور امتِ محمدؐیہ کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ ظہورِ امام مہدی ہوگا اور اس امام عالی مقام کے حسنِ اہتمام اور اجتہاد سے سارا جہان عدل و انصاف سے پُر ہو

۱۔ محدثین کے نزدیک یہ حدیث نہایت ضعیف ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور متواتر احادیث موجود ہیں جن میں آپ نے فرمایا ہے کہ امام مہدی آل فاطمہ میں پیدا ہونگے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اُن کے پیچھے نماز پڑھیں گے ۔

جائے گا لیکن اس بات پہ اتفاق نہیں ہے کہ امام مہدی جن کا احادیث میں ذکر ہے۔ امام محمدؒ بن امام حسن عسکری ہوں گے یا بنی فاطمہ رضؓ میں سے کوئی اور بزرگ ہوں گے۔ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ آلِ رسولؐ ہوں گے اور وہ اولاد فاطمہ رضؓ میں سے ہوں گے جو آخر الزمان میں پیدا ہوں گے۔ اہل سنت وجماعت امام محمدؒ حسن عسکری کو امام مہدی نہیں کہتے۔ اور مذہب اثناعشریہ (شیعہ) یہ ہے کہ محمدؒ بن حسن عسکری کو امام مہدی ہوں گے۔ نیز یہ کہ وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ سر من رائے کے دریا میں مخفی ہو گئے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو گی وہ ظاہر ہو جائیں گے"۔ مرات الاسرار میں یہ بھی لکھا ہے کہ فرقۂ امامیہ (شیعہ) امام مذکور کے لیے دو دفعہ غیب ہونا بتاتے ہیں۔ ایک غلیبت قصرے یعنی کم مدت کے لیے غیب ہونا یعنی ایک امام محمدؒ بن حسن عسکری کا اس وقت سر من رائے میں گم ہونا جب ان کے اور خلق کے درمیان سفیروں کے ذریعے تعلق تھا اور دوسری طویل غیب یعنی طویل عرصہ کے لیے غیب ہونا جو انقطاع سفارت سے لے کر ان کے دوبارہ ظاہر ہونے تک ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک چند سفیروں کے ذریعے امام موصوف اور خلق کے درمیان تعلق جاری رہا۔ جب لوگ ان سے حاجات طلب کرتے تھے اور سوال جواب کا سلسلہ جاری تھا لیکن یہ سفارت ایک شخص علی بن محمدؒ نام پر ختم ہو گئی۔ علی مذکور کی وفات ۳۲۶ھ میں ہوئی اس کے بعد کسی سفیر نے امام صاحب کو نہ دیکھا اور نہ سنا۔ ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ مہدی آخر الزماں حضرت عیسٰے ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ یہ روایت نہایت ضعیف ہے کیونکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اکثر احادیث صحیح ومتواتر میں یہ آیا ہے کہ مہدی بنی فاطمہ رضؓ سے ہوں گے اور حضرت عیسٰے علیہ السلام ان کی اقتدا کریں گے اور ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ تمام عارفین با تمکین بھی اس بات پر متفق ہیں"۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ یہی امام مہدی بن حسن عسکریؒ اس امام مہدی موعودؑ آخر الزمان کی صورت میں بطریق بُرُوز ظاہر ہونگے۔ (طریق بُرُوز کی تفصیل اسگلے مقبوس میں آرہی ہے)۔ (تنبیہہ۔ الحمد للہ کہ حضرت اقدس نے ایسا قول فیصل بیان فرمایا ہے

کہ جس سے دونوں فرقوں کے اقوال میں تطبیق ہوتی ہے اور نزاع و اختلاف ختم ہو جاتا ہے اور دونوں فرقے کے عقائد صحیح اور صادق بن جاتے ہیں۔ جامع ملفوظات)

مقبوس ۶۲: بوقت عصر بروز جمعہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

تناسخ و بروز میں فرق

حضرت اقدس سے کسی نے دریافت کیا کہ تناسخ اور بروز میں کیا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تناسخ اور بروز کے درمیان یہ فرق ہے کہ تناسخ سے وہ لوگ یہ مطلب لیتے ہیں کہ روح ایک جسم سے نکل کر اسی وقت بلا تاخیر اور بلا فاصلہ دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے کیونکہ جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ روح بغیر جسم ہرگز نہیں رہ سکتی۔ لیکن بروز میں یہ ضروری نہیں کہ روح بغیر جسم عنصری ہرگز نہیں رہ سکتے۔ بلکہ اگر جسم عنصری سے جدا ہو کر روح بدن مثالی میں قرار پکڑ لے اور کچھ عرصے کے بعد جسدِ عنصری میں ظاہر ہو تو یہ ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد احقر نے کتاب فواتح مصنفہ ملا حسین بن معین الدین نیبذی جس میں تناسخ اور بروز پر بحث کی گئی ہے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے تھوڑی دیر پڑھ کر واپس کر دی۔ اس وقت مولوی غلام احمد اختر نے اس کتاب میں تناسخ کا بیان پڑھا اور حضرت اقدس سنتے رہے۔ وہ عبارت جو آپ کے سامنے پڑھی گئی یہ ہے :-

الفرق بین التناسخ والبروز انّ التناسخ وصول الرّوح اذا فارق من جسد الی جنین قابل لِلروح یعنی فی شھر الرابع من وقت سقوط النطفة و قرارھا فی الرحم وکانت تلک المفارقت من جسد والوصول الی آخر معاً من غیر تراخ۔ والبروز انّ یفیض روح من ارواح الکمل علی کامل کما یفیض علیه التجلّیات وَھو یصیر مظھره و یقول انا ھو۔

ترجمہ (تناسخ اور بروز میں یہ فرق ہے۔ تناسخ سے مراد ہے روح کا ایک جسم سے نکل کر جنین میں داخل ہونا۔ جب جنین روح کے قابل بن جاتا ہے۔ یعنی نطفہ ٹھیرنے کے چوتھے مہینے۔ لیکن روح کی ایک جسم سے مفارقت اور دوسرے جسم میں پیوستگی بیک وقت ہوتی ہے بلافاصلہ وبلاوقت۔ اور بروز یہ ہے کہ ایک روح دوسرے اکمل روح سے فیضان حاصل کرتی ہے جب اس پر تجلیات کا فیضان ہوتا ہے تو وہ اس کا مظہر بن جاتی ہے اور کہتی ہے کہ میں وہ ہوں یعنی دونوں میں فرق نہیں رہتا)

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور آیا ایک جسم میں دو روح یعنی ایک روح بارز۔ دوسری روح مبروز فیہ جمع ہو سکتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہی ایک روح بارز ہوتی ہے کہ جب جنین روح کے قابل و مستعد ہو جاتا ہے تو روح کامل بدن مثالی سے جدا ہو کر اس جنین میں داخل ہو جاتی ہے اور بروز کرتی ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر (شیخ محی الدین ابن عربی رح) اپنی کتاب فتوحات مکی میں فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام ایک ہیں۔ کیونکہ حضرت ادریس ع کی روح پاک نے بدنِ مثالی سے جدا ہو کر حضرت الیاس ع کے جسد عنصری میں بروز کیا ہے اور ظاہر ہوئی ہے۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور فصوص الحکم (مصنفہ شیخ اکبر رض) میں بھی اس طرح لکھا ہے۔ فرمایا ہاں فصوص الحکم میں بھی ہے۔ ان اوراق کی تصحیح کے وقت احقر نے عرض کیا کہ حضور آپ کی تقریر اور شیخ اکبر رض کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی روح بارز ہوتی اور بس۔ لیکن کتاب فاتح کی عبارت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ بروز میں دو روحیں ہوتی ہیں۔ ایک روح مبروز فیہ دوسری روح بارز۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ روح مبروز فیہ مظہر ہوگی اور روحِ بارز ظاہر۔

اقسام بروز

حضرت اقدس نے فرمایا کہ حقیقت حال یہ ہے کہ بروز کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بطریق مظہریت، دوسری بطریق غیر مظہریت۔ بروز بطریق غیر مظہریت میں ایک روح ہوتی ہے اور جب جنین قابل روح ہو جاتی ہے تو اس میں بروز کرتی ہے۔ جس طرح شیخ اکبر رض نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ الیاس ع وہی ادریس ع ہیں اور بروز بطریق مظہریت میں دو روحیں ہوتی ہیں۔ ایک روح مبروز فیہ جو مظہر (جائے ظہور) ہے اور دوسری

روح مبارز جو ظاہر (ہونے والی) ہوتی ہے جو اس کے اندر ظہور کرتی ہے۔ فواتح کے مصنف نے اسی دوسری قسم کا ذکر کیا ہے۔

قطب ایک ہے جس کو فنا نہیں

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ کے کلام میں آیا ہے کہ القطب الذی لم یمت ابدا واحد وھو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام (یعنی قطب کبھی نہیں مرتا وہ ہمیشہ ایک ہے اور وہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں)۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر خاتم الولایت امام مہدیؑ تک حضور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بارز ہیں پہلی بار آپؐ نے حضرت آدم علیہ السلام میں بروز کیا ہے اور پہلے قطب حضرت آدم علیہ السلام ہوئے ہیں۔ دوسری بار حضرت شیث علیہ السلام میں بروز کیا ہے۔ اس طرح تمام انبیاء اور رسل صلوٰۃ اللہ علیہم میں بروز فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسد عنصری (جسم) سے تعلق پیدا کر کے جلوہ گر ہوئے اور دائرہ نبوت کو ختم کیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ میں بروز فرمایا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ میں بروز فرمایا، پھر حضرت عثمانؓ میں بروز فرمایا اس کے بعد حضرت علیؓ میں بروز فرمایا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مشائخ عظام میں نوبت بنوبت بروز کیا ہے اور کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ امام مہدیؑ میں بروز فرمادیں گے۔ پس حضرت آدمؑ سے امام مہدیؑ تک جتنے انبیاء اور اولیاء قطب مدار ہوئے ہیں۔ تمام روح محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے مظاہر ہیں اور روح محمدیؐ نے ان کے اندر بروز فرمایا ہے۔ پس یہاں دو روح ہوئے ہیں۔ ایک حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی روح جو بارز ہے دوسری اس نبی یا ولی کی روح جو مبروز فیہ اور مظہر ہے[1]

---

[1] - بروز۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تناسخ جسے اواگون بھی کہتے ہیں۔ غلط اور اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔ تناسخ اہل ہنود کا عقیدہ ہے جو باطل ہے لیکن بروز جائز ہے۔ بروز سے تناسخ لازم نہیں آتا۔ سرِ دلبران (مصنفہ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہٗ) کے مطابق تناسخ کے مدعی تو اس کے قائل ہیں کہ ایک کی روح سے دوسرے کی زندگی کا قیام ہوتا ہے لیکن بروز سے نہ تو مقصد دوسرے کی زندگی کا قیام رکھنا ہے نہ اس میں حس وحرکت کا پیدا کرنا ہے بلکہ کمالات باطنی اور کمالات معنوی کا فیضان مقصود

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ ہوتا ہے۔ یعنی کسی عارف کامل یا شیخ مکمل کا کسی ناقص شخص کی جانب متوجہ ہونا۔ فیض پہنچانا اور اسے اپنا سا بنا کر مظہر بنا لینا۔ اس معنی میں کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ فلاں بزرگ کی صورت میں نمودار ہوئے اور دونوں کی صورت معنوی یکساں ہو گئی۔ صورت ظاہری کا یکساں ہونا بھی بعید نہیں۔ (سرِّ دلبران صفحہ ۱۰۲-۱۰۳ المعارف گنج بخش روڈ۔ لاہور) اور یہ جو کہا گیا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور یا بروز حضرت آدمؑ سے لے کر امام مہدی تک دائرہ نبوت میں ہوا اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ و دیگر اولیائے قطب مدار میں ہوا۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حقیقت محمدیہؐ جسے تعین اول اور وحدت بھی کہتے ہیں کے کمالات کا ظہور مختلف ادوار اور مختلف صورتوں میں ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ ذاتِ احدیت نے پہلی تجلی حقیقت محمدیہؐ کی صورت میں فرمائی یا یوں کہو کہ پہلے حق تعالےٰ نے حقیقتِ محمدیؐ کو پیدا فرمایا اور پھر ساری کائنات کو حقیقت محمدیؐ کے نور سے پیدا فرمایا۔ بمصداق اوّل ما خلق اللہ نوری۔ حدیث۔ (سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے میرا نور پیدا کیا) اس لیے ذاتِ احدیت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تعین اول، تجلی اوّل یا حقیقت محمدیہ سے اخذ فیض ضروری ہے۔ اسی طرح حقیقت محمدیہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے پہلے ان ارواح مقدسہ یا عارفین کاملین سے اخذ فیض ضروری ہے۔ جن کو حقیقت محمدیہؐ میں فنا حاصل ہے اور حقیقت محمدیہ کے ذریعہ ذات باری تعالیٰ میں فنا حاصل ہے۔ غرضیکہ بُرُوز سے مراد اخذ فیض ہے نہ کہ جسمانی زندگی ہے۔ اس مضمون کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے "تنزلات" کا مطالعہ ضروری ہے جس پر سرِّ دلبران میں شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے جس کا اختصار قارئین کرام کے افادہ کے لیے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ ؎

"ذات ورا الورا نے جو کہ جملہ قیودات و اعتبارات حتےٰ کہ تعقّل اطلاق سے بھی منزّہ و ماورائے ہے پہلا تنزّل "وحدت" میں فرمایا جو "حقیقت محمدیہؐ" ہے۔ یہ تجلّی اجمالی ہے اور اس کے دو رُخ ہیں بطون و ظہور۔ بطون کا رُخ اطلاق ذات کی جانب ہے اور ظہور کا رُخ اجمال صفات کی جانب۔ دوسرا تنزّل کثرت میں ہوا جو حقیقت الانسان ہے اور جس میں متذکرہ بالا اجمال نے تفصیل اختیار کی۔ از روئے ظہور اسماء و صفات یہ ظہورِ تفصیلی اپنے پورے کمالات کے ساتھ آثار و صُورِ حسّی (کائنات) کی صورت میں نمودار ہوا۔ پھر اس تفصیل نے حقیقت آدم میں دوبارہ اجمال اختیار کیا اور اس جامعیت میں آ کر انسان کائنات اصغر کہلایا اور وجود نے اپنے تنزلات کی غایت کو پا لیا۔ جس طرح تنزلات

مقبوس ۶۳: بوقت عصر بروز یک شنبہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

شیخ پیر شاہ صاحب اور ان کے بیٹے شیخ ریاض حسین مع اپنے دو بیٹوں ولایت حسین و بہاول شاہ کے حاضر خدمت ہو کر اور حضرت اقدس کے قدموں پر ہاتھ رکھا۔ حضرت اقدس ان سے بغلگیر ہوئے اور لطف و کرم سے پیش آئے۔ پیر شاہ صاحب کو اپنے قریب بٹھایا اور خیر و عافیت دریافت کی۔ شیخ پیر شاہ صاحب ضعیف ہو چکے تھے اور سفید ریش پر حنا لگائی ہوئی تھی۔ شیخ ریاض حسین نوجوان تھے اور ان کے دو بیٹے ابھی بے ریش تھے۔ یہ سب حضرات نہایت ادب کے ساتھ حضرت خواجہ علیہ رحمۃ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ شیخ پیر شاہ صاحب مخدوم حسن شاہ صاحب کے فرزند ہیں جو حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہ کی دربار کے سجادہ نشین تھے۔ اس کے بعد نماز مغرب باجماعت ادا کی گئی۔

مقبوس ۶۴: بوقت عصر بروز پنجشنبہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے مخدوم اللہ بچایا اوچی بہاولپوری کی خاطر جو آپ کے مرید ہیں، اپنے ہاتھ سے تین سفارشی خط حکام بہاولپور کی طرف تحریر فرمائے۔ ان تینوں خطوں کے نقول حسب ذیل ہیں۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

نے دوائر کی صورت اختیار کی۔ تجلی ثانی یا حقیقت انسان نے بھی ایک دائرہ کی صورت اختیار کی جو حسب معمول دو قوموں اور ایک قطر یعنی خط درمیانی پر مشتمل ہے۔ حقیقت محمدؐ کی قوسین جو قاب قوسین سے عبارت ہیں کی طرح ایک قوس حقائق الٰہی سے متعلق ہے جس میں اٹھائیس اسمائے الٰہی مندرج ہیں اور دوسری قوس حقائق کونی (کائنات) سے متعلق ہے جس میں اٹھائیس اسمائے الٰہی کے مقابل اٹھائیس اسمائے کونی مندرج ہیں جو لغت میں مروج ہیں اور جن کو حروف تہجی کہتے ہیں .....''

پہلا خط

ھُوَالقادرُ - وزیر صاحب والامراتب عالی مناقب والمواہب زاد رُتبتہ از فقیر غلام فرید - بعد اسلمہ مسنونہ و دعوات ترقی مطالب صُوَری و معنوی واضح رائے عالی باد کہ مخدوم صاحب سید اللہ بچایا شاہ کے کام کے لیے منشی احمد یار معتبر خود حاضر ہو کر حالات بیان کرے گا - چونکہ مخدوم صاحب موصوف مظلوم اور حقدار ہیں ان کے حال پر مہربانی فرمادیں اور ان کا کام حسب مدعا و حسب استحقاق سرانجام دیں - اجر عظیم ہو گا - دستخط -

دوسرا خط

ھُوَالقادرُ - مرزا صاحب والامرتبت عالی مناقب مال مشیر زاد رُتبتہ از فقیر غلام فرید بعد اسلمہ مسنونہ و دعوات ترقی مدارج دینی و دنیاوی واضح رائے عالی باد کہ مخدوم سید اللہ بچایا شاہ کے کام کے لیے منشی احمد یار معتبر خود کو روانہ خدمت کیا جاتا ہے یہ مفصل حال زبانی بیان کرے گا - چونکہ مخدوم صاحب موصوف بہت مظلوم اور حقدار ہیں ان کی امداد کرنا موجب ثواب ہو گا - ان کے حال پر ضرور توجہ فرمادیں کیونکہ آپ فقیر دوستوں میں سے ہیں - ان کا کام آپ کے ذمہ ہے ضرور کرنا ہے - والدعا - دستخط -

تیسرا خط

ھُوَالقادر - قاضی صاحب والا قدر مہربان دوستان قاضی صاحب میاں سرور دین سلمہ ربہ - از فقیر غلام فرید - بعد اسلمہ مسنونہ و دعوات وافیات آنکہ مخدوم سید اللہ بچایا شاہ صاحب کے کام کے لیے منشی احمد یار مشیر مال صاحب کی خدمت میں بھیجا ہے - چونکہ مخدوم صاحب موصوف مظلوم اور حقدار ہیں مشیر مال صاحب سے مل کر امداد فرمادیں اور کام کرادیں ضرور بالضرور - والسلام مع الاکرام - دستخط -

اس کے بعد ایک بچے کے لیے تعویذ لکھا اور فرمایا کہ بگھیاں لاؤ - جب تین بگھیاں آئیں تو حضرت اقدس حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا قدس سرہٗ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے - ایک بگھی پر آپ مع چند خادمانِ خاص سوار تھے اور باقی دو بگھیوں پر دیگر خدام سوار تھے - بگھی پر سوار ہوتے وقت لوگوں اور سائلوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شورِ محشر برپا تھا - حضرت شیخ کے مزار کی زیارت کے بعد آپ اپنے مسکن پر تشریف لائے -

---

مقبوس ۶۵: بوقت عصر بروز جمعہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ مجھے اور میری بیوی کو بعیت فرمادیں۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ دو گھنٹے کے بعد جب عوام الناس چلے گئے اور خواص بدستور بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اس آدمی سے فرمایا کہ عورت کو بلاؤ۔ جب وہ عورت آپ کے سامنے بیٹھ گئی تو آپ نے رومال کا ایک سرا خود پکڑا اور دوسرا اس عورت کے ہاتھ میں دیا۔ اس کے بعد آپ مراقب ہو کر بیٹھ گئے اور زیر لب آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر آپ نے اس سے توبہ کرائی اور نماز کی تاکید کی۔ اس کے بعد اس کے شوہر کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور اس کے دو ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بعیت فرمایا اور توبہ کرائی اور نماز کی تاکید فرمائی۔ نیز ذکر جہری بارہ تسبیح بھی اس طریق پر تلقین فرمایا۔ دو سو دفعہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، چار سو دفعہ اِلَّا اللّٰہُ، اور چھ سو دفعہ لفظ اللّٰہ۔ اس کے بعد ایک اور آدمی کی بعیت کے لیے عرض کیا گیا۔ اس کو بھی اسی طرح بعیت فرمایا اور یہ وظیفہ تلقین فرمایا۔ دس بار سورۂ اخلاص، دس بار درود شریف بعد ہر نماز۔

حضرت پیر شاہ صاحب سجادہ نشین سے ملاقات

اس کے بعد خادم نے عرض کیا کہ قبلہ حسب فرمان تین بگھیاں دروازہ پر آئی ہوئی ہیں حضرت اقدس مع متعلقین سوار ہو کر شیخ پیر صاحب کی ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ بندہ بھی ساتھ تھا۔ پیر صاحب اپنے بیٹوں اور متعلقین سمیت استقبال کے لیے باہر آئے ہوئے تھے۔ آتے ہی انہوں نے حضرت اقدس کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر معانقہ کیا حضرت آگے جا رہے تھے اور شاہ صاحب اور ان کے متعلقین پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب مکان پر پہنچے تو وہاں قالین اور گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ جب حضرت اقدس بیٹھ گئے تو پیر صاحب بھی زیادہ دری اور تھوڑا قالین پر دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت اقدس بھی دو زانو بیٹھے تھے۔ آپ نے پیر صاحب سے فرمایا کہ کشادہ ہو کر بیٹھیں۔ انہوں نے کہا کشادہ بیٹھا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ مجھے اس طرح دو زانو ہو کر بیٹھنے کی عادت ہے۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔ الامرُ

فوق الادب (حکم ادب سے اوپر ہے) کے مطابق وہ مربعہ بیٹھ گئے۔ شیخ ریاض حسین نے اپنے والد کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ حضرت اقدس نے ہمارے حال پر مہربانی فرمائی ہے اور تشریف لائے ہیں۔ پیر صاحب نے جواب دیا ؎

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

(بادشاہوں کے لیے گدا کی پرورش کیا مشکل ہے)

حضرت اقدس نے تبسم کر کے فرمایا کہ بادشاہ تو آپ ہیں۔ آخر ایک گھنٹہ تک بات چیت کر کے اپنے مسکن پر واپس تشریف لے آئے۔ پیر صاحب نے دو وقت کی دعوت کی ہوئی تھی اور مکلف کھانا تیار کر کے حضرت اقدس کے مسکن پر بھیجتے رہے۔

مقبوس ۶۶: بوقت عصر بروز شنبہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح قدس سرہٗ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیے تین بگھیاں منگوائی گئیں اور حضرت اقدس، خادمین اور متعلقین کے ساتھ بگھیوں پر سوار ہو کر غربی سڑک کے ذریعے لوہاری دروازہ پر پہنچ کر قلعہ کے دروازہ پر پہنچے۔ آپ عصا ہاتھ میں لے کر بگھی سے اترے اور قرآن شریف کی ایک سورت پڑھتے ہوئے قلعہ کے اندر داخل ہوئے۔ روضہ اقدس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ روضہ بہت بلند ہے۔ دوسرا کوئی روضہ اس قدر بلند نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دو روضے اس قدر بلند اور وسیع ہیں کہ اور کوئی روضہ ان کی مانند نہیں ہے۔ ایک حضرت سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ کا روضہ اور دوسرا یہ روضہ۔ اس کے بعد جوتا اتار کر آپ سیڑھیوں پر چڑھتے رہے۔ اور فرمایا کہ یہ روضہ محمد تغلق بادشاہ نے اپنے مدفن کے لیے بنوایا تھا۔ حضرت شاہ رکن عالم پہلے حضرت شیخ بہاؤالحق رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے اندر پائنتی کی طرف دفن تھے۔ اس کے بعد اس روضہ میں دفن ہوئے۔ اس اثنا میں راقم الحروف نے عرض کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ جب شاہ رکن العالم قدس سرہٗ حضرت شیخ بہاؤالحق قدس سرہٗ کے روضہ میں دفن کیے گئے تو رات گذرنے کے بعد صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ وہاں ایک گڑھا پیدا ہو گیا ہے اور آپ کا صندوق بادشاہ کے روضہ میں

موجود ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے۔

حضرت شاہ رکن العالم کی دوسرے روضہ میں منتقلی کی وجہ

حقیقت حال یہ ہے کہ جب آپ کو وہاں دفن کیا گیا تو حضرت شیخ بہاؤالحق قدس سرہٗ نے عالم رویا یا واقعہ میں جیسا کہ مشائخ کی عادت ہے کسی کو فرمایا کہ جب سے تم لوگوں نے شاہ رکن العالم کو میرے پاؤں کی طرف دفن کیا ہے میں نے پاؤں کھینچ لیے ہیں۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کے صندوق کو وہاں سے نکال کر بادشاہ کے روضہ میں دفن کیا اور مزار تعمیر کیا۔ اس سے پہلے بادشاہ محمد تغلق بھی ہندوستان میں فوت ہو گیا تھا اور اس کو بھی وہیں دفن کر دیا گیا۔ چونکہ یہ روضہ خالی پڑا تھا۔ اس میں حضرت شاہ رکن العالم قدس سرہٗ کو دفن کیا گیا۔ جب سیڑھیوں کو عبور کر کے آپ مسجد میں پہنچے تو فرمایا کہ یہ مسجد حضرت مخدوم جہانیاں (سید جلال الدین بخاری اوچی) کی تعمیر کردہ ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر آپ چند سورتیں پڑھتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر روضہ اقدس کے قریب پہنچے تو فرمایا کہ اس جگہ پر حضرت مخدوم جہانیاں بوسہ دیتے تھے اور سر رگڑتے تھے۔

روضہ پر طریق حاضری

اس کے بعد چار روپے خادم سے لے کر آستان شریف پہ رکھے اور چوکھٹ پر پہلے بوسہ دیا۔ اور پہلے دائیں آنکھ اور اس کے بعد بائیں آنکھ چوکھٹ پر رکھ کر اندر تشریف لے گئے اور دو تین قدم جا کر ٹھہر گئے اور سر نگوں کر کے ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھے اور تین بار سلام کیا۔ اس کے بعد مزار مبارک پر بوسہ دیا اور آنکھیں رکھ کر آگے بڑھے اور مزار شریف کی شرقی طرف سے گزر کر سرہانہ پر پہنچے اور کٹہرہ پر بوسہ دیا اور آنکھیں رکھیں۔ اس کے بعد بیٹھ کر آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہے۔ حضرت اقدس مکمل استغراق میں مراقب بیٹھے رہے اور کچھ دیر بیٹھ کر اٹھے اور کٹہرہ پر بوسہ دے کر اور آنکھیں رکھ کر رخصت ہوئے جب روضہ مبارک سے باہر آئے تو سلام کیا اور باہر تشریف لے گئے۔ اس وقت دربار کے ایک خادم نے کچھ الاچی دانے مزار مقدس کے تبرک کے طور پر پیش کیے اور آپ نے اپنے کرتہ کے دامن میں لے کر خادم کے حوالہ کیے۔ اس کے بعد قلعہ سے باہر آ کر بگھیوں پر سوار ہوئے اور حضرت حافظ محمد جمال ؓ کے مزار پر پہنچے۔ آپ بگھی سے اتر کر قرآن پڑھتے ہوئے حرم شریف کے اندر داخل ہوئے

اس کے بعد جوتا اتار کر آپ روضہ اقدس کے اندر داخل ہوئے اور سات آٹھ قدم مزار سے دور کھڑے ہو کر ہاتھ پیشانی پر رکھے اور تین بار جھک کر سلام کیا اور پانچ روپے خادم سے لے کر آستانہ شریف پہ رکھے۔ اور چوکھٹ پر بوسہ دیا اور آنکھیں رکھیں پہلے دائیں آنکھ پھر بائیں اس کے بعد ہاتھ باندھ کر مزار کی مغرب کی طرف سے گذرے اور کٹہرہ پر بوسہ دے کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر فاتحہ پڑھتے رہے۔ اس کے بعد چشم بند کر کے مراقب ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُٹھ کر باہر آگئے اور بگھی پر سوار ہو کر ہمراہیوں سمیت عیدگاہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ مغرب کے وقت وہاں پہنچے اور صحن میں پہنچ کر دروازہ پر نقش ونگار دیکھتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ چہار یار کے مناقب کسی جگہ نہیں لکھے گئے۔ شاید شیعوں نے یہ مسجد تیار کی ہے۔ اس پر حاضرین میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور محراب کے گوشہ پر وہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

چراغ مسجد و محراب و منبر — ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

اس شعر کو دیکھ کر آپ خوش ہوئے۔ اس کے بعد یہ عبارت جو وہاں لکھی تھی آپ نے خود پڑھی۔ ان فی الجنۃ نہر العلی والزہرا وحسین وحسن ما کان لہم محباً یدخل الجنۃ من غیر فتن (تحقیق جنت میں علیؓ، زہراؓ، حسنؓ وحسینؓ کے لیے ایک ایک نہر ہے اور جو شخص ان حضرات کا محب ہے جنت میں داخل ہوگا)۔ اس کے بعد آپ نے یہ عبارت لکھی ہوئی پڑھی۔ حُسَینٌ مِنّی وَاَنَا مِن حُسَین (حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے) حاضرین میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ یہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ حدیث شریف ہے۔ اس کے بعد آپ نے نماز مغرب باجماعت ادا کی اور مسجد سے باہر آکر بگھی پر سوار ہو گئے اور لوہاری دروازہ پر پہنچ گئے اور بازار میں داخل ہو گئے۔ چونکہ رات کا وقت تھا۔ ہر طرف چراغ جل رہے تھے اور بازار میں خلقت کا ہجوم اس قدر تھا کہ بازار نہیں بلکہ ایک دریا نظر آتا تھا جس کی موجیں انسان تھے۔ ڈر تھا مبادا کوئی شخص بگھی کے پہیئے کے نیچے نہ آجائے لیکن حضرت اقدس کی توجہ سے سب خیریت رہی۔ بازار کلاں سے ہوتے ہوئے مسجد ولی خان کے قریب سے گذرے اور بوہڑ دروازہ سے ہوتے ہوئے حرم دروازہ پہنچے اور پھر مسکن پر پہنچ گئے۔ یاد رہے کہ یہ شب اہل ہنود کی عید

یعنی دیوالی کا تہوار تھا (اس لیے ہجوم خلق زیادہ تھا)

مقبوس ۶۷: بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

سید زادہ کا احترام

حضرت اقدس تلاوت قرآن شریف کر رہے تھے اور حاضرین مجلس حلقہ باندھے بیٹھے ہوئے تھے۔ زائرین آ آ کر بیٹھے جاتے تھے۔ اس اثنا میں ایک سید زادہ آیا اور آتے ہی سر حضرت اقدس کے قدموں پر رکھ دیا۔ باوجودیکہ آپ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ آپ سید زادہ کے احترام کی وجہ سے سیدھے کھڑے ہو گئے اور پھر بیٹھ کر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ اس اثنا میں کچھ گانے والے فقیر آئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر گانا بجانا شروع کیا۔ آپ نے خادم سے کہا کہ ان کو ایک روپیہ دے کر رخصت کر دو۔ اس کے بعد دربان نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ دو تین عورتیں دروازہ پہ کھڑی خیرات طلب کر رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو بھی ایک روپیہ دے دو۔ جب آپ تلاوت سے فارغ ہوئے تو تمام حاضرین نے جواب تک مہر بلب تھے۔ اپنے اپنے مقاصد پیش کرنے لگے۔ اس اثنا میں ایک شخص عبدالواحد نامی نے جو آپ کا مرید اور ڈیرہ غازی خان کا رہنے والا تھا وظائف کے لیے عرضی پیش کی۔ آپ نے عرضی پڑھ کر اس کی پشت پر یہ وظائف لکھ دیئے۔

تلقین وظائف

ذکر جہری بارہ تسبیح اس طرح کہ دو تسبیح لا الٰہ الا اللّٰہ، چار تسبیح الا اللّٰہ، اور چھ تسبیح اللّٰہ نماز فجر سے پہلے پڑھے[1]۔ کلمہ طیبہ

۱۔ بارہ تسبیح۔ یاد رہے کہ یہ ذکر بارہ تسبیح سلسلہ عالیہ چشتیہ کا نہایت معرکۃ الآرا اور زود اثر ذکر جہری ہے جس کو ذکر نفی و اثبات کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ نفی اثبات اس لیے کہ لا الٰہ میں غیر کی نفی ہے اور الا اللّٰہ میں ذاتِ حق کا اثبات ہے۔ اس ذکر کو باآواز بلند کیا جاتا ہے لیکن اس قدر بلند نہیں کہ لوگوں کے لیے دکھاوا بن جائے بلکہ اتنی آواز نکلے کہ آدمی خود سن سکے اور نہایت جوش و خروش اور ذوق و شوق سے کیا جاتا ہے۔ اس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور روح صاف اور شفاف

ایک ہزار بار بعد نماز فجر اور کلمہ طیبہ ایک ہزار بار بوقت استوا آفتاب (یعنی دوپہر) اور پانچ بار سورۂ عم یتساءلون بعد عصر، اور پاس انفاس جس کی ترتیب یہ ہے کہ جب سانس باہر آئے لا الہ دل سے نہ کہ زبان سے کہے اور جب سانس اندر جائے تو الا اللہ کہے۔ اس وظیفہ کے لیے (پاس انفاس کے لیے) نہ وقت کی قید ہے نہ وضو کی۔ ہر وقت جائز ہے۔ اس کے لیے تعداد وشمار کی بھی ضرورت نہیں۔ ان وظائف پر ایک سال تک عمل کر کے فقیر کے پاس آنا اور جو کچھ کہنا ہو کہنا۔ دستخط فقیر غلام فرید۔

مقبوس ۶۸: بوقت عصر بروز پنجشنبہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

زیارت روضہ حضرت بہاؤالحق والدین قدس سرہٗ

حضرت اقدس نے تین بگھیاں طلب فرمائیں تاکہ حضرت غوث بہاؤالحق قدس سرہٗ کی زیارت رخصت کے لیے حاضر ہوں۔ آپ تمام خدام اور متعلقین سمیت بگھیوں پر سوار ہو کر ڈیرہ کھوکھراں سے روانہ ہوئے اور حرم دروازہ، پاک دروازہ، دہلی دروازہ اور باغ عام وخاص سے ہوتے ہوئے قلعہ کے قریب پہنچے اور اتر گئے اور عصا ہاتھ میں لیے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ حرم شریف کے دروازے پر پہنچ کر آپ نے عصا خادم کو دے دیا اور جوتا اتار کر صحن میں داخل ہوئے۔ پہلے دروازے پر پہنچ کر آپ بغیر بوسہ دیئے اور بغیر جھک کر سلام کیے آپ اندر چلے گئے اور مزار اقدس سے چار پانچ قدم دور کھڑے ہو کر تین بار جھک کر سلام کیا اور ہر سلام کے وقت دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھے۔ اس کے بعد تین روپے خادم سے لے کر آستانۂ عالیہ پر رکھے۔ اور دہلیز پر بوسہ دیا اور آنکھیں لگائیں پہلے دائیں آنکھ پھر بائیں۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ ہو کر طاقت پرواز حاصل کرتی ہے۔ اس ذکر کے بعد مراقبات اور مشاغل تعلیم کیے جاتے ہیں اور ذات حق تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ خوش بخت ہے وہ جس کو حضرت شیخ یہ ذکر تعلیم فرمادیں۔ یاد رہے کہ تمام اذکار ومشاغل اجازت شیخ سے کیے جاتے ہیں از خود نہیں کیے جاتے۔

طریق حاضری مزار شریف

اس کے بعد اندر جا کر سرہانے کی جانب کٹھرہ پر بوسہ دیا اور آنکھیں اور چہرہ لگایا اور سرہانے کی طرف مراقب ہو گئے۔ گھر سے روانہ ہونے سے مراقب ہونے تک آپ وظائف پڑھتے رہے اور مراقبہ میں بھی کچھ زیر لب پڑھتے رہے۔ کافی دیر مراقب ہونے کے بعد آپ نے سر اٹھایا اور استغراق کی کیفیت میں بیٹھے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل میں دعا مانگ رہے ہیں۔ اس حالت میں آپ کبھی سرنگوں ہو جاتے تھے اور کبھی سر اٹھاتے تھے۔ کافی دیر تک اسی طرح رہنے کے بعد آپ وہاں سے اٹھے اور کٹھرہ پر بوسہ دے کر آنکھوں سے لگایا اور غربی طرف سے روانہ ہو کر مزار شریف کی پائنتی کی جانب سے گزر کر باہر آئے اور سلام کیا۔ دربار کے مجاور نے الاچی دانے پیش کیے۔ آپ نے اپنے کرتے کے دامن میں لے کر خادم کے حوالہ کر دیئے (کرتے میں لینا علامت عجز و انکسار ہے)۔ باہر آ کر آپ نے دریافت کیا کہ امام کہاں ہیں۔ امام صاحب نے آ کر عرض کیا کہ امامت حضور خود کرائیں۔ لیکن آپ نے امامت نہ کرائی۔ آپ کے خادمین میں سے ایک صاحب نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد دروازہ حرم شریف پر پہنچ کر آپ نے جوتا پہنا اور عصا ہاتھ میں لے کر دو تین قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور جنوب کی طرف تین بار جھک کر سلام کیا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ سلام کیوں اور کس کو کیا شاید یہ سلام آپ نے حضرت شیخ رکن العالم قدس سرہٗ اور حضرت حافظ محمد جمال رحؒ کو کیا ہو گا۔ اس کے بعد بگھیوں پر سوار ہو کر حسین آگاہی سے ہوتے ہوئے بڑے بازار میں داخل ہوئے۔ آپ کی حشمت و عظمت دیکھ کر لوگ حیران تھے کہ کون بزرگ جا رہے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سُنے گئے کہ یہ کوٹ مٹھن شریف کے سجادہ نشین ہیں۔ آخر مسجد ولی خان اور پاک دروازہ کی طرف گئے اور حضرت موسیٰ پاک شہید کے مزار پر پہنچے۔ آپ بگھی سے اتر کر اندر تشریف لے گئے۔ راستے میں سائلان، گدایان، زنان، مردان اور بچگان کا اس قدر ہجوم تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ سارا ملتان یہاں جمع ہو گیا ہے۔ جب روضۂ اقدس پر پہنچے تو خادم سے پانچ روپے لے کر آستان پر رکھے۔ اور بوسہ دے کر اندر چلے گئے اور مزار شریف کے سرہانہ پر بوسہ دے کر آنکھوں سے لگایا اور بیٹھ کر کچھ پڑھتے رہے۔ ہاتھ ناف پر باندھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد سرنگون ہو گئے اور پھر اُٹھ کر مزار پر بوسہ دیا اور پائنتی کی طرف جا کر دوبارہ بوسہ دیا۔ اور باہر آ گئے۔ آپ نے خادم سے فرمایا

کہ ہر ایک فقیر کو ایک ایک درہم تانبے والا دے دو۔

سجّادہ نشین صاحب سے ملاقات

جب آپ حرم شریف سے باہر آئے تو دیکھا کہ سجّادہ صاحب مخدوم صدر الدین شرق کی طرف اپنے محل کے صحن میں مسند نشین ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت اقدس انکی ملاقات کے لیے ادھر تشریف لے گئے۔ یہ دیکھ کر سجادہ صاحب نے بھی آگے بڑھ کر استقبال کیا اور حضرت اقدس کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر ملے۔ لیکن حضرت نے ان کے ہاتھ پکڑ کر معانقہ کیا۔ اسی طرح ان کے بھائی نے بھی نیاز مندی سے سلام کیا۔ اس کے بعد سب قالین پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بات چیت کر کے آپ نے اجازت طلب کی۔ سجادہ صاحب اُٹھ کر ساتھ ہو لیے اور جس مقام پر استقبال کیا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت اقدس نے ان کو ٹھیر جانے کے لیے کہا۔ لیکن ان کا بھائی بگھی تک ساتھ آیا اور حضرت کو رخصت کیا۔ مسکن پر پہنچ کر نماز عشاء جماعت کے ساتھ پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ بیٹھ گئے اور ماڑواڑ کے مسلمانوں کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں مسلمان خال خال ہیں لیکن ہندوؤں کی کثرت ہے۔

حضرت کا مندر میں رہائش کرنا

ایک شہر ایسا ہے کہ اس میں سب ہندو ہیں مسلمان ایک بھی نہیں ہے۔ جمن جتی صاحب جو حضرت شاہ بدیع الدین مدار کے خلیفہ ہیں کا مزار بھی وہاں ہے۔ اس شہر میں ایک مکان پر لکھا ہے کہ اہل اسلام کو چاہیئے کہ اس جگہ سے آگے نہ جائیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ سفر میں میرے ساتھ بہت لوگ تھے حتیٰ کہ مستورات بھی ساتھ تھیں۔ راستے میں سخت بارش ہونے لگی اور کپڑے تر ہو گئے۔ سردی کا موسم شروع ہو رہا تھا۔ سردی سے ہمیں بہت تکلیف ہوئی اور فلاں شہر میں پہنچ کر ہم ایک مندر کے اندر گھس گئے۔ لوگوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن ہم نے کسی کی بات نہ مانی اور اندر جا کر بیٹھ گئے۔ اہل مندر نے بہت جوش و خروش دکھایا لیکن ہم نے پرواہ نہ کی اور ڈٹ کر بیٹھے رہے آخر عاجزی سے کہنے لگے کہ ہم آپ لوگوں کو ایک اور مکان دیتے ہیں وہاں شب باشی کریں اور مندر خالی کر دیں چنانچہ ہم سامان اٹھا کر دوسرے مکان میں چلے گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن ہم فلاں شہر میں پہنچے۔ وہاں ایک بہت بڑا مندر تھا اور مندر کے پاس ایک مکان تھا جس میں ہم نے

رہائش کی۔ رات کے وقت مندر کو خوب روشن کیا جاتا تھا۔

مندر کے اندر ذکر جہری

سائیں ولایت شاہ نے کہا کہ میں اس مندر میں بیٹھ کر ذکر جہری کرنا چاہتا ہوں۔ آخر وہ صاحب مندر کے پاس گئے اور اُن کے ساتھ فقیرانہ اور درویشانہ باتیں کر کے اس کو یار اور محرم راز بنالیا اور اس سے اجازت طلب کی کہ میں مندر میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بیشک جائیں۔ انہوں نے مندر میں جاکر باآواز بلند ذکرِ جہری شروع کر دیا۔ اور ذکر کی ضربیں لگانے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے ذکر کی آواز ہم بھی سُن رہے تھے۔ اسی طرح ہر روز زیادہ زور سے ذکر جہری کرتے رہے۔

مقبوس ۶۹: بوقت عصر بروز یک شنبہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس عصر کی نماز پڑھ کر وظیفہ سورت عمّ یتساءلون پڑھ رہے تھے۔ دربان سے فرمایا کہ ایک روپیہ توشہ دار سے لے کر خوردہ کرالو اور ان فقیروں اور سائلوں میں تقسیم کر دو۔ جو دروازے پر کھڑے ہیں۔ اس کے ساتھ فرمایا کہ شمالی دروازہ سے باہر ایک سائل عورت کھڑی ہے اسے چار آنے لے کر دے دو۔ دربان نے دونوں احکام کی تعمیل کی۔ نماز مغرب کے بعد آپ نے فرمایا کہ سب چلے جاؤ۔ یہ سُن کر ہم سب اپنے اپنے مقام پر چلے گئے اور آپ ایک شخص کے ساتھ خلوت میں باتیں فرمانے لگے۔

مقبوس ۷۰: بوقت عشاء دو شنبہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

مجلس رقص و سرود

ہم غلاموں کے ڈیرہ پر ایک خادم نے آکر بتایا کہ حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ سب لوگ آجاؤ آج ایک تماشا ہے۔ چنانچہ ہم سب چلے گئے اور حضرت اقدس کے سامنے دریوں پر بیٹھ گئے۔ مجلس میں رنگین قالین بچھے ہوئے تھے اور دو بلور کے لالٹین جل رہے تھے۔ حضرت اقدس تسبیح ہاتھ میں لیے وظائف پڑھ رہے تھے۔ بشن لال گویا مع اپنے ہمراہیان کے ایک طرف بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے لال کپڑے پہنے ہوئے تھے اور پاؤں میں گھونگرو باندھے

ہوئے تھے۔ پہلے اس نے اٹھ کر رقص شروع کیا اور اس کے ساتھی طبلہ اور سارنگی پر ساتھ دیتے رہے۔ کچھ دیر رقص کرنے کے بعد اس نے راگنی تلنگ میں (حضرت اقدس کی) یہ کافی گانا شروع کی۔

شالہ رانڑا نہ ایندم رات مونجھا مٹھڑا ماٹھیوں کال نجا۔

حضرت اقدس قدرے محظوظ ہونے اور زبان پر لفظ واہ واہ! لائے۔ دوسرے حاضرین بھی ذوق وشوق سے سن رہے تھے لیکن چونکہ احقر راقم الحروف نے یہ کافی پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔ زار وقطار رونے لگا اور حالت دگرگوں ہوگئی۔ بندہ اس کافی کو حضرت اقدس کی ذات گرامی پر معمول کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا وہ گھونگرو جو اس کے پاؤں میں بندھے ہوئے تھے گھونگرو نہیں تھے بلکہ عاشقوں اور سالکوں کے دل تھے جو حضرت اقدس کے سامنے رو رہے تھے۔ اس سے آتشِ عشق مزید تیز ہو کر بھڑک اٹھتی تھی۔

مقبوس ۱۷: بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ

جب حضرت اقدس نے نماز عصر باجماعت ادا کرلی تو فرمایا کہ سائلوں اور گداگروں کو جو دروازہ پر جمع ہوگئے تھے کچھ دے کر رخصت کرو۔ دربان نے عرض کیا حضور دو چیزیں دیکھنے میں آئی ہیں۔ ایک یہ کہ گداگر لوگ ایک دفعہ خیرات لے کر بار بار آتے رہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کم پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ طلب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا فکر مت کرو جب بھی آئیں ایک روپے کا مزید خوردہ لے کر تقسیم کر دیا کرو۔ جب دربان چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ شمالی دروازہ پر ایک عورت کھڑی ہے اس کو بھی چار آنے دے کر رخصت کرو۔ اس کے بعد کاغذ قلم دوات طلب فرمائی اور ایک رقعہ لکھ کر خادم کو دیا کہ اسے پیر محمّد خان کے پاس لے جاؤ اور اس سے دس روپے لے کر فلاں شخص کو دے دو اور چھ روپے فلاں شخص کو اور چار روپے فلاں شخص کو دے دو۔ (یاد رہے کہ حضرت خواجہ علیہ رحمۃ) کے وقت سے آج تک روپے کی قیمت تقریباً چالیس گنا ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس وقت کا ایک روپیہ آج کل کے چالیس روپے کے برابر ہوگا)

بدھ کو سفر کرنے کے لیے پتا نہ

اس کے بعد خادم سے فرمایا کہ ایک پیسہ اور تھوڑا سا نمک کاغذ میں یکجا کر کے لے جاؤ اور جس راستے

پر ہم کل یہاں سے جائیں گے وہاں کسی جگہ چھپا کر رکھ دو۔ خوب چھپا کر رکھنا ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص دیکھ رہا ہو اور تمہارے چلے آنے کے بعد نکال لے۔ تصحیح اوراق کے وقت احقر نے عرض کیا کہ حضور یہ پتانہ کس لیے کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کسی کو کل سفر پر ضرور جانا ہے اور وہ دن موافق نہیں ہے (یعنی بدھ ہے جس روز خواجگانِ چشت اہلِ بہشت سفر شروع کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بدھ کے دن حجامت بنوانے سے منع فرمایا تھا) تو ایک دن پہلے قبل از غروبِ آفتاب پتانہ باہر نکال دینا چاہیئے اور جب دوسرے دن سفر کرے تو اسے اٹھا کر پلیسہ کسی کو صدقہ دے دے اور نمک خود استعمال کرے۔

شیخ جمالی قدس سرہٗ

اس کے بعد ایک شخص حضرات مشائخ سہروردیہ کے ملفوظات لے آیا جس کے ابتدا اور آخر کے صفحات پھٹ چکے تھے۔ حضرت اقدس نے لالٹین کی روشنی میں وہ اوراق پڑھے اور ایک صفحہ کے قریب پڑھ کر فرمایا کہ اگرچہ مصنف کا نام کہیں نہیں ملا لیکن مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ مصنف کون ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا شیخ جمالی قدس سرہٗ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے دوسری جگہ پر پڑھنا شروع کیا جس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ مصنف شیخ جمالی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے دیکھ لیا کہ مصنف شیخ جمالیؒ ہیں۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور شیخ جمالیؒ کی بیعت کن کے ساتھ تھی۔ فرمایا کہ حضرت شیخ سماء الدین قدس سرہٗ کے ساتھ اور انکی شیخ کبیر الدین اسماعیلؒ کے ساتھ، انکی حضرت شیخ ناصر الدین اوچیؒ کے ساتھ اور انکی بیعت اپنے والد حضرت مخدوم جہانیاں اوچی قدس سرہٗ کے ساتھ تھی۔ اور آپ حضرت شاہ رکن العالم ابو الفتح ملتانی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔

شیخ جمالی اور مولانا جامی کی ملاقات

اس کے بعد فرمایا کہ یہ شیخ جمالی مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ کے ہم زمان تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حج کو گئے ہوئے تھے وہاں سے واپسی پر مولانا جامیؒ کی خدمت میں گئے اور کافی عرصہ ان کی صحبت میں رہ کر مولانا عبد الغفور لاری کی بھی زیارت کی جو مولانا جامیؒ کے مرید و خلیفہ تھے لیکن شیخ شمس الدین روجی اور مولانا حسین واعظ شیخ سعد الدین کاشغری کے مرید اور مولانا جامیؒ کے پیر بھائی ہیں۔ شیخ جمالی نے انکی بھی زیارت کی ہے

مولانا جامی کا شیخ جمالی کے سامنے اعتراف غلطی

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن مولانا جامیؒ اور شیخ جمالیؒ ایک حجرے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ اتفاقاً کتاب لمعات مصنفہ شیخ فخر الدین عراقیؒ کا ذکر آیا۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ لمعات اسرار و رموز اور حقائق و معارف کا ایک دفتر ہے جو حضرت شیخ ابن عربیؓ کے خلیفہ حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ کی اس توجہ و برکت کا نتیجہ ہے جو شیخ فخر الدین عراقی پر ہوئی۔ شیخ جمالی لکھتے ہیں کہ مجھے اس بات سے افسوس ہوا کہ شیخ فخر الدین عراقی پر جو فیضان ہوا وہ شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ کی توجہ سے ہوا۔ اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ شیخ جمالی کے رنجیدہ خاطر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شیخ جمالی کا سلسلہ سہروردیہ ہے یعنی حضرت شیخ بہاؤالحق ملتانیؒ اور حضرت شیخ صدر الدین ملتانیؒ کا سلسلہ ہے۔ یہ حضرات مولانا جمالی کے دادا پیر تھے اور شیخ فخر الدینؒ عراقی کو بھی ان حضرات سے فیض حاصل ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اپنے پیر کا سلسلہ عزیز تر اور محبوب تر ہوتا ہے۔

۱۔ شیخ فخر الدین عراقی قدس سرہٗ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ کے مرید، خلیفہ اور داماد تھے۔ آپ پہلے ہمدان کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ ایک قلندروں کی جماعت آئی۔ اس جماعت میں ایک نہایت ہی حسین و جمیل نوجوان قلندر تھا۔ شیخ فخر الدین عراقی اسے دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئے۔ قلندروں نے انکو ایک غزل سنائی جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:۔

۱۔	مارخت ز مسجد بخرابات کشیدیم	خط بر ورق زہد کرامات کشیدیم
۲۔	در کوئے مغاں در صف عشاق نشستیم	جام از کف رندان خرابات کشیدیم
۳۔	از زہد و مقامات گذشتیم کہ بسیار	کاس و تعب از زہد و مقامات کشیدیم

ان اشعار کو سن کر عراقی بے تاب ہو گئے۔ وجد طاری ہو گیا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے، عمامہ پھینک دیا اور یہ شعر پڑھنے لگے۔

چہ خوش باشد دل آرامم تو باشی — ندیم و مونس و یارم تو باشی

اس کے بعد مشاغل درس چھوڑ کر آپ نے قلندروں کے ہمراہ ہندوستان کا رخ کیا اور ملتان پہنچ کر حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ نے چاہا کہ عراقی اُن کے پاس رہ جائیں لیکن وہ قلندروں کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ آخر اُن کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایسا طوفان باد و باراں آیا کہ سب لوگ بچھڑ گئے اور عراقی پھرتے پھراتے ملتان جا پہنچے اور حضرت شیخ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت شیخ

اس کے بعد فرمایا کہ جب رات ہوئی تو مولانا جامیؒ نے خواب دیکھا کہ حضرت شیخ صدرالدین عارف بن حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی زیارت ہوئی۔ شیخ جمالیؒ بھی موجود ہیں۔ اور شیخ فخرالدین عراقی رحؒ حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ کے پیچھے جوتا تھامے کھڑے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو شیخ جمالی کہتے ہیں کہ مولانا جامیؒ نے کہا کل مجھ سے غلطی ہوئی۔ آج مجھے بتایا گیا ہے کہ جو کچھ حضرت شیخ عراقیؒ کو حاصل ہوا شیخ صدرالدین ملتانی قدس سرہٗ سے ہوا۔

شیخ جمال درویش خنداں روؒ

اس کے بعد شیخ جمال درویش خنداں رو قدس سرہٗ کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا یہ بڑے بلند مرتبہ اور عظیم الشان درویش ہیں۔ حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ اپنی کتاب جامع العلوم اور خزانہ جلالی میں جو آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہیں۔ شیخ جمال درویش خنداں رو قدس سرہٗ کی اس قدر تعریف کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

گٹھلی سمیت کھجور کا کھانا

حضرت مخدوم جہانیاںؒ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ شیخ جمال خنداں روؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مٹھی بھر خرما عطا کیے جو میں نے وہاں بیٹھے ہوئے گٹھلی سمیت کھا لیے۔ شیخ جمال نے مجھ سے پوچھا گٹھلیاں کہاں ہیں؟۔ میں نے کہا جب آپ جیسے درویش نے کھجور عطا کیے تو مناسب نہ تھا کہ گٹھلیاں نکال کر پھینک دیتا۔ اس وجہ سے وہ بھی نگل گیا ہوں۔ اس سے شیخ جمال بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس قسم کی اولاد سے خاندان کا نام روشن ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ شیخ جمال درویش خنداں رو قدس سرہٗ شیخ صدرالدین اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ ہما کے

بقیہ حاشیہ۔ نے آپ کو ایک ہفتہ کے لیے خلوت میں بٹھایا۔ خلوت میں بیٹھے بیٹھے آپ نے ایک غزل کہہ ڈالی جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

از صفحہ سابقہ

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ... زچشم مستِ ساقی دام کردند

چو بے خود ساختند اہلِ طرب را ... شراب بے خودی درکام کردند

بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود ... بہم کردند عشقش نام کردند

چو خود کردند راز خویشتن فاش ... عراقی را چرا بدنام کردند

حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر آپ بڑے مراتب کو پہنچے اور حضرت شیخ نے آپ کو اپنا داماد ہونے کا شرف عطا فرمایا۔

مرید و خلیفہ تھے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے شیخ جمالیؒ کے وہ اوراق کھولے جو آپ کے ہاتھ میں تھے اور ایک جگہ سے پڑھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کا مضمون یہ ہے:۔

حضرتِ غوث بہاؤ الحقؒ کی وصیّت

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ صدرالدین عارف کو شیخ جمال درویش خنداں روؒ کے متعلق وصیت کی۔ اوچ مبارک (ضلع بہاولپور) میں ایک درویش ہے جو بہت قابل اور مستعد ہے اور اب تک اس نے کسی شیخ سے واسطہ پیدا نہیں کیا۔ اس کو ہمارے خاندان سے نعمت حاصل ہوگی۔ اگرچہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکا۔ میری وفات کے بعد تیری طرف متوجہ ہوگا اور خرقۂ خلافت کی درخواست کرے گا۔ اس وقت وہ مغلوب الحال ہے۔ جب تمہارے پاس آئے تو پہلے دن اس کی طرف توجہ نہ کرنا بلکہ تین دن خلوت میں بٹھا کر تلاوتِ قرآن میں مشغول رکھنا تاکہ وہ غلبۂ استغراق سے نکل کر شعور میں آئے اور آدابِ صحبت بجالائے۔ اس سے اس کے سلوک[1] میں خلل نہیں آئے گا۔ اس کے بعد اس کو اپنے پاس بلا کر جتنے تبرکات ہم سے تم

۱- سلوک میں خلل- اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کاملین اور ماہرِ فن عارفین کا جو سلوک طے کرنے کا طریقہ ہے وہ نہایت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ بلند پایہ حضرات غلبۂ سکر و استغراق کو اچھا نہیں سمجھتے یعنی مقام فنا فی اللہ میں نہیں رہنے دیتے بلکہ اس سے بھی بلند لے جاتے ہیں اور فناء الفنا کے مقام پرے جا کر مقام بقا باللہ اور عبدیت پر پہنچا دیتے ہیں جو سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے۔ بلند مرتبہ عارفین اور کاملین کے نزدیک سکر و فنا و استغراق درمیانی منزل اور ایک قسم کا نقص ہے جس سے نکال کر یہ حضرات مریدین کو سلوک محمدیؐ کی حقیقی بلندیوں پرلے جاتے ہیں جہاں انسان کامل صفاتِ الٰہی سے متصف بھی ہوتا ہے اور دوئی اور عبدیت کے مقام پر متمکن ہوتے ہوئے فرائض زندگی، مثل جہاد، صوم و صلوٰۃ، رشد و ہدایت، خدمت خلق، بچوں کی دیکھ بھال اور شادی بیاہ بھی احسن طریقے سے انجام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت کو اسلام میں حرام ٹھیرایا ہے کیونکہ رہبانیت کا تقاضا سکر و فنا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج کل محویت اور سکر و غلبہ کی ذرا سی کسی کو ہوا لگ جائے تو بڑی بات سمجھتے ہیں حالانکہ بڑے سے بڑا غلبہ اور سکر بھی نقص حالت ہے کمال نہیں ہے۔

کو ملے ہیں نصف ان کو دے دینا سوائے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی کے خرقۂ خلافت کے جو صرف تمہاری ذات کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ اس سے بغل گیر نہ ہونا، ورنہ وہ تمام روحانی دولت تم سے چھین لے گا بلکہ نصف روحانی دولت تم لینا اور نصف اس کو دینا یہ غلط ہے۔ اس وجہ سے کہ اس قسم کی باتیں میزان درویشی میں وزن نہیں رکھتیں کہ مرید پیر سے نعمت چھین لے اور اس کو خالی کر دے۔ لہٰذا شیخ جمالیؒ نے جو کچھ لکھا ہے درست لکھا ہے۔ مرید کس طرح پیر کا سلب حال کر سکتا ہے۔ کجا مرید کجا پیر۔ بعد میں کسی نے عرض کیا کہ حضور شیخ جمال درویش خنداں رحؒ کا مزار کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا اوچ موغلی شریف میں (یاد رہے کہ اوچ شریف کے تین حصے ہیں۔ ایک اوچ بخاری، دوسرا اوچ گیلانی، تیسرا اوچ موغلی۔ یہ اوچ موغل اب تقریباً کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ صرف ایک چھوٹا سا گاؤں اور چند مزارات باقی ہیں جو موجودہ اوچ شریف سے جنوب مشرق کی جانب نصف میل کے فاصلہ پر ہے)

شیخ جمالی کی سلسلہ چشتیہ میں بیعت

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ قبلہ شیخ جمالیؒ نے اپنی کتاب سیر العارفین میں مشائخ چشتیہ کا بھی ذکر کیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں بلکہ انہوں نے مشائخ چشتیہ بہشتیہ سے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا ہے اور یہ بھی شیخ جمالیؒ کے پیر ہیں۔ جس طرح انہوں نے مشائخ سہروردیہ کے متعلق لکھا ہے اُسی طرح مشائخ چشتیہ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے مشائخ سہروردیہ کو مشائخ چشتیہ پر ذرا سی ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ شیخ جمالیؒ کا اصلی نام کیا ہے۔ فرمایا ان کا اصلی نام جلال خان ہے۔ لیکن بعد میں اپنے پیر کے کرم سے شیخ جمال کے نام سے موسوم ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اس کے بعد نماز باجماعت پڑھ کر حضرت اقدس اپنے حجرۂ خاص میں مشغول بحق سبحانہٗ ہوئے اور ہم لوگ اپنے مقام پر چلے گئے۔

جلد سوم

مقبوس ۱: بوقت چاشت بروز دوشنبہ ۴ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ

روضۂ اقدس پر حاضری حضرت خواجہ فخر الملت والدین فخر جہاں صاحب الوصال کے عرس کا دوسرا دن تھا۔ حضرت عرس میں شمولیت کی خاطر ملتان سے ابھی کوٹ مٹھن شریف پہنچے تھے۔ حضرت اقدس وضو کر کے اپنے خاص حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ آپ کافی دشواری کے بعد مجلس خانہ تک پہنچے۔ مجلس خانہ (صفہ) کے دروازے پر پہنچ کر آپ نے دونوں ہاتھ صفہ کے آستان پر رکھ کر آنکھوں اور رخ انور سے لگائے اس کے بعد صفہ کے اندر داخل ہو کر آپ نے تین بار جھک کر سلام کیا اور ہر بار دونوں ہاتھ پیشانی مبارک پر رکھے۔ اس کے بعد آپ جہاں کھڑے تھے بیٹھ گئے اور روضہ اقدس کے اندر نہ گئے۔

مجلس سماع آپ کے بیٹھتے ہی قوالوں نے اردو کا یہ شعر پڑھا ؎

میں ہوں سگ آستانۂ فخر جہان کا
شیروں سے فوق مرتبہ ہے میری شان کا

اس شعر پر حضرت اقدس کو کافی گریہ ہوا۔

مقبوس ۲: بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۵ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ

کعبہ شریف کی چھت کے اوپر کبوتر پرواز نہیں کرتے کعبہ شریف کی چھت پر سے کبوتروں کے گذرنے کے متعلق گفتگو ہونے

لگی - حضرت اقدس نے فرمایا کہ میں نے کئی بار اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب کبوتر دُور سے اڑتے ہوئے آتے تھے تو مجھے خیال ہوتا تھا کہ کعبہ کی چھت کے اوپر سے گذر جائیں گے لیکن جونہی وہ نزدیک پہنچتے تھے غوطہ لگا کر دائیں بائیں نکل جاتے تھے۔ کسی شخص نے نہیں دیکھا کہ کبوتر کعبہ شریف کے اوپر اڑے ہوں - میں نے یہ بھی تجربہ کیا تھا کہ کبوتروں کی اس قدر کثرت کے باوجود صرف چند کبوتر کعبے کی چھت پر بیٹھے دیکھے جاتے تھے۔ کبھی ایک اور کبھی دو یا تین کبوتر چھت پر بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔ ایک دن میں نے پانچ کبوتر چھت پر بیٹھے دیکھے - اس سے زیادہ کبھی نہیں دیکھے -نیز فرمایا کہ کعبے کی دیوار پر میں نے کبھی کبوتر کی بیٹ نہیں دیکھی - ایک دن میں نے دیکھا کہ غلافِ کعبہ پر کوئی سفید چیز نمایاں طور پر لگی ہوئی ہے - میں نے خیال کیا کہ شاید کبوتر کی بیٹ ہے - دو تین دن یہی چیز دیکھی - آخر غور سے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ روٹی کا ٹکڑا ہے - اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ حرم شریف کی پہلی حد جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی موجودہ حرم سے کم تھی - میرے دل میں خیال آیا کہ دیکھیں سابقہ حرم کی حدود کے اندر کبوتروں کی بیٹ ہے یا نہیں ہے -میں نے دیکھا کہ وہاں بیٹ کم ہے اور باقی مقامات پر زیادہ ہے -لیکن خاص بیت اللہ کی حد کے اندر بیٹ قطعاً نہ تھی حالانکہ وہاں کثرت سے کبوتر بیٹھتے تھے۔

باادب جانور

دوسری عجیب بات جو میں نے وہاں دیکھی یہ تھی کہ مکہ معظمہ کے بازار اور گلی کوچوں میں کثرت سے جانور یعنی گدھے اور اونٹ موجود ہوتے تھے لیکن کسی جانور نے کبھی کسی کے لات نہیں ماری حالانکہ لوگ ان جانوروں کے ساتھ جسم رگڑتے ہوئے گذرتے تھے - ایک اور عجوبہ جو ہم نے وہاں دیکھا یہ تھا کہ مکہ کے بازاروں میں خاص کر بازارِ صفا مروہ میں کثرت سے کتے سوئے رہتے تھے اور لوگ کثرت سے وہاں چلتے پھرتے تھے لیکن کتوں کو کسی کی پرواہ نہ تھی - خاموش سوئے رہتے تھے اور نہ کسی کے دروازے پر ٹکڑوں کی خاطر جاتے تھے باوجودیکہ اس بازار میں بہت سے نان بائی بیٹھے روٹی اور گوشت فروخت کر رہے تھے - کتے اُسی طرح سوئے رہتے تھے - کہتے ہیں کہ ایک دن کسی شخص نے غلطی سے ایک کتے کی ٹانگ پر پاؤں رکھ دیا - کتے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سو گیا - اگر یہاں کا کتا ہوتا تو فوراً کاٹ لیتا - اس کے بعد فرمایا کہ سبحان اللہ وہ کتے نہ تھے کچھ اور تھے -

خلفائے حضرت سیدالعارفین خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ

اس کے بعد سیدالعارفین مظہر ذات رحمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفاء کا ذکر ہونے لگا۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ شمس الدین سیال قدس سرہٗ بھی حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کے مرید و خلیفہ تھے لیکن ان کا نام آپ کے ملفوظات میں درج شدہ خلفاء کی فہرست میں نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک ان کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور خلافت نہیں ملی تھی اور اپنے شیخ کے بعد صاحب ارشاد ہوئے تھے۔ یہ بات سن کر حضرت اقدس نے سر ہلایا اور اس بات کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کے بڑے خلفاء کون کون ہیں۔ آپ نے فرمایا مولوی محمد بارانؒ، مولوی علی محمد سکنہ مکھڈ شریف، سید محرم علی شاہ المعروف محمد علی لکھنویؒ، مولوی احمد دین ساکن تونسہ شریف اور مولوی شمس الدین صاحبؒ مذکور جن کو ان تمام حضرات کے بعد خلافت ملی۔

اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ مولوی احمد دینؒ توحید میں غالی تھے اور مراثن عورتوں سے گانا سنتے تھے اور ان کے رقص و سرود کا مشاہدہ کرتے تھے۔ ایک دن ایک اور آدمی سمیت جو قوم کا کھوسہ تھا آپ عورتوں سے گانا سن رہے تھے۔ جب اس بات کا علم حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کو ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ نابینا ہے جو عورتوں خصوصاً مراثن عورتوں سے گانا سنتا ہے اور اس کھوسہ کے متعلق فرمایا کہ وہ دیوانہ ہے۔ آخر مولوی احمد دین نابینا ہو گئے اور وہ کھوسہ مجذوب ہو گیا۔

حکیم خدا بخش ساکن گوٹھ چھنی

اس کے بعد حکیم خدا بخش ساکن گوٹھ چھنی جو سلطان الاولیاء حضرت خواجہ محمد عاقل قدس سرہٗ کے مرید تھے آئے اور حضرت اقدس کی خدمت میں شرف قدم بوسی حاصل کیا۔ نہایت ضعیف ہو چکے تھے اور بہرہ پن بھی لاحق ہو گیا تھا۔ آپ نے ان کے حال پر شفقت فرمائی اور دریافت کیا کہ آپ کتنی عمر میں مرید ہوئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت میری عمر آٹھ سال تھی۔ اس کے چار پانچ سال بعد حضرت شیخ کا وصال ہو گیا۔ مرید ہونے کے بعد دو دفعہ روضۂ اقدس پر حاضر ہوا ہوں حضرت شیخ کے وصال کے وقت میری عمر تیرہ چودہ سال تھی۔ ایک آدمی نے کہا کہ اس ضعیف آدمی کو حضرت شیخ نے وظائف بھی تلقین فرمائے ہوں گے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ ہاں انکو وظائف

بھی ملے ہیں ۔ چنانچہ دعائے کبیر کا دن رات ورد کرتے تھے ۔ یہ چیز بھی انکو حضرت شیخ سے ملی تھی ۔
اس کے بعد حکیم خدا بخش نے عرض کیا جب میرے والد نے مجھے حضرت شیخ سے مرید کرایا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اے یار تمہارا یہ لڑکا خوش قسمت ہے ۔ اس پر حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے حضرت شیخ کے خلفاء کو بھی دیکھا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ جی ہاں تمام خلفاء کو دیکھا ہے ۔ حضرت مولوی سلطان محمود خان بہلویؒ ، حضرت مولوی عبداللہ ٹھٹھار احمد پوریؒ ، حضرت مولوی نور محمد برڑا محمد پوریؒ ، اور حضرت مولوی شرف الدین پاڑرویؒ ان سب حضرات کو دیکھا ہے اور حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی بھی زیارت کی ہے اور دو مہینے ان کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات بھی حاصل کیے ہیں ۔ میں نے حضرت مولوی خدا بخش خیر پوریؒ کی بھی زیارت کی ہے مجھ پر بہت مہربانی فرماتے تھے ۔ میں نے مولوی بخشیندہ صاحب جو حضرت حافظ جمال اللہؒ کے مرید تھے کو بھی دیکھا ہے ۔ اس کے بعد احقر راقم الحروف کے دل میں خیال آیا کہ حکیم خدا بخش سے دریافت کروں کہ اب آپ کی عمر کیا ہے ۔ یہ بات دل میں آئی ہی تھی کہ حضرت اقدس نے فرمایا اب اس کی عمر سو سال ہے ۔

مقبوس ۳ : بوقت دوپہر بروز چہار شنبہ ۶ رجمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ

تقریب عرس

آج حضرت خواجہ نور محمد نارووالہؒ کے عرس کا دن تھا ۔ حضرت فخر الاولیاءؒ کے عرس کے بعد یہ عرس بھی حضرت اقدس کوٹ مٹھن شریف میں منایا کرتے تھے ۔ چنانچہ مجلس سماع منعقد ہوئی اور قوالی ہوئی ۔ ختم کے بعد حضرت اقدس روضہ اقدس کے اندر گئے اور سرہانہ کی طرف دو زانو بیٹھ گئے ۔ کچھ عرصے کے بعد باہر تشریف لاکر صفہ میں بیٹھ گئے ۔ ان دنوں صاحبزادہ غلام احمد شاہ اجمیری اور چند دوسرے صاحبزادگان حضرت خواجہ غلام فخر الدین قدس سرہ ، کے عرس کے موقعہ پر آئے ہوئے تھے ۔ یہ صاحبزادگان حضرت شیخ المشارق والمغارب شمس العارفین حضرت خواجہ بزرگ معین الحق والدین قدس سرہٗ کے مزار مبارک پر چڑھا ہوا ایک غلاف لائے تھے ۔ چنانچہ غلاف کو ایک خوانچے میں رکھ کر انہوں نے سر پر اٹھایا اور روضہ اقدس کی طرف روانہ

روانہ ہوئے۔ جب تھلہ پر پہنچے تو مخدوم غریب شاہ ساکن شہر سلطان نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور وہ خوانچہ صاحبزادہ غلام احمد سے لے کر اپنے سر پر رکھا اور روضہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ غلاف کے ساتھ قوال بھی قوالی کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ خلقت کا انبوہ تھا۔ بڑا پُرکیف سماں تھا اور اکثر لوگوں پر گریہ طاری تھا۔ جب آستانہ عالیہ پر پہنچے تو حضرت خواجہ صاحب کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھوں سے سلام کیا۔ جب صاحبزادہ روضہ اقدس کے اندر داخل ہوئے تو قوال باہر کھڑے ہو کر قوالی کرتے رہے۔ مخدوم غریب شاہؒ نے وہ خوانچہ حضرت اقدس کے سر پہ رکھا لیکن صاحبزادگان اجمیری نے از روئے ادب وہ خوانچہ اپنے ہاتھوں میں لے کر حضرت اقدس کے سر کے اوپر اٹھا کر چلتے رہے اور حضرت اقدس اس خوانچہ کے نیچے آہستہ آہستہ مزار شریف کی طرف چلتے رہے۔ آخر حضرت سلطان الاولیا صاحب روضہ کے مزار مقدس کے سرہانے کی طرف جا کر کھڑے ہو گئے صاحبزادگان اجمیری اور سید غلام شاہ نے غلاف کو کھول کر مزارات پر چڑھایا۔ غلاف اس قدر وسیع تھا کہ تینوں مزارات پر درست آ گیا۔ بلکہ چاروں طرف سے لٹک بھی رہا تھا۔ غلاف چڑھاتے وقت ساری خلقت پر رقت طاری تھی اور اکثر لوگ رُو رہے تھے۔ اس کے بعد سید غلام شاہ صاحب نے خوانچہ سے دستار اٹھائی اور حضرت اقدس کے سر پر باندھی۔ یہ سماں بھی بہت پُرکیف تھا اور سب لوگ مبارکباد کہہ رہے تھے۔ اس کے بعد صندل کی پڑیاں تقسیم کی گئیں۔ ایک پڑیا میں سے حضرت اقدس نے قدرے صندل تناول فرمایا۔ ان رسومات کے بعد حضرت اقدس مزار مقدس کے سرہانے کی طرف بیٹھ گئے۔ صاحبزادگانِ اجمیری یکے بعد دیگرے آتے تھے اور حضرت اقدس کے قدموں پر سر رکھتے تھے۔ حضرت اقدس بھی ہر ایک کے سر پر بوسہ دیے جاتے تھے اور دعا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے دعا مانگی اور اٹھ کر حضرت فخر عالمؒ کے کٹہرے پر بوسہ دیا اور آنکھیں رکھیں۔ اسی طرح تمام مزارات پر آپ نے بوسہ دیا اور آنکھیں رکھیں۔ راقم الحروف نے علیحدہ ہو کر صاحبزادہ غلام احمد شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ یہ غلاف آپ کیسے لائے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت خواجۂ بزرگ شمس العارفین خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیر کے حکم سے لائے ہیں۔

مقبوس ۴: بوقت عشاء پنجشنبہ ۷ رجمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ

بیعت و تلقین وظائف

حضرت اقدس روضہ مطہرہ کے اندر تشریف لے گئے اور زیارت کے بعد باہر آ کر محفل خانہ میں بیٹھ گئے۔ جہاں بیعت ہونے والے کثرت سے انتظار کر رہے تھے۔ آپ پہلے سرنگوں ہو کر کچھ دیر مراقب رہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا پشمینہ پھیلا دیا اور مرید ہونے والوں سے کہا۔ پشمینہ اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ آپ بھی پشمینہ کا ایک گوشہ ہاتھ میں لے کر مراقب ہو گئے اور کافی دیر تک زیر لب کچھ پڑھتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تمام مرید ہو گئے۔ فرمایا کہ تمام گناہوں سے توبہ کرو اور تین دفعہ سب سے توبہ کرائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ بھائیو نماز پنج وقت ضرور بالضرور ادا کرتے رہو اور ہو سکے تو وظیفہ بھی پڑھا کرو۔ پس ہر نماز کے بعد درود شریف دس بار، سورۃ اخلاص دس بار اور نماز عشاء کے بعد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک سو بار پڑھا کرو۔ اگر اس سے زیادہ کر سکو تو عشاء کی نماز کے بعد درود شریف تین سو بار اور سورۂ اخلاص تین سو بار پڑھو۔ اس کے بعد فرمایا کہ سب دعائے خیر مانگو۔ چنانچہ سب لوگوں نے ہاتھ اٹھائے اور دعائے خیر مانگی گئی۔ دعا سے فارغ ہو کر آپ نے پشمینہ اٹھایا اور صفۂ شمالی میں جا کر روضۂ اقدس کی طرف منہ کر کے متوجہ ہو گئے اور کافی دیر تک مراقب رہے۔ اس کے بعد اُٹھ کر گھر چلے گئے۔

مقبوس ۵ بوقت عصر بروز جمعہ ۸ رجمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ

آج دوپہر کے وقت مولوی محمد امین صاحب سکنہ چکوڑی علاقہ گجرات شاہ دولہ جو حضرت مولانا شمس الدین سیالویؒ کے خلیفہ تھے آئے تھے۔ اس وقت وہ آ کر مجلس میں حاضر ہوئے۔ آپ ان کی تعظیم کے لیے سر و قدم کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے آ کر سر قدموں پر رکھا اور بوسہ دیا اور آنکھوں کو بھی قدموں سے لگایا۔ اس کے بعد انہوں نے اٹھ کر ہاتھ چومے۔ اس کے بعد حضرت قطب الموحدین

خواجہ محمد بخش صاحبؒ کے ساتھ بھی اسی طرح آداب بجالا کر ملاقات کی۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے ان کو اپنے پاس بٹھا کر خیر و عافیت دریافت کی اور حال دریافت کیا۔ انہوں نے تمام سوالات کا ایک ایک کر کے جواب دیا۔ حضرت اقدس نے ان کا عجز و انکسار دیکھ کر ان کے حال پر رحم فرمایا اور اس دن کے بعد جب بھی وہ آتے تھے حضرت اقدس کمال شفقت سے پیش آتے تھے اور کبھی کبھی علیحدگی میں باطنی توجہ دیا کرتے تھے اس وجہ سے وہ طالب خدا تھے۔

مقبوس ۶ بوقت مغرب دوشنبہ ۱۸ جمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے خود اقامت پڑھی اور نماز باجماعت ادا کی۔ نماز کے بعد ایک ٹوکرہ مٹھائی کا حضرت اقدس کے حکم سے لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے تین حصے کر لو۔ ایک حصہ اندرونِ خانہ بھجوا دو اور ایک مولوی محمد امین صاحب چکوڑی کو پہنچا دو۔ اور تیسرا حصہ حضرت اقدس کے حکم سے حاضرین مجلس میں تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد ہر شخص نے اپنے مطالب پیش کیے۔ ایک شخص نے کہا کہ حضور میں نے علم طب حاصل کیا ہے لیکن پھر بھی عسرت سے زندگی بسر ہوتی ہے۔ اس بندہ کے حال پر ظاہری و باطنی توجہ فرماویں۔ آپ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا (شاید اس وجہ سے کہ طبابت کا پیشہ عوام کی بیماری سے ترقی پاتا ہے)۔ اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ میرے والد نے آنکھیں بنوائی ہیں۔ دعا فرماویں اللہ تعالےٰ ان کو بینائی عطا فرماوے۔ آپ نے اس کے حق میں دُعا کی۔ اس کے بعد اس طبیب نے دوبارہ عرض کیا لیکن آپ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ جب اس نے تیسری بار عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ میاں ہر نماز کے ساتھ اسم یَا بَاسِطُ

اور

مقبوس ۷: بوقت عشاء پنجشنبہ ۲۱ جمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ

قلتِ غلہ | اس بات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ اس سال غلہ بہت مہنگا ہو گیا ہے اور خوف یہ

ہے کہ غلہ جہاں سے مفقود ہو جائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں کبھی ختم نہیں ہوتیں اور نہ ختم ہوں گی۔ جب لوگ کثرت سے ان چیزوں کو خرچ کرتے ہیں اور انہیں ختم ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ تو ذخیرہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ (جس سے غلہ غیب ہو جاتا ہے) لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے خزانۂ غیب سے آئی ہیں اور ہرگز ختم نہیں ہونگی۔ مثلاً ہندوستان کے شہر لکھنؤ، الور، قنوج، بنارس، بھرت پور، شاہجہان پور، الہ آباد، اکبرآباد اور دوسرے شہر جو میں نے دیکھے ہیں اس قدر بڑے ہیں کہ دس گیارہ کوس کے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں، کسی شہر میں گیارہ سو بکریاں روزانہ ذبح ہوتی ہیں۔ کسی میں چودہ سو۔ کسی میں پندرہ سو۔ اس کثرت سے روزانہ ذبح ہونے کے باوجود بکریاں دنیا سے ختم نہیں ہوئیں۔ ایک دن سب بکریاں ذبح ہو جاتی ہیں تو دوسرے دن ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوتے ہیں۔ یہی حال دوسرے جانوروں کا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص اندازے سے پیدا کیا ہے۔ جو چیز کثرت سے خرچ ہوتی ہے اسے کثرت سے پیدا کیا جاتا ہے۔ اس طرح جس چیز کی لوگوں کو کم ضرورت ہے وہ کم پیدا ہوتی ہے جیسے سانپ، بچھو، شیر اور بھیڑیئے۔ لکڑی کو دیکھو۔ ہر شخص کو اس کی ضرورت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے لکڑی کثرت سے پیدا کر دی ہے۔ شروع میں ریل گاڑی چلانے کے لیے لکڑی کام آتی تھی اور ہر ریلوے سٹیشن پر لکڑی کے انبار لگ جاتے تھے۔ اس سے لوگوں کو ڈر پیدا ہوا کہ لکڑی ختم ہو جائے گی لیکن اب تک لکڑی ختم نہیں ہوئی۔ نواب صاحب کا یہی ایک ذخیرہ ہی ختم ہونے میں نہیں آتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ غلہ کی کمی اکثر اس وجہ سے ہوتی ہے کہ خشک سالی ہو جاتی ہے یا کسی مقام پر کسی اور وجہ سے غلہ کم پیدا ہوتا ہے۔ بعض مقامات پر غلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے تو وہاں سے قلت والے مقامات پر ارسال کیا جاتا ہے جس سے غلہ مہنگا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ہندوستان میں قحط واقع ہوا تو لوگ ڈر گئے۔ لیکن انگریزی حکومت نے سارے ملک کے ذخائر غلہ کا حساب لگا کر اعلان کر دیا کہ ملک میں اس قدر غلہ موجود ہے کہ دس سال تک ختم نہیں ہوگا۔ اس سے لوگوں کو اطمینان ہو گیا۔

اس کے بعد تسبیح اٹھا کر وظائف میں مشغول ہو گئے۔ پہلے آپ نے آیات آمن الرسول بسم اللہ کے ساتھ ایک بار پڑھیں۔ اس کے بعد سورۂ قل یا ایھا الکافرون چند بار

بسم اللہ کے ساتھ پڑھی اور سورۂ فاتحہ اور آیتہ الکرسی خالدون تک ایک بار پڑھی - نیز دیگر وظائف آہستہ سے پڑھے جو احقر سن نہ سکا ۔

حضرت شاہ دولہ گجراتی رح

اس کے بعد آپ نے مولوی محمد امین سے جو حضرت اقدس کے پاس بیٹھے تھے دریافت کیا کہ آپ نے شاہ دولہ علیہ رحمتہ کے مزار کی زیارت تو کی ہوگی - انہوں نے عرض کیا جی ہاں کی ہے - آپ نے پوچھا کہ حضرت شاہ دولہؒ کا کونسا سلسلہ تھا - انہوں نے کہا سلسلہ قادریہ ہے - آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ آپ کا تعلق سلسلۂ سہروردیہ سے تھا - انہوں نے عرض کیا کہ گجرات میں یہی مشہور ہے کہ آپ کا سلسلہ قادریہ ہے اور حضرت اخوند صاحب ساکن صاو نبیر کے سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں - آپ نے فرمایا ہاں اخوند صاحب سلسلۂ مجددیہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن قادریہ مجددیہ سے - اور چند واسطوں سے آپ کا سلسلہ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سے جا ملتا ہے لیکن شاہ دولہؒ کا تعلق سلسلۂ سہروردیہ سے ہے - آپ چشتی نسبت بھی رکھتے ہیں لیکن آپ کی غالب نسبت سہروردی ہے - اس کے بعد فرمایا کہ کتاب خزینۃ الاصفیا لاؤ - احقر اٹھ کر کتاب لایا اور حسب الحکم عینک اور فانوس بھی ساتھ لایا - آپ نے کتاب کھول کر یہ عبارت پڑھی :-

" شاہ دولہ دریائی گجراتی پنجابی کا شمار اکابر مشائخ و اولیائے صاحب حال و قال میں ہوتا ہے - آپ جامع کمالات ظاہری و باطنی ہیں - آپ کا سلسلۂ نسب بادشاہ بہلول لودھی سے اور سلسلۂ مشائخ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے جا ملتا ہے - یعنی حضرت شاہ دولہؒ حضرت شاہ سرمستؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور آپ پیر برہان کے، آپ حضرت شیخ صدرالدینؒ کے . آپ شیخ بدرالدینؒ کے، آپ شیخ اسمٰعیلؒ کے، آپ شاہ صدرالدین راجن قتال اوچیؒ کے، آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانیؒ کے اور آپ شیخ صدرالدین عارفؒ کے اور آپ حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے - آپ نے مشائخ چشت سے فیض حاصل کیا ہے اور کاملین روزگار ہوگئے - آپ صغیر سن تھے کہ ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا - بعض

ا- حضرت اقدس کا حافظہ قابل داد ہے - تمام بزرگان کے سلاسل آپ کو اس پختگی سے یاد تھے کہ کتابیں دیکھ کر مقابلہ کرنے کے بعد ذرا فرق نہیں نکلتا تھا۔

ظالموں نے آپ کو پکڑ کر ہندوؤں کے پاس فروخت کر دیا۔ چونکہ آپ نے اپنے اوصافِ حمیدہ سے اپنے مالک کو خوش کر دیا تھا۔ اس نے آپ کو آزاد کر دیا۔ اس کے بعد آپ سید ناسر مست سیالکوٹی کی خدمت میں پہنچے جو قطب وقت تھے اور مرید ہو گئے۔ حضرت شیخ کا ایک اور مرید بھی تھا جس کا نام دولہ تھا۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ ساری باطنی نعمت مجھے مل جائے۔ جب حضرت شیخ کا آخری وقت آیا تو آپ نے دولہ کو آواز دی لیکن وہ موجود نہ تھا۔ شاہ دولہ حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے فرمایا میں نے تجھے نہیں بلایا۔ دولہ کو بلایا ہے۔ شاہ دولہ واپس آ کر حجرہ کے دروازہ پر بیٹھ گئے کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ نے دوبارہ دولہ کو آواز دی۔ چونکہ وہ موجود نہ تھا شاہ دولہ حاضر خدمت ہوئے۔ چنانچہ حضرت شیخ نے باطنی نعمت ان کو عطا کر دی اور فرمایا کہ جس شخص کو مولا عطا کرے وہ شاہ دولہ بن جاتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ جاں بحق ہو گئے۔

درندوں پر حکومت

اس کے بعد کافی مدت تک شاہ دولہ پر سکر و جذب و استغراق کی حالت طاری ہو گئی تھی کہ فرائض اور سنن بھی آپ سے ترک ہونے لگے۔ آپ آبادی چھوڑ کر ویرانے میں چلے گئے اور شیروں اور چیتوں کے ساتھ مل کر رہنے لگے۔ جب آپ ہوش میں آتے تھے تو فتوحاتِ ظاہری و باطنی کی کثرت ہو جاتی تھی۔ آپ سے بے شمار کرامات سرزد ہوئیں اور خلقت کو آپ نے بے حد فائدہ پہنچایا۔ جنگلی جانور مثل پرند و چرند شیر چیتے آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

شاہ دولہؒ کی سخاوت

آپ کا ہاتھ خزانۂ غیب پر تھا۔ جس سے آپ غربا و مساکین کی پرورش کرتے تھے۔ آپ نے بہت بڑا لنگر چلا رکھا تھا جس میں بڑی بڑی سرائیں اور کنوئیں و مساجد وغیرہ تعمیر کرائی تھیں۔ یہ عمارات سیالکوٹ اور گجرات میں اب تک موجود ہیں۔ آپ امراء اور ملوک کی طرح شان و شوکت سے رہتے تھے۔ آپ پر اکثر استغراق کا غلبہ رہتا تھا اور ماسوائے اللہ سے آپ بے خبر ہوتے تھے۔ آپ کا سر ہر وقت مراقبۂ ذات میں سرنگوں رہتا تھا۔ آپ عالم تجرد میں رہتے تھے۔ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا تھا ہو کر رہتا تھا اور آپ کی دعا کبھی خالی نہ جاتی تھی۔ آپ سماع اور وجد و تواجد میں غلو رکھتے تھے اور اکثر اوقات سماع میں بسر ہوتے تھے۔ علمائے ظاہر اور حاسدین اکثر شکوہ لے کر بادشاہ شاہجہان

کے پاس جاتے تھے لیکن وہ تعصب سے خالی تھا۔ ان کی بات نہیں سنتا تھا۔

شاہ دولہؒ کے چوہے

جو شخص اولاد کی خاطر آپ کے پاس جاتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم اپنا بڑا لڑکا میری نذر کرو گے تو حق تعالےٰ تم کو اولاد عطا کرے گا۔ لوگ یہ بات قبول کر لیتے تھے اور ان کے گھر میں پہلا لڑکا چند علامات کے ساتھ پیدا ہوتا تھا۔ پہلی علامت یہ تھی کہ اس کا سر چھوٹا ہوتا تھا۔ دوسری علامت یہ تھی کہ وہ گونگا اور بے زبان ہوتا تھا۔ تیسری علامت یہ تھی کہ وہ مجذوب ہوتا تھا۔ جب اس قسم کا لڑکا پیدا ہوتا تھا تو لوگ اُسے شاہ دولہؒ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور آپ قبول فرما کر اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ اسی طرح سینکڑوں بچے شاہ دولہ کے چوہے کے نام سے موسوم ہو کر آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ اور لنگر خانے سے خوراک حاصل کرنے لگے۔ چنانچہ یہ کرامت آج تک جاری ہے اور "شاہ دولہ کے چوہے" مزار پر ہر وقت رہتے ہیں۔ لوگ دور دراز علاقوں سے آکر منت مانتے ہیں اور اپنا بڑا بچہ شاہ دولہ کی نذر کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی تالیف کے وقت بھی مزار اقدس پر چار ایسے بچے موجود ہیں۔

کتاب معارج ولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ یہ بندہ حضرت شیخ حسن ابدال کی زیارت کے سفر کے دوران حضرت شاہ دولہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مراقب تھے اور قوال خواجگانِ چشت کی منقبت پڑھ رہے تھے۔ آپ سر اٹھا کر میری طرف متوجہ ہوئے اور شیرینی عطا فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ بندہ کو ظاہری نعمت کی خواہش نہیں ہے۔ باطنی نعمت سے حصہ عطا فرمایا جاوے۔ آپ نے تبسم سے فرمایا کہ یہ بھی لو وہ بھی مل جائے گا۔ چنانچہ آپ نے بے شمار ظاہری و باطنی نعمتوں سے بندہ کو نوازا۔ کتاب مخبر واصلین کے مطابق آپ کا وصال سال ۱۰۸۵ھ میں اور شجرہ چشتیہ کے مطابق ۱۰۷۵ھ میں ہوا۔ دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ خزینۃ الاصفیا کی عبارت ختم ہوئی۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ شاہ دولہؒ کو سلسلہ چشتیہ سے بھی نعمت ملی ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ آپ کا سلسلہ سہروردیہ تھا۔

اس کے بعد آپ کے حکم سے چادر بچھائی گئی اور نماز عشاء جماعت کے ساتھ ادا کی گئی اور حضرت اقدس نے اقامت پڑھی۔ اس کے بعد آپ حجرۂ خاص میں تشریف لے گئے اور مولوی محمد امین

صاحب کو بھی اپنے پاس بلا لیا اور خاص باتیں ہوتی رہیں۔

مقبوس ۸:- بوقت عشار بروز جمعہ ۲۲ رجمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس تسبیح ہاتھ میں لیے ذکر لا الٰہ الا اللہ کر رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے الا اللہ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد اللہ۔ اللہ کا ورد کیا۔ اس کے بعد ذکر یا حیُّ یا قیّومُ یا لا اِلٰہ اِلّا اَنْتَ کیا۔ اس کے بعد دیگر وظائف پڑھے۔ وظائف سے فارغ ہو کر آپ نے جائے نماز بچھائی اور خود بدولت اقامت کہہ کر نماز باجماعت ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے دو غیر بالغ بچوں کو بیک وقت بیعت کیا۔ لیکن ان کو نہ توبہ کرائی نہ وظائف بتائے۔ اس کے بعد ایک اور نوجوان کو بیعت فرمایا۔ بیعت کے بعد اس سے ہر گناہ سے توبہ کرائی اور نماز کی تاکید فرمائی لیکن وظیفہ نہ بتایا۔

مقبوس ۹:- بوقت عصر بروز جمعہ ۲۲ رجمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمارے قبلہ شیخ الشیوخ حضرت سلطان الاولیار صاحب الروضہ (حضرت خواجہ محمد عاقل قدس سرہٗ) کی مہر میں یہ الفاظ درج تھے:-

"فخر دین یافتہ از نور محمّد عاقل"

اور حضرت قبلہ سید الاولیار محبوب الٰہی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مہر دو قسم کی تھی۔ ایک میں یہ الفاظ تھے۔

"خادم الشرع فقیر خدا بخش"

دوسری میں :- "خادم الفقرار فقیر خدا بخش"

حضرت خواجہ تاج محمود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مہر یہ تھی:-

"زِ نورِ احمدی شد تاج محمود"

مقبوس ۱: بوقت عصر بروز یک شنبہ ۲۴ جمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ

خواجگان چشت کی تصاویر

حضرت اقدس خواجگانِ چشت کی چند تصاویر ہاتھ میں لیے قطب الموحدین حضرت صاحبزادہ محمد بخش رح کو دکھا رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ یہ تصاویر نہایت ہی صحیح ہیں اور ہر تصویر میں صاحب تصویر کے تمام کمالات علی وجہ الکمال منقوش ہو چکے ہیں۔ یہ تصاویر ان حضرات کی تھیں۔ حضرت خواجۂ بزرگ خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری قدس سرہٗ، حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین اوشی کاکی رح قدس سرہٗ، حضرت شیخ فرید الدین گنجشکر قدس سرہ، حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح، حضرت غوث العالم شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رح، حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر، حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رض، حضرت شیخ سعدی شیرازی رض اور شیخ الشیوخ حضرت مولانا دہلوی (مولانا فخر الدین دہلوی رض)

صحابہ کرام کی عمریں

اس کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عمر کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ کی عمر پچاس سال تھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی عمر تریسٹھ ۶۳ سال، امیر المومنین حضرت عمر رض کی عمر ۶۳ سال، اور حضرت ابو بکر صدیق رض کی عمر بھی تریسٹھ ۶۳ سال تھی۔ حضرت عثمان بن عفان رض کی عمر ستر سال سے زائد تھی۔

اس کے بعد آپ نے نماز مغرب باجماعت ادا کی۔ صاحبزادہ صاحب آپ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ اس کے بعد آپ وظائف میں مشغول ہو گئے اور گاہے گاہے حاضرین مجلس کے معروضات سن کر ان کے مقاصد بھی پورے کر دیتے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ بھٹ قوم کے ایک گدا نے آج حضرت اقدس کے دروازے پر آکر دربان اور دیگر خدام سے لڑائی جھگڑا کیا جس کی وجہ سے انہوں نے اس کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ اب وہ نادم ہے اور معافی کی درخواست کر رہا ہے۔ وہ یہ بھی وعدہ کرتا ہے کہ آئندہ گستاخی نہیں کرے گا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس کو رہا کراؤ اور اس کو دو روپے بھی دے دو۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ ظاہری حکومت بھی امر اللہ (اللہ کے حکم سے) ہے۔ اگرچہ

سائل کو سخت سست کہنا ناجائز ہے اور قرآن مجید میں آیا ہے کہ لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی (اپنی نیکیوں کو برباد مت کرو۔ سائل پر احسان جتانے اور تکلیف دینے سے)

آج کل کے سائل

لیکن آجکل سائلوں کیلئے کچھ صبر کرنا پڑتا ہے ورنہ لڑائی جھگڑے تک نوبت آجاتی ہے۔ یہ لوگ راہِ خدا میں نہیں جبراً چیزیں وصول کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ آج کل لوگ میری طرف سے جعلی خط لکھ کر بہاولپور کے امراء و روساء کے پاس بذریعہ ڈاک ارسال کرتے ہیں کہ فلاں شخص شریف اور خاندانی ہے۔ اس فقیر کا دوست اور رازدار ہے۔ اس کو ہمیشہ پانچ سو روپے دیا کریں۔ اس وقت میرے پاس ایک سو روپیہ موجود ہے جو اس کو دے رہا ہوں باقی رقم آپ اس کو دے دیں۔ جب فقیر بہاولپور آئے گا تو یہ رقم ادا کردے گا اور وہ فقیر جو بے سوال اور بے زبان ہے فلاں تاریخ کو بذریعہ ریل آپ کے پاس آرہا ہے۔ آپ خود تکلیف کرکے اس کو ریل گاڑی میں تلاش کریں۔ دوسرے کسی شخص کے ذریعے رقم نہ بھیجیں کیونکہ یہ راز کی بات ہے اور دوسرا کوئی شخص اس راز سے مطلع نہ ہونے پائے۔ آپ خود بخود وہاں جاکر یہ رقم خفیہ طور پر اس کے حوالہ کریں۔ چنانچہ میاں محمد نواز شاہ چیف جج تین رات متواتر رقم لے کر ریلوے اسٹیشن پر پہنچے اور محمد شریف نامی شخص کی تلاش کرتے رہے لیکن اُسے نہ پایا۔ ایک دن کسی نے آکر ان کو بتایا کہ وہ آدمی لودھراں اسٹیشن پر بیٹھا ہے اور اس نے مجھے بھیجا ہے کہ شاہ صاحب سے رقم لے آؤ۔ چنانچہ شاہ صاحب نے اپنے ایک معتبر آدمی کے ہاتھ میں رقم دے کر اس شخص کے ساتھ بھیجا لیکن بہاولپور سٹیشن پر پہنچ کر وہ دھوکہ باز فرار ہوگیا۔

اس کے بعد فرمایا کل رات جتو رام مشیر خزانہ ریاست بہاولپور کا خط لے کر ایک آدمی میرے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ فلاں حلیہ کے ایک شخص نے حضور اقدس کا خط بذریعہ ڈاک مجھے ارسال کیا اور بعد میں خود آکر رقم طلب کی۔ کیا آپ نے اسے میرے پاس بھیجا ہے یا یہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر علاقے کے امراء اور روساء کو مطلع کردوں گا۔ مثلاً ہندوستان میں عبد العلیم خان نواب امیر ریاست ٹونک وغیرہ، کشمیر میں میاں لعل دین وزیر راجہ کشمیر اور سندھ میں نواب قیصر خان مگسی ساکن جھل اور دیگر لوگوں کو خطوط لکھ دوں گا کہ اس قسم کے کذاب اور مکار لوگوں سے خبردار رہیں۔ اس کے بعد میر منشی نے مسودہ لکھ کر پیش کیا جو حضرت اقدس نے پسند فرمایا

مقبوس ۱۱: بوقت مغرب بروز چہارشنبہ ۲ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ

حضرت بوریا پر بیٹھے وظیفہ عم یتساءلون پڑھ رہے تھے۔ایک عزیز کتاب کشف المحجوب پڑھ رہا تھا اور آپ اس کی طرف بھی متوجہ تھے ۔ چونکہ کتاب میں طباعت کی کافی غلطیاں تھیں بعینہٖ وہی عبارت تحریر کرنا مناسب نہیں ۔ بہرحال مضمون یہ تھا کہ "؛ ۔

شیخ منصور بن الحلاج

" جب حضرت شیخ منصورؒ غلبہ حال میں (اپنے شیخ) حضرت عمر بن عثمان سے بیزار ہو کر حضرت شیخ جنیدؒ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے دریافت کیا کیسے آئے ۔ شیخ منصور نے کہا حضرت اقدس کے ساتھ صحبت کی خاطر حاضر ہوا ہوں ۔ سید الطائفہ نے فرمایا مجانین (جمع مجنون) کے ساتھ صحبت درست نہیں ۔ صحبت کے لیے صحت حال ضروری ہے ۔ جب تم نے اس آفت کے ساتھ صحبت اختیار کر لی ہے (یعنی غلبۂ حال کے ساتھ) تو ہو گا وہی جو شیخ عمر بن عثمان کے ساتھ تم نے کیا ہے ۔ شیخ منصور نے کہا ۔ ایہا الشیخ الصحو والسکر صفتان لعبد وما دام العبد محجوبا عن ربہ حتیٰ فنی (اے شیخ صحو اور سکر یعنی ہوشیاری اور مستی بندہ کی دو صفات ہیں ۔ بندہ حق تعالیٰ سے محجوب رہتا ہے جب تک کہ وہ صفات فنا نہ ہوں) سید الطائفہ نے فرمایا یا ابن المنصور خَطَئْتَ فی الصحو والسکر (اے ابن منصور تو نے صحو و سکر سمجھنے میں خطا کی ہے) اس وجہ سے کہ صحو سے مراد صحتِ حال ہے ۔ حق سبحانہ کے ساتھ ۔ اور سکر کا مطلب ہے فرطِ شوق اور غایتِ محبت اور یہ دونوں صفات خلق کی نہیں ہیں ۔ اے ابن منصور مجھے تیرا کلام بہت فضول اور بے معنی نظر آتا ہے ۔"

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ کشف المحجوب کے مصنف نے شیخ منصور کو ائمہ (جمع امام) میں شمار کیا ہے ۔ وہ مقام تلاش کرو ۔ کتاب پڑھنے والے نے ورق گردانی کی لیکن وہ مضمون نہ ملا ۔ حضرت اقدس نے فرمایا ضرور لکھا ہے ۔ اس کے بعد آپ نے خود چند اوراق پلٹے اور وہ مقام جہاں شیخ منصور کو امام لکھا گیا ہے ، ڈھونڈ لیا [1] ۔ اس کے بعد اس شخص کے حوالے

---

۱ ۔ حضرت اقدس کی قوت حافظہ ملاحظہ ہو ۔

کرکے فرمایا کہ یہاں سے پڑھو۔ اس نے شیخ منصورؒ کا سارا بیان پڑھا۔ پوری عبارت یہ ہے :۔

"اور ان میں سے مستغرق اور مستہلک شیخ ابوالمغیث الحسین بن المنصور الحلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جن کا شمار طریقت کے مشتاقان اور مستان میں ہوتا ہے۔ ان کا حال قوی اور ہمت بلند تھی مشائخ عظام کا ان کے حق میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے ان کا انکار کیا ہے مثل عمر بن عثمان المکیؒ، ابوالیوب اقطعؒ، ابویعقوب ہزجوریؒ اور علی بن سہل اصفہانیؒ وغیرہم۔ بعض نے ان کو قبول کیا ہے جیسے ابن عطا محمد بن خفیفؒ، ابوالقاسم نصرآبادیؒ اور جملہ متاخرینؒ۔ بعض نے احتیاط سے کام لیا ہے نہ انکار کیا ہے نہ قبول۔ جیسے حضرت جنید بغدادیؒ، حریریؒ اور حصریؒ۔ بعض لوگوں نے شیخ منصور کو سحر یعنی جادو سے منسوب کیا ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ، شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ اور شیخ ابوالعباس شغانیؒ نے شیخ منصور کو بزرگ مانا ہے۔ استاد ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر شیخ منصور عارف باللہ تھے تو لوگوں کے کہنے سے غیر عارف نہیں ہو سکتے۔ اور اگر مقبول حق نہ تھے تو خلقت کے کہنے سے مقبول نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ہم یہ معاملہ حق تعالےٰ پر چھوڑتے ہیں۔ البتہ جو علامات ہم نے ان کے اندر دیکھی ہیں۔ اس وجہ سے ہم ان کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن اولیاء اللہ کی اکثریت ان کو بزرگ مانتی ہے اور ان کے ذکر و مجاہدات کو تسلیم کرتی ہے۔ حسین بن منصور حلاّج بھی دو ہو گزرے ہیں۔ ایک حسین بن منصور بغدادی جو ملحد تھا اور محمدؐ بن زکریا کا استاد تھا اور ابوسعید قرمطی کا رفیق تھا۔ دوسرا شیخ حسین بن منصور حلاّج فارسی بیضاوی تھا۔ بعض ظاہر بین لوگوں نے ہم نام ہونے کی وجہ سے اسی شیخ حسین بن منصور بیضاوی کا انکار کیا ہے۔ اور ان کو سحر اور حیلہ بہانہ سے منسوب کیا ہے۔ لیکن حضرت منصور ان صفاتِ ذمیمہ سے پاک تھے۔

جن لوگوں نے شیخ منصور بن حلاج کا انکار کیا ہے اس وجہ سے نہیں کیا کہ وہ مقبول حق نہ تھے۔ بلکہ اس وجہ سے انکار کیا ہے کہ ان کا رویہ درست نہ تھا کیونکہ پہلے انہوں نے شیخ سہل بن عبداللہ سے بیعت کی۔ لیکن ان کو چھوڑ کر شیخ عمر بن عثمان مکی کے پاس چلے گئے۔ اس کے بعد ان کو بھی چھوڑ کر شیخ جنید بغدادیؒ کی خدمت میں چلے گئے۔ لیکن جنیدؒ نے ان کو قبول نہ کیا۔ اس وجہ سے بعض مشائخ نے ان کو مہجور کہا ہے لیکن "مہجورِ معاملہ" نہ کہ "درحقیقت مہجور"۔

شیخ شبلیؒ نے فرمایا ہے کہ اَنَا وَالحلاج فِی شَیئٍ وَاحِدٍ مُخَلِّصِنِی جُنُونِی

وَاَھلکہٗ عَقلُہٗ (میں اور حلاج ایک ہی حالت میں ہیں - پس مجھے جنون نے بچالیا اور ان کو عقل نے ہلاک کر دیا) اگر وہ دین میں مطعون ہوتے تو شبلیؒ یوں نہ کہتے کہ میں اور حلاج ایک ہی حالت میں ہیں - حضرت خفیفؒ نے فرمایا ہے کہ ھُوَ عالِمٌ رَبّانی (وہ عالمِ ربّانی تھے) آپ کی بزرگی اور فضیلت پر اور بھی بہت سے شواہد ہیں پس بعض مشائخ کی نارضامندی کو دیکھ کر شیخ حلاج لوگوں کی نظروں میں گر گئے ہیں - آپ کی تصانیف بہت ہیں - اور اصول اور فروع میں آپ کے رموز بلند اور کلام مہذّب ہے - اور میں جو علی بن عثمان جلاّبی ہوں (حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ) میں نے ان کی تصانیف کے پچاس نسخے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں دیکھے ہیں اور بعض نسخے فارس ، خراسان اور خوزستان میں بھی ہیں - ان کے اندر تمام قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں - بعض آسان ہیں بعض مشکل - حقیقت یہ ہے کہ جب کسی شخص پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی چیز ظاہر ہوتی ہے تو وہ اسے اپنی استعداد کے مطابق لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے اور ایسا کرنے میں حق تعالےٰ اس کی مدد فرماتے ہیں - لیکن اگر کسی کا کلام جلدی جلدی بیان کرنے یا بیان کرنے والے کے استغراق کی وجہ سے پیچیدہ ہو جائے تو اس وقت کے بعض لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض لوگوں کی عقل اس کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہے - غرضیکہ ایک گروہ اپنی جہالت کی وجہ سے انکار کرتا ہے اور دوسرا اپنی جہالت کی وجہ اقرار کرنے لگتا ہے چنانچہ ایک کا اقرار دوسرے کے انکار کی مانند ہے - لیکن جب اہلِ تحقیق و بصیرت غور کرتے ہیں تو نہ وہ اس کی عبارت میں الجھتے ہیں نہ اس کی پیچیدگی سے تعجب کرتے ہیں بلکہ وہ اس کی مدح و ذم ، اور اقرار و انکار - دونوں سے بلند تر ہوتے ہیں - جو لوگ اس جوانمرد یعنی حسین ابن منصور الحلاج کے عجیب و غریب حالات کو سحر (جادو) سے منسوب کرتے ہیں سخت غلطی پر ہیں - اس لیے کہ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک سحر کا وجود کرامت کی طرح حق ہے - فرق یہ ہے کہ حالتِ ہوش میں سحر کا ظاہر کرنا کمال کفر ہے اور مستی میں کرامت کا ظاہر کرنا کمال معرفت ہے - کیونکہ جادو خداوند تعالےٰ کے غضب کا نتیجہ ہے اور کرامت اس کی رضامندی کی دلیل ہے - اور میں اس بات کو متعلقہ باب میں مفصل بیان کروں گا - اہل سنت و جماعت کے اہلِ بصیرت لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان خسارہ اٹھانے والا جادوگر نہیں ہو سکتا - اور نہ کوئی کافر صاحبِ

کرامت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ضدین آپس میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اور حسین ابن منصور جب تک زندہ رہے نیکی کے لباس میں رہے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور اللہ تعالےٰ کی نہایت ہی پاکیزہ حمد وثنا بیان کرتے تھے۔ اور توحید الٰہی میں عمدہ نکات بیان فرماتے رہے۔ اگر آپ کے افعال سحر پر مبنی ہوتے تو یہ سب نیک امور آپ کے لیے محال ہوتے۔ پس اس میں شبہ نہیں کہ یہ افعال کرامت تھے۔ اور سوائے محقق ولی کے کسی کو حاصل نہیں ہوتے۔ بعض ارباب حقیقت آپ کے اس نظریے کے پیش نظر کہ خدا اور بندہ باہم مل کر ایک وحدت بن جاتے ہیں۔ آپ کو قبول نہیں کرتے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان بزرگوں کی تشنیع آپ کی عبارت میں ہے نہ کہ معنی میں۔ کیونکہ مغلوب الحال شخص کے لیے ممکن نہیں کہ اس کی عبارت صحیح ہو۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اس کی عبارت کے معانی اس قدر مشکل ہوں کہ لوگ اس کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔ اور وہم وجہالت کی وجہ سے انکار کر دیں۔ حالانکہ یہ انکار اُن کے اپنے فہم کے قصور کی وجہ سے ہے۔ میں نے بغداد کے نواح میں ملحدین کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور اُن کے کلام کو اپنی بے دینی کے لیے حجت قرار دیتے تھے۔ اور اپنے آپ کو حلاجی کہتے تھے۔ اور ان کے معاملہ میں بہت غلو کرتے تھے۔ جیسا کہ رافضی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی محبت میں غلو کیا کرتے ہیں۔

میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کے کلمات کی تردید میں ایک مفصل باب لاؤں گا۔ الغرض آپ کا کلام اقتداً کے لائق نہیں اس لیے کہ آپ اپنے حال میں مغلوب تھے۔ اور اپنے آپ پر قابو رکھتے تھے۔ اقتدار ایسے شخص کے کلام کی ہوسکتی ہے جو اپنے قابو میں ہو۔ پس اللہ کا شکر ہے کہ میرے دل میں آپ کی عزت ہے۔ لیکن نہ آپ کا طریق کسی اصول پر صحیح ہے نہ آپ کا حال کسی محل پر قائم ہے اور آپ کے احوال میں بظاہر فتنہ کافی ہے۔ مجھے آپ مکاشفات کی ابتدا میں ان کے متعلق بہت سے دلائل ملے ہیں اور میں نے آپ کے کلام کی شرح میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں دلائل و براہین سے آپ کے کلام کی بلندی اور حال کی صحت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اپنی دوسری کتاب منہاج الدین میں ان کے احوال کی ابتدا اور انتہا کو بیان کیا ہے اور یہاں پر بھی اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ پس وہ طریق کہ جس کے اصل اتنے اعتراضات کے ساتھ یا اعتراضات سے اتنے احتراز کے ساتھ ثابت کرنا پڑے اس سے کیونکر تعلق پیدا کیا جائے اور کیسے اس کی پیروی

کی جائے - کیونکہ خواہش نفس کو سچائی ہرگز موافق نہیں آتی - اس لیے وہ حق سے انحراف کی کوئی بات تلاش کرتی رہتی ہے تاکہ اس سے لپٹ جائے - آپ سے روایت ہے کہ اَلْاَلْسِنَةُ مستنطقاتٌ تحت نُطقِهَا مُسْتَهْلِكَات صَامِتَات (زبانیں بولتی ہیں لیکن ان کے بولے ہوئے الفاظ میں بعض ہلاک کرنے والے مخفی اور خاموش الفاظ بھی ہوتے ہیں) یعنی الفاظ اور عبارات سب باعثِ خرابی ہیں - اور حقیقت بیان کرنے سے قاصر ہیں - کیونکہ جب معنی حاصل ہو جائے تو پھر وہ عبارت کی وجہ سے گم نہیں ہوتا - اور اگر وہ گم ہو جائے تو وہ عبارت کی وجہ سے پیدا نہیں ہو سکتا - اور حقیقت یہ ہے کہ طالب اپنے زعمِ باطل میں کسی عبارت کو غلط معانی پہناتا ہے اور پھر سمجھتا ہے کہ یہی حقیقی معانی ہیں اور اسی طرح ہلاک ہو جاتا ہے - واللہ اَعْلَمُ

ختم ہوئی کشف المحجوب کی عبارت -

اس عبارت کو حضرت اقدس بڑی توجہ سے سنتے رہے اور جس جگہ حضرت حسین ابن منصور کی تعریف آتی تھی تو آپ بہت خوش ہو جاتے تھے اور تبسم فرماتے تھے - اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے نزدیک شیخ منصور مردانِ خدا اور ائمہ ہدیٰ (ہدایت کے امام) ہیں - ورنہ اس قدر سرور و خوشی آپ سے کیوں ظاہر ہوتی - جس جگہ شیخ منصور کا انکار آتا تھا تو آپ ناخوش ہو جاتے تھے -

ہم غلامان اچھی طرح جانتے ہیں کہ شیخ منصورؒ، شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور شیخ بایزید بسطامیؒ کو حضرت اقدس امامِ فقر و طریقت سمجھتے ہیں - آپ کے دیوان میں بھی بہت سی کافیوں میں ان حضرات کو آپ نے اپنا استاد کہا ہے اور ان کے مشرب کا اتباع کیا ہے - چنانچہ ایک کافی میں آپ نے فرمایا ہے ؎

ملاں وَیری سخت ڈسیندے   بلیک ہن استاد دِلیندے

ابن العربی تے منصور

(علمائے ظاہر مجھے دشمن نظر آتے ہیں - اور میرے دل کے دوست ہیں منصورؒ اور ابن عربیؒ)

ان اشعار میں آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ منصور کو اپنا استاد القلوب قرار دیا ہے -

ایک اور کافی میں آپ نے فرمایا ہے ؎

عاشق مست مدام ملامی   کہہ سبحانی بن بسطامی

آکھ انا الحق تھئے منصور   دائمی عاشق لوگ سبحانی ما اعظم شانی

شرح :۔ عاشق ہمیشہ مست رہتے ہیں اور سبحانی ما اعظم شانی کا نعرہ مار کر بایزید بسطامی بن جا اور انا الحق کا نعرہ لگا کر منصور بن جا۔ یہاں بھی

آپ نے شیخ ابویزید بسطامی اور شیخ منصور کی اتباع کا دعوٰی کیا ہے ۔ اس وجہ سے کہ "آکھ" یا "کہہ" ہندی زبان میں امر کا صیغہ ہے ۔ نیز "تھی" بھی ہندی زبان میں صیغۂ امر ہے ۔ یعنی "ہو جا" یا "بن جا"، مطلب یہ کہ بسطامی اور منصور بن کر تو بھی اسی قسم کے نعرے لگا ۔ جس طرح وہ مشرب رکھتے تھے تو بھی یہی مشرب اختیار کر ۔ اور ان کی اقتدا کر ۔

ایک اور کافی میں آپ نے فرمایا ہے ؎

ملاں دے وعظ نہ بھاندے   بیشک ساڈا دین ایمانے
ابن عربی دا دستور

(مولوی کے وعظ مجھے اچھے نہ لگے ۔ بلاشبہ ہمارا دین ایمان ابن عربی کا دستور ہے)

یہاں بھی آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی کے مسلک کو سراہا ہے ۔ اور اُن کے دستور کو اپنا دین ایمان کہا ہے ۔

ایک کافی میں آپ نے فرمایا ہے ؎

سکھ ریت روش منصوری نوں   ہُن ٹھپ رکھ کنز قدوری نوں

(منصور کی روش سیکھو اور کنز اور قدوری جیسی کتابوں کو بند کر دو)

اس کافی میں بھی آپ نے شیخ منصور کے مشرب کو سیکھنے کی تاکید کی ہے ۔ کیونکہ "سکھ" بھی ہندی زبان میں امر کا صیغہ ہے ۔ اسی طرح بہت سی کافیوں میں آپ نے ان حضرات کے مسلک اور مشرب کی تقلید کے لیے تاکید فرمائی ہے ۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت اقدس نے شیخ منصور کو امامِ طریقت قرار دیا ہے اور اُن کے قول و فعل کو سند قرار دیا ہے [۱]

---

[۱] ملفوظات کے جمع کرنے والے یعنی مولوی رکن الدین نے یہاں اس بات پر خوب زور دیا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ کا مسلک و مشرب رندانہ تھا ۔ کیونکہ آپ شیخ منصورؒ، شیخ ابویزید بسطامیؒ اور شیخ ابن عربیؒ کے ہم مشرب تھے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ ابویزید بسطامیؒ شیخ منصورؒ دونوں کے زندگی کے حالات سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ ان حضرات کا مشرب رندانہ تھا ۔ بلکہ یہ تینوں

اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

ترا زیبد شہنشاہی در اقلیم دل آرائی
بدیں خوبی و زیبائی، بدیں شوخی و رعنائی

(اے محبوب عشق و محبت کے میدان میں تجھے شہنشاہی سجتی ہے اس وجہ سے کہ تو حسن و جمال اور شوخی اور رعنائی میں یکتا ہے)

مقبوس ۱۲: بوقت عشاء یکشنبہ یکم جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس وظیفہ پڑھ رہے تھے اور حاضرین حلقہ باندھے آپ کے گرد بیٹھے تھے۔ حاضرین

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ حضرات بڑی سختی سے متبع شریعت تھے۔ البتہ کبھی کبھی استغراق و بے خودی کی حالت میں حضرت ابویزید بسطامیؒ کے منہ سے سبحانی ما اعظم شانی نکل جاتا تھا لیکن جب آپ کو بتایا جاتا تھا کہ آپ سے یہ الفاظ سرزد ہوئے ہیں تو آپ استغفار پڑھتے تھے اور مریدوں کو حکم دیتے تھے کہ جب یہ الفاظ زبان سے نکلیں تو مجھے قتل کر دینا۔ لیکن آپ کی کرامت سے چھریاں خود مریدین کی طرف مڑ جاتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ سے یہ کلمات استغراق و مستی کے عالم میں سرزد ہوتے تھے جو آپ پسند نہیں کرتے تھے۔ علاوہ ازیں ان ہی ملفوظات سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہمیشہ شرع شریف کے مطابق گذری ہے۔ فرض تو بجائے خود آپ سے نوافل بھی کبھی فوت نہ ہوئے آپ تمام اذکار و مشاغل، اوراد اور وظائف پر سختی سے پابند تھے۔ سجدے میں جاکر آپ سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور اسی طرح بعد نماز عشاء آپ تین مرتبہ سجدہ کرتے تھے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ شاعری اور چیز ہے اور عمل دوسری چیز ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عشق و مستی کے عالم میں آپ نے شاعرانہ طریق پر منصور، ابویزید بسطامی اور ابن عربیؒ کی تعریف کی ہے۔ لیکن اس تعریف سے آپ کا رندی مشرب ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ آپ سختی سے متبع شریف تھے۔

مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ فلاں سید کو رافضیوں اور سبئیوں سے بہت نفرت اور دشمنی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے بھی ان لوگوں سے کمال درجہ کی نفرت ہے۔ یہاں تک کہ حالت خواب میں بھی مجھے اس گروہ سے جنگ وجدل رہتی ہے۔

اس کے بعد اس بات پر گفتگو ہونے لگی کہ آیا تعداد میں سبی زیادہ ہیں یا وہابی۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ حال ہی میں جو مردم شماری ہوئی ہے۔ اس کے اعداد و شمار میں نے دفتر مردم شماری میں دیکھے ہیں۔ ایران سمیت سارے روئے زمین پر ایک کروڑ پچاس لاکھ رافضی رہتے ہیں۔ خارجی ستر لاکھ ہیں اور وہابی اسی لاکھ ہیں۔ گویا خارجیوں اور وہابیوں کا مجموعہ رافضیوں کے برابر ہے۔

مقبوس ۱۳: بوقت مغرب دوشنبہ ۲ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس وظائف پڑھ رہے تھے۔ آپ نے جائے نماز بچھانے کا اشارہ فرمایا اور خود اقامت پڑھی۔ اس کے بعد نماز باجماعت ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ بوریا پر تشریف فرما ہوئے اور تمام حاضرین آپ کے گرد حلقہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ لوگ اپنی اپنی حاجات طلب کر رہے اور مرادیں پا رہے تھے۔ اس کے ساتھ آپ ذکر لا الہ الا اللہ اور اللہ بھی کر رہے تھے۔ ایک بار آپ نے برکت علی لبابی جن پر آپ بڑی شفقت فرماتے تھے کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ کچھ لکھا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! اور اپنی جیب سے دو تین ورقے انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں نکال کر پیش کیے۔ آپ نے دیکھ کر تحسین فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب تک کسی چیز میں مستغرق نہ ہو جاؤ۔ وہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔

مقبوس ۱۴: بوقت چاشت بروز یکشنبہ ۷ رجب ۱۳۱۴ھ

محفلِ سماع آج سلطان الاولیاء حضرت خواجہ محمد عاقل قدس سرہٗ کے عرس کا دوسرا دن تھا۔ حضرت اقدس مجلس سماع میں شامل ہوئے۔ ہجوم خلائق اس قدر تھا کہ تحریر سے باہر ہے۔ قوالوں نے ساز سیدھے کر کے ایک دوہڑہ پڑھا۔

اس پر حضرت اقدس پر کافی رقت طاری ہوئی اور گریہ بھی ہوا۔ اس کے بعد امام بخش قوال نے یہ اشعار پڑھے ؎

دلہا کباب جلوۂ مستانۂ تو اَند — جانہا خراب گردشِ پیمانۂ تو اَند

خورشید طلعت از پئے در دیدہ دیدنت — گرمی تلاش روزن کاشانۂ تو اَند

قومے کہ از جہاں دلِ بیدار بردہ اَند — در خواب مرگ گوش بر افسانۂ تو اَند

۱۔ اے دوست تیرے جلوۂ مستانہ نے عشاق کے دلوں کو کباب کر دیا ہے اور تیرے پیمانہ کی گردش سے جانیں تباہ ہوگئی ہیں۔

۲۔ آفتابِ عالم تاب تیرے دیدار کی طلب میں تیرے گھر کے روزن کی تلاش میں ہے تاکہ جھانک کر تیرے حسن کا جلوہ دیکھ سکے۔

۳۔ وہ لوگ جو اس جہان سے دلِ بیدار لے گئے ہیں۔ خوابِ مرگ میں تیری قیل وقال پر کان لگائے پڑے ہیں۔

حضرت اقدس کو ان اشعار پر کافی گریہ ہوا۔ حضرت قطب الموحدین پر بھی کافی رقت طاری ہوئی۔ اور سر ہلاتے رہے۔ جب کیفیت نے غلبہ کیا تو انہوں نے اپنا سر حضرت اقدس کے زانو پر رکھ کر زور زور سے رونا شروع کیا۔ اس وقت تمام اہلِ مجلس پر گریہ طاری تھا۔ حضرت اقدس کمال شفقت سے صاحبزادہ صاحب کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور خود بھی آنکھوں سے آنسو بہا رہے تھے۔ اس کے بعد قوالوں نے یہ کافی شروع کی ؎

صدقے صدقے دو توں ناں آیوں ساڈے سانگے

ذات تیڈی ہے دو بر حق مطلق ہر رنگ ڈے وچ وو توں ہیں ھوحق

پے گئے پیچ اڑانگے

رنگ بے رنگی وو لکھ لباساں کوئی نہ سمجھے دو قال قیاساں

راز سو نجانن نانگے

شمس الحق حق وو کر کے کھیلیاں

عاشق یار اڑانگے

اشرف آکھن وو بس بے ادبی یار مسبب وو آیا سببی

جی تاں اوسے تانگے

اس پر بھی حضرت اقدس کو بہت گریہ ہوا۔ اور حضرت صاحبزادہ صاحب بلکہ ساری مجلس پر گریہ طاری تھا اور ہا وھو کے نعرے بلند تھے۔ آخر مندرجہ بالا کافی پر حضرت اقدس پر اس قدر حال طاری ہوا کہ اگرچہ بیٹھے رہے لیکن نہایت ہی جوش میں تھے اور سینہ مبارک سے آواز ہا ہا ہا کمالِ سوز و درد سے نکل رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہا ہا بڑے جوش سے نکلنے لگی اور اس قدر استغراق طاری تھا کہ جو بیان سے باہر ہے۔ جب مجلس کے اختتام پر ختم شروع ہوا تو آپ نے دونوں ہاتھ فرش پر لگا کر اپنے رخسار مبارک پر لگائے۔

مقبوس ۱۵: بوقت چاشت بروز دوشنبہ رجب ۱۳۱۴ھ

محفلِ سماع

حضرت اقدس محفلِ سماع میں شرکت کی خاطر تشریف لائے۔ آج ختم کا دن تھا۔ قوالوں نے اس دوہڑے سے ابتدا کی سے

ماہی جھوک لڈائی ویندا کلھڑی ویندا سٹّی

رانجھن نال چوبندی ولیاں کنور مندھانی مٹّی

خوشدل یار دی ونج سڈ ولیاں توڑیں جھنگ دی جٹّی

اس دوہڑے پر بھی حضرت اقدس پر رقت طاری ہوئی اور حسب عادت رومال سے آنسو پونچھ رہے تھے یہاں تک کہ رومال تر ہوگیا۔ یہ دیکھ کر خادم دوسرا رومال لایا۔ جب وہ بھی تر ہوگیا تو تیسرا رومال لایا گیا۔ اس کے بعد قوالوں نے یہ دوہڑا پڑھا ؎

بہتے چاک تیڈے میاں بابل میںنوں رانجھن جھانکوئی
ہتھ ٹروٹا گل وچ گانی مونڈھے سونڈھی سوئی
رمز حسن دی ویکھی جے کوئی عاشق ہوندا سوئی
لوکاں لیکھے گا من سائیں ہک ہیر کملی ہوئی

اس پر بھی حضرت اقدس کو گریہ ہوا۔ اس کے بعد قوالوں نے یہ غزل گائی ؎

اساں ساگی خود آیوں عام چوری ایں دیں ربتوں نا ہے نا ہے
ماگ اونہیں میں شاہ منصور جو لکھیں ڈیون گواہیوں
کیویں چڑھیوں ونج پھاہی
شاہ سرمد جی سرتی ساتوں سروڈھوں بسر واہیوں
عشق اوقات پیا ہی
میخانہ ہوں مست ہمیشہ کیوں کعبہ وہیں کاہیوں
دین ایمان بہی چھاہی
زوراں زور پون اوقاتاں بھڑکن برہوں جو بھاہیوں
کیجو آہے کڈن تا آہے
بات سچل دی عاشق سمجھے کوئی کوئی جوں ایں دیں آہی آہی

اس سندھی غزل پر بھی حضرت اقدس پر رقت طاری ہوئی اور جوش سے سر ہلاتے رہے۔ یہاں تک کہ ٹوپی سر سے گر گئی جس سے ساری مجلس میں شورش برپا ہوئی اور اس قدر ہیجان پیدا ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ آپ پر حال طاری تھا اور بڑے زور سے آپ سر ہلا رہے تھے۔ آپ کئی بار زمین پر سر رکھ کر سجدے کر رہے تھے اور جوش کے عالم میں تھے۔ اس سے ہجوم بڑھ گیا لوگ قوالوں پر گرنے لگے اور ساری مجلس پراگندہ ہوگئی۔ حضرت اقدس پر اس قدر حال طاری تھا کہ طاقتِ بیان نہیں۔

اس کے بعد برکت علی نے جو آپ کا منظور نظر قوال تھا۔ یہ اشعار پڑھے ؎

ہم باسی اوسی دیس کے جہاں پار پرم کا کھیل | دیپک جلی وہیاں کا بن باتی بن تیل
ہم تہیٔ پیاسی بوند کی گور دنیا ساگر دان | اپنے آپ میں مگن بھئی اپنا آپ پہچان
اپنا نسرن جاپ ہی اپنا نسرن وہیاں | بیکھا گور کی وارنی جن دنیا وہیاں گیان
آں را کہ فنا شیوہ و فقر آئین است | نے کشف و یقین نے معرفت نہ دین است
رفت او زمیان ہمیں خدا ماند خدا | الفقر اِذَا تَمَّ هُوَالله این است

(وہ لوگ کہ جن کا شیوہ فنا فی اللہ اور دستور فقر ہے ان کو نہ کشف و کرامت کی ضرورت ہے نہ ارکان دین جاننے کی ضرورت ہے۔ وہ خود درمیان سے اٹھ گئے ہیں اور اللہ ہی اللہ باقی رہ گیا ہے کسی نے خوب کہا ہے کہ جب فقر انتہا کو پہنچتا ہے تو اللہ باقی رہ جاتا ہے)

اس کے بعد حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غزل گائی گئی ؎

منہ آئی بات نہ رہندی ہے | اتھ جھوٹ بولی سو بچتا ہے

اس کافی پر بھی حضرت اقدس پر کیفیت طاری ہوئی اور صوفی حضرات پر وجد و حال طاری رہا۔ اس کے بعد ختم پڑھا گیا اور ختم کے بعد حضرت اقدس نے دعا مانگی۔ راقم الحروف نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کی۔ جب انتیس بار سورۂ فاتحہ پڑھ چکا تو حضرت اقدس نے دعا ختم کی۔ آپ ہمیشہ اسی طرح لمبی دعا مانگتے تھے۔

مقبوس ۱۶ : بوقت ظہر بروز یک شنبہ ۲۸ رجب ۱۳۱۴ھ

دولت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ حضرت اقدس نئے محل میں تشریف فرما تھے اور تمام غلامان آپ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔

مسجد میں بیٹھ کر شہنائی سننا

اس کے بعد آپ نے نئے محل کے پاس والی چھوٹی مسجد میں نماز پڑھی اور محل کے جنوبی تھلہ پر بیٹھ گئے۔ مولوی محمد علی راجن پوری نئے محل کی مبارکباد کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ وہ قوال بھی ساتھ لائے تھے۔ حضرت

اقدس نے فرمایا کہ شہنائی بجائی جائے ۔ چنانچہ قوالوں نے شہنائی میں غزلیں سنائیں ۔ حتیٰ کہ عصر کا وقت آگیا ۔ آپ نے عصر کی نماز باجماعت ادا کی اور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر فرمایا کہ قوال شہنائی میں راگ بہاگ گائیں ۔ قوالوں نے حکم کی تعمیل میں اور یہ غزل شہنائی میں سنائی ؎

ما جامِ جہاں نمائے ذاتیم ما مظہرِ جملہ صفاتیم

اسے حضرت اقدس نے بہت پسند فرمایا ۔ اور ایک دو صوفی مثل مخدوم غلام شاہ صاحب اوچی وغیرہ پر حال بھی طاری ہو گیا اور مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا ۔ مغرب کی نماز باجماعت پڑھ کر حضرت اقدس گھر تشریف لے گئے ۔ یاد رہے کہ شہنائی بجانے والے اور رقص کرنے والے مسجد سے باہر تھے لیکن حضرت اقدس مسجد میں بیٹھے تھے ۔

مقبوس ۱۷ : بوقت عصر بروز چہار شنبہ ۱۶ شعبان ۱۳۱۴ھ

دولت قدم بوسی نصیب ہوئی ۔ حضرت اقدس تلاوت قرآن میں مشغول تھے ۔ حاضرین مجلس میں سے ایک سیّد بھی تھا ۔ مولوی غلام احمد اختر نے انہیں کہا کہ لوگ آپ کو سبّی کہتے ہیں ۔ یہ سن کر دوسرے لوگ بھی کہنے لگے کہ فی الواقع یہ سبّی ہیں ۔ حضرت اقدس نے فرمایا ہاں مولوی ہوتے ہوئے سبّی ہو گیا ہے ۔ تلاوت سے فارغ ہو کر حضرت اقدس نے فرمایا سبّی لوگ بہت چالاکی سے کام لیتے ہیں ۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں ان کی تمام چالاکیوں کو جمع کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ بعض سبّیوں نے ساری عمر اپنے آپ کو سنی ظاہر کیا اور اس لباس میں رہ کر انہوں نے مکر و فریب کے ذریعے سادہ دلوں کو ورغلایا اور سبّی بنایا ۔ لیکن مرنے سے دو چار دن پہلے کہہ دیا کہ اب مجھے خدائے عزوجل نے بتا دیا ہے کہ سبّی مذہب سچا مذہب ہے ۔

اس کے بعد فرمایا کہ مخدوم غریب شاہ کہتے تھے کہ ایک دن ایک سبّی نے کہا کہ مولانا رومؒ بھی سبّی تھے ۔ میں نے کہا نہیں وہ سنی پاک مذہب تھے ۔ سبّی نے یہ شعر بطور سند پیش کیا ؎

چوں صحابہ حُبّ دنیا داشتند مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند [1]

---

[1] ۔ یہ شعر شیعوں کی طرف سے الحاقی ہونے کے علاوہ صحیح بھی نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام نے آں حضرت

باقی اگلے صفحہ پر

(چونکہ صحابہ دنیا کی محبت رکھتے تھے اس لیے انہوں نے مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا کفن چھوڑ دیا)

میں نے جواب دیا کہ یہ شعر کسی سنی کا ہے۔ مولانا رُوم کا نہیں ہے۔ چنانچہ مثنوی کا ایک نسخہ کھول کر دیکھا گیا تو یہ شعر موجود تھا لیکن جب ایک پرانے قلمی نسخہ میں دیکھا گیا تو یہ شعر وہاں نہیں تھا۔

شیخ فریدالدین عطارؒ کی کتاب میں الحاق

اس کے بعد فرمایا کہ یہ ایک کرامت ہے کہ ایک دن ہم کتاب منطق الطیر مصنفہ شیخ عطارؒ دیکھ رہے تھے اور یہی اشعار وہاں بھی درج تھے۔ مخدوم غریب شاہ نے کہا کہ طباعت میں یہ اشعار رافضیوں کے الحاق شدہ ہیں۔ لیکن میرے دل میں ذرا سا تزلزل رہ گیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ آخر ایک دن ہم فیروزہ میں بیٹھے تھے کہ میاں امام بخش ملا گاذر خانپوری نے آکر منطق الطیر کا ایک قلمی ڈھائی سو سالہ نسخہ بطور نذر پیش کیا اور یہ مصرع پڑھا ؎

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ صلے اللہ علیہ وسلم کی باقاعدہ تجہیز و تکفین کی اور کئی روز تک، دور دور سے لوگ آکر نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ اس بات کی تصدیق تاریخ طبری جو نہایت ہی مستند تاریخ ہے میں یوں کی گئی کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ رسول منتخب ہو گئے اور آپ نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لینا شروع کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کپڑوں میں بیٹھے تھے اٹھ کر باہر آئے اور حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کر کے خادم سے کہا میرے کپڑے لاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ اتنی جلدی کیا تھی۔ باہر کا لباس پہن کر آسکتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میرے بھائی ابوبکرؓ یہ شکوہ کرتے کہ علیؓ نے بیعت کرنے میں دیر لگا دی۔ البتہ مجھے حضرت ابوبکرؓ سے یہ شکایت ضرور تھی کہ جب انصار کے محلے میں خلیفہ رسول کا انتخاب ہوا تو مجھے نہ بلایا گیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ جواب دیا کہ آپ تو اہل بیت میں سے تھے۔ آپ تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ اگر ہم آپ کو بلاتے تو لوگ یہ کہتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر صحابہ خلافت کے جھگڑے میں مشغول ہو گئے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ان کے اس جواب سے میں مطمئن ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک تو حضرت علیؓ نے پہلے دن حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی۔ دوسرے یہ کہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین باقاعدہ ہوئی۔

برگ سبز است تحفۂ درویش (درویشوں کا تحفہ سبز پتوں کے سوا کیا ہو سکتا ہے)

ہم نے فوراً وہی جگہ نکال کر دیکھی تو وہ اشعار بالکل نہیں تھے۔ اس سے میرے دل کا خلجان رفع ہو گیا۔ اس کے بعد کسی نے کہا کہ جو لوگ ان کے مکر سے آگاہ ہیں فریب نہیں کھاتے۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ تحقیق کی قدرت نہیں رکھتے۔ ان کے فریب میں آ ہی جاتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ قاضی نور اللہ شاستری نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں اکابر اولیاء مثل حضرت غوث بہاؤ الدین زکریاؒ، حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانیؒ، حضرت سید جلال الدینؒ و حضرت مخدوم جہانیاں اوچیؒ و دیگر مشائخ چشتیہ و قادریہ سے اشعار اور عبارات منسوب کر کے اس کتاب میں درج کی ہیں اور شیعہ مذہب کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ در حقیقت وہ ابیات اور عبارات ان میں سے کسی بزرگ کی نہیں بلکہ قاضی نور اللہ کی خود ساختہ تھیں۔ اس کے ایک دوست نے کہا کہ قاضی جی یہ جو کتاب آپ نے لکھی یہ راز آخر فاش ہو جائے گا۔ اس وجہ سے کہ ان تمام مشائخ کے سلاسل اور کتابیں ان کے مریدین کے پاس موجود ہیں۔ اور ان کے بڑے بڑے مشائخ بھی موجود ہیں۔ قاضی نور اللہ نے کہا کہ اتنی تحقیق و تفتیش کون کرتا ہے۔ عام طور پر لوگ سادہ لوح ہوتے ہیں۔ کتاب دیکھ کر فوراً یقین کر لیں گے اور مجھے ثواب ہوگا۔ [1]

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے اپنی کتاب فتوحات مکی میں لکھا ہے کہ ساری خلقت سے یہ دو گروہ بدتر ہیں۔ ایک رافضی، دوسرے خارجی۔ یہ لوگ اپنی ساری عمر اس بات میں ضائع کر دیتے ہیں کہ فلاں افضل ہے اور فلاں افضل نہیں ہے اور راہِ خدا میں ہرگز قدم نہیں رکھتے۔

حضرت غوث علی شاہؒ کا ایک واقعہ

اس کے بعد فرمایا کہ میاں غوث علی شاہ صاحب نے تذکرہ غوثیہ میں فرمایا ہے کہ ایک دفعہ سیاحت کے دوران میں ایک مقام پر پہنچا۔ وہاں کے لوگوں سے میں نے سنا کہ ایک درویش لوگوں سے قطع تعلق کر کے ایک بیابان میں گوشہ نشین ہے۔ شوق دامن گیر ہوا کہ

---

[1] ثواب کہاں ہوگا عذاب ہوگا۔

مردِ خدا ہے اس کو جا کر ملنا چاہیئے۔ چنانچہ میں اُن کی خدمت میں گیا اور حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں حج کے ارادے سے جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ جہاز طوفان میں غرق ہو گیا لیکن میں ایک تختے پر بیٹھ کر کنارے جا لگا۔ میں کنارے پر جا رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بلند دیوار ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ دیوار کے پاس ایک درخت تھا۔ میں درخت پر چڑھ کر اندر داخل ہوا۔ وہاں ایک باغ تھا جس میں رنگ رنگ کے پھول تھے، چمن تھے اور خوبصورت درخت تھے۔ اس باغ میں نہایت شاندار محلات تھے لیکن آدمی زاد کوئی نہیں تھا۔ مجھے خیال آیا کہ شاید یہ جنّات کا مقام ہے۔ رات کے وقت ہوا سے کچھ سوار نمودار ہوئے اور محلّات میں چلے گئے۔ اس کے بعد اُن کے پاس ہوا سے قسم قسم کے کھانے آنے لگے۔ ان کے سردار نے کہا کہ آج ایک مہمان ہے اس کو بھی کھانا دے دو۔ چنانچہ ایک خادم میرے پاس کھانا لایا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں۔ اس نے کہا یہ حضرت امام حسن رضؓ اور حضرت امام حسین رضؓ ہیں اور اُن کے ساتھ دوسرے شہدار ہیں۔ یہ شہدار کا مقام ہے اور یہ لنگر بھی ان کا ہے۔ میں نے کہا میں شرف قدم بوسی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا میرے ساتھ چلو۔ میں نے جا کر ان کی زیارت کی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم یہاں کیسے آئے۔ میں نے سارا ماجرا سنایا۔ اور عرض کیا کہ مجھے حج پر پہنچا یا جائے۔ انہوں نے کہا یہیں رہ جاؤ۔ میں نے کہا حج سے واپس آکر رہوں گا۔ اور مجھے یہاں آنے کی توفیق بھی عطا فرمائیں۔ ابھی حج میں نو دس مہینے باقی تھے۔ میں وہاں رہنے لگا۔ جب حج قریب آیا تو انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ اسے مکہ معظمہ پہنچا دو۔ اس نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہاتھ اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں۔ میں نے حج ادا کیا اور حج کے بعد مدینہ منوّرہ کی زیارت کے لیے چلا گیا۔ اس کے بعد شہدائے کے مقام پر جانے کا شوق ہوا۔ اس شوق میں رات دن روتا تھا۔ ایک رات رو کر سویا۔ جب بیدار ہوا تو اپنے آپ کو شہدار کے مقام پر پایا۔ اور اُن حضرات کی زیارت سے مشرف ہوا۔ جب وہاں رہتے ہوئے کافی مدت گزر گئی تو وطن جانے کے لیے دل میں ملال پیدا ہوا۔ جب میری بے چینی زیادہ ہوئی تو انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ اس کو وطن پہنچا دو۔ چنانچہ اس نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور تھوڑی دیر بعد ہاتھ اٹھا لیا۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو وطن میں

پایا۔ لیکن افسوس ہے کہ رخصت ہوتے وقت میں نے ان سے یہ عرض نہ کیا کہ مجھے دوبارہ اپنے پاس بلا لینا۔ اب میں اس مقام شہدار کے لیے رات دن تڑپ رہا ہوں لیکن پہنچنے نہیں پاتا۔ اس لیے شب و روز ماتم اور گریہ میں مبتلا ہوں۔ غوث علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سُن کر میں نے کہا کہ افسوس صد افسوس میرا خیال تھا کہ تم طالبِ خدا ہو لیکن تم تو لوگوں کے طالب ہو۔ اگر یہ بات مجھے معلوم ہوتی تو کبھی تمہارے پاس نہ آتا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھو اگرچہ میاں غوث علی شاہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں۔ لیکن چونکہ ولی اللہ ہیں انہوں نے حق بات کہہ دی ہے۔

اس کے بعد اس مضمون پر گفتگو ہونے لگی کہ فلاں بزرگ پر عالمِ بالا کی چیزیں منکشف تھیں۔ چنانچہ کتاب رشحات کی عبارت پڑھ کر حضرت اقدس کو سنائی گئی کہ فلاں بزرگ (شیخ) ہوا میں آنکھیں کھلی رکھتے تھے اور فرشتوں کو دیکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا :۔

فکشفنا عنك غطائك و بصیرك الیوم حدید ط

(ہم نے تیری آنکھوں سے پردے ہٹا دیے اور آج تیری نگاہ تیز کر دی)

جنات سے دوستی

اس کے بعد جنات اور ملائکہ کے متعلق گفتگو ہونے لگی آپ نے فرمایا بعض جگہ جنات ہوتے ہیں اور فرشتے بھی ان میں شامل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک بزرگ تھے جن کو ہوا میں غیب سے السلام علیکم کی آواز سنائی دیتی تھی اور وہ بھی ہوا میں وعلیکم السلام کہہ دیا کرتے تھے۔ لیکن نظر کچھ نہیں آتا تھا۔ کبھی یہ آواز آتی تھی کہ "خیر ہے"۔ وہ بھی جواب دیتے تھے کہ "آپ کی خیر ہو"۔ ایک دن اس بزرگ نے کہا کہ اے آواز دینے والے اب مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ تم جن ہو۔ لیکن نیک جن ہو۔ تم یہ کیوں نہیں کرتے کہ پردہ اٹھا کر میرے سامنے آجاؤ۔ اس نے کہا اچھا آؤں گا۔ چنانچہ وہ جن ان کو نظر آنے لگا اور ان کے درمیان دوستی ہو گئی۔ ایک دن انہوں نے مشورہ کیا کہ فلاں جگہ فلاں شخص وعظ کرتا ہے۔ وہاں جا کر وعظ سنیں۔ چنانچہ وہ وہاں چلے گئے۔ جن نے کہا جب ہم مجلس وعظ میں بیٹھیں گے تو ضرور ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے رہیں گے۔ لیکن میں لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں ہوں گا۔ بزرگ نے کہا کہ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ لوگ خیال

کریں گے کہ یہ دیوانہ ہے جو ہوا سے باتیں کر رہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم لوگوں سے دور ایک کونے میں بیٹھ جائیں تاکہ ہماری باتوں کی طرف کوئی شخص توجہ نہ کرے۔ چنانچہ وہ ایک کونے میں جاکر بیٹھ گئے۔ جن نے کہا کیا میں آپ کو ایک تماشا دکھاؤں۔ بزرگ نے کہا دکھاؤ۔ جن نے بزرگ کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھا اور تھوڑی دیر کے بعد ہاتھ اٹھاکر کہا کہ دیکھو۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ مجلس میں بیٹھے ہوئے ہر آدمی کے سر پہ ایک کوّا بیٹھا ہے۔ بعض کووں نے پر کھولے ہوئے ہیں۔ بعض نے پر بند کیے ہوئے ہیں اور بعض کے پر نیم کشادہ ہیں۔ عارف نے جن سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر آدمی پر ایک جن یعنی شیطان مسلّط ہے۔ یہ کوّے وہی شیطان ہیں۔ جس شخص پہ پوری غفلت طاری ہے اس پہ کوّے نے پورے پر کھول رکھے ہیں۔ جس پہ تھوڑی غفلت طاری ہے اس پہ کوے نے تھوڑے پر کھول رکھے ہیں۔ اور جو شخص غفلت میں غرق ہے اس پر کوّا بال بند کرکے بیٹھا ہوا ہے۔ جس شخص پہ کبھی کبھی غفلت طاری ہوتی ہے کوّا کبھی کبھی جاکر اس کے سر پہ بیٹھتا ہے۔ جب اس کی غفلت دُور ہوجاتی ہے تو کوّا اڑکر دُور چلا جاتا ہے۔ جب اچھی طرح دیکھا گیا تو لوگ بھی اسی طرح غفلت میں پائے گئے۔ بعض تو بالکل سو رہے تھے اور خرّاٹے رہے تھے۔ بعض بیدار تھے۔ بعض کبھی سو جاتے تھے اور کبھی بیدار ہوجاتے تھے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے اٹھ کر نماز باجماعت ادا کی اور مسجد میں بیٹھ کر مشغول ہوگئے۔ اور تمام لوگ اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔

مقبوس ۱۸: بوقت ظہر بروز شنبہ ۱۹ شعبان ۱۳۱۴ھ

مجموعہ کتب تبرک منجانب حضرت مولانا فخر دہلویؒ

آپ کے ہاتھ میں کتابوں کا مجموعہ تھا اور یہ وہ کتابیں تھیں جو حضرت شیخ المشائخ محب النبی مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ نے حضرت سلطان الاولیاء صاحب الروضہ (حضرت خواجہ قاضی محمد عاقلؒ) کو عطا فرمائی تھیں۔ اور ان کتابوں کے نام حضرت مولانا صاحب کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں۔ لوائح مولانا جامی

حاشیہ لوائح جامی ۔ شرح رباعیات جامی ۔ رباعیات ملاّ جلال دوانی ۔ تہلیلہ ملاّ جلال دوانی ۔ شرح قصیدہ خمریہ فارضیہ ۔ شرح قصیدہ شیخ عطارؒ ۔

اس کے بعد مقامات شتیٰ میں سے آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

تا چند کنی طلب ز مفتاح و نصوص	حق را طلب از نصوص خاتم نہ فصوص
چو ہست مقام حمد مخصوص باد	زینجاست باو مشرب عرفان مخصوص
بالاتری اے دوانی از حدّ و قیاس	نشاخت ترا کسے تو خود را بشناس
زیں دو صفتان خصال انسان مطلب	کایشاں نشناسند اناس از نہ اناس
تا چند روی از بے امیدی و ہراس	بگذر ز خیال غیر خود را بشناس
دل بر کن ازیں منزل کاں را	بر قاعدۂ فنا نہادند اساس
اے در دو جہاں وصل تو مقصودِ دلم	روئے و دہن تو بود نابود دلم
ترکیب رخ و زلف تو دانی از چیست	از شعلۂ آتش دل تو دود دلم

۱ ۔ کب تک تم چابیوں اور مُہروں کی تلاش میں رہوگے ۔ چابی اور مُہر سے خزانے ہاتھ آتے ہیں ۔ حق تعالیٰ کو نصوص (جمع نص بمعنی آئیہ قرآن) اور فصوص (بمعنی مُہر) اور خاتم (بمعنی مہر) سے طلب کرو ۔

۲ ۔ جب تمام حمد حق تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے تو مشرب عرفان بھی اسی وجہ سے اس کے ساتھ مخصوص ہے ۔

۳ ۔ اے دوانی تو حد اور قیاس سے بالاتر ہے ۔ تجھے کسی نے نہیں پہچانا لہٰذا تم اپنے آپ کو پہچانو ۔

۴ ۔ ان دو صفات سے انسان کو نہ پہچان کیونکہ ان سے انسان اور نا انسان نہیں پہچانا جاتا ۔

۵ ۔ کب تک تو نا اُمیدی اور خوف و ہراس کی حالت میں رہے گا ۔ غیر کا خیال چھوڑ کر اپنے آپ کو پہچان ۔

۶ ۔ اس منزلِ ویران یعنی دنیا سے دل اٹھالے کیونکہ اس کی بنیاد فنا پر رکھی گئی ہے یعنی فانی ہے ۔

۷۔ اے دوست دونوں جہانوں سے میرا مقصود تو ہے۔ تیرا رخسار میرے لیے بود و نابود کا سامان ہے۔

۸۔ تیرے رخسار اور زلف کی ترکیب معلوم ہے کیا ہے۔ میرے دل کی آگ سے رخسار اور میرے دل کی آہ سے زلف مرکب ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بنیات لفظ اسم حضرت امیرالمومنین علی رضؓ سے لفظ ایمان بنتا ہے۔ چنانچہ حرف عین کا بنیہ ین ہے۔ لام کا بنیہ ام ہے اور یا کا بنیہ الف ہے۔ ان بنیات کو یکجا کرنے سے لفظ ایمان بن جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حروف اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداد بنیات سے لفظ اسلام نکلتا ہے۔ چنانچہ میم اوّل سے یم، حا سے الف، میم دوم سے یم اور دال سے ال۔ اس کے اعداد ایک سو بتیس ہوتے ہیں اور "اسلام" کے اعداد بھی ۱۳۲ ہیں۔

مقبوس ۱۹، بوقت شب دوشنبہ ۱۲ شعبان ۱۳۱۴ھ

حرم مکہ

حرم مکہ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حرم مکہ کے اکتالیس دروازے ہیں۔ جب حاجی پہلی بار داخل حرم ہوتے ہیں تو باب السلام سے اُن کو داخل کیا جاتا ہے اور جب آخری بار باہر آتے ہیں تو باب الوداع سے باہر لاتے ہیں۔ باب الوداع وہ دروازہ ہے جہاں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے بیٹھ کر اپنی کتاب فتوحاتِ مکی تصنیف کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمام مشائخ کے لیے دروازے مخصوص ہیں اور جہاں جہاں وہ بزرگ بیٹھتے تھے دروازوں پہ اُن کے اسمائے گرامی لکھے ہوئے ہیں

ملفوظ ۲ بوقت شب شنبہ ۲۲ شعبان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس تسبیح ہاتھ میں لیے وظیفہ پڑھ رہے تھے اور حاضرین مجلس سے کبھی کبھی گفتگو بھی کر لیتے تھے۔

اہل سنت و جماعت

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ اہل سنت و جماعت اس حنفی مذہب کو کہتے ہیں یا کوئی اور بھی اس میں شامل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت اگرچہ یہی چار مذاہب ہیں۔ یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ لیکن اس سے پہلے اور بھی بہت تھے جیسے محدثین وغیرہ۔ یہ سب اہل سنت و جماعت ہیں۔

اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ امتِ محمدیہؐ کے اولیاء کرام سے اسی طرح کرامات صادر ہوئے ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام سے معجزات۔ لیکن اس کے باوجود ان سبتی لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ دیدہ دانستہ اولیاء کرام کی کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ ولایت کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چند حضرات کے سوا کسی کی ولایت ثابت نہیں۔ چنانچہ جب اولیاء کرام کی ولایت کا حال سنتے ہیں تو اس کا یقین نہیں کرتے۔ یا اُسے استدراج کا نام دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف ہم حق پر ہیں اور باقی سب اسلام سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد اُسی شخص نے عرض کیا کہ تعجب کی بات ہے کہ اس چیز کو وہ لوگ استدراج کہتے ہیں۔ استدراج تو زندہ لوگوں سے ساتھ منسوب ہوتا ہے لیکن اہلِ مزارات سے جو کرامات صادر ہوتی ہیں۔ اس کے متعلق یہ لوگ کیا کہیں گے۔ مثلاً ہندوستان میں ایک مزار ہے۔ جہاں آج تک تیل اور آگ کے بغیر چراغ جلتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا اصل چیز ایمان اور عقل ہے۔ ان لوگوں کے پاس ایمان اور عقل ہو تو اولیاء کرام کی کرامات پر یقین کریں۔ اور دیکھ سکیں کہ ساری کائنات میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہیں۔ آنکھ کو دیکھو کس طرح روشن ہے اور چیزوں کو دیکھ لیتی ہے۔ کان کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کو کس طرح سامع یعنی سننے والا بنایا ہے۔ دہن و زبان کو دیکھو

کس طرح ناطق (بولنے والی) ہے۔ انسان کے ہاتھ دیکھو کس طرح بنائے گئے ہیں کہ سارے کام ہاتھوں سے کرتا ہے۔ دوسرے حیوانات کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پیدا فرمائے ہیں۔ اس چھوٹے سے عنکبوت (مکڑی) کو دیکھو کس طرح اپنا گھر بناتی ہے۔ خیمہ بنانے والوں نے عنکبوت سے خیمہ بنانا سیکھا ہے۔ اس کا گھر خیمہ کی طرح ہوتا ہے۔ اس کے آٹھ طناب ہوتے ہیں۔ اس کے دروازے بھی شیشے کی طرح ہوتے ہیں۔ بھڑ کو دیکھو کس طرح اپنا چھتہ تیار کرتا ہے۔ جس کے تمام سوراخ مسدس (چھ کونوں والے) ہوتے ہیں۔ ہر جانور خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اپنی عقل کی استعداد کے مطابق دیکھتا ہے۔ جب کوئی شخص بھڑ کے چھتے کے پاس جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ مجھے نقصان دینا چاہتا ہے۔ اس لیے آمادۂ جنگ ہو جاتا ہے لیکن وہ دم سے ڈنگ لگاتا ہے، مُنہ سے نہیں کاٹتا کیونکہ اس کا ڈنگ زیادہ کارگر ہے۔ اس سے چھوٹا جانور ایک کیڑا ہے جسے ہم ڈھکڑائی کہتے ہیں وہ بھی دم سے ڈنگ لگاتا ہے غرضیکہ کہ جس چیز کو دیکھو اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے نظر آتے ہیں ؎

وفی کل شئی لہ آیت   تدل علی انہ واحد

(ہر چیز میں اس کی حکمت کی نشانیاں ہیں یہ سب اس وحدہٗ لاشریک کے یگانہ ہونے کا ثبوت ہے۔)

۱؎ استدراج سے مراد وہ خرق عادت یا کرامت ہے جو کفار سے سرزد ہو۔ جس طرح ہندو لوگ کثرتِ مجاہدہ اور حبس دم کی مشق سے روح میں قدرے لطافت پیدا کر کے معمولی قسم کے کشف و کرامات دکھا سکتے ہیں۔ مثلاً زمین سے تھوڑا اوپر ہوا میں بیٹھ جانا یا نوک دار چیز پر بیٹھنا وغیرہ۔ لیکن اولیاء کرام اہل اسلام کے نزدیک یہ بلکہ ہر قسم کے بلند سے بلند کرامات بھی بچوں کے کھیل اور بھان متی اور بازی گری سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان کی منزل مقصود کرامات نہیں بلکہ خود ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور چونکہ ذات باری تعالیٰ کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لیے یہ بلند ہمت حضرات ساری عمر قرب کی منازل پر منازل طے کرتے ہیں اور ہر دم ھل من مزید کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں۔

چراغِ بلاتیل

اس کے بعد فرمایا وہ چراغ جو تیل کے بغیر جلتا ہے۔ حضرت ابواسحاق گازرونیؒ کے مزار پر جلایا جاتا ہے۔ اس قسم کے خوارق عادت بیشمار اولیاء کرام سے ظاہر ہوئے ہیں۔ شیخ احمد عبدالحق ردولوی نے (جو چشتی صابری بزرگ ہیں اور مخدوم علاؤالدین علی احمد صابرؒ سے تیسری پشت پر ہیں) فرمایا۔ ابواسحاق گازرونیؒ نے چراغ روشن کیا ہے اور میں ایک دیگ پکاؤں گا جس سے قیامت تک لوگ کھانا حاصل کریں گے۔ چنانچہ آپ نے ایک دیگ پکوائی جو ہر وقت طعام سے بھری رہتی تھی۔ لوگ آتے تھے اور طعام حاصل کرتے تھے لیکن طعام ختم نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ کم ہوتا تھا۔ تین دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا سارے جہان کا رزاق خدا تعالیٰ ہے۔ میں نہیں ہوں۔ پس آپ نے دیگ کو وہاں سے اٹھالیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں صغیر سن تھا اور حضرت فخرالاولیاء صاحب الوصالؒ کا زمانہ تھا کسی کام کے لیے خام چونے کے پتھر لائے گئے۔ جب ایک پتھر توڑا گیا تو اس کے اندر سے مچھلی کی شکل کا ایک پتھر نکلا۔ وہ ٹکڑا ڈنبرا مچھلی (رہو) کے ہم شکل تھا۔ کافی مدت تک وہ چیز توشہ خانہ میں رہی۔

چولستان (ریگستان) کی خصوصیت

اس کے بعد چولستان کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ چولستان مقام وحشت اور سودا ہے اور عاشقوں کی جگہ ہے۔ کسی نے کہا کہ کوہستان بھی اسی طرح ہیں۔ فرمایا۔ ہاں پہاڑوں میں بھی عجائبات بیشمار ہیں۔ جہاں چشمے نکلتے ہیں۔ وہاں پانی کی نہریں اور سبزہ زار باغ اور پھول کثرت سے ہوتے ہیں۔ مجھے اگرچہ ہر قسم کے ویرانوں اور بیابانوں سے محبت ہے لیکن میں چولستان کو کوہستان پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس وجہ سے کہ پہاڑوں سے ہیبت اور خوف برستا ہے لیکن چولستان سراسر فرحت اور انبساط کا مقام ہے۔

جن بھوت اور چڑیل

کسی نے عرض کیا کہ چولستان میں جن بھوت بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اس جگہ جن بھوت، چڑیل اور ڈائن رہتے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ قبلہ کیا چڑیل اور ڈائن بھی جن ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

ڈائن آدم زاد ہے۔ وہ عورت جو رقیہ خوان اور منتر خوان ہوتی ہے اُسے ڈائن کہتے ہیں اور چوڑیل جنات کی قسم ہے۔ لیکن ان کا تعلق زمین کے اس طبقے سے نہیں ہے۔ بلکہ کسی اور طبقہ زمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ کتاب انسان کامل میں لکھا ہے کہ فلاں طبقہ ارض میں ایسے جن رہتے ہیں جو اس زمین پر آکر آدمیوں کو پکڑ لیتے ہیں۔ جب تک وہ آدمی مرتا نہیں وہ اسے نہیں چھوڑتے۔ جنوں کی یہی قسم چوڑیل کہلاتی ہے۔ لیکن اہل ہنود کا اعتقاد یہ ہے کہ جب کوئی شریر آدمی مرتا ہے تو اس کی روح دوسرے جسم میں پیدا ہو کر اس قسم کے حرکات اور فساد کی مرتکب ہوتی ہے اور انسانوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔

مقبوس ۲۱ : بوقت مغرب چہارشنبہ ۲۳ شعبان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز بامغرب باجماعت ادا کی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ کمرۂ خاص میں بیٹھ گئے اور حاضرین نے آپ کے گرد حلقہ بنالیا۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ کے کچھ حالات

آپ نے فرمایا کہ کتاب دلیل العارفین میں حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی قدس سرہٗ نے جمع کیے ہیں۔ حضرت قطب الاقطاب فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ بزرگؒ مکہ معظمہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی ساتھ تھا۔ بغداد اور خراسان سے ہوتے ہوئے دو ماہ کے بعد ہم اجمیر شریف پہنچے۔ اجمیر شریف میں حصولِ خلافت کے بعد حضرت شیخؒ سے رخصت ہو کر دہلی سکونت اختیار کی۔ تھوڑے عرصے کے بعد حضرت شیخ کا وصال ہو گیا اس پر حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے دہلی جانے کے بعد حضرت خواجہ بزرگ مدت دراز تک اجمیر شریف میں رہے لیکن دلیل العارفین

حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ ریاست بہاولپور کے ریگستانی علاقے کو چولستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے رخصت ہونے کے بعد ان دونوں بزرگان کی ملاقات نہ ہوئی - حالانکہ یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے اور تمام سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خواجہ غریب نواز دہلی تشریف لے گئے تھے - اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی -

اس کے بعد فرمایا کہ جب شیخ المشائخ حضرت خواجہ بزرگ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے پاس دہلی تشریف لے گئے تو مسجد اولیا ء میں بیٹھے اور اب تک اس مسجد میں دونوں بزرگوں کے بیٹھنے کی جگہ موجود ہے - ایک مصلّے خواجہ بزرگ کا ہے - دوسرا حضرت قطب الاقطاب کا - اس وقت حضرت خواجہ گنجشکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہر دلی شریف کے قریب ایک پہاڑ میں مشاغل بجدا تھے - حضرت قطب الاقطاب نے آدمی بھیج کر ان کو طلب کیا تاکہ حضرت خواجۂ بزرگ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کر سکیں - جب اس آدمی نے جاکر آپ کو پیغام دیا تو آپ اس شش و پنج میں پڑ گئے کہ اگر میں وہاں گیا تو لازماً پہلے اپنے شیخؓ کے قدموں پر گروں گا - اور مجھے خوف ہے کہ شاید یہ بات حضرت خواجۂ بزرگ پر گراں گزرے - چنانچہ آپ نے قاصد سے کہا جاؤ اور میرے شیخ علیہ رحمۃ سے عرض کرو کہ وہ معذور ہے اسے معاف فرمادیں لیکن حضرت قطب الاقطاب نے اس شخص کو واپس بھیج کر فرمایا کہ عذر نہ کرو - ہر حال یہاں آجاؤ - آخر وہ آئے اور آتے ہی اپنے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ کے قدموں پر گر گئے لیکن حضرت شیخ نے حضرت خواجہ گنج شکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت خواجہ بزرگ خواجہ اجمیری قدس سرہٗ کی خدمت میں لے گئے چنانچہ حضرت خواجہ گنج شکرؒ نے خواجۂ بزرگ کے قدموں پر بوسہ دیا - اس سے معلوم ہوا کہ جب خواجہ قطب الدینؒ اجمیر شریف سے دہلی تشریف لے گئے تو خواجہ غریب نواز ثانی مدت تک اجمیر شریف میں زندگی بسر کرتے رہے - لیکن ان دونوں روایات میں تناقص ہے اور سوانح نگاروں میں سے کسی نے یہ عقدہ حل کرنے کی کوشش نہیں کی اس وجہ سے کہ ان دونوں حضرات کی تاریخ وفات میں بھی اس سے تفاوت واقع ہو گیا ہے -

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کتاب اقتباس الانوار لاؤ - کیونکہ اس کا مصنف ولی اللہ بھی ہے اور محقق بھی - اس کے بعد فرمایا کہ خواہ ولی اللہ ہو یا محقق دونوں کا انحصار روایات

پر ہوتا ہے اور وہ بھی روایت ہی کا حوالہ دیں گے۔ جب آپ کے سامنے کتاب لائی گئی اور کسی نے وہ صفحہ نکال کر آپ کے سامنے عبارت پڑھی تو اس میں بھی بعض اقوال مضطرب اور بعض قرین صحت نظر آئے۔ آخر آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار رح کے اجمیر سے چلے جانے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز تقریباً چالیس سال اجمیر شریف میں رہے۔

مقبوس ۲۲: بوقت ظہر بروز جمعہ ۲۵ شعبان ۱۳۱۴ھ

عہد شباب سے کیا مراد ہے

حضرت اقدس نماز ظہر ادا کر کے مسجد میں جو محل کے متصل ہے، تشریف رکھتے تھے۔ آپ تلاوت کلام پاک کے لیے عینک ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے کہ حضرت قطب الموحدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تمہارے سر کے بال کافی سفید ہو گئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں بہت سفید ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا دوسری طرف دکھاؤ۔ انہوں نے ٹوپی سر سے اتار کر اپنا سر نیچے کیا۔ آپ نے فرمایا اسی ایک طرف بہت سفید ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمہارے شباب و جوانی کے زمانے میں سے ڈیڑھ سال باقی ہے کیونکہ شباب کا کل زمانہ ساڑھے اکتیس سال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور حضرت سرور کائنات کی مدت عمر تریسٹھ ۶۳ سال ہے اور ہر شخص کے شباب کا عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا نصف ہوتا ہے اور یہ ساڑھے اکتیس سال ہے۔ اس کے بعد حضرت قطب الموحدین رح کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب تمہاری عمر سال شمسی کے

مطابق انتیس ہے اور تاریخی حساب سے اکتیس سال ہے اور سال قمری کے مطابق تیس سال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شمسی سال کے مطابق اکسٹھ سال اور سال قمری کے حساب سے تریسٹھ سال تھی۔ اس وقت میری عمر شمسی سال کے مطابق اکاون سال ہے۔ قمری سال کے حساب سے باون سال اور تاریخی حساب سے ترپن سال ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں سینتیس سال کا تھا کہ میرے سر کے بال اور داڑھی کے بال سفید ہونا شروع ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے تمام حاضرین مجلس کی عمروں کا تخمینا لگایا۔ جب بندہ راقم الحروف کی نوبت آئی تو حضرت قطب الموحدین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ رکن الدین تم سے تین چار سال بڑا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ کس طرح۔ آپ نے فرمایا جس وقت ہم چولستان میں ٹوبہ کرری پر مقیم تھے تو رکن الدین نے بیعت کی۔ اس وقت تم بلوغ کے قریب تھے اور رکن الدین امرد (بے ریش) تھا۔

اس کے بعد تلاوت شروع کی۔ اس اثنا میں ایک شخص کے لیے خلوت کی ضرورت ہوئی تو ہم سب اٹھ کر باہر چلے گئے۔

مقبوس ۲۳ بوقت مغرب شنبہ ۲۶ شعبان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس اپنے محل کے سبز کمرے میں دری پر بیٹھے سورۂ عَمّ یتساءلون جو بعد عصر کا وظیفہ ہے پڑھ رہے تھے۔ شاید یہ وظیفہ کسی وجہ سے عصر کے بعد قضا ہو گیا تھا۔ اور مغرب کے وقت پڑھ رہے تھے۔ وظیفہ ختم کر کے آپ نے تسبیح اٹھائی اور یا اللہ، یا اللہ، یا اللہ کا وظیفہ پڑھنے لگے۔ جب یہ ختم ہوا تو آپ نے وظیفہ اللہ، اللہ اللہ پڑھنا شروع کیا۔ جب یہ وظیفہ ختم ہوا تو آپ نے وظیفہ استغفار شروع کیا یعنی استغفر اللہ رَبّی من کل ذنب و اتوب الیہ ط اس کے بعد وظیفہ یا حَیُّ یا قَیُّوم اور لا الہ الا انت پڑھا۔ وظائف سے فارغ ہو کر آپ نے عشائ کی نماز با جماعت ادا کی۔ نماز کے بعد آپ یاد خدا میں مشغول ہو گئے اور باقی لوگ اپنے مقام پر چلے گئے۔

مقبوس ۲۴ : بوقت ظہر بروز شنبہ ۲۶ شعبان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز ظہر با جماعت ادا کی ۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے مسکن پر تشریف لے گئے ۔ اس وقت آپ نے کلاہ مبارک سر سے اٹھائی اور دوسرے ہاتھ سے بالوں کو آراستہ فرمایا ۔ اس عمل سے آپ کے ہاتھ میں چند بال آگئے ۔ بندہ نے آگے بڑھ کر بال حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن میاں برکت علی ربانی نے سبقت کر کے مجھ سے پہلے بال لے لیے ۔ مجلس کے بعد میں نے میاں برکت علی کے گھر جا کر وہ بال حاصل کر لیے ۔ جو اب جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں ۔

مقبوس ۲۵ : بوقت عشاء بروز جمعہ ۲ رمضان شریف ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز عشاء با جماعت ادا کی اور سنتوں کے بعد دعا پڑھ کر تراویح میں شریک ہوئے ۔ حافظ غلام نبی کو جو ہمیشہ آپ کے ساتھ نماز تراویح ادا کرتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ ایک پارہ کلام پاک پڑھنا ۔ چنانچہ تمام تراویح میں ایک پارہ پڑھا گیا ۔

مقبوس ۲۶ : بوقت عصر بروز جمعہ ۲ رمضان شریف ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ ابر قلیل ہے یا غلیظ ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ابر غلیظ ہے کیونکہ آپ کو فطرتاً ابر دیکھنے کا بہت شوق تھا ۔ آپ اٹھے اور فرمایا کہ چلو چلو ابر کی زیارت کرتے ہیں ۔ چنانچہ آپ نے محل سے باہر آ کر ابر کا مشاہدہ کیا ۔ اس کے بعد چھوٹی مسجد میں نماز عصر ادا کی ۔ نماز کے بعد آپ مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے اور ابر کو دیکھ کر خوش ہوتے رہے ۔

آپ نے فرمایا کہ ماہ اسوں (اسوج) ، کتی (کاتک) مگھر ، پوہ ، ماگھ ، پھاگن ، چیتر (چیت)

بسلطہ میں ابر سمندر کراچی کی طرف سے آتا ہے اور شمال کی طرف چلا جاتا ہے۔ لیکن سال کے دوسرے مہینوں میں ابر مختلف اطراف سے آتا ہے۔ اس کے بعد آپ دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔

مقبوس ۲۷: بوقت عشاء بروز شنبہ سوم رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز تراویح با جماعت ادا فرمائی۔ آپ نے حافظ صاحب سے کہا کہ آج رات سوا پانچ سپارہ پڑھنا۔ تراویح سے فارغ ہو کر آپ گھر تشریف لے گئے۔

مقبوس ۲۸: بوقت عشاء یکشنبہ ۴ رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ کے خلفا

حضرت صوفیاء کرام کے حالات کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی قدس سرہٗ حضرت مولانا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام خلفاء میں سے افضل ہیں آپ حضرت مولانا کے ہمسن بھی تھے۔ آپ کے دیگر خلفاء حضرت قبلۂ عالمؒ سے متاخر ہیں اور حضرت مولانا نیاز احمدؒ (بریلویؒ) تمام خلفاء سے متاخر ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میری ہر چیز کے مالک حضرت مہاروی بادشاہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلۂ عالم مہاروی کے سوا حضرت مولانا فخر جہان کے تمام خلفاء حضرت قبلۂ عالم کے خلفاء مثل حضرت سلطان الاولیاء حضرت صاحب نارووالہ اور حافظ صاحب ملتانیؒ سے متاخر ہیں۔ چنانچہ حضرت سلطان الاولیاءؒ صاحب الروضہ کا وصال ۱۲۲۹ھ میں ہوا۔ حضرت حافظ جمال اللہ کا وصال ۱۲۲۶ھ میں ہوا اور حضرت صاحب نارووالہ کا وصال حضرت قبلہ عالم کے سامنے ہوا۔

مولانا ضیاء الدین جے پوریؒ

اس کے بعد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت مولانا ضیاء الدین جے پوریؒ حضرت قبلۂ عالم کے سوا حضرت مولاناؒ کے تمام خلفاء سے فوق یعنی اوپر ہیں ۔ فرمایا کہ یہ مثل مشہور ہے اور ہمارے حضرت صاحب وصال (مولانا فخرؒ) بھی فرمایا کرتے تھے کہ مولوی عبداللہ ٹھٹھار احمد پوری قدس سرہٗ مارواڑ اور جے پور سے سیر کر کے جب اپنے شیخ حضرت سلطان الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت کیا کہ مولوی جی اس علاقے میں جہاں آپ سیر کر کے آئے ہیں۔ تم نے کوئی فقیر بھی دیکھا ۔ آپ نے فرمایا حضرت فقیر تو درکنار میں نے کوئی ایسا شخص بھی نہیں دیکھا جو علم توحید اچھی طرح جانتا ہو۔ حضرت سلطان الاولیاء نے فرمایا کہ تم نے مولوی ضیاء الدین جے پوریؒ کو بھی دیکھا ہے ۔ انہوں نے کہا جی ہاں دیکھا ہے ۔ آپ نے فرمایا کیسے ہیں ۔ عرض کیا نیک آدمی اور بہتر شخص ہے ۔ حضرت سلطان الاولیاء نے فرمایا اے مولوی جی آج مولوی ضیاء الدین فقیر ہیں یا میں فقیر ہوں ۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے ۔

شاہ نیاز احمدؒ بریلویؒ

اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ سُنا ہے مولوی نیاز احمدؒ چشتی سلسلے میں بھی بیعت ہیں اور قادری سلسلے میں بھی ۔ اس کی حقیقت کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا بیعت کی دو اقسام ہیں ۔ ایک بیعت ارادت (مرید ہونا) دوسری بیعت صحبت ۔ پس بیعت ارادت ایک شیخ کے سوا کسی کے ساتھ جائز نہیں ۔ لیکن بیعت صحبت روا ہے ۔ اس کے بعد آپ نے نماز تراویح با جماعت ادا کی اور ایک پارہ قرآن مجید سے سنا ۔ تراویح کے بعد آپ اُسی جگہ پر یادِ خدا میں مشغول ہو گئے اور باقی لوگ چلے گئے ۔

مقبوس ۲۹: بوقت ظہر بروز دوشنبہ ۵ رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس زرّیں پلنگ پر کہ جس پر گراں قیمت بستر لگا ہوا تھا ، رونق افروز تھے اور تمام غلامان حلقہ باندھے گرد بیٹھے تھے ۔ اس اثنا میں قوال آئے اور ایک دستہ بہار (سرسوں کے پھول) گلاس میں رکھ کر پیش کیا ۔ اس کے بعد انہوں نے راگ بسنت گانا شروع کیا ۔ گانے

کے بعد حضرت اقدس نے قوالوں کو چند روپے دے کر رخصت کیا۔

مقبوس ۳: بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۶ / رمضان ۱۳۱۴ھ

نفس ناطقہ

نفس ناطقہ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ نفس ناطقہ انسان کے لیے ہے۔ دوسرے جانوروں کے لیے اس لیے نہیں کہ دوسرے جانور ملکوت سے قریب تر ہیں بہ نسبت انسان کے۔ اور انسان جب تک اس عقل ادراک اور علم کو گم نہیں کرتا ملکوت تک نہیں پہنچتا۔

حضرت شیخ نظام الدین خاموش رح

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین خاموش رح اپنے پیر حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ اپنے گھر کے اندر مشغول تھے۔ خواجہ نظام الدین خاموش رح اپنے پیر بھائی فقراء کے ساتھ بیٹھ گئے۔ فقراء نے خواجہ نظام الدین سے کہا کہ ایسا وقت قریب ہے کہ تم علم، عقل اور تقوا ے سے باہر آجاؤ گے۔ ان کے دل پر یہ بات گراں گزری۔ اس وجہ سے کہ علم و عقل و تقواے اسباب فقر و ولایت میں سے ہیں۔ اس کے بعد جب وہ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ اب تمہارے لیے ایسا وقت آنے والا ہے کہ عقل، علم اور تقواے سے تم باہر آجاؤ گے۔ لیکن حضرت شیخ کی بات ان کو گراں محسوس نہ ہوئی۔

اس کے بعد افطار کا وقت آگیا۔ حضرت اقدس نے ایک بیر نصف کھایا اور باقی نصف مولوی غلام احمد کو دے دیا۔ میں نے افطار کے لیے وہ بیر اُن سے مانگا لیکن انھوں نے نہ دیا اس پر حضرت اقدس نے خادم کو حکم دیا کہ کوئی اور چیز لاؤ تاکہ یہ بھی روزہ افطار کرے۔ نوکر چند دانے خرما لایا اور ہم نے افطار کیا۔ اس کے بعد نماز مغرب با جماعت ادا کی گئی۔

مقبوس ۳۱: بوقت عشاء چہار شنبہ ۷ رمضان ۱۴۱۳ھ

نماز تراویح با جماعت حضرت اقدس کے ساتھ ادا کی گئی۔ تراویح میں دو پارے پڑھے گئے۔ اس کے بعد حضرت اقدس اُسی جگہ پر مشغول ہو گئے اور ہم سب چلے گئے۔

مقبوس ۳۲: بوقت ظہر روز چہار شنبہ ۷ رمضان ۱۴۱۳ھ

وظیفہ برائے رزق اور قربِ حق

حضرت اقدس نے وضو تازہ کر کے نماز ظہر با جماعت ادا کی۔ نماز کے بعد آپ تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔ قرأت کے دوران حضرت خواجہ قطب الوحدین پر گریہ طاری ہو گیا اور تمام حاضرین آپ کے گریہ پر حیران رہ گئے۔ اس کے بعد میاں برکت علی نے دو آدمیوں کی طرف سے وظیفہ کے لیے درخواست کی۔ ایک کے لیے وظیفہ رزق اور دوسرے کے لیے وظیفہ سلوک راہِ خدا۔ حضرت اقدس نے درخواست کی پشت پر یہ وظیفہ لکھ کر دیا۔ سورۂ عمّ یتساءلون پانچ بار بعد نماز عصر پڑھے اور ہزار بار کلمہ طیبہ وضو کے ساتھ دوپہر کے وقت پڑھے۔ فقیر غلام فرید۔ وظیفہ رزق کے لیے۔ آپ نے حضرت قطب الموحدین کو ترتیب بتا کر فرمایا کہ تم لکھ دو۔ چنانچہ انہوں نے یہ وظیفہ لکھا: ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قوۃ الا باللہ۔ ایک سو بار بعد نماز فجر پڑھے۔

تعویذ اور وظائف کی تلقین

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا میرے گھر میں مرض مرگی میں مبتلا ہیں۔ تعویذ عطا فرما دیں۔ آپ نے اس کو بھی تعویذ لکھ کر دیا۔ اس کے بعد ایک ہندو نے آکر عرض کیا کہ بندہ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ تعویذ مرحمت فرما دیں۔ آپ نے اس کو بھی تعویذ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ یہ تعویذ اپنی بیوی کی کمر میں باندھو اور جب بچہ پیدا ہو تو اس کے گلے میں ڈال دینا۔ اس کے بعد ایک نابینا نے

آکر عرض کیا میں قرآن پڑھتا ہوں لیکن حفظ نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ قرآن یاد کیا تھا لیکن اب بھول گیا ہے۔ مہربانی فرما کر مجھے کوئی ایسی چیز عطا کریں تاکہ قرآن شریف میرے دل کے تختے پر منقش ہو جائے۔ اُسے فرمایا کہ سورۂ یوسف پڑھا کرو۔ اس کے بعد تراویح میں قرآن شریف پڑھنے کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ ہمیشہ سوا پارہ قرآن مجید تراویح میں سنتے تھے اور حضور حضرت میرے شیخ صاحب الوصال بھی اپنے شیخ کی سنت پر سوا پارہ سنتے تھے اور آخر میں دو دو پارے سنتے تھے۔

مقبوس ۳۳: بوقت عشا بروز جمعہ ۱۸ رمضان ۱۳۱۴ھ

مجلس رقص

نماز عشاء کے بعد حضرت اقدس نے کتھکان کے ناچ کا اشارہ فرمایا۔ کتھک لوگ مارواڑ سے آئے ہوئے تھے اور رقص و ناچ میں ماہرین فن تھے۔ مجلس میں حضرت قطب الموحدین خدام، اہلکاران اور غلامان حاضر تھے۔ کتھک لوگ آئے اور ناچ شروع کر دیا۔ اُن میں سے ہیرا نام کا لڑکا فن رقص میں یگانۂ روزگار تھا۔ اس کے علاوہ پورن نام کا ایک اور جوان تھا جو ہیرے سے بڑا تھا اور فن رقص میں اس سے بھی زیادہ ماہر تھا۔ ان کا رقص اس قدر بلند پایہ تھا کہ حاضرین دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اگرچہ حضرت اقدس کے سامنے اس سے پہلے بھی مجالس رقص ہو چکی تھیں لیکن یہ مجلس اپنی مثال آپ تھی۔ حضرت اقدس جو فطرتاً ماہر صاحب کمال کے فن کے قدر دان اور مشتاق ہیں بہت ہی محظوظ ہوئے۔ یہ مظاہرہ کافی دیر تک جاری رہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ فطرتاً اس طرح پیدا ہوئے ہیں کہ ایسے نغمہائے سرور ان کے قلوب پر اثر نہیں کرتے۔

اس کے بعد تال اور صوفیوں کے وقت اور کیفیات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ بہشت بے تال مولویوں کی جگہ نہیں ہے۔ آپ بے تال صوفی کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ جو شخص آپ کی مجلس میں بے تال رقص کرتا تھا اُسے پکڑ کر مجلس سے باہر نکال دیتے تھے۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رح

کسی نے عرض کیا کہ قاضی حمید الدین کا سلسلہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا شیخ حمید الدین دو ہیں۔ ایک حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سوالی سلطان التارکین ہیں جو حضرت خواجۂ خواجگان شیخ المشائخ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کا لقب سوالی اس وجہ سے ہوا ہے کہ آپ کا مزار ایسی جگہ پر واقع ہے جو سوال کے نام سے موسوم ہے۔ آپ قریش ہیں اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں جو اصحابِ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ دوسرے قاضی حمید الدین ناگوری ؒ ہیں جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ؒ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں۔ ہندوستان میں دو خلفاء ہیں۔ ایک حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ۔ دوسرے حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ؒ جو ابتداء میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے معلم تھے۔ آخر حضرت قطب الاقطاب کی نسبت آپ پر اس قدر غالب آئی کہ آپ کا مشرب بھی چشتیہ ہو گیا۔ قاضی صاحب سرود بہت سنتے تھے۔ باوجودیکہ مشرب سہروردیہ میں سرود نہیں سنتے ہیں[1]

---

[1] سلسلہ سہروردیہ میں سماع ممنوع نہیں ہے۔ البتہ اکثر مشائخ سلسلہ نے سماع کم سنا ہے۔ خود صاحبِ سلسلہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے اپنی مشہور و معروف کتاب عوارف المعارف میں سماع اور آدابِ سماع پر طویل باب لکھا ہے۔ نیز برصغیر کے سب سے بڑے سہروردی بزرگ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی ؒ نے بھی سماع سنا ہے۔ مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب عبداللہ رومی قوال نے آپ کے سامنے یہ غزل گائی ؎

مستان کہ شرابِ ناب خورند　　از پہلوئے خود کباب خورند

تو آپ کو وجد آگیا اور چراغ گل کر کے آپ رقص کرتے رہے۔ صبح قوال کو خلعت اور بیس روپے عنایت فرمائے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی کے بھانجے اور حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے خلیفہ اور داماد حضرت شیخ فخر الدین عراقی بھی خوب سماع سنتے تھے۔ ایک دفعہ قلندروں کی ایک جماعت نے آپ کے

سماع کسی سلسلے میں حرام نہیں

اس کے بعد فرمایا کہ فقراء میں سے کسی فقیر نے اور صوفیاء کرام میں سے کسی صوفی نے خواہ وہ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتا ہو یا سہروردیہ سے، سماع کا انکار نہیں کیا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ سماع بعض حضرات کے مشرب میں غالب ہے مثل حضرات چشتیہ۔ اور بعض کے مشرب میں غالب نہیں ہے۔ لیکن کسی اہل سنت نے حقیقت سماع سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ کہا ہے کہ السّمَاعُ من مستحسنات الصوفیہ (سماع صوفیاء کی حسنات (نیک باتوں) میں شامل ہے)۔ پس جس نے انکار کیا ہے لاعلمی اور بے خبری سے کیا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے سردار حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ سماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ من نہ انکار مے کنم نہ ایں کار میکنم (نہ میں سماع سے انکار کرتا ہوں تو یہ کام کرتا ہوں۔ یعنی میں سماع کو حرام نہیں کہتا)، لیکن کسی خاص وجہ سے سماع سننا بھی پسند نہیں کرتا۔ اور وہ خاص وجہ یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ میں ذکر جہری نہیں بلکہ ذکر خفی ہوتا ہے اور خاموشی میں مراتب طے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم ہوتا ہے جن کی طبیعت بہت خاموش تھی۔

بقیہ از صفحہ سابقہ: سامنے یہ غزل گائی ؎

ما رخت ز مسجد بخرابات کشیدیم	خط بر ورقِ زہد و کرامات کشیدیم
در کوئے مغان در صفِ عشاق نشستیم	جام از کفِ رندانِ خرابات کشیدیم

تو آپ پر اس قدر وجد طاری ہوا کہ کپڑے پھاڑ ڈالے اور درس تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر قلندروں کے سامنے ملتان آگئے اور حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں شرف بیعت حاصل کیا۔ ملتان میں آپ کی اس غزل کو لوگوں نے سماع میں گانا شروع کیا۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند	ز چشم مستِ ساقی وام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش	عراقی را چرا بدنام کردند

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور سماع

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ اس قدر سماع سنتے تھے کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر قاضی حمید الدین سماع کا سکّہ نہ جما دیتے تو ہمیں کوئی سماع نہ سننے دیتا۔ نیز حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ قاضی حمید الدین پیشوائے عاشقان ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین روشی کاکی قدس سرہٗ کی صحبت سے کبھی جدا نہیں ہوتے تھے۔ ان کی آپس میں اس قدر محبت تھی کہ آپ نے اپنی قبر بھی حضرت قطب الاقطاب کی پائنتی میں تجویز فرمائی۔ قاضی صاحب حضرت قطب الاقطاب کے ندیم خاص اور جلیس ہمہ وقت تھے حتیٰ کہ حضرت قطب الاقطاب کے آخری وقت میں آپ کے دہن مبارک پر ہاتھ حضرت قاضی صاحب نے رکھا۔

حضرت قطب الاقطاب کا وصال

اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کا وصال مجلسِ سماع میں اس شعر پر ہوا ؎

گشتگانِ خنجرِ تسلیم را ٭ ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(خنجر تسلیم و رضا کے قتل شدہ حضرات کو ہر لحظہ غیب سے نئی جان ملتی ہے)

دس ماہ کی مدت سے حضرت خواجہ قطبؒ کی طبیعت پر یہ شعر غالب تھا۔ اس حد تک کہ سات سات دن تک اس شعر پر آپ کو وجد رہتا تھا۔ جس مجلس میں اس شعر پر آپ کا وصال ہوا۔ آپ پر چار دن مسلسل وجد طاری رہا۔ آخر اسی حالت میں جان بحق ہو گئے۔ وصال کے وقت قاضی حمید الدینؒ نے آپ کے منہ پر اس لیے ہاتھ رکھ دیا کہ اگر آپ کے منہ سے آہ نکلتی تو سارا جہان جل جاتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کا لقب "شہید المحبت" ہے اور آپ کے مرید حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنجشکرؒ کا لقب "حریق المحبت" ہے۔ جب حضرت قطب الاقطاب کو غسل دیا گیا تو آپ کا سارا بدن جلا ہوا تھا۔ اور جسم کا چمڑا غسّالی کے ہاتھ میں آجاتا تھا۔

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضور کیا حضرت خواجہ فرید الدین گنجشکر اپنے شیخ کے وصال کے وقت حاضر تھے - فرمایا کہ نہیں اس وقت آپ موجود نہیں تھے - اور نہ ہی حضرت خواجہ قطب الاقطاب اپنے پیر حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ اجمیریؒ کے وصال کے وقت موجود تھے - اسی طرح حضرت خواجہ اجمیری بھی اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے وصال کے وقت حاضر نہ تھے - وصال کے وقت حضرت خواجہ قطب الاقطاب نے اپنے تبرکات مثل کلاہ، پیرہن، نعلین، عصا حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے سپرد کر کے وصیت فرمائی کہ یہ چیزیں بابا فرید کے حوالہ کر دینا -

لفظ "کاکی" کی وجہ تسمیہ

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضرت قطب الاقطاب کو "کاکی" کس وجہ سے کہا جاتا ہے - آپ نے فرمایا کہ کاک روٹی کو کہتے ہیں - اس کے متعلق کئی روایات ہیں - ایک روایت یہ ہے کہ آپ بطریق کرامت اپنی جیب سے روٹی نکال کر دیتے تھے - اس وجہ سے آپ کا لقب "کاکی" ہو گیا اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت قطب الاقطاب حاضرین مجلس کو کاک دے رہے تھے اور قاضی حمید الدین حلوا دے رہے تھے - بادشاہ کا بھانجہ جو اُسی روز مرید ہوا تھا حضرت خواجہ قطب الاقطاب کی توجہ سے اس قدر صاحب کرامت ہو گیا کہ وہ غیب سے تنبول یعنی پان کے پتے نکال کر دے رہا تھا اس وجہ سے ان کا لقب تنبولی ہو گیا -

حضرت خضرؑ سے ملاقات کا طریقہ

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کا وطن قصبہ اوش ہے جو بلاد بلخ و بخارا میں واقع ہے - حضرت خواجہ قطب الاقطاب فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے دل میں خضرؑ سے ملنے کا خیال پیدا ہوا - وہاں ایک مسجد تھی جس کا ایک مینار تھا جسے ہفت منارہ کہتے تھے اور ایک دعا تھی جسے ہفت دعا کہتے تھے - روایت یہ تھی کہ جو شخص ہفت منارہ پر ہفت دُعا پڑھتا ہے اس کو خضرؑ کی زیارت ہوتی ہے - چنانچہ میں نے وہاں جا کر یہ دُعا پڑھی - جب واپس آ رہا تھا تو دل میں خیال آیا کہ زیارت نہ ہوئی - جب مسجد کے دروازے پر پہنچا تو وہاں ایک شخص بیٹھا تھا - اس نے اُٹھ کر میرا حال پوچھا کہ تم کون ہو اور اس وقت

یہاں کیوں آئے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خضرؑ کی زیارت کے لیے اس منارہ پہ دعا مانگی ہے لیکن زیارت نہیں ہوئی۔ اب واپس جا رہا ہوں۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ کے اس شہر میں ایسے مردانِ خدا ہیں کہ خضر کئی بار اُن کے دروازے پر جاتا ہے لیکن وہ دروازہ بھی نہیں کھولتے۔ اور اس کی ملاقات کی پرواہ نہیں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم اس گفتگو میں تھے کہ مسجد کے صحن میں ایک اور شخص نظر آیا اور اس نے پہلے شخص کو میری سفارش کی کہ آپ ان پر مہربانی کریں۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ خضر وہی پہلے شخص ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد بہت سے مردانِ خدا جمع ہو گئے۔ اذان دی اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد تراویح پڑھی۔ میں بھی اُن کے ساتھ نماز میں شامل رہا۔ دوسری رات جب میں وہاں گیا تو کچھ بھی نہ تھا۔ وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ مدت ہوئی اس مسجد میں انسان کی بو تک نہیں آتی۔

مقبوس ۳۴: بوقت ظہر روز جمعرات ۸ رمضان ۱۳۱۴ھ

رمضان شریف میں مجلس رقص و سرود کا اثر

نماز ظہر ادا کر کے حضرت اقدس تشریف فرما تھے اور تمام غلامان حلقہ باندھے گرد بیٹھے تھے۔ آپ نے مولوی غلام احمد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج طبیعت گراں ہے۔ روحانی گرانی ہے اور یہ گرانی گزشتہ رات سرود سننے اور کتھکان کا رقص و ناچ دیکھنے سے ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رمضان شریف کی حرمت کی وجہ سے ہے۔ میں نے ان لوگوں کے ناچ دیکھنے سے انکار کیا تھا کہ یہ رمضان شریف کا مہینہ ہے لیکن خادموں نے اصرار کیا کہ ضرور سننا چاہیئے۔

راگ مُنزّل یعنی نازل شدہ ہیں

اس کے بعد آپ نے سرود اور راگوں کی تعریف کی اور فرمایا کہ اصولِ راگ جو ہندوستان میں مروّج ہیں چھ ہیں۔ اول بھیرمی۔ دوم سری۔ سوم میگھ۔ چہارم ہنڈول۔ پنجم مال کوس ششم دیپک۔ چنانچہ تمام راگنیاں ان چھ راگوں سے نکلی ہیں۔ اس وقت راقم کے دل میں

خیال آیا کہ حضرت اقدس سے دریافت کروں کہ راگ کا موجد کون ہے۔ آپ نے اس خیال سے مطلع ہوکر فرمایا کہ اہلِ ہند کے یہ راگ مُنزّل (نازل شدہ) ہیں۔ یہ راگ تمام رشیوں اور اوتاروں پر جو پیغمبر ہیں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف نازل ہوئے ہیں۔ چنانچہ وید میں جو ایک نازل شدہ اور آسمانی کتاب ہے۔ راگ اور رقص کے نزول کا ذکر آیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ کتاب مطلع العلوم اٹھا کر پڑھو۔ اس میں راگوں کا مفصّل ذکر آیا ہے۔ پس وہ کتاب حضرت اقدس کے سامنے پڑھی گئی جس میں تمام راگوں اور راگنیوں کا مفصل بیان ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ برکت علی بھی فنِ راگ میں صاحب کمال ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے چار سو راگنیاں یاد ہیں۔ اب اُسے اس فن میں کمال حاصل ہے اور اس باب میں وہ عالم و فاضل ہے۔ اور ہر راگنی کے اختراع اور تالیف میں مہارت تامہ رکھتا ہے۔

مقبوس ۳۵ بوقت عشار بروز شنبہ ۲۲ رمضان ۱۳۱۴ھ

امام بخاری کی عظمت

حضرت اقدس نے نماز کے بعد تراویح باجماعت ادا کی۔ جس میں دو پارے قرآنِ مجید سے پڑھے گئے۔ تراویح سے فارغ ہوکر آپ مسند پر بیٹھ گئے۔ حاضرین مجلس حلقہ باندھ کر گرد بیٹھے تھے۔ حاضرین میں سے ایک آدمی کتاب تاریخ جدولیہ پڑھ رہا تھا۔ جب حضرت شیخ محمدؐ بن اسماعیل جامع کتاب صحیح بخاری کا ذکر آیا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب امام بخاری شیخ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا گیا تو آپ کی قبر کی تمام مٹی خواہ وہ دو من تھی۔ تین من تھی یا چار من تھی سب مشک بن گئی۔ راقم نے عرض کیا کہ حضور اب ان کی قبر مبارک سے خوشبو آتی ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی قبر کی تمام خاک کو لوگوں نے اٹھا کر گڑھا بنا دیا تھا۔ اس کے بعد بادشاہانِ وقت نے مزار شریف کو سنگِ مرمر سے تیار کیا۔ اس کے بعد وہ خوشبو جاتی رہی۔

اس کے بعد کتاب جدولیہ سے شریف رضی اور شریف مرتضیٰ کے نام پڑھے گئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ دونوں بھائی ہیں اور نجیب (صحیح) سیّد ہیں۔ یہ لوگ آئمہ اہلِ بیت کے

زمانے میں رہتے تھے اور کٹر شیعہ تھے۔ بعد ازاں فرمایا کہ کتاب نہج البلاغت بھی ان لوگوں کی تصنیف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شریف رضی نے لکھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شریف مرتضٰی کی تصنیف ہے۔

اس کے بعد رمفرنٹ نے حاضر ہو کہ دست بستہ عرض کیا کہ قبلہ میں نئے محل کی مبارکبادی کے لیے اپنی پارٹی لایا ہوں۔ کرم فرما کہ ہمارا سرود سماعت فرمادیں اور ناچ ملاحظہ فرمادیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ نہیں رمضان شریف کا مہینہ ہے۔ سرود سُننا اور رقص دیکھنا اچھا نہیں۔ خصوصاً نقل دیکھنا اس سے بھی بدتر ہے۔ رمضان کے بعد دیکھیں گے۔ جب اس نے بہت التجاح وزاری کی تو حضرت اقدس نے جو سراسر رحمت ہیں فرمایا اچھا ایک رات تماشا دیکھیں گے زیادہ نہیں۔ اس نے بہت عجز و نیاز سے عرض کیا کہ حضور ایک رات کافی نہیں ہے۔ بہت راتیں درکار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بہت راتیں رمضان شریف کے بعد دیکھیں گے۔ اس نے عرض کیا کہ رمضان شریف ہی میں منظور فرمادیں۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ اگلی رات آنا اور محل کے فلاں کمرے میں دکھانا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور رقص بھی ملاحظہ فرمادیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں دیکھیں گے اور تمہاری نقل بھی دیکھیں گے اور سرود بھی سنیں گے۔

مقبوس ۳۶: بوقت عشار بروز یکشنبہ ۱۱ ر رمضان ۱۳۱۴ھ

اپنی زندگی کا کچھ حصّہ دوسروں کو دینا

نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد حضرت اقدس مسند پر بیٹھ گئے۔ ایک آدمی نے جو خیر پور ٹامانویں کا باشندہ تھا، عرض کیا کہ ہمارے علاقے میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک دفعہ مولوی عبدالرحمٰن بھڈیرہ جو عالم متبحر ہیں اس قدر بیمار ہوئے کہ بچنے کی امید نہ رہی۔ اس اثنا میں حضرت حافظ غلام محمد بجیر یوالا جو حضرت قبلۂ عالم مہاروی کے مرید و خلیفہ تھے عیادت کے لیے ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ مولوی جی آپ عالم ہیں اور آپ کی بدولت لوگوں کو بہت فائدہ ہوگا اور آپ کی زندگی اب ختم ہو رہی ہے۔ اس لیے میں نے سوائے سات دن کے اپنی باقی

زندگی آپ کو بخشی ہے۔ چنانچہ حافظ غلام محمد صاحب سات دن کے بعد فوت ہو گئے اور مولوی صاحب مدت دراز تک زندہ رہے۔ یہ بات سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ اکبرؒ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے ایک بزرگ کو بادشاہ کی لڑکی کے پاس لے گئے جو بیمار تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت شیخ اکبرؒ کے مشائخ بہت ہیں۔ ان کے اصلی پیر شیخ بومدین ہیں لیکن باقی صحبت کے پیر ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ لڑکی کی روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت اپنے مقام سے اتر چکے ہیں۔ لہٰذا سوائے عوض اور بدل کے اور چارہ نہ تھا۔ پس وہ گھر آئے اور اپنی لڑکی سے کہا کہ اے میری بیٹی تو خلق خدا کی بہتری کے لیے بادشاہ کی لڑکی سے زیادہ مفید نہیں ہے۔ بادشاہ کی لڑکی سے خلقت کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنی زندگی اس کے عوض دے دو۔ اس نے قبول کر لیا۔ چنانچہ یہی واقع ہوا کہ بادشاہ کی لڑکی جو حالتِ نزع میں تھی تندرست ہو گئی اور اُن بزرگ کی لڑکی فوت ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب ملک الموت کسی شخص کی جان لینے کے لیے اپنے مقام سے اتر آتا ہے تو شیخ وقت کو سوائے عوض دینے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس اثنا میں راقم نے عرض کیا کہ قبلہ کیا ملک الموت کے نزول سے پہلے شیخ وقت کو اختیار ہوتا ہے کہ بغیر عوض مرنے والے کو زندگی دے سکتا ہے۔ فرمایا ہاں دے سکتا ہے۔

سلب امراض

اس کے بعد فرمایا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ایک طریقہ ہے جس میں باطنی توجہ کے ذریعے بیماری سلب کی جا سکتی ہے۔ فرمایا کہ حضرت خواجہ نظام الدین خاموش جو مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے پیر ہیں ایک مریض کے پاس گئے یہ واقعہ نفحات الانس میں درج ہے۔ جب انہوں نے بیمار کو توجہ دی تو اس کی مرض میں افاقہ ہو گیا۔ سب حاضرین نے سمجھا کہ اب اُسے شفا ہو گئی۔ لیکن روانہ ہونے سے پہلے حضرت نظام الدین خاموش نے اپنے دونوں ہاتھ اس بیمار پر پھیرے اور گھر چلے گئے۔ گھر پہنچ کر لوگوں کو بتایا کہ اس کی مرض الموت تھی۔ اس لیے میں نے نہ چاہا کہ اس سے بیماری سلب کر لوں لہٰذا میں نے واپس کر دی۔ دوسرے دن وہ بیمار فوت ہو گیا۔

حیات ضمنی

اس کے بعد فرمایا کہ دوسرا طریقہ حیات ضمنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا اجل آچکا ہے شیخ اسے اپنے ضمن میں لے لیتا ہے۔ اگرچہ درحقیقت وہ مرجاتا ہے لیکن وہ زندوں کی طرح رہ جاتا ہے۔ چنانچہ شیخ نظام الدین خاموش رح کے زمانے میں ایک قاضی تھا اس کو بھی آپ نے اپنے ضمن میں لے لیا تھا۔ ایک دن حضرت شیخ کو کسی الزام میں گرفتار کرکے بادشاہ کے دربار میں لے گئے۔ وہ قاضی بادشاہ کے دربار میں اعلیٰ عہدے پر تعینات تھا۔ اگر چاہتا تو بادشاہ کو کہہ کر انہیں بری الذمہ کرا سکتا تھا۔ لیکن اس نے کچھ نہ کیا۔ اس سے حضرت شیخ کو قاضی پر غصہ آیا اور اپنی توجہ اس سے ہٹالی۔ توجہ کا ہٹانا تھا کہ قاضی اُسی وقت بادشاہ کے دربار میں گر کر مرگیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ مرزا بیدلؔ کے پیر حضرت شاہ قاسم ھُواللّٰہی کا ایک تاجر مرید تھا جسے آپ نے اپنے ضمن میں لے رکھا تھا۔ اس کے ساتھ شرط یہ تھی کہ اس شہر سے باہر نہ جانا۔ اسی طرح ایک سال گذر گیا۔ ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ شیخ کی دعا کافی ہے۔ شرط کیا چیز ہے چنانچہ وہ ایک قافلے کے ساتھ شہر کی حدود سے باہر چلا گیا اور پہلی رات فوت ہوگیا۔

وجوب و غنائے ذاتی صرف حق تعالیٰ کے لیے خاص ہے

اس کے بعد وجوب و غنائے ذاتی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا سوائے وجوب و غنائے ذاتی کے حق تعالےٰ کی باقی تمام صفات ولی اللہ میں موجود ہوتی ہیں اور پائی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے کہ وجوب ذاتی و غنائے ذاتی مغایرِ تعیّن ہیں (تعیّن میں محال ہیں) جونہی تعیّن آیا وجوب و غنا رخصت۔

وجوب و غنا ذاتی کے علاوہ تمام صفات سے ولی اللہ متصف ہوتے ہیں

اس کے بعد فرمایا چونکہ سوائے وجوب و غنائے ذاتی کے حق تعالیٰ کی تمام صفات ولی اللہ میں پائی جاتی ہیں اور خلاقیّت بھی حق تعالیٰ کی ایک صفت ہے وہ بھی ولی اللہ پر صادق آتی ہے اور یہ جو اولیاء کرام کی شان میں لکھا گیا ہے کہ معدوم کو موجود اور موجود کو معدوم کر دیتے ہیں۔ یہ یہی صفت خلاقیّت ہے کیونکہ خلاقیّت کے معنی یہی ہیں یعنی عدم سے بغیر مادہ کسی چیز کو وجود میں لانا۔ چنانچہ ولی اللہ

تخلیق تو کر سکتا ہے لیکن اپنی مخلوق کی نگہداشت نہیں کر سکتا۔ الا ما شا اللہ۔ وجہ یہ ہے کہ مخلوق کی نگہداشت شیخ کے متواتر فیضان وجودی اور توجہ دائمی کے بغیر ناممکن ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی توجہ ہٹ جائے تو وہ مخلوق معدوم ہو جاتی ہے۔ پس اولیاء اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ مخلوق کی بقا کی خاطر حق تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر مخلوق کی طرف جاری رکھیں۔

معجزاتِ نبویؐ

اس کے بعد فرمایا کہ اولیاء کرام سے اگرچہ صفت خلاقیت کا ظہور کم ہوا ہے لیکن ہوا ضرور ہے۔ لیکن حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صفت کبھی ظاہر نہیں ہوئی اور یہ جو بعض معجزات میں تھوڑی چیز کا بہت ہو جانا مذکور ہے۔ یہ موجودہ مادی چیز کو قلت سے کثرت میں تبدیل کرنا ہے۔ عدم سے وجود میں لانا نہیں ہے۔ اس سے خلاقیت لازم نہیں آتی۔ چنانچہ ایک دفعہ جب پانی کی ضرورت ہوئی اور صحابہ کرام نے پانی کے لیے درخواست کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہیں سے تھوڑا سا پانی لاؤ۔ صحابہؓ نے تھوڑا سا پانی برتن میں لا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پانچوں انگلیاں پانی میں ڈال دیں۔ جن سے پانچ پانی کی نہریں جاری ہو گئیں اور سارا لشکرِ اسلام سیراب ہو گیا۔ حتےٰ کہ تمام اونٹ اور گھوڑے بھی سیراب ہوئے۔ اسی طرح غزوہ تبوک میں چند روٹیاں اور چند کھجوریں تھیں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک پھیلا دی۔ اس سے ستر ہزار آدمی سیر ہوئے اور وہ روٹیاں اور کھجور اسی طرح پڑے رہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا خیال رکھنا۔ دوسرے دن کام آئیں گی۔ چنانچہ دوسرے دن بھی وہی ہوا حتےٰ کہ تین چار دن تک یہ معجزہ وقوع پذیر رہا۔ اس مقام سے مدینہ منورہ چار پانچ دن کا راستہ تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کام ہم مدینہ تک کرتے جاتے لیکن حق تعالےٰ سے شرم آتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ مغفرت اس قدر طویل کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر آپ کو اٹھایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ صدیق اکبرؓ کا یقین آنحضرتؐ کے یقین سے زیادہ نہ تھا۔ بلکہ آنحضرتؐ کا یقین زیادہ قوی تھا۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں جس شخص کو زیادہ قرب حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کا رعب وجلال بھی اس کے دل میں زیادہ ہوتا ہے۔ یہ کمالِ رتبہ عبدیت کا تقاضا ہے۔ ظاہر ہے کہ صدیق اکبر کا قرب آں حضرت کے قرب

سے کم درجہ کا تھا اس لیے ان کا یقین بھی آنحضرتؐ کے یقین سے کمتر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال یقین کے باوجود ادب کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور سجدہ طویل کیا۔

اس کے بعد فرمایا جندو ساکن چاچڑاں حضرت قبلہ محبوب الٰہی کا مرید تھا۔ اس کا بھائی احمد کسی عورت کے ساتھ پکڑا گیا۔ جب اُسے حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ بہت غصّے ہوئے۔ غصے سے آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اس وقت جندو کے مُنہ سے یہ بات نکلی کہ قبلہ قدرت نے ہمارا پردہ فاش کیا ہے ورنہ گناہگار سب لوگ ہیں۔ پاک ذات صرف اسی کی ہے۔ یہ بات سن کر حضرت محبوب الٰہی کا غصّہ ٹھنڈا ہوا اور گریہ طاری ہوگیا آپ رو رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ تو کیا جانتا ہے میرے گناہوں کو۔ میں جانتا ہوں یا میرا رب جانتا ہے۔ غرضیکہ کافی دیر تک روتے رہے۔

مقبوس ۳۷: بوقت عشاء بروز دوشنبہ ۱۲ رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز باجماعت سے فارغ ہوکر تراویح میں تین پارے قرآن مجید سے سُنے۔ آپ نے فرض، تراویح کے آخری دوگانے اور وتر کھڑے ہوکر پڑھے۔

مقبوس ۳۸: بوقت عشاء بروز چہارشنبہ ۱۴ رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز باجماعت ادا کی اور تراویح میں تین پارے کلام پاک سے سُنے۔

مقبوس ۳۹: بوقت عشاء بروز پنجشنبہ ۱۵ رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز عشاء و تراویح باجماعت ادا کی۔ تراویح میں تین پارے قرآن مجید سے پڑھے گئے۔

مقبوس ۴۰: بوقت عصر بروز دوشنبہ ۱۸ رمضان ۱۳۱۴ھ

راقم نماز عصر سے فارغ ہو کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور قدم چومنے کی کوشش کی لیکن حضرت اقدس نے فرمایا مبالغہ مبالغہ مبالغہ۔[1] اس کلام کی ہیبت اور رعب سے بندہ اٹھ کر دور کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت قطب الموحدین جو پیچھے آرہے تھے کی قدم بوسی کی۔

مقبوس ۴۱: بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۲۰ رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت علیؓ کی تاریخ وصال

حضرت اقدس نے فرمایا کہ کتاب خزینۃ الاصفیاء لاؤ۔ خادم نے وہ کتاب حضرت اقدس کو لا کر دی۔ آپ نے اُسے کھول کر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی تاریخ وصال دیکھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں دو روایات ہیں۔ ایک روایت میں تاریخ وصال اکیس رمضان المبارک ہے۔ دوسری میں سترہ رمضان المبارک۔ لیکن اصح (یعنی سب سے زیادہ صحیح) تاریخ وہی پہلی ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی تاریخ وصال دیکھی اور فرمایا کہ یہ اٹھارہ ماہ رمضان ہے۔ اس کے بعد اقتباس الانوار لائی گئی۔ یہ کتاب کھول کر آپ نے ان دونوں حضرات کی تاریخ وصال دیکھی جو خزینۃ الاصفیاء کے مطابق تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ کوئی جائے اور داروغہ لنگر سے دریافت کرے کہ ان حضرات کے عرس کے لیے کوئی طعام تیار کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر کیا جاتا ہے تو کن کن تاریخ پر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد میاں محمد بخش داروغہ لنگر نے خود حاضر ہو کر عرض کیا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس بیس رمضان المبارک کو کیا جاتا ہے (وہی اکیس رمضان کی شب کو) اور حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کا عرس ستائیس رمضان کو کیا جاتا ہے۔

---

[1] حضرت اقدس کے احترام شریعت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ آپ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے لیکن وحدت الوجود کے معنی عام طور پر لوگوں نے غلط سمجھ رکھے ہیں۔

چنانچہ حضرت علیؓ کا عرس کیا جا چکا ہے اور حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کا باقی ہے جو ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ان حضرات کی تاریخ یہ ہے اور تم یہ کرتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ جو کچھ ہو گیا معاف فرماویں۔ آئندہ اسی طرح ہو گا۔ اس نے کہا چونکہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی تاریخ وصال گزر چکی ہے۔ اب کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا جب نیاز دینی ہے تو اسی ستائیس تاریخ کو دینا۔

مقبوس ۴۲: بوقت عشاء بروز چہارشنبہ ۲۱ رمضان ۱۳۱۴ھ

آج رات جب ہم حسب معمول حضرت اقدس کو نماز کی خاطر لانے کے لیے دروازہ پر گئے۔ تو دربان نے کہا کہ آج حضرت اقدس کا حکم ہے کہ کسی کو اندر نہ آنے دو۔ ہم واپس آنے والے تھے کہ کسی نے اندر جا کر حضرت اقدس کو ہماری اطلاع کر دی۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ جو لوگ ہمارے ساتھ روزانہ تراویح پڑھتے ہیں وہ آجائیں۔ نئے لوگوں کو اندر نہ آنے دو۔ چنانچہ ہم اندر گئے اور حضرت اقدس کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے حافظ صاحب سے کہا کہ اگر آج رات چار پارے پڑھ سکو تو بہتر ہے۔ حافظ صاحب نے چار پارے اور ایک پاؤ پڑھا۔ یاد رہے کہ سولہ سے بلیس تاریخ تک حضرت اقدس نے کسی وجہ سے تراویح میں قرآن نہ سنا تھا۔

مقبوس ۴۳: بوقت ظہر بروز جمعرات ۲۲ رمضان ۱۳۱۴ھ

مسیلمہ کذاب

مسیلمہ کذاب کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب مسیلمہ کذاب نے سجاح بنت حارث جس نے مسیلمہ کی طرح نبوت کا دعوٰے کیا تھا کے ساتھ نکاح کیا تو اس سے کہا کہ میں نے تمہارے حق المہر کے عوض تمہاری اُمت کے لیے دو نمازیں معاف کرائی ہیں۔ ایک نماز عشاء اور دوسری نماز فجر۔ مسیلمہ کذاب کے مذہب پر اب بھی کچھ لوگ ہیں۔ چنانچہ کتاب دبستان المذاہب کے مصنف نے جو بادشاہ جہانگیر کے دربار میں واقعہ نویس تھا لکھا ہے کہ مسیلمی لوگ کہتے ہیں کہ مسیلمہ کہا کرتا تھا کہ ہر نبی کا ایک وزیر ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت موسےٰ علیہ السلام بادشاہ تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے وزیر تھے اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بادشاہ تھے اور مسلمہ اُن کا وزیر ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مسلمیان کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اس وجہ سے مسیلمہ کے ساتھ جنگ کی اور اسے قتل کر دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میرے بعد مسیلمہ خلیفۂ برحق ہوگا لیکن چونکہ تمام صحابہ کرام کو آنحضرت کے ساتھ شدید محبّت تھی۔ اس حد تک کہ آپؐ پر جان قربان کرنے کے لیے تیار تھے اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقیّہ کیا اور اس بات کو چھپائے رکھا تاکہ صحابہ کرام کے مابین تفرقہ پیدا نہ ہو۔ چنانچہ خلفائے راشدین نے بھی تقیہ کیا اور یہی کہتے چلے گئے کہ مسیلمہ کذاب ہے۔ جھوٹا اور مکاّر ہے۔ میلمی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مسیلمہ کی بد دعا کی وجہ سے ہے کہ خارجی لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو بُرا کہتے ہیں اور شیعہ لوگ تین صحابہ کرام کے حق میں سب و دشنام سے کام لیتے ہیں۔ میلمی اپنے آپ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیلمہ کے درمیان وسیلہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جو احادیث میں مسیلمہ کی مذمت آئی ہے سب صحابہ کی طرف سے دروغ گوئی ہے (نعوذ باللہ من ذالک) ورنہ مسیلمہ ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفۂ برحق تھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے محمد قلی نام ایک شخص کو دیکھا جو میلمی تھا اور یہ دعوےٰ کرتا تھا کہ میں تمام مسلمیان کا سردار ہوں اور میرے اندر مسیلمہ کی روحانیت نے تجلی کی ہے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ مسیلمہ پر ایک کتاب نازل ہوئی ہے جس کے دو حصّے ہیں۔ ایک کا نام فاروق اصغر ہے۔ دوسرے کا نام فاروق اعظم۔ یہ احکام دین کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ مسیلمہ ایک بلا تھی جس نے اسلام کے اندر فتنہ پیدا کر دیا۔ اسکے بعد کسی نے پوچھا کہ آیا مسیلمہ مسلمان ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کافر اکفر ہے (یعنی بدترین کافر ہے) اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کذّاب کا لقب دیا ہے۔

مقبوس ۴۴: بوقت ظہر بروز جمعہ ۲۳ رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز ظہر باجماعت ادا کی۔ نماز کے بعد تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔

خسف و مسخ اس کے بعد امتِ محمدیہ کے خسف (زمین میں دھنس جانا) اور مسخ (صورت بدل جانا) کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے شریک مجلس چند علماء سے دریافت فرمایا کہ اس امت میں بھی خسف اور مسخ ہے یا نہیں ہے۔ ایک عالم نے جواب دیا کہ فرقہ قدریہ وجبیریہ کے خسف کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا سبّی بھی قدریہ ہیں۔ سبّیوں میں خسف و مسخ بہت واقع ہوا ہے۔ تاریخ میں جن جن لوگوں کے خسف کے واقعات بیان کیے گئے ہیں سب سبّی تھے۔ چنانچہ اب اسی زمانے میں ۱۱ رجب ۱۳۱۴ھ شہر کشیلم میں جو خلیج فارس پر بندر عباس کے دہانہ پر واقع ہے۔ ایک ایسا زلزلہ آیا کہ دو ہزار آدمی زمین کے اندر دھنس گئے اور یہ واقعہ بھی سبّیوں کے ساتھ ہوا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ کتاب شواہد النبوت میں بعض سبّیوں کے مسخ ہونے (شکل بدل جانے) کا ذکر آیا ہے۔ اور کتاب جذب القلوب میں بعض سبّیوں کے خسف کا حال لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کیا کتاب شواہد النبوت اور جذب القلوب مل جائے گی۔ راقم نے عرض کیا حضور کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ فرمایا لے آؤ۔ جب راقم نے کتابیں لا کر پیش کیں تو آپ نے شواہد النبوت کھول کر یہ عبارت پڑھی۔

"امام مستغفری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب دلائل النبوت میں لکھا ہے کہ ایک معتبر راوی لکھتے ہیں۔ ہم تین آدمی یمن کی طرف سفر پر روانہ ہو گئے۔ ہمارے ساتھ ایک شخص تھا جو کوفہ کا رہنے والا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اور حضرت عمر رضی کے متعلق ناروا الفاظ استعمال کرتا تھا۔ ہم اُسے جس قدر نصیحت کرتے تھے باز نہیں آتا تھا جب ہم یمن کے قریب پہنچے تو ہم نے ایک منزل گاہ میں قیام کیا اور سو گئے۔ جب ہم منزل سے کوچ کرنے والے تھے تو ہم نے وضو کیا اور اس کوفی کو بیدار کیا۔ اس

نے کہا افسوس میں اس منزل پر آپ لوگوں سے جدا ہو جاؤں گا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے فاسق خدا تعالےٰ تجھے خوار کرنے والا ہے تو اسی منزل پر مسخ ہو جائے گا۔ ہم نے کہا یہ تیری بدبختی ہے۔ پس وہ بیٹھا ہی تھا کہ اس کے پاؤں کی صورت بگڑنے لگی اور اس کے دونوں پاؤں بندر کی طرح ہو گئے۔ اس کے بعد اس کے گھٹنے، پیٹ اور سینہ وغیرہ تبدیل ہوئے اور پورا بندر بن گیا۔ ہم نے اس کو پکڑ کر اونٹ پر باندھ دیا اور روانہ ہو گئے۔ غروبِ آفتاب کے وقت ہم ایک ویرانے میں پہنچے۔ وہاں چند بندر جمع ہو گئے۔ جب اس نے بندروں کو دیکھا تو بے تاب ہو گیا۔ اور رسی توڑ کر ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس کے بعد ہم نے خیال کیا کہ جب وہ ہمارے ساتھ تھا تو ہمیں ایذا پہنچاتا تھا۔ اب معلوم نہیں دوسرے بندروں کے ساتھ مل کر ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ وہ ہمارے نزدیک آکر اپنی دم پر بیٹھ گیا اور ہماری طرف دیکھ کر آنسو بہانے لگا۔ کچھ دیر کے بعد جب دوسرے بندر جانے لگے تو وہ بھی ان کے پیچھے چلا گیا۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مردِ صالح نے فرمایا ہے کہ کوفہ میں ایک شخص رہتا تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اور حضرت عمر رضی کو برا کہتا تھا۔ وہ ایک سفر میں ہمارے ساتھ تھا۔ ہم اُسے جس قدر نصیحت کرتے تھے کچھ نہیں سنتا تھا۔ چنانچہ ہم نے اس سے کہا کہ ہم سے جدا ہو جاؤ۔ واپسی کے وقت ہم نے اس کے نوکر کو کہا کہ اپنے آقا کو کہو کہ ہمارے ساتھ واپس وطن چلے۔ اس نے کہا کہ ہمارے آقا کو عجیب واقعہ پیش آیا ہے اس کے دونوں ہاتھ سؤر کے پاؤں جیسے ہو گئے ہیں۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو اس نے کہا مجھے ایک حادثہ عظیم پیش آیا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ آستین سے باہر نکالے تو دیکھا اس کے دونوں ہاتھ سؤر کے پاؤں کی طرح ہو گئے۔ اسی حالت میں وہ ہمارے ساتھ روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک جگہ پر چند سؤر تھے۔ سؤروں کو دیکھ کر اس نے اپنے آپ کو نیچے گرا دیا اور مکمل سؤر کی شکل بن کر سؤروں میں شامل ہو گیا۔ یہاں تک کہ اب اُسے دوسرے سؤروں سے تمیز کرنا بھی مشکل ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے کتاب جذب القلوب کھولی۔ اس میں سے یہ عبارت آپ نے پڑھی :-

"دو نصرانی (عیسائی) ملک مغرب سے حجاج میں شامل ہو کر مدینہ منورہ میں آئے

اور ایک مکان میں اقامت پذیر ہو کر انہوں نے روضۂ اطہر کی طرف زیر زمین نقب لگانا شروع کیا۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کریں۔ بادشاہ نورالدین شہید محمود بن زنگی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں تین مرتبہ خواب میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر لو۔ اور اس فتنہ کو ختم کرو۔ بادشاہ ملک شام سے فوراً مدینہ پہنچا اور اس نے ان ملعونوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔"

اس کے بعد یہ عبارت پڑھی :-

"محب طبری نے اپنی کتاب ریاض نضرہ میں لکھا ہے کہ حلب کے سبتیوں کی ایک جماعت نے امیرِ مدینہ کے پاس جا کر بیش بہا تحائف اور رقومات پیش کر کے یہ درخواست کی کہ ہمیں روضۂ اقدس کا دروازہ کھول کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمرؓ کو باہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔ چونکہ امیر مدینہ خود بھی بدمذہب آدمی تھا اس نے دنیا کے لالچ میں آ کر اجازت دے دی اور بوّاب حرم کو حکم دے دیا کہ ان لوگوں کو اندر جانے دو اور یہ جو کچھ کریں مزاحمت نہ کرنا۔ بواب کہتا ہے کہ عشار کی نماز کے بعد اُن میں سے چالیس آدمی باب السلام پر آلات لے کر آ گئے اور دروازے توڑنے لگے۔ میں امیر مدینہ کے حکم سے خاموش ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گیا اور روتا رہا کہ قیامت برپا ہو گئی ہے۔ لیکن سبحان اللہ! جونہی یہ لوگ منبر شریف کے پاس پہنچے زیارت عثمانی کے قریب اپنے تمام آلات اور سامان سمیت زمین میں دھنس گئے۔ امیر مدینہ نے جو کافی دیر انتظار کے بعد مجھے طلب کیا اور پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا اسے بتایا۔ امیر نے کہا تم پاگل ہو گئے ہو۔ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ آخر اس نے خود حرم شریف میں جا کر ملاحظہ کیا تو دیکھا کہ واقعی زمین پھٹی ہوئی ہے اور اُن میں سے ایک شخص بھی نہیں بچا تھا۔ سب زمین کے اندر دھنس چکے تھے البتہ اُن کے چند آلات اور کپڑے باہر پڑے تھے۔"

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حلب کے رافضی وہی سبتی تھے جو علی اللہیین کے نام سے موسوم ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اُٹھ کر نماز عصر باجماعت ادا کی۔ سب لوگ اپنے

مقامات پر چلے گئے اور حضرت اقدس حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو گئے۔

مقبوس ۴۵: بوقت عشاء بروز شنبہ ۲۴ رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز عشاء باجماعت ادا کی اور تراویح میں پونے تین پارے کلام پاک کے سنے۔

مقبوس ۴۶: بوقت عصر بروز شنبہ ۲۴ رمضان ۱۳۱۴ھ

سانپ سے حفاظت

حضرت اقدس کتاب مجمع الفنون دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی ساری عمر میں ایک بار یہ الفاظ اپنی زبان پر لائے گا۔ سانپ سے محفوظ رہے گا۔ اگرچہ ان الفاظ کا صحیح تلفظ معلوم نہیں۔ تاہم الفاظ یہ ہیں۔ " ادبا جوا موتلا ھند ی قت الدعا "۔ نیز میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ جس شخص کو سانپ کاٹ لے تو ایک رتی نیلا تھوتھا باریک پیس کر ایک نالی میں رکھنا چاہیئے اور نالی کو اس کے ناک کے دونوں سوراخوں میں رکھ کر پھونک مارنا چاہیئے۔ اگر اسے قے آجائے تو شفایاب ہو جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میاں واجد علی خان نے اسی کتاب سے نسخے جمع کر کے مجربات کی کتاب لکھی ہے۔

مقبوس ۴۷: بوقت ظہر بروز یکشنبہ ۲۵ رمضان ۱۳۱۴ھ

زمین میں دھنس جانے اور صورت بدل جانے کے متعلق احادیث

میرے ہاتھ میں صحیح جامع ترمذی اور مشکوٰۃ شریف کی آخری جلد تھی۔ قدمبوسی کے بعد میں نے دونوں کتابیں فرش پر رکھ

دیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا یہ کونسی کتابیں ہیں۔ جب میں نے کتابوں کے نام بتائے تو آپ نے فرمایا ہائے ہائے یہ کیا کر دیا۔ حدیث کی کتابیں ہیں فرش پر مت رکھو۔ میں نے کتابیں اٹھا کر اونچی جگہ پر رکھ دیں۔ اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ کل حضور امت محمدیہ کے لوگوں کو مسخ اور خسف ہونے کے متعلق دریافت فرما رہے تھے۔ میں نے بھی اس بارے میں چند احادیث دیکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ میں نے جامع ترمذی شریف کھول کر یہ حدیث شریف پڑھی۔

حدثنا بندار اخبرنا عبدالرحمٰن بن مهدی اخبرنا سفين عن فرات القزاز عن ابی الطفيل عن حذيفه ..... الی آخر - اس کے بعد یہ حدیث پڑھی۔

حدثنا ابوكريب اخبرنا صعفی بن ربعی عن عبدالله بن عمر ...... قال رسول الله صلعم يكون فی آخر هذه الامت خسف ومسخ وقذف ...... الی آخر۔

حضرت اقدس نے کمال توجہ سے دونوں احادیث سنیں اور سر مبارک ہلا کر افسوس کرتے رہے اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اُن مقامات پر صالح اور نیک لوگ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن خدا پناہ دے خشک و تر سب جل جاتے ہیں۔ پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے :-

روایت ہے ابی طفیل سے۔ وہ روایت کرتے ہیں حضرت حذیفہ سے۔ کہا حضرت حذیفہ نے ظاہر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ہم پر اور اپنا رخ مبارک اپنے مکان کے دریچے سے نکال کر فرمایا۔ اس وقت جب ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ دس نشانیاں ظاہر نہ ہونگی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوا کرے گا اور اُسی طرف غروب ہوگا۔ یاجوج ماجوج نکل آئیں گے۔ مختلف الخلق حیوان جبل صفا سے ظاہر ہوگا جو چارپایہ ہوگا۔ اس کی لمبائی ساٹھ گز ہوگی۔ اس کے ساتھ حضرت موسےٰ کا عصا اور حضرت سلیمانؑ کی مہر ہوگی۔ اس سے کوئی شخص نہیں بھاگ سکے گا۔ وہ عصا سے مومن کے چہرے پر مومن کا لفظ اور مہر سے کافر کے چہرے پر کافر لکھ دے گا اور

نشانی یہ ہوگی کہ زمین تین مقامات پر دھنس جائے گی۔ ایک چاندگرہن مشرق میں واقع ہوگا۔ دوسرا مغرب میں۔ تیسرا سرزمین عرب میں۔ عدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو بھگائے گی۔ پس لوگ ادھر ادھر بکھر کر شب باشی کریں گے"۔

ترجمہ حدیث دوم :۔

ہمیں روایت کی ابوبکر کریب نے۔ روایت ہے صیفی بن البعی سے۔ اس نے روایت کی عبداللہ بن عمرؓ سے۔ انہوں نے روایت کی حضرت عائشہؓ سے۔ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر امت میں خسف یعنی زمین میں دھنس جانا اور مسخ یعنی صورت بدل جانا واقع ہوگا اور قذف ہوگا (یعنی آسمان سے پتھر برسنا) میں نے کہا یا رسول اللہ صلعم آیا ہم ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ ہمارے درمیان نیک خصال اور نیک کردار لوگ ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہلاک ہو جاؤ گے جب خبث اور فسق اور فجور ظاہر ہوگا"۔

عیسائیوں کا مباہلہ سے گریز

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ نجران کے نصاریٰ (عیسائی) مباہلہ کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت بی بی فاطمہؓ، حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ اور حضرت علیؓ کو اپنے پاس بٹھایا۔ اس وقت پردہ کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ نصاریٰ میں سے ایک بزرگ نے جو سب سے معزز اور عالم تھا اپنی جماعت سے کہا کہ یہ پانچ افراد جو بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ہر شخص ایسا ہے کہ خدا تعالےٰ سے درخواست کر کے پہاڑوں کو منہدم کرا سکتا ہے لہٰذا تم ایسے لوگوں سے مباہلہ (اللہ تعالیٰ سے بددعا کی درخواست کر کے اپنی سچائی کا ثبوت دینا) ہرگز نہ کرو۔ چنانچہ وہ تمام نصرانی مباہلہ سے باز آگئے اور واپس چلے گئے۔ اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ باز نہ آتے اور مباہلہ کرتے تو سب مسخ ہو جاتے۔ چنانچہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر اس امت میں مسخ ہونا ممکن نہ ہوتا تو آنحضرتؐ یہ بات کیوں فرماتے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ نصاریٰ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کہلائے جا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کافۃ النّاس (ساری خلقت) کے لیے مبعوث ہوئے ہیں خواہ وہ اہل اسلام ہوں خواہ کفار۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی شان

اس کے بعد میں نے مشکوٰۃ شریف سے یہ حدیث پڑھی :۔

عن معاذ بن جبلؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عمران بیت المقدس خراب یثرب خروج الملحۃ

جب میں یہ حدیث پڑھ رہا تھا تو حضرت اقدس کمال خضوع سے سُن رہے تھے اور سر ہلا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ حکم ہے کہ جب ان کا اسم مبارک سنو تو تکبیر پڑھو۔ چنانچہ آپ نے فوراً یہ کلمات پڑھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد۔ راقم نے بھی اسی وقت یہ کلمات دہرائے۔

اس کے بعد میں نے یہ حدیث شریف پڑھی :۔

وَعَنْ ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا اتخذ الفئ دولاً والامنۃ مغنماً وزکوٰۃ مغرماً ...... الی آخر۔

جب حضرت اقدس نے یہ حدیث سنی تو بہت افسوس کیا۔ جب میں لفظ قنیات و معارف پر پہنچا تو آپ نے برکت علی ربابی کو جو فن راگ میں ماہر فن تھا فرمایا کہ تم بھی آ گئے ہو۔ ان دونوں احادیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

عذاب الٰہی نازل ہونے کی علامات

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے بیت المقدس کی آبادی یثرب کی ویرانی کا باعث بنے اور یثرب کی خرابی فتنہ اور جنگ عظیم کی وجہ سے ہو گی۔

دوسری حدیث کا ترجمہ :۔ روایت ہے ابوہریرہؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مال غنیمت کو لوگ دولت سمجھیں گے یعنی غنی اور

دولت مند لوگ مال غنیمت لے جائیں گے اور اپنے تصرف میں لائیں گے اور غربا و مساکین محروم رہ جائیں گے۔ جب لوگ امانت کو مالِ غنیمت سمجھیں گے اور زکوٰۃ کو تاوان تصور کریں گے۔ جب علم، دین اور شریعت کی اشاعت کے لیے نہیں بلکہ حصول دنیا اور عزوجاہ کے لیے حاصل کیا جائے گا۔ جب مرد اپنی عورت کی فرمانبرداری کریں گے اور اپنی والدہ کو رنجیدہ کریں گے اور عاق کرینگے جب لوگ اپنے دوستوں کو نزدیک رکھیں گے اور اپنے والد کو دور کردیں گے جب مساجد میں بے ہودہ آوازیں پیدا ہوں گی۔ جب فاسق و فاجر لوگ قبیلوں کے سردار بن جائیں گے اور رذیل لوگ کاروبار اور مہمات میں مختار ہو جائیں گے اور ان کی عزت ہو گی ان کی برائی کی وجہ سے۔ اور لوگوں پر ظالم اور فاسق فاجر لوگ غالب آجائیں گے اور ان کی عزت و تکریم کے سوا لوگوں کو چارہ نہ ہوگا جب لوگوں کے درمیان سرود گانے والے اور آلاتِ سرود بجانے والے گھل مل جائیں گے۔ جب لوگ شراب پئیں گے اور بعد میں آنے والے لوگ سابقہ مسلمانوں کو بُرا کہیں گے۔ اور خلف سلف پر طعنہ زنی کریں گے اور ان کی پیروی نہیں کریں گے اور ان پر لعنت کریں گے تو انتظار کرو۔ سُرخ آندھی کی، زمین کے ہلنے اور پھٹنے کی اور لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کی۔ اور لوگوں کو سور اور بندر کی شکل میں تبدیل ہونے کی۔ آسمان سے پتھر برسنے کی۔ اور انتظار کرو۔ علامات قیامت کی جو پے درپے ظاہر ہونگی۔"

مقبوس ۴۸: بوقت عشاء بروز شنبہ ۲۶ رمضان ۱۳۱۴ھ

ختم قرآن

حضرت اقدس نے مقابلیں کی عبارت توجہ سے سنی اور چند مقامات پر تصحیح فرمائی۔ اس کے بعد نماز عشاء باجماعت ادا کی اور تراویح میں تین پارے کلام پاک سے سُنے۔ ختم کی رات تھی آپ نے قاری کے سر پہ آخری چار رکعت سے

پہلے عمامہ باندھا - اور بیس روپے پیش گئے اور حافظ سامع کو دو روپے مرحمت فرمائے - جب قاری نے آخری چار رکعت ختم کیں تو فوراً حضرت اقدس کے سینۂ بے کینہ پر دم کیا - اس کے بعد شیرینی تقسیم ہوئی - آپ نے فرمایا کہ ہر شخص کو شیرینی فہرست کے مطابق تول کردو - اس کے بعد آپ نے شیرینی ان مساکین کو تقسیم کی جن کا نام فہرست میں نہ تھا - اس کے بعد نماز وتر باجماعت ادا کی یہ تمام شیرینی سترہ روپے دے کر تیار کرائی گئی تھی -

مقبوس ۴۹: بوقت ظہر بروز دوشنبہ ۲۶ رمضان ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس کا سنت اور نفل باجماعت پڑھنا

حضرت اقدس نے وضو کر کے نماز ظہر ادا کی - چونکہ وقت تنگ تھا - پہلی چار سنت آپ نے فرضوں سے پہلے امام کے ساتھ پڑھیں - اس کے بعد دو رکعت سنت جو فرضوں کے بعد ہیں وہ بھی امام کے ساتھ ادا کیں - آپ بعض اوقات نوافل بھی امام کے ساتھ پڑھتے تھے [۱] یعنی حضور مقتدی ہو جاتے اور کسی اور آدمی کو امام بنا لیتے - اس کے بعد آپ تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے اور جہاں سجدۂ تلاوت آیا آپ نے وہ عبارت آہستہ پڑھی تاکہ دوسروں پر سجدہ واجب نہ ہو جائے - تلاوت ختم کر کے آپ نے سجدۂ تلاوت ادا کیا - اس کے بعد دربان نے آکر عرض کیا کہ دروازے پر بہت لوگ جمع ہیں اور زیارت کی درخواست کرتے ہیں

---

[۱] سنت اور نفل امام کے ساتھ پڑھنے کی وجہ وہی معلوم ہوتی ہے جو پہلے بیان کی جاچکی ہے یعنی اس زمانے میں آپ پر استغراق کا غلبہ ہوگا جو آخر عمر میں، از سر نو کاملین پر طاری ہو جاتا ہے - پہلے متوسط حالت میں غلبۂ استغراق ہوتا ہے - لیکن انتہائی مقام پر پہنچ کر اور ذات بحت کے سکر اور استغراق سے نکل کر مقام بقا باللہ اور عبدیت پر نزول کرتے ہیں اور مریدین کی تربیت کر کے خلفاء مقرر کرتے ہیں - جب خلفاء کام شروع کر دیتے ہیں تو خود فارغ ہو کر دوبارہ ذات میں بحت میں غرق ہو کر فردین جاتے ہیں -

آپ نے فرمایا اندر آنے دو۔ سب لوگوں نے اندر آکر زیارت کی اور اپنے مقاصد بیان کیے۔

حضرتِ اقدس کا پالتو پرندے آزاد کرنا

اس کے بعد ایک آدمی نے ایک دُنبہ اور دو تیتر پیش کیے۔ آپ نے قبول فرمائے۔ بعض لوگوں نے خواہش کی کہ تیتر ان کو مل جائیں تاکہ وہ ذبح کر کے کھائیں۔ لیکن آپ نے فرمایا ہم یہ تیتر کسی کو نہیں دیتے۔ اس کے بعد خادم سے کہا کہ جنگل میں جا کر ان تیتروں کو اڑا دو۔ حافظ عبدالحی جلد ساز نے عرض کیا کہ حضور یہ خدمت میرے سپرد کریں۔ چنانچہ اس نے تیتر لیے اور جنگل میں جا کر اڑا دیئے۔ اسی طرح حضرت اقدس نے کئی بار قید شدہ اور پکڑے ہوئے پرندوں کو رہا کرایا۔ چنانچہ ملتان میں بہت سے لوگوں نے انعام کی خاطر کبوتر۔ شارک۔ طوطے وغیرہ پیش کیے لیکن آپ نے لیکر سب آزاد کر دیئے اور ان لوگوں کو قیمت ادا کر دی۔ کسی کو آپ دو روپے دیتے تھے کسی کو تین کسی کو چار۔ ملتان میں قیام کے دوران روزانہ یہی حال ہوتا تھا۔ اس کے بعد اندرون خانہ سے ایک کنیز نے آکر کچھ پھول پیش کیے۔ آپ نے پھول سونگھ کر کلاہِ مبارک میں رکھ لیے اور کلاہ سر پہ رکھ لی۔ اس کے بعد نماز عصر با جماعت ادا کی۔

تعویذ اولاد

دو عورتیں دور سے آئی ہوئی تھیں۔ ایک نے عرض کیا کہ مجھے اولاد کا تعویذ عطا فرماویں۔ آپ نے یہ تعویذ لکھ کر اس کو دیا ‍مــ ‍مـــــہ ‍مـ ‍مــــہ ح ح ح ح ح ح۔ دوسری عورت نے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے اپنے خادم میاں سلطان محمود کو ایک رومال دے کر فرمایا کہ اس عورت کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ دونوں ہاتھ اس رومال کو لگائے۔ اس کی بیعت ہو جائے گی۔ اس سے یہ بھی کہو کہ گناہوں سے توبہ کرو۔ اور ہمیشہ نماز پڑھا کرو۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد حضرت اقدس مشغول بحق ہو گئے اور سب لوگ باہر چلے گئے۔

مقبوس ۵: بوقت عشاء بروز شنبہ ۲۷ رمضان ۱۳۱۴ھ

راقم نے مقابیس پیش کیے۔ آپ حرف بحرف سن کر خوش ہوئے اور بعض مقامات پر

اصلاح بھی فرمائی ۔

حضرت ابو سعید ابو الخیر سے بچپن میں کرامت کا ظہور

اس کے بعد کتاب نفحات الانس طلب فرما کر مطالعہ فرمایا اور یہ فوائد بیان فرمائے کہ حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور اپنے والد کے ساتھ نماز جمعہ کے لیے جا رہا تھا ۔ راستے میں شیخ ابو القاسم بشرہ یاسین سے ملاقات ہوئی انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کس کا بیٹا ہے ۔ میرے والد نے کہا یہ میرا بیٹا ہے ۔ انہوں نے فرمایا اے ابا الخیر میں اس جہان سے رخصت نہیں ہو سکتا تھا ۔ اس وجہ سے کہ مجھے جگہ خالی نظر آتی تھی اور درویش ختم ہو رہے تھے ۔ اب اس بچے کو دیکھ کر میں مطمئن ہو گیا ہوں کہ ولایتوں کا مالک موجود ہے ۔ نماز سے فارغ ہو کر ہم شیخ ابو القاسمؓ کے حجرے میں گئے اور ان کے سامنے بیٹھ گئے اس حجرے میں ایک طاق تھا جو کچھ بلندی پر تھا ۔ انہوں نے میرے والد سے کہا کہ اس طاق میں ایک روٹی پڑی ہے ۔ بچے کو اوپر اٹھاؤ تاکہ وہ روٹی اٹھا لے ۔ میرے والد نے مجھے اوپر اٹھایا اور میں نے روٹی اٹھالی ۔ جَو کی روٹی تھی اور خوب گرم تھی ۔ اس قدر گرم تھی کہ اس کی گرمی ہاتھوں کو محسوس ہو رہی تھی ۔ حضرت شیخ نے روٹی مجھ سے لے کر اس کے دو ٹکڑے کیے ۔ ایک حصہ آپ نے خود کھایا اور ایک مجھے دے کر فرمایا کہ کھاؤ ۔ میرے والد کو کچھ نہ دیا ۔ میرے والد نے کہا کہ اے شیخ کیا وجہ ہے اس تبرک سے آپ نے مجھے محروم کیا ہے ۔ شیخ ابو القاسم نے فرمایا کہ اے ابو الخیر تیس سال ہوئے کہ میں نے یہ روٹی طاق میں رکھی تھی اور مجھے فرمان ہوا تھا کہ یہ روٹی اس شخص کے ہاتھ پر گرم ہو جائے گی جس سے ایک جہان زندہ ہو گا ۔ اور یہ بات اس بچے پر صادق آئے گی ۔ تجھے مبارک ہو کہ وہی شخص تیرا یہ بیٹا ہو گا ۔

ملفوظ ۵۱ : بوقت چاشت بروز شنبہ یکم شوال ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس کی عید

عید کا دن تھا ۔ حضرت اقدس نے غسل فرما کر نفیس پوشاک زیب تن فرمائی ۔ کرتہ ململ سفید اول درجہ کا تھا ۔

چادر سفید لٹھے اوّل درجے کی تھی - قبا سُرخ ریشم کی تھی - جس کا استر چھینٹ کا تھا اور اس میں روئی بھری تھی - سر پر کلاہ سبز کمخاب کی تھی جس میں زرّیں پھول تھے اور اندر روئی بھری تھی - کلاہ (ٹوپی) پر وہ متبرک سالاری (لنگی) تھی جس کا ذکر دوسری جلد مقبوس نوبیں ہو چکا ہے - اس کے بعد فرمایا کہ پالکی لاؤ - آپ پالکی پر سوار ہو کر عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے - حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخش صاحبؒ اور دیگر لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر پالکی کے پیچھے جا رہے تھے - قوال پالکی کے آگے قوالی کرتے جا رہے تھے اور پالکی کے گرد خلقت کا ہجوم تھا اور لوگ حضرت اقدس کی زیارت کے لیے ایک دوسرے پر گر رہے تھے - سرکاری بنگلے کے قریب ایک شامیانہ لگا تھا جس کے نیچے دریوں کا فرش تھا - میدان کافی فراخ تھا - چنانچہ ساری خلقت نے میدان میں جمع ہو کر نمازِ عید ادا کی - سلام کے بعد آپ نے امام صاحب کے سر پر دستار باندھی اور حسبِ معمول نذر بھی پیش کی - اس کے بعد امام صاحب نے خطبہ پڑھا اور دعا مانگی گئی - نماز سے فارغ ہو کر آپ کچھ دیر وہاں کھڑے ہو کر عید کے مناظر کا مشاہدہ کرتے رہے - اس کے بعد پالکی میں بیٹھ کر گھر چلے گئے -

مقبوس ۵۲: بوقت عصر بروز یکشنبہ ۳ شوال ۱۳۱۴ھ

تعداد آیات الفاظ و حروفِ قرآن

حضرت اقدس تلاوت قرآن کر رہے تھے - ایک حافظ پاس بیٹھا تھا - جب آپ آیۂ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا - پر پہنچے تو حافظ نے کہا کہ حروف کے شمار کے لحاظ سے وَلْيَتَلَطَّفْ کی "تا" قرآن شریف کا نصف ہے - آپ نے فرمایا مشہور ہے کلمہ احد پر نصفِ قرآن ختم ہوتا ہے - حافظ نے عرض کیا کہ یا حضرت یہ آیات کے شمار کے لحاظ سے ہے - اس کے بعد حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ قرآن شریف بھی عجیب چیز ہے - آپ نے فرمایا عجیب کیوں نہ ہو کہ قرآن شریف پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں ملا تھا - اس کے بعد آپ نے دُعا مانگی اور دُعا کے بعد کتاب مطلع العلوم کو کھول کر یہ فوائد بیان فرمائے کہ

آیاتِ مکی چھ ہزار دوسو بارہ اور آیاتِ مدنی چھ ہزار دوسوچودہ ہیں۔ کلمات (الفاظ) چھہتر ہزار چارسو تیس ہیں اور حروف تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہیں۔ اُن میں سے حرف الف اڑتالیس ہزار آٹھ سو ستر ہیں۔ حرف با گیارہ ہزار چارسو بائیس ہیں۔ حرف تا دس ہزار ایک سو ننانوے۔ حرف ثا ایک ہزار دوسو چھہتر، حرف ج جیم تین ہزار دوسو تہتر۔ حرف حا تین ہزار نوسو تہتر۔ حرف خا دو ہزار چارسو سولہ۔ حرف دال پانچ ہزار چھ سو بیالیس۔ حرف ذال چار ہزار چھ سو ستانوے۔ حرف را گیارہ ہزار سات سو ترانوے۔ حرف زا ایک ہزار پانچ سو نوے۔ حرف سین پانچ ہزار آٹھ سو اکانوے۔ حرف شین دو ہزار دوسو ترپن۔ حرف صاد دو ہزار تیرہ۔ حرف ضاد ایک ہزار چھ سو سات۔ حرف طا ایک ہزار دوسو چھہتر۔ حرف ظا آٹھ سو بیالیس۔ حرف عین نو ہزار دوسو بیس۔ حرف غین دو ہزار دوسو آٹھ۔ حرف فا آٹھ ہزار چارسو ننانوے۔ حرف ق چھ ہزار آٹھ سو تیرہ۔ حرف کاف نو ہزار پانچ سو بیس۔ حرف لام تینتیس ہزار چارسو بتیس۔ حرف میم چھبیس ہزار پانچ سو پینتیس۔ حرف نون چھبیس ہزار پانچ سو چھ۔ حرف واؤ پچیس ہزار پانچ سو چھتیس۔ حرف ہا انیس ہزار ستر۔ حرف یا پچیس ہزار نوسو انیس ہیں۔

قرآن کے محرکات یعنی زبر زیر وغیرہ کی تعداد

سارے قرآن میں زبر ترپن ہزار دوسو تینتالیس۔ پیش آٹھ ہزار آٹھ سو چار۔ زیر انتالیس ہزار پانچ سو بیاسی۔ نقاط ایک لاکھ پانچ ہزار چھ سو اکاسی۔ مدّات ایک ہزار چارسو اکہتر۔ تشدیدات ایک ہزار ترپن ہیں۔

اس کے بعد آپ نے کتاب انوار الرحمٰن جو حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے کھولی اور فرمایا ان ملفوظات کے جامع کی عادت ہے کہ جب کسی ولی اللہ کا نام لیتے ہیں تو یہ الفاظ لکھتے ہیں۔ "علی نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام" اس سے دل کو حظ اور لذت حاصل ہوتی ہے۔

گم شدہ بچے کی واپسی کا عمل

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا حضرت میرا لڑکا مفرور ہوگیا ہے۔ ایک لفظ کہہ دیں تا کہ

واپس آجائے۔ آپ نے فرمایا یاجامع الناس لیوم لاریب فیہ اردد علیّ ضالتی (اے قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرنے والے مجھ سے مصیبت دور فرما) ایک سو بار اوّل آخر درود شریف بعد نماز فجر پڑھا کرو۔

مقبوس ۵۳: بوقت ظہر بروز خمیس ۷ شوال ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس کے سامنے چند کتابیں مثل سوار السبل، شرح گلشن راز[1] کلمۃ الحق[2] اور مصباح الہدایہ رکھی تھی۔ بعض کتابیں آپ خود پڑھ رہے تھے۔ اور بعض دوسرے لوگ پڑھ رہے تھے اور حضور سن رہے تھے۔

---

[1] کتاب گلشن راز مثنوی گلشن راز کے نام سے مشہور ہے جو حضرت شیخ محمود شبستریؒ کی تصنیف ہے اور تصوف کی بیش بہا کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ کتاب کا مضمون شروع سے آخر تک وحدت الوجود ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے جس طریقے سے وحدت الوجود کی وضاحت فرمائی ہے مشائخ عظام کی کتابوں میں بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ چونکہ انداز بیان شاعرانہ ہے۔ ذوق وشوق اور عشق و مستی نے مضمون کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

[2] کتاب کلمۃ الحق صوفی عبد الرحمٰن لکھنویؒ کی تصنیف ہے۔ انہوں نے بھی اس کتاب میں مسئلہ وحدت الوجود کو آیاتِ قرآن سے ثابت کیا بلکہ کلمۂ توحید کو وحدت الوجود کی بنیاد قرار دیا ہے۔ آپ نے یہ کتاب لکھ کر تمام علمائے وقت کو گھر پہ دعوت دی اور اندر سے گھر کا دروازہ بند کر کے کہا کہ آپ حضرات یا اس کتاب کی تائید کریں یا تردید کریں ان میں سے ایک کام کرنا ہوگا ورنہ گھر سے باہر نہیں جانے دوں گا۔ چونکہ کتاب میں بیّن ثبوت موجود تھا۔ سب نے تائید کی اور اس پہ دستخط ثبت کر دیئے۔ یہ دستخط شدہ نسخہ اب تک آپ کے خاندان میں موجود ہے۔ ویسے یہ کتاب اب چھپ چکی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔

توحید ایمانی و توحید حالی

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ توحیدِ ایمانی میں انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور عام مسلمان برابر ہیں۔ تمام انبیاء اور اولیا کا آخری مقام توحید حالی[1] ہے۔ اس مقام پر بھی رسوم بشرّیت قطعی طور پر مرتفع نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صوفیاء نے فرمایا ہے۔

التوحیدُ غریمٌ لا یقضی دینہ۔ والتوحید غریب لا یودی حقہ۔

(توحید ایک قرض خواہ ہے جس کا قرض ادا نہیں کیا جا سکتا اور توحید ایک مسافر ہے کہ جس کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا)

اس کے بعد فرمایا کہ البتہ اسی توحید حالی میں ایک ایسی حالت وارد ہوتی ہے جو برق الخاطف یعنی چمکتی ہوئی بجلی کی طرح ہوتی ہے اور اس وقت بشرّیت کے تمام آثار و رسوم دفعتہً ختم اور ناپید ہو جاتے ہیں۔

تعین ختم نہیں ہوتا

اس کے بعد شرح گلشن راز کو کھول کر آپ نے یہ عبارت پڑھی۔ "بنی نوع انسان میں سے ایسے باکمال لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر ایسا وقت آتا ہے اور حضرت واجب الوجود کے ساتھ وصال تام (مکمل وصال) حاصل ہوتا ہے کہ اس وقت وہ خود نہیں ہوتے اور ان کا تعیّن تجلّی ذاتِ احدیت میں گم ہو جاتا ہے لیکن اس حال کے بعد جب تعیّن کی قید میں آتے ہیں تو عالم امکان (عالم مکان و زمان) کے قیدی بن جاتے ہیں۔"

جذب اور تصفیہ

اس کے بعد فرمایا کہ یہ جو شرح گلشنِ راز میں جذبہ اور تصفیہ کا ذکر آیا ہے۔ جذبہ سے مراد وہ سلوک ہے جس میں بغیر مجاہدہ اور بغیر ریاضت غلبۂ روحانیت سے منازل سلوک طے ہو جاتے ہیں اور تصفیہ سلوک الی اللہ کی

---

[1] توحید حالی فنا فی الذات کا نام ہے۔ توحید قالی کا سالک صرف جانتا ہے کہ ذات حق میں فنا ممکن ہے لیکن توحید حالی میں اس کو عملاً فنا فی الذات کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور لوہے کی طرح آگ میں گرم سرخ ہو کر انا النار کا دعوے کرے تو حق بجانب ہوتا ہے۔ لیکن یہ عارضی مقام ہے۔

وہ قسم ہے کہ جس میں مجاہدہ، عبادات، ریاضات، اوراد، وظائف اذکار و مشاغل کے ذریعے تمام مراتب و مدارج سلوک طے کیے جاتے ہیں۔[1]

اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ کیا صوفی کا تجلی احدیت میں محو ہونا صوفی کے علم میں ہوتا ہے یا نہیں۔ حضرت اقدس نے تبسّم کے ساتھ فرمایا کہ جس طرح کوئی سمجھ لے۔ فرمایا اس وقت اس کا سارا علم، علم حق ہوتا ہے۔[2]

قرب حق میں اضطراب کی وجہ

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور جب انسان مرتبۂ کمال تک پہنچ جاتا ہے اور عارف، کامل ہو جاتا ہے تو پھر اُسے اضطراب اور تذبذب کیوں لاحق ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب معشوق کا وصال حاصل ہوتا ہے تو عشق کا ذوق و شوق اور اضطراب ختم ہو جاتا ہے اور تسکین و آرام حاصل ہوتا ہے اس کی ساری تپش، آرزو اور سوز و گداز جاتا رہتا۔ اب چونکہ ذات حق سبحانہٗ

---

[1] پہلی قسم کے سالک کو مجذوب سالک کہتے ہیں اور دوسری قسم کے سالک کو سالک مجذوب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یعنی وہ جن کا سلوک جذب کے ذریعے طے ہوتا اور وہ جن کو جذب سلوک کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ پہلے کو مراد اور دوسرے کو مرید کہا جاتا ہے۔

[2] جب سالک کو ذات حق میں فنا ہونے کا علم باقی ہوتا ہے اُسے فنا کہتے ہیں۔ جب یہ علم ختم ہو جاتا ہے اور لاشعوری کی حالت غالب آجاتی ہے تو اسے فناءالفنا یا فنائے فنا کہتے ہیں۔ پہلی حالت فنائے صفاتی اور دوسری حالت فنائے ذاتی کہلاتی ہے۔ پہلی حالت کو قرب نوافل اور دوسری حالت کو قرب فرائض کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ پہلی حالت کو فنائے وحدت اور دوسری حالت کو فنائے احدیت بھی کہتے ہیں۔ پہلی حالت میں کشف و کرامات کا ورود ہوتا ہے۔ دوسری حالت میں کشف و کرامات بند ہو جاتے ہیں۔ عرفا کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نبی تھے لیکن وہ ایک ولی اللہ یعنی خضرؑ سے اس لیے جھڑکیاں کھا رہے تھے کہ حضرت خضرؑ مقام کشف اور فنائے وحدت میں تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام لاتعین اور فنائے احدیت میں محو تھے اور کشف و کرامات کا دروازہ ان پر بند تھا۔

بے انتہا ہے لازماً اس کی تجلیات بھی لاانتہا ہیں۔ جب سالک پر ایک تجلی کا ظہور ہوتا ہے تو وہ ابھی اس کی لذت میں ہوتا ہے کہ دوسری تجلی وارد ہوتی ہے۔ پھر تیسری پھر چوتھی حتیٰ کہ لاانتہا تجلیات کا پے در پے ورود ہوتا ہے اور ابدالآباد تک ہوتا رہے گا[1] اور ہر تجلی کی شان نئی ہوگی۔

ع[1] حقیقت یہ ہے کہ عین قرب و وصال کی حالت میں بھی سالک کا درد اور اضطراب ختم نہیں ہوتا کیونکہ قرب کے سفر میں ہر منزل کے اوپر اور منزل ہے اور پھر اس منزل کے اوپر اور منزل ہے حتیٰ کہ قیامت تک اور قیامت کے بعد بہشت میں بھی منازل قرب طے ہوتی رہیں گی اور طلب وصال کی گھڑیاں بدلتی رہیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین فرماتے ہیں کہ "قلندر آنکہ فوق الوصل جوید" (یعنی قلندر وہ ہے جو وصل سے بھی اوپر کا طلبگار رہے۔ سعدی شیرازی نے خوب کہا ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدیؒ را سخن پایاں ۔۔۔ بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہمچناں باقی،

کسی نے خوب کہا ہے ؎

دل آرام در بر دل آرام جوئے ۔۔۔ چوں مستقیٔ تشنہ بر آب جوئے

(محبوب بغل میں ہے اور محبوب کی آرزو ہے) بات یہ ہے کہ جب قرب بڑھ جاتا ہے تو طلب بھی بڑھ جاتی ہے۔ قرب جسمانی کی تو پھر بھی ایک حد ہے لیکن قرب معنوی کی کوئی انتہا نہیں۔ قرب اور وصال میں بھی یار لوگ ھل من یزید کے نعرے مارتے رہتے ہیں اور پریشان حال ہوتے ہیں۔

ایک صاحب فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہے است ۔۔۔ ہرچہ بروے مے رسی بروے مایست

(یعنی دوست کی منزل گاہ اس قدر بلند ہے کہ ہر منزل پر ایک منزل ہے اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا) یہ راستہ چلنے سے قطع نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے ؎

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدن ہا ۔۔۔ کہ مے بالد بخود ایک راہ چو تارک از بیدن ہا

(یہ راستہ چلنے سے ختم نہیں ہوتا بلکہ پودے کی کونپل کی طرح قطع کرنے سے الٹا طویل ہوتی ہے)

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ۔۔۔ وز آنچہ گفتہ ایم وز آنچہ شنیدہ ایم

مجلس تمام گشت و بپایاں رسید عمر ۔۔۔ ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

(باقی اگلے صفحہ پر)

مقبوس ۵۴: بوقت عصر بروز یکشنبہ ۱۷ شوال ۱۳۱۴ھ

دوست وہ ہے جو تمہیں عیوب سے آگاہ کرے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ حکمائے سلف کا قول ہے کہ تمہارا دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیوب سے آگاہ کرے اور تمہارا دشمن وہ ہے جو تمہارے عیب چھپائے اور تمہاری تعریف کرے ۔ اس کے بعد آپ نے نماز عصر باجماعت ادا کی اور نماز کے بعد تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے ۔ تلاوت کے بعد خادم نے آکر کچھ پھول پیش کیے اور آپ نے دونوں ہاتھوں میں پھول لے کر سونگھے اور فرمایا کہ گلاب کے پھول لے آؤ ۔ خادم جاکر گلاب کے پھول توڑ لایا اور آپ کافی دیر تک سونگھتے رہے ۔ اس کے بعد نماز مغرب باجماعت ادا کی اور اندرون خانہ چلے گئے ۔

مقبوس ۵۵ بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۱۹ شوال ۱۳۱۴ھ

ایک شخص نے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ سفارشی خط ہے حضور اس پر دستخط فرما دیں ۔ آپ نے خط پڑھ کر فرمایا کہ خط اس طرح نہیں لکھنا چاہیئے ۔ حکیم اللہ بخش نے سکنہ نواکوٹ نے جو حضرت اقدس کے معالج تھے اور سفر اور حضر میں حضرت کے ساتھ رہتے تھے عرض کیا کہ حضور اگر ارشاد ہو تو میں خط لکھ دوں ۔ آپ نے فرمایا ہاں لکھ دو ۔ انہوں نے فوراً خط لکھ کر حضرت کے پیش کیا ۔ آپ نے پڑھا اور متبسم ہو کر یہ اشعار پڑھے ؎

گر قلم در دستِ غدارے بود	لاجرم منصور بردارے بود
ور قلم اندر کفِ رنداں بود	لاجرم ذوالنون در زنداں بود

بقیہ از صفحہ سابقہ

قلم بشکن سیاہی نبرد کاغذ سوز و دم درکش	کہ حسن ایں قصہ عشق است در دفتر نگنجد

(اگر قلم غدّار کے ہاتھ میں چلی جائے تو منصور سولی پر چڑھ جائے گا - اگر قلم کسی رِند کے ہاتھ میں دی جائے تو جنید کو قید کر دے گا - کیونکہ وہ رند نہ تھے - متشرع تھے)

حضرتِ شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی کا غلو توحید وجودی میں

اس کے بعد حضرتِ شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی قدس سرہٗ کا ذکر ہونے لگا - آپ نے ان کی کتاب کلمۃ الحق کی تعریف کی اور فرمایا کہ چونکہ وہ فقیر ہیں - انہوں نے اس کتاب کلمۃ الحق میں توحید کے بارے میں غلو سے کام لیا ہے اور یہاں تک لکھ دیا ہے کہ توحید وجودی سِتر (مخفی) نہیں - جہر (ظاہر) ہے - انہوں نے عوام اور خواص کے ایمان اور توحید میں فرق نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ اسلام یہی ہے اور شریعت یہی ہے - جو شخص وحدتِ وجود کا انکار کرے اُسے قتل کر دیا جائے - اس کی بیوی کو دوسرے شخص کے نکاح میں دے دیا جائے اور اس کے مال کو مالِ غنیمت تصور کیا جائے - ان کے نزدیک توحید وجودی کا منکر کافر اور مشرک ہے - اس کے بعد آپ نے مغرب کی نماز ادا کی اور نماز کے بعد دو سجدے کیے جو غالباً سجدہ ہائے تلاوت تھے -

بواسیر کا علاج

اس کے بعد حضرت اقدس کے داماد صاحبزادہ امام بخش صاحب نے عرض کیا کہ قبلہ یہ غلام عارضہ دمامیل اور بواسیر میں مبتلا ہے جس سے ہر وقت درد محسوس ہوتا ہے - میرا علاج کیجئے - آپ نے فرمایا کہ نماز فجر کی سنتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ اور دوسری رکعت میں اَلَمْ تَرَ کَیْفَ پڑھا کرو یہ فرمانِ شیخ ہے اس پر التزام ضروری ہے - اِس کے بعد راقم اپنے مقام پر چلا گیا اور حضرتِ اقدس مشغول بحق ہو گئے -

مقبوس ۵۶: بوقت عصر بروز چہار شنبہ ۲۷ شوال ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس تلاوت قرآن میں مشغول تھے - تلاوت کے بعد آپ نے دعا مانگی اور قرآن شریف پر بوسہ دے کر آنکھوں سے لگایا - اس کے بعد فرمایا کہ مقابیس المجالس لاؤ - میں دوڑتا ہوا گیا اور مقابیس لایا اور ایک ساعت تک پڑھ کر سناتا رہا - آپ نے غور سے سنا اور چند مقامات پر تصیح

فرمائی۔ اس کے بعد نماز عصر باجماعت ادا کی اور دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔

مقبوس ۵۷: بوقت عصر بروز جمعرات ۲۸ شوال ۱۳۱۴ھ

چوڑھے مسلمان ہیں

چوڑھوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ میاں غلام رسول ناظم خانپوری نے دریافت کیا کہ اگر کسی چوڑھے (حلال خورے) کی بیوی کسی مسلمان سے نکاح کرے تو جائز ہے یا نہیں۔ میں نے کہا کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس ملک کے تمام چوڑھے مسلمان ہیں (اس کا ذکر پہلے ملفوظات میں مفصل آچکا ہے) اس لیے جب کوئی چوڑھا کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس کا نکاح صحیح ہے۔ اگر اس کی عورت کسی اور مسلمان سے نکاح کرے تو یہ نکاح نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے کہ نکاح پر نکاح جائز نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس ملک کے چوڑھے حرام اور مردار کھاتے ہیں لیکن عقیدہ اہلِ اسلام رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی رسوم بجالاتے ہیں۔ چنانچہ نماز پڑھتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں۔ ختنہ کراتے ہیں۔ نکاح پڑھاتے ہیں۔ نماز جنازہ پڑھاتے ہیں۔ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں۔ اور یہ جو ہمارے مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ اُن سے پوچھا جائے کہ حرام اور مردار کو حلال سمجھتے ہیں یا حرام۔ اگر حلال سمجھتے ہیں تو کافر ہیں۔ یہ بات جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ بعض دہقان ایسے ہیں کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے تو جواب دیتے ہیں کہ نماز ہمیں موافق نہیں آتی۔ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو کوئی نہ کوئی نقصان ہو جاتا ہے۔ پس یہ بات اس کی جہالت کی وجہ سے ہے ورنہ اس کا عقیدہ یہ نہیں ہے۔ اس طرح کے بے شمار اقوال جہلا کے منہ سے نکل جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ کہ چوڑھوں کے حرام چیز کو حرام سمجھنے کی پختہ علامت یہ ہے کہ جب وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو پہلے وہ غسل کرتے ہیں اور کپڑے دھو کر پاک کرتے ہیں اور نیا کوزہ لاتے ہیں یا پرانے کوزہ کو پاک کرتے ہیں۔ اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اگر حرام کو حرام نہ سمجھتے تو بدن اور کپڑے پاک کرنے کے لیے یہ کوشش اور احتیاط کیوں کرتے۔ اس کے بعد فرمایا میں کہتا ہوں کہ ہمارے علاقے کے چوڑھے بلاشک مسلمان ہیں[1]۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک ہی چیز کسی کے لیے مفید کسی کے لیے مضر

اس کے بعد ایک خادم نے مشک سے بھری ہوئی ایک شیشی حضرت کو پیش کی - آپ نے ذراسی مشک نکال کر تشخیص فرمائی اور تھوڑا سا ذائقہ بھی لیا اور فرمایا کہ ذائقہ تلخ ہے - اس کے بعد فرمایا کہ سبحان اللہ یہ مشک کسی کے لیے مفید ہے اور کسی کے لیے مضر ہے - ایک ہی چیز ہے کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے اور کسی کو نقصان - اس پر آپ نے مثنوی شریف کا یہ شعر پڑھا

؎ آبِ نیل است و بقبطی خون نمود — قومِ موسیٰ را نہ خون بود آب بود

(دریائے نیل کا پانی ہے جو قبطیوں کو یعنی قوم فرعون کو خون نظر آیا لیکن قوم موسیٰ کے لیے پانی تھا نہ کہ خون)

اس کے بعد فرمایا کہ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا (اس سے وہ اکثر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے) - اس کے بعد نمازِ عصر باجماعت ادا کی - نماز کے بعد آپ یادِ حق میں مشغول ہو گئے اور سب لوگ چلے گئے -

مقبوس ۵۸ : بوقت ظہر بروز جمعہ ۲۹ شوال ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز ظہر ادا کی اور تلاوت کلامِ پاک میں مصروف ہو گئے - اس کے بعد راقم احقر کو بلا کر فرمایا کہ کتاب لاؤ - میں نے مقابیس المجالس پڑھ کر سنائے اور آپ نے کمال توجہ

حاشیہ از صفحہ سابقہ

آج کل اس قسم کے لوگ نظر نہیں آتے - معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رفتہ رفتہ حرام اور مردار کھانا ترک کر دیا ہے - اب اس علاقے میں مردار کھانے والے لوگ صرف ڈھیڈھ ہیں جو تھوری یا مڑیچہ بھی کہلاتے ہیں لیکن یہ لوگ اپنے آپ کو ہندو کہلاتے ہیں اور ہندوستان میں اس قوم کو اچھوت، بھنگی، یا چوڑھا کہتے ہیں اور باقی ہندو لوگ بھی ان کو ہندو سمجھتے ہیں لیکن ان کے ساتھ میل ملاپ نہیں رکھتے نہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں نہ شادی بیاہ کرتے ہیں بلکہ ان کو اچھوت سمجھتے ہیں اور کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے -

سے سُنے اور متبسّم ہو کر فرمایا کہ تم نے اچھی طرح یاد کر کے لکھا ہے۔ کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ زہے شفقت

مقبوس ۵۹: بوقت ظہر بروز شنبہ ۱۳ شوال ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے ایک خادم سے فرمایا کہ شربت لاؤ۔ اس نے شربت بنا کر پیش کیا تو پہلے آپ نے یہ دعا پڑھی اور پھر نوشِ جان فرمایا۔ بسم اللّٰہ العظیم الذی لا یضرّ مع اسمہ شیٌ فی الارض ولا فی السماءِ وھو السمیع العلیم۔

بارانِ غلّہ

اس کے بعد گل محمد خاں نے جو نواب صادق محمد خاں والئی بہاولپور کے ماموں تھے کہلا بھیجا کہ مجھے نواب صاحب نے بھیجا ہے تاکہ چند معروضات تخلیہ میں عرض کرو۔ آپ نے فرمایا ان کو کہو آجائیں۔ انہوں نے اندر آکر عرض کیا کہ حضور نواب صاحب کا ایک وکیل (سفیر) ریاست بیکانیر میں رہتا ہے۔ اس نے اطلاع دی ہے کہ بیکانیر میں سخت قحط تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے وہاں غلہ کی بارش ہوئی ہے۔ غلے کے دانے مونگ کے دانے کے برابر تھے۔ لوگوں نے دانے جمع کر کے آٹا بنایا اور روٹی پکائی۔ دانوں کا رنگ سفید تھا اس نے چند دانے لفافے میں بند کر کے بھیجے ہیں جو ہم سب نے دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بھوکوں کے لیے غیب سے غلہ بھیجا ہے۔ نیز فرمایا کہ ایک دفعہ پہلے بھی غلے کی بارش ہوئی تھی۔

بارانِ زر

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوالفتح جونپوری جو بہت بڑے بزرگ ہیں جب جونپور پہنچے تو دیوار کے سائے میں بیٹھے رہتے تھے۔ جس طرف دیوار کا سایہ جاتا تھا۔ آپ اٹھ کر اسی طرف بیٹھ جاتے تھے۔ چند یوم آپ نے اسی طرح بسر کیے لیکن اتنا بڑا بزرگ کیسے چھپ سکتا تھا۔ آخر لوگوں کو پتہ لگ گیا اور آپ کے گرد خلقت کا ہجوم ہونے لگا۔ ایک شخص نے جو بہت معتقد ہو گیا تھا عرض کیا کہ میں ایک سرائے اور ایک علیحدہ مکان پیش کرتا ہوں۔ وہاں قیام فرماویں۔ آپ نے یہ بات قبول کر لی اور سرائے کے اندر مکان میں رہائش اختیار کر لی۔ ایک دن اس علاقے میں بارش ہوئی لیکن شیخ ابوالفتح کے مکان میں خالص سونے کے ٹکڑے

برسے ۔ آپ نے سونا جمع کر کے انبار لگالیا اور اس سے عالیشان عمارات از قسم سرائے و مہمان خانہ وغیرہ تعمیر کرائے ۔

بیک وقت کئی مقامات پر موجود ہونا

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ ابوالفتح کو چند لوگوں نے کھانے کی دعوت دی سب نے ایک ہی وقت مقرر کیا اور آپ نے سب کی دعوت قبول کر لی ۔ اس کے بعد ہر شخص ڈولی لے کر حاضر خدمت ہوا اور حضرت شیخ حجرہ سے نکل کر ہر شخص کی ڈولی میں یکے بعد دیگرے سوار ہو کر جاتے رہے ۔ جب ایک شخص آپ کو ڈولی میں بٹھا کر لے جاتا تھا تو دوسرا شخص ڈولی لے کر آجاتا تھا ۔ حضرت شیخ اسی طرح حجرے سے نکل کر اس شخص کی ڈولی میں سوار ہو جاتے تھے ۔ اس طرح آپ نے سب کے مکان پر کھانا کھایا اور سب کو راضی کیا اور ہر شخص یہی سمجھتا رہا کہ صرف میرے مکان پر تشریف لائے ہیں ۔

مقبوس ۶۰ : بوقت ظہر بروز یکشنبہ یکم ذی القعدہ ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ مقابیس پڑھو ۔ احقر نے پڑھ کر سنائے تو آپ نے کمال توجہ سے سُنے اور ایک دو مقامات پر تصحیح فرمائی ۔

مقبوس ۶۱ : بوقت ظہر بروز دوشنبہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

آپ نے فرمایا مقابیس پڑھ کر سناؤ ۔ احقر نے مقابیس پڑھے اور آپ غور سے سنتے رہے چند مقامات پر تصحیح فرمائی ۔ اس کے بعد آپ نے تھوڑا سا عنبر تناول فرمایا جو حکیموں نے تجویز کیا تھا پھر نماز عصر باجماعت ادا کی اور وظائف میں مشغول ہو گئے ۔ وظائف سے فارغ ہو کر آپ نے تالی بجائی ۔ احقر نے تصحیح مقابیس کے وقت عرض کیا کہ حضور تالی کس لیے بجائی جاتی ہے ۔ آپ نے فرمایا دفعِ وبا کے لیے ۔ دفعِ وبا کا وظیفہ پڑھ کر تالی بجائی جاتی ہے ۔

وظیفہ دفع وبا

دفع وبا کا وظیفہ یہ ہے :-
"اُے وبا آنچہ در کوہ قاف بحضرت حاجی شریف زندنی رضؓ وعدہ کردہ بودی بجا آر۔" ترجمہ (اے وبا کوہ قاف میں تو نے حاجی شریف زندنی رضؓ سے جو وعدہ کیا تھا پُورا کر) یہ وظیفہ سات مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے اور تین مرتبہ دستک دے (تالی بجائے)
اگر کوئی شخص بیمار ہو تو اس پر بھی سات مرتبہ پڑھ کر دم کرے اور تین بار دستک دے۔ اپنے آپ پر بھی دم کرے اور دستک دے۔ اگر چاہتا ہے کہ اس شہر سے یا اس علاقے سے وبا دُور ہو جائے تو یہ وظیفہ پڑھ کر چھ طرف دم کرے اور دستک دے۔

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضور مولوی عبدالرحمٰن ساکن سکھر اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے ہیں۔ یہ سُن کر آپ بہت مغموم ہوئے۔ یہاں تک کہ چہرہ زرد ہو گیا۔ اور سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے۔ اس کے بعد کسی نے کہا کہ آیا وہ اسی طاعون کی وبا میں فوت ہوئے ہیں۔ اس شخص نے کہا ہاں اسی طاعون کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا وہ بڑے ایمان دار آدمی تھے۔ وبا کے دوران میں لوگوں کی عیادت (بیمار پرسی) سے ہرگز نہیں ڈرتے تھے۔ اس کے بعد نماز مغرب باجماعت ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر سب لوگ چلے گئے اور حضرت اقدس مشغول بحق ہو گئے۔

مقبوس ۶۲: بوقت ظہر بروز سہ شنبہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس نے نماز ظہر جماعت کے ساتھ پڑھی اور تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو گئے۔ تلاوت کے بعد آپ نے راقم سے فرمایا کہ مقابیس پڑھ کر سناؤ۔ احقر نے تعمیل ارشاد کی۔ آپ توجہ سے سنتے رہے اور بعض مقامات پر تصحیح فرمائی۔

چھجوّ مذہب

اس کے بعد مذہب چھجوّ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ مذہب چھجوّ ۶۰۰ء مطابق ۱۰۶ھ میں پیدا ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ علاقہ بندھیل کھنڈ میں ایک ہندو رئیس اور قوم کا سردار رہتا تھا۔ جب اس کی بیوی کے بطن میں چھجوّ تھا تو کچھ علامات نظر آنے لگے۔ ایک علامت یہ تھی کہ اس نے رات کو خواب دیکھا

کہ اس کی گود میں چاند آکر گرا ہے۔ آخر جب چھجو پیدا ہوا اور بڑا ہوا تو اس کا باپ اسے علم حاصل کرنے کی خاطر ایک برہمن کے پاس لے گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسے علم حضوری مل گیا۔ اس نے سبق پڑھتے وقت استاد سے پہلے حقائق و معارف بیان کرنا شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر اس کا استاد کہتا تھا کہ میرا یہ شاگرد میرا گرو ہوگیا ہے۔ قصہ کوتاہ جب چھجو کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو وہ ماں باپ اور گھر بار چھوڑ کر ویرانے میں چلا گیا اور حق تعالےٰ کے ساتھ مشغول ہوگیا اور اس نے قرآن شریف کا شاستری زبان میں ترجمہ کر کے اس کا نام قلزم سروپ رکھا۔ اس کے بعد اس نے شاستر، سنسکرت اور قرآن کے احکام سے اجتہاد کر کے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی اور حکم دیا کہ ولادت سے دس سال تک احکام شاستر اور سری کرشن جی اوتار کے مذہب پر عمل کرنا چاہیئے اور دس سال کی عمر سے آخر عمر تک قرآن شریف اور شریعت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ قبلہ کیا ترجمہ قرآن میں اس نے تحریف یا تغیر و تبدل کیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تحریف تو نہیں کی لیکن معانی و مطالب میں تاویلات سے ضرور کام لیا ہے۔ چنانچہ ہم پانچ نماز کہتے ہیں اور وہ لوگ پانچ آرتیاں پڑھتے ہیں۔ ہم نماز کو مخصوص ارکان کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ چھجو کے نزدیک آرتی یہ ہے کہ حضور قلب کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ کر متوجہ الی اللہ رہنا چاہیئے اور تصور ذاتِ حق کرنا چاہیئے۔ ہم وضو کہتے ہیں وہ اشنان کہتے ہیں۔ لیکن وضو کے وقت ہم جس طرح اعضا کو دھوتے ہیں۔ چھجو مذہب والے اس کی کوئی پابندی نہیں کرتے۔ اس کے بعد فرمایا ان پانچ اشنان کا حکم قدیم ہے اور شاستر میں بھی پانچ اشنان کا ذکر آیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ چھجو کے نزدیک بت پرستی کفر ہے۔ چھجو مذہب کے سب لوگ خدا پرست اور موحد ہیں۔

مقبوس ۱۳: بوقت ظہر بروز چہار شنبہ ۴، ذیقعد ۱۳۱۴ھ

اس بندہ کے ہاتھ میں مجموعہ فتاوی مولوی عبدالحی لکھنوی تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا یہ کیا ہے۔ عرض کیا کہ مجموعہ فتاویٰ مولوی عبدالحی ہے۔ اس میں ایک حدیث ہے کہ جس کا مفہوم احقر

کی سمجھ میں نہیں آیا ۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے مولوی عبدالحی کو دیکھا ہے ۔ جب ہم لکھنؤ گئے تو دل میں خیال آیا کہ مولوی عبدالحی کو جو بڑے متبحر عالم تھے دیکھنا چاہیئے ۔ جب ہم محلہ فرنگی محل پہنچے تو دیکھا کہ اپنے مکان میں سوئے ہیں ۔ ہم نے ان کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسی طرح دیکھ کر واپس آگئے ۔ تیس چالیس سال عمر کے جوان معلوم ہوتے تھے ۔ داڑھی سیاہ تھی اور قد کوتاہ ۔

سر سیّد احمد خاں

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے سیّد احمد خان نیچری کو دیکھا ہے ۔ لیکن ان دونوں آدمیوں کو ہم نے بطور اجنبی اور غیر متعارف ہو کر دیکھا ہے

اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ حضور مولوی عبدالحی اور سیّد احمد خاں نیچری کے رتبہ علمی میں کیا فرق ہے ۔ آپ نے فرمایا سیّد احمد خاں صرف ایک دانا اور عقلمند آدمی ہے اور مولوی عبدالحی صاحب عالم متبحّر اور فاضل جلیل تھے جو تمام علوم خواہ صرف ہو یا نحو ۔ بدیع ہو یا بیان ۔ منطق ہو یا معقول ۔ تفسیر ہو یا حدیث تمام میں ماہر تھے ۔

آنحضرت ؐ کے چھ مثل

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ کتاب میں سے کچھ پڑھو راقم نے یہ عبارت پڑھی ۔

استفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص دعویٰ کرتا ہے اس بات کا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مثل موجود اور متحقق ہیں اور مثل سے یہ غرض رکھتا ہے کہ شریک حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے آپ کے جمیع صفات اور ماہیت میں اور پیش کرتا ہے ۔ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کتاب درمنثور سے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم و ابراھیم کابراھیمکم ، موسےٰ کموسٰکم و عیسےٰ کعیسٰکم و نبی کنبیکم (تحقیق اللہ تعالےٰ نے سات زمین پیدا کیے ہیں اور ہر زمین میں ہے ایک آدم تمہارے آدم کی طرح اور نوح تمہارے نوح کی طرح ۔ اور ابراہیم تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسےٰ تمہارے موسےٰ کی طرح اور عیسےٰ تمہارے عیسےٰ کی طرح اور نبی تمہارے نبی کی طرح) آیا یہ قول اس کا یعنی موجود و متحقق ہونا امثال حضرت خاتم النبیّن صلے اللہ علیہ وسلم کا عالم میں بمعنی مذکور کے حق ہے یا باطل ۔ اور یہ عقیدہ صحیح ہے یا خلاف اہل سنت والجماعت کے ۔ اور دلیل میں جو حدیث پیش کرتا ہے اس کا کیا حال

ہے۔ اس سے یہ عقیدہ ثابت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا ھو المصوب

۔ اولاً جاننا چاہیئے کہ حدیث مذکور صحیح السند اور معتبر ہے۔ ارباب تحقیق نے اس کی توثیق کی ہے۔ حافظ جلال الدین تخریج احادیث شرح مواقف میں لکھتے ہیں کہ :۔

روی الحاکم فی مستدرکہ عن ابی ابن عباس فی قولہٖ تعالےٰ اللہ الذی خلق سبع سمٰوات و من الارض مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم و آدم کآدمکم ونوح کنوحکم و ابراھیم کابراھیکم و عیسےٰ کعیسٰکم وقال صحیح انتہیٰ۔

اور علامہ بدر الدین شبلی حنفی آکام المرجان فی احکام الجان میں لکھتے ہیں :۔

قال الحاکم حدثنا احمد بن یعقوب الثقفی حدثنا عبید حدثنا علی بن حکیم حدثنا شریک عن ابن عطا عن ابی الضحای عن ابن عباس قال وَ من الارض مثلین قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم و آدم کآدمکم وابراھیم کابراھیکم وعیسیٰ کعیسٰکم وقال شیخنا الذھبی اسنادہٗ حسن قلت ولہ شاھد قال الحکم حدثنا عبد اللہ بن الحسن حدثنا ابراھیم بن الحسین حدثنا آدم حدثنا شبعۃ عن عمرو عن ابی الضحی عن ابن عباس کما فی قولہٖ تعالیٰ خلق سبع سمٰوات و من الارض مثلھن قال فی کل ارض نحو ابراھیم قال شیخنا الذھبی ھذا حدیث علی شرط البخاری والمسلم انتہیٰ وثنا؟

سمجھنا چاہیے کہ زمین کے سات طبقات کا جداگانہ ہونا اور اس میں مخلوقات کا موجود ہونا چند احادیث سے ثابت ہے اور مذہب محققین کا بھی یہی ہے۔ حافظ بن حجر فتح الباری فی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں :-

قال الداودی فی قولہ تعالی وَمن الارض مثلھم دلالۃٌ علی ارضین بعضھا لحوق بعض و نقل عن بعض المتکلمین ان المثلیۃ فی العدد خاصۃ وان السبع متجاورۃ وحکی ابن التین عن بعضھم ان الارض واحدۃٌ قال وَھُوَ مردود بالقرآن والسنۃ قلت لعلہ القول بالتجاورو الا فیصرحًا وبدل للقول الظاھر ما رواہ ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ومِن الارض مثلھن - قال فی کل ارضٍ ابراھیم وَنحوم ما علی الارض من الخلق ھکذا اخرجۃ مختصرا او اسنادہ صحیح و اخرجھا الحاکم والبیھقی من طریق عطاء من ابی الضحی مطولا و اول سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوح الحکم، وابراھیم وکابراھیمکم وعیسیٰ کعیسکم ونبی کنبیکم قال البیھقی اسنادہ صحیحٌ الّا انہ شاذو ظاھر قولہ تعالیٰ وَ مِنَ الارض مثلھنَ یرد علی اھل الھیأت فی قولھم ان لامسافۃ .....

من كل ارض وارض وقد روى احمد والترمذى من حديث ابى هريرة مرفوعًا ان بين كل سماء خمس مائة عام وان بين كل ارض وارض خمسة مائة عام واخرجه اسحاق بن راهويه والبزازى حديث ابوذر بنحوه انتهى ملخصا۔ اور علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی حاشیہ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں الذى نعتقده ان الارض سبع كسموات ولها سكان من خلقة يعلمهم الله۔ انتهى۔ اور سلیمان جمل حاشیہ جلالین میں لکھتے ہیں ذكر الله تعالى ان السموات سبع طبقات ولم يأت فى الارض فى التنزيل عدد صريح لا يحتمل تاويل الا قوله تعالى ومن الارض مثلهن وقد اختلف فيه فقيل اى فى العدد ان الكسفية والصفة مختلف بالمشاهدة والاخبار وتعين العدد وقيل مثلهن اى فى الغلظ وما بينهن وقيل هى سبع الا انه لم يفتق بعضها عن بعض قال الماوردى والصحيح هو الاول وانها سبع كسموات۔ انتهى۔ اور ثعلبی عرائس میں تحریر کرتے ہیں روى عن عبد الله بن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال بين كل ارض الى حالتى تليها مسيرة خمس مائة عام وهى سبع طبقات الارض الثانية سجن الريح ومنها يخرج الرياح المختلفة وفى الارض الثالثة خلق وجوههم كوجوه بنى آدم وافواههم كافواه الكلاب وايديهم كايدى الانس وارجلهم كارجل البقرة واذانهم كآذان البقر واشعرهم كصوف الغنان لا يعصون الله طرفة عين نهارهم ليلنا ونهارنا ليلهم۔ والارض الرابعة فيها حجارة الكبريت التى وعدها الله

لاھل النار یستجیر بہا جھنم قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ ان فیہا
لو ارسل اللہ فیہا الجبال الدوری لصاعت والارض الخامسة
فیہا عقارب اھل النار والسادسة فیہا دواوین اھل
النار واعمالھم واسمہا سجین والسابعة مسکن
ابلیس وجنودہ ۔ انتھی ملخصًا ۔ اور فاضل محمد ابن احمد ابن
ایاس حنفی بدائع الدہور فی وقائع الدہور میں لکھتے ہیں ۔ قال وھب
ابن منبہ لما خلق اللہ الارض کانت طبقة واحدة ففتقہا
فصیرھا سبعًا کما فعل فی السمٰوٰت وجعل بین الطبقة
والطبقة مسیرة خمس مائة عام وھو لقولہٖ تعالیٰ
ففتقناھما وجعلہا سبعًا فکان اسم الطبقة الاولیٰ اویحًا
والثانیة بسیطًا والثالثة ثقیلا والرابعة بطیحًا والخامسة
جنیا والسادسة ماسکة والسابعة الثریٰ وسکان الارض
الثانیة امم یقال لھم الطمس وطعامھم من
لحومھم وشرابھم من دمھم والطبقة الثالثة
سکانہا امم وجوھھم کوجوہ بنی آدم وافواھھم
کافواہ الکلاب وایدیھم کایدی بنی آدم وارجلھم
کارجل البقرة وعلیٰ ابدانھم شعر کصوف الغنم
وھو لھم ثیاب والطبقة الرابعة سکانہا امم
یقال لھم الحلھام لیس لھم اعین ولا اقدام بل لھم
اجنحة کاجنحة القطا والخامسة بہا امم یقال لھم
المحشن وھم کامثال البغال ولھم اذناب کل ذنب نحو
ثلاث مائة ذراعٍ والسادسة بہا امم یقال لھم
المحشوم وھم سوداء الابدان ولھم مخالیب
کمخالیب السباع ویقال ان اللہ تعالیٰ یسلطھم

علیٰ یاجوج وماجوج حین یخرجون فیھلکھم والطبقة
السابعة فیھا مسکن ابلیس وجنودہ من المردة
الشیاطین۔ انتھٰی ملخصًا۔ معلوم کرنا چاہیئے کہ جملہ طبقات باقیہ میں انبیاء
کا ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث مذکورہ صحیح بھی دلالت کرتی ہے۔ اور قرآن پاک
میں ہے ولکل قوم ھاد۔ یعنی ہر قوم کے واسطے ہادی مبعوث ہوا اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ ہر قوم کے واسطے ایک راہنما مقرر ہوا۔ پس ہر گاہ طبقات میں وجود
مخلوقات الٰہی کا ثابت ہے اور کوئی مخلوق حق تعالیٰ کی مہمل نہیں چھوڑی گئی، لابد
ہے کہ وہاں بھی راہنما ہوں گے۔ اور علامہ جلال الدین محلی کی تفسیر سے بھی یہ ثابت
ہے کہ حضرت جبرائیل طبقات میں وحی لے جاتے تھے۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں
لکھتے ہیں "الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن" یعنی سبع
ارضین ینزل الامر الوحی بینھن بین السمٰوٰت والارض ینزل بہ
جبرئیل من السماء السابعة الی الارض السابعة۔ انتھٰی۔ ہرگاہ
یہ تین امر ذہن نشین ہو گئے۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ نبی کنبیکم سے اگرچہ ایک
نبی خاتم النبین ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہے لیکن اس کا مثل ہونا ہمارے
خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ کلام
عرب میں کاف تشبیہ کے واسطے مستعمل ہے اور تشبیہ میں لازم نہیں ہے کہ
مشبہ بہ مثل ہو یا اتوای ہو مشبہ سے۔ بلکہ کبھی تشبیہ ناقص کے ساتھ مجرد
تفہیم کے واسطے ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتا ہے اللہ نور السمٰوٰت
والارض مثل نورہ کمشکوٰة فیھا مصباح۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے
نور کو تشبیہ دی ہے ساتھ نور مشکوٰة کے۔ اور ظاہر ہے کہ نور الٰہی اس نور
سے اعلیٰ و احسن ہے ع چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔ پس لفظ نبی کنبیکم
سے یہ امر ہرگز نہیں ثابت ہے کہ خاتم الانبیاء طبقات باقیہ کا مثل خاتم الانبیا اس
طبقہ کے ہے بلکہ تشبیہ فقط تعلیم و تفہیم کے واسطے ہے۔ اس غرض سے کہ جس
طرح سے ایک خاتم الرسل اس طبقہ میں ہے اسی طرح سے ایک ایک خاتم ہر
طبقہ میں ہے، نہ یہ کہ وہ خاتم مثل اس خاتم کے ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو

اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاتم مثل ہمارے خاتم الانبیاء کے نہیں ہے کیونکہ اسی حدیث میں لفظ آدم کا دمکم بھی وارد ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات طبقات باقیہ کی اولاد ہمارے آدم کی نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے آدم کی ہے اور تمام کتب عقائد میں یہ امر مصرح ہے کہ اولاد آدم این عالم تمام مخلوقات سے بلکہ ملائکہ سے بھی افضل ہے۔ آیۃ ولقد کرمنا بنی آدم سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام مفسرین اور علماء کا اتفاق ہے اس امر پر کہ مراد آدم سے اس آیت میں ہمارے آدم ہیں۔ نہ آدم طبقات باقیہ۔ بلکہ تمام انبیا کہ قرآن پاک میں ان کا ذکر ہے ان سے مراد انبیاء اسی طبقہ کے ہیں نہ انبیا طبقات باقیہ کے اور حدیث صحیح میں وارد ہے انا سید ولد آدم ولا فخر اور دوسری حدیث میں وارد ہے انا اکرم الاولین والآخرین اب یہاں سے دو مقدمے ممہد ہوئے۔ اول یہ کہ ہمارے خاتم الانبیاء تمام اولاد آدم سے افضل ہیں۔ دوسرے یہ کہ اولاد آدم اس عالم تمام مخلوقات سے افضل ہے۔ بعد ترکیب ان دونوں مقدموں کے نتیجہ نکلا کہ ہمارے خاتم الانبیاء افضل ہیں تمام مخلوقات سے۔ پس مماثلت خاتم الانبیاء طبقات باقیہ کے ساتھ ہمارے خاتم الانبیاء کی کیسے ثابت ہو گی۔ علاوہ یہ کہ مماثلت میں اتحاد ماہیت واتحاد قسم ضروری ہے۔ اس واسطے انسان، انسان کے مماثل کہلاتا ہے اور انسان جن یا فرشتہ کے مماثل نہیں کہلاتا۔ اور عبارت بدائع الدہور وغیرہ سے جو سابقاً منقول ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات طبقات باقیہ اس مخلوقات کی صنف سے نہیں ہے۔ اور یہ امر منصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ نبی ہر قوم کا اسی صنف سے ہوتا ہے تاکہ امت اس کے ساتھ ارتباط پیدا کرے اور اس کی متابعت کرے اس واسطے بنی آدم پر کوئی نبی از قسم جن، یا از قسم ملائکہ مبعوث نہیں پس ضرور ہے کہ انبیاء مخلوقات طبقات باقیہ کی انہیں کی صنف سے اور انہیں کی جنس سے ہوں گی اور ہمارے خاتم الانبیاء ہماری جنس سے ہیں پس دونوں خاتم ہیں مماثلت کہ عبارت ہے اتحاد صنف وصفات سے کیونکر ہو گی، ہاں اسی قدر میں دونوں شریک ہیں کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء اس طبقہ کے ہوئے اور طبقات باقیہ کی خاتم اپنے اپنے طبقات کے خاتم ہوئے لیکن مجرد اس شرکت کی مماثلت کا اطلاق درست نہیں ہے

حررہٗ الراجی غفور ربہ القوی ابو الحسنات محمدؐ عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی و الخفی ۔

استفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ حدیث اِن اللہ خلق سبع ارضین فی کل آدم کآدمکم و نوح کنوح وا براھیم کابراھیمکم وعیسٰی کعیسٰکم ونبی کنبیکم کفر ہے اور جو اس کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے اور جو اس کے ناقل ہیں وہ کافر ہیں ۔ اور عمرو کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور جو اس کا اعتقاد رکھے وہ مسلم صحیح الاعتقاد ہے اور جو اس کے ناقل ہیں وہ ائمہ دین و ہداۃ المسلمین ہیں ان دونوں فریقوں میں سے کونسا قول صحیح ہے اور کون غلط اور زید مسلمان ہے یا کافر ہے ۔ بینوا توجروا ۔

ھو الموفق ۔ زید جھوٹا ہے اور فاسد الاعتقاد اور عمرو سچا ہے اور صحیح العقیدہ اور اعتقاد زید کا کفر صریح ہے ۔ اور جہالت قبیح کیونکہ حدیث مذکور کتب معتمدہ اور زبر معتبرہ میں موجود ہے اور اس کے ائمہ دین مثل ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ اور ابو الضحیٰ اور شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث اور عطاء بن السائب اور عطا ابن یسار اور عمرو بن مرہ اور محمد مثنی اور عمر بن علی اور محمد بن جعفر اور عبید بن غنائم اور علی بن حکیم اور شریک اور حاکم اور بیہقی اور جلال الدین سیوطی کہ مستند مخالفین کی ہیں اور محمد بن جریر طبری کہ بڑے معتمد مخالفین کے ہیں اور ابن ابی حاتم کہ بڑے محدث ہیں اور عبید بن حمید اور ابن الضریس اور ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری وغیرہم قائل ہیں اخرج الحاکم فی المستدرک من طریق عبید بن غنام النخعی عن علی بن حکیم عن شریک عن عطاء بن السائب عن ابی الضحی عن ابن عباس قال فی کل ارض نبی کنبیکم و آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وعیسٰی کعیسٰکم وقال صحیح الاسناد وقال ابن جریر حدثنا عمر بن علی و محمد بن مثنی قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبۃ عن عمرو بن مرہ عن ابی الضحی عن ابن عباس

الخ قال فی کل ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم و ابراھیم کابراھیمکم

وعیسیٰ کعیسکم ونبی کنبیکم اور ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح

البخاری میں لکھتے ہیں ویدل للقول الظاھر ما رواہ ابن جریر من طریق

شعبۃ عن عمرو ابن مرۃ ابی الضحیٰ عن ابن عباس فی ھذہ الآیۃ

ومن الارض مثلھن قال فی کل ارض مثل ابراھیم ونحو ما علی الارض من

الخلق ھٰکذا اخرجہ مختصراً و اسنادہ صحیح و اخرجہ الحاکم والبیہقی

من طریق عطاء بن السائب عن ابی الضحیٰ مطولا ای سبع

ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم و ابراھیم

کابراھیمکم وعیسیٰ کعیسکم ونبی کنبیکم قال البیہقی اسنادہ

صحیح الا انہ شاذ انتہیٰ۔ اور تدریب الراوی شرح تقریب النواوی

میں مرقوم ہے۔ ولم ازل العجب من تصحیح الحاکم لہ حتی رأیت

البیہقی قال اسنادہ صحیح لکنہ شاذ بمرۃ اور تفسیر در منثور میں

مسطور ہے واخرج عبید بن حمید وابن المنذر وابن جریر عن

ابن عباس قولہ ومن الارض مثلھن قال لوحدثتکم بتفسیرھا

لکفرتم وکفرکم تکذیبکم بھا و اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم

والحاکم وصححہ والبیہقی فی شعب الایمان وفی الاسماء و

الصفات من طریق ابی الضحیٰ عن ابن عباس فی قولہ ومن الارض

مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم

ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وعیسیٰ کعیسکم قال البیہقی

اسنادہ صحیح لکنہ شاذ بمرۃ لا اعلم لابی الضحیٰ علیہ متابعًا انتہیٰ۔

اور ایسے ہی تفسیر مظہری اور کمالین وغیرہما میں اور موافق قاعدہ محدثین کے یہ

حدیث مرفوع ہے حکماً پس معاذ اللہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نوبت

پہنچتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے مرتد کے پاس نہ بیٹھیں اور اس سے کلام بھی نہ

کریں اور اس کے پیچھے نماز بھی نہ پڑھیں۔ واللہ اعلم بالصواب

نمقہ السید امیر احمد النقوی السہسوانی

استفتاء - کیا فرماتے ہیں علماء دین اس باب میں کہ زید بہ تتبع ایک عالم دین کے جس کی تصدیق ایک مفتی مسلمین نے بھی کی تھی دربارہ قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو درمنثور وغیرہ میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراہیم کابراہیمکم وموسیٰ کموسٰکم وعیسیٰ کعیسٰکم ونبی کنبیکم کی یہ عبارت تحریر کی کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث مذکور گو صحیح اور معتبر ہے اور زمین کے طبقات جدا جدا ہیں اور ہر طبقے میں مخلوق آلہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقے میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے مگر اس کا مثل ہونا ہمارے خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور نہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ وہ خاتم مماثل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوں اسلئے اولاد آدم جس کا ذکر ولقد کرمنا بنی آدم میں ہے اور سب مخلوقات سے افضل ہے وہ اسی طبقہ کے آدم کی اولاد ہے بالاجماع اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب اولاد آدم سے افضل ہیں تو بلاشبہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے۔ پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں آپ کے مماثل کسی طرح نہیں ہوسکتے۔ انتہی۔ اور باوجود اس تحریر کے زید یہ کہتا ہے کہ اگر شرع سے اس کے خلاف ثابت ہوگا تو میں اسی کو مان لوں گا۔ میرا اصرار اس تحریر پر نہیں پس علمائے شرع سے استفسار یہ ہے کہ الفاظ حدیث ان معنوں کو محتمل ہیں یا نہیں اور زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق یا خارج اہل سنت وجماعت سے ہوگا یا نہیں بینوا توجروا۔

ھو الصواب - مخفی نہ رہے کہ حدیث مذکورہ محققین محدثین کے نزدیک معتمد ہے، حاکم نے اس کے حق میں صحیح الاسناد کہا اور ذہبی نے حسن الاسناد کا حکم دیا۔ اور اس حدیث کے ثبوت میں کوئی علت قادحہ معتمد نہیں ہے اور زمین کے طبقات کا جداگانہ ہونا بہت احادیث سے ثابت ہے اور اس حدیث مذکور سے ہونا انبیاء کا طبقات باقیہ میں ثابت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سلسلہ نبوت اس طبقے میں واسطے ہدایت اسکان کے تیار ہوا

اُسی طرح ہر ہر طبقے میں سلسلہ نبوت واسطے ہدایت وہاں کے سکان کے تیار ہوا اور اور چونکہ بدلائل عقلیہ و نقلیہ لاتناہی سلسلے کے باطل ہے لاجرم ہر طبقہ میں ایک مبدأ سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے آدم کے ساتھ متشابہ کیا گیا اور ایک آخر سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے خاتم کے ساتھ تشبیہ دیا گیا پس بناءً علیہ او اخر انبیاء طبقات تحتانیہ پر اطلاق خواتم کا درست ہے۔ اب یہاں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ بعد عصر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہوئے ہوں دوسرے یہ کہ مقدم ہوئے ہوں، تیسرے یہ کہ ہمعصر ہوئے ہوں۔ احتمال اول بحدیث لا نبی بعدی وغیرہ باطل ہے اور بر تقدیر احتمال ثانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیاء ہر طبقات ہوں گے اور بر تقدیر ثالث دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ کی مخصوص ساتھ اس طبقے کے ہو اور آپ کی خاتمیت بہ نسبت انبیاء ایسے طبقے کے ہو اور ہر طبقہ تحتانیہ میں وہاں کی خاتم کی رسالت ہو اور ہر ایک ان میں کا صاحب شرع جدید و خاتم انبیاء اپنے طبقے کا ہو۔ دوسرے یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ متبع شریعت محمدیہ ہوں اور کوئی ان میں کا صاحبِ شرع جدید نہ ہو اور دعوت ہمارے حضرت کی عام ہو اور ختم آپ کا بہ نسبت جملہ انبیاء جملہ طبقات کے حقیقی ہو اور ختم ہر ایک خواتم باقیہ کا بہ نسبت اپنی اپنی سلسلے کی اضافی ہو۔ احتمال اول بہ نسبت عموم نصوص بعثت نبویہ کے جس سے صاف آنحضرت کا مبعوث ہونا تمام عالم پر معلوم ہوتا ہے باطل ہے اور علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا۔ اور نبوت آپ کی عام ہے اور جو نبی آپ کے ہمعصر ہوگا وہ متبع شریعت محمدیہ کا ہوگا چنانچہ تقی الدین سبکی سے جلال الدین سیوطی رسالۃ الاعلام بحکم عیسٰی علیہ السلام میں نقل کرتے ہیں قال السبکی فی تفسیرہ ما من نبی الا اخذ اللہ علیہ المیثاق انہ ان بعث محمد فی زمانہ لیؤمنن بہ ولتنصرنہ ویوصی امتہ بذلک وفیہ من النبوۃ و تعظیم قدرہ مالا یخفی وفیہ مع ذالک انہ علیٰ تقدیر مجیئہ فی زمانہم یکون مرسلا الیہم ویکون نبوتہ ورسالتہ عامۃ بجمیع الخلق من زمن آدم الیٰ یوم القیمۃ ویکون الانبیاء و اممہم کلہم

من امته فالنبی صلی الله علیه وسلم نبی الانبیاء و اتفق بعثته فی زمن آدم و نوح و ابراهیم و موسیٰ و عیسیٰ وجب علیهم وعلیٰ اممهم الایمان به ونصرته و بهذا یاتی عیسیٰ علیه السلام فی آخر الزمان علیٰ شریعته ولو بعث النبی علیه السلام فی زمان موسیٰ و ابراهیم ونوح و آدم کانوا مستمرین علیٰ نبوتهم ورسالتهم الیٰ اممهم والنبی صلی الله علیه وسلم نبی علیهم ورسول الیٰ جمیعهم انتهیٰ۔ اور بحر العلوم مولانا عبد العلی اپنے رسالہ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں مقتضی ختم رسالت دو چیز است یکے آنکہ بعد وے رسول نہ باشد و دیگر آنکہ شرع وے عام باشد و ہر کسے کہ موجود باشند وقت نزول شرع وے اتباع شرع وے بر وواجب و فرض است و سرش اینکہ ہمہ رسل در اخذ شرع مستمد از خاتم الرسالت اند و چونکہ شرع او عام باشد پس دیگرے صاحب شرع نباشند انتہیٰ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث ابن عباس صحیح و معتبر ہے اور اس سے طبقات تحتانیہ میں وجود انبیاء ثابت ہے اور یہ بسبب بطلان لاتناہی سلسلے کی ہر ایک طبقے میں ایک آخر انبیاء بہ نسبت اس طبقے کے ہونا ضروری ہے لیکن مطابق عقائد اہلسنت یہ امر ہے کہ دعوت ہمارے حضرت کی عام ہے تمام مخلوقات کو شامل ہے پس اس امر کا اعتقاد کرنا چاہیئے کہ خواتم طبقات باقیہ بعد عصر نبویہ نہیں ہوئے یا قبل ہوئے یا ہمعصر اور بر تقدیر اتحاد عصر تبع شریعت محمدیہ ہونگے اور ختم آن کا بہ نسبت اپنے طبقے کے اضافی ہوگا اور ختم ہمارے حضرت کا عام ہوگا اور تفصیل ان سب امور کی بیں نے کما حقہٗ اپنے دو رسالوں میں ایک مسمی بالآیات البینات علیٰ وجود الانبیاء فی الطبقات دوسرے مسمی بہ دافع الوسواس فی اثر ابن عباس کی ہے ہر گاہ یہ امر ممہد ہو چکا پس سمجھنا چاہیئے کہ زید کو جس نے عبارت جو سوال میں مرقوم ہے لکھی ہے ہر گاہ مماثلت سے انکار ہے اور صحت حدیث و ثبوت تعدد خواتم طبقات تحتانیہ کا قائل ہے مخالف اہل سنت کا نہیں ہے نہ کافر ہے نہ فاسق بلکہ متبع سنت مگر ہاں نبوت محمدیہ کو ساتھ اسی طبقہ کے خاص کرتا ہو اور ہر ایک خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو تو البتہ قابل مواخذہ کے ہے کیونکہ یہ امر خلاف نصوص و خلاف کلمات علماء کے معلوم ہوتا ہے اور اگر مجرد تعدد خواتم کا

قائل اور ختم ہمارے رسول کو حقیقی بہ نسبت جملہ انبیاء جلہ طبقات کے سمجھتا ہے اور ختم ہر ایک خواتم باقیہ کو اضافی کہتا ہے تو اس کو کچھ مواخذہ نہیں ہے واللہ اعلم
حررہ الراجی غفور ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

اس حدیث کے اصلی معنی

جب میں نے یہ تمام عبارت پڑھ لی تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ میں نے حدیث شریف میں لفظ "نبیّ کنبیّکم" کی بجائے "محمدٌ کمحمدٍ" بھی دیکھا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ گلشن راز میں لکھا ہے ؏ "حدیثے مشکلے زابن عباس"۔ اس کا اشارہ بھی اسی حدیث کی طرف ہے۔ اس کے بعد بندہ راقم نے عرض کیا کہ قبلہ ہر کتاب میں اس حدیث کے معنی درج ہیں لیکن اس غلام کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ حضور کرم فرماویں اور اس حدیث کے اصلی معنی بیان فرماویں۔ آپ نے فرمایا کہ مولوی عبدالحی نے اس حدیث کے جو معنی بیان کیے ہیں وہ ہرگز اس حدیث کے معنی نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے حاضرین مجلس کی طرف دیکھا اور قدرے تبسّم کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر شرح گلشن راز ہوتی اس کو دیکھ کر معنی بیان کیے جاتے۔ حاضرین کی طرف دیکھنے

اور حدیث شریف کے معنی بیان نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ حدیث شریف کے معنی اسرار مخفی میں سے ہیں جو ہر کس و ناکس سننے کے قابل نہیں۔ مجلس میں کافی نااہل لوگ بیٹھے تھے جن کے سامنے رموز کی باتیں بیان کرنا مناسب نہ تھا۔ لیکن تصحیح کے وقت جب میں نے دوبارہ اس حدیث شریف کے معنی دریافت کیے تو آپ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ حدیث مِثلھُنّ کے معنی بطون سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس اسی قدر لکھنا چاہیئے۔ اس سے زائد کہنا مناسب نہیں۔ اس پر راقم نے عرض کیا کہ حضور جو معانی مولوی عبدالحی نے بیان کیے آپ نے ان کی نفی فرمائی ہے۔ کیا اس بات کا ذکر کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بہت مناسب ہے۔ ضرور داخل کتاب کرو۔

اَربابِ مِلل و اَربابِ نِحل

اس کے بعد فرمایا کہ مِلّت میں بہت سی ایسی چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ جن کے معانی بطون سے تعلق رکھتے ہیں فرمایا کہ مِلّت کا مطلب یہ ہے جس کی عبادات و معاملات کے احکام کا ثبوت کتاب اللہ سے ملتا ہے اور نِحل وہ کہ ہر عبادت و معاملہ کے احکام محض عقل سے ثابت کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ مسلمان، نصاریٰ، یہود، بدھ، زرتشت، ہنود، یہ سب اہل مِلّت ہیں اور کتب منزل من اللہ (اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتابیں) رکھتے ہیں۔ عبادات اور معاملات کے احکام کا ثبوت کتب سماویہ سے لیتے ہیں۔ لیکن بطلیموس، فیثاغورث، اُن کے تابعین اور دیگر حکماء جن کے علوم کی بنیاد محض عقل و عقلیات تھی سب اصحاب نِحل ہیں۔ پس بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا وجود ارباب ملت کے ہاں ثابت ہے اور ارباب نِحل کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ فیثاغورث کے نزدیک سماوات کا وجود قطعاً ثابت نہیں ہے۔ لیکن بطلیموس نُہ افلاک یعنی سات آسمان، ایک فلک النجوم جسے ہم کرسی کہتے ہیں اور ایک عرش کا قائل ہے۔ پس اس کے نزدیک نُہ فلک موجود ہیں اور ہر فلک محیط (احاطہ کرنے والا) اور محاطہ (اُحاطہ کیا گیا) ہے سوائے عرش کے جو سب کا محیط ہے لیکن کسی کا محاطہ نہیں ہے۔ اور زمین مرکز ہے اور آسمان دنیا کی محاطہ ہے (یعنی پہلے آسمان نے دنیا کو گھیرا ہوا ہے) اور تمام آسمان و زمین گول کرہ کی شکل رکھتے ہیں۔ گویا تمام آسمانوں اور زمین کی مثال پیاز کی سی ہے۔ لیکن تمام مذاہب کی کتب سماویہ میں یہ مذکور اور ثابت ہے کہ سات آسمان ہیں۔ ایک کرسی اور ایک عرش عظیم ہے اور یہ سب افلاک گول کرہ

کی صورت نہیں رکھتے اور زمین کے گرداگرد بھی نہیں ہیں بلکہ زمین کے اوپر مثل سرپوش ہیں۔ زمین اور آسمانِ اوّل کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کا ہے۔ اور ہر آسمان کی عمق (گہرائی یا موٹاپن) بھی پانچ سو سالہ راستہ ہے اور پہلے آسمان سے دوسرے آسمان تک بھی پانچ سو سال کا راستہ ہے اور دوسرے آسمان کی عمق بھی پانچ سو سال کا راستہ ہے۔ اسی طرح تمام آسمان اور زمینیں بھی سات ہیں اور ہر زمین کے درمیان وہی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور ہر زمین کی عمق پانچ سو سال کا راستہ ہے۔ اسی طرح باقی تمام زمینیں۔ جس طرح بہشت آسمانوں کے اوپر ہے۔ اور دوزخ زمین کے نیچے ہے۔ حکماء کے نزدیک زمین ایک ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ زمین سات ہیں یعنی قطعات کے لحاظ اور ہر قطع کے درمیان خلیج یا سمندر حائل ہے۔ چنانچہ ایک قطعہ ایشیا ہے، دوسرا یورپ، تیسرا افریقہ، چوتھا امریکہ، پانچواں آسٹریلیا تو باقی جزائر کو ملحق کر کے سات قطعات یا سات زمین کہی جاسکتی ہیں۔ لیکن ان قطعات پر حدیث مذکور کی ترتیب کے مطابق کبھی پیغمبر مبعوث نہیں ہوئے۔ نیز ملتِ محمدی میں یہ بھی آیا ہے کہ زمین کے گرداگرد ایک پہاڑ ہے جس کا نام کوہ قاف ہے لیکن حکماء کے نزدیک کوہ قاف کا وجود بھی نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ زمین کے چاروں طرف کرۂ آب ہے اور حکمائے یونان اور نصاریٰ وغیرہ ارباب نحل نے ساری زمین کے گرد چکر لگا کر دیکھ لیا ہے کہ کوہ قاف کا کسی جگہ نشان نہیں ہے۔ دوسری چیز سدِّ یاجوج ماجوج (یاجوج ماجوج کی دیوار) ہے کہ جس کا ذکر ملت میں آیا ہے کہ یاجوج ماجوج ایک بڑی قوم ہے۔ جو دیوار کے پیچھے محبوس (بند) ہے۔ وہ ساری رات دیوار کو چاٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کل سوراخ کر لیں گے اور باہر نکل جائیں گے لیکن چونکہ کلمہ انشاء اللہ تعالیٰ نہیں کہتے۔ صبح دیکھتے ہیں کہ دیوار پہلے کی طرح ہو جاتی ہے۔ اہل نحل کے ہاں ان دونوں چیزوں کا وجود نہیں ہے۔ کیونکہ سارے عالم کی سیر کر کے حکماء نے دیکھ لیا ہے۔ عالم جسمانی میں ان کا کوئی نشان نہیں ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ یہ تمام چیزیں جن کا ذکر اہلِ ملت کے ہاں پایا جاتا ہے۔ عالم بطون سے ہیں نہ کہ عالم حسّ و شہادت سے۔ اسی طرح آبِ حیات اور چشمۂ ظلمات بھی عالم باطن سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ عالم ناسوت سے۔[1]

---

[1] عالم بطون کا معاملہ یوں ہے کہ ویسے تو عارفین نے اٹھارہ ہزار عالم کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں سے

حضرت سیّد علی عرف پیر بابا نبیری رحؒ

اس کے بعد حضرت سیّد علی قدس سرہٗ کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ سیّد علی قدس سرہٗ چشتی نظامی ہیں۔ ان کی بیعت چند واسطوں سے حضرت راجی حامد شاہ صاحبؒ سے

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

زیادہ مشہور یہ عالم ہیں۔ پہلا عالم ناسوت یعنی یہی ظاہری دنیا۔ دوسرا عالم مثال، جو عالم ناسوت اور عالم ارواح یا عالمِ ملکوت کے درمیان ہے۔ تیسرا عالم ملکوت، جو ملائک اور ارواح کا جہان ہے۔ چوتھا عالم جبروت جو صفات باری تعالیٰ کا عالم ہے۔ پانچواں عالم لاہوت جو ذاتِ حق کا عالم ہے۔ چھٹا عالم باہوت اور ساتواں عالم ہاہوت۔ اور چونکہ انسان خلاصہ ہے ساری کائنات کا۔ انسان کے اندر بھی اجمال کے ساتھ یہی عوالم موجود ہیں جنہیں لطائف ستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ہر لطیفہ کا تعلق مندرجہ بالا عوالم میں سے ایک عالم کے ساتھ ہے۔ اب جس حدیث شریف کا اوپر ذکر ہؤا ہے یعنی سات زمین اور ہر زمین میں آدم علیہ السلام۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسےٰؑ۔ حضرت عیسےٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود ہونا بتایا گیا ہے۔ اور یہ جو حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ زمینیں ظاہری نہیں بلکہ باطنی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم ناسوت، عالم مثال، عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاہوت میں بھی ان انبیاء علیہم کا وجود مسعود موجود ہے۔ عارفین حضرات فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس عالم ناسوت میں موجود ہے عالم مثال میں بھی موجود ہے لیکن لطیف شکل میں۔ اسی طرح دنیا کی ہر چیز کا وجود لطیف سے لطیف تر صورت میں عالم ملکوت اور عالم جبروت اور عالم لاہوت میں بھی موجود ہے۔ پس حدیث مذکور میں لفظ ارض سے مراد عالم ہے۔ اور سات ارض سے مراد وہی سات عوالم ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ناظرین حضرات کو یاد ہوگا کہ جب کسی بزرگ نے حضرت امیر خسروؒ سے یہ کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کی مجلس میں آپ کے شیخ سلطان المشائخ کو نہیں پایا تو دونوں حضرات نے مراقبہ کیا۔ تو دیکھا کہ واقعی حضرت محبوب الٰہی موجود نہ تھے۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ اوپر جاؤ۔ اوپر گئے تو دیکھا کہ اولیاء کرام کی مجلس پہلی مجلس کی طرح قائم ہے۔ لیکن آپ وہاں بھی موجود نہیں۔ دریافت کرنے پر مزید اوپر جانے کا اشارہ ہؤا۔ اسی طرح ایک مجلس سے بالاتر اور لطیف تر دوسری اور دوسری سے تیسری مجلس حتےٰ کہ

جالمتی ہے اور وہ خلیفہ ہیں حضرت شیخ حسام الدین مانکپوریؒ کے اور وہ حضرت شیخ نور الدین قطب العالم پنڈویؒ کے اور وہ اپنے والد ماجد شیخ علاء الدین اسعد بنگالیؒ کے اور وہ حضرت شیخ سراج الدین عثمان آئینہ ہند کے (جو اخی سراج کے نام سے موسوم ہیں) اور وہ خلیفہ ہیں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ کو بلادِ خراسان اور پشاور کا علاقہ ملا۔

اخوند درویزہ

جب پشاور پہنچے تو وہاں ایک عالم بڑے عالم فاضل رہتے تھے جن کا نام اخوند درویزہ تھا۔ وہ ظاہری عالم تھے اور منکرِ سماع بھی تھے۔ لیکن سید علی قدس سرہٗ صاحبِ سماع تھے یعنی سماع بلا مزامیر (بغیر باجا) سنتے تھے۔ ایک دن آپ سماع میں مشغول تھے اور وہ بھی سماع بلا مزامیر تھا۔ صرف دف بجایا جا رہا تھا جس پر آپ رقص کر رہے تھے۔ اخوند درویزہ بھی احتساب کی خاطر وہاں پہنچ گئے اور حضرت سید علی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن آپ نے جب اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو اخوند درویزہ اُڑ کر کوہ قاف کے مشرق میں جا پڑے۔ (یہ کوہ قاف موجودہ ترکی کی سرحد پر ترکستان کے صوبہ کاکیشیا میں واقع ہے) وہاں اخوند درویزہ کے ہاتھ پر بہت لوگ مسلمان ہوئے۔ آپ وہاں دس سال مقیم رہے اور درس دیتے رہے۔ اس عرصے میں روزانہ غیب سے ایک ہاتھ نظر آتا تھا اور فوراً گم ہو جاتا تھا۔ ایک دن اخوند درویزہ نے پہچان لیا کہ یہ ہاتھ حضرت سید علیؒ کا ہے چنانچہ اس ہاتھ سے لٹک گئے اور انہوں نے کھینچ کر ان کو اپنے مقام پر واپس ڈال دیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد اخوند درویزہ کو پھر جوش آیا اور احتساب کی خاطر پھر اُن کے پاس پہنچ گئے۔ اتفاق سے حضرت سید علیؒ اس دن بھی مجلس سماع میں رقص کر رہے تھے۔ اخوند درویزہ نے ان کا ہاتھ

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

ساتویں مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ آنحضرتؐ کی پشت پر ایک نورانی پردے کے پیچھے تشریف فرما ہیں اور حسن و جمال کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ صبح جب حضرت شیخ کی مجلس میں گئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ رات کو کیا دیکھا۔ یہ سنتے ہی آپ نے ڈھولک لے کر یہ غزل کہہ ڈالی ہے

نے دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم   ہمہ سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم

اس سے ظاہر ہے بطون میں عوالم بیشمار ہیں اور ایک عالم دوسرے سے لطیف تر ہے۔

پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کی لیکن حضرت سیّد علیؒ نے ہاتھ کو جھٹکا اور وہ اڑ کر پھر کوہ قاف میں جا پڑے اور دس سال وہاں رہے ۔ اس کے بعد پہلے کی طرح ان کا ہاتھ نمودار ہوا اور اس کے ذریعے وہ دوبارہ اپنے وطن پہنچ گئے ۔ اب کی دفعہ وہ تائب ہوئے اور حضرت سیّد علیؒ کی خدمت میں جاکر مرید ہوگئے اور صاحبِ کمال ہوئے ۔ اخوند درویزہ خلافت سے بھی مشرف ہوئے اور بے شمار لوگوں کو بیعت کیا ۔ اگرچہ آپ درویش کامل تھے لیکن سماع کبھی نہ سُنا ۔ بلکہ آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں فتوٰے دیا ہے کہ سماع حرام ہے سوائے اس شخص کے لیے جو میرے شیخ حضرت سیّد علی کے مرتبہ تک پہنچ چکا ہو ۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ سید علیؒ خراسان اور پشاور کے علاقے میں پیر بابا کے نام سے موسوم ہیں ۔

توحیدِ وجودی اور مولانا شاہ عبدالرحمٰن

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ قبلہ فلاں مولوی صاحب نے سلام عرض کیا ہے اور گذارش کی ہے کہ یہ جو کسی نے میری شکایت کی ہے کہ میں نے کتاب کلمۃ الحق کی تردید لکھی ہے اور حضور اقدس یہ سُن کر رنجیدہ خاطر ہوئے یہ سراسر غلط ہے ۔ میں نے ہرگز اس کتاب کی تردید نہیں لکھی ۔ حضرت اقدس نے فرمایا اگر کوئی شخص کلمۃ الحق کی تردید کرے یا نہ کرے مجھے اس سے کیا غرض ۔ اس کے بعد فرمایا کہ شاہ عبدالرحمٰن صاحب نے بھی یہ غلطی کی ہے کہ توحید وجودی کو احکام دین ظاہر کا جزو قرار دے دیا ہے اور جو مشائخ عظام وحدت الوجود کے اخفا کے قائل ہیں مثل شیخ اکبر محی الدین عربیؒ اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ وغیرہ اکابر صوفیا شاہ عبدالرحمٰن نے ان کی تردید کی ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ شاہ عبدالرحمٰن علوم ظاہری میں بھی بہت دسترس رکھتے تھے ۔ انہوں نے وحدت الوجود کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے اور یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جو شخص توحید وجودی کا قائل نہیں اس کی عورت مباح ہے (یعنی دوسروں کے نکاح میں آسکتی ہے) اور اس کا مال مالِ غنیمت ہو جاتا ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالعلی بحرالعلوم شارح مثنوی شریف بھی اُن کے استادوں میں سے ہیں ۔ اور یہ مولانا بحرالعلوم بڑے عالم متبحّر اور درویش تھے ۔

اس کے بعد فرمایا کہ لکھنؤ اور اس علاقے کے اکثر علماء کرام شاہ عبدالرحمٰنؒ کے شاگرد ہیں چنانچہ

مولوی عبدالحی بھی بالواسطہ اُن کے شاگرد ہیں۔

پیر تاریک

اس کے بعد فرمایا کہ پشاور کے علاقے میں ایک اور شخص ابویزید روشن نامی رہتا تھا جو اخوند درویزہ کا ہمزبان تھا۔ اخوند درویزہ نے اُسے نہایت ذلیل و خوار کر رکھا تھا اور اُسے ابویزید روشن کی بجائے ابویزید تاریک کے نام سے پکارتے تھے۔ ابویزید بھی توحید وجودی جہریہ علانیہ کا قائل تھا۔ اور جو شخص توحید وجودی علانیہ جہریہ کا قائل نہ تھا اس کی بیوی کو اس پر حرام قرار دے کر دوسروں کے نکاح میں دے دیتا تھا اور اس کے مال کو مالِ غنیمت قرار دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیتا تھا۔ اور جو مسلمان توحید وجودی کا علانیہ اقرار نہیں کرتے تھے ان کو وہ ذلیل و خوار کرتا تھا اور ہندوؤں کو وہ کم آزار پہنچاتا تھا کیونکہ ہندو لوگ توحید وجودی جہری کے قائل ہیں۔ کتاب دبستانِ مذاہب میں لکھا ہے کہ ابویزید روشن اور اس کے اصحاب کا عقیدہ یہ ہے کہ ابویزید اپنے وقت کا نبی ہے۔ حضور سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت منتقل ہو کر ابویزید کو ملی ہے۔ اس کتاب میں اس کی نبوّت کو مستقل اور اہلِ اسلام کے بالمقابل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ دبستانِ المذاہب کے مصنف کو یہ نہیں لکھنا چاہیئے تھا۔

مقبوس ۶۴: بوقت ظہر بروز پنجشنبہ ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس کا عفو و کرم

حضرت اقدس ظہر کی نماز ادا کر کے بیٹھے تھے۔ اس روز آپ نے اپنے چند خدام کو کسی غلطی کی وجہ سے دور کر دیا تھا۔ بعض اصحاب کی سفارش پر وہ لوگ آئے اور قدموں پر سر رکھ کر معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے ان کا سر اوپر اٹھا کر فرمایا کہ مبالغہ مت کرو۔ نیز اُن کے سر پر ہاتھ پھیر کر تبسم فرمایا اور معاف کر دیا۔ اور تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو گئے۔

حضرت اقدس کا انکسار

اس کے بعد دربان نے آکر عرض کیا کہ قبلہ حضرت صاحبزادہ محمد حیات چہاردی اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ آپ

نے ایک خادم خاص کو ان کے پاس بھیج کہ کہلایا کہ فی الحال ہیں نواب صاحب کے اندرونِ خانہ جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوں ۔جس طرح فرمان ہو ۔ اس خادم خاص نے جاکر حضرت اقدس کا پیغام دیا ۔ انہوں نے کہا کہ میری آرزو یہ ہے کہ میں حضور انور کی خدمت میں آج حاضر ہوں ۔ اس آدمی نے واپس آکر یہ بات بتلائی ۔ آپ نے فرمایا اچھا آجائیں ۔جب وہ اندر آئے تو حضرت اقدس نے ایک دو قدم آگے بڑھ کر اُن کے قدموں پر ہاتھ رکھا لیکن انہوں نے ہاتھ پکڑ لیے اور معانقہ کیا اس کے بعد حضرت اقدس اُن کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے ۔ اور صاحبزادہ صاحب مربعہ بیٹھے تھے ۔ انہوں نے کہا کہ آپ بھی مربعہ بیٹھ جائیں ۔ آپ نے فرمایا میری عادت یہی ہے ۔ مربعہ بیٹھنے سے تھک جاتا ہوں ۔لیکن دوزانو بیٹھنے سے ہرگز نہیں تھکتا ۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے اُن سے خیرو عافیت دریافت کی ۔صاحبزادہ صاحب نے بھی خیرو عافیت دریافت کی ۔ کچھ دیر مختلف مضامین پر گفتگو کے بعد صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ اب حضرت قبلہ عالمؒ کے آستان پر ایک عالیشان پختہ سرائے تعمیر ہوگئی ہے ۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کس قدر رقم خرچ ہوئی ہے ۔ انہوں نے کہا کہ خدا تعالےٰ آپ کے مرید نواب صادق محمد خاں کو خوش رکھے ۔ انہوں نے پچیس ہزار اور کئی سو روپے اپنے خزانے سے خرچ کر کے یہ سرائے بنوائی ہے ۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ حضرت قبلہ عالمؒ کے آستانہ کی ملحقہ عمارت بھی پرانی ہوگئی ہوگی ۔صاحبزادہ صاحب نے فرمایا جی ہاں پرانی ہوگئی ہے ۔آپ نے پوچھا کہ اس پرانی عمارت کو کس نے تعمیر کرایا تھا ۔ انہوں نے جواب دیا کہ حرم شریف کے احاطہ کی دیوار جو حضرت حافظ محمد جمال اللہ ملتانیؒ نے تعمیر کرائی تھی ۔ وہ اسی طرح موجود ہے ۔اب احاطہ میں قدرے اضافہ ہو گیا ہے ۔ اور روضہ مطہرہ ۔ اور چاہ پختہ جو خانقاہ کے سامنے ہے اور مسجد شریف یہ تینوں چیزیں آپ کے جدِ امجد حضرت قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ نے اپنی گرہ سے خرچ کر کے تعمیر کرائے تھے ۔ حضرت اقدس نے فرمایا ہاں آپ صحیح کہتے ہیں ۔ اور خانقاہ کے احاطے میں جو درخت ہیں وہ نواب حافظ بہاول خان نوری نے جو حضرت قبلہ عالمؒ کے مرید تھے، لگائے تھے ۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے باہر جانے کا خیال ظاہر کیا ۔ آپ اُٹھ کر چند قدم اُن کے ہمراہ تشریف لے گئے اور معانقہ کر کے واپس مسند پر جا بیٹھے اور پھول سونگھتے رہے ۔

مقبوس ۶۵: بوقت عصر بروز شنبہ ۷ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

اس وقت حکیم اللہ بخش ساکن گوٹھ چنی جو حضرت خواجہ سلطان الاولیاءؒ کے مرید تھے اور بہت ضعیف ہو چکے تھے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نماز عصر باجماعت ادا کر کے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اب یہ شخص عالم غیب کے قریب پہنچ چکا ہے۔ کیونکہ اب تمام علائق دنیا سے فارغ ہو گیا ہے۔ فرمایا سبحان اللہ ہم نے حضرت سلطان الاولیاءؓ کے جتنے مرید دیکھے ہیں خواہ وہ دہقان ہوں نماز تہجد اُن سے فوت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ حکیم اب بھی زندہ رہنے کی آرزو رکھتا ہے۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی۔

حافظ جیونڑ اور موت

ایک شخص تھا جس کا نام حافظ جیون تھا۔ اُسے عبدالرحیم بھی کہتے تھے وہ شیدانی میں رہتا تھا اور حضرت سلطان الاولیاءؒ کا مرید تھا۔ ایک دن وہ حضرت اقدس سے ایک کتاب کا سبق پڑھ رہا تھا۔ دوران سبق حضرت اقدس کی زبان مبارک سے یہ لفظ نکل گیا۔ "مریں" (یعنی تو مرجائے)۔ یہ سنتے ہی وہ کتاب بند کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت اقدس نے دریافت فرمایا سبق کیوں نہیں پڑھتے اس نے عرض کیا کہ کسی دوسرے عالم سے پڑھ لوں گا۔ اس وجہ سے کہ آپ کا کلام دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کسی وقت اس غلام کو مار نہ دیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ فکر نہ کرو۔ میں نے ہنس کر کہا تھا۔ لیکن جب اس نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ حافظ جیون جب تک تم موت کو خود نہیں مانگو گے نہیں مرو گے۔ اس سے اس کو تسلی ہوئی اور سبق پڑھنے لگا۔ اس سے اس کا نام حافظ جیونڑ (زندہ رہنے والا) پڑ گیا۔ اس نے ایک سو سال عمر پائی اور عالم ضعیفی میں اس نے کافی تکلیف بھی اٹھائی۔ ایک دن اس نے اپنے تمام وارثوں اور رشتہ داروں کو جمع کر کے کہا کہ مجھے میرے شیخ نے دعا دی تھی کہ جب تک تم موت طلب نہیں کرو گے ہرگز نہیں مرو گے۔ اب میں اپنی رضا و رغبت سے موت طلب کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ اُسی روز

عصر کے وقت فوت ہوگیا۔

صوفی کا مال مباح ہے

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ قبلہ مولوی یار محمد ڈنگر ساکن پٹن منارہ نہایت متقی اور بے تعلق آدمی ہے اور درویشوں کے سے اوصاف کا مالک ہے۔ جو شخص اس کی کوئی چیز لے جاتا ہے وہ بُرا نہیں مناتا۔ یہ سُن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت شیخ حسام الدین متقی کا جوتا چرا کر لے گیا۔ لیکن اس کو کسی طریق سے معلوم ہوگیا کہ یہ حضرت شیخ کا جوتا ہے۔ چنانچہ اس نے جوتا لا کر آپ کے سامنے رکھا اور عرض کیا۔ میں آپ کا جوتا لے گیا۔ اب واپس کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر قیمتاً دو تو لے لوں گا۔ ورنہ لے جاؤ یہ تمہاری ملکیت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ حسام الدین نے شاید جوتا اس وجہ سے واپس نہ لیا ہوگا کہ آپ نے اپنا سارا مال وقف کر دیا تھا جو شخص جو چیز لے جاتا تھا۔ اس کی ملکیت ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اَلصّوفی مَالُہٗ مُبَاحٌ (صوفی کا مال مباح ہے)

وظیفہ

اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ سے یہ وظیفہ لکھ کر ایک آدمی کو دیا اور فرمایا کہ اس ترتیب سے پڑھا کرو۔ تجھے اجازت ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اَستغفر اللہ الّذِی لَا اِلٰہَ اِلاّ هُوَ الحیّ القیّوم الرحمٰن الرحیم ۔ بدیع السمٰوات والارض من جمیع جرمی وظلمی و اسرافی علی نفسی و اَتُوبُ الیہ چار سو بار بعد از نماز فجر۔ اَللّٰھُمَّ اقذف فی قلبی رجائکَ واقطع رجائِی عَمَّنْ سِواكَ حتّٰی لا ارجوا اَحَدًا غیرکَ ہر نماز کے بعد پانچ بار۔ یا ذوالجلال والاکرام بعد از نماز فجر ایک ہزار ایک بار۔

مقبوس ۶۶: بوقت ظہر بروز سہ شنبہ ۱ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۴ھ

رفع وہم کے متعلق ایک رباعی

برکت علی قوال حاضر تھا۔ اس نے عرض کیا کہ

قبلہ وہی رباعی ایک دفعہ پھر پڑھیں ۔ آپ نے فرمایا ۔

اے برادر عصائے تو وہم است — کہ ہمے رفتی از سر دیوار
ورنہ ہنگام رفتنت بہ زمین — زیر پا آیدت ہماں مقدار

(اے بھائی یہ عصا جو تم نے لے رکھا ہے تیرے وہم کی وجہ سے ہے ۔ تو خیال کرتا ہے کہ شاید گر جاؤں گا لیکن عصا ہو یا نہ ہو چلتے وقت زمین کا وہی حصہ تمہارے قدموں کے نیچے آتا ہے جو دیوار پر چلنے سے آتا ہے ۔

ملفوظ ۶۷ : بوقت مغرب بروز چہار شنبہ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

کسی نے عرض کیا کہ فلاں مسجد میں بہت سے مسافروں نے ڈیرہ لگا رکھا ہے اور گھر بنا کر بیٹھ گئے اور دنیاوی باتیں کرتے رہتے ہیں ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ قیامت کے قرب کی علامت ہے کہ لوگ مساجد میں بیٹھ کر دنیاوی باتیں کرتے رہیں گے ۔

ملفوظ ۶۸ : بوقت عصر بروز شنبہ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

پہاڑوں کی خصوصیت

اس وقت نواب تگیہ خاں ساکن چوٹی لغاریاں نے حاضر ہو کر حضرت اقدس کے قدموں پر سر رکھا اور قدم اور ہاتھ چوم کر بیٹھ گئے ۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ اس غلام کی دعوت قبول فرمائی جاوے ۔ حضرت اقدس نے سر ہلایا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا ملک کوہستان ہے ۔ وہاں پہاڑ سرد ہیں اور سرد ہوا چلتی ہے ۔ اس لیے وہاں تمام مکانات گوشہ گزینی ہیں ۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا کہ پہاڑ تمام انبیاء علیہم السلام کی جائے رہائش ہے ۔ تمام انبیاء علیہم السلام پہاڑوں ہی میں مبعوث ہوئے ہیں ۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پہاڑوں میں پیدا ہوئے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ملک شام کے پہاڑی علاقے میں پیدا ہوئے تھے ۔ باقی انبیاء علیہ السلام بھی عرب

اور شام میں پیدا ہو کر پہاڑی علاقوں میں قیام پذیر ہوئے ہیں - اس وجہ سے کہ نیکوں کی قیام گاہ پہاڑ چولستان (ریگستان) ویرانے اور بیابان ہوتے ہیں -

مقبوس ۶۹ : بوقت عصر بروز دوشنبہ ۱۶ ذیقعد ۱۳۱۴ھ

آپ نے عصر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور مجلس گرم ہو گئی - کافی لوگ جمع تھے اور ہر شخص اپنے عرض معروض پیش کر رہا تھا - اس اثنا میں ایک شاعر بنام محمد حسین ساکن گوٹھ چنی نے آداب بجالا کر حضرت اقدس کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا - آپ سر مبارک نیچا کر کے سنتے رہے - اس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں :-

چرا نہ نام مبارک بُوَد مبارک فال — چرا نہ رقص نماید بوئے نامہ غزال

چرا نہ خامہ مرا مشک میدہد بجہان — چرا نہ آب برد شعر من ز آب زلال

چرا چو شہد نباشد سخن مرا شیریں — کہ ہست از مدح قند خواجہ مالا مال

جناب خواجہ فرید الزمان ملک الفقر — کہ نیست ہمسرش اندر جنوب و شرق و شمال

بدور آخر قطب است یا کہ غوث زماں — کہ دیدہ ہیچ ندیدہ چو او دگر بخیال

چوں سیر معرفت اورا فراز لاہوت است — چناں لبسایۂ جسمش چو بیضہ ہا نہ یال

حضرت اقدس نے اس شاعر کو بارہ روپے نقد عطا فرمائے -

مقبوس ۷۰ : بوقت عصر بروز چہار شنبہ ۱۸ ذیقعد ۱۳۱۴ھ

غلام نرگس مست تو تاجدارانند

حضرت اقدس نماز عصر سے فارغ ہو کر تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے اور لوگ حلقہ باندھے حضرت کے گرد بیٹھے تھے کہ شاہزادہ مرزا احمد اختر[1] جو سلاطین دہلی کی اولاد میں سے تھے آئے - اور وسط مجلس میں دست بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے - چونکہ حضرت اقدس تلاوت میں مشغول تھے - وہ کافی

---

[1] یہ صاحب بہادر شاہ ظفر کے پوتے تھے -

دیر ٹھہرے رہے۔ حاضرین مجلس نے حضرت اقدس کے خوف سے زیرلب کہا کہ تشریف رکھیں لیکن وہ کھڑے رہے۔ آواز سن کر حضرت اقدس نے دیکھا تو قرآن شریف بند کر کے سرو قد کھڑے ہو گئے مرزا احمد اختر نے پاؤں مبارک پر گر کر بوسہ دیا اور کافی دیر سر قدموں پر رکھ کر پڑے رہے اور گریہ کرتے رہے۔ اس کے بعد اُٹھ کر ہاتھ مبارک چومے اور حضرت اقدس نے ان کو بغلگیر فرمایا اور حضرت اقدس دوبارہ تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ تلاوت سے فارغ ہو آپ نے خیر و عافیت دریافت کی۔

کتاب مناقب فریدی انہوں نے آداب بجا لا کر انتیس نسخے کتاب مناقب فریدی کے پیش کیے۔ وہ حضرت اقدس کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے جمع کر کے ابھی طبع کرائے تھے۔ حضرت اقدس نے تبسم فرما کر خادم کتب خانہ کو حکم دیا کہ کتب خانے میں رکھ دو۔

مقبوس ۱۷۱: بوقت عشاء بروز شنبہ ۲۴ ذیقعد ۱۳۱۴ھ

لعنت کہنا سخت بُرا ہے حضرت اقدس وظائف میں مشغول تھے اور حاضرین مجلس حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ اوچ مغلاں کے چند اشخاص جو مذہب امامیہ رکھتے تھے بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ قاضی خدا بخش اوچی اوچ شریف کے تمام مخادیم و سادات کو کافر کہتا ہے۔ ہم سب اس سے تنگ آ گئے ہیں دوسروں کو کافر کہنا کہاں جائز ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا ہاں کسی پر لعنت بھیجنا بھی جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ یزید بن معاویہؓ پر بھی جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی پر لعنت بھیجے جس کے وہ لائق نہیں تو وہ لعنت آسمان پر جاتی ہے اور آسمان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور وہ لعنت پھر لعنت کرنے والے پر آکر گرتی ہے۔ اس کے بعد اس سید نے کہا کہ ہم اصحاب رسول صلے اللہ علیہ وسلم خصوصاً اصحاب ثلاثہ کے متعلق کچھ نہیں کہتے۔ البتہ عشرہ محرم الحرام میں ہم لوگ ماتم کرتے ہیں اور یزید کی مذمت کرتے ہیں اور مروان کو بھی گالیاں دے دیتے ہیں

کیونکہ اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی کی تحریک مروان ہی نے شروع کی تھی۔

کیا مروان صحابی تھے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ مروان بھی صحابی نہیں ہے۔ اس نے کہا کتابوں میں تو لکھا ہے کہ مروان صحابی تھا۔ اور کچھ عرصہ کاتب وحی بھی رہا ہے۔ جب اس نے کتابت قرآن کے دوران "آلِ عمران" کی بجائے "آلِ مروان"، لکھا تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے مدینہ منورہ سے نکال کر تین میل دُور بھیج دیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اُسے مزید تین میل دور کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اُسے تین میل اور دور دھکیل دیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی اُسے تین میل مزید دور کیا اور اس کی کل مسافت بارہ میل ہوگئی۔ یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس قسم کے قصے اگر کسی معتبر کتاب مثل مدارج النبوّت اور معارج النبوت میں دکھا دو تو ہم تسلیم کر لیں گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھے تو یہ یاد پڑتا ہے کہ حکمؔ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے باہر نکالا تو اس وقت حکمؔ کے گھر مروان پیدا ہوا۔ اور یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔ ہجرت کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سال مدینہ منورہ میں بسر فرمائے۔ پس اس قلیل مدت میں مروان کس طرح بڑا ہوا اور کاتبِ وحی بنا۔ اور مدینہ سے نکالا گیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ مروان حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا عم زادہ (چچازاد بھائی) ہے۔ کیونکہ حکمؔ حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچا تھا اور مروان حکمؔ کا بیٹا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مروان کے متعلق بخاری شریف میں حدیث بھی آئی ہے کہ انوزغتہ ابن انوزغتہ۔

حضرت علیؓ کے متعلق ایک شیعہ کے حضرت اقدس سے سوالات

اس کے بعد اُسی سیّد نے عرض کیا کہ یا حضرت لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ لا تتحرک ذرۃٌ اِلّا باذن اللّٰہ (اللہ کے حکم کے بغیر کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا)، کیا یہ حدیث قدسی ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چیز مشہور تو بہت ہے لیکن کتب معتبر میں نظر نہیں آئی۔ اس نے کہا ممکن ہے کہ یہ اہل عرب کا محاورہ یا مقولہ ہو۔ آپ نے فرمایا شاید یہی ہو۔ اس کے بعد اس سیّد نے عرض کیا کہ۔

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہٗ عوناً لک فی النوائب کل

ھم وغم سینجلی بنوتك یا محمد بولاتیدٔ یاعلی

اہل سنت وجماعت کی کتابوں میں نہیں ہے لیکن اہل شیعہ کی کتابوں میں درج ہے ۔ کیا یہ حدیث ہے یا نہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ اگر حدیث ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اَنْتَ مِنّی و اَنَا مِنْكَ وَاَنْتَ مِنّی بمنزلہ ھارون (تو مجھ سے اور میں تجھ سے اور تو مجھے بمنزلہ ہارون برادر موسےٰ علیہ السلام ہے (اور اس قسم کی دوسری احادیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں وارد ہوئی ہیں ۔ اس لیے اگر نادِ علیاً حدیث ہو تو بعید نہیں ۔ اس کے بعد اس سید نے عرض کیا کہ اس مثنوی شریف کے کیا معنی ہیں ؎

او خدو انداخت برروئے علی افتخار ھر نبی و ہر ولی

(اس کافر) نے حضرت علی رض کے منہ مبارک پر تھوک دیا ۔ وہ علی رض جو ہر نبی اور ہر ولی کے لیے باعثِ فخر ہے)

کیا اس شعر کے الفاظ سے حضرت علی رض کی نبوّت کا ثبوت نہیں ملتا جیسا کہ شیعہ عقائد میں ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دائرہ نبوت ہے اور دوسرا دائرہ ولایت ۔ دائرہ نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر

لے افتخار ہر نبی و ہر ولی سے یہ مطلب کیسے نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رض کا مرتبہ ہر نبی اور ہر ولی سے زیادہ بلند تھا ۔ عرفِ عام میں جب ایک بچے کو فخرِ خاندان کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ اس کا اپنے خاندان کے ہر فرد سے مرتبہ بلند ہے ۔ اسی طرح جب کسی شخص کو فخرِ قوم یا فخرِ ملک کہا جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ شخص ساری قوم اور سارے ملک میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا کہ قوم یا ملک یا خاندان اس شخص پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے ۔ اسی طرح جب کسی بیش بہا چیز کی ملکیت پر اس چیز یہ مالک فخر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ چیز اس آدمی سے بہتر ہے ۔

ختم ہوجاتا ہے۔ اور دائرہ ولایت حضرت علیؓ سے شروع ہوکر امام مہدی علیہ السلام پر ختم ہوگا۔ پس چونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبدا ر دائرہ ولایت ہیں۔ اس لیے آپ کی شان بہت بلند ہے اور لفظ افتخار سے مراد مباہات ہے نہ یہ کہ ان کا مرتبہ ہر نبی سے زیادہ تھا۔ لفظ ہر نبی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت علیؓ کا مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ بلند تھا۔ اس قسم کے مباہات حدیث میں اکثر واقع ہوئے ہیں۔

علم جفر

اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ آیا علم جفر آپ کے خاندان میں مسلسل چلا آرہا ہے یہ سُن کر آپ خاموش رہے۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ ایک دفعہ میں نے حضور حضرت فخرالاولیار (حضرت خواجہ صاحبؒ کے بڑے بھائی اور شیخ) سے دریافت کیا کہ یاحضرت اہل سنت دجماعت کے نزدیک علم جفر، نجوم اور علم رمل منسوخ ہے۔ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ علم جفر ایک راز ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوا اور حضرت امام جعفر صادقؓ کے ذریعے عالم حجاب سے عالم ظہور میں آیا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہاں علم جفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولوی نصیر بخشؒ جو حضرت شیخ المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید تھے علم عبفر جانتے تھے اور اکثر وہی ہوتا تھا جو وہ بتلاتے تھے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ نے علم جفر کہاں سے سیکھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ علم مجھے میرے پیر دستگیر نے خواب میں سکھایا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ تو بڑا علم ہے آپ نے خواب میں کس طرح سیکھ لیا۔ انہوں نے کہا کہ خواب میں مجھے اس سے بھی زیادہ باریک نکتے بتائے گئے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب مولوی مذکور کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا کہ فلاں طالب علم کو بلاؤ۔ میں یہ جوہر غریب اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔ اس کو بتاؤں گا لیکن وہ حاضر نہ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے دوسرا طالب علم طلب کیا وہ بھی موجود نہ تھا۔ اس کے بعد تیسرا طالب علم بلایا وہ بھی موجود نہ تھا۔ آخر وہ اسی طرح فوت ہوگئے اور وہ علم اپنے ساتھ لے گئے۔

مقبوس ۲۷: بوقت عشا، پنجشنبہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

دعا کا نیا طریقہ

حضرت اقدس نماز عشاء سے فارغ ہو کر وظائف میں مشغول تھے۔ اس وقت آپ اپنے بازو گردن کے گرد ڈال کر بیٹھ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دعا مانگ رہے ہیں۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ بعض اوقات اس طرح دعا مانگا کرتے تھے۔ غرضیکہ اس حالت میں آپ کمال استغراق میں مستغرق ہو گئے۔ ہر شخص اپنے خیال میں بیٹھا تھا لیکن یہ احقر حضرت اقدس کے جمال کی طرف متوجہ تھا اور حضرت اقدس کی متابعت میں بازو گردن میں ڈال کر دعا مانگنے لگا۔ اس کے بعد آپ نے متعارف طریق پر دعا مانگی۔ اس وقت مجلس میں ایک بڑا بچھو نمودار ہوا اور لوگوں نے اسے مار دیا لیکن کمال استغراق میں حضرت اقدس کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ بعد میں جب لوگوں نے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے کیا کیا۔ عرض کیا گیا کہ بچھو کو مار دیا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کی انگریزی دانی

اس کے بعد تسبیح پلنگ کے پایہ سے نکال کر آپ ذکر جہری لا الٰہ الا اللہ میں مشغول ہو گئے۔ پھر الا اللہ کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے میاں فضل الحق صاحب منگروی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نے انگریزی میں خط لکھنا کس طرح سیکھا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس طرح۔ آپ نے فرمایا اب کچھ لکھو۔ چنانچہ انہوں نے چند سطور لکھ کر پیش کیں۔ حضرت اقدس نے پڑھ کر فرمایا کہ آپ نے یہ شعر لکھا ہے ؎

آرزو دارم کہ خاک آں قدم　　توتیائے چشم سازم دمبدم

(میری آرزو یہ ہے کہ آپ کے قدموں کی خاک کا سُرمہ بنا کر آنکھوں میں لگاؤں)

اس کے بعد آپ نے تسبیح رکھ کر اپنے ہاتھ سے انگریزی میں لکھا اور میاں صاحب کو دے کر فرمایا کہ پڑھو۔ انہوں نے پڑھ کر عرض کیا کہ قبلہ آپ نے یہ شعر لکھا ہے ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　سگ را ولی کنند و مگس را ہما کنند

(وہ ایسے لوگ ہیں جو ایک نظر سے خاک کو سونا بنا دیتے ہیں۔ کتے کو ولی اور مکھی کو ہما بنا دیتے ہیں)

اس سے حضرت اقدس خوش ہوئے اور تھوڑا سا وظیفہ ذکر جہری جو باقی رہ گیا تھا پورا کرکے فارغ ہوگئے۔ اور دوسرے وظائف میں مشغول ہوئے۔ تمام وظائف سے فارغ ہوکر آپ نے اپنے سینہ پر دم کیا اور انگلیوں پر بھی دم کر کے اپنی آنکھوں اور رُخِ انور پر ہاتھ پھیرے۔

اس کے بعد میاں صاحب مذکور نے چند سطور مزید انگریزی میں لکھ کر پیش کیں۔ آپ نے پڑھ کر فرمایا کہ یہ مصرعہ لکھا ہے ؎

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را گاہے بنگا ہے

(بادشاہوں کے لیے کیا مشکل ہے کہ ایک گدا پر نظر عنایت فرما کر نواز لیں)

اس کے بعد حضرت اقدس نے خود تحریر فرمایا اور میاں صاحب نے پڑھ کر کہا کہ یہ لکھا ہے ؎

ہر چند نیم لائق درگاہ سلاطین نومید نیم نیز شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را گاہے بنگا ہے

(اگر بادشاہوں کے دربار کے قابل نہیں ہوں لیکن ناامید بھی نہیں ہوں اس لیے کہ بادشاہوں کے لیے گدا کو نوازنا مشکل نہیں)

اس کے بعد برادرم مولوی غلام احمدؐ اختر سے فرمایا تم بھی لکھو۔ انہوں نے لکھنا شروع کیا تو آپ نے از راہِ شفقت فرمایا کہ "ایں میاں اوجھا ماست" اور اُسی شب برادرم مولوی غلام احمدؐ اختر حضرت اقدس کے دربار سے "اوجھا" کے لقب سے سرفراز ہوگئے۔ جاننا چاہیئے کہ ہندی زبان میں "اوجھا" معلم یا استاد کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد اُن کے نوشتہ کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ لکھا ہے ؎

تا سجدہ ما قبول کردی خجل است از خطِ جبین ما شعاع خورشید

(جب سے تو نے میرا سجدہ قبول کیا ہے میری پیشانی کے نور سے سورج شرمندہ ہے)

اس پر حضرت اقدس خوش ہوئے۔

مقبوس ۴۳: بوقت ظہر بروز جمعہ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

عمل برائے دفع طاعون اور وبا

حضرت اقدس نے فرمایا کہ نواب صاحب بہاولپور کے حرم نے مجھ سے وبا طاعون کے دفعیہ کے لیے دعا طلب کی ہے۔ میں نے دعا اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی تھی لیکن چونکہ یہ دعا فارسی میں لکھی تھی۔ ان کے لیے پڑھنا مشکل ہوگیا ہے۔ اب کوئی شخص عربی خط میں لکھ دے تاکہ آسانی سے پڑھی جاسکے۔ چنانچہ برادرم غلام احمد اختر نے دو دعائیں خوشخط لکھ کر دیں۔ حضرت اقدس نے پڑھ کر فرمایا کہ لفظ خدیجہ خاء مفتوح (زبر) اور دال مکسور ہے لیکن آپ نے خاء پر ضم اور دال پر زبر لگائی ہے۔ اسے درست کر دو۔ دعائے لی خمسۃ یہ ہے :-

لی خمسۃ اطفی بھا حرالوباء الحاطمہ المصطفیٰ والمرتضیٰ وابنٰھما والفاطمہ۔

اور دوسری دعا یہ ہے :-

اَللّٰھُمَّ یا ولی الولاء یا سامع الدعا و یا کاشف الضرر والبلاء اصرف عنا شر الطاعون والمفاجات والوبا بالحق ن المصطفیٰ وعلی ن المرتضیٰ وفاطمۃ الزھرا وخدیجۃ الکبریٰ والعائشۃ الحمیرا وصلے اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ ونور عرشہ محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین۔

تصحیح کے وقت بندہ راقم نے عرض کیا کہ مجھے یہ دعائیں پڑھنے اور عمل کرنے کی اجازت عطا فرمائی جاوے۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ بندہ نے عرض کیا کتنی بار پڑھنا چاہیے۔ فرمایا ہر دعا ہر نماز کے بعد پانچ بار پڑھی جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو چوبیس گھنٹے میں پانچ بار پڑھے

اولیاء کے لیے کرامت چھپانا فرض ہے

اس کے بعد کتاب فوائد الفواد (مصنفہ حضرت امیر حسن علا سنجری مرید حضرت محبوب الٰہیؒ) کھول کر احقر نے ایک مقام کی شرح دریافت کی۔ آپ نے کتاب دیکھ کر یہ ترجمہ کیا :-

"اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کرام کو کرامت چھپانے کا اسی طرح حکم فرمایا جس طرح انبیاء علیہم السلام کو معجزہ ظاہر کرنے کا۔ پس جو شخص کرامت ظاہر کرتا ہے فرض کا تارک ہے۔"

مراتب سلوک

اس کے بعد فرمایا کہ سلوک کے لیے ایک سو مراتب مقرر کیے گئے ہیں اور سترھواں مرتبہ کشف و کرامات کا ہے جو شخص اس مقام میں رہ جاتا ہے باقی تراسی[۸۳] مراتب تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے بعد فرمایا جس شخص کی روحی قوت غالب ہوتی ہے۔ اس سے کرامات صادر ہوتی ہیں۔ جو شخص اس سے خوش و خرم ہوتا ہے وہ سلوک کے باقی مراتب کو نہیں پہنچ سکتا۔

مقبوس ۴۷ : بوقت عشاء بروز پنجشنبہ ذوالحج ۱۳۱۴ھ

طریق بیعت

حضرت اقدس وظائف میں مشغول تھے اور تمام لوگ گرداگرد خاموش بیٹھے تھے بعد وظائف دعا مانگی اور مرید ہونے والے چار اشخاص کو اپنے پاس بلا کر سامنے بٹھایا اور مراقب ہو کر کچھ آہستہ آہستہ پڑھا۔ اس کے بعد سر اوپر اٹھا کر ایک آدمی کو بیعت فرمایا۔ آپ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے اور سر نیچے کر کے آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد سر اوپر اٹھایا اور مرید کے ہاتھ بدستور اپنے ہاتھوں میں رکھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھو۔ اس آدمی نے حضرت اقدس کے ساتھ کلمہ پڑھا۔ اس کے بعد اسے فرمایا کہ کہو میں توبہ کرتا ہوں ہر گناہ سے۔ توبہ کرتا ہوں ہر گناہ سے۔ توبہ کرتا ہوں ہر گناہ سے۔ مرید نے یہ

کلمات تین بار دہرائے ۔ اس کے بعد آپ نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے اور دوسرے آدمی کے ہاتھ پکڑ کر اُسے بیعت فرمایا ۔ اسی طرح چاروں آدمیوں کو بیعت فرمایا۔ لیکن چوتھا آدمی چونکہ نابالغ تھا۔ آپ نے اس سے توبہ نہ کرائی اور نہ اُسے وظیفہ تلقین فرمایا۔ باقی تین آدمیوں کو آپ نے توبہ کے بعد نماز کی تاکید فرمائی اور وظائف بھی تلقین فرمائے ۔ وظیفہ یہ تھا ۔ ہر نماز کے بعد سورۃ اخلاص دس بار اور درود شریف دس بار لیکن نماز عشاء کے بعد سورۂ اخلاص اور درود شریف کے علاوہ کلمہ طیبہ ایک سو بار پڑھنے کو کہا ۔ اس کے بعد اس لڑکے نے حضرت اقدس کے سامنے سجدہ کیا ۔ آپ نے تبسم کرتے کرتے ہوئے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا ۔ اس کے بعد ان مریدین نے بتاشے تقسیم کیے۔

مقبوس ۵۷: بوقت دوپہر روز پنجشنبہ ۳ ذوالحج ۱۳۱۴ھ

محفلِ سماع آج حضرت قبلہ عالم مہاردی رضی اللہ عنہ کے عرس کی تقریب تھی۔ حضرت اقدس مجلس میں تشریف فرما تھے ۔ صوفی حضرات بھی کافی تعداد میں جمع تھے ۔ قوالوں کی دو چوکیاں موجود تھیں ۔ پہلی چوکی کو قوالی کا حکم ہوا ۔ انہوں نے چند نعمات گائے جس سے حضرت اقدس کو کچھ گریہ ہوا اور باقی صوفی بھی محظوظ ہوئے ۔ اس کے بعد دوسری چوکی کو ارشاد فرمایا انہوں نے یہ اشعار فارسی اور ہندی کے گائے ۔ جس سے حضرت اقدس پر گریہ طاری ہو گیا اور حاضرین مجلس میں کافی ذوق و شوق پیدا ہوا ۔ چند صوفیوں کو حال آیا اور انہوں نے اٹھ کر رقص کیا ۔ اشعار درج ذیل ہیں :-

۱ - عارفِ اسرارِ پنہانیم ما — حاکمِ اقلیمِ عرفانیم ما
۲ - ما گدایانیم لیکن تاج بخش — ہم بملکِ فقر سلطانیم ما
۳ - ما بہ بت خانہ خدا را ساجدیم — ہم بکعبہ بُت پرستانیم ما

(۱) ہم مخفی اسرار و رموز کے جاننے والے ہیں ۔ اور ملکِ عرفان کے بادشاہ ہیں۔
(۲) ہم فقیر ہیں لیکن تاج بخشنے والے فقیر ہیں اور فقر و درویشی کے ملک میں ہم سلطان ہیں۔

(۳) ہم بُت خانے میں بھی خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور کعبے میں بُت پرستی کرتے ہیں۔ یعنی محبوبِ حقیقی کی پرستش کرتے ہیں۔

ترکِ من اے من غلام روئے تو　　جملہ ترکانِ جہاں ہندوئے تو

(اے محبوب میں تیرے روئے زیبا کا غلام ہوں۔ بلکہ دنیا کے جملہ محبوبان تیرے غلام ہیں۔ ہندو بمعنی غلام)

دل زتن بردی و در جانی ہنوز　　دردہا دادی و درمانی ہنوز

ملکِ دل کردی خراب از تیغ ناز　　وندراں ویرانہ سلطانی ہنوز

ہردو عالم قیمت خود گفتہ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(۱) اے دوست تو نے میرے جسم سے دل نکال لیا ہے لیکن پھر بھی تو میری جان کے اندر بس رہا ہے۔

(۲) تو نے میرے دل کے ملک کو تیغ ناز سے برباد کر دیا ہے اور پھر اس ویرانے میں تو بادشاہ ہے۔

(۳) اے محبوب تو کہتا ہے کہ دونوں جہان قربان کر دو تب ملوں گا۔ اب بھی سستے ہو ذرا نرخ زیادہ کر دو۔

اس کے بعد چند ہندی اشعار گائے گئے۔ اس کے بعد حضرت اوحدی کا مشہور سلام:۔

اے مہ خوش لقا سلام علیک

پڑھا گیا۔ اور ختم کے بعد حضرت اقدس اپنے خاص حجرہ میں مشغول ہو گئے۔

مقبوس ۷۶: بوقت چاشت بروز پنجشنبہ ۱۰ ذوالحج ۱۳۱۴ھ

محفلِ سماع

آج حضرت محبوب الٰہی خواجہ خدا بخش صاحب کے عرس کا پہلا دن تھا۔ قوالوں کی تین چوکیاں حاضر تھیں۔ ایک چوکی چاچڑاں شریف کی تھی۔ دوسری مہاروی، اور تیسری شیدانی شریف والی۔ یہ تینوں چوکیاں تمام عرائس پر حاضر ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی

دوسرے مقامات مثلاً اجمیر شریف سے بھی قوال آجاتے ہیں۔ کبھی میاں برکت علی بھی مجلس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت اقدس کے حکم سے باری باری گاتے ہیں اور حضرت اقدس روپوں کی مٹھیاں بھر کر ان کو عطا فرماتے ہیں۔ غرضیکہ مجلس سماع تیار ہو چکی تھی کہ قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخش رح بھی تشریف لائے۔ حضرت اقدس چاچڑاں سے ڈولی میں سوار ہو کر اور دریا کو کشتی کے ذریعے عبور فرما کر کوٹ مٹھن شریف پہنچے تھے اور نماز عید الاضحےٰ راستے میں یعنی بیٹ میں ادا کی تھی۔ آپ آتے ہی پہلے روضہ اقدس کے اندر زیارت مشائخ کے لیے چلے گئے۔ زیارت سے فارغ ہو کر آپ باہر تشریف لائے اور مجلس میں شمال کی جانب بیٹھ گئے۔ حضرت قطب الموحدین نے اٹھ کر حضرت اقدس کی ران پر سر رکھا اور گریہ کرنے لگے۔ حضرت اقدس نے کمال شفقت سے اپنا ہاتھ ان کی پُشت پر پھیرا۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔ اب حاضرین مجلس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تمام بے ریش اور نابالغ بچے اُٹھ کر چلے جائیں۔ اور سماع خانہ کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ صرف دو دروازے کھلے رکھے جائیں۔ ایک شمالی دوسرا جنوبی۔ خادموں نے حکم کی تعمیل کی اور قوالی شروع ہو گئی۔ چاچڑانی قوالوں نے یہ غزل شروع کی۔

منزلِ عشق از مکانے دیگر است　　　مردِ ایں راہ را نشانے دیگر است

بر سرِ بازار صرافانِ عشق　　　زیر ہر دارے جوانے دیگر است •

احمد جام رض

(۱) عشق کی منزل ہر مکان اور ہر مقام سے جدا ہے اور مردِ راہِ عشق یا مردِ راہ حق کا نشان اور ہے۔

(۲) صرافانِ عشق کے بازار میں ہر دار کے نیچے نیا جوان ہے یعنی کوچۂ عشق میں جان قربان کرنے والوں کی ہر لحظہ اور ہر آن نئی شان نئی آن اور نئی بان ہے {یاد رہے کہ مولانا احمد جام رض کی اسی غزل کے ایک شعر پہ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　ہر زمان از غیب جان دیگر است

پر قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی رح چار دن مسلسل وجد و رقص کرنے کے بعد وصال فرمایا۔} ان اشعار پر صوفیان اہل جفا کو وجد آیا۔ بندہ پر بھی گریہ طاری رہا۔ صوفیوں

کی متابعت میں ساری مجلس کھڑی ہوگئی لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اپنے سامنے خادموں کی قطار کھڑی کرلی اور اس کے پیچھے بیٹھے رہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب بھی اس قطار میں کھڑے تھے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت اقدس پر ایک عظیم کیفیت وارد ہوئی اور آپ پر وجد طاری ہوگیا۔ چنانچہ آپ کھڑے ہوکر رقص کرنے لگے جس سے آپ کے سر سے ٹوپی بھی گر گئی اور ایک خادم نے کمال ادب سے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی۔ کافی دیر رقص کے بعد آپ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد قوالوں نے یہ دوہڑا کہا ؎

جے اکھاں توں ڈسدا ناہیں تجھ بن ہور کِی ڈسدا

جے آکھاں توں ڈسدا ہیں پھر رُوپ ڈساواں کِسدا

جس دا ظاہر باطن ڈیکھاں تو ظاہر باطن تسدا

اس بہروپے یار کنوں دل گا من مول نہ وسدا

آخری مصرعہ پر حضرت خواجہؒ پر بہت گریہ طاری ہوا۔ اس کے بعد حضرت اقدس کے حکم سے مہاردی قوالوں نے گانا شروع کیا۔ اشعار یہ تھے ؎

میں نہیں لائق صاحباں مرزا ہے بچپال

مرزا دی شان عظیم کون جانن کی سیال

آپے چاہڑیو بیل تے کیتے قول اقرار

لگڑی توڑ نبھاوندی اے کر لاندی چال

کر بسم اللہ صاحباں پیُس سبق قرآن

صورت مرزے یار دی لیُس الف پہچان

کیتاں ادسی تھیں وحدت آن ظہور

جتھ دل نظراں بھالدی تس دل ڈسدا نور

صاحباں رات معراج دی صاندل وِچ رہی

مرزا دی لقا توں کیتُس رب سہی

نہ اے کلمہ کفر ہے نہ اے ترک ادب　　　میں مرزا دی بندی ہاں مرزا میرا رب

ان اشعار پر حضرت اقدس پر بہت گریہ طاری ہوا اور قوالوں کو بہت عطیات نصیب ہوئے اس کے بعد مولود شریف پڑھا گیا۔ مولود شریف کے بعد حافظ صاحب نے ختم شروع کیا۔ جب آیت مَاکَانَ مُحَمَّدٌ پر پہنچے تو حضرت اقدس نے انگوٹھوں کے ناخن چوم کر آنکھوں پر رکھے اور لفظ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ تک اسی حالت میں رہے۔ اس کے بعد دعائے خیر ہوئی اور حضرت اقدس حجرۂ خاص میں جاکر مشغول ہو گئے۔ عصر کی نماز حجرہ میں ادا کر کے آپ دوبارہ مجلس میں تشریف لائے۔ مخلوق بے اندازہ تھی اور سب لوگ قدم بوسی اور زیارت سے مشرف ہو رہے تھے اور حسب حیثیت نذر پیش کر رہے تھے۔ اکثر لوگ اپنے مقاصد بیان کر رہے تھے۔ ایک شخص نے وظیفہ کے لیے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ہر نماز کے بعد ایک سو بار کلمہ طیبہ پڑھا کرو۔ اس کے بعد مغرب کی آذان شروع ہوئی اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلَ اللّٰہ پر آپ نے اسی طرح انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں سے لگائے۔ آذان کے بعد حضرت اقدس نے خود اقامت پڑھی اور نماز شروع ہو گئی۔ اس کے بعد آپ روضۂ مبارک کے اندر چلے گئے۔ اور کافی دیر کے بعد باہر آکر گھر چلے گئے۔

مقبوس ۲۷: بوقت چاشت بروز جمعہ ۱۱ ذوالحجہ ۱۳۱۴ھ

محفل سماع

آج حضرت محبوب الٰہی رضؓ کے عرس کا دوسرا دن تھا۔ حضرت اقدس اور حضرت صاحبزادہ صاحب موجود تھے۔ قوالی ہو رہی تھی اور صوفی حضرات جوش و خروش میں تھے۔ حضرت قطب الموحدین پر مصرعہ ذیل :-

چھڑیاں لوکو چھڑیاں مجّہیں نین (اے لوگو مجھیاں یعنی بھینسیں چرنے کو نکل گئیں) پر گریہ طاری ہو گیا۔ لیکن حضرت اقدس پہ ساری مجلس کے دوران استغراق کا غلبہ رہا۔ جب کوئی صوفی اٹھ کر رقص کرتا تو حضرت اقدس اس کی متابعت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ جب ایک عزیز کافی دیر تک رقص و وجد میں مشغول رہا تو حضرت اقدس تھک گئے اور اپنے سامنے خادموں کی قطار بنوا کر بیٹھ گئے۔ جب وہ صوفی بیٹھ گئے تو قطار کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد ختم پڑھا گیا اور دعا

انگی گئی - دُعا کے بعد حضرت اقدس نماز جمعہ کے لیے مسجد تشریف لے گئے - نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے اور عصر کے بعد باہر تشریف لاکر مسجد میں بیٹھ گئے - اس وقت حضرت قطب الموحدین میاں حافظ محمد صاحب حاجی پوری اور میاں کرم الدین صاحب ساکن پراراں - مولوی حامد صاحب شیدانوی اور دوسرے اکابر موجود تھے - ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کا انبوہ تھا اور حضرت اقدس کی زیارت کے لیے لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے - اگرچہ خادم لوگ ہجوم کو روک رہے تھے لیکن ہر شخص موقعہ پاکر قدم بوسی کر لیتا تھا - بعض لوگ اپنا سر حضرت کے قدموں پر رکھ دیتے تھے اور حضرت اقدس کمال شفقت سے ان کی پُشت پر ہاتھ پھیرتے تھے - جو شخص مراد طلب کرتا تھا آپ اس کی حاجت براری کرتے تھے - تعویذ مانگنے والوں کو تعویذ عطا فرما رہے تھے - خیرات مانگنے والوں کو روپیہ پیسہ عطا کر رہے تھے اور وظیفہ طلب کرنے والوں کو وظائف تلقین کر رہے تھے - حتیٰ کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا - نماز باجماعت پڑھ کر چراغاں کا مشاہدہ کرنے کے لیے آپ روضۂ اقدس کے اندر تشریف لے گئے - اس کے بعد گھر تشریف لے گئے - آپ مجلس چراغاں میں شریک نہیں ہوتے - لیکن باقی لوگ مجلس میں شامل ہو کر قوالی سنتے تھے - جب حضرت اقدس سے دریافت کیا گیا کہ مجلس چراغاں میں کب سے جانا ترک ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت فخر الاولیار (شیخ خود) سے پہلے تمام حضرات اس مجلس میں شریک ہوتے تھے لیکن حضرت قبلہ فخر الاولیار نے جانا بند کر دیا تھا -

ملفوظ ۷۸ : بوقت چاشت بروز یکشنبہ ۱۲ ذوالحجہ ۱۳۱۴ھ

حضرت اقدس اور حضرت صاحبزادہ صاحب مجلس سماع میں تشریف فرما تھے - آج ختم کا دن تھا - قوالوں کی تین مذکور جوکیاں تھیں - پہلے چاچڑاں شریف کے قوالوں کو موقعہ دیا گیا - اس کے بعد مہاروی قوال اور ان کے بعد شیدانوی جوکی نے قوالی کی - اس دفعہ حاجی پور شریف کے قوال بھی آئے ہوئے تھے - ان کو بھی موقعہ دیا گیا - دوران مجلس اکثر صوفیار پر گریہ اور رقص طاری رہا - حضرت اقدس پر بھی گریہ طاری رہا - مجلس سماع کے بعد ختم پڑھا گیا اور ختم کے بعد

حضرت اقدس اندر تشریف لے گئے۔

ملفوظ ۷۹ : بوقت مغرب ۱۳ ذی الحج ۱۳۱۴ھ

جمِّ غفیر کی بیعت

آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ کثرت سے آکر قدم بوسی سے مشرف ہو رہے تھے۔ نماز کے بعد بیعت ہونے والوں نے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ تمام بیعت ہونے والے مسجد میں ایک مقام پر جمع ہو جائیں روضہ اقدس پر حاضری دے کر بیعت کروں گا۔ چنانچہ آپ روضہ اقدس کے اندر تشریف لے گئے اور زیارت کے بعد باہر آکر مجلس میں بیٹھ گئے۔ مسجد بیعت ہونے والوں سے بھر گئی تھی۔ آپ نے پشمینہ طلب فرمایا۔ اس کے بعد دیر تک مراقب رہے۔ اس کے بعد حاجی عمر خان خادم سے کہا کہ پشمینہ ساری مسجد میں گھماؤ اور تمام بیعت کرنے والے اس کو ہاتھ لگالیں۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تمام لوگ گناہوں سے توبہ کریں۔ اور سب لوگ نماز پڑھا کریں۔ اور ہر نماز کے بعد دس بار سورۂ اخلاص اور دس بار کلمہ طیبہ پڑھا کریں۔ جتنا عرصہ حاجی عمر نے مسجد میں گھوم کر پشمینے کو ہاتھ لگوائے۔ حضرت اقدس مراقب رہے۔ لوگوں کو بیعت کر کے آپ اندرونِ خانہ تشریف لے گئے۔

جلد چہارم

مقبوس ۱: بوقت مغرب پنجشنبہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ

پرہار قوم کی مغفرت کا مژدہ

بندہ راقم الحروف (مولوی رکن الدین) کی طرف متوجہ ہو کر دریافت فرمایا کہ خیر (خیریت) ہے۔ بندہ دست بستہ نیاز و شکر بجالایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کہاں سے آئے ہو۔ عرض کیا کہ غریب خانہ سے آیا ہوں۔

اس کے بعد قوم پرہار کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ پرہار کہ جہاں رکن الدین کی رہائش ہے۔ پرہار کلاں (بڑے پرہار) اور نزدیک والے دوسرے گاؤں کے لوگ پرہار خورد (چھوٹے پرہار) کہلاتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ حضرت صاحب نارووالہ (حضرت خواجہ نور محمد صاحب نارووالہ جو حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے) بھی پرہار تھے۔ اس کے بعد راقم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تو بھی پرہار ہے۔ عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے تبسم کر کے فرمایا تو بخشا گیا۔ احقر نے جھک کر سلام کیا اور آمین کہا۔ فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کا قول ہے کہ تمام قوم پرہار بخشی گئی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ حضور یہ قصہ کس طرح ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت صاحب نارووالہ رضؓ نے اپنے فرزند میاں حافظ محمد کی شادی کی تو حضور حضرت شیخ المشارق والمغارب قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے تمام خلفائے اور اصحاب اس شادی میں شریک تھے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت صاحب نارووالہ رضؓ نے چادر کمر پر باندھ لی اور کھانا اٹھا کر حضرت قبلہ عالم رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت قبلہ عالم بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے ایک شخص کے طفیل ساری پرہار قوم کو بخش دیا ہے۔ اس کے بعد راقم

نے عرض کیا کہ قبلہ اس ایک آدمی سے کون مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا حضرت صاحب ناروالہ رض۔

مقبوس ۲: بوقت مغرب بروز جمعہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ

موسم گرما کے متعلق کہاوتیں

حضرت اقدس نماز مغرب ادا کر کے وظیفہ پڑھ رہے تھے اور حاضرین مجلس سے بھی باتیں فرما رہے تھے۔ چونکہ یہ اسوج کا مہینہ ہے۔ اس ماہ کی گرمی کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ کہاوت مشہور ہے "اسول اُس گہن تا گورخر چھاں بہن"۔ جب اِس کہاوت کے لفظی معنی دریافت کیے گئے تو آپ نے فرمایا کہ اُش کے معنی ہیں گرمی اور گہن کے معنی ہیں "سخت"، یعنی ماہ اسوج کی گرمی اس قدر سخت ہوتی ہے کہ گورخر بھی سایہ تلاش کرتا ہے۔ عام طور پر گورخر اس قدر سخت جان ہوتا ہے کہ گرمی کی پرواہ نہیں کرتا۔ سوائے ماہِ اسُوج کے سارا سال دھوپ میں پھرتا ہے۔ اس کے بعد اور کہاوت بیان فرمائی وہ یہ ہے "اسول ماہ ولالا ڈیہاں دُھپ تے راتیں پالا"۔ فرمایا کہ ولالا لفظ "وَلَلا" سے بگڑا ہوا ہے جس کے معنی ہیں بے قاعدہ یا بے قانونہ۔ یعنی اسوج کا مہینہ اس قدر بے قانونہ ہے کہ دن میں سخت گرمی ہوتی ہے اور رات کے وقت سردی ہے۔ تیز رات کے وقت شبنم بھی برستی ہے یہ بھی بے قاعدہ اور خلافِ عادت بات ہے۔ اس وجہ سے کہ آفتاب کی تیزی سے شبنم نہیں ہونی چاہیئے۔ اور رات کی سردی کی وجہ سے دن کو گرمی نہیں ہونی چاہیئے۔

مقبوس ۳: بوقت عشاء بروز جمعہ ۳ جمادی الاوّل ۱۳۱۵ھ

بُت کا کلام کرنا

حضرت اقدس کو قدرے معدہ کی تکلیف تھی اس وجہ سے دروازہ بند تھا اور اندر جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ دربان دروازے پر کھڑا تھا لیکن یہ بندہ غایت شوق میں بہانہ کر کے اندر چلا گیا۔ حضرت اقدس پلنگ پر تشریف فرما تھے

اور خدام خاص ارد گرد دری پر بیٹھے تھے ۔ حضرت قطب الموحدین خواجہ محمدؐ بخش صاحب بھی پلنگ سے ٹیک لگا بیٹھے تھے ۔ اس وقت حضرت اقدس چراغ کی روشنی میں مناقب فخریہ پڑھ رہے تھے اور ترجمہ کر کے حاضرین کو سنا رہے تھے ۔ مضمون یہ تھا کہ جب حضرت مولانا فخر الدین والملت دہلوی قدس سرہٗ اورنگ آباد سے دہلی تشریف لا رہے تھے تو راستے میں ایک معبد یعنی مندر کے قریب ٹھہرے ۔ وہاں ایک نابینا ہندو عورت روزانہ بُت کے سامنے سجدہ کرتی تھی اور دُعا مانگتی تھی کہ میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں ۔ ایک دفعہ وہ حضرت مولانا قدس سرہٗ کی آمد سے ایک دن پہلے بُت کے آگے سجدہ کر کے دعا مانگ رہی تھی کہ خدا تعالےٰ کی قدرت سے بُت نے متکلم ہو کر کہا کہ کل فلاں وقت اس مندر کی سرائے میں فلاں شکل و شباہت کا آدمی نزول کرے گا ۔ جس کا نام مولانا فخر الدین ہو گا اور وہ سارے جہان کے بادشاہ اور خدا تعالےٰ کے محبوب ہیں تمہاری آنکھوں کی بینائی اُن کی دعا سے درست ہو گی ۔ دوسرے دن وہ سرائے میں گئی اور ہر شخص سے پوچھ رہی تھی کہ مولانا فخر الدین کون ہیں ۔ کسی نے کہا کہ یہ ہیں ۔ اس نے حضرت اقدس کے سامنے جا کر بینائی کی درخواست کی ۔ آپ نے پوچھا کہ میرا نام اور نشان تجھے کس نے بتایا ہے ۔ جب اس نے سارا ماجرا بیان کیا تو حضرت اقدس نے تبسم فرمایا کہ کہا کہ آنکھیں ٹھیک کرنا اولیائے مقربین کا کام ہے ۔ میں تو ایک سپاہی ہوں ۔ مجھ سے کیا ہو سکتا ہے لیکن اس عورت نے نہایت عجز و انکسار سے اصرار کیا اور آپ کا دامن نہ چھوڑا ۔ یہ دیکھ کر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر پھیرا جس سے اس کی بینائی فوراً ٹھیک ہو گئی ۔

چند مشکل اشعار کے معانی

اس کے بعد حضرت اقدس نے کتاب فخریۃ النظام اپنے ہاتھ سے کھول کر حضرت قطب الموحدین کو دی اور فرمایا کہ اس جگہ سے پڑھو ۔ چنانچہ انہوں نے پڑھنا شروع کیا اور آپ سننے لگے اور ہر مقام پر تبسم فرماتے تھے ۔ اور خوش ہوتے تھے ۔ سبحان اللہ حضرت اقدس اور صاحبزادہ صاحب کے درمیان محبتِ قلبی کا رشتہ کس قدر تھا ۔ اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک جان اور دو قالب ہیں ۔ اس کے بعد مشکل اشعار کے معنوں کا ذکر ہونے لگا ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس شعر کے کیا معنی ہیں ؎

خواہم از خدا و نخواہم از خدا   دیدن حبیب را و ندیدن رقیب را

سب حاضرین مجلس نے کوشش کی لیکن کوئی شخص شعر کے معنی نہ بتا سکا۔ آپ نے فرمایا اگر اس شعر کے معنی لف و نشر مرتب کے طریق پر بیان کیے جائیں تو یہ کہا جائے گا کہ خدا سے دوست کا دیکھنا طلب کرتا ہوں اور رقیب کا نہ دیکھنا طلب نہیں کرتا۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ رقیب کا نہ دیکھنا طلب نہ کرنا اس کو دیکھنے کی دعا مانگنا ہے۔ اگر لف و نشر غیر مرتب کے طور پر معانی کیے جائیں۔ پھر بھی معانی نہیں نکلتے کیونکہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ خدا سے رقیب کا نہ دیکھنا طلب کرتا ہوں اور خدا کا دیکھنا طلب نہیں کرتا۔ اس سے شعر کے معانی خراب تر ہوتے ہیں۔ چنانچہ سب حاضرین مجلس حیران بیٹھے تھے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور خود معانی بتائیں۔ آپ نے تبسم کر کے فرمایا کہ اس شعر کے معانی بہت آسان ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا سے دوست کے دیکھنے اور رقیب کے نہ دیکھنے کی دعا کرتا ہوں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس شعر کے معانی مشکل ہیں۔

زچشم بد رُخ خوب ترا خدا حافظ   کہ کرد جملہ نکوئی بجائے ما حافظ

جب سب حاضرین عاجز آئے تو صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ حضور سائیں آپ بیان فرمادیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ساری مشکل لفظ ما حافظ میں ہے جس کا مطلب من حافظ ہے اور حافظ تخلص ہے خواجہ شمس الدین شیرازیؒ کا جو بڑے شاعر تھے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے دوست تیرے حسین چہرے کا چشمِ بد سے خدا حافظ ہے کہ جس نے یہ سب حسن و خوبی خود پیدا کی ہے ہمارے لیے اے حافظ۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس شعر کے معانی بتاؤ :-

صلاحِ کار کجا و من خراب کجا   بہ بیں تفاوتِ راہ کجا است تا بکجا

(حافظ شیرازیؒ)

سب حاضرین نے غور و فکر کیا لیکن کسی نے کچھ نہ کہا۔ اس پر حضرت قطب الموحدین نے عرض کیا کہ حضور خود فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ مشکل لفظ "تا بکجا" میں ہے کیونکہ کجا

دونوں مصرعوں میں ردیف ہے اور پہلے مصرعہ کا قافیہ لفظ خراب "کاب" ہے لیکن دوسرے مصرعہ میں اگر "ب" کو "کجا" کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو "ب" مفتوح ہو جاتی ہے حالانکہ پہلے مصرعہ میں "ب" ساکن ہے اور یہ علم عروض کے لحاظ سے جائز نہیں - اس لیے میں (حضرت اقدس) کہتا ہوں کہ اس شعر میں لفظ "تاب کجا" ہے نہ کہ "تابکجا"[1] - تاب بمعنی طاقت - اس سے شعر کے معنی بھی صحیح ہو جاتے ہیں - (شاید حضرت خواجہ صاحب یہ معنی لیتے ہیں کہ نکوکاری کہاں اور میں بدکار کہاں - دیکھو دونوں میں یعنی نکوکاری اور مجھ میں کتنا فرق ہے لیکن اب مجھے یہ طاقت کہاں کہ نیکی کے کام کر سکوں -)

مقبوس ۴: بوقت چاشت روز یکشنبہ ۵ جمادی الاول ۱۳۱۵ھ

عرس اور محفل سماع

حضرت مولانا غلام فخر الدین صاحب وصال قدس سرہٗ کے عرس کا موقعہ تھا - بے شمار خلقت اور صوفیا، وجد و حال صفحۂ شرقی میں جمع تھے اور قوالوں کی چار چوکیاں بھی حاضر تھیں - ایک چوکی چاچڑاں شریف کے قوالوں پر مشتمل تھی - دوسری شیدانی شریف - تیسری اجمیر شریف اور چوتھی میاں برکت کی چوکی تھی (برکت علی حضرت خواجہ صاحب کے حاضر باش اور خاص قوال تھے جو فن موسیقی میں بھی ماہر تھے) ہر چوکی حضرت اقدس کے اشارہ پر نوبت بنوبت قوالی کر رہی تھی - اس اثنا میں امام بخش قوال

---

[1] عام طور پر اس شعر کے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ "نیکی کے کام کہاں اور میں بدکار کہاں - دیکھو دونوں میں کتنا فرق ہے یعنی مجھ میں اور نکوکاری میں" - اور یہ معنی لفظ تابکجا سے نکلتے ہیں - یہاں دوسرے مصرعہ میں ضرورت شاعری کے لیے مجبوراً "بائے" کو بجائے ساکن پڑھا جائے گا لیکن حضرت خواجہ صاحب نے بائے ساکن اور بائے مفتوح کا فرق نکالا یہ نہایت ہی باریک فرق ہے جسے عام طور پر شعراء نظر انداز کر دیتے ہیں - قدیم شرائح دیوان حافظ میں اس غلطی کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن یہ بھی لکھ دیا ہے کہ قدما نے اسے جائز رکھا ہے -

نے یہ دوہڑا پڑھا ؎

پلکاں نال بوھر لیساں انگن اے ڈھولا نہ و لیساں — توڑیں کوجھی کملی بے عملی جلیندیں تائیں قول پلیساں
سبھوں نام سڈا ئیم تیڈا بیا کیڑھا ہور دھر لیساں — خوشدل ہے قبول تینوں جان ٹہ جان ٹجلیساں

(اے دوست میں تیرے آنگن میں اپنی پلکوں سے جھاڑو دوں گی۔ اگرچہ میں بدصورت بے عقل اور بے عمل ہوں پھر بھی ساری عمر تیرے ساتھ وفا کروں گی۔ میں شوق سے تیرے نام کے ساتھ منسوب ہو چکی ہوں اور کس کو دوست بناؤں گی۔ پس اے دوست خوشدل کو اپنی غلامی میں قبول کرلے۔ خواہ تو میری پروا کرے یا نہ کرے میں تیرے ساتھ ضرور وفا کرونگی۔)

حضرت خواجہ صاحب کو ان اشعار پر گریہ ہوا۔

اس کے بعد میاں برکت علی نے یہ اشعار پڑھے ؎

فخر دین آپ کو کس نام سے یاد کروں — باپ ہیں مرشد ہیں خدا ہیں کیا ہیں
گٹھڑی ذات صفات کی سر سے دی اتار — تن من دھن سب گر پر واروں دار

اگر زِ ناز تو دل خستہ و حزیں دارم — بدیں خوشم کہ بتے چو تو نازنیں دارم
مرا اگرچہ در دستِ غم فروختۂ — ہنوز داغ غلامیت بر جبیں دارم

(۱) اگرچہ تیری ناز و ادا نے میرا دل چور چور کر دیا ہے پھر بھی اس بات سے خوش ہوں کہ تجھ جیسا نازنین محبوب رکھتا ہوں۔

(۲) اے محبوب اگرچہ تو نے مجھے غم میں مبتلا کر دیا ہے۔ لیکن اب بھی تیری غلامی کا داغ جبیں پر رکھتا ہوں۔

ان اشعار پر حضرت اقدس پر بہت گریہ طاری ہوا اور دوسرے صوفی وجد و رقص میں مست ہو رہے تھے۔ لوگ بے شمار نذرانے پیش کر رہے تھے اور حضرت اقدس اور حضرت صاحبزادہ صاحب لے کر قوالوں کو دے رہے تھے۔ اس کے بعد ختم شریف پڑھا گیا اور دعائے خیر کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔

مقبوس ۵ بوقت عشاء بروز جمعہ ۵ محرم ۱۳۱۶ھ

حضرت اقدس نماز باجماعت پڑھ کر تسبیح ہاتھ میں لیے وظیفہ پڑھ رہے تھے اور حاضرین حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔

حضرت سلطان الاولیاء کی سادگی

اولیاء اللہ کی سیرت اور خصائل کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور میں نے میاں موسے کی قبر کا پتہ لگایا ہے۔ بستی بھبڑان میں واقع ہے۔ آپ نے فرمایا یہ میاں موسےٰ موچی ہیں جو مردِ کامل تھے اور حضرت سلطان الاولیاء (حضرت قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ) کے مرید تھے اور آپ کا جوتا بنایا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس احقر نے عرض کیا کہ گڑھی اختیار میں بھی حضرت سلطان الاولیاء کا ایک جوتا موجود ہے۔ راقم نے اس کی زیارت کی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس طرح وہاں پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیاءؒ کے ایک مرید مولوی محمد امین کے ذریعے وہاں پہنچا جن کے بھائی مولوی عبدالرحمٰن بھی حضرت سلطان الاولیاء کے مرید تھے۔ اس کے بعد عرض کیا کہ حضور وہ جوتا نہایت سادہ ہے جو عام چمڑے کا بنا ہوا ہے آپ نے فرمایا ہاں حضرت سلطان الاولیاء کا تمام لباس اسی طرح سادہ اور بے تکلف ہوا کرتا تھا۔ آپ کے سر پر جوڑی (کھدر) کی بنی ہوئی کلاہِ قادری (قادری ٹوپی) ہوا کرتی تھی۔ آپ جوڑی سے بنا ہوا سادہ پیراہن زیب تن کرتے تھے۔ جس کا گریبان سینہ مبارک پر ہوتا تھا۔ آپ کا تہ بند بھی سیاہ جوڑی سے بنا ہوا ہوتا تھا یا تسیلہ کی شلوار پہنتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیاء کی ریش مبارک کے چند بال ہمارے پاس موجود ہیں۔ احقر نے دریافت کیا کہ آپ کا کوئی تبرک بھی موجود ہے۔ آپ نے فرمایا آپکا فرغل (روئی سے بھرا ہوا البادہ) ہمارے پاس تھا لیکن وہ خلیفہ میاں احمد یار کو دے دیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہی (حضرت خواجہ خدا بخش صاحب قدس سرہٗ) کی نعلین شریف ہمارے پاس تھیں لیکن ایک پاؤں سائیں ولایت شاہ صاحبؒ لے گئے ہیں اور ایک باقی ہے

نیز حضرت محبوب الٰہی کے دو کرتے بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔

حضرت ولایت علی شاہ صاحبؒ

اس کے بعد حضرت ولایت علی شاہ صاحب ساکن پنڈ سوڈھی والا علاقہ فیروزپور کے فقر و کمالات کا ذکر ہونے لگا جو حضرت سلطان الاولیاء کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میاں غلام محمد قصوری کہتے ہیں کہ جب میاں ولایت علی شاہ صاحب کی وفات قریب آئی۔ میں موجود تھا اور عرض کیا کہ حضور میری (میاں غلام محمد کی) ساری عمر اسی آرزو میں گزری ہے کہ آپ کا مرید ہو جاؤں اور آپ حضور ہمیشہ ٹالتے رہے۔ اب وقت ہے مجھے مرید بنا لیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تیرے مقدر میں چاچڑاں میں مرید ہونا لکھا جا چکا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور سنا ہے چاچڑاں شریف میں حاجب اور دربان مقرر ہیں جو معروف آدمیوں کو اندر جانے دیتے ہیں باقیوں کو دور بھگا دیتے ہیں۔ میں ایک غریب اور اجنبی آدمی ہوں مجھے کس طرح باریابی ہو گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں ایک فقیر اور بے کس آدمی ہوں۔ میرے پاس زادِ راہ نہیں ہے اتنی دور کیسے جا سکتا ہوں۔ میاں ولایت شاہ صاحب نے فرمایا۔ فکر نہ کرو یہیں قصور میں اتفاق ہو گا اور تمہارا کام بن جائے گا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا۔ پس یہی ہوا کیونکہ جب میں حضرت خواجۂ خواجگان معین الدین اجمیری قدس سرہٗ کی زیارت کے لیے جا رہا تھا۔ اتفاقاً میرا گذر قصور سے ہوا۔ میاں غلام محمد آیا اور مجھے اپنے گھر لے گیا اور اسی جگہ اُسے داخلِ سلسلہ کیا۔

مقبوس ۶: بوقت عصر بروز جمعہ ۵ محرم ۱۳۱۶ھ

میاں لعل دین کشمیری

حضرت اقدس تلاوت قرآن شریف سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ دربان نے آکر عرض کیا کہ حضور ایک مولوی صاحب ریاست جموں سے آئے ہیں۔ باہر قلعہ کے دروازے پر بیٹھے ہیں اور حاضر ہونے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا آنے دو۔ انہوں نے آکر قدم بوسی حاصل کی اور بیٹھ گئے۔ آپ نے خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد ان سے ریاست کا حال دریافت فرمایا۔ جس قدر

وہ جانتے تھے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ریاست کشمیر کے امرا میں سے میاں لال دینؒ بہت نیک اور دیندار آدمی تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا بے شک وہ بڑے نیک آدمی تھے۔ خدا مغفرت کرے۔ احقر نے عرض کیا کہ حضور وہی میاں لعل دین جو یہاں آئے اور بہت ہی راسخ الاعتقاد تھے۔ وہی فوت ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں وہی جو پار سال یہاں آ کر بیمار ہو گئے تھے اور بیماری کی حالت میں رخصت ہو کر جب لاہور پہنچے تو فوت ہو گئے اور اسی جگہ دفن ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میاں لعل دین شیخ کبیر کے مرید تھے اور وہ شیخ احمد کشمیری تاربلوی کے مرید تھے اور وہ سلسلہ کبیرویہ میں مرید تھے۔ نیز فرمایا کہ شیخ احمد اپنے چچا شیخ اکبر ہادی کے مرید تھے۔ وہ بھی کبیرویہ اور قادری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

مقبوس: بوقت چاشت بروز شنبہ ۶ محرم ۱۳۱۶ھ

تقریب عرس سماع

حضرت میاں فضل حق دھاروی منگھیروی، میاں نبی بخش ساکن مھرلوالہ اور میاں غلام محمد قصوری اور یہ بندہ اکٹھے بیٹھے وظائف لکھ رہے تھے کہ خادم نے آ کر بتایا کہ حضرت اقدس ان چار آدمیوں کو طلب فرما رہے ہیں کہ جلدی آئیں کیونکہ آج حضرت شیخ الشیوخ العالم خواجہ گنجشکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عرس کی مجلس شریف ہے۔ ہم نے وضو کیا اور جا کر مجلس خانہ میں بیٹھ گئے۔ قوالوں نے نعت خوانی شروع کی۔ نعت یہ تھی ؎

اے مہ خوش لقا سلام علیک   آفتاب ھدیٰ سلام علیک

اس پر حضرت اقدس اور دیگر حاضرین پر گریہ طاری ہوا۔ اس کے بعد قوالوں نے یہ دوہڑہ شروع کیا ؎

بھلیاں بھاہ بھلیری سجنو اساں بریاں دی آس تساہاں

توں ہیں مالک بریاں بھلیاں دا توں بن کون اساہاں

قسم تیڈی دل چاہے تینوں توں بھی چاہ کڈاہاں
خوشدل ہو سنگ بھلیاندی گھت سچا سانگ اساہاں

(اچھے آقا اچھی لاج رکھتے ہیں - ہم بُروں کو آپ جیسے اچھوں کی آس امید ہے -
اے میرے آقا تو مالک ہے بُروں اور بھلوں (نیکوں) کا تیرے سوا ہمارا کون ہے)
(مجھے تمہاری قسم ہے کہ دل تجھے چاہتا ہے تو بھی تو کبھی ہم کو چاہ -
اے خوشدل بھلے لوگوں کی صحبت اختیار کر جنہوں نے ہمیں سچا سانگ (روپ) دلایا)

اس پر حضرت خواجہ صاحب پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا - آپکی آہ وزاری ساری مجلس میں سنائی دے رہی تھی - دوسرے اہلِ سلوک بھی عالم گریہ میں مدہوش تھے - اس کے بعد قوالوں نے یہ دوہڑہ پڑھا ؎

نازتیڈا تے نیاز میڈی ہُن زائد شرح بیانوں
عشق تیڈے وچ دِلڑی ہوئی فارغ سود زیانوں
دستوں ساقی بھر کر پیتم مَے ساغر عرفانوں،
سیّد فرید لاہا تھیا فیض وڈا سبحانوں

(اے محبوب تیرا ناز اور میری نیاز دونوں حد سے زیادہ ہیں - اور تیرے عشق میں میرا دل سود و زیان سے فارغ ہو چکا ہے - یعنی نہ نفع سے خوش ہے نہ نقصان سے غمگین - ساقی نے شراب معرفت کے پیالے بھر بھر کر پلائے - سیّد (شاعر) کو پیر فرید مل گیا - اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے)

اس سے حضرت خواجہ صاحبؒ پر پہلے سے بھی زیادہ گریہ طاری ہوا اور مجلس بھی ذوق وشوق سے لبریز تھی - حضرت اقدس مٹھیاں بھر بھر کر روپے قوالوں کو عطا کر رہے تھے - آخر ختم پڑھا گیا اور جب قاری صاحب ان الفاظ پر پہنچے مَاکَانَ محمد ابا احد تو آپ نے اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے - دعا مانگی گئی اور دُعا کے بعد پتاشے تقسیم کیے گئے - اس کے بعد مٹھائی کے چند ٹوکرے جن کی قیمت پندرہ روپے تھی - حضرت اقدس کے سامنے لائے گئے - فاتحہ پڑھی گئی - ایصال ثواب بروح پاک حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہ کیا گیا

اور مجلس برخاست ہوئی۔

حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہٗ کا ختم پاک ۵ محرّم کو ہونا تھا لیکن علالت کی وجہ سے حضرت اقدس تاریخ مذکور کو عرس نہ کر سکے۔ جس وقت مٹھائی تقسیم ہو رہی تھی۔ ایک قوال آیا اور اس نے طاؤس بجانا شروع کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ تمہارے ساز پر یہ جو طاؤس (مور) کی شکل بنی ہوئی ہے پہلے اسے دُور کرو اور پھر اپنا کام کرو۔ اس نے مور کی شکل کو دور کر کے ساز بجانا شروع کیا۔ جاننا چاہیئے کہ آدابِ مجلس میں حضرت اقدس ذراسی غیر شرع بات کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔ مشائخ عظامؒ نے جو آداب سماع مقرر فرمائے ہیں آپ ان سے سرِ مو تجاوز نہ کرتے تھے۔

مقبوس ۸: بروز یکشنبہ ۷ محرّم ۱۳۱۶ھ

حضرت اقدس وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ اور حاضرینِ مجلس آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اس اثنا میں ایک ہندو لڑکے نے حاضر ہو کر حضرت اقدس کے سامنے سر زمین پر رکھ دیا۔ آپ نے اُسے کچھ نہ کہا۔ اس کے بعد دعا مانگی اور عشار کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ اور دو رکعت سنت بھی امام کے پیچھے پڑھیں۔

مقبوس ۹: بوقت عشا بروز یکشنبہ ۹ محرّم ۱۳۱۶ھ

تعویذ تسہیل ولادت

میاں نبی بخش صاحب ساکن مھر والہ نے عرض کیا کہ حضور تسہیل ولادت (چھٹکارا) کے لیے تعویذ عنایت فرمادیں آپ نے یہ تعویذ لکھ کر دیا ہے

(۷۸۶ یا خشنبود)

وظیفۂ رزق

اس کے بعد کسی اور شخص نے فراوانیٔ روزگار کے لیے تعویذ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھتے ہو۔ اس نے کہا جی ہاں۔ اس کے بعد

پوچھا کہ اگر وظیفہ لکھ کر دیا جائے تو پڑھ لو گے۔ اس نے عرض کیا جی ہاں پڑھ لوں گا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے ایک وظیفہ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ فجر کی نماز کے بعد کسی سے کلام نہ کرنا اور یہ وظیفہ ایک سو بار پڑھ کر اپنے مطلب کے لیے دعا مانگنا۔ وظیفہ یہ تھا ـــ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہِ العلی العظیم یَا حَیُّ یا قدیمُ

یَا قائم یَا فردُ یَا وِترُ یَا اَحَدُ یَا مُحَمَّدُ

مقبوس ۱: بوقت عشاء بروز چہار شنبہ ا محرّم ۱۳۱۶ھ

شبِ عاشورہ کے نوافل

حضرت اقدس نے نماز عشاء جماعت کے ساتھ ادا کی اور تھوڑی دیر وظیفہ پڑھ کر دعا مانگی۔ اس کے بعد راقم نے عرض کیا۔ حضور اگر شب عاشورہ میں کوئی نوافل پڑھنے ہوں تو فرما دیں تاکہ ہم پڑھیں۔ آپ نے فرمایا اس رات چار رکعت نماز نفل پڑھی جاتی ہے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد پچاس بار سورۂ اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ سلام کے بعد کلمہ تمجید ستر بار پڑھ کر بخشش کی دعا مانگے تو پچاس سال گذشتہ اور پچاس سال آیندہ کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر نماز پڑھنے والے کے گناہ کم ہوں گے تو اس کے ماں باپ کے گناہ بخشے جائیں گے۔ اس کے بعد آپ سرنگوں ہو کر بیٹھ گئے اور تمام لوگ خاموش بیٹھے رہے۔

کتاب مراۃ العارفین

کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کتاب مراۃ العارفین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تصنیف ہے اور اس کتاب میں مراتب تنزّلات وظہور حق سبحانہٗ ہیں۔ آپ نے اس کتاب میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جو کچھ میں نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے سُنا ہے۔ اور سیکھا ہے لکھ دیا ہے ۔[1]

---

[1] تنزّلات ۔ علم روحانیت کی اصطلاح میں تنزّلات سے مراد مراتب وجود ہیں۔ تخلیق کائنات سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگر یہی بات ہے تو پھر علماء کی بحث کیوں ہے ۔ اس اثناء میں میاں فضل حق منگھیروی نے دست بستہ عرض کیا ۔ حضور یہ کتاب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی تصنیف نہیں ہے ۔ اس وجہ سے کہ اس زمانے میں تدوین کتب نہ تھی ۔ یہ سُن کر حضرت اقدس خوش ہوئے اور فرمایا ہاں تدوین کتب کا زمانہ امام صاحب موصوف

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

قبل ذات کان اللہ ولم یکن معہ شیئاً نے جو کنز مخفی کے پردہ میں پوشیدہ تھی جس ترتیب سے ظہور فرمایا اسے تنزّلات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ قارئین کرام کی سہولت کے لیے یہاں کتاب سرِّ دلبران مصنفہ مولائی و مرشدی حضرت مولانا سیّد محمدؐ ذوقی شاہ قدس سرہٗ جو سلوک الی اللہ میں انسائیکلوپیڈیا یعنی لغت ہے اور جس میں تمام منازل و مقامات سلوک ابجد کی ترتیب سے شرح و بسط کے ساتھ سمجھائے گئے ہیں ۔ اس کتاب سے مضمون تنزّلات پر مندرجہ ذیل اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

تنزّلات ۔ وجود نے مرتبہٗ وراء الوراء سے جن سیڑھیوں پر سے علی الترتیب نزول فرما کر باغ و بہارِ کائنات کی گلشن آرائی فرمائی انہیں تنزّلات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ یہ ایک اصطلاح ہے جو اپنے استعمال میں لغوی معنوں سے ہٹی ہوئی ہے ۔ لغت کے اعتبار سے اوپر کی منزل کو چھوڑ کر نیچے کی منزل پر آجانے کا نام تنزّل ہے ۔ مثلاً ایک ڈپٹی کمشنر کا تنزل تحصیلداری میں ہوگیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب وہ ڈپٹی کمشنر نہیں رہا بلکہ تحصیلدار ہوگیا ہے ۔ پہلی جگہ سے ہٹ کر اب وہ نیچی جگہ پر آگیا ہے ۔ اوپر کی جگہ اس سے خالی اور نیچے کی جگہ اس سے پُر ہے ۔ مگر یہاں تصوّف میں تنزّلات کے یہ معنی نہیں ۔ وجود (یعنی وجود حق) جیسا تھا ویسا ہی ہے ۔ اس میں کسی قسم کا تغیّر نہیں ہوا ۔ اَلْآنَ کَمَا کَانَ (وہ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلے تھا) یہ جملہ تغیّرات شہودی اور اعتباری ہیں یا وہ علمی ہوں یا عینی ہیں ۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ جملہ تنزّلات شہود میں واقع ہوئے نہ کہ وجود میں ۔ تو اس جملے سے یہی مراد ہوتی ہے کہ تنزّلات اعتباری ہیں نہ کہ حقیقی ۔ . . . . "

ترتیب موجودات ۔ جن منزلوں یا جن سیڑھیوں پر سے وجود نے نزول فرمایا انہیں حسب موقعہ کبھی تنزّلات ۔ کبھی تعیّنات ۔ کبھی تجلیات ۔ کبھی تقیّدات اور کبھی اعتبارات کہتے ہیں ۔ ذاتِ لاتعیّن نے پہلا ظہور حقیقت محمدیہؐ میں فرمایا ۔ بالفاظ دیگر ذات بحت کی پہلی تجلّی حقیقت محمدیہ ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

کے بعد کا زمانہ ہے چنانچہ شیخ ابوسعید خرازؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے آپ اشارات کو عبارات میں لائے اور فنا و بقا میں کلام فرمایا۔ نیز فرمایا کہ تمام علم تصوف و توحید کے مُدوّن حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ ہیں۔

ملفوظ ۱۱ بوقت چاشت بروز چہار شنبہ ۱۱ محرّم ۱۳۱۶ھ

عاشورہ میں نئی پوشاک پہننا

ایک آدمی نئی پوشاک پہن کر آیا اور آداب بجا لا کر بیٹھ گیا آپ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ مولوی لوگوں نے نئے کپڑے پہن لیے ہیں۔ آج میرے لیے بھی نئی پوشاک لائی گئی لیکن میں نے پہننے سے انکار کیا اور اُسی پہلی پوشاک پر اکتفا کیا۔ اس پر راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضور کیا ان ایام میں نئی یا دُھلی ہوئی پوشاک ممنوع ہے۔ آپ نے فرمایا اگرچہ یہ دن زمانۂ قدیم سے متبرک ہے اور نئی پوشاک پہننا جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ نہ پہنے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ عبدالحق دہلویؒ کے پوتے مولوی اکرام الدین تے جو بڑے محدّث ہیں۔ حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام سعادۃ الکونین فی فضائل الحسنین ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے بہت سی صحیح احادیث نقل کی ہیں اور تحقیق بلیغ سے کام لیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ عاشورہ کے دن نئی پوشاک نہ پہنے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کتاب کے مصنف امامین شہیدین اور اہلِ بیت کے بڑے محب ہیں اور اس کتاب میں ایک نہایت ہی صحیح حدیث اور روایت کی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے اہلِ بیت اور میری آل سے

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

جسے تنزلِ اول بھی کہتے ہیں۔ تعینِ اول، برزخ البرازخ۔ علم مطلق۔ قابلیت اولیٰ۔ احدیّت الجمع وجودِ مطلق۔ وجودِ اضافی۔ احدیت الکثرت بھی اسی کے نام ہیں۔" تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سِرِّ دلبراں مصنفہ حضرت مولانا سیّد محمد ذوقی قدس سرہٗ

محبت رکھتا ہے اگرچہ اس کے گناہ سارے جہان کے برابر ہوں اس کی شفاعت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر واجب ہے قیامت کے دن۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ سعادت الکونین کے مصنف اہل بیت اور آلِ رسولؐ کے مُحب ہیں۔ انہوں نے شیعوں اور رافضیوں کے دوسرے عقائد کو باطل قرار دے کر اُن کی تردید کی ہے اس پر احقر راقم نے عرض کیا کہ حضور شیخ عبدالحق دہلویؒ بھی تو اہلِ بیت اور آلِ رسُول کے محب ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ بھی محب ہیں لیکن اہلِ شیعہ کے عقائد باطل کی انہوں نے بھی تردید کی ہے۔ اس کے بعد میاں نبی بخش ساکن مہرلوالہ نے عرض کیا کہ حضور جب اہل سنت و جماعت اور رافضی لوگ دونوں اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں تو پھر ان دونوں فرقوں میں فرق کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ شیعہ لوگ تازیہ نکالنے اور اس جیسے دیگر امور کی وجہ سے گنہگار ہو سکتے ہیں۔

اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا کفر ہے

آپ نے فرمایا رافضی لوگ جن حضرات سے محبت رکھتے ہیں ان جیسے دوسرے حضرات کو بُرا کہتے ہیں اور گالی دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار کو سب کہنا (گالی دینا) کفر ہے نہ کہ گناہ۔ چنانچہ گناہ اور کفر کے درمیان جو فرق ہے سب جانتے ہیں۔

اس کے بعد اس موضوع پر گفتگو ہونے لگی کہ شیعوں کے دو لباس ہوتے ہیں۔ ایک نماز کے لیے دوسرا دن کے لیے۔ راقم نے عرض کیا کہ سفرِ حجاز کے دوران جہاز میں ایک شیعہ سفر کر رہا تھا وہ نماز کے وقت ایک پوشاک اتار کر دوسری پوشاک پہن لیتا تھا۔ اس کے پاس مٹی کی ایک چھوٹی سی اینٹ بھی تھی جسے نکال کر نماز میں اپنے سامنے رکھ لیتا تھا اور اسی پر سجدہ کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ زمین پر سجدہ کرنا افضل ہے۔ اس کے بعد اس چیز پر جو زمین سے قریب تر ہے یعنی گھاس پر سجدہ کرنا افضل ہے۔ اس پر کسی نے عرض کیا کہ بوریا بھی زمین سے قریب تر ہے۔ فرمایا بوریا سے گھاس قریب تر ہے۔ اس وجہ سے کہ اگر گھاس پر نجاست گر جائے تو دھوپ سے پاک ہو جاتی ہے۔ لیکن بوریا پلید ہو جائے تو دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتا

نیز فرمایا کہ حضرت امام حسن رضؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز ساری عمر زمین پر سجدے کرتے رہے۔

عاشورہ کے نوافل اور دعائیں

اس کے بعد حضرت اقدس نے اُٹھ کر وضو کیا۔ اٹھارہ رکعت نماز نفل جماعت کے ساتھ ادا کی۔ جب صفیں سیدھی ہو جاتی تھیں اور امام صاحب مصلّے پر چلے جاتے تھے تو حضور باآواز بلند فرماتے تھے کہ دو رکعت للہ۔ اس وقت امام تکبیر تحریمہ کہتے تھے اور سب لوگ دو رکعت کی نیت کر کے اقتدا کرتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت اقدس نے یہ دعا باآواز بلند پڑھی۔ آپ نے ہر کلمہ صاف صاف پڑھا اور حاضرین سے کہا کہ جو میں کہوں اچھی طرح سنتے جاؤ۔ اور میرے پیچھے دُہراتے جاؤ۔ چنانچہ سب نے یہی کیا۔ دعا یہ تھی۔

بِسْمِ اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یا اوّلَ الاوّلین و یا آخرَ الآخرین لا الٰہ الا انتَ خَلَقْتَ اوّل ما خلقْتَ فی ھٰذا الیومِ و تخلُقُ آخِرَ ما تَخْلُقُ فی ھٰذا الیوم اَعْطِنِیْ خَیرَ مَا اَعْطَیْتَ فیہِ اَنبیاءَکَ وَ اَصْفِیاءَکَ مِنْ ثوابِ البلد یا وَسْھُمْ لِیْ مَا اَعْطَیْتَھُمْ فیہِ مِنَ الکرامَۃِ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ علیہ الصلوٰۃ والسلام ط

اس کے بعد اُٹھ کر دیگر چار رکعت نماز نفل با جماعت ادا کی اور سلام کے بعد یہ دُعا پہلی دُعا کی طرح پڑھی گئی۔

اَللّٰھُمَّ اکْسِرْ شَھْوَتِیْ مِنْ کُلِّ مُحَرَّمٍ وَ ازْجُرْ حِرْمِیْ عَنْ کُلِّ مَاثِمٍ و اَمْنَعْنِیْ مِنْ اَذیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الراحمین ط

اس کے بعد حضرت اقدس نے اٹھ کر فرمایا دو رکعت لِلّٰہِ اور یہ دو رکعت باجماعت ادا کی۔ اس طرح دو رکعت نماز دوسری بار ادا کی اور وہی دُعا مانگی۔ اس کے بعد اُٹھے اور فرمایا دو رکعت بارواح امام حسین شہید رضؓ۔ یہ دو رکعت ختم کرنے کے بعد دو رکعت بارواح سادات و شہدائے کربلا۔ دو رکعت بارواح پنجتن پاک رضؓ۔ دو رکعت بارواح جملہ مسلمانان و مسلمات

از آدم تا ایں دم ادا کیں - اس کے بعد بیٹھ کر یہ دُعا صاف صاف پڑھی اور جماعت سے کہا کہ تم بھی دہراؤ - دُعا یہ ہے -

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ دَعَاكَ فَاجْتَبٰهُ وَ اٰمَنَ بِكَ فَهَدَيْتَهٗ وَرَغِبَ اِلَيْكَ فَاَعْطَيْتَهٗ وَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ فَكَفَيْتَهٗ وَ اَقْتَرَبَ مِنْكَ فَاَدْنَيْتَهٗ اللّٰهم اَمْدِدْ بِعَيْشِىْ فِى الخَيرات مَدًّا وَاجْعَلْ لِى فِى قُلُوبِ المُؤْمِنِيْنَ وَدًّا اللّٰهم انى اسئلك الايمان بك والفضل من الرزق واسئلك العافية مِنَ الْبَلَايَا وَاَسْئَلُكَ حُسْنَ العافية فى الدنيا والاٰخرة يا ذُو الجَلالِ والاكرام ط

اس دُعا کے بعد یہ دعا مانگی -

اَعُوْذُ بِرَبِّ الفلق من شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ شَيطَانٍ مَارِدٍ وعَدُوٍّ حاسِدٍ وبَغٍ قاهِرٍ وَّ سُلْطَانٍ جَابِرٍ اللهم اِنِّىْ اَعُوذُ بِكَ من مَقَاسَاتِ القلوب ومعادات النفوسِ وَحِدَّةِ السَّقْمِ وَشِدَّةِ الالَمِ وَمَوْتِ الاحباب وَفَقْدِ المحارب وكَرِّ النَّوائبِ وَسُوْءِ العَوَاقِبِ وَ صروف الزمن وَصنوتِ المحن وكفابك كافياً لِمَنْ استلفاك وهادياً لِمَنْ اِستَهْداك ودافياً لِمَنْ اشتوفاك ومُجِيراً لِمَنْ التجا اِلَيكَ ومُعِيناً لِمَنْ تَوَكَّل عَلَيكَ - اَللّٰهُمَّ زَهِّدْ لِى فِى الدنيا وَرَغِبْنِى فِى الحُسْنىٰ وَ اَفْرِغ عَلَىَّ الصَّبْرَ وَحَبِّبْ اِلَىَّ الاَجْرَ وَجَنِّبْنِى مِن طاعةِ الهوىٰ وَبَلِّغْنِى غايت المنىٰ واجْعَلْنِى مِمَّنْ يَرْضىٰ لِقَضَائِكَ وَيَسْتَنْعِدُ بلقائك وَنَستَعِيذُ ببلائكَ وَيَبْتَغِى رِضَائكَ وَيَستَغْنِى بِكَ عَمَّن سِوَاكَ

وَلَا یُکَفِّرُ خَیْرَکَ وَلَا یَامَلُ غَیْرَکَ مِنْ رِزْقِکَ فَقَدْ ضَلَّ مَنْ یَصْرِفُ عَنْکَ آمَلَہٗ وَیَجْعَلُ لِغَیْرِکَ عَمَلَہٗ فَیُوقِنُ لِمَا انْشَاْتَہٗ مِنْ خَلْقِکَ لَا یَشْکُ فِیْمَا مَنَنْتَہٗ مِنْ رِزْقِکَ اللّٰھُمَّ نَزِّھْنِیْ مِنَ الْعِبَادَۃِ الْعِبَادِ اَغْنِنِیْ مِنْ عِمَارَۃِ الْبِلَادِ وَاَغْنِنِیْ عَلٰی عِمَارَۃِ الْمَعَادِ وَاجْعَلْ عِبَادَتِیْ لَکَ وَخَشْیَتِیْ مِنْکَ وَاَمَلِیْ اِلَیْکَ وَثِقَتِیْ بِکَ یَا اِلٰہَ الْعَالَمِیْنَ وَیَا خَیْرَ النَّاصِرِیْنَ یَا مَنْ یَدَاکَ مَبْسُوْطَتَانِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَاءُ اُبْسُطْ عَلَیْنَا بِفَضْلِکَ الْوَاسِعِ یَا مَنْ لَیْسَ بِغِنَائِکَ غَایَتُہٗ اِرْحَمْ مَنْ لَیْسَ بِفَقْرِہٖ نِہَایَۃٍ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ ط

اس کے بعد یہ دُعا باآواز بلند پڑھی اور تمام غلامان نے بھی اسی طرح پڑھی :۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ مَلَاءُ الْمِیْزَانِ وَمُنْتَہَی الْعِلْمِ وَمَبْلَغُ الرِّضَا، وَزِیْنَۃُ الْعَرْشِ لَا مَلْجَا وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ الشَّفْعِ وَالْوِتْرِ وَعَدَدَ کَلِمَاتِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا اَسْئَلُہُ السَّلَامَۃَ بِرَحْمَتِہٖ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ۔ وَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ وصلی اللہ تعالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ اَصْحَابِہٖ اجمعین۔ ط

اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا مانگتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ دُعا کے خیر سبحان اللہ ملاء المیزان ۔ پہلی محرم کو بارہ بار پڑھ کر پانی پر دَم کیا جاتا ہے اور وہ پانی پیا جاتا ہے چنانچہ میں نے بھی پیا تھا۔ مگر اب اس دعا کو بارہ بار پڑھ کر پانی

پر دم کیا جائے اور تمام حاضرین کو ایک ایک گھونٹ پلایا جائے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔

عام بخشش

اس کے بعد حاضرین میں سے ہر ایک نے اُٹھ کر اپنا سر حضرت اقدس کے قدموں پر رکھا اور اپنے قصور معاف کرائے۔ حضرت اقدس نے تبسّم کرتے ہوئے فرمایا خوش رہو خوش رہو (خوشنود باشید خوشنود باشید)۔ میں نے بھی اپنے حقوق تم کو بخشے۔ خوش رہو خوش رہو۔ اگرچہ ہر شخص قدم بوسی کر کے بیٹھ گیا تھا لیکن حضرت اقدس دیر تک خوشنود باشید (خوش رہو۔ خوش رہو) کے الفاظ دہراتے رہے۔ خدا معلوم آپ کا یہ فرمانا کیا معنی رکھتا تھا۔ شاید عالم غیب سے کوئی موکل عفو تقصیرات کے لیے آیا ہوگا۔

اس کے بعد میاں نبی بخش ساکن مہر لوالہ نے جو حضرت مولانا فخر جہاں کے مرید ہیں اور تربیت سلوک حضرت اقدس سے حاصل کر رہے ہیں۔ عرض کیا کہ حضور یہ چار رکعت نماز جو خوشنودی خصمان کے لیے ادا کی گئی ہیں۔ خصمان سے مراد آدمی ہیں یا نفس و شیطان ہیں کیونکہ یہ بھی انسان کے دشمن ہیں۔ آپ نے ایک دلربا تبسّم کے ساتھ فرمایا کہ آدمی ہیں اس وجہ سے کہ ہم نے نفس اور شیطان کو راضی کر لیا ہے اور ان کے تابع فرمان ہو گئے ہیں (یہ اقرار گناہ از راہِ انکسار ہے ورنہ نفس و شیطان پر تو آپ غالب آچکے تھے۔ یہ کلمات عوام الناس کی حالتِ زار پر بھی دلالت کرسکتے ہیں)

اس اثنا میں ایک طبیب نے حاضر ہو کر دو بوتل شربت فالسہ پیش کیں۔ حضرت اقدس نے خوش ہو کر فرمایا واہ واہ شربت میں پانی ملا کر سب کو پلاؤ اور اس کا ثواب بارواح پاک حضرت امامین ھاجلین رضی اللہ تعالےٰ عنھم ایصال کیا جائے۔

مثنوی گلشن راز

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضور گلشن راز[1] بھی عجیب کتاب ہے میں نے کل یہ کتاب دیکھی۔ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ آپ

---

[1] گلشن راز۔ مثنوی گلشن راز عارف باللہ حضرت شیخ محمود شبستری قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔ آپ نے اس منظوم کلام میں تنزلات اور توحید کے اسرار و رموز شرح و بسط اور دلفریب انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد وحدت و کثرت۔ غیوب و شہود۔ عینیت اور غیریت کے مسائل اچھی طرح سمجھ میں آجاتے ہیں۔ گلشن راز کے یہ اشعار بہت مشہور ہیں ؎

نے فرمایا ہاں بہت اچھی کتاب ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کتاب سے یہ اشعار پڑھے سے

محقق را کہ وحدت در شہود است　　نخستیں نظر بر نورِ وجود است
وے کز معرفت نور و صفا دید　　بہر چیزیکہ دید اوّل خدا دید

(محقق یعنی عارف باللہ جو نورِ وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے اس کی پہلی نظر نورِ وجودِ حق پر پڑتی ہے جس نے معرفت نور اور صفائے قلب حاصل کر لیا۔ جس چیز کو دیکھتا ہے پہلے خدا کو دیکھتا ہے)

مقبوس ۱۲ : بوقت ظہر بروز جمعہ ۱۲ محرّم ۱۳۱۶ھ

نماز ظہر سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ میاں غلام قادر دربان نوابصاحب صادق محمد خاں عباسی (والیٔ ریاست بہاول پور) نے آکر پانی کا ایک کنستر آپ کے سامنے رکھا۔ آپ نے دُعا پڑھ کر پانی پر دم کیا اور دربان مذکور کو پانی واپس دے دیا۔ اس کے بعد آپ تلاوت قرآن شریف اور وظائف میں مصروف رہے حتےٰ کہ نمازِ عصر کا وقت آگیا۔ عصر پڑھ کر آپ اپنے مسکن پر تشریف لے گئے۔

مقبوس ۱۳ : بوقت ظہر بروز یکشنبہ ۱۴ محرّم ۱۳۱۶ھ

جوازِ سماع

سماع کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ سیّد تراب علی محی شاہی نے نماز مغرب کی امامت کی۔ دوسرے بیشمار مقتدیوں کے علاوہ جماعت میں اُن کے والد ماجدؒ بھی تھے جو آپ کے پیر تھے۔ سورہ فاتحہ ختم کرنے کے بعد کوئی

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

عاشق و عشق و بت و بتگر و عیار یکیست　　کعبہ و دیر و مساجد ہمہ جا یار یکیست
گر در آئی چمن وحدت دیگر نگی بین　　کہ دراں عاشق و معشوق و گل و خار یکیست

اور سورۃ پڑھنے کے بجائے انہوں نے ذوق و شوق کے عالم میں یہ ٹھمری باآواز بلند ترنم کے ساتھ شروع کر دی ہے

نیکی لگت، موہے اپنے سیاں کی آنکھ رسیلی لاج بھری رے

یہ ٹھمری بڑے ذوق و شوق سے دیر تک گاتے رہے حتیٰ کہ عشار کا وقت آگیا (یاد رہے کہ مغرب کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد عشار کا وقت ہوتا ہے) لیکن اُن کے پیر اُسی طرح جماعت کے ساتھ کھڑے ٹھمری سنتے رہے اور نماز فاسد نہ کی۔ آخر جب سید تراب علی کو ہوش آیا تو قرآن مجید کی قرأت تمام کر کے نماز ختم کی اور سلام کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ دل میں ڈر رہے تھے کہ والد صاحب بہت خفا ہوں گے۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ تراب علی تم نے حقیقی نماز آج ایک بار پڑھی ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولوی غلام محی الدین نقشبندی مجددی ساکن قصور نے جو عالم متبحر تھے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کے ساتھ سماع اور سرود کے بارے میں بحث کریں۔ چنانچہ وہ گھر سے روانہ ہو کر تونسہ شریف پہنچے۔ وہاں اُن کو معلوم ہوا کہ حضرت اقدس مہاران تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ اور آپ کا دستور تھا کہ حضرت شیخ کے آستانہ پر اربعین[۱] (چلہ) کرتے تھے۔ جب آپ تونسہ شریف واپس آئے تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں مولوی صاحب سماع پر بحث کرنے کے لیے آئے تھے۔ آپ نے فرمایا اگرچہ میں عالم نہیں ہوں لیکن اگر میں یہاں موجود ہوتا تو ایک دفعہ اس کی گردن میں ڈھولک ضرور ڈال دیتا۔ (یعنی مولوی صاحب قائل ہو کر ڈھولک گلے میں ڈال لیتے)

فتوائے کفر

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب مولوی خدا بخش خیر پوریؒ نے علم توحید میں رسالہ توفیقیہ لکھا۔ تو اس کی بڑی شہرت ہوئی اور علمار کی نظروں سے بھی گذرا۔ چنانچہ مولوی غلام محی الدین مذکور اور دیگر علمار نے متفق ہو کر کفر کا فتوائے لکھا اور یہ فتوائے خلیفہ غلام اللہ صاحب ساکن لاہور جو بڑے جیّد عالم تھے کے پاس لے گئے تاکہ ان کی مہر بھی فتوائے پر ثبت کرائیں۔ لیکن مولوی غلام اللہ صاحب نے فرمایا کہ کفر لگانا آسان کام نہیں ہے کہ میں بادی النظر میں ان پر فتوائے صادر کر دوں۔ پہلے ان کا رسالہ مجھے دے دو۔ رات کو اس کا مطالعہ کروں گا اور صبح جو کچھ کہنا ہو گا کہوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ساری رات رسالہ کا

مطالعہ کیا اور صبح کو علمار کرام کو یہ جواب دیا کہ اگر میں ایسے شخص کے حق میں کفر کا فتوٰے دوں تو مسلمان کہاں سے لاؤں۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ مولوی غلام اللہ صاحب صرف عالم تھے یا فقیر بھی تھے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ صاحب طریقت تھے لیکن بہت بڑے عالم تھے۔ مولوی غلام محی الدین قصوری عالم بھی تھے اور صاحب طریقت بھی تھے۔ اور اُن کے مریدین بہت تھے۔ مولوی غلام دستگیر قصوری بھی اُن کے مرید ہیں۔

ایک اہم مسئلہ اور اس کا حل

اس کے بعد راقم کی بغل میں کتاب دیکھ کر فرمایا یہ کونسی کتاب ہے۔ عرض کیا کہ حضور ایک ستہ مراتب ہے، دوسری فوائد فریدیہ ہے۔ احقر کو ایک مسئلہ میں مشکل درپیش ہے۔ اس کا حل طلب کرنے کی خاطر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے حاضرین کی طرف نگاہ ڈال کر فرمایا کہ اب موقعہ[1] نہیں۔ شاید کوئی نامحرم بیٹھا تھا۔ جب وہ آدمی چلا گیا تو آپ نے فرمایا اب کتاب کھولو اور پڑھو چنانچہ احقر نے کتاب ستہ مراتب کھول کر وہ مقام پڑھا۔ عبارت یہ تھی۔

لَا یَعْتَدِ دُعلی مکاشفۃ اَحْوالِ الموتیٰ اِلاَّ الاقطاب والافراد۔

یعنی مُردوں کے حالات کے متعلق کشف سوائے اقطاب و افراد کے اور کسی کو نہیں ہوتا۔ اس کے بعد کتاب فوائد فریدیہ سے جو حضرت اقدس کی تصنیف ہے۔ یہ عبارت پڑھی۔

بدانکہ ادنیٰ الادنیٰ رتبہ کشف، کشفِ قلوب و کشف قبور است۔

---

[1] اس سے ظاہر ہے کہ مشائخ عظام کس طرح نامحرم اور نااہل لوگوں کے سامنے اسرار و رموز کے ادق اور لطیف مضامین بیان کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آج کل کے نام نہاد صوفی ہر کس و ناکس کے سامنے وحدت الوجود اور قضا و قدر جیسے مشکل مسائل بیان کر کے اصلاح کی بجائے ان کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ تکلموا الناس علےٰ قدر عقولھم (لوگوں کے ساتھ ان کی عقل کے مطابق بات کرو) نیز آنحضرتؐ نے مسائل قضا و قدر اور وحدت الوجود پر بحث سے منع فرمایا ہے۔

(جاننا چاہیئے کہ کشف کا ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبہ کشف قلوب و کشف قبور ہے)

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور مولانا جامیؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ رُتبۂ کشفِ قبور اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ ہے لیکن حضور اقدس نے اسے ادنےٰ سے ادنےٰ کشف قرار دیا ہے۔ ان اقوال کے درمیان تطبیق کس طرح ہو سکتی ہے۔

اقسام کشف آپ نے فرمایا کہ کشف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کشف تماثیل اشیاء، دوسرا کشف ذوات اشیاء بعینہا۔ کشف تماثیل عام ہے اور آدمی کو بلکہ جانوروں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ بات لوگوں میں مشہور ہے کہ جب گھوڑے کے پیٹ میں درد ہو تو اسے قبرستان میں لے جانا چاہیئے اس سے وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب گھوڑے پر مردوں کی حالت ظاہر ہوتی ہے اور اُن کے عذاب اور شور و شغب سے مطلع ہوتا ہے تو اس کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ اپنا درد بھول جاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ بعض طبائع ایسی واقع ہوتی ہیں کہ ان کی سرشت میں کشف ملا ہوا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مولانا جامیؒ نے اپنی کتاب نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ایک چھوٹا لڑکا تھا جس کی سرشت میں کشف بہت تھا۔ ایک دن وہ چند لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ زار زار رونے لگا اور اپنے باپ کے گلے لگ کر وائے ہائے کرنا شروع کیا۔ اس نے دریافت کیا کہ بیٹا کیوں روتے ہو۔ کہنے لگا کہ ایک آدمی پر عذابِ قبر ہو رہا ہے جس سے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ایک آدمی نے کہا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر ستّر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر کسی شخص کی رُوح کو ایصال ثواب کیا جائے تو اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ پس سب نے بیٹھ کر اُسی وقت ستّر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور اس شخص کی رُوح کو ایصال ثواب کیا جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ اس کے بعد لڑکے نے کہا کہ اب اس شخص کا عذاب بند ہو گیا ہے اور خوش و خرم تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا اس حدیث سے لڑکے کے کشف کی اور لڑکے کے کشف سے حدیث کی تصدیق ہو گئی۔

اب یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے کشف تمثیلی ہے اور خواب میں مُردوں کے حالات دیکھنا بھی کشفِ تمثیلی ہے۔ کشف کی دوسری قسم کشف ذواتِ اشیاء بعینہا یہ ہے کہ صاحب کشف عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور احوال موتےٰ کا حقیقتاً مشاہدہ و معائنہ کرتا ہے اور اس قسم کا کشف

سوائے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء و اقطاب و افراد کسی کو نہیں ہوتا۔ پس جن لوگوں نے کشفِ قبور کو ادنٰے درجہ کا کشف لکھا ہے ان کی مراد وہی کشفِ تمثیلی ہے اور جن حضرات نے کشفِ قبور کو اعلٰے درجہ کا کشف قرار دیا ہے اس سے ان کی مراد ذواتِ موتیٰ کا حقیقی کشف ہے۔

مقبوس ۱۴: بوقت عشاء بروز جمعہ ۱۹ محرم ۱۳۱۶ھ

ظاہری لباس کا باطن پر اثر

اس بات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ جب آج کل کے زمانے کے لوگ انگریزی پڑھ لیتے ہیں تو لباس بھی قوم نصاریٰ کا پہننا شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جس نے کسی قوم سے ظاہری مشابہت اختیار کی وہ اس قوم کا بن جاتا ہے یا اس کا حشر اس قوم سے ہوگا)

میاں ولایت علی شاہ صاحبؒ

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور میاں ولایت علی شاہ صاحب فیروزپوری کو حضرت سلطان الاولیاء (حضرت قاضی محمد عاقل صاحب قدس سرہٗ) سے خلافت کس طرح پہنچی ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ مجھے بھی آٹھ سال ہوئے ان کے حضرت سلطان الاولیاء سے بیعت کرنے اور خلافت حاصل کرنے کا علم ہوا ہے۔ اس سے پہلے مجھے یہ بات معلوم نہ تھی۔ فرمایا کہ میاں ولایت علی شاہ سیّد تھے اور ان کا اصلی وطن ڈیرہ غازی خان ہے۔ وہ فارغ التحصیل تھے اور کافی عرصہ تک درس دیتے رہے۔

اس کے بعد ان کے دل میں سلوک الی اللہ طے کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ کسی تقریب کے سلسلہ میں ان کا گذر سیت پور میں ہوا جہاں حافظ جان محمد صاحبؒ کے ساتھ جو حضرت سلطان الاولیاء کے مرید تھے ان کی ملاقات ہو گئی۔ ان دنوں حافظ جان محمد پر غلبۂ جذب شروع ہو رہا تھا چنانچہ حافظ صاحب نے میاں ولایت علی شاہ کو ایک مرغن روٹی کھلائی جسے عرفِ عام میں پراٹھا کہتے

ہیں - روٹی کھاتے ہی ان پر آثار جذب ظاہر ہونے لگے - ان ایام میں سیت پور میں ایک اور
شخص رہتا تھا جو حضرت سلطان الاولیاء کا مرید تھا اور صاحب حال تھا - انہوں نے کہا کہ ابتدائے
حال میں آثار جذب کا ظاہر ہونا علامات نقص میں سے ہے - یہ کہہ کر انہوں نے سید ولایت علی شاہؒ
کے سینہ پر ہاتھ پھیرا جس سے ان کی حالت میں افاقہ ہوا - انہوں نے کہا کہ دولت ولایت آپ
کو ضرور ملنی ہے - پس جلدی کرنی چاہیئے اور میرے شیخ علیہ الرحمتہ سے دریافت کرنا چاہیئے
اس کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہو کر شیدانی شریف پہنچے اور حضرت سلطان الاولیاء قدس سرہٗ
کی زیارت سے مشرف ہوئے - حضرت سلطان الاولیاء اُن کے پہنچنے سے پہلے بیمار تھے -
آپ نے ان کو فوراً بیعت سے مشرف فرمایا اور تمام مناسب وظائف تلقین کر کے مجاز کر دیا یعنی
خلافت عطا کی اور فرمایا پرگنہ فیروز پور میں جا کر وہاں سکونت اختیار کرو -

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ایک دن میاں ولایت علی شاہؒ الوداع
کہہ کر روانہ ہوئے اور دوسرے دن حضرت قبلہ سلطان الاولیاء کا وصال ہو گیا - چنانچہ سیّد
ولایت علی شاہؒ آپ کے وصال سے ایک رات پہلے پہنچ کر بیعت ہوئے ہیں اور یہ نعمت خلافت
حاصل کی ہے - حضرت اقدس نے فرمایا کہ علاقہ فیروز پور میں آپ کی بہت کرامات مشہور ہیں - ان
میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے دہی کا برتن آپ کی خدمت میں بطور
نذر پیش کیا - خادم نے اٹھا کر گھر میں رکھ دیا - ایک سال کے بعد جب حضرت سلطان الاولیاء
کا عرس کیا تو ترشی درکار تھی - دہی کسی جگہ سے دستیاب نہ ہوا - آخر خادم کو وہی دہی کا برتن یاد
آیا جو ایک سال پہلے اس نے بحفاظت رکھ دیا تھا - جب اس کا ذکر حضرت ولایت علی شاہؒ
سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لے آو خراب نہیں ہوا ہو گا - جب دیکھا تو دہی اسی طرح تر و تازہ
موجود تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا - ابھی بنایا ہے - اس کے بعد فرمایا کہ انہوں نے بہت مرید
بنائے اور اس علاقے کے اکثر رؤساء - شرفاء - امراء - افسران مثل ڈپٹی اور تحصیلدار آپ کے
مرید تھے - اس کے بعد فرمایا کہ میاں غلام محمدؒ قصوری کہتے ہیں کہ آپ (میاں ولایت علی شاہ
صاحب) رات کو ہرگز نہیں سوتے تھے بلکہ ساری رات حق تعالےٰ کے ساتھ شاغل رہتے
تھے - اور ہر شب ذکر نفی اثبات (یعنی ذکر لا الٰہ الا اللہ) چوبیس ہزار بار کرتے تھے

نیز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چوبیس ہزار بار اور اللّٰہُ الصَّمَد چوبیس ہزار بار پڑھتے تھے۔
اس کے بعد فرمایا کہ میاں غلام محمد قصوری میاں ولایت علی شاہ صاحب کے متبنہ کی طرح تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میاں غلام محمد قصوری بڑے نیک آدمی تھے۔ میاں ولایت علی شاہ صاحب نے تمام عمر شادی نہیں کی تھی۔ آپ کو سماع عشقیہ کا بہت شوق تھا اور ساری ساری رات اسی حالت میں گذار دیتے تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ حضور سماع عشقیہ کیا ہے۔ فرمایا کہ سماع عشقیہ میں غزلیات اور اشعار عشقیہ پر رقص کیا جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ سلطان الاولیاء قدس سرہٗ کا عرس کیا کرتے تھے اور کافی خلقت جمع ہو جاتی تھی۔ جب ہم حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کی زیارت کے لیے اجمیر شریف گئے تو قصور سے گذرنے کا اتفاق ہوا۔ اس سے سات ماہ پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا یعنی سال ۱۳۰۶ھ میں۔

مولوی غلام کبریا ساکن پاک پتن شریف

اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ مولوی غلام کبریا صاحب کہاں کے رہنے والے تھے اور کن بزرگ سے ان کی بیعت تھی۔ فرمایا کہ اُن کے والد کا نام مولوی یار محمد تھا جو حضرت قبلہ سلطان الاولیاء کے مرید تھے۔ آپ پاک پتن شریف کے قریب رہتے تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ (حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ) کے عرس کے موقعہ پر مہاران شریف میں مولوی غلام کبریا کو اپنے والد نے حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ کا مرید کرایا۔ جب حضرت محبوب الٰہی نے ان کو بیعت کیا تو ان کو صرف بہائی سے مطول اور تلویح تک دو دو تین تین سطریں پڑھائیں۔ اس کے بعد مولوی غلام کبریا نے علم حاصل کرنا شروع کیا اور قلیل مدت میں عالم متبحر ہو گئے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے انکو اجازت بیعت اور خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا۔ مولوی یار محمدؒ نے اپنے اہل و اطفال سمیت علاقہ پاکپتن شریف سے ترک سکونت کر کے فتح آباد میں جو سرسہ کے قریب ہے اقامت اختیار کی۔ وہاں مولوی غلام کبریا کی بہت شہرت ہوئی اور ان کی شہرت دہلی تک پہنچ گئی۔ اس علاقے میں آپ کے کثرت سے لوگ مرید ہوئے لیکن آپ کا سلسلہ جاری نہ ہوا۔ اس وجہ سے کہ نہ آپ کی کوئی اولاد تھی نہ آپ نے کسی کو خلافت دی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے برادر زادہ کی جو حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسویؒ کا مرید تھا لوگوں نے دستار بندی کرائی اور خلیفہ مقرر کیا۔ لیکن وہ بات ان میں نہیں

ہے - اس کے بعد فرمایا کہ کچھ عرصہ تک ہمارے اور مولوی غلام کبریاؒ کے درمیان خط وکتابت رہی
اس کے بعد حضرت اقدس نے تھوڑی دیر خاموش ہوکر یہ رباعی پڑھی ؎

مختصر سبق عروض

مجموعہ کونین را بقانون سبق
کردیم تفحص ورقاً بعد ورَق
حقا کہ ندیدیم و نخواندیم درو
جُز ذاتِ حق شیون ذاتیۂ حق

(کائنات کا ہم نے باقاعدہ مطالعہ کیا اور بے حد تحقیق کی - آخر اس نتیجہ پہ پہنچے۔
ذاتِ حق اور شیون حق یعنی اسمار وصفاتِ حق کے مظاہر کے سوا کچھ نہیں ہے -)
اس کے بعد مولوی غلام احمد اختر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "کریما بہ بخشائے بر حال ما" کا وزن "فعول، فعول، فعول، فعل" ہے - نیز فرمایا کہ جملہ ارکان آٹھ ہیں یعنی مفاعیل، مُستفعِلن- مفاعلتن - مستفاعلن - فاعلات، مفعولات وغیرہ - لیکن تقطیع[1] کے وقت ہر رکن کو دوسرے کسی مشہور رکن کی بجائے رکھا جاسکتا ہے مثلاً

ہست شنائی سرِ خوانِ کریم

کی تقطیع یہ ہے مفتعلن، مفتعلن، فاعلات -

---

[1] تقطیع کا لفظی معنی ہے قطع کرنا - چونکہ شعر کو اس کے مقررہ وزن کے مطابق توڑ پھوڑ کر مختلف ارکان پر ڈھالنا پڑتا ہے - اس لیے اس عمل کو علم عروض میں تقطیع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے مثلاً ؎
نے دانم کہ آخر چوں دمے دیدار مے رقصم کا وزن یہ ہے مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن ہے - اس کی تقطیع یوں ہوگی -
نے دانم (مفاعیلن) کہ آخر چوں (مفاعیلن) دمے دیدا (مفاعیلن) رمے رقصم (مفاعیلن)
مثنوی شریف کا وزن فاعلاتن - فاعلاتن - فاعلن - ہے -
ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا - او نشیند در حضورِ اولیار کی تقطیع یوں ہوگی - ہر کہ خواہد (فاعلاتن) ہم نشینی (فاعلاتن) باخدا (فاعلن) - شعر کا وزن معلوم کرنے کے لیے یا خود شعر کہنے کے لیے سارا کھیل حروف پر ہوتا ہے - ہر کلام میں خواہ منظوم ہو یا منثور - تمام حروف یا علیحدہ علیحدہ

مقبوس ۱۵: بوقت عشا بروز جمعہ ۱۳ صفر ۱۳۱۹ھ

قضائے وظائف جائز ہے

سید غلام رسول ساکن ڈراور (قلعہ ڈیراور جو بہاولپور کے ریگستان کے قلب میں واقع ہے اور قدیم راجاؤں کا پایۂ تخت ہے) جو حضرت قبلہ محبوب الٰہی کا مرید ہے۔ عرض کیا کہ وظیفۂ درودِ اکبر اور درودِ حاضری جو حضور نے تلقین فرمایا تھا۔ نمازِ فجر کے بعد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اکثر اوقات حضور کی ہدایت کے مطابق اسی وقت پر پڑھا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی کام کاج کی مصروفیت کی وجہ سے وظیفہ فوت ہو جاتا ہے۔ اگر جائز ہو تو کسی دوسرے وقت پڑھ لیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک جائز ہے۔ جب قضا شدہ نماز دوسرے وقت پڑھی جا سکتی ہے تو وظائف بطریقِ اولیٰ جائز ہیں۔

مقبوس پنجم تا پانزدھم اس وقت لکھے گئے جب حضرت اقدس نواب صادق محمد خان عباسی والئ ریاست بہاولپور کی دعوت پر قلعہ صادق گڑھ (ڈیرہ نواب صاحب) میں مقیم تھے۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

آتے ہیں یا دو حروف کا ایک جوڑا ہوتا ہے۔ مثلاً شعر ذیل میں

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا - او نشیند در حضورِ اولیاء۔ میں "ہر" میں دو حروف ہا اور را کا جوڑا ہے۔ حرف کہ اگرچہ کاف اور ہ پر مشتمل ہے لیکن جو حروف الف، واؤ، یائے اور ہا کے ساتھ متصل ہوتے ہیں انکو علم عروض کی رُو سے جوڑے کے طور پر بھی پڑھنا جائز ہے۔ اور ضرورتِ شاعری کی بنا پر ایک حرف کے طور پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی موسیقی کے قواعد کے مطابق ڈاٹ بھی (DOT) پڑھ سکتے ہیں اور ڈیش بھی (DASH) - اس لیے اس شعر میں حروف کہ۔ کو فاعلات کے حروف عین پر جانے کے لیے علیحدہ حرف پڑھا جاتا ہے لہٰذا ہر کہ خواہد کی تقطیع فاعلات ہو گی یعنی ہر بر وزن فا، کہ بروزن "عین"، خوا بر وزن لا اور ہد بر وزن تُن - اسی طرح سارے شعر کی تقطیع ہو سکتی ہے - یہ کام اگرچہ مشکل نظر آتا ہے لیکن مشق کے بعد نہایت آسان ہو جاتا ہے اور شعر پڑھتے یا شعر کہتے وقت اس کا وزن خود بخود دل میں قائم ہو جاتا ہے۔

مقبوس ۱۶: بوقت عشاء بروز پنجشنبہ ۲؍ جمادی الاول ۱۳۱۶ھ

کشتی کا غرق ہونا

حضرت اقدس نے احقر راقم الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کشتی کا حال سناؤ کس طرح غرق ہوئی۔ کس طرح کچھ لوگ غرق ہوئے اور کس طرح باقی لوگ بچ گئے۔ احقر نے تفصیل سے واقعات عرض کیے جن کو سُن کر حضرت اقدس غم واندوہ کی وجہ سے سر ہلا رہے تھے۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ قبلہ آپ نے کئی دفعہ فرمایا ہے کہ بُدھ کے دن سفر پر جانا ممنوع ہے اور خود بھی پیرانِ عظام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کئی بار بُدھ کے دن سفر پر جانا ترک فرمایا ہے لیکن آج کس طرح حضور گھر سے نکل کر سوار ہوئے ہیں اور ہم خدام کو بھی سفر کا حکم فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہفتہ کے دن ہم نے پستانہ نکال دیا تھا (یعنی ایک پلیہ اور نمک کی پڑیہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) ہمیں گھر کے لوگوں نے بھی اس بات سے منع کیا تھا کہ آج بدھ ہے ہرگز سفر نہ کریں۔ لیکن ہم نے اُن کی باتوں کی پرواہ نہ کی اور روانہ ہو پڑے۔ اس خیال سے کہ اپنے شیخ علیہ الرحمۃ کے عرس مبارک پر جا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ بدھ کے دن بوقت اشراق حضرت اقدس ایک کشتی پر سوار ہو کر کوٹ مٹھن شریف پہنچ گئے تھے لیکن جب ہم لوگ کشتی پر سوار ہوئے تو چونکہ کشتی چھوٹی تھی اور آدمی اور گھوڑے بہت تھے دریا (سندھ) میں طغیانی تھی اور جنوبی ہوا تیز چل رہی تھی۔ جب کشتی منجھدار میں پہنچی تو حالت خراب ہو گئی۔ میں کشتی کے آخری حصے میں بیٹھا ہوا تھا اور خیال کر رہا تھا کہ ابھی نصف دریا باقی ہے اور کشتی پوری طرح منجھدار میں نہیں پہنچی تو یہ حال ہے۔ جب منجھدار کے عین وسط میں جائیگی تو کیا حشر ہوگا۔ ڈر یہی تھا کہ کشتی سلامت نہیں پہنچے گی۔ اس لیے میں نے جوتا اتارا۔ ایک تہ بند کے سوا سارے کپڑے اتار کر رکھ دیئے اور اس انتظار میں تھا کہ کب وہ وقت آتا ہے۔ لیکن باقی لوگ بے پروا بیٹھے تھے اور مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کیوں یہ حالت اختیار کر لی ہے۔ جب کشتی عین وسطِ دریا میں پہنچی تو موجوں کا زور بڑھ گیا اور پانی کشتی کے اندر داخل ہونے لگا تو لوگوں

کے ہوش گم ہوگئے اور آہ وفغاں کرنے لگے۔ جب کشتی میں پانی زیادہ ہوا تو ایک طرف جھک گئی اور میرے سمیت کافی لوگ دریا کے اندر کود گئے اور تیرنا شروع کیا۔ جب میرا تہ بند پانی سے تر ہوا تو مجھے نیچے کی جانب کھینچنے لگا۔ یہ دیکھ کر میں نے اسے اتار کر پھینک دیا اور برہنہ تیرتا رہا اور اپنے شیخ عالی مقام کو یاد کرتا رہا۔ میرے دل میں یقین تھا کہ بچ جاؤں گا۔ حتےٰ کہ تیرتا ہوا ساحل پر پہنچ گیا۔ لیکن اس قدر صدمہ ہوا کہ اٹھنے کی طاقت نہیں تھی اور دریا کے کنارے پر لیٹ گیا۔ باقی لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ بھی تیر کر کنارے کی طرف جا رہے تھے۔ لیکن دو آدمی میرے سامنے فریاد کرتے ہوئے غرق ہوگئے اور کوئی شخص ان کی امداد نہ کر سکا۔ میرے سامنے یہی دو آدمی غرق ہوئے لیکن سُنا ہے کہ کل تیس چالیس آدمی غرق ہوئے۔ ان کے علاوہ بیشمار گھوڑے بھی غرق ہوگئے۔

کرامتِ شیخ سے مجموعۂ ملفوظات بچ گیا

جب میں ساحل پر پہنچا تو مجھے سب سے زیادہ غم حضرت اقدس کے اُن ملفوظات کا تھا جو میرے بستہ میں تھے۔ وہ بستہ خرجین میں بند تھا اور خرجین کشتی میں رہ گئی تھی۔ مجھے اس بات کا افسوس تھا کہ جو کچھ میں نے چھ سال کی محنت سے حاصل کیا تھا آج ضائع ہوگیا۔ شاید میرا یہ کام مقبول نہ تھا۔ میں اس غم میں سرنگوں بیٹھا تھا کہ ایک اجنبی آیا۔ نہ اس کے جسم پر سفر کے آثار تھے نہ پوشاک گرد آلودہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بستہ تھا۔ اس نے آتے ہی کہا کہ اے جوان یہ تمہارا بستہ ہے۔ میں نے خوش ہوکر کہا کہ ہاں میرا ہے۔ جب میں نے بستہ اس کے ہاتھ سے لیا تو اگرچہ باہر سے تر تھا لیکن اس کے اندر کاغذات بالکل خشک تھے وہ آدمی مجھے بستہ دے کر جنگل میں چلا گیا اور گم ہوگیا۔ اس کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ ملفوظات مقبول ہوگئے ہیں۔ جب حضرت اقدس کے سامنے یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اس آدمی کی شکل اور رنگ کیسے تھے۔ عرض کیا کہ اس کے سر اور ریش کے بالوں کا رنگ سیاہی مائل سفید تھا لیکن چہرے کا رنگ قدرے ملیح تھا۔ یہ سن کر آپ خوش ہوئے اور تبسم فرمایا

مقبوس ۱۷: بوقت عشاء بروز جمعہ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۱۶ھ

عمل برائے دفع مرض وسحر

حضرت اقدس پلنگ پر تشریف رکھتے تھے۔ اس احقر کو پاس بلا کر آپ نے کتاب مرقعہ شریف کھولی اور دو تین دعائیں پڑھ کر احقر کو تلقین فرمائیں۔ نیز فرمایا کہ کل بوقت اشراق وضو کامل کر کے دعائے یکفینی اکیس بار پڑھنا اور ہر بار پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا۔ پھر دو تین گھونٹ پانی پر دم کرنا۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ مع دعائے یاحیّ حین لاحی ..... الی آخر اکتالیس بار مع بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس پانی پہ دم کرنا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس عمل کی میں نے تجھے اجازت دی ہے۔ احقر نے قبول کی اور دست بستہ عرض کیا کہ یہ عمل کس کام کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا اندرون خانہ قدرے علیل ہیں اس لیے تجھے یہ چیز بتائی ہے۔ یہ عمل جادو، سحر، اور شفائے بیماران کے لیے مفید ہے۔ نیز جس آدمی کے خلاف کوئی عمل کیا گیا ہو تو اس کے دفعیہ کے لیے بھی مفید ہے۔

مقبوس ۱۸: بوقت ظہر بروز چہار شنبہ ۱۷ جمادی الاول ۱۳۱۶ھ

اہم ترین وبلند ترین ملفوظ

حضرت اقدس لوائح جامی کا مطالعہ کر رہے تھے اور چند خدام بھی حلقہ باندھے آپ کے گرد بیٹھے تھے۔

درس لوائح جامی وشرح آن

غناو وجوب ذاتی

حضرت اقدس نے لائحہ ہفدہم شروع سے آخر تک پڑھا۔ اس کی عبارت یہ ہے :-

تعینِ اوّل وحدتیست صرف، وقابلیتے است محض مشتمل بر جمیع قابلیات .... الی آخر۔

(تعین اول وحدت صرف اور قابلیت محض ہے جو تمام قابلیات پر مشتمل ہے یعنی

جس میں تمام قابلیات شامل ہیں)

چونکہ اس لائحہ میں مسئلہ غنا اور وجوب ذاتی پر بحث ہے۔ احقر نے دریافت کیا کہ آیا کوئی فرد بشر کاملین غنائے ذاتی اور وجوب ذاتی سے بہرہ ور ہو سکتا ہے؟ (یعنی کیا انسان کامل جو ممکن الوجود ہے ذات باری تعالیٰ جو واجب الوجود ہے کے صفات سے متصف ہو سکتا ہے)۔ حضرت اقدس نے فرمایا جب تک انسان فرد ہے (یعنی اپنی ہستی پر قائم ہے) اُسے غنا اور وجوب ذاتی میسر نہیں ہوتا۔ لیکن جب وہ محو ہو گیا اور فرد نہ رہا۔ اس وقت اس کی تمام صفات، صفاتِ حق ہو جاتی ہیں۔ نہ وہ رہتا ہے نہ اس کی صفات۔ اور غنا و وجوب ذاتی اسی طرح وجود مطلق (وجودِ حق) کی صفات رہ جاتی ہیں جس طرح کہ وہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح اعداد اثنین وثلاثہ (دو اور تین) عددِ واحد (ایک) سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کا وجود وجود واحد پر قائم ہے اور واحد کا وجود کسی غیر کا محتاج نہیں۔ بالفاظ دیگر دو اور تین کا وجود لغیرہ ہے (غیر پر موقوف ہے) اور واحد کا وجود لِذاتہٖ ہے (اپنی ذات سے قائم ہے) اسی طرح ممکن (انسان) واجب الوجود (حق) کا محتاج ہے۔ ممکن کا یعنی انسان کا وجود لغیرہٖ ہے (یعنی غیر کا محتاج ہے)۔ لیکن حق تعالیٰ کا وجود لِذاتہٖ ہے۔ انسان کو غنا اور وجوب ذاتی کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اس پر احقر راقم الحروف نے عرض کیا کہ قبلہ صاحب گلشن راز کہتا ہے ؎

چو ممکن گردِ امکاں بر فشاند   بجز واجب دگر چیزے نماند

(جب ممکن (انسان) نے امکان کی گرد جھاڑ ڈالی یعنی آلائش بشری سے پاک ہو گیا تو واجب یعنی ذاتِ حق کے سوا کچھ باقی نہ رہا)

نیز مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے ؎

وجوبِ آلائشِ امکانِ او شست   قِدم زنگِ حدوث از جان او شست

(وجوب یعنی ذاتِ حق میں فنا ہونے نے اس کا امکان یعنی ممکن یا حادث ہونا ختم کر دیا اور قِدم یعنی صفاتِ ذاتِ قدیم سے متصف ہو کر سالک حدوث کی زنگ سے پاک ہو گیا)

اب سوال یہ ہے کہ آیا گردِ امکان، آلائشِ امکاں، و زنگ حدوث میں

اضافت بیانیہ[1] ہے یا نہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے پھر بھی ممکن (انسان) کو غنا اور وجوب ذاتی حاصل نہیں ہوتا۔ اگرچہ ممکن سے گردِ امکان (آلائش بشری) جو خود اعتبارِ امکان ہے اُٹھ جاتی ہے اور دور ہو جاتی ہے اور حادث (انسان) سے زنگِ حدوث جو نفسِ حدوث ہے صاف ہو جاتی ہے اور واجب و قدیم کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا تاہم وجوب اور غنا و قدمِ ذاتی حق تعالےٰ کی صفات ہیں اس لیے کہ اس وقت نہ ممکن باقی رہا نہ اس کی صفات۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمہارے سوال کا اصل جواب یہ ہے کہ مرتبۂ امکان مقامِ عاشقی ہے اور مرتبۂ وجوب مقامِ معشوقی ہے۔ جب سالک مراتبِ امکانیہ طے کر کے مرتبۂ وجوب تک پہنچ جاتا ہے۔ اس معنی میں کہ آثار امکانیہ (احساسِ بشریت) اس سے ساقط ہو جاتے ہیں تو اس وقت غیرت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ دونوں یعنی وجوب اور امکان سے آزاد ہو کر اور خلاصی پاکر احدیّتِ ذاتیہ میں پہنچ جاتا ہے۔ جس کا نام طمسِ حقیقی[2] اور محویّتِ کلی[3] ہے اور تمام آثار بشریہ امکانیہ (احساساتِ خودی) مٹ جاتے ہیں چنانچہ

---

[1] اضافتِ بیانیہ وہ ہے جہاں مضاف عین ہوتا ہے مضاف الیہ کا۔ مثلاً جب گردِ امکان کے معنی یہ لیے جائیں کہ امکان بمنزلہ گرد کے ہے تو یہ اضافت بیانیہ کہلائے گی۔ اس کے برعکس اضافتِ لامیہ ہے جس میں مضاف، مضاف الیہ کا عین نہیں ہوتا۔ مثلاً غلام فرید (فرید کا غلام) اصل کتاب میں طباعت کی غلطی سے اضافت لامیہ کو اضافتِ لازمیہ لکھ دیا گیا ہے۔

[2] طمس بمعنی محو ہو جانا۔ "طمس فنائے ذاتی کو کہتے ہیں یعنی صفاتِ خلق کو صفاتِ حق میں گم کر دینا۔ صفاتِ حق کا جملہ اشیاء میں مشاہدہ کرنا اور غیر حق کو اپنی صفات سے خالی پانا۔"

[3] محویت۔ "محو فنائے افعالی کو کہتے ہیں۔ یعنی افعالِ حق کا مشاہدہ جملہ اشیاء میں کرنا اور غیر حق کو بالکل مؤثر نہ پانا۔" ماخوذ از سرِ دلبراں مصنفہ حضرت مولائی و مرشدی سیّد محمد ذوقی شاہ صاحبؒ

صفاتِ سبعہ (سات صفاتِ بشری) اور تناہی (دوئی) جو صفاتِ بشریہ میں سے ایک صفت ہے اٹھ جاتی ہے اور اطلاق اور بساطت (لامحدود ہونا) میسر آتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس مقام پر انسان کی ہر حس دوسری حس کا کام کرتی ہے۔ یعنی سمع بصر کا کام کرتی ہے اور بصر سمع کا کام کرتی ہے۔ ہر طرف سے دیکھتا ہے اور ہر طرف سے سنتا ہے بلکہ اس کا سارا بدن بصر بن جاتا ہے اور سارا بدن سمع بن جاتا ہے۔ اسی طرح تمام حواس کا قیاس کر لو لیکن اس کا تعین اور حقیقتِ امکانیہ بدستور قائم رہتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس کا تشخص بھی معدوم ہو جائے۔ خواہ وہ اپنے علم میں جو اس وقت علمِ حق ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو واجب الوجود سمجھے اور ذاتِ بحت جانے۔ پس لفظ "گردِ امکان"، زنگِ حدوث اور آلائشِ امکان" میں اضافتِ بیانیہ نہیں ہے کیونکہ اس کی حقیقتِ امکانیہ مرتفع یعنی ختم ہو جاتی ہے بلکہ یہ اضافتِ لامیہ[1] ہے۔ چنانچہ "گرد، زنگ"، اور "آلائش" سے مراد آثار ہے جو حقیقتِ امکانیہ کا خاصا ہیں اور یہ مرتفع ہو جاتے ہیں (اٹھ جاتے ہیں)۔ لیکن امکانیت عارف سے کسی طرح حقیقۃً منفک اور جدا نہیں ہوتی۔ نہ دنیا میں نہ عقبےٰ میں۔ اس وجہ سے کہ یہ کائنات در حقیقت حق تعالےٰ کی صفات کا ظہور ہے۔ مختلف اور متضاد مظاہر اور تعینات ہیں۔ تاکہ وہ اپنے اسماء و صفات کے کمالات کا تماشا دیکھے اور اس سارے تماشا یا کھیل کی بنیاد اثنینیت (دوئی) پر موقوف ہے اور اثنینیت (دوئی) کیا ہے امکانیت ہے۔ پس جب تک یہ تماشا باقی ہے امکانیت بھی لازم ہے۔ اگرچہ اثنینین (انسان) اپنے علم میں جانتا ہے کہ عین واحد ہوں اس وجہ سے کہ یہ اثنینین (انسان) واحد سے ظاہر ہوا ہے اور لازماً حقیقتِ

---

[1] اضافتِ بیانیہ وہ اضافت ہے جہاں مضاف الیہ عین مضاف ہوتا ہے اور اضافتِ لامیہ وہ اضافت ہے جہاں مضاف اور مضاف الیہ جُدا ہوتے ہیں۔ مثلاً "زنگِ حدوث" اگرچہ دو لفظ ہیں لیکن مطلب ایک ہی ہے یعنی حدوث۔ لیکن اسے اضافت لامیہ قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ زنگ اور چیز ہے اور حدوث اور۔ آتشِ عشق اضافتِ بیانیہ ہے اور خادم الفقراء اضافتِ لامیّہ ہے۔

اثنین (حقیقت انسان) عین حقیقت واحد (حقیقت حق تعالےٰ) ہے اور واحد اس کا خالق ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ حافظ محمدؒ جمال اور حضرت قبلہ سلطان الاولیاء کے درمیان بھی ان اشعار پر بحث مباحثہ ہؤا ہے۔ چنانچہ حضرت حافظ صاحب فرماتے تھے۔ گردِ امکان میں اضافتِ بیانیہ ہے لیکن حضرت سلطان الاولیاء فرماتے تھے کہ اضافتِ بیانیہ نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مولوی حامد صاحب شیدانوی اتفاقاً یہاں آئے ہوئے تھے اور اس وقت امامن (امام بخش) مجھ سے لوائح جامی پڑھتے تھے۔ وہ مجھ سے سبق پڑھ کر مولوی حامد صاحب کو سناتے تھے۔ چنانچہ جہاں غنا اور وجوب ذاتی کا بیان آیا ہے۔ امامن نے جو کچھ مجھ سے سُنا جا کر مولوی صاحب کو سُنایا۔ مولوی حامد صاحب نے کہا کہ حضور اس جگہ انہوں نے (حضرت خواجہ غلام فرید صاحب) آپ سے حجاب کیا ہے اور مسئلہ غنا اور وجوب کی حقیقت انہوں نے آپ کو نہیں سمجھائی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ غنا اور وجوب دونوں صفات عارف کامل کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حجاب اُس وقت ہوتا ہے کہ جب مسئلہ میں عبارت صاف نہ ہو اور شاگرد کی سمجھ میں نہ آئے اور استاد بھی تقریر واضح نہ کرے بلکہ گول کر کے نکل جائے۔ لیکن جب عبارت اس قدر صاف ہو کہ شاگرد خود بخود سمجھ جائے علاوہ ازیں استاد بھی نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دے۔ حجاب اور گول مول بیان کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ امامن نے یہ بھی کہا تھا کہ مولوی حامد صاحب نے بتایا کہ حضرت خواجہ تاج محمود صاحب قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا جامیؒ عارف نہیں تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ استغفر اللہ میں مولانا جامیؒ کی شان میں کچھ نہیں کہتا۔ لیکن مولوی صاحب (مولوی حامد شیدانویؒ) سے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ شیخ کلیم اللہ جہان آبادی تو ضرور عارف تھے کیونکہ ان کے پیرانِ پیر ہیں اور ہر شخص اپنے پیروں کو عارف اکمل سمجھتا ہے۔ انہوں نے (حضرت شیخ کلیم اللہؒ) بھی اپنی کتاب سواء السبیل میں مسئلہ غنا و وجوب کے بارے میں صاف طور پر لکھا ہے کہ یہ دو صفات یعنی غنا اور وجوب ہرگز حاصل نہیں ہوتے

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت شیخ کلیم اللہؒ اور مسئلہ غناو وجوب

اس کے بعد فرمایا کہ مسئلہ غناو وجوب ذاتی کے متعلق جو کچھ کتاب سوا ر السبیل یا دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ عبد کو یہ دو صفات حاصل نہیں ہوتے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک عبد یا ممکن (انسان) آثارِ بشریہ امکانیہ کے عوارض میں مبتلا ہے یہ دو صفات اس کو حاصل نہیں ہوتے - اس وجہ سے کہ مراتب تنزلات (مظاہر کثرت) میں تمام صفاتِ خفی تنزل کرتے ہیں - (یعنی انسان کسی حد تک سمیع بصیر ہو سکتا ہے) لیکن یہ دو صفات یعنی غنا اور وجوب ہرگز تنزل نہیں کرتے (یعنی اسمائے صفاتی کے ساتھ انسان متصف ہو سکتا ہے لیکن اسمائے ذاتی کے ساتھ ہرگز متصف نہیں ہو سکتا رحیم و کریم، سمیع بصیر ہو سکتا ہے لیکن اللہ اور الٰہی نہیں کہلایا جا سکتا) - اس کی وجہ یہ ہے کہ تنزل مقامِ احتیاج (محتاجی) ہے پس محتاج کس طرح غنی اور واجب ہو سکتا ہے - اس کے بعد فرمایا کہ اگر مولوی حامد صاحبؒ کی مراد یہ ہے کہ باوجود بقائے عارفیت و کاملیت اور دیگر آثارِ بشریت اس کو غنا اور وجوب حاصل ہو جاتا ہے تو یہ بات ہرگز ممکن نہیں۔

اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ عارف کامل کا وجود صرف برائے نام ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ ذاتِ حق میں فانی ہوتا ہے اور خود نہیں ہوتا تو اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کیونکہ اُس وقت یہ دو صفات غنا و وجوب عارف کے صفات نہیں ہوتے بلکہ حق تعالےٰ کے صفات ہوتے ہیں -

---

[۱] غنا و وجوب - اس سلسلہ میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی جو وحدت الوجود کے سب سے بڑے حامی ہیں - حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ سے متفق ہیں - آپ فرماتے ہیں ؎

اَلْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَعَرَّجَ - وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ

(یعنی عبد (انسان) جس قدر ترقی کرے عبد ہی رہتا ہے اور حق تعالےٰ جس قدر نزول فرمائے حق ہے)

بندہ کا عروج کرنا ذاتِ حق میں فنا ہونا ہے اور حق کا نزول کرنا مظاہر کثرت میں ظاہر ہونا ہے -

اقسام توحید

اس کے بعد احقر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم نے یہ نہیں پڑھا کہ توحید کی چار اقسام ہیں - اول توحید ایمانی، دوم توحید علمی، سوم توحیدِ حالی، چہارم توحید الٰہی - چنانچہ توحید علمی بھی مزاج حال سے خالی نہیں - اس میں بھی بعض رسوم بشری رفع ہو جاتے ہیں اور توحیدِ حالی میں اکثر آثار و رسوم بشری مرتفع و منتفی (رفع و دفع) ہو جاتے ہیں - اور صاحبِ توحید حالی پر کبھی کبھی بجلی کی طرح حال وارد ہوتا ہے اس حال میں اس کے تمام آثار و رسوم بشری اور امکان و حدوث مضمحل ہو جاتے ہیں (مٹ جاتے ہیں) اور شرک خفی بالکل مرتفع ہو جاتا ہے اور توحید میں یہ انبیاء اور اولیاء کا آخری مقام ہے لیکن یہ حال ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ کبھی کبھی میسر آتا ہے - چنانچہ بزرگوں نے کہا ہے کہ

التّوحید غریمٌ لا یقضی دینہٗ و غریب لا یؤدی حقہ

(یعنی توحید ایک ایسا قرض خواہ ہے کہ جس کی ادائیگی نہیں ہو سکتی اور ایسا مسافر ہے - جب مہمان ہوتا ہے اس کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا)

اور توحیدِ الٰہی حق تعالےٰ کی صفت ذاتی ہے اور ازل الآزال سے ابدلآباد تک اپنی صفت ذاتیہ سے متصف ہے - انبیاء اور اولیاء میں سے کسی کو یہ توحید نصیب نہیں - حق تعالےٰ اپنی ذات کو صفتِ وحدانیت میں دیکھتا ہے اور جانتا ہے - رأیتُ ربّی بربّی (میں نے اپنے رب کو رب کے ذریعہ دیکھا) کے یہی معنی ہیں - یعنی رب نے رب کو دیکھا نہ کہ عبد نے رب کو دیکھا - اس وجہ سے کہ عبد رب نہیں ہو سکتا - کسی نے خوب کہا ہے

تعین بود کز ہستی جدا شد   نہ حق بندہ نہ بندہ ہم خدا شد

(انسان اپنے تعین یا تشخص کی وجہ سے ذاتِ حق سے جدا ہے اس لیے نہ حق بندہ ہے اور نہ بندہ حق ہے)

(حالتِ فنا میں) صرف اس کا تعین اعتباری جس کے ساتھ سالک موجود تھا اُٹھ گیا - اور صرف ہستی حق باقی رہ گئی - چنانچہ ہست سے مراد یہ نہیں کہ عبد با وصف عبدیت جو ایک تعینِ اعتباری ہے خدا ہو جاتا ہے - اور نہ خدا با وصف اطلاق تعین میں آکر عبد ہو جاتا ہے - (اگر ایسا ہو) تو قلبِ حقائق (یعنی حقیقت کا الٹ) لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں

نیز رویتِ حق (حق تعالےٰ کا دیدار) آنکھوں کے ذریعے آخرت میں ہوگا اور یہ بھی تجلی کی صورت میں ہوگا - اس وجہ سے کہ حقیقت اور کنہہ حق سبحانہ' کے قابل کوئی شخص نہیں - پس یہ جو حضرت سلطان الاولیاء نے فرمایا ہے کہ "گرد امکان" میں اضافتِ بیانیہ نہیں ہے - اس کا مطلب یہ ہے فنائے کلی میں تمام آثار بشریہ امکانیہ منتفی (ختم) ہو جاتے ہیں - لیکن حقیقت امکانیہ ہرگز مرتفع نہیں ہوتی - اور اسی طرح میں نے اپنے شیخ علیہ الرحمۃ سے سنا - اور یہ جو حضرت حافظ صاحب نے فرمایا ہے کہ اضافت بیانیہ ہے - شاید اس سے ان کی مراد یہ ہوگی کہ توحیدِ حالی میں جو برق تیز رفتار کی طرح عارف پر وارد ہوتی ہے - دو قسم کی فنا حاصل ہوتی ہے - ایک یہ کہ تمام آثار و رسوم بشریہ امکانیہ محو و مضمحل ہو جاتے ہیں (مٹ جاتے ہیں) - دوم یہ کہ خود اس کی امکانیت بھی معدوم ہو جاتی ہے - جس طرح کہ تجدّد امثال میں ہوتا ہے - پس اگر حافظ صاحب

ے ا تجدّد امثال - تجدّد امثال کو کون و بروز بھی کہتے ہیں - کتاب سرِّ دلبران مصنفہ حضرت مولانا سیّد محمد ذوقی شاہ صاحب میں جس خوبی سے اس مضمون کی وضاحت کی گئی کم دیکھنے میں آئی ہے - اس لیے کتاب مذکور سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے - "تجدّد امثال سے مراد تجدّد تجلیات رحمانی ہے - فیضان وجود نتیجہ ہے اسم رحمٰن کی تجلی کا - چنانچہ تجلیات رحمانی کا فیضان موجودات پر علی الدوام فائز رہتا ہے - اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عالم ہر آن خلق جدید میں تبدیل ہوتا رہتا ہے کیونکہ ہر تجلی ایک خلق جدید کو لاتی ہے اور خلق ماسبق کو لے جاتی ہے - خلقِ ماسبق کا جانا فنا ہے اور خلق جدید کا آنا بقا ہے - جدید اشیاء بمقتضائے امکان ذاتی آناً فاناً نیست اور آناً فاناً ہست ہو جاتی ہیں - سرعتِ تجدّد اور تیزیٔ تسلسل کی وجہ سے اس رفتن و آمدن کا ادراک نہیں ہوتا - بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ (بلکہ وہ ہمیشہ خلق جدید کے لباس میں ہیں) سے یہی تجدّد امثال مراد ہے - لیکن یہ اقتباس اہلِ حجاب ہی کو ہوتا ہے - اہلِ کشف از روئے ادراک جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر دم اور ہر ساعت تجلی فرماتا ہے - كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ - اس کی تجلی ایک صورت میں مقرر کبھی نہیں ہوتی - بلکہ ایک صورت غیب ہوتی ہے اور اس کی جگہ مثل اس کے دوسری صورت آ جاتی ہے - ایک صورت کے عدم کا زمانہ اس کے مثل ثانی کے وجود کا زمانہ ہوتا ہے - اس لیے آمدن عین رفتن اور رفتن عین آمدن ہوا کرتا ہے -

(باقی اگلے صفحہ پر)

کی مراد یہی آخری قسم ہے تو ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ دونوں حضرات کے اقوال میں نزاع لفظی ہے[1] (یعنی ایک لحاظ سے عارضی طور پر وجوب ذاتی حاصل ہو سکتا ہے لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں)۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

فی الحقیقت یہ رفتن و آمدن اعتباری ہے نہ کہ محقق الوقوع۔ ورنہ مرتبۂ اول مرتبۂ دوم میں تنزل کرنے کے بعد کلیۃً معدوم ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ تجدد امثال کو آمد و شد بھی کہتے ہیں ؎

ہر نفس نو مے شود دنیا وما　　بے خبر از نو شدن اندر بقا

[1] نزاع لفظی۔ یعنی صرف لفظی اختلاف ہے اور حقیقت میں دونوں متفق ہیں۔ لوائح جامی کی اس ساری بحث میں قارئین نے دیکھ لیا کہ حضرت خواجہ صاحب و دیگر عارفین کے نزدیک فنافی اللہ سے یہ مراد نہیں کہ آدمی بالکل فنا ہو کر خدا بن جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم استغراق و محویت میں وہ کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو بلکہ ساری کائنات کو بھول جاتا ہے لیکن اس کا تعین اور تشخص ختم نہیں ہوتا بلکہ مرنے کے بعد قیامت تک اور قیامت کے بعد دوزخ اور بہشت میں بھی قائم رہتا ہے ورنہ عذاب و ثواب اور دوزخ و بہشت بے معنی ہے۔ لیکن آج کل بعض کم علم اور کم فہم صوفی ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ مرتبۂ فنا کی تو ان کو ہوا بھی نہیں لگی ہوتی لیکن خدا بن جاتے ہیں اور صوم و صلوٰۃ ترک کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ اور اس سلسلہ عالیہ و دیگر سلاسل کے اولیاء کرام کی زندگی کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ باوجودیکہ یہ حضرات ہر وقت بحرِ ذات میں غوطے لگاتے رہتے تھے اور فنافی اللہ اور بقا باللہ کے اعلیٰ ترین مراتب پر فائز تھے لیکن فرائض تو بجائے خود نوافل بھی ان سے ترک نہیں ہوتے تھے۔ آج کل کے بعض نام نہاد صوفی ہمہ اوست اور وحدت الوجود کے مضامین کتابوں میں پڑھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بس اب ہم عارف ہو گئے ہیں۔ اب ہم نے حقیقت کو سمجھ لیا ہے کہ وجود حق کے سوا کوئی وجود نہیں ہے اس لیے کہاں کی نماز اور کہاں کا روزہ۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ اور دیگر مشائخ صرف کتابوں میں نہیں پڑھتے تھے بلکہ شدید ریاضات و مجاہدات کے ذریعے درحقیقت ذاتِ حق میں فنا بھی حاصل کر لیتے تھے لیکن چونکہ یہ فنا عارضی اور تھوڑے عرصہ کے لیے ہوتی ہے اور چونکہ انسان کا تعین اور تشخص ہرگز ختم نہیں ہوتا خواہ فنا میں کتنے گہرے غوطے لگائے۔ اس لیے وہ ترک صوم و صلوٰۃ کو گناہِ عظیم سمجھتے ہیں۔ اور رات دن گریہ و زاری

(باقی اگلے صفحہ پر)

لائحہ بلبیت وچہارم

اس کے بعد حضرت اقدس نے لوائح جامی میں سے چوبیسواں لائحہ پڑھ کر سنایا۔ اس کی عبارت یہ تھی :-

"وجودِ حقیقی یکے بیش نیست وآں وجودِ حق و ہستی مطلق است امّا او را مراتب بسیار است ...... الی آخرہ"

(درحقیقت وجود ایک سے زائد نہیں اور وہ وجود وجودِ حق اور ہستی باری تعالےٰ ہے لیکن اس کے مراتب بہت ہیں ......)

لائحہ بلبیت وششم

اس کے بعد آپ نے چھبیسواں لائحہ اوّل سے آخر تک پڑھا اور ہم غلام سنتے رہے۔ اس کی عبارت یہ تھی :-

"شیخ در رقص شعیبی میفرماید کہ عالم عبارت است از اعراض مجتمعہ در عین واحد ...... الی آخرہ"

(شیخ سے مراد شیخ اکبرؒ ہے یعنی حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ رقصِ شعیبی کے عنوان کے تحت اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ عالم مجموعہ ہے مختلف مظاہر کا عینِ واحد میں)

چونکہ اس لائحہ میں تجدد امثال کا بیان تھا۔ اس احقر نے عرض کیا کہ حضور جب زید کی دوسری مثل ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے پہلے والی مثل کے علم اور دیگر صفات کا اطلاق دوسری مثل پر کیسے ہو سکتا ہے (یعنی پہلی مثل والے زید کے صفات دوسری مثل والے زید کو کیسے

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

کر کے رب العزت کے حضور میں گڑگڑاتے رہتے ہیں۔ وحدت الوجود کے مسائل کو صرف کتابوں میں پڑھ کر جو حضرات عارف ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسے لوگوں کی ہے جو کاغذ پر مکان کا نقشہ تیار کر کے اُسے کافی سمجھتے ہیں اور عملاً کوئی مکان تیار نہیں کرتے۔ لہٰذا اگر کاغذ پر بنا ہوا مکان ان کو سردی گرمی سے بچا سکتا ہے اور اس کے اندر وہ بود و باش کر سکتے ہیں تو پھر کتابوں میں وحدت الوجود اور ہمہ اوست پڑھ لینا بھی اُن کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

مل سکتے ہیں)

آپ نے فرمایا کہ اگر زید کی دوسری مثل پہلی مثل کے صفات واحوال سے خالی ہو تو وہ مثل کس طرح کہلائی جا سکتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر مثل گذشتہ امثال کے جمیع صفات واحوال کی حامل ہوتی ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولوی محمد قاسم ساکن سمینان نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ جب طعام کھایا جاتا ہے پہلے اس کا رس نکلتا ہے پھر خون بنتا ہے اور جزوِ بدن ہو جاتا ہے۔ اس سے جسم میں افزائش ہوتی ہے لیکن کام کرنے کی وجہ سے جسم پر عمل تحلیل ہوتا ہے اور کمی رونما ہوتی ہے ۔ جب یہ افزائش اور کمی غذا کی وجہ سے ہے تو پھر تجددِ امثال کیا چیز ہے ۔ میں نے جواب دیا کہ یہی کمی وبیشی بھی تجدد امثال کی ایک قسم ہے ۔ یہ سن کر مولوی صاحب خوش ہو گئے اور اعتراف کیا کہ میری سمجھ کے مطابق یہی جواب کافی ہے ۔

لائحہ سی ویکم

اس کے بعد آپ نے اکتیسواں لائحہ پڑھا جس کی عبارت یہ ہے "شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ درکتاب نصوص مے فرماید کہ علم تابعہ است مر وجود را باں معنی کہ ہر حقیقی از حقائق را کہ وجود است علم است ۔"

یہ سن کر احقر راقم نے عرض کیا جب وجودِ (حق) جمیع موجودات میں یکساں جاری وساری ہے اور جب صفات تابع وجود ہیں تو لازماً ہر چیز میں تمام صفات (الٰہیہ) برابر اور یکساں ہونے چاہئیں ۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ آپ نے فرمایا اہلِ ظاہر نے بعض صفات بعض افرادِ عالم میں ظاہر اور بالفعل پائے ہیں اور بعض افراد میں تمام صفات مجتمع دیکھے ہیں ۔ لیکن اہلِ کشف وارباب شہود نے تمام صفاتِ سبعہ (وجود ۔ علم ۔ قدرت ۔ ارادہ ۔ سمع ۔ بصر ۔ کلام) کو ہر موجود میں حتےٰ کہ جمادات میں بھی بالفعل پایا ہے ۔ چنانچہ حضرت ابی ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چند پتھر کے ٹکڑے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے کہ اچانک ان ٹکڑوں نے بولنا شروع کر دیا ۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے وہ ٹکڑے لے لیے ۔ ان کے ہاتھ میں وہ باتیں کرتے رہے ۔ اس کے بعد حضرت عمر رضؓ ۔ حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علیؓ نے یکے بعد دیگرے اٹھائے تو بھی وہ بولتے رہے لیکن جب میں نے (ابی ذر غفاری) اٹھائے تو وہ خاموش ہو گئے ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ تاثیر انسان کامل

کے مماسس ہیں تھی - اگرچہ حضرت ابی ذر غفاری بھی کامل تھے لیکن خلفائے راشدین کے مرتبہ تک نہیں پہنچے تھے -

ملفوظ ۱۹: بوقت نیم روز جمعہ ۲۶ جمادی الاوّل ۱۳۱۶ھ

مولانا رکن الدین خلوت خاص میں

راقم اپنے مقام پر بیٹھا ہوا تھا کہ خادم نے آ کر آواز دی کہ رکن الدین اٹھو حضرت اقدس نے یاد فرمایا ہے - میں نے اٹھ کر وضو تازہ کیا اور حاضر خدمت ہوا - آپ نئے محل کے درمیانی کمرہ میں پلنگ پر تشریف رکھتے تھے - ایک آدمی پنکھا کر رہا تھا - آپ نے فرمایا کہ تمام دروازے بند کر کے تم بھی چلے جاؤ - خادم نے حکم کی تعمیل کی - اس کے بعد حضرت اقدس نے احقر کو کچھ وظائف تلقین فرمائے اور منازل سلوک بھی سمجھائے - نیز چند فوائد اور حقائق و معارف و اسرار توحید بھی تعلیم فرمائے - ان میں سے جو بیان کرنے کے قابل ہے - یہاں بیان کیے جائیں گے - باقی کو نہاں خانہ دل میں محفوظ رکھا جائے گا - میں نے عرض کیا کہ حضور آپ نے اس احقر کو خواب میں فرمایا ہے کہ اے رکن الدین مرید دو قسم کے ہوتے ہیں - ایک حقیقی، دوسرے غیر حقیقی - مرید حقیقی وہ ہیں کہ جن کا نکاح ہو جاتا ہے - جیسا کہ تم ایک ہو - اس کے بعد کہ مریدان حقیقی جیسے کہ تم ہو - فرزندان حقیقی ہوتے ہیں اور شیخ ان کے حقیقی باپ ہوتے ہیں - اور پدر نسبی مجازی باپ ہوتا ہے - ابھی آپ نے مریدان غیر حقیقی بیان نہیں کیے تھے کہ بیدار ہو گیا -

بیعت کیسے فسخ ہوتی ہے

جب میں نے یہ خواب حضرت شیخ کے سامنے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اور صحیح خواب ہے - اس کے بعد فرمایا کہ نکاح عقد کو کہتے ہیں - جب ایک مرید ایک شیخ کے ساتھ بیعت کرتا ہے تو گویا اس کا اس شیخ کے ساتھ نکاح ہو جاتا ہے - اور نکاح کے بعد عورت کو طلاق دینا مرد کے اختیار کی بات ہے - لیکن پیر و مرید کے درمیان نکاح کا فسخ کرنا مرید کے اختیار میں ہے - جس وقت مرید اپنے پیر سے بد عقیدہ ہو کر منحرف ہو جاتا ہے اس کی بیعت فسخ ہو جاتی ہے - اور اگر پیر اپنے مرید سے

رنجیدہ خاطر ہو کر اس سے برگشتہ ہو جائے اور مرید بدستور عقیدتمند رہے تو اس کی بیعت ہرگز فسخ نہیں ہوتی - اور مرید حقیقی وہ ہے جو حتی الامکان پیر کے احکام کی تعمیل کرے اور اتباع شیخ میں کمی نہ کرے - مرید غیر حقیقی وہ ہے جو پیر کی پیروی نہ کرے - بیشک مریدین فرزندان حقیقی اور پیر پدر حقیقی ہیں اور پدر نسبی پدر مجازی ہے - نیز فرمایا کہ مرید کو اس طرح اپنے پیر کے تابع ہونا چاہیئے جس طرح کہ مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے -

کیا مرید کو پیر سے وظائف طلب کرنا چاہیئے

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور مرید کو کیا کرنا چاہیئے - کیا اسے اپنے پیر سے اوراد و وظائف کے بغیر دوسرے دینی و دنیاوی امور طلب نہیں کرنے چاہئیں آپ نے فرمایا کہ مشائخ کرام کو اس میں اختلاف ہے - بعض فرماتے ہیں کہ طلب کرنا چاہیئے اور بعض کہتے ہیں طلب نہیں کرنا چاہیئے - اصل بات یہ ہے کہ تمام مشائخ خلق کی ہدایت وارشاد کے لیے مبعوث ہوئے ہیں لیکن بعض مشائخ تمام تعلقات قطع کر کے فارغ البال ہو جاتے ہیں اور ہدایت خلق اور تربیت مریدین کے لیے جم کر بیٹھ جاتے ہیں - اس قسم کے مشائخ کے مریدوں کو چاہیئے کہ جو کچھ پیر تعلیم و تربیت دیں کافی سمجھیں اور کوئی سوال نہ کریں - لیکن جو مشائخ دوسرے کاموں میں بھی مشغول ہوتے ہیں - ان کے مریدین کو چاہیئے کہ پیر سے ضرور طلب کریں اور سوال کریں -

حضور قلب فی الصلواۃ کے اقسام

اسوقت حضرت اقدس نے احقر کو حضور قلب فی الصلواۃ (نماز میں دل حاضر رکھنا) تعلیم فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے - آپ نے فرمایا کہ حضور قلب فی الصلواۃ کے تین اقسام ہیں - اول یہ کہ جب نماز میں شاغل ہو تو قرآن اور دوسری دعاؤں کے ہر لفظ کے معنی پر غور کرتا رہے - دوم یہ کہ نماز کے ہر رکن میں وحدت الوجود کا خیال رکھے اور اس کے اندر غرق ہو جائے اور یہ قسم آسان و مؤثر ہے - قسم سوم دو طرح پر ہے - ایک یہ کہ جب تو تکبیر تحریمہ کہے (یعنی اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرے) تو یہ خیال کرے کہ میں نے اپنے نفس کو ذبح کر ڈالا ہے اور نماز کے ذریعے قرب حق تلاش کر رہا ہوں اور ہر رکن میں یہ خیال کرے کہ حق تعالے بحیثیت امکانی عابد ہے اور بحیثیت وجوبی معبود ہے (یعنی بندہ کی صورت میں ظاہر ہو کر عابد ہے اور واجب الوجود کی حیثیت سے معبود ہے) -

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت یہ خیال کرے کہ میں اپنی ہستی اور انانیت کو گم کر رہا ہوں اور حق تعالےٰ کی ہستی اور انانیت کو ثابت کر رہا ہوں - قیام کی حالت میں مذکورہ بالا خیال پر استقامت کرے یعنی ایسی استقامت کہ جس کا حکم آیت فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ (اللہ کے احکام کی ہمت و استقلال سے پابندی کرو) کا مفہوم ہے - اور اس کی مراد یہی قیام نماز ہے رکوع کی حالت میں یہ خیال کرے کہ نصف انانیت ختم ہوگئی ہے اور نصف صفاتِ بشری سے پاک ہوگیا ہوں اور ظاہر ہے کہ جس قدر صفاتِ بشری سے پاک ہوگا اسی قدر صفات حق سے متصف ہوگا - سجدے میں یہ خیال کرے کہ میری تمام صفات بشری ختم ہوگئی ہیں اور انانیت حق باقی رہ گئی ہے اور فنائے کلی حاصل ہوگئی ہے - اس وجہ سے کہ اب دائرہ وجود کو پاؤں سے شروع کر کے تو نے سر تک پہنچا دیا ہے - گویا سجدے میں تو فرش سے عرش تک پہنچ گیا - سجدہ میں سُبحان رَبّی الاعلیٰ سے یہی مراد ہے - قعدہ میں اپنی بقا کا تصور کرے - اس خیال کو سیر مع اللہ کہتے ہیں اور آیت وَهُوَ مَعَكُم اینما کنتم (اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں میں ہو) سے مراد یہی معیت ہے -

اس کے بعد فرمایا کہ یہ آخری نماز کا طریقہ باقی تمام طریقوں سے اعلیٰ اور زیادہ مؤثر ہے - اس طریقے کی تفصیل یہ ہے کہ نماز حاوی اور مشتمل ہے تمام مراتب سلوک، اور تمام موجودات کی عبادات پر - اسی وجہ سے میں نے تجھے یہ طریقہ سکھایا ہے اور تمام موجودات کی عبادت پر اس کا مشتمل ہونا اس طرح پر ہے کہ انسان کا نماز میں قیام درختوں کے قیام کی مانند ہے - اس سے عبادت اشجار میسر ہوگئی رکوع چوپایوں کے رکوع کی مانند ہے - اس سے چوپایوں کی عبادت حاصل ہوگئی اور سجود تمام حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کی عبادت کی طرح ہے - اس سے حشرات کی عبادت حاصل ہوگئی اور دائرہ وجود بھی تمام ہوگیا - اور نماز میں قعود (التحیات پر بیٹھنا) پہاڑوں کے قعود اور عبادت کی مانند ہے پس نماز کو تمام مراتب سلوک کا جامع اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وجودِ مطلق (ذات حق) کو ایک دائرہ تسلیم کیا گیا ہے اور دائرہ کا خاصہ یہ ہے کہ جہاں سے اس کی ابتدا کی جائے اسکا خاتمہ بھی اسی جگہ ہوتا ہے

اقسامِ سیر

سَیر یعنی روحانی سفر کی دو اقسام ہیں -
ایک سیر نزولی، دوسری سیر عروجی -

سیرِ نزولی سیر نزولی یہ ہے کہ جب حق سبحانہٗ نے مرتبۂ احدیتِ ذاتیہ اور ذاتِ بحت (خالص ذات منزہ از صفات) سے نزول فرمایا تو پہلے مرتبۂ علم اجمالی (حقیقت محمدیہ یا تعین اول) میں ظہور فرمایا۔ دوسرا ظہور مرتبہ علم تفصیلی میں فرمایا۔ اس کے بعد مرتبۂ عالم ارواح میں، پھر عالم مثال میں اور اس کے بعد مرتبۂ عالم اجسام میں ظاہر ہوا۔ مرتبۂ عالم اجسام عرش عظیم سے شروع ہوتا ہے۔ مرتبۂ عالم اجسام مشتمل ہے طبیعات و عناصر (اربعہ عناصر) اور موالید ثلاثہ۔ یعنی جمادات و نباتات، حیوانات پر۔ تنزلات کے تمام مراتب کی آخری حد حضرت انسان ہے اور یہ مرتبہ جامع ہے۔ حضرت وجود کے تمام مندرجہ بالا مراتب کا۔

سیرِ عروجی چونکہ مرتبۂ انسان سیر نزولی کی آخری حد ہے۔ اس لیے دائرہ وجود کے اسی نقطہ سے عروجی کا آغاز ہوتا ہے۔ (اس وجہ سے کہ دائرہ کے محیط پر سفر کریں تو جس جگہ سے سفر شروع کیا تھا پھر اُسی جگہ سفر تمام ہو گا۔ چنانچہ (عروجی سفر میں) سالک پہلے مرتبہ حیوانات کی سیر کرتا ہے (سفر کرتا ہے) اس کے بعد جمادات میں۔ پھر عناصر میں، اس کے بعد طبیعات میں۔ اس کے بعد عالم مثال اور عالم ارواح میں۔ اس کے بعد واحدیت میں، اس کے بعد وحدت صرفہ یعنی رتبۂ علم اجمالی (حقیقت محمدیہ) میں۔ یہاں دائرہ وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد رتبۂ ھُوِیّت (ذاتِ لاتعین) کی سیر شروع ہوتی ہے جہاں فنائے کُلّی اور طمس حقیقی (ذاتِ حق میں محویت) حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (تعمیل احکامِ حق میں استقامت اختیار کرو) سے مراد اسی امر (فنائے تامہ) میں استقامت ہے۔ جیساکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اَلْاِسْتَقَامَۃُ فَوقَ الْکَرَامَۃِ (کرامت سے استقامت زیادہ افضل ہے) اور قِیْمَۃُ الْمَرْءِ ھِمَّتُہٗ (آدمی کی قیمت اس کی ہمت ہے)۔ ہمت اور استقامت ہم معنی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ مَنْ کَانَ ھِمَّتُہٗ مَا دَخَلَ فَقِیْمَتُہٗ مَا خَرَجَ (جس شخص کی ہمت وہی کچھ ہے جو وہ کھاتا ہے۔ اس شخص کی قیمت وہی ہے جو وہ خارج کرتا ہے یعنی بول و براز۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب تم نے رکوع کیا تو نصف مراتب سلوک طے کر لیے اور جب سجدہ کیا تو تمام مراتب سلوک طے کر لیے۔ یہاں فنائے کلی حاصل ہو گئی اور دائرہ وجود تمام ہو گیا۔ اس

وجہ سے کہ اُم الدماغ (لطیفہ اخفیٰ جو سر کی چوٹی میں ہے۔ اور بقول صاحب سرِّ دلبران اس کے نور کا رنگ سیاہ ہے) تعینِ اوّل (حقیقت محمدیہ) ہے جسے مقام وحدت اور مرتبۂ علم اجمالی بھی کہتے ہیں۔ اس مقام سے اوپر مرتبہ ھُوِیّت مطلقہ اور احدیت ذاتیہ (خالص ذات جسے ذات بحت اور ذات ساذج بھی کہتے ہیں) ہے اور باقی تمام مراتب اس کے نیچے ہیں۔ گویا وقتِ قیام (نماز میں) تم نے سیر عروجی شروع کی یعنی پاؤں سے شروع کیا (کیونکہ قیام میں پاؤں پر کھڑا ہوا) اور سجدہ میں پہنچ کر سیر عروجی ختم کی یعنی اس سیر کو سَر پر ختم کیا (کیونکہ سجدہ سر سے کیا جاتا ہے) اور تعینِ اوّل (حقیقت محمدؐ) پر پہنچ گئے [1]

اس کے بعد فرمایا کہ دماغ عرش کی طرح ہے اور پاؤں فرش ہے۔ ان دونوں کے درمیان باقی تمام مراتب ہیں۔

انسان شجرِ معکوس ہے

اس کے بعد فرمایا کہ انسان شجرِ معکوس ہے اس وجہ سے کہ جو درخت کہ زمین پر ہے اس کی اصل یا جڑیں زمین میں اور پاؤں اور شاخیں ہوا میں آسمان کی طرف ہیں۔ لیکن شجرِ انسان چونکہ مراتب بالا سے پیدا ہوا ہے۔ اس کا سَر اس کی اصل اور جڑ ہے لیکن اس کی شاخیں اور اعضا اس کے پاؤں ہیں۔ اس لیے اسے شجرِ معکوس (اُلٹا ہوا درخت) کہتے ہیں [2]

---

[1] جو کچھ یہاں تک بیان ہوا ہے اس میں حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ کا مطلب یہ ہے کہ نماز بھی ایک قسم کا اجمالی سلوک ہے اور اس کے ہر رکن میں سالک اجمالی طور پر وہی مراتب وجود یا مراتب سیر الی اللہ یا سیر من اللہ طے کرتا ہے جو باقاعدہ سلوک الی اللہ میں طے کر چکا ہے۔ سیر من اللہ سے مراد سفر نزولی ہے یعنی وحدت یا فنا سے نکل کر دوبارہ دوئی کے مقام پر آنا۔ یا استغراق و محویت فنا سے نکل کر مقام صحو یا ہوشیاری میں آنا۔ اس دوئی کے مقام کو بقا باللہ بھی کہتے ہیں اور یہ وہی مقام ہے جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔ اس لیے بزرگان دین نے کہا ہے کہ النھایت رجوعٌ اِلَی البدایت (یعنی آخری مقام پھر دوئی پر آ کر مسندِ خلافتِ الٰہیہ پر متمکن ہونا ہے)

(باقی اگلے صفحہ پر)

مقام فنافی اللہ سے بقا باللہ زیادہ بلند ہے

اس کے بعد فرمایا کہ احدیت ذاتیہ کو شاستر میں آنند کہتے ہیں اور آنند کا مقام لطیفۂ اخفیٰ یعنی اُم الدماغ سے اوپر ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ قعدہ (التحیات) میں بقا باللہ کا تصور کرو۔ نیز فرمایا کہ مقام فنائے کُلّی (فنافی اللہ) سے نکل کر بقا باللہ پہ آنا بہت مشکل ہے۔ یہ مقام بقا انبیاء اور اولیاء کاملین کا مقام ہے نہ کہ مجانین (جمع مجنون بمعنی مجذوب) یا اصحاب سکر کا جو فنا سے نہیں نکل سکتے۔ ے[1]

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

شجر معکوس۔ انسان کو شجر معکوس یا الٹا درخت اس لیے کہا گیا ہے۔ اس کی اصل عالم بالا یا عالم قدس ہے بمصداق آیۂ کریمہ فَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنَ الرُّوحِیْ (میں نے یعنی حق تعالےٰ نے اپنی روح انسان میں پھونکی) نیز حضرت انسان تعین ثانی ہے۔ تعینِ اوّل حقیقت محمدّیہ ہے اور تعیّن ثانی حقیقت انسان ہے جس کے اندر تمام اسماء وصفات الٰہیہ کا ظہور ہے یعنی کسی حد تک علیم بھی ہے۔ قدیر بھی، کلیم بھی، سمیع بھی، بصیر بھی، مرید (ارادے والا) بھی ہے۔ علاوہ ازیں انسان کے اندر جو چھ لطائف یا لطائف ستہ ہیں ان کا تعلق بھی مختلف عوالمِ بالا سے ہے۔ مثلاً لطیفہ نفس کا مقام عالم ناسوت ہے۔ لطیفہ قلب کا مقام عالم مثال ہے۔ لطیفہ روح کا مقام عالمِ ارواح یا عالم ملکوت ہے۔ لطیفۂ سِر کا مقام عالم جبروت (صفاتِ الٰہیہ) ہے۔ لطیفہ خفی و اخفیٰ کا مقام وحدت یا حقیقت محمدّیہ ہے۔ جس کے اوپر ذاتِ بحت یا ذات لاتعیّن ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان کی اصل عالم بالا ہے اور اس کی شاخیں عالم ناسوت یا عالم اجسام (عالم زیریں) ہے۔ چنانچہ یہ درخت الٹا پیدا ہوا جس کی اصل اوپر ہے اور شاخیں نیچے ہیں۔ اسی وجہ سے اسے شجر معکوس کہتے ہیں

ے[1] اصحاب سکر سے وہ لوگ مراد ہیں جو شرابِ معرفت کے ایک دو پیالے پی کر مست ہو جاتے ہیں اور دائمی طور پر استغراق کے عالم میں پھنس جاتے ہیں۔ اس سے بلند مقام اولیاء اکملین کا ہے جو پیالہ نہیں۔ صراحی نہیں، خم نہیں۔ شرابِ معرفت کے دریا اور سمندر نوش کر جاتے ہیں لیکن مست نہیں ہوتے۔ ان حضرات کا مقام بقا باللہ ہوتا ہے جو مقام فنا ہیں بمصداق حدیث تخلقوا باخلاق اللہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو کر اور مقام سکر اور لاشعوری و استغراق سے نکل کر مقام بقا،

اس کے بعد فرمایا کہ اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَعَرَّجَ (یہ ابن عربی کا مقولہ ہے یعنی حق تعالےٰ جس قدر نزول کرے حق رہتا ہے ۔ بندہ نہیں بن جاتا اور بندہ جس قدر عروج حاصل کرے بندہ رہتا ہے خدا نہیں بن جاتا) فرمایا کہ اس

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

عبدیت یا دوئی میں آتے ہیں ۔ جہاں اُن کے سر پہ اِنّی جَاعِلٌ فی الارض خلیفہ کا تاج رکھا جاتا ہے اور خلیفۃ اللہ کی حیثیت میں کائنات پر حکمرانی کرتے ہیں ۔ ان حضرات کو اصحابِ تمکین اور ابوالحال بھی کہتے ہیں لیکن جو محویتِ ذات میں غرق ہو کر اس سے باہر نکلنے کی استعداد نہیں رکھتے ۔ ان کو اصحاب تلوین، ابن الحال یا مغلوب الحال کہتے ہیں ۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ غالب الحال کا درجہ زیادہ بلند ہے یا مغلوب الحال کا ۔ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے اپنے دیوان میں ان اصحابِ تمکین، ابوالحال، غالب الحال اور باقی باللہ اولیاء اللہ کی یوں تعریف فرمائی ہے ؎

تو ڑیں جو دریا نوش ہِن ۔۔۔ پُر جوش تھی خاموش ہِن

اسرار دے سرپوش ہِن ۔۔۔ جامت رہن مارن نہ بک

بک مارنے سے حضرت اقدس کی مراد انا الحق یا سُبحانی ما اعظم شانی جیسے نعرے مارنا ہے ۔ اب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرت خواجہؒ کے نزدیک مقامِ بقا باللہ مقام فنا فی اللہ سے زیادہ بلند ہے ۔ اور جو صوفیاء کرام دائمی استغراق میں رہتے ہیں ان کا مرتبہ اصحاب تمکین اور اصحاب صحو یا حضرات باقی باللہ سے کم ہے ۔ استغراق ایک قسم کی بے بسی ہے جو نقص ہے شرابِ معرفت کے ایک دو پیالے پی کر مست ہو جانا کمال نہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ شرابِ وحدت کے دریا اور سمندر نوش کر جائے لیکن مست نہ ہو ۔ اگر مست ہو گیا تو پھر خلافت الٰہیہ اور ہدایت و رُشد خلق کے فرائض کیسے انجام دے گا ۔ انسان کامل خلیفۃ اللہ ہے اور اللہ تعالےٰ کی نیابت میں کائنات پر غوث اور قطب بن کر حکمرانی کرتا ہے ۔ لیکن مجذوب اور مغلوب الحال اصحاب یہ فرائض انجام نہیں دے سکتے ۔ ہمارے ملک میں ایک اور مرض پیدا ہو گیا ۔ جن لوگوں نے صرف کتابوں میں فنا اور استغراق کی باتیں پڑھ لی ہیں اور ان کو یہ حال نصیب نہیں ہوا ۔ وہ بھی تارک صوم و صلوٰۃ ہو گئے ہیں ۔ غضب ہے کہ جو حضرات ہر وقت فنائے ذات میں مستغرق رہتے ہیں وہ تو وقت نکال کر نماز پڑھ لیں ۔ لیکن جن کو فنا کی ہوا بھی نہیں لگی وہ نماز ترک کر دیں ۔ ایں چہ بوالعجبی است ۔

مقام پر بقا باللہ حاصل ہوتی ہے اور مقامِ فنا میں یعنی ذاتِ احدیت میں غرق ہونے سے استغراق اور محویت غالب ہوتی ہے جہاں نہ کوئی صفت ہے نہ اضافت، نہ لعنت، نہ سمت نہ قیدِ زمان و مکان ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ مقام بقا باللہ میں کمال صحو و ہوشیاری و تمیز حاصل ہوتی ہے اور اس مقام پر اولیاء کرام احکامِ شریعت کی پابندی کرتے ہیں ۔ اس کے بعد فرمایا کہ عارف را حق بودن فرض مے باشد و عبد بودن سنت (عارف کے لیے مقام فنا فی اللہ حاصل کرنا فرض ہے اور مقام بقا باللہ حاصل کرنا سنت ہے) ۔ جب تمام مراتب سلوک طے کر کے ھُوِیت مطلقہ یا احدیت ذاتیہ میں محو یا مستغرق ہو جاتا ہے ۔ اور فانی مطلق ہو جاتا ہے تو فرضیت اس سے ساقط ہو جاتی ہے ۔ (یعنی عارضی طور پر صرف مراقبۂ فنا میں) لیکن جس شخص پر عنایت ازلی ہو جائے اس مقام سے (مقام سکر و فنا سے) تنزل کر کے پھر مقامِ سنت پر جسے عبدیت اور بقا بھی کہتے ہیں واپس آتا ہے ۔

جامعیت عبدیت یعنی بقا باللہ میں ہے

اس کے بعد فرمایا کہ جامعیت[1] اسی مقام عبدیت (نزول) میں ہے یہ مقام تسلیم و رضا ہے ۔ لیکن اس مقام کا حصول بہت مشکل ہے

اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ حضور حالتِ سجدہ میں اس بندہ پر عجیب و غریب واردات ہوتے ہیں اور گریہ کا غلبہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سانس لینا اور اللہ اکبر کہنا بھی دشوار ہو جاتا ہے اور دیر تک سجدہ میں پڑا رہتا ہوں ۔ جب امامت کرتا ہوں تو زیادہ مشکل پیش آتی ہے ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ احادیث میں آیا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام طویل سجدہ کیا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ بعض اوقات حاضرین خیال کرتے تھے کہ ان کی رُوح جسم سے پرواز کر گئی ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب نماز میں حضورِ قلب نصیب ہوتا ہے تو گریہ لاحق ہو جاتا ہے اور دوسرے حالات اور واردات بھی وارد ہوتے ہیں ۔ اکثر اولیاء کرام نماز میں امامت نہیں کرتے کیونکہ مقتدی کو امام سے زیادہ نماز میں حضور قلب حاصل ہوتا ہے ۔ اس وجہ سے کہ مقتدی قرأت وغیرہ جیسے شور و خلل سے فارغ ہوتا ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعض اولیاء کرام نے فقر کی بنا وحدتِ وجود پر رکھی ہے ۔ خواہ نماز

---

[1] جامعیت کا مطلب یہ ہے کہ بیک وقت فانی فی اللہ بھی ہو اور باقی باللہ بھی ۔ یعنی فنا و بقا دونوں مقام

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہیں ہوں یا نماز سے باہر صرف اس خیال کو مستحکم اور پختہ کرے۔
اس کے بعد فرمایا کہ ذکرِ جہری میں اگر ضربیں مارنے کی (قلب پر ضرب مارنے کی) طاقت نہ ہو تو صرف تسبیح کے دانے گھماتے رہو لیکن قضا نہ کرو۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعض اولیاء کرام نے اِلَّا اللّٰہ، اِلَّا اللّٰہ، اِلَّا اللّٰہ، اور اللّٰہ اللّٰہ کا ذکر پسند کیا ہے اور تمام عمر اسی میں گزاری ہے۔ اگرچہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ حق موجود ہے اور غیر حق ہرگز موجود نہیں۔ پھر بھی غیریت موہومہ کے دفعیہ اور آثار امکانیت کو مٹانے اور اپنے تعین (تشخص) کو ہٹانے کی خاطر ذکر نفی اثبات کرتے رہتے ہیں (ذکر نفی و اثبات یہ ہے لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ۔ لَا اِلٰہَ میں نفی غیر ہے اور اِلَّا اللّٰہ میں اثباتِ حق ہے) چنانچہ حضور فخر العالمؒ میرے شیخ ساری عمر

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ

حاصل ہوں اور یہ مقام نزول کے بعد عبدیت میں حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ انبیائے ماسبق علیہم السلام کی تعلیمات میں زیادہ تر فنا فی اللہ پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے کہ کسی نبی میں کوئی خصوصیت ہوتی تھی کسی میں کوئی نیز انبیائے بنی اسرائیل کسی خاص وقت کے لیے کسی خاص قوم یا فرقہ کے لیے نبی بن کر آتے تھے۔ لیکن چونکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ساری خلقت کے لیے اور ساری مدت کے لیے نبی بن کر تشریف لائے ہیں۔ آپ کی تعلیمات میں جامعیت ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

حسن یوسف، دم عیسےٰ، ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہی وجہ ہے کہ ہندو مت، بدھ مت، یہودی اور عیسائی مذاہب میں کمال فنا فی اللہ میں مستغرق ہو کر ہمیشہ کے لیے جنگلوں اور غاروں میں رہ جاتا تھا۔ یہ رہبانیت ہے لیکن ہمارے نبی آخر الزمانؐ نے جن کی تعلیمات میں جامعیت ہے آکر لا رھبانیۃ فی الاسلام کا نعرہ لگایا اور رہبانیت کو حرام اور ناجائز قرار دے دیا۔ اور فنا فی اللہ کے استغراق سے نکل کر عالم صحو وہوشیاری میں واپس آکر فرائض خلافت و عبدیت انجام دینا ہدایت و رشد کا کام کرنا اور خلافت الٰہیہ کے منصب پر فائز ہونا منزلِ مقصود قرار دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جامعیت اور عبدیت بلند ترین مقام اور معراجِ بشریت ہے۔ فنا فی اللہ میں محو ہو کر مستغرق رہ جانا ہے۔ کمال نہیں ہے۔

یہی کرتے رہے - تم بھی یہی کیا کرو - اور بعض اولیائے کرام نے حصولِ یقین کے بعد ذکر الا اللّٰہ یا صرف اللہ پر اکتفا کیا ہے لیکن اولیٰ طریقہ اولیٰ ہے (یعنی پورا ذکر نفی واثبات لا الٰہ الا اللّٰہ کرنا) ؎۱

شیخ کی علالت سے مرید کا علیل ہونا

اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ حضور دعا کیجئے مجھے بیماریوں سے شفا ہو - فرمایا اب چونکہ مجھے عافیت وشفا ہو گئی تجھے بھی ہو جائے گی - ؎۲

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور اس بندہ کو اپنے دیوان کی کافیوں کا مطلب تعلیم فرماویں کیونکہ یہ تمام تصوّف وتوحید کی کتابوں کا لب لباب ہے - آپ نے فرمایا کہ میرے شیخ علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص میرے دیوان کی غزلیں مجھ سے پڑھ لے تو عالمِ توحید میں اُسے کسی اور کتاب کے پڑھنے کی ضرورت نہ رہے گی -

---

؎۱ بعض مشائخ حصول فنا فی اللہ کے بعد ذکر جہری ترک کر دیتے ہیں اور مراقبہ فنائیت فی الذات کی مشق کراتے رہتے ہیں تاکہ ذاتِ بحت میں تعمق حاصل ہو اور زیادہ سے زیادہ مراتب فنا حاصل ہوں - نیز حصولِ فنا کے زمانے میں ذکر جہری سے طبیعت میں ایک گونا گوں انتشار بھی واقع ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات غلبۂ استغراق ومحویت کی وجہ سے ذکر ناممکن ہو جاتا ہے - یہاں تک نہ ذکر کر سکتا ہے نہ سن سکتا ہے - اسی وجہ سے بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ میرے سامنے کوئی شخص اللہ کا نام لیتا ہے تو بعض اوقات اس کے منہ میں شکر دینے کو جی چاہتا ہے اور بعض اوقات اس کے سر پر ڈنڈا مارنے کو جی چاہتا ہے - ڈنڈا اس لیے کہ حالتِ استغراق میں نام سننے کی تاب بھی نہیں رہتی -

؎۲ شیخ کے شفایاب ہونے پر مرید کے شفایاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کی حالت کا عکس ہمیشہ مرید صادق پر پڑتا ہے - چنانچہ جب شیخ کسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو مخلص مرید بھی مبتلا ہو جاتا ہے اور جب شیخ شفایاب ہوتا ہے تو مرید بھی شفایاب ہوتا ہے - تاریخ میں اس قسم کے واقعات بیشمار ہیں -

مقبوس ۲: بوقت ظہر بروز چہار شنبہ ۲ جمادی الثانی ۱۳۱۶ھ

تعویذ فتح و خیر و برکت

حضرت اقدس ظہر کی نماز پڑھ کر تلاوت کلام مجید کر رہے تھے کہ ایک خادم نے آکر عرض کیا کہ حضور فلاں صاحبزادہ مہاروی (از اولاد حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد چشتی قدس سرہٗ) جو رات مہمان خانے میں آئے تھے زیارت کے لیے حاضر ہونا چاہتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا تم جاؤ اور ان کو لے آؤ۔ جب وہ آئے تو حضرت اقدس سرو قد کھڑے ہو گئے ۔ انہوں نے آتے ہی حضرت اقدس کے پاؤں پر ہاتھ رکھے آپ اپنے ہاتھ ان کے پاؤں کی طرف لے گئے اور اپنے قریب بٹھایا اس کے بعد تلاوت شروع کر دی ۔ جب تلاوت سے فارغ ہو گئے تو صاحبزادہ صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور دست بستہ ہو کر خیر و عافیت دریافت کی ۔ یاد رہے کہ یہ صاحبزادہ صاحب ابھی بے ریش اور کم سن تھے ۔ لیکن حضرت اقدس کا قاعدہ ہے کہ مہار شریف سے جو صاحبزادہ آتا خواہ وہ کمسن ہو یا بڑا آپ اپنی قطبیت کی شان کے باوجود اُن سے نیاز و انکسار سے پیش آتے ہیں ۔ اس وجہ سے کہ حضرت قبلۂ عالم مہاروی قدس سرہٗ کی اولاد ہیں ۔ اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے طفیل مجھے فتح کا تعویذ عنایت کریں ۔ آپ نے تبسم فرما کر یہ تعویذ لکھا اور تہہ کر کے اُن کے حوالہ کیا اور فرمایا دائیں بازو پر باندھا جائے :-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

والارض	السمٰوات	نور	الله
الله	نور	السمٰوات	والارض
السمٰوات	والارض	الله	نور
نور	الله	والارض	السمٰوات

یملیخا مکلمینا کشفو طط تبیونس اذر فطیونس
کشاذ طیونس یوالنس بوس اسم کلبھم قطمیرۃ

ان اوراق کی تصحیح کے وقت حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس تعویذ کے پُر کرنے اور لکھنے کی شرط ہے ہائے لفظ اللہ، واؤ لفظ نُور، میم لفظ سمٰوات اور ضاد لفظ ارض، یہ سب حروف مکشوف و اجوف ہونے چاہییں۔ (مطلب یہ ہے کہ ہا۔ واؤ میم۔ ض کے سر گول ہوں اور درمیان میں خالی ہو جیسے ہ۔ و۔ م۔ ض)

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور یہ تعویذ کس کام کے لیے دیا جاتا ہے۔ فرمایا مال اور رزق میں برکت اور خیرات اور حسنات کے دروازے کھولنے کے لیے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ (از برائے برکت در مال و رزق و از برائے فتح ابواب خیرات و حسنات)

مقبوس ۲۱: بوقت عصر بروز پنجشنبہ ۵ جمادی الثانی ۱۳۱۶ھ

وظیفہ مقاصد دینی و دُنیاوی

ایک شخص نے آکر دو مرتبہ آپ کے سامنے سجدہ کیا۔ آپ نے تبسّم فرمایا اور نہ اُسے منع کیا نہ رنجیدہ ہوئے۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ حضور دینی اور دنیاوی مقاصد کے لیے کوئی وظیفہ بتائیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہر روز سورت فاتحہ اکتالیس بار پڑھا کرو لیکن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی میم کو الحمد کی ح سے ملا کر پڑھنا۔ یعنی اس طرح پڑھنا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

مقبوس ۲۲: بوقت ظہر بروز سہ شنبہ ۸ جمادی الثانی ۱۳۱۶ھ

حضرت اقدس وضو کر کے آرہے تھے لیکن چہرۂ اقدس پر غضب و جلال کے آثار نمایاں تھے۔ اور آپ کی پیشانی مبارک پر جو دو رگیں ہیں ابھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ جب کبھی حضرت اقدس غُصّے ہوتے ہیں تو اس کی علامت یہ ہے یہ دو رگیں اوپر نکل آتی ہیں۔ جب آپ نماز میں شاغل ہوئے تو احقر نے کسی سے پوچھا کہ آج حضرت اقدس کس وجہ سے خشمناک ہیں۔ اس

نے کہاکہ اس شہر چاچڑاں شریف کے کچھ مراثی لوگ شیعہ ہو گئے ہیں اور آج انہوں نے کسی شخص کے سامنے بدزبانی کی ہے ۔ آپ نے حکم دیا ہے کہ ان لوگوں کے سر کے بال مونڈکر ان کو سزا دی جائے ۔ اس وجہ سے آپ غضب ناک ہیں ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو غصہ کے آثار اب بھی باقی تھے ۔ آپ نے عمر خان خادم کو بلاکر فرمایا کہ ان خبیثوں کو جاکر کہو کہ آج تم لوگوں کو جو سزا دی گئی ہے کم ہے اور بہت کم ہے ۔ شریعت کی رُو سے تم سزائے عظیم کے مستحق ہو۔ لیکن اس وقت اس پر اکتفا کیا گیا ہے ۔ اگر آئندہ تم لوگوں نے اپنے عقیدۂ بد کا ذرا بھر بھی اظہار کیا یا بدزبانی کی تو یاد رکھو تم کو بہاولپور کے جیل خانہ میں عمر قید کر دیا جائے گا ۔ اس کے بعد آپ تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو گئے ۔ جب آپ نے یہ آیت پڑھی :۔

یَا ایھا النبیُّ حَسْبُكَ اللهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِین

تو اس احقر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا سبحان اللہ ، سبحان اللہ ۔ یہ آیت حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے ۔ (آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبیؐ پاک صلعم تجھے اللہ کافی ہے اور وہ لوگ کافی ہیں جو آپ کے تابع فرمان ہیں ۔ یاد رہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ آج سے مسلمان کھلم کھلا نمازیں پڑھیں گے اور کفار میں سے جن لوگوں نے اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ کرانا ہے وہ آئیں اور ہمارا مقابلہ کریں) حضرت اقدس نے جب سورت انفال ختم کی تو دعا مانگی اور بعدہٗ فرمایا کہ اب سورۂ توبہ شروع ہو گی اور پڑھنا شروع کیا ۔

سورۂ براۃ میں بسم اللہ نہ آنے کا سبب

ایک سطر پڑھ کر فرمایا کہ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہ آنے کا سبب یہ ہے کہ " بار بسم اللہ مقابل انسان کامل است وچنانچہ با خلیفہ الف است در عدد وحروف تہجیؔ وتلفظ ، ہمچنیں انسان کامل خلیفۂ حق سبحانست ۔ پس ازیں سبب بر ہر سورۂ قرآنی کہ صحیفہ البیت علیحدہ وبغیر با شروع کردہ شدہ است ۔ بسم اللہ در ابتدائیش آمدہ است زیر آنکہ ہدایت کا لظہور از با است یا از انسان کامل وچوں ایں سورت خود بہ بار شروع شدہ است بنا براں بسم اللہ بروئے نیامدہ است ۔

(بسم اللہ میں جو بار ہے وہ انسان کامل کے مقابل ہے یعنی اس سے مراد انسان کامل ہے۔ چونکہ حروف تہجی میں ب الف کے تابع ہے یعنی ب الف کا خلیفہ ہے۔ اسی طرح حروف تہجی کے اعداد اور تلفظ کی رُو سے انسانِ کامل اللہ تعالےٰ کا خلیفہ ہے اب چونکہ قرآن مجید کی ہر سورت ایک علیٰحدہ صحیفہ ہے اور چونکہ باقی تمام سورتوں کے شروع میں بار نہیں ہے اس لیے ہر صورت بسم اللہ سے شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ کائنات کی بدایت (ظہور) بار سے یا انسان کامل سے ہوئی۔ یاد رہے کہ تجلّی اوّل یا تعینِ اول حقیقت محمدیہ ہے جس سے مراد انسان کامل ہے۔ اب چونکہ یہ سورت خود بخود حرف بار سے شروع ہو رہی ہے اس لیے اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں آئی) [۱]

اس کے بعد فرمایا کہ مثنوی شریف بھی بار سے شروع ہوتی ہے ؎

بشنو از نَے چوں حکایت مے کند ۔۔۔ واز جدائی ہا شکایت مے کند

(نَے یعنی بانسری سے سنو کس طرح آہ و فریاد کر رہی ہے۔ اس کی آہ و فغان اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی اصل سے جدا ہو گئی ہے۔ یہاں نَے سے مراد انسان کامل ہے یعنی انسان کامل جب سے اپنی اصل یعنی عالم قدس سے جدا ہوا ہے مصروف نالہ و فغان ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ یہ توجیہہ ایک بڑے محقق نے کی ہے۔ احقر نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور وہ محقق کون ہیں۔ فرمایا کہ ان کا نام تو اس وقت یاد نہیں لیکن انہوں نے مثنوی شریف کی عربی میں شرح لکھی اور اس قدر یاد ہے کہ وہ مولائی ہیں۔ احقر نے پوچھا کہ حضور مولائی سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا روم کا سلسلہ شاخ ہے سلسلۂ کبرویہ کی۔ کیونکہ آپ سلسلہ کبرویہ سے نسبت رکھتے تھے۔ اب چونکہ مولانا روم سے ایک علیٰحدہ سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔ آپ کے اس سلسلہ کو مولائی کہتے ہیں۔ اور یہ محقق شارح مثنوی بھی سلسلہ مولائی (یا مولویہ) سے تعلق رکھتے ہیں۔
اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ اشعار مثنوی کہتے تھے تو کئی لکھنے والے

---

[۱] سورۃ توبہ میں بسم اللہ شریف نہ ہونے کی وجہ زیادہ تفصیل سے جلد پنجم مقبوس ۶۸ میں آئی ہے۔

پاس بٹھا لیتے تھے اور اس تیزی سے اشعار مثنوی کہتے تھے کہ لکھنے والے عاجز آجاتے تھے کیونکہ ایک شعر لکھنے کی دیر میں آپ دو تین شعر کہہ ڈالتے تھے۔ لیکن بعض اوقات آپ چھ چھ ماہ تک خاموش بھی ہو جاتے تھے چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں ؎

مُدّتے ایں مثنوی تاخیر شد ؛ دیر مے بائیست تا خوں شیر شد

(مثنوی لکھنے میں اس لیے دیر ہو گئی کہ خون سے دودھ بنتے تک دیر لگتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ احساسات، واردات اور مشاہداتِ قلبی کے دل میں راسخ ہونے اور حقائق و معارف بن کر زبان سے نکلنے میں کافی وقفہ درکار ہوتا ہے۔ خون سے مراد دردِ عشق ہے اور دودھ سے مراد وہ کلماتِ توحید ہیں جو درد کا سرمایہ ہیں)

حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ کمالات جو ابھی ظہور کے قابل نہ تھے۔ اُن کے ظہور کے لیے وقت چاہیے۔ اس لیے دیر ہو جاتی تھی۔

"اولیاء اطفالِ حق اند" کے معنی

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور اس مصرع کا کیا مطلب ہے۔ ؏

اولیاً اطفالِ حق اند اے پسر

(اولیاء اللہ تعالیٰ کے اطفال یعنی بچے ہیں)

یہ شعر سن کر حضرت اقدس خاموش بیٹھے تھے کہ احقر نے عرض کیا۔ سائل کا مطلب یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ ولدیّت اور والدیّت سے پاک ہے تو پھر اولیاء اللہ کے اطفالِ حق ہونے کے کیا معنی ہیں۔ حضرت اقدس نے تبسّم کر کے فرمایا کہ اولیاء کرام کا اطفال ہونا اس عزّت، قربت، رتبہ، اور مرتبہ کے اعتبار سے ہے جو اُن کو حق تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس سے زیادہ اہم لفظ وہ ہے جو خدا تعالیٰ نے خود قرآن شریف میں استعمال فرمایا ہے کہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں دنیا میں نائب پیدا کرنے والا ہوں) لفظ خلیفہ خلف سے مشتق ہے اور خلف بیٹے کو کہتے ہیں۔ خلف کو بیٹا اس لیے کہتے ہیں کہ اپنے باپ کے کاروبار کا متولی ہوتا ہے۔ اسی طرح خلیفہ بھی بادشاہِ حقیقی کے کاروبار کا متولی ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ احادیث میں آیا ہے کہ اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ (خلقت اللہ تعالیٰ کی

آل وعیال ہے) - ظاہر ہے کہ عیال سے مراد کسی شخص کے اہل خانہ ہیں - چنانچہ اس سے مراد رازقیت، مرزوقیت، ربوبیت و مربوبیت کا تعلق ہے نہ کہ ولدیت یا والدیت وغیرہ کا -

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی شریعت میں اللہ تعالےٰ کو باپ کہنا جائز تھا لیکن آپ کے بعد آپ کی قوم نے یہ عقیدہ اختیار کر لیا کہ حضرت عیسےٰ اللہ تعالےٰ کے بیٹے ہیں اور یہ شرک ہے - ان لوگوں کو اس بات کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی کہ اللہ تعالےٰ کو باپ کہنا کن معنوں میں تھا - اسی وجہ سے حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں حق تعالےٰ کو باپ کہنے کی ممانعت ہو گئی -

حضرت قبلہ عالمؒ کا لباس

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور حضرت قبلہ عالم کا لباس کس وضع کا تھا - آپ نے فرمایا کہ آپ اکثر نیلے رنگ کا تہ بند اور پیراہن جس کا گریبان سینہ مبارک پر ہوتا تھا، زیب تن فرماتے تھے - اور سر مبارک پر چوگوشی ٹوپی جسے کلاہ چہار ترکی کہتے ہیں - رکھتے تھے - اس کے بعد عرض کیا کہ آپ کونسی زبان میں کلام فرماتے تھے - حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ اکثر وہ پنجابی زبان بولتے تھے جو علاقہ مہاران شریف میں بولی جاتی تھی - بعض اوقات آپ ہندوستانی زبان میں کلام فرماتے تھے - کیونکہ آپ کے شیخ حضرت مولانا فخر دہلوی قدس سرہٗ کی زبان بھی ہندوستانی تھی - نیز حضرت قبلہ عالمؒ خود عرصہ پندرہ سال تک ہندوستان میں اقامت پذیر رہے - اس پر احقر نے عرض کیا کہ آیا یہ مدت آپ نے طالب علمی میں گذاری یا دوسرے کاموں - آپ نے متبسم ہو کر فرمایا کہ طالب علمی میں آپ نے چند ماہ گذارے باقی ساری مدت اپنے شیخ علیہ الرحمۃ کی صحبت میں بسر کی -

مقبوس ۲۳: بوقت ظہر بروز دوشنبہ ۲ شوال ۱۳۱۶ھ

اس وقت آپ مخدوم سید عبد اللہ شاہ بن مخدوم سید خیر شاہ ساکن اوچ شریف کو لوائح جامی کا درس دے رہے تھے - حضرت صاحبزادہ محمد بخش صاحبؒ بھی موجود تھے -

لائحہ ہشتم

حضرت اقدس نے لائحہ ہشتم سے یہ عبارت پڑھی :- "ہمچناں کہ امتداد نسبتِ مذکورہ .... الی آخرہ - متن لوائح :" تعرّی از ملابسہ اکوان" شرح - یعنی اختلاطِ خلقت یا لوگوں سے میل و ملاقات سے پرہیز کرے اور گوشۂ تنہائی اختیار کرے - متن لوائح :- وتبرّی از ملاحظہ صُوَرِ امکان اہم مطالب است - شرح - موجوداتِ امکانیہ یعنی کثرتِ تعیّنات پر نگاہ ڈالنے سے بھی پرہیز کرے - یعنی نسبت مذکورہ (شغل باطن) کو بڑھانے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں - اول خلوت اختیار کرنا دوم غیر حق سے آنکھیں بند کرنا - تاکہ پوری توجہ وحدتِ وجودِ مطلق اور ذاتِ محض یا ذاتِ بحت پر جما سکے نیز تمام اوراد و وظائف میں عبادات میں خواہ نماز ہو یا ذکر جہری وغیرہ آنکھیں بند رکھنا ضروری ہیں - (کیونکہ اس سے توجہ مرکوز رہتی ہیں) متن لوائح :- وآں بجز جہد بلیغ و جدّ تمام در نفی خواطر و اوہام میسّر نہ گردد - شرح - اور یہ چیز یعنی موجوداتِ امکانیہ کے ملاحظہ سے پرہیز کرنا سخت جدو جہد اور خطرات و وساوس قلبی کو مٹانے کے بغیر میسر نہیں ہوتا -

متن لوائح :- آں را کہ فنا شیوہ و فقر آئین است - نے کشف و یقین نہ معرفت و نہ دین است

شرح - یعنی سالک کے کمالات میں سے کشف، یقین بلند مراتب ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْن اور معرفت بھی کمال ہے نیز دینداری بھی باعث کمال ہے - مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ چار مراتب کمال ہیں اور کاملین کے سوا کسی کو حاصل نہیں لیکن عارفِ فانی ذات مطلق کا مقام ان مراتب سے بالاتر ہے اور کشف و کرامات، اور یقین و معرفت جیسے صفات کا اطلاق عارف ذاتِ مطلق پر نہیں کیا جا سکتا - اس وجہ سے کہ یہ صفات عبد کے لیے ہیں - اور خدائے عزوجل ان صفات سے مبرا ہے - چنانچہ مولانا جامیؒ نے خود دوسرے شعر میں فرمایا ہے ؎

الفقر اِذَا تَمَّ هُوَ الله انیست — رفت او ز میان ہمیں خدا ماند خدا

(سالک درمیان سے اُٹھ گیا اور خدا باقی رہ گیا - اِذَا تَمَّ الفقر هو الله کا مطلب یہی ہے - اِذَا تَمَّ الفقر هُوَ الله عارفین کا مقولہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب فقر کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے)

لائحہ نہم

متن :۔ "و پوشیدہ نہ ماند کہ فنائے فنا در فنا مندرج است ..
..... الی آخرہ ۔"

شرح ۔ یعنی فنا مولانا جامیؒ کے نزدیک ابتدا میں سالک کی فنا ہے، اور بقا ہستئ حق سبحانہٗ ہے اور اس کی انتہا عدم شعور ہے اس فنا و بقا کے ساتھ ۔[1]

متن لوائح جامیؒ :۔ شعر ۔ تا یک سر موئے زخویشتن آگاہی
گر دم زنی از راہِ فنا گمراہی

ترجمہ ۔(اگر تجھے حالتِ فنا میں اپنی ہستی کا ذرا بھر بھی شعور یا احساس ہے تو یہ فنا نہیں اور اس حالت میں فنا کا دم مارنے والا گمراہ کہلائے گا) مطلب یہ کہ فنائے تامہ میں سالک اپنی ہستی کو کلی طور پر گم کر دیتا ہے اور ذرا بھر اپنا شعور نہیں ہوتا ۔ لیکن یہ چیز عارضی ہوتی ہے دائمی نہیں کیونکہ سالک بارہا فنا ہوتا ہے، اور بارہا نزول کر کے مقام دوئی پر آتا ہے ۔

شرح :۔ شعر کی شرح حضرت خواجہ صاحبؒ نے شعر میں فرمائی ہے جو یہ ہے ؎

---

[1] ۔ فنا و بقا ۔ یاد رہے کہ جن حضرات کو حالتِ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا ذاتی تجربہ ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ ابتدا میں سالک ذاتِ واحد میں فنا حاصل کرتا ہے اور یہ فنائے صفاتی ہے کیونکہ واحد صفت ہے اس فنا کو سلوک الی اللہ کی اصطلاح میں قربِ نوافل کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ یہ تمام اس حدیث قدسی کے مطابق ہے ۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں قریب ہو جاتا ہوں حتیٰ کہ اس کی سمع، بصر، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا، سنتا، پکڑتا اور چلتا ہے ۔ اس سے اوپر قربِ فرائض کا مقام ہے کہ جب فنائے صفاتی سے گذر کر سالک ذاتِ حق میں فنا ہو جاتا ہے ۔ لیکن مولانا جامی کی مراد یہ فنا نہیں بلکہ فنا الفنا ہے کہ جب سالک ذات لاتعین میں فنا حاصل کرتا ہے جو لطیفہ اخفیٰ سے بھی اوپر ہے اور جہاں نہ مکان ہے نہ زمان ۔ نہ سمت، نہ اشارہ نہ لغت بلکہ خالص ذات ہی ذات "فنائے فنا در فنا مندرج است"، کے یہ معنی ہوئے کہ فنا وہ ہے جس میں فنا کا شعور بھی نہ رہے ۔ اگر یہ شعور باقی ہے کہ میں فنا ہو چکا ہوں تو وہ فنا نہیں ۔

تاکہ تو باشی خدا شد نہاں چوں تو گم گشتی خدا گرد عیاں

ترجمہ (اے سالک جب تک تجھے اپنی ہستی کا احساس ہے تو ظاہر ہے اور خدا پوشیدہ ہے یا تو حاضر ہے اور خدا غیب ہے۔ جب تو ذاتِ حق میں گم ہو گیا[1] تو پھر خدا ظاہر ہو جاتا ہے اور تو پوشیدہ یا تم غیب اور خدا حاضر۔)

متن لوائح۔ توحید یگانہ گردیدنِ دل است (توحید محویت قلبی یعنی روحی کا نام)

---

[1] گم ہونا۔ جو حضرات کیفیتِ فنا سے آگاہ نہیں ہیں نیز وہ حضرات بھی جو فنا و بقا کی باتیں صرف کتابوں میں پڑھ کر فنا فی اللہ، وحدتِ وجود اور ہمہ اوست کا دم مارنے لگتے ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ گم ہونے کا کیا مطلب ہے وہ صرف گم ہونے کے نعرے لگاتے ہیں کبھی خود گم ہو کر نہیں دیکھا۔ گم ہونے کا مطلب یہ ہے جب شدید مجاہدات، عبادات وریاضات (جن سے نام نہاد صوفی دور بھاگتے ہیں) کے بعد سالک کے نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کی روح پاک و منزہ ہو کر عالم بالا کی طرف پرواز کرتی ہے تو وہ ذاتِ حق کے ساتھ واصل ہو جاتی ہے جسے وصول الی اللہ، قرب الی اللہ اور فنا فی اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن فنا کی کوئی حد نہیں کیونکہ ذاتِ حق کی کوئی حد نہیں اور یہ سیر فی اللہ یا فنا فی اللہ اگر جاری رکھی جائے تو ساری عمر اس میں رہ سکتا ہے بلکہ قبر میں بھی اور قیامت کے بعد بہشت میں بھی جاری رہتی ہے۔ لیکن چونکہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے تعلیمات روحانیہ اسلامیہ کا تقاضا یہ ہے کہ فنا کو چھوڑ کر پھر دوئی میں آنا پڑتا ہے تاکہ آدمی انسان کامل کی حیثیت سے خلافتِ الٰہیہ کے فرائض انجام دے۔ دنیاوی زندگی سنوارے۔ خلقت کی ہدایت کے فرائض انجام دے۔ بیوی بچے ہوں۔ معاشی، اقتصادی اور سیاسی زندگی میں حصہ لے۔ یہ ہے حقیقی معنوں میں اسلامی زندگی کا معراج جو خاصہ ہے تعلیمات محمدیہ کا اور جسے مقام عبدیت بقا باللہ اور جامعیت کہا جاتا ہے۔ اس مقام پر آدمی کو فنا فی اللہ بھی حاصل ہے اور بقا باللہ بھی۔ ہمہ اوست کی حقیقت بھی جانتا ہے اور مسند تمکین و عبدیت پر بیٹھ کر خلیفۃ اللہ بھی کہلاتا ہے۔ آپ آپ خود دیکھ لیں کہ ہمارے نام نہاد صوفی اور وہ حضرات جو حکومت الٰہیہ، خلافت الٰہیہ کے نعرے لگا رہے ہیں وہ فنا فی اللہ ہوئے بغیر کس طرح خلیفۃ اللہ بن سکتے ہیں۔

شرح - یعنی توحید حق سبحانہٗ کی صفت نہیں ہے اس وجہ سے کہ حق تعالےٰ کو موحّد نہیں
کہا جا سکتا - اسی طرح عارف کو بھی موحّد نہیں کہا جا سکتا اور توحید اس کی صفت نہ ہوگی - لہٰذا
مولانا (جامیؒ) نے توحید کے معنی بے خودی کیے ہیں اور اسے دل کے ساتھ منسوب کیا ہے (جو
مترادف روح کا ہے) - اس کے بعد بندہ راقم الحروف نے عرض کیا کہ توحید کو چار اقسام پر تقسیم کیا
گیا ہے اور چوتھی قسم توحید الٰہی ہے - اس وجہ سے حق تعالےٰ کو موحّد کہا جا سکتا ہے یا نہیں -
آپ نے فرمایا توحید کے لفظی معنی واحد ہونا اور واحد جاننا ہیں - اور یہ شانِ عبدیّت ہے - پس
وحدت صفت حقیقت ہے - توحید اگرچہ الٰہی ہو یہ حق تعالےٰ کی صفت عاریہ ہے لہٰذا توحید
حق تعالےٰ کی صفت عاریہ ہے اور وحدتِ عبد کی صفتِ عاریہ ہے - پس حق تعالےٰ کو حقیقتاً
موحّد نہیں کہا جا سکتا -

متن - ہم از روئے طلب و ارادت و ہم از روئے علم و معرفت -

شرح - یعنی سالک کے لیے راہِ حق میں دو چیزیں ضروری ہیں - ایک طلب و ارادت جس کا مطلب
ہے سلوک الی اللہ اور یہ مجاہدہ، جد و جہد، کوشش اور عبادت و ریاضت کا نام ہے - دوم
علم و معرفت جس سے مراد واردات ہیں اور یہ عطیہ الٰہی ہے - مرد کو چاہیئے کہ ان دونوں سے گزر
کر حق سبحانہٗ سے پیوستہ ہو جائے -

متن - تخلیص دل از توجہ او ست بغیر -

شرح - دل کی خلاصی اس بات میں ہے کہ علم دوئی سے خلاصی حاصل کر کے توحید کے ساتھ
متصف ہو جائے -

متن ؎ رمزے ز نہایاتِ مقاماتِ طیور گفتم بتو گر فہم کنی منطقِ طیر

ترجمہ - (طیور معنی عارفین - یعنی میں نے عارفین کے بلند مقامات کا اشارہ تجھے کر دیا ہے
اگر تو طیور یعنی پرندوں یا اہل اللہ کی زبان جانتا ہے تو سمجھ جائے گا -)

شرح - طیور سے مراد حضرات عارفین ہیں اور منطقِ طیر کلام عارفانہ ہے -

---

مقبوس ۲۴: بوقت چاشت بروز سہ شنبہ ۳ شوال ۱۳۱۶ھ

لائحہ یازدہم

متن۔ مادام کہ آدمی در دام ہوا و ہوس گرفتار است دوام ایں نسبت از وے دشوار است۔

ترجمہ۔ جب تک کہ آدمی حرص و ہوا کے جال میں گرفتار ہے نسبت روحانی اس کیلئے دُشوار ہے

شرح۔ یعنی ہوا و ہوس اور یہ نسبت یعنی روحانی ترقی ایک دوسرے کی ضد ہیں اور مجمع ضدین محال ہے۔ (یعنی دو ضدوں کا یکجا ہونا ناممکن ہے۔) پس وہ لوگ جو ہوا و ہوس میں گرفتار ہیں (یعنی دنیا کی محبت میں پھنسے ہوئے ہیں) ۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہمیں روحانی نسبت حاصل ہے۔ وہ جھوٹے دعویدار ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ سہل بن عبد اللہ تستریؒ کے عہد میں ایک شخص تھا جو یہ کہتا تھا کہ میں ہر وقت اور ہر لحظہ خدا کے ساتھ رہتا ہوں۔ چنانچہ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، آنا جانا، سونا جاگنا میرے تمام حرکات و سکنات خدا کے ساتھ ہیں۔ حضرت شیخ سہل تستریؒ نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ تم جاؤ اور اسے دیکھو۔ اس کے افعال، اقوال، عادات و خصائل شریعت کے مطابق ہیں تو وہ صادق ہے۔ اگر شریعت کے خلاف ہیں تو وہ کاذب، باطل اور شیطان ہے۔

متن۔ لذاتِ جسمانی۔

شرح۔ یعنی لذیذ کھانے کھانا، نفیس لباس پہننا اور آرام سے سونا۔

متن۔ راحاتِ رُوحانی۔

شرح۔ مثلاً مشاغل علوم وغیرہ۔

متن۔ کلفتِ مجاہدہ از میان برخیزد۔

شرح۔ یعنی اِس حال کے آدمی کے لیے تمام رات بیدار رہنا دُشوار نہیں ہوتا اور سارا دن عبادت میں گذارنے سے اُس کے دل پر بوجھ نہیں پڑتا۔ اور پُرانے اور سخت کپڑے اُسے نرم لگتے ہیں۔ بدمزہ طعام لذّت سے کھاتا ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ صُوفی

بدنی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک عالم سے دریافت کیا کہ بہشت میں بھی عبادت ہوگی یا نہیں اس نے جواب دیا کہ تکلیف کا گھر یہی جہانِ دنیا ہے۔ اور آخرت انعام اور مزدوری کی دنیا ہے۔ بہشت میں عیش و عشرت ہوگا نہ کہ عبادت۔ صُوفی بدنیؒ نے کہا کہ واہ میرا خیال تو یہ تھا کہ بہشت میں بھی عبادت ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا کہ صوفی بدنیؒ کے لیے مجاہدہ کی تکلیف ختم ہو چکی تھی نیز فرمایا کہ ایک دن ایک آدمی پہاڑ پر کھڑا تھا کہ وہاں ایک ابدال آیا۔ اس آدمی نے ابدال سے پوچھا کہ صوفی بدنی کیسا آدمی ہے انہوں نے کہا کہ آدمی کامل ہے مگر افسوس۔ اور پھر یہ کلمات تین بار دہرائے استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ، یہ کہہ کر وہ اس شخص کی آنکھوں سے گم ہو گیا۔ جب وہ آدمی صوفی بدنیؒ کے پاس گیا تو صوفی بدنیؒ نے کہا کہ جب اُس نے کلمۂ افسوس کہا تھا اگر تین بار استغفار نہ کہتا تو مَیں اُس کی گردن توڑ دیتا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ صوفی بدنیؒ اِس قدر صاحبِ کمال تھے کہ ابدال پر جو مشائخِ کبار میں سے ہوتے ہیں ان کی نظر نہیں پڑتی تھی۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی فرماتے ہیں کہ ابھی صُوفی بدنیؒ کسی کے مُرید نہیں ہُوئے تھے کہ اتنے کمالات کے مالک تھے اگر مُرید ہو جاتے تو بڑے صاحبِ کمالات ہوتے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ میاں محمد چاکی ساکن داجل کے لیے جو حضرت قبلۂ عالم مہاروی قدس سرہٗ کے مُرید تھے بھی کلفتِ مجاہدت (مجاہدہ کا تکلیف دہ ہونا) ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ سردی کے موسم میں جب راتیں طویل ہوتی ہیں آپ نمازِ عشاء کے بعد ذکرِ جہدی شروع کرتے تھے تو فجر کی نماز تک اسی لذّت میں بیٹھے رہتے تھے جب صبح صادق ہوتی تو فرماتے تھے کہ آج رات بہت چھوٹی تھی۔

لائحۂ دوازدہم

متن۔ "کما ینبغی بجا نیاوردہ"

شرح۔ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ نیابتِ ادائے حقِ عبادت ہے۔ (آں حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے "ماعبدناک حق عبادتک" یعنی اے اللہ ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ اِس لیے حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ عبادت گذاری میں اقرارِ عجز کرنا، عبادت کا حق ادا کرنا ہے)۔

لائحۂ سیزدہم در بیانِ مشاہدۂ حق

متن - ہمہ چیزہا باو مدرک و از احاطۂ ادراک بیرن۔

ترجمہ - (تمام اشیاء کا ادراک حق تعالےٰ کی بدولت ہوتا ہے اور خود حق تعالےٰ ادراک سے باہر ہیں)۔

شرح - اِس عبارت کے معنی دو طرح پر ہیں۔ ایک یہ کہ تمام اشیاء پر حق تعالےٰ کا ادراک و احاطہ ہے لیکن حق تعالےٰ کسی کے ادراک اور احاطہ میں نہیں آتا۔ دوم یہ کہ تمام چیزیں حق تعالیٰ کے نورِ وجود کی بدولت مُبتَّر اور مُدرک ہیں اور وہ خود کسی شخص یا چیز کے احاطۂ بصارت و ادراک میں نہیں آتا مثلاً آفتاب کا نور جس سے تمام چیزیں نظر آتی ہیں خود نور مخفی و ناپید ہے یعنی آفتاب کی روشنی کسی شخص کے احاطہ بصر میں نہیں آتی۔

متن - "چشمِ سَر در مجاہدۂ جمال او خیرہ و دیدۂ سِر بے ملاحظۂ کمالِ او تیرہ"۔

ترجمہ - (جسمانی آنکھیں اُس کے نورِ جمال سے خیرہ (شرمندہ) اور اس کے مشاہدۂ کمال سے تیرہ (اندھی) ہیں)۔

شرح - یعنی حق تعالےٰ سَر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ سِر کی آنکھوں سے یعنی دل کی اور روحانی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ عارف اُن سَر کی آنکھوں سے یعنی جسمانی آنکھوں سے بھی دیکھتا ہے اس وجہ سے کہ بصر (ظاہری بینائی) اور بصیرت (رُوحانی بینائی) یا چشمِ سَر اور چشمِ سِر عارف کے لیے ایک ہو جاتے ہیں[1]۔ اِس کے بعد فرمایا کہ علاقۂ سندھ

---

[1] مولانا محمد قاسم نانوتوی رح تقریرِ دلپذیر میں بھی یہی فرماتے ہیں کہ عارف کی ظاہری اور باطنی آنکھیں ایک ہو جاتی ہیں۔ بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ظاہری بصارت بھی باطنی بصیرت پر منحصر ہے۔ اگر رُوح نہ ہو تو آنکھوں میں نور کہاں سے آئے۔ لیکن مولانا محمد قاسم کے پیر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح فرماتے ہیں کہ جب آدمی یہ سمجھتا ہے کہ مَیں جسمانی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں تو درحقیقت وہ باطنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے کیونکہ اگر ظاہری آنکھیں بند بھی کر لے تو دیکھنے میں فرق نہیں آتا (ماخوذ از شمائم امدادیہ)

میں ایک فقیر تھا وہ کہتا تھا کہ میں خدا تعالےٰ کو اِن سَر کی آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ اس پر علمائے ظاہر نے ان کی گرفت کی۔ اس زمانے میں مخدوم سرور نوح رح ساکن ہالہ کنڈہ جو بڑے بزرگ تھے موجود تھے۔ آپ نے اِس فقیر سے فرمایا کہ اب آنکھیں بند کرو۔ اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔ آپ نے فرمایا اب بھی دیکھتے ہو یا نہیں۔ اُس نے کہا اُسی طرح دیکھتا ہوں۔ چنانچہ مخدوم صاحب نے علما سے فرمایا کہ وہ دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اس پر حد نہ لگاؤ (یعنی شریعت کی خلاف ورزی میں گرفت نہ کرو)۔ اس سے وہ فقیر بھی متنبہ ہوگیا اور اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا کہ میرا خیال تھا کہ جسمانی آنکھوں سے دیکھتا ہوں حالانکہ رُوحانی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

چشمِ سَر را طاقتِ دیدن نبود چشمِ دل را لائق دیدار کرد !

(جب جسمانی آنکھوں سے مشاہدہ حق محال تھا تو باطنی آنکھوں کو دیدار کے قابل بنا دیا)

متن ۔ قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دل ۔ ترجمہ (اے دل ایسا نہ ہو کہ تُو رنگ و بُو یعنی کشف و کرامات پر قانع ہو جائے جس کا تعلق صفات سے ہے لیکن اِس سے بلند مقام طالبِ ذات ہونا ہے)

شرح ۔ رنگ سے مُراد ایک رُتبۂ کمال ہے مثل سیر سمٰوات و عرش، سیرِ عالم مثال، سیر عالم ملکوت و عالمِ ارواح، اور رُتبۂ نبوّت، رسالت، قطبیت، غوثیت وغیرہ لیکن سالک کو چاہیئے کہ ان مراتب کے حصُول پر قناعت نہ کرے اور مغرور نہ ہو اور یہ نہ سمجھے کہ مقصود یہی ہے بلکہ اس کا مطلوب اور چیز ہے۔ کوشش کرے اور مجاہدہ کرے تاکہ ان مقامات سے اُوپر نکل جائے اور عالم بے رنگی (ذاتِ لاتعین) کی سیر کرے۔ یہ ہے مقصودِ حقیقی ؏۱۔

؏۱ اس سے آج کل کے اُن نام نہاد اور کام چور صُوفیوں کی تردید ہوتی ہے جو مجاہدات، عبادات و ریاضات سے جی چُراتے ہیں اور حال تک نہیں پہنچ سکتے۔ یعنی مقام فنافی اللہ تک اُن کی رسائی نہیں ہوتی لیکن بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ممکن الوجود (انسان) کس طرح

ایک اعتراض

اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ ہر نبی جو مرتبہ نبوّت سے اور ہر رسُول جو مرتبہ رسالت سے متصف ہے اور ہر ولی جو مرتبۂ قطبیت، غوثیّت، ابدالیّت وغیرہ کے ساتھ متصف ہے وہ بھی مقام بے رنگی تک پہنچے ہوں گے یا نہیں۔

جواب

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہاں باطن کے اعتبار سے ضرور ان کا وطن ملک بے رنگی ہے۔ لیکن ظاہر کے اعتبار سے ان کی بُود و باش اور بازگشت ان رتبات بین ہے۔ نبی اور ولی کے مابین فرق عالمِ رنگ (عالم ظاہر) میں ہے کیونکہ عالم بے رنگی میں تمام انبیاء اور اولیاء یکساں اور مساوی ہیں۔ عالمِ رنگ میں ہر ولی کی سیر ہر نبی کے قدموں میں ہے۔ مثلاً حضرت ابُوبکر صدّیق کا مرتبہ اگرچہ بہت ہی بلند

واجب الوجود (حق تعالےٰ) سے قُرب و فنا حاصل کر سکتا ہے۔ اِس لیے وہ زبانی جمع خرچ سے کام لیتے اور حال کی بجائے قال میں مست رہ کر اپنے آپ کو کامل سمجھتے ہیں حالانکہ تمام اولیائے کرام کا مسلک یہی رہا ہے کہ ؎

قال را بگذار و مردِ حال شو   پیشِ مردِ کاملے پامال شو

اس پر طرّہ یہ کہ اپنی نااہلی کے باوجود یہ لوگ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے نعرے بہت بلند کرتے ہیں اُن کے لیے یہ تضاد بیانی ہے کیونکہ جب وہ فنا فی اللہ کے عملاً قائل نہیں اور ممکن اور واجب کی یکرنگی اور وحدت و وصال کے خلاف ہیں تو پھر وحدت الوجود اُن کے حال پر کیسے صادق آسکتا ہے۔ دیکھا جائے تو وہ اپنے نظریات کے لحاظ سے ہمیشہ کی دُوئی اور کثرت میں قید ہیں۔ وحدتِ وجود کا دعوےٰ کیسے کر سکتے ہیں۔ بس یہ ان کی تضاد بیانی اور متضاد روش ہے جو نتیجہ ہے عدم حصول معرفت کا۔ اس ملفوظ میں حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے تو مقامِ قطبیت و غوثیت اور کشف و کرامات کو بھی نیچے کا مقام قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اور تمام اولیاء کرام کے نزدیک مقصود اصلی ذاتِ لاتعین اور ذاتِ بحث میں فنا۔ فناء الفنا، اور بقا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہے لیکن وہ بھی نبیؐ کے قدموں میں ہیں جو سب سے آخری نبی ہیں۔ اس پر ایک شخص نے کہا بیشک از رُوئے شریعت واقعہ یہی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں از رُوئے کشف بھی یہی ہے۔

مقبوس ۲۵ بوقتِ ظہر بروز پنجشنبہ ۵ شوال سنہ ۱۳۱۶ھ

سیرت و خصلتِ اولیاء

اولیاءِ کرام کی سیرت و خصلت کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ حسام الدین رحؒ بڑے متقی تھے چنانچہ آپ کی موت کا سبب یہ پریشانی ہوئی کہ اب ہمارے زمانے میں اشیائے خوردنی مشتبہ ہوگئی ہیں اور رزقِ حلال کا حصول مشکل ہوگیا۔ اِس لیے آپ نے ارادہ کرلیا کہ تین دن میں ایک بار کھانا کھانا چاہیئے۔ اِس بارے میں آپ نے اِس قدر احتیاط سے کام لیا کہ اِس پریشانی کی وجہ سے آپ کی موت واقع ہوگئی۔ اِس کے بعد فرمایا کہ تمام مشائخ عظام نے دو چیزوں کی تاکید کی ہے اوّل "رزقِ حلال" دوم "صدقِ مقال" (خواہ نفع ہو خواہ نقصان خیر ہو یا شر راست گوئی کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا۔

حضرت سُلطان الاولیاء کا اِتقی

اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارے شیخ صاحب الروضہ سلطان الاولیاء قدس سرہٗ بھی بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ چنانچہ آپ نے ساری عمر نواب صادق محمد خان عباسی ع۱ جو آپ کے مُرید تھے کے باورچی خانہ سے کبھی کھانا تناول نہ فرمایا۔ نواب صاحب کو بھی یہ معلوم تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ نواب صاحب مذکور نے نہایت عمدہ کھانے تیار کرائے یہاں تک کہ ایک ایک رکابی پر بیس روپے خرچ کیے اور خوانچہ اٹھا کر خود حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی خدمت میں جا کر پیش کیا۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ حضور آج یہ طعام ضرور تناول

ع۱ نواب صادق محمد خان ثالث والئ ریاست بہاول پور جو حضرت خواجہ غلام قدس سرہٗ کے مُرید نواب صادق محمد خان رابع کے دادا تھے۔

فرما دیں۔ حضرت اقدس نے ایک اُنگلی کھیر کی رکابی میں ڈال کر منہ میں ڈالی اور اس کے بعد فوراً پانی سے منہ صاف کر لیا۔ آپ نے صرف نواب صاحب کی التجا پر اس قدر طعام چکھا تھا۔ لیکن اُسے بھی حلق کے نیچے نہ جانے دیا بلکہ نکال کر پھینک دیا۔ جب کبھی حضرت سلطان الاولیاء نواب صاحب کی دعوت پر تشریف لے جاتے تھے آپ کا کھانا مولوی گُل محمد اور مولوی احمد ہانبھی احمد پوری کے ہاں ہوتا تھا۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان رحؒ کا اِتقیٰ

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور حضرت خواجہ نور محمد نارووالہ قدس سرہما بھی نواب صاحب کے باورچی خانہ سے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان قدس سرہٗ کی عادت تھی کہ جب آپ سفر پر جاتے تھے تو آٹا ساتھ لے جاتے تھے اور اسی سے کھانا کھاتے تھے۔

اِس کے بعد فرمایا حضرت قبلہ عالم بادشاہ مہاروی قدس سرہٗ بھی نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ بھی نواب صاحب کے گھر سے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ تصحیح اوراق کے وقت حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولوی احمد ہانبھی احمد پوری مذکور کے بھائی مولوی عبداللہ ساکن خان بیلہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحؒ کے مُرید تھے لیکن مولوی احمد خود سلطان الاولیاء کے مرید تھے۔ یہ دونوں بھائی عالم تھے۔ لیکن مولوی احمد اپنے بڑے بھائی سے زیادہ متبحّر عالم تھے اور ساری ریاست میں ان کا فتویٰ چلتا تھا لیکن انہوں نے ساری عمر نواب صاحب سے وظیفہ یا روزینہ قبول نہ کیا۔ کاشت کاری کر کے بال بچّوں کا پیٹ پالتے تھے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا اِتقیٰ

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلویؒ بھی بڑے متقی اور متشرع تھے۔ آپ کی روش اس قدر محکم اور دستور اس قدر محتاط تھا کہ احادیثِ نبوی اور اقوال بزرگان کی بھی تاویل کر کے شریعت کے دائرے کے اندر لے آتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کی تاویل علمائے ظاہر کے

اعتقاد کے مطابق یوں کرتے تھے کہ صُورتہٖ کی ضمیر آدم علیہ السّلام کی جانب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو ان کی اپنی صُورت پر (آدم کی صورت پر) پیدا فرمایا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت آدم ؑ کو حق تعالےٰ نے ابتدا سے انسان کی مکمّل صُورت پر پیدا فرمایا بخلاف دُوسرے لوگوں کے کہ جن کو مکمّل یا آخری صُورت پر پیدا نہیں کیا بلکہ بتدریج پہلے بچّہ پیدا کیا اِس کے بعد عالمِ شباب سے گذارا اور پھر کامل شکل میں لایا گیا۔

اِس کے بعد راقم نے عرض کیا حضور حدیث اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُورتِہٖ الرحمٰن کی کیونکر تاویل کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رحمٰن اسمِ صفاتی ہے۔ اور اس کی تاویل اِس طرح کی جائے گی کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِ رحمتہٖ (بیشک اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنے رحمت کے وصف کے ساتھ پیدا کیا) تو جائز ہے۔ لیکن اگر اسم ذاتی یعنی اللہ ہوتا تو تاویل محال تھی۔ اِس کے بعد عرض کیا گیا کہ حدیث شریف کے اصل معنی کیا ہیں۔ فرمایا اصلی معنی یہ ہیں کہ ضمیر علیٰ صُورتہٖ، اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور علیٰ صورۃ الرحمٰن اس کی تفسیر ہے۔ فرمایا کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث آئی ہے۔ اذقاتل احدکم فلیجتنب الوجہ فان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہٖ (جب تم میں سے کوئی شخص جہاد کرے تو دشمن کے منہ پر ضرب نہیں مارنی چاہیئے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آدمی کو اپنی (خدا کی) صُورت پر پیدا کیا ہے)۔ اگر ضمیر صورتہٖ اللہ کی طرف راجع نہ ہو بلکہ آدمی کی طرف ط تو پھر منہ پر مارنے سے اجتناب کے کیا معنی۔ پس لازماً یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ چونکہ آدمی کی صُورت اللہ تعالیٰ کی صُورت پر خلق گئی ہے اِس وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے منہ پر ضرب مارنے سے منع فرمایا۔ اگرچہ اس لحاظ سے انسان کی ساری صُورت یعنی پُورا جسم واجب العزّت ہے لیکن چہرہ چونکہ حسن و جمالِ الٰہی کا مظہرِ اتم ہے اور تعارف و تشخیص بھی چہرہ کی بدولت ممکن ہے نہ کہ دیگر اعضاء کی بدولت اِس لیے چہرہ پر ضرب مارنے سے خاص طور پر منع کر دیا گیا ہے۔ اِسی طرح اور بہت سی احادیث کی تاویل کی گئی ہے چنانچہ سُبحانی ما اعظم شانی (حضرت شیخ بایزید بسطامی کا قول ہے جس کے معنی ہیں کہ پاک ہوں مَیں اور میری شان کس قدر

بلند ہے) اور آپ کا قول لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سوی اللہ (میرے جُبّہ میں سوائے اللہ کے کچھ نہیں) وغیرہ کی بھی حضرت خواجہ نصیر الدینؒ چراغ دہلوی نے ان معنوں میں تاویل نہیں فرمائی۔ لیکن ان کے متعلق اِس قدر فرمایا یہ مفوات عاشقانہ ہے[1] (عاشقانہ بے باکی یا عاشقانہ لغزش ہے۔

---

[1] ہفوات بمعنی غیر ذمہ دارانہ کلام۔ تصوف کی اصطلاح میں ایسے کلمات کو شطحیات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یعنی وہ کلمات جو بظاہر غیر شرع نظر آئیں لیکن حقیقت میں خلاف شرع نہ ہوں۔ ابن حلاّج کا نعرہ انا الحق بھی اسی قبیل سے ہے۔ روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اِن حضرات نے اِس قِسم کے بظاہر خلاف شرع نعرے حالتِ استغراق میں لگائے اور جب ہوش میں آنے کے بعد ان کو بتایا گیا کہ آپ کے منہ سے یہ کلمات نکل گئے تھے تو نادم ہُوئے۔ جب حضرت بایزید بسطامیؒ کو بتایا گیا کہ آپ کے منہ سے یہ کلمات نکلے ہیں تو آپ نے حکم دے دیا اگر دوبارہ مجھ سے یہ غلطی ہو تو مجھے قتل کر دینا۔ لیکن جب آپ نے حالتِ استغراق میں پھر وہی کلمات کہے اور خدام نے آپ کے حکم کے مطابق آپ پر چھریاں چلائیں تو چھریوں کے رُخ خود بخود مُڑ کر مارنے والوں کی طرف ہو گئے۔ نعرۂ انا الحق اگرچہ بظاہر غیر شرع ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ منصورؒ نہیں کہہ رہے تھے کہ مَیں خدا ہوں بلکہ خدا تعالیٰ خود فرما رہا تھا کہ مَیں خدا ہوں۔ اِس وجہ سے کہ منصورؒ کو اُس وقت ذاتِ حق میں فنائیت تامہ حاصل تھی اور وہ اپنی ہستی سے فانی ہو کر حق کی ہستی سے باقی ہو گئے تھے۔ حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ کے مندرجہ بالا دو نعرے بھی حالتِ فنا میں سرزد ہوئے اور فنا سے جب باہر آئے تو انہیں بُرا سمجھا۔ اِسی طرح حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے جب فرمایا کہ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی عُنُقِ اَوْلِیَاءِ اللہ (میرا یہ قدم اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) تو اُس وقت بھی آپ مقامِ فنا فی اللہ میں تھے۔ ورنہ حالتِ نزول، شعور اور عبدیت میں کوئی بزرگ اس قِسم کے کلمات نہیں کہتے۔ یہ کلمات صرف مدہوشی، عروج، محویت اور استغراق ذات کی حالت میں سرزد ہوتے ہیں کاملین ان سے درگذر کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ فرید الدینؒ عطار نے درگذر کرنے کی یوں ترغیب دی ہے ؎

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

اِس کے بعد فرمایا کہ خواجہ

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کو خواجہ گنجشکرؒ سے کیا نعمت ملی

حمید قلندرؒ جو حضرت سلطان المشائخ کے مُرید اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مصاحب تھے۔ ایک دن لباس قلندری زیب تن کر کے حضرت مخدوم نصیر الدّین چراغ دہلویؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ "حمید قلندر شندہ؟" صُوفی باش یا قلندر باش (اے حمید کیا تم قلندر ہو گئے ہو۔ صُوفی بنو یا قلندر بنو) حمید نے عرض کیا کہ چونکہ حضرت سلطان المشائخ مجھے قلندر فرمایا کرتے تھے اس لیے لباس قلندرانہ پہنا ہے۔ اِس کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ نے فرمایا کہ ایک دن اس خواجہ حمید نے حضرت مخدوم نصیر الدّین قدس سرہٗ سے پوچھا کہ حضرت شیخ الشیوخ العالم خواجہ گنجشکر قدس سرہٗ سے جو نعمت حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کو ملی ہے اس کا پختہ ثبوت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کی اپنی زبان سے میں نے سُنا ہے کہ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہٗ کی دربانی کا کام حضرت بدر الدین اسحاق[1] کے سپرد تھا۔ ایک دن وہ کسی کام سے باہر گئے اور مجھے (سلطان المشائخ) کو کہہ کر گئے کہ یہاں بیٹھ جائیں

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ:

عاقلاں را شرع تکلیف آمد است | بیدلاں را عشق تشریف آمد است
لاجرم دیوانہ را گرچہ خطا است | ہر چہ مے گوید بگستاخی روا است
تو زباں از شیوۂ او دور دار | عاشقِ دیوانہ را معذور دار

[1] حضرت بدر الدین اسحاق۔ آپ حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے خلیفہ اور داماد ہے آپ کا مزار حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے مزار مبارک سے بجانب شرق ٹیلے پر ہے۔ آپ دہلی کے رہنے والے تھے۔ بڑے عالم تھے لیکن اولیاء کرام سے اختلاف تھا۔ ایک دفعہ کوئی مسئلہ دریافت کرنے اخاطر قافلہ کے ساتھ بخارا جا رہے تھے۔ جب اجودھن (موجودہ پاکپتن شریف) سے گذرے تو آپ کے

(باقی اگلے صفحے پر

اور جو کچھ حضرتِ شیخ فرمائیں اس کی تعمیل کریں اور جو شخص ملنے آئے اس کی اطلاع حضرت شیخ کو کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت بدر اسحاق چلے گئے اور میں وہاں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد اندر سے آواز سُنائی دی۔ میں نے دروازہ کے قریب جا کر اندر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرتِ شیخ حالتِ وجد میں ہیں اور یہ رباعی پڑھ رہے ہیں۔

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم ! خاکے شوم و بزیرِ پائے تو زیم !
مقصودِ من خستہ زکونین توئی از بہرِ تو میرم و ز برائے تو زیم

(میری تمنا یہ ہے کہ ہمیشہ تیرے عشق میں رہوں۔ مٹی ہو جاؤں اور تیرے پاؤں کے نیچے رہوں مجھ بے کس کا مقصود ساری کائنات میں صرف تُو ہے تیرے لیے مرتا ہوں اور تیرے لیے جیتا ہوں)۔

حالتِ رقص میں آپ قبلہ کی طرف جاتے تھے اور واپس آجاتے تھے۔ اور جب یہ مصرعہ پڑھتے تھے ع "مقصودِ من خستہ زکونین توئی" تو سجدہ کرتے تھے۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو اپنے دل میں کہا کہ اب آپ خوش وقت ہیں۔ اب مانگنے کا وقت ہے۔ اندر جا کر عرض کروں۔ لیکن پھر اس بات سے ڈر لگتا تھا کہ شاید حضرت شیخ ناراض ہو جائیں۔ آخر یہ سوچ کر کہ آں حضرت رحیم ہیں معاف فرما دیں گے میں اندر چلا گیا اور قدم بوسی سے مشرف ہُوا۔ اور جو جو درخواست کی حضرت اقدس فرماتے جاتے تھے کہ میں نے دیا۔ میں نے دیا۔ لیکن ایک چیز باقی رہ گئی افسوس ہے کہ طلب نہ کی۔ وہ یہ ہے کہ میں نے یہ

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ:

ہمراہی حضرت گنج شکر کی زیارت کے لیے گئے۔ شروع میں حضرت بدر الدین اسحاق نے ساتھ جانے سے انکار کیا لیکن دوستوں کے اصرار پر ساتھ چلے گئے۔ حضرت حضرت شیخ کی خدمت میں جا کر بیٹھے تو یہ دیکھا کہ بغیر پوچھے حضرت شیخ اُن کے اِن سوالات کا جواب دینے لگے جن کی خاطر آپ بخارا جا رہے تھے اور حضرت شیخ کے جوابات اِس قدر قوی تھے کہ آپ ان کی بزرگی کے قائل ہو گئے اور مرید ہو کر بلند مراتب کو پہنچے۔

درخواست نہ کی کہ میری موت سماع میں ہو۔[1]

اِس کے بعد فرمایا کہ دُوسرا ثبوت یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیوخ العالم گنجشکر قدس سرہٗ دریائی سفر میں کشتی پر سوار تھے حضرت سلطان المشائخ بھی ہمراہ تھے۔ اتفاقاً رات کے وقت حضرتِ شیخ نے آواز دی "بابا نظام الدین" حضرت سلطان المشائخ نے عرض کیا" لبیک "۔ حضرت شیخ نے فرمایا میں تجھے نہیں اپنے لڑکے نظام الدین کو بلا رہا ہوں، یاد رہے کہ حضرتِ شیخ کے ایک فرزند ارجمند کا نام نظام الدین تھا۔ حضرت سلطان المشائخ نے دست بستہ عرض کیا کہ صاحبزادہ نظام الدین سو رہے ہیں اور یہ نظام الدین غلام حاضر ہے۔ اِس پر حضرت گنجشکرؒ نے فرمایا کہ فرید اپنے بیٹے نظام الدین کو چاہتا ہے لیکن خدا اس کو نہیں چاہتا۔ فرید کیا کرے تم آجاؤ۔ چنانچہ جو نعمت انہوں نے دینی تھی حضرت سلطان المشائخ کو دے دی۔

مقبوس ۲۶: بوقت چاشت بروز دوشنبہ ۹ شوال ۱۳۱۶ھ

لائحہ ہفتدہم

متن۔ " تعین اوّل وحدتیست صرف وقابلیت است محض ۔ الی آخر۔"

ترجمہ (تعین اوّل جسے تجلّی اول، حقیقت محمدیہ اور برزخ البرازخ بھی کہتے ہیں وحدت مطلق اور قابلیتِ محض ہے)۔

شرح۔ اِس مرتبۂ تعینِ اوّل کی مثال گارے یعنی گیلی مٹی کی ہے کہ جس میں تجرّد از ظروف یعنی برتن نہ بننے کی قابلیت بھی ہے اور ہر قسم کے برتن بننے کی قابلیت بھی ہے۔ پس پہلی قابلیت کے اعتبار سے وہ احدیّت کی مانند ہے اور دُوسری قابلیت کے اعتبار سے

---

[1] سبحان اللہ! کس قدر اعلیٰ تمنا ہے۔ سماع میں موت کا مطلب یہ ہے کہ تڑپتے ہوئے، رقص کرتے ہوئے، گریہ زاری کرتے ہوئے محبوب حقیقی کو جان سُپرد کرنا۔ اس سے بہتر کونسی موت ہو سکتی ہے۔

مانندِ واحدیّت ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ ہر شخص (یعنی ہر سالک) سیر عروجی کے ذریعے مرتبۂ تعیّن اول (یعنی وحدت یا حقیقت محمدّیہ) تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ یہاں اس کا سلوک مقام تجرّد ہے یعنی تمام قابلیات اور اعتبارات سے مبرّا ہونا مثل کھجور کی گٹھلی کے جو تمام مراتب شجریہّ یعنی شاخ د تن، برگ و بر سے سیر کرتی ہوئی آخر گٹھلی کی صورت اختیار کرتی ہے اور تمام تعینات اور اعتبارات سے بالاتر، مبرّا اور پاک ہوتی ہے۔ (تعیّنِ اوّل یا گٹھلی کا مقام یہ ہے کہ ایک لحاظ سے یعنی احدیّت کے ساتھ تعلق ہونے کی وجہ سے وہ تمام اعتبارات شجریہ سے پاک ہے کہ نہ اُسے شاخ کہہ سکتے ہیں نہ تنہ نہ پتّے نہ پھول — دوسرے لحاظ سے یعنی واحدیت اور عالم تعیّنات کے تعلق کی بنا پر اِس گٹھلی کے اندر پورا درخت بمع شاخ و بن، برگ و بار اور رنگ و بُو پوشیدہ ہے)۔

تنزّلات

اِس کے بعد فرمایا کہ وجود من حیث ہُو ہُو (بحیثیت مرتبۂ ہویّت ذاتیہ) یعنی لابشرط شی، وجودِ مطلق، غیب ہویّت، ذاتِ بحت، احدیّتِ مطلقہ اور احدیّتِ ذاتیہ کے ناموں سے موسوم ہے جہاں وہ تمام اعتبارات، تعیّنات، اِسم، سمت، مکان و زمان سے مبرّا و منزّہ ہے۔ (یعنی خالص ذات لاتعین) اور اسی حیثیت سے وہ ہر قسم کے احاطوں سے باہر اور بالاتر ہے۔ آیۂ پاک ولا یحیطون بہٖ علماً کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مرتبۂ ذاتِ احدیت ہر قسم کے غور و خوض اور علم و فکر سے بالاتر ہے۔ اس کے متعلق صرف یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے ادراک سے بالاتر ایک ذات ہے کہ جس سے تمام تعینات کا ظہور ہے۔ اِس وجہ سے حق تعالیٰ نے اپنے بندوں پر شفقت و رحمت کرتے ہوئے فرمایا کہ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاللّٰہُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ (اپنے نفوس کو حق تعالےٰ کی پناہ میں لے آؤ یعنی اُسی کی ذاتِ قیّوم سے قائم یا باقی باللہ ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے)۔

اِس کے وجودِ مطلق نے اِرادہ کیا کہ ظاہر ہو اور اپنی ذات پر آپ تجلّی کرے۔ پس ذاتِ لاتعیّن نے تعینِ اوّل میں تنزّل فرمایا جو جامع ہے تمام شیون الٰہیہّ و کون ازلیہّ و

ابدیہ کا تاکہ اپنے آپ کو اس شانِ کلی میں دیکھے۔
بالفاظِ دیگر وہ اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ آئینۂ وحدت و حقیقت محمدیہ میں کرے
پس وجود اس تقید، تعین اور شانِ کلی کے اعتبار سے حقیقت محمدؐ کے نام سے موسوم
ہے جو باعتبار (بلحاظ) ہوئیت یا بحیثیت منزہ ہونے جمیع اعتبارات
یا اعتبارات کی صلاحیت کی وجہ سے وہ وحدت کے نام سے موسوم ہے نیز اُس کو برزخ اولیٰ،
تعین اول، غیب اول، اور مقامِ اَوْ اَدنیٰ بھی کہتے ہیں۔

مُراتب وجود

اِس کے بعد فرمایا کہ از رُوئے عقل وجود کے تین اعتبارات ہیں
اوّل لابشرط شئ جو وجودِ مطلق ہے۔ دوم بشرطِ لاشئ جو وجودِ
عام ہے۔ سوم بشرطِ شئ جو وجود مقید ہے۔ پس وجودِ مطلق عام اشیاء کا عین ہے۔
بخلاف وجودِ عام کے جو کسی وجہ سے اشیاء کا عین نہیں ہو سکتا شاید شیخ رکن الدین
سمنانی رحؒ کی شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ کے مابین اختلاف کی وجہ یہی تھی کہ شیخ رکن الدین
سمنانی رحؒ کی مُراد وجودِ عام تھی اور شیخ اکبر رحؒ کی مُراد وجودِ مطلق تھی۔ اِس لیے اُن کے
مابین حقیقی نزاع نہیں تھا نزاع لفظی تھا[1]۔ اِس کے بعد آپ نے کتاب نقد النصوص
اُٹھا کر یہ عبارت پڑھنا شروع کی؛

"کنہ ذاتِ حق و غیبِ ہوئیت مطلق حق تعالےٰ کا نہ کوئی شخص ادراک کر سکتا ہے
نہ سمجھ سکتا ہے نہ مشاہدہ کر سکتا ہے چنانچہ حق تعالےٰ نے خود فرمایا ہے کہ ولا
یحیطون بہٖ علما۔ (اُس کی ذات احاطۂ علم و ادراک سے بالاتر ہے) حق سبحانہ،
تعالےٰ کی غیبِ ہوئیت سے مراد اس کا اطلاق ہے باعتبار اس کے لاتعین ہونے کے۔
اسے لاتقید، غیب الغیب، کل باطن کا باطن، اور ہوئیتِ مطلقہ بھی کہتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو مراۃ الاسرار۔ جس کا راقم الحروف نے کیا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ۔

اِس اطلاق کی حالت میں اس کو نہ کسی صفت سے موسوم کیا جا سکتا ہے نہ کسی لفظ سے اِس کی تعریف کی جا سکتی ہے نہ کسی نسبت سے منسُوب کیا جا سکتا ہے نہ کسی سمت میں اشارہ کیا جا سکتا نہ مکان و زمان کے ساتھ منسُوب کیا جا سکتا ہے نہ کسی علم سے معلوم کیا جا سکتا ہے نہ کسی وجود سے موجود قرار دیا جا سکتا ہے۔ اِس وجہ سے کہ یہ سب تقید و تعیّن کے تقاضات ہیں اور اس کی ذات ہر قسم کے تقیدات اور تعیّنات سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ وہ باعتبار لاتعیّن مجہول مطلق ہے۔ (یعنی کسی کے علم و عقل میں نہیں سما سکتا) یہاں عقل کے لیے تمام دروازے بند ہیں بلکہ سب عقلاء کے عقل دنگ ہیں ؎

بخیال در نگنجد تو خیالِ خود مرنجاں ۔۔۔ زجہت بود مبرّا مَطلَب بہ ہیچ سویش

(وہ خیال میں نہیں سما سکتا تو اپنے خیال کو تکلیف نہ دے۔ یعنی حق کو سمجھنے کی تکلیف نہ کر وہ جہت و سمت سے پاک ہے اس کو کسی سمت میں تلاش نہ کر)

وہ لوگ جو عشق میں یگانہ ہیں اور بے نشانی میں نشانہ ہیں ذاتِ بے نشان کے متعلق اتنا نشان دے سکتے ہیں۔ رباعی :

اے آنکہ بجز تو نیست در ہر دو جہاں ۔۔۔ اینست نشان کہ نیست نشان

ہر چند کہ عین ہر نشانی لیکن ۔۔۔ برتر ز خیال و مبرّا ز گماں

(اے محبوب تیرے سِوا کائنات میں کسی کا وجود نہیں ہے۔ تیرا نشان یہ ہے کہ تیرا کوئی نشان نہیں ہے۔ اگرچہ تم ہر نشان یعنی ہر چیز کا عین ہو پھر بھی اِس قدر بالا و برتر ہو کہ نہ وہاں وہم کی رسائی ہے نہ گمان کی)۔

اِس کے بعد حضرت اقدس نے کتاب مذکور میں سے یہ عبارت پڑھی :-

"ما فی الوجود الا عین واحدۃ ھی عین وجود الحق مطلق وحقیقۃ وھو الموجود المشھود لا غیر ولکن ھذہ الحقیقۃ واحدۃ و العین الاحدیۃ لھا مراتب ظھور لا یتناھی ابداً فی التعیّن و التشخص ولکن کلیات ھٰذہ مراتب منحصرۃ فی خمس اثنتان منھا منسوبتان الی الحق

سبحانہٗ وتعالیٰ وثلاث منسوبۃ الی الکون وسادسہا ھی الجامعۃ بینہما وذالک لان ہٰذہ المراتب لما کانت مظاھر ومجالی فلا یخلو اما ان یکون مجلیًا ومظہرًا یظہر فیہ لما ینظہر للحق وللاشیاء الکونیہ ویکون مظہرًا یظہر فیہ ما یظہر الحق وللاشیاء الکونیۃ ایضًا فالاول یسمی مرتبہ غیب الغیوب یغبۃ کل شیئی کون فیہا عن نفسہٖ وعن مثلہ فلا ظہور لشیئی فیہا الا الحق تعالیٰ وانتفاء الظہور للاشیاء یکون باحد الوجہین احدہما بانتفاء عینہا بالکلیۃ حیث کان اللّٰہ ولم یکن شیئی معہ فینتفی الظہور لہا علما ووجدانًا لانتفاء اعیانہا بالکلیۃ وذالک المجلی ہو تعین الاول والمرتبۃ الاولیٰ من الغیب والوجہ الثانی الانتفاء صفتہٗ الظہور للاشیاء من اعیان الاشیاء مع تحققہا وتمیزہا وثبوتہا فی العلم الازلی وظہورہا للعالم بہا لا الانفسہا وامثالہا کما ھو الامر فی الصور الثابتہ فی اذھاننا وہٰذا المجلی والمظہر ھو التعین الثانی وعالم المعانی والمرتبۃ الثانیۃ من اسلم الغیب لما ذکرنا واما ما یکون مجلیًا ومظہرًا یظہر فیہ ما یظہر للاشیاء الکونیہ الموجودۃ البسیطۃ ایضًا علمًا ووجدانًا فہو ثلاثۃ اقسام فانہٗ اما ان یکون مظہرًا ومجلاً لیظہر فیہ ما یظہر للاشیاء الکونیہ المرکبۃ اما ان یکون لطیفۃ بحیث لا یقبل التجزئ ولا تبعیض والزق والالسام ھا ومحل صفتہٗ ظہورہا لیظہر فیہا یسمی مرتبۃ الحسن۔

اِس کے بعد حضرتِ اقدس نے کتاب مذکور میں سے یہ عبارت پڑھی:

"مراتب وجود چھ ہیں۔ اوّل مرتبۂ غیب الغیب جس کو تعین اوّل اور غیبِ اوّل بھی کہتے ہیں۔ دُوسرا مرتبہ غیب ثانیہ ہے جس کو تعیّن ثانی اور غیب ثانی بھی کہتے ہیں۔ اِس وجہ سے کہ اِس کے اندر غیب اشیائے کونیہ اس کی اپنی طرح یا دیگر اشیاء شامل ہے۔ تیسرا مرتبہ، مرتبۂ ارواح ہے۔ چوتھا مرتبہ عالم مثال ہے۔ پانچواں مرتبہ عالم اجسام ہے۔ اس کو مرتبۂ الحس و عالم شہادت بھی کہتے ہیں۔ چھٹا مرتبہ، مرتبۂ جامعہ ہے جو تمام سابقہ مراتب پر مشتمل ہے اور یہ حقیقتِ انسان کامل ہے اس وجہ سے کہ برزخ ہے اور تمام مراتب سابقہ کا جامع ہے۔۔۔۔۔۔

فصل: سب سے پہلے ذاتِ باری تعالےٰ ظہور و لطون، واحدیت اور وحدت غیریت، اسم، رسم، لغت، وصف، وحدتِ کثرت، وجوب و امکان سے منزّہ تھی اور نشانِ ظاہریت و باطنیت، اوّلیت و آخریت کچھ بھی نہ تھا۔ پس خلوت خانۂ غیب ہوّیت میں یہ ارادہ کیا کہ خود کی خود پر جلوہ گری ہو۔ چنانچہ سب سے پہلا جلوہ جو کیا وہ بصفتِ وحدت تھا یعنی پہلا تعیّن جو ہوّیتِ غیب سے ظاہر ہُوا وحدت تھا جو تمام قابلیات کی اصل ہے (یعنی جس میں تمام کائنات کے ظہُور کی استعداد موجود تھی) یہ تجلّی اوّل یا تعیّن اوّل (حقیقتِ محمدیہ) ظہُور و لطون میں مساوی تھی (یعنی اس کا ایک پہلو ذاتِ لاتعین کی جانب تھا اور لطون کی متقاضی تھی اور دُوسرا پہلُو خلق کی طرف تھا اور ظہُور کی متقاضی تھی)۔ اِس لیے وہ احدیّت اور واحدیّت دونوں پر مشتمل ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ یہاں ایک مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کتاب کی اِس عبارت سے وحدت دونوں احدیّت اور واحدیّت پر مشتمل ہے۔ ظاہر ہے کہ احدیّت اور واحدیت دونوں وحدت کے افراد ہیں یا دونوں وحدت میں شامل ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ذاتِ بے حد اور مطلق کس طرح محدود اور مقیّد کا فرد ہو سکتی ہے۔
اِس کے بعد آپ نے لوائح جامی میں سے لائحہ بلیست و چہارم کی یہ عبارت پڑھی:

"مرتبۂ ثانیہ اس کا تعیّن ہے جو جامع ہے تمام تعیّنات فعلیّہ وجوبیہ الٰہیّہ کا اور تمام تعینات انفعالیہ امکانیہ کونیہ کا، اِس مرتبہ کا نام تعینِ اوّل اِس وجہ سے ہے، کہ حقیقتِ وجود کا ظہُور یہاں سے ہُوا۔ اِس سے اوپر ذاتِ لاتعین (غیر محدود) ہے۔

مرتبہ ثالث احدیت جمع ہے جو جامع ہے تمام تعینات فعلیہ موثرہ کا۔ اور یہ مرتبۂ الوہیّت ہے۔ مرتبۂ رابعہ (چوتھا مرتبہ) تفصیلِ مرتبۂ الوہیّت ہے اور یہ مرتبہ حضرت حق کے اسمائ کا مرتبہ ہے اور یہ دو مرتبے باعتبار ظاہر وجود کے ہیں لیکن وجوب خاص ذات باری تعالیٰ کا مرتبہ ہے۔ پانچواں احدیتِ جمع جمیع تعینات انفعالیہ کا ہے اور یہ مرتبہ کونیہ امکانیہ ہے۔ چھٹا مرتبہ، مرتبۂ کونیہ کی تفصیل کا ہے کہ جس سے مُراد عالم اجسام ہے ..... "اِس کے بعد فرمایا کہ اِس عبارت پر وہ سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مولانا جامی رح نے یہاں اِس طرز سے تحریر فرمایا کہ مرتبۂ واحدیّت کے دو اعتبار ہیں ایک اجمالی دُوسرا تفصیلی۔

لائحہ ہفدہم

اِس کے بعد لائحہ ہفدہم پڑھ کر فرمایا کہ یہاں بھی احدیّت اور واحدیّت کا وحدت سے نکلنا ثابت ہوتا ہے جو بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔ جیسا کہ اُوپر کے سوال سے ظاہر ہے۔ اِس پر راقم نے عرض کیا کہ حضور اب اس کا کیا حل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مرتبۂ وحدت برزخ ہے اور برزخ مشتمل اور جامع ہوتا ہے طرفین پر۔ لیکن یہاں فرق یہ کہ مرتبۂ وحدت، مرتبۂ احدیّت کے صرف صفات پر محیط ہے نہ کہ ذات پر۔ بخلاف مرتبۂ واحدیّت کے کہ جس کے ذات وصفات دونوں پر مرتبۂ وحدت محیط ہے۔ اِسی طرح انسان جو جامع ہے جمیع مراتب کا اس کی جامعیت کا مطلب یہی ہے کہ تمام مراتب کے صفات اس کے اندر موجود ہیں۔ یہاں تک کہ مرتبۂ احدّیت ذاتیہ کے صفات بھی انسان میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن ذاتِ احدیّت پر ہرگز محیط نہیں۔ اِس کے بعد راقم نے عرض کیا توحید کی کتابوں میں جو کچھ اس مضمون پر لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ احدیت ناشیہ جو مرتبہ وحدت میں شامل ہے عین وہی احدیّت ہے جو ذاتِ بحت، غیبِ ہوّیت اور وجودِ مطلق کے ناموں سے موسوم ہے لیکن لوائح جامی اور نقد النصوص وغیرہ کی عبارات سے ظاہر ہے کہ یہ احدیت ناشیہ جس پر وحدت محیط بتائی جاتی ہے احدّیتِ ذاتیہ سے علیحدہ ہے اِس وجہ سے کہ احدّیتِ ذاتیہ مرتبۂ لابشرط شئی ہے اور یہ احدیّت ناشیہ (جس پر مرتبۂ وحدت محیط ہے) مرتبہ بشرط لاشئی ہے جہاں قیدِ سلب اعتبارات مشروط ہے اور اس میں شک

نہیں کہ یہ مرتبۂ تعیّن اور تقیّد ہے پس اس بات کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ دونوں قسم کی احدیّت میں مغائرت ہو یعنی دونوں کو علیحدہ علیحدہ مانا جائے۔ اگر دونوں کو ایک دوسرے کا عین (دونوں کا ایک ہونا) مانا جائے تو ایک ہی چیز مطلق بھی ہے اور مقیّد بھی۔ اور یہ محال ہے۔ اور کتاب عشرہ کاملہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ اس احقر نے اس سوال کو حل کرنے کے لیے دو جواب لکھے ہیں۔ یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ احدیّت دوسری احدیّت کی غیر ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جو جواب تم نے لکھے ہیں وہ پڑھو۔ چنانچہ بندہ نے وہ جوابات پڑھے۔ اور حضرتِ اقدس لفظ بلفظ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب لکھا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان دونوں جوابوں کو یہاں لکھ دو۔ احقر نے عرض کیا کہ حضور لکھنے کے قابل تو وہ جواب ہے جو حضور نے دیا ہے۔ میرا جواب کیا حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے جوابات کو بھی یہاں لکھ دو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی اور وہ جوابات درج ذیل ہیں:

جوابِ اوّل: اس بات میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ مقامِ واحدیّت مقامِ وحدت میں مخفی یا شامل ہے اس وجہ سے کہ واحدیّت سے مراد تفصیل حقائق الٰہیہ و کونیہ ہے اور مرتبۂ وحدت اس کا اجمال ہے۔ ظاہر ہے ہر تفصیل کا مصدر اجمال ہوتا ہے۔ لیکن مرتبہ احدیّت پر جو مرتبۂ اطلاق و لاتعیّن یا ذات بحت ہے مرتبہ وحدت کے محیط ہونے سے یہ مراد ہے کہ تعقل، یافت اور دانستِ احدیّت (احدیّت کا جاننا اور سمجھنا) اسی مرتبۂ وحدت کی بدولت ہے اس وجہ سے کہ اگرچہ از روئے حقیقت مرتبہ وحدت کی بدولت ہے لیکن ظہور و تنزّل سے قبل یہ مجہول مطلق تھا۔ پس مرتبۂ احدیّت کے لیے مرتبۂ وحدت کا فرد ہونا یا وحدت کا احدیت پر محیط ہونا یا مشتمل ہونا اسی نقطۂ نگاہ سے ہے کیونکہ ذاتِ لاتعیّن یا تعیّن اوّل (وحدت سے پہچانی جا سکتی ہے اور تعیّن سے اوپر لاتعیّن ہے یعنی احدیّتِ ذاتیہ جس سے مراد سلبِ جمیع اعتبارات ہے (یعنی جہاں نہ سمت ہے نہ اشارہ، نہ اسم نہ صفت، نہ مکان نہ زمان) حتیٰ کہ جہاں سلب بھی سلب فرمایا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے اپنے ذیل کے اشعار میں اسی مقام کی طرف اشارہ

فرمایا ؎ شلب ثبوت جھاں مسلوبے اللہ طالب نہ مطلوبے

وَھِیَ لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَار ط

تعین اوّل یا وحدت (حقیقت محمدیہ) چونکہ مرتبۂ علم ہے اس لیے اس سے مرتبۂ لاتعین پہچانا جاسکتا ہے۔ اِس سے پہلے وہ مفہوم نہیں ہو سکتا تھا۔ نیز مرتبۂ واحدیت جس سے مُراد تفصیل اعتبارات (کائنات) ہے وہ بھی مرتبۂ وحدت (حقیقت محمدیہ) سے پہچانا جاسکتا۔ کیونکہ مفصل ہمیشہ مجمل پر مبنی ہوتا ہے۔ لہٰذا مرتبۂ وحدت جمیعِ قابلیات ہے خواہ وہ قابلیات تجرّد از اعتبارات ہو (ذاتِ احدیّت) یا قابلیات تفصیل و اعتبارات و تقید۔ وحدت جب تجرد و اطلاق کی طرف متوجہ ہو تو مرتبۂ احدیت سے واسطہ پڑتا ہے۔ جب تقید و تعینات کی طرف متوجہ ہو تو واحدیت سے سابقہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے احدیت اور واحدیت کے درمیان مرتبۂ وحدت برزخ کا حکم رکھتا ہے یعنی مشتمل ہے صفاتِ احدیت و واحدیت پر۔

مقبوس ۲۶: بوقت چاشت بروز سہ شنبہ دس شوال ۱۳۱۶ھ

لائحہ ہفدہم

متن۔ باعتبار مراتب کونیہ۔

شرح۔ یعنی اِس قسم کے صفات کا ذات سے لاحق ہونا موجب تعدّد وجود یا کثرتِ اشیاء ہے۔

متن۔ "بعضے از یں حقائق کونیہ را عند سریان الوجود فیہا... الیٰ آخر"

شرح۔ ابتدا لائحہ ہذا سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہستی حق سبحانہٗ، کُل ہے اور مراتب الٰہیہ اور مراتب کونیہ اِس کے اجزاء ہیں اِس لیے مولانا جامی رحؒ نے وضاحت فرمائی ہے کہ حقیقت یُوں نہیں ہے بلکہ حضرت ظاہر وجود (حق سبحانہٗ، تعالےٰ) با جمیع اسماء و صفات خود در ہر شے میں خواہ وہ ریت کا ذرّہ کیوں نہ ہو ساری و موجود ہے۔ پس وجوب و غنا ذاتی بھی ہر چیز میں داخل ہونا لازمی ہے۔ اِس سے یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے

کہ جب ذات حق بجمیع صفات ہر چیز میں جاری و ساری ہے تو پھر ہر چیز میں حق تعالےٰ
کے تمام اسماء و صفات بالفعل ہونے چاہئیں۔ اِس کا جواب مولانا جامی یوں دیتے
ہیں کہ بیشک تمام افراد عالم (اشیاء) میں سریانِ ذات مع جمیع صفات ہے لیکن ظہور صفات
مختلف و متفاوت ہے چونکہ ہر فردِ عالم (ہر چیز) میں تمام اسماء و صفات الٰہیّہ کے ظہُور کی
استعداد و قابلیت نہیں ہے بلکہ بعض افراد مثل انبیاء و اولیاء اللہ جیسے کامل افراد میں
یہ قابلیت ہے اِس لیے مولانا جامی رح نے فرمایا ہے کہ" ازیں حقائق کونیہ را عند
سریان الوجود فیہا" نیز چونکہ ان خاص افراد میں بھی حق تعالےٰ کی صفت وجوب و غنا
ذاتی کی استعداد نہ تھی اِس لیے مولانا جامی رح نے فرمایا ہے کہ سوی الوجوب الذاتی ولا استغنیٰ
(یعنی وجوب ذاتی اور غنا کے سوا) نیز چونکہ ان خاص افراد میں باقی صفات الٰہیّہ کے
ظہُور کی استعداد سب میں مساوی طور پر نہ تھی بلکہ مختلف تھی اِس لیے مولانا رح نے
فرمایا ہے کہ بعض افراد میں بعض صفات کا ظہور شدّت کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض میں
کمزور۔ چنانچہ حضرت موسےٰ علیہ السّلام میں صفت قہر و غضب کا ظہور غالب تھا۔ اور
دوسرے صفات مغلوب تھے۔ اور حضرت خاتم الانبیاء رحمتہ اللعٰلمین علیہ الصلوٰۃ والسّلام
کی ذاتِ اقدس میں صفت رحمت غالب تھی اور باقی صفات کا ظہور برابر تھا جس طرح
کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ میں ہے اور یہ جو مولانا جامی رح نے فرمایا ہے کہ" عند سریان
الوجود فیہا باحدیتہ جمع جمیع شیونہ وظہور آثارہا
واحکامہا..." اِس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بعض حقائق کونیہ میں وجود میں
آنے کے وقت تمام اسماء الٰہی کے ظہور کی استعداد ہوتی ہے اور بعض میں چند اسماء کی
وہ بھی شدّت و ضعف کے ساتھ۔ یعنی چونکہ تمام موجودات میں تمام صفاتِ الٰہیّہ کے
ظہور کی استعداد نہ تھی بلکہ بعض موجودات میں بعض صفات کے ظہور کی استعداد تھی اور
بعض میں بعض صفات کی اور وہ بھی شدّت اور ضعف کے اختلاف کے ساتھ اس لیے
مولانا رح نے فرمایا ہے کہ"
علی الاختلاف المذکور" چنانچہ والدین میں صفتِ خالقیت کا ظہور ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ گلشنِ راز میں آیا ہے کہ ؎

دلِ ہر ذرّہ را گر ، بشگافی ، بروں آید ازو دریائے صافی

(اگر تُو ہر ذرّے کا دل چیر کر دیکھے تو اس سے ایک دریائے صافی نکل آئیگا)

نیز شیخ فخر الدین عراقی رح فرماتے ہیں حقیقت ایک کُرّہ (گول چیز) کی طرح ہے کہ جہاں تم اُنگلی رکھو وہی اس کا وسط ہے [۱]

اِس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ قبلہ جس وقت ایک ولی اللہ سیر مرتبۂ احدیت ذاتیہ لاتعین میں ہوتا ہے تو اس وقت وہ صفتِ وجوب و غناء ذاتی سے متصف ہوتا ہے یا نہیں ؟ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آیا اس وقت وہ ولی ہے یعنی وہ کہاں بلکہ ذاتِ بحت ہے۔ اِس لیے اس وقت وجوب و غنا ذاتی بھی صفات ذاتِ بحت ہیں نہ کہ صفاتِ ولی۔

اِس کے بعد اس احقر نے عرض کیا کہ ظاہر وجود کے صوفیاء کرام کی اصطلاح میں کیا معنی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ظاہر وجود حضرتِ ذاتِ بحت اور وجودِ مطلق کو کہتے ہیں۔ اور باطنِ وجود ذات مع العِلم کو کہتے ہیں۔ اِس کے بعد تبسم دلربا فرما کر فرمایا کہ مولانا جامی رح کا یہ شعر اسی مضمون پر ہے ؎

سِرِ باطن را چو در ظاہر ہویدا کرد عشق ۔ بود باطن عاشق و معشوق ظاہر شد بعکس

(عاشق باطن تھا معشوق ظاہر ہوا اس کے عکس سے عشق نے باطن کو ظاہر کر دیا)

---

[۱] ایک دن احقر مترجم نے اپنے شیخ حضرت مولانا و مرشدنا سیّد محمد ذوقی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ کائنات کا کنٹرول سنٹر (CONTROL CENTRE) کہاں ہے آپ نے فرمایا کہ ہر پوائنٹ (POINT) کنٹرول سینٹر ہے۔

مقبوس ۲۸: بوقت چاشت بروز چہار شنبہ ۱۱ شوال ۱۳۱۶ھ

باقی ماندہ لائحہ سترہ کا درس شروع ہُوا۔

لائحہ ہفدہم

متن۔ " ومقصود ازیں ہمہ تحقق وظہور کمال اسماء ایست "۔

شرح۔ ان تمام اعتبارات ونسب واضافات (کثرتِ موجوداؔت) کو وجود میں لانے کا مقصد یا عِلّت غائی اسماء الٰہیہ کے کمال کا ظہور تھا۔

متن۔ کہ کمال جلاؤ اِستخلاء است۔

شرح۔ یہ شیخ اکبر کا مذہب ہے اور مولانا جامیؒ بھی ان کے پیرو ہیں۔ اور شیخ عبدالرزاق کاشی رحؒ کا مذہب یہ ہے کہ جلاؔ سے مُراد کمالات ذاتی کا ظہور و شہُود ہے اور استجلاؔ سے مُراد کمالاتِ اسمائی کا ظہُور و شہُود ہے۔

متن۔ ظہور و شہود مجمل در مفصّل۔

شرح۔ جس طرح کہ گٹھلی کا ظہور و شہود درخت کی صورت میں۔

متن۔ چوں ظہور مفصّل در مجمل۔

شرح۔ جس طرح درخت کی صورت گُٹھلی میں پوشیدہ و مجمل ہے۔ یعنی اسمائے الٰہی کا مقتضائے دوئی ہے لہٰذا یہ ظہور و شہود عینی یعنی قابلِ دیدار ہے۔ چنانچہ ذاتِ احدیت نے تمام اسماء وصفات کے ساتھ ظہُور کر کے جب عاشق کے تعیّن (تشخّص) میں ظہُور کیا اور اپنے کمالات اسمائی ظاہر کئے تو شاہد (عاشق بن کر سوز وگداز، محنت، فراق، دوری، عجز و نیاز، گریہ و زاری، طعنۂ خلق، رُسوائی، بے قراری، بے صبری، بے آرامی، تشدّد، سختی رقیب اور لذّت وصل وغیرہ میں مبتلا ہُوا۔ اِسی طرح تعینِ معشوق میں جلوہ گری کر کے مشہود بنا اور ناز و کرشمہ، بے پرواہی، استغنا، زیبائی و رعنائی، حسن و ملاحت، شوخی و تُند خوئی، عِشوہ و غمزہ جیسے کمالات معشوقانہ دکھا کر مزے اُڑائے۔

مقبوس ۲۹ بوقت چاشت بروز پنجشنبہ ۱۲ شوال سنہ ۱۳۱۶

لائحہ ہیژدہم

متن۔ العقول والنفوس۔

شرح۔ عقول وہ ارواح ہیں کہ تدبیر میں جن کا جسم سے تعلق نہیں۔ نفوس وہ ارواح ہیں جو جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے نفسِ ناطقہ انسانی و نفسِ ناطقہ فلک۔

متن۔ مابہ الامتیاز بین الجواھر والاعراض۔

شرح۔ جوہر وہ ہے جو اپنی ذات سے قائم ہو اور عرض وہ ہے جو اپنی ذات سے نہیں بلکہ کسی دُوسرے کے ساتھ قائم ہو۔

متن۔ مابہ الامتیاز بین الممکن والواجب۔

شرح۔ ممیّز درمیان واجب وممکن۔ یعنی ضرورتِ وجود یا اس کی عدم ضرورت میں تمیز۔

متن۔ نہ بوجودِ زائد برذاتِ خود۔

شرح۔ تمام موجودات خارجیہ موجود ہیں اُس وجود کے ساتھ جو ذات پر زائد ہے بخلاف وجود مطلق کے جو عین حقیقتِ وجود ہے اور اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ مضئ (وہ چیز جو روشن ہے) کے دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو بذاتِ خود روشن ہے دُوسری وہ جو غیر سے روشن ہے جس طرح کہ زمین آفتاب کی بدولت روشن ہے۔ یہاں تین چیزیں موجود ہیں۔ اوّل وہ جو روشن ہے دوم روشنی، سوم روشن کرنے والا۔ اور مضئ بذاتہ (وہ چیز جو اپنی ذات سے روشن ہے) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اس روشنی سے روشن ہے جو اس کی اپنی نہیں لیکن اس کے ساتھ لازم ہے بطور جزِ لاینفک جیسے جرم آفتاب جبکہ روشنی کو اس کا غیر لیکن مقتضی قرار دیا جائے۔ دوم وہ جو اپنی اِس روشنی سے روشن ہے جو اس کی عین ہے۔

متن۔ وجوب صفتِ ظاہر اوست۔

شرح۔ ظاہر وجود یعنی حضرت ذات کی صفتِ وجود من حیث الذّات۔

متن۔ وامکان صفت باطن۔

شرح۔ یعنی باطن وجود یا صفتِ امکانِ ذات مع العلم۔

متن۔ آنانکہ بہ طبق مراتب محبوس اند۔

شرح۔ وہ لوگ جو مقلد ہیں اور صاحبِ حال نہیں ہیں۔

مقبوس ۳۰: بوقت چاشت بروز جمعہ ۱۳ شوال ۱۳۱۶ھ

دِل کے خدشہ کا غیب سے حَل

حضرت اقدس نے فرمایا کہ میرے شیخ حضرت مولانا فخر الاولیاء نے فرمایا کہ مظہرِ تجلّیات لاانتناہی حضرت قبلہ محبوب الٰہی کا وصال ہُوا تو ایک دن میرے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ اب علوم ظاہر و باطن میں کوئی مشکل درپیش ہو گی تو کس سے دریافت کروں گا۔ یہ غم اس قدر بڑھا کہ میرے وظائف ترک ہونے لگے۔ آخر ہاتف نے آواز دی کہ جب تک تُو ہے علم و فقر بھی ہے۔ مشکل اس وقت ہو گی جب تُو نہ ہو گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ حکایت میرے شیخ علیہ الرحمہ کی زبان سے دو بار صادر ہوئی ایک مرض الموت میں اور ایک اس سے پہلے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک دن میرے دل میں یہ خدشہ پیدا ہُوا کہ جب ذاتِ حق سبحانہٗ تعالےٰ اپنے تمام اسماء وصفات کے ساتھ ہر چیز میں ساری و موجود ہے تو پھر موجودات اور مخلوقات کے مراتب میں یہ فرق کس وجہ سے ہے۔ اگرچہ ہم نے توحید و تصوف کی کتابوں میں مثلاً کتاب سواء السبیل وغیرہ میں اپنے پیر حضرت محبوب الٰہی سے پڑھا تھا اور اس قسم کے جواب کئی بار ہم آں حضرت کی تقاریر سے سُن چکے تھے تاہم دل میں یہ خدشہ لاحق ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کتاب سواء لسبیل اٹھا کر پڑھی تو اتفاقاً اس سوال کا جواب سامنے آ گیا۔

فرق مراتب کے متعلق اہم سوال اور جواب

اِس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضور وہ جواب کیا ہے آپ نے فرمایا فرقِ مراتب کا سبب یہ ہے اگرچہ ہر چیز میں اسماء و صفات الٰہی یکساں جاری و ساری ہیں لیکن چونکہ موجودات میں سے ہر موجود (ہر چیز) کی قابلیت و استعداد میں فرق ہے اِس لیے ظہور اسماء و صفات میں بھی فرق ہے اور یہی سبب ہے ہر چیز کے فرقِ مراتب کا۔ چنانچہ حضرتِ انسانِ کامل کے اندر چونکہ تمام اسماء و صفات کے ظہور کی قابلیت موجود ہے اس لیے مسجودِ ملائک ہُوا۔ نیز انبیاء علیہم السّلام اور اولیاءِ کرام کے مراتب بھی مختلف ہیں (بہ اختلاف استعداد) علیٰ ہذا القیاس باقی مخلوقات۔ چنانچہ مومن میں استعداد ظہورِ اسماء و صفاتِ الٰہی زیادہ ہے بہ نسبت کافر کے اور عالم میں زیادہ ہے بہ نسبت جاہل کے۔ اِسی طرح حیوانات میں صفات کے ظہور کی قابلیت نباتات سے زیادہ ہے اور نباتات میں جمادات سے زیادہ ہے۔

اِس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ حضور شیخ داؤد قیصری شارح فصوص الحکم کس سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا معلوم نہیں۔ لیکن ہیں بہت بڑے بزرگ۔ آپ کا جو کلام فصوص کی شرح میں دیکھنے میں آیا ہے مجتہدانہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ فصوص الحکم کی چار شروح (جمع شرح) نہایت بلند ہیں ایک وہ جو شیخ مؤیدالدین الاؤ چندی نے جو حضرت شیخ صدرالدین قونوی رح کے خلیفہ ہیں لکھی ہے۔ یہ سب سے پہلی شرح ہے اور یہ ماخذ ہے تمام شروح کی۔ شیخ مؤیدالدین فرماتے ہیں کہ مَیں اپنے شیخ حضرت صدرالدین قونوی سے فصوص الحکم پڑھتا تھا تو درس کے دوران آپ کے تصرّف سے کتاب کے معانی میرے دل میں مکشوف ہو جاتے تھے۔ اِس کے بعد مَیں نے شرح لکھی۔ دُوسری شرح حضرت مولانا جامی رح کی ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ وہی نقدِ النصوص، فرمایا نہیں۔ نقد النصوص، نقض الفصوص کی شرح ہے۔ فصوص الحکم کی شرح اور ہے جو عربی میں ہے تیسری شرح شیخ داؤد قیصری کی

ہے۔ اور چوتھی حضرت شیخ محب اللہ قدس سرہٗ[۱] نے لکھی ہے یہ شرح فارسی میں ہے۔

سالک مشکل کتابوں میں وقت ضائع نہ کرے

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دن مَیں نے اپنے شیخ علیہ الرحمہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور مَیں نے شیخ داؤد قیصری کی شرح خرید لی ہے آپ نے فرمایا جوان مَیں نے فصوص الحکم کا نام تو سُنا ہے لیکن آج تک نہیں دیکھی۔ اب لاؤ ذرا دیکھتے ہیں۔ مَیں نے کتاب لا کر پیش کی۔ آپ نے دو دن دیکھی، تیسرے دن خادم کو حکم دیا کہ واپس دے دو۔ آپ نے فرمایا کہ بس دو دن دیکھی ہے چونکہ مشکل کتاب ہے زیادہ نہیں دیکھی۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ چونکہ کاملین مشاہدۂ حق میں مشغول ہوتے ہیں مشکل اور لوق کتابوں کی طرف توجّہ نہیں کرتے۔ نیز فرمایا کہ سالک کو بقدر ضرورت علم حاصل کرنا چاہیئے کتابوں میں زیادہ مستغرق نہیں ہونا چاہیئے اور نہ کوئی ایسا کام کرنا چاہیئے کہ جو مقصودِ حقیقی (شغل باطن) سے باز رکھے۔ جس قدر محنت آدمی کتابوں کے پڑھنے میں صَرف کرتا ہے۔ شغل حقیقی پر کیوں نہ صَرف کی جائے۔ مشائخ عظام نے تنبیہہ کی ہے کہ سالک کو مشکل کتابوں کے مطالعہ اور مشکل اشعار میں وقت ضائع کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

مولانا جامی رحؒ کے کمالات

اِس کے بعد مولانا جامی رحؒ کے کمالات کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا جامی رحؒ نے

---

[۱] حضرت شاہ محب اللہ الٰہ آبادی سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے نامور بزرگ ہیں۔ حضرت شاہ ابوسعید قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحؒ اور شاہ محب اللہ رحؒ کے درمیان دو واسطے ہیں۔ آپ کا مشرب شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی کا سا تھا، اور بڑے محقق و موحد تھے۔ آپ کی شرح فصوص الحکم کا ایک نسخہ قلمی کراچی کی سرکاری لائبریری میں موجود ہے جو شاید فریرہال میں واقع ہے۔

سوائے مولوی عبدالغفور لاری رح کے کسی کو مرید نہیں کیا۔ بس اُن کے یہی ایک مُرید اور خلیفہ ہیں۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ کا بس ایک خلیفہ ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اُن کے خلفاء تو اور بھی بہت ہیں لیکن مُرید و خلیفہ صرف مولوی عبدالغفور ہیں۔ مولانا جامی رح کے دُوسرے خلفاء دیگر مشائخ کے مُرید ہیں لیکن خلافت اُن سے حاصل کی ہے اس کی وجہ یہ ہے مولانا جامی رح مُرید بنانا بے سُود سمجھتے تھے [۱]

مقبوس ۳۱ : بوقت چاشت بروز شنبہ ۱۴ شوال ۱۳۱۶ھ

سبق لوائح جامی شروع ہُوا۔

لائحہ نوازدہم

متن۔ مُراد باندراج کثرتِ شیون در وحدت ذات نہ اندراج جزو است در کُل۔

شرح۔ اِس پورے لائحہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام موجودات جو حسبِ مراتب ظہور پذیر ہوئے ہیں، ہو رہے ہیں اور ہوں گے ذاتِ حق میں مندرج ہیں۔ شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ یہ اندراج جُزو کے کل میں یا مظروف کے ظرف میں ہونے کی مانند ہے۔

---

[۱] دیگر مشائخ کے حالات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کی طرح مُرید ہونے کی رسم پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا تھا۔ متقدمین حضرات کے نزدیک سب سے اہم صحبت کو سمجھا جاتا تھا۔ وہ لوگ حضرات مشائخ عظام سے علمِ دین حاصل کرنے اور ان کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کرنے کو زیادہ اہم سمجھتے تھے۔ لیکن آج کل پیری مُریدی کی خالی رسم رہ گئی ہے اور فیضانِ صحبت و حصولِ علم کی طرف کوئی توجّہ نہیں کرتا اور مُرید ہونے کی رسم بھی اس قدر شدّت پکڑ گئی ہے کہ اگر پیر فوت ہو جائے یا دُور دراز مقام پر ہو تو کسی دُوسرے بزرگ کے پاس جانا معیوب سمجھتے ہیں لیکن اگلے زمانے میں بزرگان نے دو دو چار چار سو اولیاءِ کرام سے فیض حاصل کیا ہے۔ لیکن تکمیل کے بعد نہ کہ پہلے۔

پس اِس گمُان کو دفع کرنے کی خاطر مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ اندراج (شامل ہونا) مانندِ اندراج اوصاف ہے۔ موصوف کے اندر۔ یا لازم کا ملزوم کے ساتھ۔ جس طرح کہ میرے صفات مثل میرا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا۔ عِلم و جہل وغیرہ میرے ساتھ منسوب ہیں۔ اِس کے بعد فرمایا کہ ذاتِ بحیثیت ذات کے نہ جُزو ہے نہ کل اور ایک لحاظ سے جُزو بھی ہے اور کُل بھی۔ چنانچہ ایک کا عدد، ذات کے اعتبار سے مبرّا ہے ایک اعتبار سے کُل ہے اور ایک اعتبار سے جزُو۔ یعنی کبھی ایک کا عدد دو کا نِصف ہے۔ عددِ ثین کا ایک تہائی ہے چار کا ایک چوتھائی۔ اِلیٰ نیا بتہٖ۔ اِس کے بعد فرمایا کہ گلُشنِ راز میں لکھا ہے کہ ؎

چہ جزو است آنکہ از کل فزون است

(کیا جزو ہے جو کل سے بھی زیادہ ہے) ۱؎

۱؎ کل اور جزو یا عین اور غیر کا مسئلہ ذرا غور طلب ہے۔ احقر مترجم نے اپنی کتاب مشاہدۂ حق میں یہ مسئلہ تفصیل سے بیان کیا۔ یہاں صرف خلاصہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مولانا جامیؒ اور حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے فرمایا ہے ہمہ اوست اور وحدت الوجود کا مطلب یہ نہیں کہ کائنات کی ہر چیز ذات باری کے مختلف اعضا کی طرح ہے نہ یہ مطلب ہے کہ ہر چیز ذاتِ حق میں اس طرح شامل ہے جیسے برتن میں پانی شامل ہوتا ہے۔ عارفین کے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات جو ہے یہ اسماء وصفات الٰہی کا مظہر ہے یعنی حق تعالےٰ کی صفات کا ظہور ہے۔ بالفاظِ دیگر کائنات صفت ہے اور حق تعالےٰ موصوف۔ اب جو حضرات صفت کو موصوف کا عین سمجھتے ہیں مثلاً کتاب کو مصنّف کا اور شعر کو شاعر کا عین سمجھتے ہیں وہ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور کائنات کو حق تعالےٰ کا عین سمجھتے ہیں۔ یہ ایک نقطۂ نگاہ ہے۔ اِس کے برعکس دوسرے حضرات کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ صفت اور موصوف ایک نہیں علیحدہ ہیں۔ اِس نقطۂ نگاہ سے آپ کائنات کو ذاتِ حق کا غیر کہہ سکتے ہیں صرف نقطۂ نگاہ کا فرق ہے اس لیے اولیاءِ کرام کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات ذاتِ حق کی نہ عین ہے۔

(باقی اگلے صفحے پر)

لائحہ بستم

متن۔ ظہور وخفائے شیون واعتبارات بسبب تلبس بظاہر وجود وعدم آں موجب تفسیر حقیقت وجود وصفات حقیقت او نیست۔

شرح ۔ جس طرح مختلف اشیاء کو آئینہ کے سامنے کیا جائے تو ان کا عکس آئینہ کے اندر آجاتا ہے پس آئینہ کے اندران عکوس کے اُتر آنے سے ذاتِ آئینہ میں کوئی تغیر یا تبدل واقع نہیں ہوتا بلکہ اُسی طرح قائم ہے جس طرح عکس سے پہلے تھا۔ نیز آئینہ کے صفات مثل صاف وشفاف ہونے میں بھی اس عکس کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا۔ بلکہ اُس کی صفات اسی طرح ثابت ہیں جس طرح عکس سے پہلے تھیں۔ اِسی طرح اس کا عدم ہے۔ یعنی اگر اشیاء کو آئینہ کے سامنے نہ لایا جائے تب بھی آئینہ یا اس کی صفات میں تغیر واقع نہیں ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ ہمارے صفات درحقیقت حق تعالےٰ کے صفات نہیں ہیں اس وجہ سے کہ ہمارے صفات میں تغیر واقع ہوتا ہے چنانچہ ہمیں بعض اوقات کسی چیز کا علم ہوتا ہے بعض اوقات ہم اُسے بھول جاتے ہیں اور بعد میں یاد آتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالےٰ کو ازل سے ابد تک اپنی ذات کا اور اشیاء کا علم دفعی ہے لیکن اولیاء کو تدریجی ہوتا ہے نہ کہ دفعی (دفعی سے مراد ہے ایک ہی دفعہ یعنی ازل سے ابد تک بلکہ ہر وقت)۔

خلا بھی ظہورِ ذات ہے

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ خلا (فضا) بھی ایک قسم کا ظہورِ ذات ہے لیکن یہ مظہر لطیف ہے۔ شاید

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ:

نہ غیر اور عین بھی ہے اور غیر بھی۔ جو لوگ اِس معاملہ میں جھگڑتے ہیں وہ حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں۔ دونوں نقطہائے نگاہ عارفین کے نزدیک درست اور صحیح ہیں جیسا کہ حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ جز وہی ہے اور کل بھی اور نہ جز وہے نہ کل۔

تمہارا یہ خیال ہو کہ ذاتِ مطلق اوپر ہے اور ہم نیچے ہیں بلکہ مطلق بھی اسی جگہ ہے اور مقید بھی اسی جگہ اس کے اندر منطبع (منعکس) ہا ہے ؎

مقبوس ۳۲: بوقت چاشت بروز یکشنبہ ۵ اشوال ۱۳۱۶ھ

لوائح جامی کا سبق از بقیہ لائحہ بیست و یکم شروع ہوا۔

؎ اگرچہ ذات حق سبحانہ پر کوئی مثال صادق نہیں آتی لیس کمثلہ شیئ پھر بھی اولیاء کرام اکثر آئینہ کی مثال دیتے ہیں۔ جس طرح آئینہ کے اندر آپ کا عکس نہ آپ کا عین ہے نہ غیر اسی طرح موجودات بھی ذاتِ حق کا نہ عین ہیں نہ غیر۔ عین اس لیے نہیں کہ عکس پر مٹی ڈالنے سے آپ کے چہرہ پر مٹی نہیں پڑتی۔ غیر اس لیے نہیں کہ آپ کے ہٹ جانے سے عکس بھی ہٹ جاتا ہے لہذا آپ کا عکس آپ کا عین بھی ہے اور غیر بھی ہے۔ عین اِس لیے ہے کہ اگر آپ نہ ہوں تو عکس بھی نہیں ہے اور غیر اس لیے کہ آئینہ ٹوٹ جانے سے آپ کا چہرہ نہیں ٹوٹ جاتا ہے۔
اِس لیے اولیاءِ کرام کے ہاں دونوں نقطہائے نظر صحیح ہیں یعنی عین بھی ہے اور غیر بھی اور نہ عین ہے نہ غیر ہے۔ یہ تضاد بیانی نہیں ہے بلکہ ایک لحاظ یا ایک نقطۂ نگاہ یا ایک اعتبار سے عین ہے اور ایک لحاظ سے غیر۔ اِس باب میں تصادم اور نزاع صرف جہل اور نادانی سے پیدا ہوتا ہے جو حقیقت آشنا ہیں وہ دونوں نظریات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اسی لیے حضرت مولانا روم رح نے فرمایا ہے ؎

قال را بگذار مردِ حال شو   پیش مردِ کاملے پا مال شو !

اگلے زمانے کے لوگ قال اور حال میں فرق جانتے تھے لیکن آج کل کے نام نہاد صوفی حال کی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں۔ اور اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ وحدت الوجود کو کتابوں میں پڑھ کر موحد بن جاتے ہیں اور صوم وصلوٰۃ ترک کر دیتے ہیں حالانکہ اولیاء کرام نوافل بھی ترک نہیں کرتے باوجودیکہ رات دن ذات میں غرق ہیں۔

متن۔ مطلق مستلزم مقید لیست از مقیدّات۔

شرح۔ یہ اس وہم کے دفعیہ کے لیے ہے کہ جب مطلق بے مقید نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق مقیدات سے ضرور ہونا چاہیئے۔ پس مولانا جامی رح اس گمان کو مٹانے کی خاطر فرماتے ہیں کہ مطلق کا مقیدّ کے ساتھ ہونا بطریق بدلیّت ہے نہ بر طریقِ خصوصیت۔

متن۔ مصرعہ۔ ہر کس کہ نباشد تو عوض باشی ازو۔

شرح۔ موجودات میں سے ہر موجود اور صفات میں ہر صفت جو مٹ جائے یا مخفی ہو جائے ذاتِ حق یا صفتِ حق اس کی جگہ قائم و ثابت ہو جاتی ہے۔

متن۔ مصرعہ۔ خالی از تو ہیچ مسجدے و دیرے نہ۔

شرح۔ یعنی مقامِ اسلام اور مقامِ کفر میں (مطلب یہ کہ حالتِ اسلام میں نہ کوئی تیرا منکر ہو سکتا ہے نہ حالتِ کفر میں۔ یا یہ کہ خواہ تجھے کوئی مانے یا نہ مانے تو ہر جگہ موجود ہے)۔

پوری رباعی یہ ہے ؎

اے غیر ترا بہ سوئے تو سیرے نہ
خالی ز تو ہیچ مسجدے و دیرے نہ
دیدم ہمہ طالباں و مطلوباں را !
آں جملہ توئی و درمیاں غیرے نہ

متن۔ دیدم ہمہ طالباں را و مطلوباں را۔

شرح۔ یعنی میں نے اہلِ اسلام اور اہلِ کفر کے طالبان و مطلوبان کو دیکھا ہے تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔

لائحہ بیست و دوم

متن۔ حقیقت ہر شی تعیّن وجود است در حضرتِ علم۔

شرح۔ ہر چیز کی حقیقت عدم ہے کیونکہ تعینات کا وجود باعتبارِ علم ہے اور اعتبارِ علمی ہوتا ہے۔ جو کچھ موجود ہے وجودِ حق ہے۔

اقسام عدم

عدم دو اقسام پر ہے ایک عدم حقیقی جو عدم محض ہے اور وجود مطلق کے بالمقابل ہے۔ دوم عدم اضافی کہ جس کا رَب اسم باطن ہے۔ چنانچہ رَب وجودِ اسم ظاہر ہے اور عدم محض لا ربّ لہٗ ہے یعنی نیست رَب برائے او (نہیں ہے رب اس کے لیے)۔ اور حقیقت عارف بھی عدم محض ہے۔ جب عروج کرکے اپنی حقیقت سے برتر چلے جاتے ہیں تو ہویّتِ ذاتیہ میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اور ذاتِ بحت کے ذریعے ان کو غنائے ذاتی میں وجوب حاصل ہوجاتا ہے اور خود درمیان میں سے اُٹھ جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ العارفُ لا ربّ لہٗ (عارف وہ ہے کہ جس کا رَب نہیں ہے) [1]

مقبوس ۳۳: بوقت چاشت بروز دوشنبہ ۱۶ شوال ۱۳۱۶ھ

دیوان اوحدی کے چند اشعار مع شرح

حضرت اقدس کے ہاتھ میں اپنے حضرت

---

[1] لیکن یہ حال عارضی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت اقدس ایک سابقہ مقبوس میں فرما چکے ہیں کہ تعیّن یا تشخّص مستقل طور پر ختم نہیں ہوتا اور سالک کو وجوب ذاتی و غنا حاصل نہیں ہوتا تاوقتیکہ اِس جہان کا اور اگلے جہان کا کھیل باقی ہے۔ جب تک کھیل باقی ہے تعین بھی باقی ہے۔ لہذا العارف لا ربّ لہٗ کے معنی یہ ہوئے کہ عارضی طور پر یعنی مُراقبۂ فنا فی اللہ کے دوران تعیّن گم اور ذاتِ حق باقی رہتی ہے اس کے بعد تعیّن پھر قائم ہوجاتا ہے۔ جب تک لوہا آگ میں ہے آگ صفت اور آگ صورت ہوتا ہے اور انا النّار (میں آگ ہوں) کا نعرہ لگا سکتا ہے لیکن آگ سے باہر آنے کے بعد وہی سیاہ ٹھنڈا لوہا ہے۔ یہ اس کا مستقل تعین ہے۔ اگر تعین ختم ہوجائے تو پھر اس جہان اور اگلے جہان کا کھیل ختم ہوجاتا ہے اور عذاب قبر، دوزخ، بہشت، دیدار و عدم دیدار ختم ہوجاتے۔

فخر الاولیاء کا دیوان تھا جس میں سے آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

خِرد چوں تابِ نورِ او ندارد　　　بجو از بہرِ او چشمِ دگر را !

اِس کے بعد آپ نے یہ حاشیہ پڑھا :-

"یعنی جب عقل میں تاب و طاقتِ نورِ جمالِ حضرت ذوالجلال نہیں جو شخص کہ طالب دیدار عالم افروزِ حضرت حق ہے اسے چاہیئے کہ مشاہدہ جمال دوست کے لیے دوسری آنکھ (یعنی چشمِ باطن) طلب کرے کیونکہ استدلال کی آنکھ اُسے نہیں دیکھ سکتی۔ اور وہ آنکھ جو دیدار جمالِ حق کے لائق ہے بصیرت کے نام سے موسوم ہے لیکن دیدۂ بصیرت جب تک ریاضت، سلوک اور تزکیۂ نفس، تصفیہ قلب سے رُوح کے سُرمہ سے منوّر نہ ہو مشاہدۂ جمال دوست بطریق شہُود سے قاصر ہے اور یہ چیز تمام اربابِ طریقت کے نزدیک کاملِ حق بین اور حق دان کی تربیت کے بغیر ناممکن ہے۔" [۱]

شعر دیگر ؎

گر تو خواہی رفت راہِ ذوالمنن　　　دست در فتراکِ راہ بینا بزن

(اگر تجھے راہِ حق کی تلاش ہے تو راہ روان معرفت سے مدد حاصل کر)

دیگر ؎

صلّ علیٰ محمدؐ جلوہ جملہ صفات　　　صلّ علیٰ محمد است در وا اعلیٰ السواء

اس کے بعد یہ حاشیہ پڑھا :-

آنحضرتؐ کا علم کلّی ہے یا جزوی

"یعنی اگرچہ تمام انبیاء مظہر جمیع اسماء و صفات الٰہی ہیں لیکن ان میں بعض صفات کو بعض صفات پر غلبہ ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السّلام میں صفت جلال

---

[۱] اِس سے ظاہر ہے کہ ریاضت، مجاہدات، تزکیۂ نفس، تصفیہ قلب اور ربد و جہد کے بغیر چشمِ باطن نہیں کھُلتی اور جب تک چشمِ باطن نہ کھُلے شہودِ حق حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا آج کل کے بعض کام چور کاہل صوفی حضرات جو صوم صلوٰۃ ترک کر کے ہمہ اوست کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں قال کی دنیا میں رہتے ہیں اور حال سے کوسوں دُور ہیں۔

غالب تھی باقی صفات پر۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام میں صفت جمال غالب
تھی باقی صفات پر۔ اور اس مظہرِ اتم یعنی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ
علیہ وسلّم میں کسی صفت کو دوسری صفت پر غلبہ نہیں۔ یہاں صفات کی غالبیت و
مغلوبیت مفقود ہے بلکہ تمام صفات جس طرح حق تعالےٰ میں ہیں اُسی طرح اس
مظہر میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اِسی وجہ سے آپ مظہرِ اتم ہیں۔"

اِس پر راقم نے عرض کیا کہ جب جمیع صفات الٰہیّہ کا ظہور جس طرح کہ حق تعالےٰ میں تھے اس مظہرِ اتم میں بے کم و کاست ہُوا ہے، تو کیا جس طرح علم غیب کلّی حق تعالےٰ کو ہے اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالےٰ کی تمام صفات کا قیام حق تعالےٰ میں کلّی طور پر اور علی الاطلاق ہے لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم میں بطور جزئیت اور تقید ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اندر تمام صفات حق کے ظہور بلا کم و کاست کے یہ معنی ہیں کہ یہ تمام صفات جس طرح بغیر غالبیت و مغلوبیت حق تعالیٰ میں ہیں اُسی طرح بغیر غالبیت اور مغلوبیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم میں ہیں لیکن بطور جُزئیت اور تقید کے۔ لہذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور دیگر انبیاء علیہم السّلام کو علم کلّی دفعی نہیں بلکہ جزئی اور تدریجی ہے[1]

اِس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

در تلبّس مجرّدم زہمہ　　　　در تجرّد تلبسات

---

[1] کس قدر بصیرت افروز کلمات ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب صوفیاء کے سردار ہیں تاہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے علمِ غیب کے متعلق کس قدر اعتدال ہے نہ افراط ہے نہ تفریط۔ آپ کا یہ فیصلہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو علمِ کلّی دفعی نہیں بلکہ جزئی و تجربی ہے۔ ہمارے صوفی بھائی قبول کر لیں تو علمِ غیب اور حاضر و ناظر کے متعلق امت میں جس قدر فساد برپا ہے فوراً مٹ سکتا ہے اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا جیسی آیت قطعی پر عمل ہو سکتا ہے لیکن اکابر مشائخ کی کوئی نہیں سُنتا۔

اِس پر آپ نے یہ حاشیہ پڑھ کر سنایا:-

"یعنی اِنّ الوجود فی عین تلبسہٖ باشیاء الکونیۃ مجرّد عنہا بحسب الحقیقۃ وَفی عین تجرّد عنہا متلبس بہا بحسب الظاہر فالتلبس والتجرد للوجود لیس من جہۃ واحدۃ حتّٰی یلزم اجتماع النقیقین فالتلبس بحسب الظاہر والتجرد بحسب الحقیقۃ فلا تعارض بینہما وان کان فی وقت واحد

اِس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

شعلۂ عشقت چو از آتشِ دل ما سوختہ	زد علم بیروں ز دل کون و مکاں سوختہ

اِس پر یہ حاشیہ پڑھا:-

"محبت جو آتش صفت ہے حقیقتِ دل سے ظاہر ہوئی اور وجودِ موہوم کو جلادیا اور دل میں غیر کو باقی نہ رکھا۔ یہاں محبت خود آئینہ صفت ہوگئی اور محبوب کے سِوا اِس آئینہ میں کچھ نظر نہ آیا۔ دِل کے اندر غیرِ حق کو جلانے کے بعد آتشِ محبت نے باہر کا رُخ کیا اور کون و مکاں کو جلادیا۔ یعنی کون و مکاں میں بھی غیرِ حق نہ رہا۔ جب تک سالک اس مقام تک نہیں پہنچتا ذوق توحید سے آشنا نہیں ہوتا۔

لائحہ بیست و سوم

متن:- حقیقتِ وجود اگرچہ بر جمیع موجودات ذہنی و خارجی مقبول و محمول مے شود - امّا اور امراتب متفاوت است:-

حقیقت ہمہ اوست

شرح:- یعنی اگر ہم یہ کہیں کہ زید حضرتِ وجود ہے تو جائز ہے یا یہ کہیں کہ گھوڑا وجود ہے یا درخت

وجود ہے یا پہاڑ وجود ہے یا تمام موجودات علمی و عیانی عینی حضرت وجود ہے تو جائز ہے
ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زید حیوان ہے، گھوڑا حیوان ہے یا گائے بکری حیوان ہے یا ہر
جانور حیوان ہے۔ لیکن مختلف افراد حیوان کو ایک دوسرے پر محمول کرنا صحیح نہیں یعنی
یہ کہنا کہ زید گھوڑا ہے یا گھوڑا گائے ہے یا گائے بکری ہے یہ ہرگز جائز نہیں۔ اسی طرح
اسماء مراتب حضرت وجود کو افراد پر محمول کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی چیز کے متعلق کہا جائے کہ
یہ اللہ ہے یا رحمٰن ہے تو عین کفر و زندقہ ہے۔ یہی حال اس کے عکس کا ہے۔ ہاں اگر ان اسمائے
صفات پر محمول کیا جائے جو انسان اور حق تعالےٰ میں مشترک ہیں تو جائز ہے چنانچہ زید اگر
سخی ہے تو اُسے رحیم و کریم کہا جا سکتا ہے۔ لیکن رحمٰن کہنا پھر بھی جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ رحمٰن
اسم ذاتی ہے اور فیضانِ وجود اسم رحمٰن سے ہوتا ہے لیکن زید کے اندر طاقتِ فیضان
وجود کہاں ہے [1]

لائحہ بیست و بیست چہارم

متن۔ "اول مرتبۂ لاتعین و عدم انحصار است و اطلاق از ہر قید و اعتبار۔"

مرتبہ احدیت

شرح۔ یعنی ذاتِ بحت (خالص ذات) کو اس جگہ مرتبۂ لاتعین میں نہ حق کہا جا سکتا ہے۔ نہ خلق۔ چنانچہ بُلّھے شاہ صاحب نے
بھی اِس مرتبہ ذات کے متعلق فرمایا ہے ؎

جب احد ایک اکلا تھا ۔۔۔ نہ رب رسول نہ اللہ تھا

اِس کے بعد حضرت اقدس نے اپنی کافی سے یہ مصرعہ پڑھا ع

سلب ثبوت جتھاں مسلوبے ۔۔۔ اتھہ نہ طالب نہ مطلوبے

ھِیَ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ ط !

---

[1] حضرت خواجہ صاحب اگرچہ توحید وجودی کے قائل ہیں لیکن اِس طرح نہیں جس طرح ہمارے
نام نہاد صوفی بھائی آج کل نعرے لگا رہے ہیں۔ ہر چیز کو خدا کہنا کفر ہے۔ پکی بات یہ کہ بُت خدا
نہیں لیکن خدا سے جُدا نہیں۔ یہ ہے توحیدِ وجودی جو حضراتِ مشائخ کا مشرب ہے۔

متن۔ ؎ نہ نقل را در نعتِ جلال او زبانِ عبارت است ، نہ عقل را بکنہ کمال او امکانِ اشارت۔

شرح۔ نقل سے مُراد کلام انبیاء اور اولیاء ہے اور عقل سے مُراد دلائل و علوم عقلیہ حکماء و فلاسفہ ہے۔ (مطلب یہ کہ نہ قرآن و حدیث و اقوال بزرگان اور نہ عقلی اور منطقی دلائل اُس کی ذات تک پہنچ سکتے ہیں)۔

اقسامِ حیرت

متن۔ نہایت عرفان او حیرانی۔

شرح۔ یعنی حیرت دو قسم ہے ایک حیرتِ محمودہ، اور یہ کمال عرفان ہے۔ اِسی وجہ سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے کہ رَبِّ زِدْنِیْ فِیْكَ تَحَیُّرًا (یا اللہ مجھے اپنی ذات میں حیرت زیادہ کر) دُوسری حیرت مذمومہ ہے اور یہ گمراہی کا کمال ہے فلاسفہ اور دہریہ لوگ اسی حیرت مذمومہ میں مبتلا ہو کر تباہ ہو گئے۔

متن۔ شعر ؎ ایں عشق کہ ہست جزوِ لاینفکِ ما حاشا کہ بُوَد بہ عقلِ ما مدرکِ ما

شرح۔ اِس جگہ عشق سے مُراد ذاتِ بحت (ذاتِ لاتعین) اور ہستی مطلق ہے اور ہمارا جزو ہونے کا مطلب یہ ہے ہر چیز کی حقیقت تعین وجود یا وجودِ متعین ہے پس تعین یا وجودِ متعین ایک جزو ہے اور ذاتِ بحت دوسرا جزو۔ اور یہ جزو وہ جزو ہے کہ جب تک ہم ہیں ہم سے جُدا نہیں ہے۔ اس کے باوجود ذاتِ بحت اِس قدر اعظم و اکبر ہے کہ نہ اس کی کوئی حد ہے نہ حساب۔ حتیٰ کہ اس صفت اعظمیت سے بھی پاک اور مخفی تر ہے اور حسِ ادراک سے بالاتر۔

اِس کے بعد فرمایا کہ عشق کو ذاتِ بحت قرار دینا یہ شیخ فخرالدین عراقی رح کی اختراع ہے۔ اِس سے پہلے اصطلاحات صوفیہ میں یہ بات کسی نے نہیں کہی۔ چنانچہ عراقی رح نے اپنی پوری کتاب لمعات کو عشق، عاشق و معشوق کی رمز پر تمام کیا ہے۔ وہ عاشق سے ممکن مُراد لیتے ہیں۔ معشوق سے واجب اور عشق سے ذاتِ بحت مُراد لیتے ہیں۔

تعینات وجوبیہ وامکانیہ

متن۔ تعیناتِ فعلیہ وجوبیہ الٰہیّہ را و جمیع تعیناتِ انفعالیہ امکانیہ کونیہ را۔

شرح۔ تعینات خواہ وجوبیہ ہوں خواہ امکانیہ (ذاتِ حق سے متعلق ہوں یا خلقت سے) بیشمار ہیں۔ چنانچہ رحمٰن ایک تعین و مرتبہ ہے از مراتب فعلیہ وجوبیہ، اور رحیم ایک مرتبہ ہے اور خالق بھی ایک تعین یا مرتبہ ہے، قیوّم بھی ایک مرتبہ یا تعیّن ہے، رزاق بھی ایک تعین یا مرتبہ ہے از مراتب فعلیہ اور ان تمام مراتب کے لیے ایک ربُّ المراتب ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ ربّ المراتب فعلیّہ ہے تو وہ احدیّت جامع جمیع تعیناتِ فعلیہ موثرہ ہوگی۔ یعنی اللہ۔ اور اگر وہ ربّ المراتب انفعالیہ ہے وہ احدیت جامع جمیع تعیناتِ انفعالیہ متاثرہ ہوگی۔ مثل انسان۔ اِس وجہ سے کہ تمام جہان حقیقتِ انسانیہ کی تفصیل ہے۔[۱] اور حقیقتِ انسانیہ احدیت جامع جمیع نسب و اعتبارات و تعینات و صفاتِ جہان ہے اور اس کا رب ربّ المراتب الٰہیّہ و کونیہ حقیقت محمدّیہ ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ ربّ المراتب کی سہل ترمثال یہ ہے انسان، گھوڑا، بکری، گائے وغیرہ تعینات اور مراتب کے اقسام ہیں اور ربّ المراتب و ربّ الانواع (اقسام) حیوان ہے[۲] اِس لیے احدیت جامع جمیع مراتب و تعینات نوعیہ بھی وہی ہے۔

مقبوسس ۳۴ بوقت چاشت بروز چہارشنبہ ۸ اشوال ۱۳۱۶ ؁

حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت شیخ رکن الدین سمنانی رح اربعین (چلّہ) میں بھتے کہ

---

[۱] اِس وجہ سے انسان کو کائناتِ صغیر MICROCOSM ۔ اور جہان کو کائناتِ کبیر (MACROCOSM کہا گیا ہے۔

[۲] جسے منطق کی زبان میں جنس GENUS کہتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ سمۃ جنیس SUMMUM GENUS ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہُوا کہ فلاں مقام پر لوگ قتل ہوئے پڑے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک شخص ہے جو اس قدر استعداد و قابلیت کا مالک ہے کہ قطبِ وقت ہوگا۔ اُسے دریافت کرو۔ حضرت شیخ نے چلّے سے باہر آ کر اپنے آدمی اس مقام کی طرف بھیجے۔ انہوں نے وہاں جا کر دیکھا کہ سب مرے پڑے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ واپس آ کر حضرت شیخ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا چونکہ فرمانِ الٰہی ہے ضرور کوئی زندہ ہوگا۔ واپس جاؤ اور اچھی طرح تلاش کرو۔ انہوں نے واپس جا کر دیکھ بھال کی تو معلوم ہُوا کہ ایک شخص زندہ ہے لیکن اُس کے اندر ذرا سی جان باقی ہے۔ جب انہوں نے اس پر پانی چھڑکا تو وہ ہوش میں آیا اور آنکھیں کھول کر دیکھنے لگا۔ وہ لوگ اُسے اٹھا کر حضرت شیخ کے پاس لائے۔ اور علاج شروع کیا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ تندرست ہوگیا اور حضرت شیخ سے بیعت کر کے آپ کے حسنِ تربیت سے درجۂ کمال کو پہنچا۔ اور یہ شیخ حضرت شاہ علی فرما رہی تھے۔

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ قبلہ بعض مشائخ کو آجی کس لیے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس قسم کا لقب بہت مشائخ نے پایا ہے۔ اسی طرح بعض مشائخ کا کا، آتا، بابا کہلائے۔ چنانچہ حضرت شیخ شیوخ العالم خواجہ گنجشکر قدس سرہٗ بابا کہلاتے تھے۔

اہلِ بیت نبویؐ سے کیا مُراد ہے

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ اہلِ بیت سے مُراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور گھر کے دیگر حضرات ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں بھی اسی طرح آیا ہے لیکن شیعہ اور رافضی لوگ صرف امام حسن، امام حسین، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت بی بی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو اہلِ بیت میں شمار کرتے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج و مطہرات اور دیگر صاحب زادیوں کو اہلِ بیت نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ وہ حضرات جو چادر[1] کے نیچے آئے وہی اہلِ بیت نبویؐ ہیں۔ اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] آلِ عبا کا واقعہ حدیث شریف میں آیا ہے اور حضرت خواجہ صاحب کے ایک ملفوظ میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

کے چچا صاحبان کا ذکر ہونے لگا۔ ایک آدمی نے دریافت کیا کہ قبلہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ عمر میں بڑے تھے یا آں حضرتؐ؟ آپ نے فرمایا میری کتاب جلاء القلوب لاؤ۔ جب کتاب لائی گئی تو اس بندہ احقر سے فرمایا کہ حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کا بیان پڑھو، عبارت یہ تھی:۔

سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ رضؓ

حضرت سیّد الشہداء امیر حمزہ بن عبد المطلب کی کنیت ابو عثمان یا ابو العلیٰ تھی۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا اور رضاعی بھائی (دودھ کے بھائی) تھے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے دو سال یا چار سال بڑے تھے۔ بعثت کے دوسرے یا چھٹے سال آپ ایمان لائے۔ آپ شجاعانِ عرب میں سے تھے۔

حضرت عباس رضؓ

حضرت عباس بن عبد المطلب کی کنیت ابو الفضل تھی۔ آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا ہیں۔ اور آں حضرتؐ سے دو یا تین سال عمر میں بڑے تھے۔ آپ کا شمار رؤساءِ قریش میں ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی عقیدت حضرت عباسؓ کے ساتھ

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر استسقاء کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباسؓ کا ہاتھ پکڑ کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کرتے تھے کہ خداوندا! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ مبارک میں ہم اُن کے ہاتھ پر استسقاء کرتے تھے اب ہم آں حضرتؐ کے عم بزرگوار کو آپ کی درگاہ میں شفیع لائے ہیں، ہم پر نزول بارانِ رحمت فرما۔

آیات اللہ کے ظہور پر فوری سجدہ کا حکم

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت عباسؓ بیٹھے تھے کہ کسی نے آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات میں سے کسی کے انتقال کی خبر سنائی۔ خبر سُنتے ہی آپ نے اُسی جگہ سجدہ کیا۔ جب سر سجدہ سے اٹھایا تو کسی نے سجدہ

کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آیات اللہ میں سے کوئی آیت (نشانی) دیکھو تو فوراً سجدہ کرو۔ پس اس سے زیادہ بڑی آیت کونسی ہو سکتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انیس خلوت وجلیس ہر وقت اور واقف اسرار کے انیس ظاہر و باطن اس دار فانی سے رحلت کر جائیں۔[۱]

درس لوائح جامیؒ

لائحہ بست وپنجم

اِس کے بعد درسِ لوائح شریف شروع فرمایا۔

واجب الوجود وممکن الوجود

متن۔ تارۂ حقائق جوہریہ متبوعہ است۔

شرح۔ یعنی ذاتِ بحت (خالص ذاتِ حق منزّہ از صفات) نے مراتب تنزلات میں ظہور اور تعینات میں تجلّی فرما کر ایک دفعہ حقیقت جوہریہ متبوعہ میں جلوہ گری فرمائی اور دوسری بار حقیقتِ عرضیہ تابعہ کا لباس اختیار کیا یعنی موجود دو قسم ہے۔ ایک وہ کہ جس کا ہونا ضروری ہو اور نہ ہونا ممتنع۔ دوسری وہ کہ جس کا ہونا نہ ہونا ضروری نہ ہو۔ پس اوّل واجب الوجود ہے اور دوم ممکن الوجود۔ اور ممکن الوجود کی بھی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو اپنی ذات سے قائم ہو (قائم بذاتہٖ) دوم وہ جو اپنی ذات سے قائم نہ ہو۔ دوسری قسم عرض ہے اور پہلی جوہر۔ اور یہ جوہر بھی دو اقسام پر ہے وہ وہ جو ابعاد ثلاثہ کو قبول کرے۔ دوسری وہ جو نہ کرے۔ یہ دوسری قسم عقل ونفس ہے۔ اور قسم اوّل جسم ہے۔ اِس جسم کی بھی دو اقسام ہیں ایک وہ جو نامی ہو دوسری وہ جو نامی نہ ہو۔ دوسری قسم جمادات ہے اور پہلی قسم یعنی نامی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو حساس متحرک بالارادہ ہے دُوسری وہ جو حساس متحرک بالارادہ نہ ہو۔ یہ دُوسری قسم نباتات ہے

---

[۱] چاند گرہن اور سورج گرہن کے وقت جو احادیث میں نوافل کا حکم آیا ہے اس کی وجہ یہی ہے۔

اور پہلی حیوانات۔ اور حیوان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو مدرک امور غریبہ ہو دوم وہ جو مدرک امور غریبہ نہ ہو۔ پہلی قسم انسان ہے اور دوسری قسم عام حیوان مثل اونٹ، گھوڑا، بھیڑ، بکری، گائے وغیرہ۔ پس ان میں سے ایک جوہریہ متبوعہ ہے اور دوسری حقیقتِ عرضیہ تابعہ جو اس کے تابع ہے۔ اور یہ تمام حقائق جوہریہ وعرضیہ، حقیقت الحقائق کے لیے کہ جس کا نام ذات الٰہی ہے اعراض ہیں جو حقیقت الحقائق پر عارض ہوئے ہیں۔

تجدّدِ امثال۔ لائحہ بست و ششم

متن۔ در ہر آنی عالم بعدم مے رود، و مثل آں بوجود مے آید۔

شرح۔ یعنی کائنات کے معدوم ہونے اور پھر وجود میں آنے کا سبب یہ ہے بعض اسمائے الٰہی لطفی (جود و کرم سے مخصوص) ہیں مثل رحمٰن، رحیم، معطی، جواد، کریم، خالق، رزّاق، ستّار، غفّار، لطیف، رؤف وغیرہ اور بعض اسمائے قہری ہیں جیسے قاہر، قادر، کبیر، متکبّر، مُذل، عزیز، جبّار، منتقم، غیوّر، وغیرہ۔ یہ تمام اسمائے الٰہی خواہ لطفی ہوں یا قہری ہر وقت اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اسمائے لطیفہ جمالیہ کا تقاضا ہے فیضانِ وجودی یعنی ایجاد عالم، اور اسمائے قہریہ جلالیہ کا تقاضا ہے عالم کو معدوم کرنا۔ پس اسمائے قہریہ ہر لحظہ جہان کو عدم کرتے رہتے ہیں اور اسمائے لطیفہ اس جیسے جہان کو ہر لحظہ وجود میں لے آتے ہیں۔

اِس وجہ سے کہ اسمائے الٰہی میں سے کسی اسم کو تعطّل نہیں ہے[1]

ایک اشکال

اِس کے بعد فرمایا کہ یہاں ایک سوال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اسمائے لطفی جمالی کا تقاضا ایجاد عالم ہے اور اسمائے قہری جلالی کا تقاضا اعدام یعنی عالم کو معدوم کرنا ہے تو تعارض پیدا ہوتا ہے (یعنی تصادم رونما ہوتا ہے) کیونکہ

---

[1] علم تصوّف کی اصطلاح میں اِسے تجدّدِ امثال یا کمون بروز کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک جہان کا عدم ہونا اور دوسرے جہان کا وجود میں آنا اِس سرعت سے ہوتا ہے کہ بجز اولیائے کرام اس تبدیلی کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔ اولیاءِ کرام اس سے آگاہ ہوتے ہیں اور اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

قاعدہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا (جب دو چیزوں میں تعارض پیدا ہو تو نتیجہ سقوط ہے) اِس سے یہ لازم آتا ہے کہ دنیا کبھی ختم ہو جاتی ہے اور کبھی وجود میں آجاتی ہے حالانکہ دنیا ہر وقت قائم ہے نہ کہ معدوم اگرچہ اس کی موجودگی کا سبب سرعت تعاقب امثال ہے تاہم موجود نظر آتی ہے۔

جواب اِس کا جواب یہ ہے کہ صفتِ رحمت اور لطف، غضب اور قہر پر غالب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ۔ (میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے) اب چونکہ اسمائے لطیفہ جمالیہ غالب ہیں اِس لیے ایجاد کو انعدام پر غالب ہونا چاہیئے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ تجدّدِ امثال کی مثال چراغ سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ چراغ کا شعلہ جو فتیلہ سے پیدا ہوتا ہے مخروطی شکل کا ہے یعنی نیچے کی طرف سے وسیع اور اوپر سے باریک یہ شعلہ باریک ہوتے ہوتے فانی ہو جاتا ہے۔ نظر یہ آتا ہے کہ یہ شعلہ برقرار ہے حالانکہ ہر آن دوسرا شعلہ ہوتا ہے لیکن چراغ کے فیضانِ وجودی کی سُرعت اور تواتر کی وجہ سے ایک حالت پر مستقیم نظر آتا ہے لیکن دراصل ایک شعلہ فانی اور معدوم ہو جاتا ہے اور اس کے پیچھے تیزی سے دوسرا شعلہ پہنچ جاتا ہے۔ بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہی ایک شعلہ ثابت ہے۔[1]

مقبوس ۳۵ بوقت چاشت بروز پنجشنبہ ۱۹ شوال ۱۳۱۶ھ

حضرت شیخ نظام الدّین اورنگ آبادی قدس سرہٗ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت

---

[1] اسی طرح جب دریا چلتا ہے تو نظر یہی آتا ہے کہ وہی پانی ہر وقت سامنے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پانی ہر لحظہ نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ نیا پانی لے لیتا ہے۔ بجلی کی لہروں کا بھی یہی حال ہے۔

شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ سے بہت فیض جاری ہوا ہے۔ چنانچہ اسی ہزار نفوس آپ کے حسنِ تربیت سے صاحبِ نسبت ہوئے ہیں۔ کسی نے عرض کیا کہ اسی ہزار خلفاء ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے خلفاء بھی سینکڑوں تھے لیکن اسی ہزار اہلِ نسبت تھے جنہوں نے آپ سے بیعت کر کے فیضان حاصل کیا۔

اہلِ نسبت سے کیا مُراد ہے

اِس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور اہلِ نسبت سے کیا مُراد ہے۔

آپ نے فرمایا کہ توحیدِ علمی جو توحید کا دوسرا درجہ ہے کے متحقق ہونے کا نام نسبت ہے اور اہلِ نسبت وہ ہے جو اس سے متحقق ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولانا محب النبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دس واسطوں سے بھی حضرت شیخ (حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی اورنگ آبادیؒ) کے خلفاء کو دیکھا ہے اور یہ تمام دس واسطے میرے زمانے میں ہوئے ہیں۔ وہ سب کامل تھے اور ہر ایک سے سلسلہ جاری ہوا ہے۔ مولانا محب النبیؒ حضرت شیخ نظام الدینؒ کے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ سولہ سال کے تھے کہ حضرت والد بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس قلیل مُدت میں خلافت کے دس واسطے وقوع پذیر ہوئے۔ اور خلیفہ صاحب کمال بھی ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت والد بزرگوار دن رات تربیت و تلقین مریدین میں کوشاں رہتے تھے اور ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ آفتابہ ہاتھ میں لے کر ساری رات فقراء و طالبان کے حجرہ کے دروازہ پر پھرتے رہتے تھے۔ جس شخص کو آپ سویا ہوا پاتے تھے، اُس کے منہ پر پانی ڈال کر بیدار کرتے تھے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جو طالب اس کوچہ میں داخل ہوتا تھا اگر وہ حافظ قرآن یا عالم ہوتا تو آپ اسے تلاوت قرآن، کتابیں پڑھنے اور وظائف و نوافل سے منع کر کے ہمہ تن ذکر جہری یا ذکر خفی پر لگا دیتے تھے۔ جب وہ اس معاملہ میں اس قدر پختہ ہو جاتا تھا کہ یہ نسبت اس سے زائل نہ ہو سکے تو پھر اسے قرآن شریف پڑھنے اور دوسرے وظائف و نوافل کی اجازت دے دیتے تھے۔ آپ کا میلانِ طبع اکثر طریقہ نقشبندیہ کے مطابق سلوک طے کرانے کی طرف تھا۔ چنانچہ دن میں ایک بار

حلقۂ توجہ آپ کا معمول تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کے فیضِ توجہ سے لاکھوں آدمی مستفیض ہوئے اور سینکڑوں خلافت سے مشرف ہو کر صاحب سلسلہ ہوئے تاہم آپ کو وہ شہرت حاصل نہ ہوئی جو حضرت مولانا فخر الدین محمد دہلوی کو ہوئی۔ اِس حد تک کہ یہاں پہنچ کر سلسلۂ چشتیہ فخریہ کے نام سے موسوم ہُوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولانا صاحب کا نام حضرت شیخ کلیم اللہ رحؒ نے رکھا۔ جب حضرت مولانا پیدا ہوئے تو حضرت شیخ کلیم اللہ نے حضرت شیخ نظام الدینؒ کو مبارکباد دے کر فرمایا کہ مَیں نے جو آپ کو ایک فرزند ارجمند کی بشارت دی تھی وہ یہی فرزندِ سعادت مند ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت شیخ کے تمام مریدین برگزیدہ تھے اور محبت شیخ میں اِس قدر محو تھے کہ کلمہ طیبہ میں "محمد رسول اللہ" حضرت شیخ کے ڈر سے کہتے تھے ورنہ ان کا جی یہ چاہتا تھا کہ شیخ کے نام کا کلمہ پڑھیں۔

حضرت میاں عشق اللہ رحؒ

حضرت مولانا صاحب یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شیخ علیہ الرحمہ کے اکثر مرید برگزیدہ تھے لیکن میاں عشق اللہ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مَیں چھوٹا تھا اور میاں عشق اللہ بڑے تھے۔ بچپن میں مَیں اُن کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اِس کے فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین نے حضرت عشق اللہ سے اس قدر مجاہدہ لیا کہ ہر روز تین پاؤ مکھن اُن کے جسم کی مالش کے لیے مخصوص تھا۔ یہ میاں عشق اللہ ایک ہندو جوہری کے بیٹے تھے۔ قصہ یوں ہے وہ ہندو بڑا دولت مند تاجر تھا اور جواہرات کی تجارت کیا کرتا تھا لیکن اُس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ اُس نے تمام ہندو فقراء کی خدمت کی لیکن کوئی اُس کی مراد پوری نہ کر سکا۔ آخر اُس نے حضرت شیخ نظام الدین رحؒ کی خدمت میں آ کر کمال عجز و نیاز سے عرض کیا کہ فرزند عطا ہو۔ حضرت شیخ نے فرمایا میری قسمت میں چند بیٹے لکھے ہیں ان میں سے ایک بیٹا میں تجھے دیتا ہوں لیکن پہلے میرے ساتھ وعدہ کرو کہ جب وہ بڑا ہو جائے تو میرے حوالہ کر دینا۔ اس نے کہا اِسی طرح کروں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا اب گھر جاؤ اور عیش کرو۔ عرصہ عرصہ نو ماہ کے بعد اُس کے ہاں لڑکا پیدا ہُوا اور وہ خوشی سے اُسے اٹھا کر حضرت شیخ کی خدمت میں لے آیا۔ بچے نے آتے ہی آنکھیں حضرت شیخ پر جمالیں اور دوسری طرف

قطعاً نہیں دیکھتا تھا۔ آپ نے اس کا نام عشق اللہ رکھا۔ بچپن کے زمانے میں جب اُسے حضرت شیخ کی خدمت میں لاتے تھے تو وہ ہر وقت حضرت کا چہرہ مبارک دیکھتا رہتا تھا اور دوسری طرف نگاہ نہیں کرتا تھا۔ جب بڑا ہُوا تو جب کبھی حضرت اقدس کے گھر پر آتا تھا واپس جانے کا نام نہیں لیتا تھا۔ جب لوگ اُسے گھسیٹ کر لے جاتے تو ہائے ہائے کرتا تھا۔ آخر وہ دولتِ اسلام سے مشرف ہُوا۔ اس سے اُس کا باپ بہت برہم ہُوا اور واویلا کرنے لگا۔ اب حضرت شیخ بھی ڈٹ گئے آپ نے فرمایا کہ تجھے اپنا وعدہ یاد نہیں ہے۔ اب وعدہ خلافی کرنا چاہتا ہے۔ آخر وہ اپنے گھر چلا گیا لیکن دل میں یہ منصوبے بناتا رہا کہ بچے کو قتل کر دینا چاہیئے۔ ایک دن میاں عشق اللہ اکیلے بیٹھے تھے کہ چند آدمیوں نے آکر حملہ کر دیا۔ ان کو دیکھ کر آپ جلدی سے حجرہ کے اندر چلے گئے اور دروازہ بند کر دیا۔ لیکن قاتل دروازہ کھول کر جب اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پلنگ پر گلاب کے پھولوں کا گلدستہ پڑا ہے اور وہ غیب ہیں۔ جب یہ خبر حضرت شیخ تک پہنچی تو فرمایا کہ میاں عشق اللہ تو اب رحلت کر گئے ہیں آؤ ہم اُن کے لیے فاتحہ پڑھیں۔ چنانچہ میّت کے لیے جو رسُومات کی جاتی ہیں وہ سب کی گئیں۔ اِس کے بعد فرمایا کہ حضرتِ شیخ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت محمد اسماعیل کو اپنے سامنے اپنے خلیفۂ کلاں حضرت کامگار خان سے بیعت کرایا اور باقی بیٹوں یعنی حضرت غلام معین الدینؒ و حضرت غلام بہاؤ الدین و حضرت غلام کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہم کو اپنے سامنے حضرت مولانا صاحبؒ سے بیعت کرایا۔

شیخِ کامل ایک مکّار پیر کی خدمت میں

اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت شیخ کلیم اللہ قدس سرہٗ نے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو زیادہ وسعت نہیں دی بلکہ الگ بیٹھ کر یہ کام حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کے سپرد کر دیا۔ لیکن باطنی طور پر آپ کی تمام توجہات ہر وقت اورنگ آباد کی طرف مبذول رہتی تھیں۔ آپ کا کام عطائے نعمت اور حضرت نظام الدین کا کام نعمت کا تقسیم کرنا تھا۔ اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کی طبیعت میں غایت درجہ حلم و حیا و حوصلہ تھا۔ آپ کسی شخص کا دل رنجہ نہیں کرتے تھے۔ ایک

دفعہ ایک جھوٹا مدعی آیا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی شخص چند روز میرے پاس بیٹھ کر توجہ حاصل کرے تو اسے خدا تک پہنچا دوں گا۔ اور یہی بات اس نے حضرت شیخ نظام الدین رح سے بھی کہی کہ آپ مجھ سے توجہ حاصل کریں۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے۔ چنانچہ آں حضرت اس شخص کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور وہ خواہ مخواہ کی توجہ دیتا تھا۔ لیکن یہ بات خلوت میں ہوتی تھی اور باقی لوگوں کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ چند دن گذر گئے اور حضرت شیخ اس شخص کی پیر کی طرح عزت کرتے رہے۔ اِس سے آپ کے مریدین جو اکثر صاحب نسبت و خلافت تھے بہت رنجیدہ خاطر تھے اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے تھے لیکن حضرت شیخ سے ڈر کے مارے کچھ نہیں کہتے تھے۔ آخر میاں عبدالقادر سے جو آپ کے خلیفہ تھے اور اکثر سیر و سیاحت میں بسر کرتے تھے نہ رہا گیا اور پیر بھائیوں سے کہا کہ تم لوگ کیوں خاموش بیٹھے ہو اور اس مکار کی خبر کیوں نہیں لیتے۔ انہوں نے کہا ہمیں حضرت شیخ سے ڈر لگتا ہے۔ آپ ابھی آئے ہیں اگر جوانمردی کریں معذور سمجھے جائیں گے۔ اِس اثنا میں اِس مکار آدمی کا وہاں سے گذر ہوا۔ میاں عبدالقادر نے اس کی طرف نظر کر کے ایسی توجہ ڈالی کہ زمین پر گر گیا اور منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا۔ جب یہ خبر حضرت شیخ کو ہوئی تو فرمایا کہ یہ عبدالقادر کی حرکت ہو گی۔ چنانچہ آپ اُٹھ کر اس کے پاس گئے اور توجہ دی جس سے اس کی حالت بہتر ہو گئی۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے گلے میں کپڑا ڈال کر حضرت اقدس کے قدموں پر گر گیا اور عرض کی کہ بے خبری میں مجھ سے یہ نازیبا حرکت سرزد ہو گئی ہے قصور معاف فرمایا جاوے۔ آں حضرت نے کمال حلم و حیا کی وجہ سے جو آپ کی طبیعت میں تھا اس کا پردہ رکھنے کی خاطر اس کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ اس سے وہ اور بھی شرمسار ہوا اور حضرت اقدس کے پاؤں پر ہاتھ رکھ کر تائب ہوا۔

مقبوس ۳۶: بوقت زوال بروز جمعہ ۲ شوال ۱۳۱۶ھ

شیخ کامل سے بدظن ہونے کی سزا

حضرت اقدس ایک کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ خلوت کا وقت تھا۔ صرف چند خدّام حاضرِ خدمت تھے۔ مطالعہ سے فارغ ہو کر آپ ہم غلامان کی طرف متوجّہ ہوئے اور مریدین کے معتقد اور مُرتد ہونے کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ میاں اللہ رکھیا اور میاں نصیر محمد دو چچازاد بھائی ساکن حجبہ تھے اور دونوں حضرت قبلہ محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ لیکن بعد میں میاں رکھیا میاں موسن شاہ صاحب بکائنی والہ کا مرید ہو گیا۔ میاں نصیر محمد نے اس بات کا ذکر میرے شیخ حضرت فخر الاولیاءؒ سے کیا۔ آپ نے تھوڑی دیر سرنگوں ہو کر مراقبہ کیا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا جلدی خراب ہو جائے گا۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گذرا ہو گا کہ اس کے بال بچے مر گئے۔ بیوی مر گئی۔ مویشی اور مال و اسباب تباہ ہو گئے۔ اور مفلس و قلاش ہو کر خود نابینا ہو گیا۔ اس کے بعد وہ تائب ہوا اور ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ میں دوسری بیعت سے بیزار ہوا ہوں اسی بیعت پر جو حضرت قبلہ محبوب الٰہی سے تھی اب قائم ہوں اور دل سے ان کا اعتراف کرتا ہوں اور آپ کے بتائے ہوئے وظائف بھی پڑھتا ہوں میرا قصور معاف ہو۔ لیکن وہ اسی حالت میں فوت ہو گیا اور اس کا اقرار و اعتراف کسی کام نہ آیا۔

میاں فاضل شاہ صاحب کوکارہ

اس کے بعد فرمایا کہ میاں فاضل شاہ صاحب کوکارہ حضرت قبلہ عالم مہاروی قدس سرہٗ کے مُرید و خلیفہ ہیں اور اُن سے سلسلہ بھی جاری ہوا ہے۔ مَیں نے بھی انکے بعض مریدین کو دیکھا ہے ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہوئے اور کثرت سے لوگ عیادت کے لیے آنے جانے لگے۔ ایک آدمی نے آ کر پوچھا کہ کیا حال ہے آپ نے فرمایا دعا کرو جس طرح کہ عام طور پر عیادت کرنے والوں کو بیمار جواب دیتے ہیں لیکن یہ کلمات کہنے کے بعد شاہ صاحب نے توبہ کی اور کہا کہ مَیں نے غلطی سے اپنے پیر کی بجائے کسی دوسرے شخص سے دعا کی درخواست کی ہے اِس لیے اب میری بیعت فسخ ہو گئی ہے اور فوراً اپنے آدمیوں سے کہا کہ مجھے اٹھا کر حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں لے چلو۔ جب قریب پہنچے تو حضرت قبلۂ عالم

قدس سرہ کو معلوم ہوا کہ میاں فاضل شاہ بیماری کی حالت میں اپنے آپ کو اٹھوا کر آرہے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ گھر سے باہر جا کر اُن سے ملے تو شاہ صاحب نے فوراً سارا ماجرا سنایا اور تجدید بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے درخواست قبول کر لی اور وہ از سرِ نو بیعت ہو کر گھر گئے اور شفایاب بھی ہو گئے۔

مقبوس ۳۰: بوقت چاشت بروز شنبہ ۱۲ / شوال ۱۳۱۶ھ

لوائح جامی کا درس شروع ہوا۔

لائحہ بیست و ہفتم

متن۔ " و آنچہ موجود و مشہود ست حقیقت وجود ست۔

حقیقتِ وجود

شرح۔ حقیقت وجود (وجود حق) کا موجود ہونا اس لحاظ سے صحیح ہے کہ اعیانِ ثانیہ (اشیاء کا وہ خاکہ جو قبل تخلیق ذات باری تعالٰی کے ذہن میں تھا) نے مختلف اشیاء میں ظہور کیا۔ لیکن وجودِ حق کا مشہود ہونا (دیکھا جانا) کیسے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ جو کچھ نظر آتا ہے اشیائے ممکنہ (حادث) ہیں نہ کہ اس کی ذات کا نور جو مخفی ہے۔ پس ہم یہ جواب دے سکتے ہیں کہ جب ایک حقیقت موجود ہے اور اس کا غیر ممتنع (ناممکن) چنانچہ ہر رنگ اور ہر تعین میں وہی مشہود ہے اور دیکھا جاتا ہے۔ اگرچہ اِس رویت اور شہود کی (دیکھے جانے کی) کیفیت ہمارے ادراک و بیان میں نہیں آسکتی اس وجہ سے جو کچھ مدرک و مشہود ہے اشیاء ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر دُور سے کسی چیز پر نظر پڑے تو جھاڑی معلوم ہوتی ہے نہ اس وقت اس چیز پر شجر کا حکم ہوتا ہے نہ حجر کا۔ نہ حیوان کا نہ آدمی کا۔ بعد میں نزدیک جا کر معلوم ہوتا ہے کہ حیوان ہے۔ زیادہ نزدیک جا کر معلوم ہوا کہ انسان ہے۔ جب زیادہ قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ زید ہے۔ پس زید کو جب آپ نے پہلی بار دیکھا تو مبہم طور پر بلا تعین دیکھا قریب جانے کے بعد اس پر تعین عارض ہوا۔ پس جاننا چاہیئے کہ پہلی نظر جو پڑتی ہے،

حضرتِ وجود پر پڑتی ہے اس کے بعد اشیاء کی تمیز ہوتی ہے۔

متن۔ بنگر بجہاں سِرِّ الٰہی پنہاں

شرح۔ سِرّ سے مُراد حقیقت ہے یعنی دیکھو جہان میں حقیقت الٰہی جو عین ہستی مطلق ہے پنہاں اور ساری ہے (ساری بمعنی جاری وطاری)۔

حقیقتِ خضر و آبِ حیات

متن۔ چو آبِ حیات در سیاہی پنہاں۔

شرح۔ یہ جو قصّہ مشہور ہے کہ آبِ حیات فلاں جگہ پر ہے اور اس جگہ کو ظلمات کہتے ہیں اور یہ کہ خضر علیہ السّلام نے وہ پانی پیا ہے۔ یہ قصّہ عالم بطون سے تعلق رکھتا ہے جو مسئول ہے نہ کہ بظاہر محمول (یعنی جو ظاہر پر محمول نہیں بلکہ اس کی باطن پر تاویل کی جاتی ہے۔) اس کے بعد فرمایا کہ سکندر نامہ میں آیا ہے کہ سلطان سکندر نے پہلے تین بڑی جنگیں لڑیں اور چند چھوٹی جنگیں لڑیں۔ تین بڑی جنگوں میں سے ایک زنگیوں (حبشیوں) کے خلاف تھی۔ دوسری دارا کے خلاف تیسری روس کے خلاف، باقی لڑائیاں ان تین بڑی جنگوں کے سلسلے میں ہوئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطان سکندر تین مراتب طے کر کے آبِ حیات کی تلاش کے لیے "ظلمات" میں گیا۔ "ظلمات" سے مراد حقیقت عارف ہے جو عدمِ محض ہے۔ اور ظلمت بھی عدم ہے اور آبِ حیات سے مراد وجودِ مطلق اور ہستیٔ حق ہے۔ پس ظلمات سے گذر کر آبِ حیات پینے سے مراد صوفیائے کرام کے نزدیک حصولِ مقامِ فنا فی اللہ ہے جسے شاستر میں جیون مکت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ خضر کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ محققین صوفیاء کرام کے نزدیک حقیقتِ خضر سے مراد ہر شخص کی قویٰ وصفات میں وہ قوت یا صفتِ غالبہ ہے جو بوقتِ ضرورت مناسب شکل میں نمودار ہو کر اس شخص کی حاجات وضروریات پورا کر کے مخفی اور گُم ہو جاتی ہے۔

اِس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور آیا خضر سے مراد اُس شخص کی وہ صفت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں خضر ایک ملکوتی قوت ہے جسے روح القدس کہتے ہیں۔ اس پر اس شخص نے تعجب سے کہا کہ قبلہ رُوح القدس بھی ایک قوت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں روح القدس اور دوسری صفات انسانِ کامل کے قویٰ ہیں۔

متن۔ ہر گاہ کہ چیزے در چیزے نمودہ مے شود ظاہر غیر مظہر ست۔

شرح۔ ہر ظاہر، اور مظہر، رائی، (دیکھنے والا) اور مرئی (جو دیکھا جائے) اور مراۃ (آئینہ) میں مغائرت ذاتی ہوتی ہے بخلاف ظاہریت و مظہریت، رائیت، و مرئیت اور مراٰتیت حضرتِ وجودِ مطلق کے جو عینیت ہے ذاتاً بھی، صفاتاً اور فعلاً بھی۔ یہ ظہور کمال حُبّ سے وقوع پذیر ہوا ہے۔ حدیث شریف کُنتُ کنزاً مخفیاً۔۔۔ (اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ مَیں گنجینۂ مخفی تھا۔ مجھے حبّ ہوئی کہ پہچانا جاؤں پس مَیں نے خلقت کو پیدا کیا) ہر کمال کا ظہور ضروری ہے۔ اور وہ کمال ضرور اس مظہر میں ظاہر ہوگا۔ لیکن بذاتہٖ نہیں بلکہ بصفاتہٖ (ذات کا ظہور نہیں ہوگا بلکہ صفات کا ہوگا کیونکہ ذات ظہور سے پاک ہے) مثلاً ایک شخص کو اپنا چہرہ دیکھنے کا شوق ہوتا ہے تو وہ آئینہ لے کر سامنے رکھتا ہے کیونکہ آئینے کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح جب ذاتِ بحت (خالص ذات منزّہ از صفات) نے چاہا کہ اپنا مشاہدہ کرے تو تمامی موجودات کو آئینہ ہائے بنا کر اپنے جمال و کمال کا مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن وہ ان آئینہ ہا کا عین ہے۔ اِس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

درآں خلوت کہ ہستی بے نشاں بود — بکنجِ نیستی عالم نہاں بود!
وجودے بود کز نقشِ دوئی دور — ز گفت و گوئے مائی و توئی دور
نکو رُو تابِ مستوری ندارد — چو بندی سر از روزن برآرد
نظر کُن لالہ را در کوہساراں — کہ چو خُرّم بود فصلِ بہاراں
چو نیکو بنگری آئینہ ہم اوست — نہ تنہا گنج بل گنجینہ ہم اوست

(اُس خلوت گاہ میں جہاں ہستی کا نام و نشان نہ تھا، سارا جہان نیستی کے پردہ میں نہاں تھا (پوشیدہ تھا) ایسا وجود تھا جو دوئی سے دور تھا یعنی ذاتِ احدیّت کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہاں گفتگو یا اشارہ و لُغت کی بھی گنجائش نہ تھی۔ لیکن حسن و جمال چھپ نہیں سکتا۔ اگر چھپانے کی کوشش کی جائے تو روزن (سوراخ) سے سَر نکال لیتا ہے۔ جذبۂ نمائش میں گلِ لالہ کو دیکھو کس طرح

دامانِ کوہ کو رونق بخشی ہے۔ اگر غور سے دیکھو تو آئینہ بھی خود ہے۔ خزینہ بھی خود ہے اور گنجینہ بھی خود ہے)۔

لائحۂ بلبیت و ہشتم

متن۔ کل شیئٍ فیہ کل شیئٍ۔

شرح۔ یعنی ہر چیز کل میں ہے پہلے "کل شیئٍ" سے مراد ذاتِ حق عالم میں سے ہر موجود یا ہر چیز ہے۔ اور دوسرے "کل شیئٍ" سے مراد ہستی ذاتِ حق ہے مع جمیع شیون و صفات کے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ہر چیز کے تعین میں ذاتِ حق بجملہ صفات موجود ہے۔ (لیکن بقدر استعداد تعیّن جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے)

لائحہ بلبیت و نہم

متن۔ ہر قدرت و فعل کہ ظاہر از مظاہر حادرمے شود۔

مسئلہ قدر و جبر

شرح۔ مذہب قدریہ یعنی فرقۂ معتزلہ اور شیعہ کا مذہب یہ ہے افعال کو بندہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر افعال کو بندہ کے ساتھ منسوب نہ کیا جائے بلکہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ منسوب کیا جائے تو خدا تعالیٰ کا ظالم ہونا لازم آتا ہے۔ اس وجہ سے کہ بے گناہ پر عذاب کرنا ظلم ہے۔ مذہب جبریہ میں بندہ کے اعمال کو حق تعالےٰ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ صوفیاءِ کرام کا مذہب یہ ہے کہ بندہ قدر و جبر کے درمیان ہے۔ اس وجہ سے کہ ذات و حقیقت و ہستی کی حیثیت سے تمام موجودات عدم محض ہیں اور جو کچھ موجود ہے ہستی حق ہے۔ نیز صفات و افعال جو ذات کے تابع ہیں لازماً حق تعالےٰ کے ساتھ منسوب ہوں گے۔ پس اس حیثیت سے بندہ مجبور و معذور ہے اور ذاتِ حق کے ہر تعین و ہر وجود میں موجود ہونے کی حیثیت سے بندہ کو اتنا اختیار دیا گیا جس قدر اس کی استعداد کے مطابق اس کے اندر رکھا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک لحاظ سے بندہ مجبور و بے کار ہے اور دوسرے لحاظ سے قادر اور مختار ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ الایمانُ بَینَ الجبر والقدر [۱]

---

[۱] بعض حضرات کے نزدیک حقیقت اس مقولہ میں ہے:۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

(ایمان جبر و قدر کے درمیان ہے)۔ متکلمین حضرات کا فیصلہ بھی یہی ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دن

قدر و جبر کے متعلق حضرت قاضی محمد عاقل رح کا مؤقف

حضرت سلطان الاولیاءؒ (حضرت قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ) کے سامنے مسئلہ جبر و قدر زیر بحث آیا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ جب ذات بحت بجمیع شیون و صفات ہر چیز میں موجود ہے تو آدمی مجبور ہو گا نہ کہ مختار۔ حضرت قبلہ سلطان الاولیاءؒ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ و تعالےٰ نے اختیار اور قدرت کو جس طرز اور جس مقدار میں پسند فرمایا ہے ہر شخص کے اندر پیدا کر دیا ہے یعنی جس مقدار میں وہ صفات (صفاتِ حق) آدمی کے اندر پیدا کی گئی ہیں اس مقدار سے آدمی فاعل و مختار ہوتا ہے نہ کہ مجبور۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ:۔

مختارٌ فِی فِعلِہٖ و مجبورٌ فِی اختیارہٖ (یعنی آدمی کو ہر کام میں اختیار حاصل ہے لیکن اختیار حاصل کرنے میں مجبور ہے)۔ لیکن قرآن و حدیث کی رُو سے حقیقت یہ ہے کہ ہر نیک کام اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور ہر بُرا کام انسان کے اپنے نفس کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن رزق مقسوم ہے۔ جو کچھ اس کی قسمت میں لکھا ہے ملتا ہے۔ اگرچہ عالم اسباب میں کوشش و کسب ضروری ہے لیکن کوشش بھی اس کے مقدر میں ہے جس کے مقدر میں رزق ہے جو چیز ملنی ہے اس کے لیے اسباب غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور بندہ کوشش بھی کرتا ہے۔ جو چیز مقدر میں نہیں ہوتی اس کے لیے مخالف اسباب پیدا ہو جاتے ہیں اور کوششیں ناکام رہتی ہیں۔

ایک یورپین فلاسفر کا قول ہے کہ:۔

MAN IS FREE TO DO WHAT HE WILLS
BUT HE IS NOT FREE TO WILL_
WHAT HE WILLS

اس کا مطلب وہی ہے:۔

مختارٌ فِی فعلہٖ و مجبورٌ فی اختیارہٖ۔ یہ امام جعفر صادق رضؓ کا قول ہے۔

شیخ احمد معشوق ملتانی کا نماز نہ پڑھنا

اِس کے بعد اولیاء کرام کے اطوار کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ شیخ احمد معشوق رح حضرت شیخ صدر الدین عارف ملتانی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے اور حضرت محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے ہمعصر تھے۔ چنانچہ حضرت محبوب الٰہی رض اُن کی تعریف کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ احمد رح نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ایک دن علماء نے جمع ہو کر مجبور کیا کہ نماز پڑھو۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے نماز پڑھواتے ہو تو الحمد للہ نہیں پڑھوں گا۔ علماء نے کہا کہ فاتحہ کے بغیر تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ ضرور پڑھنی ہو گی۔ انہوں نے کہا اچھا سورۃ فاتحہ پڑھوں گا لیکن "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" نہیں پڑھوں گا۔ علماء نے کہا یہ بھی ضرور پڑھنا ہے۔ آخر انہوں نے نماز پڑھنا شروع کیا۔ جب آپ نے تکبیر تحریمہ (اللّٰہ اکبر) کہہ کر سورت فاتحہ پڑھنا شروع کیا اور لفظ ایاک نعبدُ پر پہنچے تو آپ کے بال بال سے خون جاری ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے نماز توڑ دی اور فرمایا کہ مجھے حائض عورت کی طرح معذور سمجھو۔ اس کے بعد حضرت اقدس رح نے فرمایا کہ

شیخ محمد معشوق اور نماز

شیخ محمد معشوق طوسی رح جن کا شمار عقلاء مجانین (عاقل مجذوب) میں ہوتا ہے، بھی نماز نہیں پڑھتے تھے[1] بوجہ استغراق دوام۔

---

[1] غلبۂ استغراق میں نماز فوت ہو جائے تو اور بات ہے لیکن جن لوگوں کو کھانے پینے، ہار سنگار کرنے، لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنے اور بحث مباحثے کا ہوش ہے ان کے لیے صرف نماز پڑھنے کا ہوش نہ ہونا مضحکہ خیز ہے۔ حضرت خواجہ صاحب رح نے مجبوری کا امتحان بتا دیا ہے۔ تارکین نماز اپنا امتحان کر سکتے ہیں۔ اگر ایاک نعبدُ پڑھنے سے خون جاری ہو جائے تو مجبور ہیں ورنہ کام چور کاہل اور غافل ہیں۔ اور نفس و شیطان کے فریب میں گرفتار ہیں۔ حد درجہ استغراق کے باوجود حضرت خواجہ غلام فرید رح سے نوافل اور وظائف بھی کبھی قضا نہ ہوئے فرائض تو بجائے خود۔

اولیاء اللہ کے بہت زیادہ کھانے اور بہت ہی کم کھانے کی وجہ

اِس کے بعد اولیاء کرام کے بہت کھانے کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔
نواب غازی الدین خان نے اپنی کتاب اسماء الابرار میں لکھا ہے کہ میاں صابر بخش دہلویؒ
میاں غلام سادات صاحب کی اولاد میں سے ہیں جو سلسلۂ صابریہ کے بڑے بزرگ ہیں
ایک دفعہ میاں صابر بخشؒ (جن کا مزار دریا گنج دہلی قریب جامع مسجد دہلی ہے) کثیر تعداد
لوگوں کے ساتھ شیخ ابراہیم رامپوریؒ کے عرس پر رام پور جا رہے تھے۔ میاں موج دریا
فقیر جو سلسلۂ صابریہ سے تعلق رکھتے تھے وہ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ یہ سب حضرات میرے
مہمان ہوئے۔ سب لوگوں کو کھانا دیا گیا اور ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق کھایا۔
میاں موج دریا کے سامنے پانچ تھال پلاؤ سے بھرے ہوئے رکھے گئے اور ہر تھال میں سے
پندرہ آدمی سیر ہو سکتے تھے۔ علاوہ ازیں چند مرتبان آچار چند مرتبان چٹنی اور چند مرتبان مربّہ
بھی پیش کیے گئے وہ سب کھا گئے۔ اِس کے بعد مَیں نے اُن سے پوچھا کہ کچھ اور کھائیں
گے انہوں نے کہا کیوں نہ۔ چنانچہ ہم نے اور بہت سا طعام دیا اور وہ سب کھا گئے۔ اِس
کے بعد پھر پوچھا کہ کچھ اور چاہیئے کہا کیوں نہ۔ بھُوک تو ابھی شروع ہوئی ہے۔ لیکن انہوں
نے کہا اب مجھے درختوں کے پتّے دو۔ چنانچہ ہم نے درختوں کے پتّے جمع کیے جو پچیس سیر
کے برابر ہوں گے وہ بھی کھا گئے۔ اِس کے بعد انہوں نے کہا کہ مٹّی کا ڈھیر لگا دو۔ ایک ڈیڑھ
من کے قریب مٹّی اور ریت جمع کی گئی وہ بھی کھا گئے۔ اس وقت ان کی بھُوک ختم ہوئی۔
اِس کے بعد راقم نے دریافت کیا کہ حضور زیادہ کھانے کا سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ
جب سالکِ طریقت پر تمام اسماءِ حسنیٰ الٰہیّہ یا بعض اسماءِ حسنیٰ کی تجلّی ہوتی ہے تو اس
کا اثر جس مقدار میں اور جس طور پر اور جتنی مدّت کے لیے اللہ تعالےٰ کو منظور ہو
سالک پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب اسم صمد کی تجلّی سالک کے دل پر ہوتی ہے تو کھانے
پینے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ سلطانِ تجلّیٔ صمدیت سالک کو اس قدر بے خود و محو کر دیتا
ہے کہ بشریت کے تمام معاملات اور تمام تقاضات سے بے نیاز و آزاد کر دیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ اخی محمد دہستانی رحمۃ اللہ علیہ پر اس اسم کی تجلی ہوئی تو چھ سال تک انہوں نے کچھ نہ کھایا۔ اسی طرح جب سالک پر اسم ذوالبطش جو اسم جلالی ہے کہ تجلی ہوتی ہے تو جس قدر کھائے یا پیئے سیر نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے کہ اسم بطش الٰہی شدید ہے پس اس اسم کی تجلی کے دوران اگر سالک تمام جہان بھی کھا جائے تو بھوکا رہ جائے گا۔ اور ایسا معلوم ہوگا کہ کچھ نہیں کھایا۔

مقبوس ۳۸: بوقت چاشت بروز دوشنبہ ۲۳ شوال ۱۳۱۶ھ

لوائح جامی کا درس شروع ہوا۔

لائحہ سی ویکم

متن۔ صدرالدین قونوی قدس سرہٗ۔

مراتب علم بمطابق مراتب وجود ہیں

شرح۔ یہ شیخ صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں بلکہ خلیفہ جانشین[1] ہیں۔ آپ کا لقب شیخ کبیر ہے جس طرح شیخ محی الدین کا لقب شیخ اکبر ہے۔

متن۔ آنچہ قابل است مر وجود را علی الوجہ الاتم والاکمل قابل است مر علم را علیٰ ہذا الوجہ۔

شرح۔ حقیقتِ انسان کی طرح جو بطورِ اکملیت وجود کے قابل ہے اس کی قابلیت علم میں اور تمام صفات مثل قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، حیات میں بھی بروجہ اتم ہے۔ چونکہ حقیقت انسانیہ کے مختلف افراد میں قابلیت مختلف و متفاوت ہے اس لیے

---

[1] خلیفہ جانشین وہ ہوتا ہے کہ شیخ کے وصال کے بعد ان کی مسند پر بیٹھ کر ہدایت و رشد کا کام انجام دیتا ہے۔

ہر فرد بشر کا علم بھی متفاوت و مختلف ہے۔ چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں
حضرت وجود کا ظہور باقی مخلوق کی بہ نسبت بدرجۂ اتم و اکمل ہے اس لیے اُن میں علم اور باقی
صفات کا ظہور بھی باقی افراد سے کامل تر اور تمام تر ہے۔ اِسی طرح چونکہ اولیاء کرام میں
انبیاء علیہم السلام سے قابلیت وجود ناقص و کمتر ہوتی اور عام افراد سے زیادہ ہوتی ہے۔
اِس لیے ان کا علم انبیاء علیہم السلام کے علم سے ناقص تر اور کم تر ہوتا ہے اور باقی افراد
سے کامل تر اور زیادہ تر ہوتا ہے۔ نیز چونکہ ہر ولی کی حقیقت قبولِ وجود میں مختلف ہوتی
ہے اِس لیے ان کا علم بھی مختلف ہوتا ہے۔ اِسی طرح حیوانات میں انسان کی نسبت
قابلیت وجود ناقص تر ہے اور نباتات میں حیوانات کی نسبت ناقص تر اور جمادات میں
نباتات کی نسبت ناقص تر اس لیے اُن کا علم بھی ایک دوسرے سے ناقص تر ہے۔

متن۔ ومنشاء این تفاوت غالبیّت و مغلوبیتِ احکامِ وجوب و امکان است۔

شرح۔ یعنی کسی جگہ علم کامل تر اور کسی جگہ ناقص تر ہوتا ہے۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ
مختلف مخلوق کے اندر احکام وجوب و امکان کی غالبیّت اور مغلوبیت مختلف طور پر ہوتی ہے
(یعنی کسی مخلوق میں روحانیت غالب ہوتی ہے کسی میں مغلوب یعنی کم) اس کے بعد فرمایا کہ
احکامِ وجوب میں سے ایک وجود ہے اور اس کی صفات حیات، علم، و کلام، سمع، بصر وغیرہ
ہیں۔ اور احکام امکان میں سے ایک حکم عدم ہے پس در حقیقت احکام وجوب غالب ہیں
اور احکام امکان مغلوب، اِس لیے وہاں وجود و علم بھی کامل تر ہوں گے۔ چنانچہ
انسان میں جو اکمل موجودات ہے احکامِ وجوبیہ کا غلبہ ہے احکامِ امکانیہ پر۔ اِس لیے
اِس کا وجود اور علم بھی بدرجۂ اکملیت ہے اِسی طرح مختلف انسانوں میں ایک دوسرے
سے زیادہ قابلیتِ وجود و علم کا غلبہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس باقی مخلوقات میں جہاں وجوب
کا غلبہ ہے وہاں علم بھی کامل تر ہے جہاں امکان کا غلبہ ہے وہاں علم ناقص تر ہے۔ مثلاً
انسان سے باقی جانور اونٹ گھوڑے گائے بیل احکام وجوب میں مغلوب تر ہیں اس
لیے اُن کا علم اور باقی صفات بھی ناقص تر ہیں۔

اِس کے بعد نواب صادق محمد خان رابع عباسی والیٔ ریاست بہاول پور جو حضرت اقدس کے راسخ العقیدہ مرید تھے،

نواب صادق محمد خان عباسی کی وفات پر حضرت اقدس کا رنج و ملال،

کی موت کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ خان صاحب نے تمام عمر نیکی میں گذاری اور موت کے وقت بھی نیکی ظاہر ہوئی اور ان کا خاتمہ خوب اچھا ہوا ہے۔ آخری وقت میں انہوں نے نوکروں سے کہا کہ دُور ہو جاؤ دُور ہو جاؤ۔ حضرت تشریف لا رہے ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھ کر جاں بحق ہو گئے۔ وفات کے بعد ان کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا۔ خلقت کے دلوں میں ان کی محبت اس قدر تھی کہ کثرت سے لوگ مسلمان، ہندو وغیرہ جنازہ میں شریک ہوئے اور زار زار رو رہے تھے اور تقریباً آٹھ ہزار نفوس نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ اِس کے بعد فرمایا کہ مجھ سے رخصت ہوتے وقت اپنی موت کی خبر دو آدمیوں نے دی ہے ایک مخدوم میاں ولایت شاہ صاحب دوسرے صادق محمد خان صاحب۔ (یاد رہے کہ نواب صاحب محمد خان کا انتقال بوقت چاشت روز سہ شنبہ سوم شوال ۱۳۱۶ھ ہوا)۔ جب حضرت اقدسؒ کو اطلاع ملی تو آپ نے فقراء کو جمع کر کے سات روپے نذرانہ دیا اور ان کے لیے ایک لاکھ کلمہ طیبہ کا پڑھایا۔ علاوہ ازیں رسم کے مطابق سات جمعرات کی خیرات بھی کرتے رہے جس میں لذیذ طعام مثل گوشت پلاؤ زردہ تیار کرا کر غرباء میں تقسیم کرتے تھے نیز ہر شب جمعہ پانچ روپے کا خوردہ کرا کر غرباء میں تقسیم کرتے تھے۔ حضرت اقدس نے خان صاحب کے انتقال کی تاریخ یہ نکالی ہے۔ خورشید دینِ اسلام ۱۳۱۶

مقبوس ۳۹ : بوقت چاشت بروز سہ شنبہ ۲ شوال ۱۳۱۶ھ

اہلِ ظاہر اور اہلِ

اہلِ ظاہر و اہلِ باطن کے درمیان اختلاف اور اس کا شاندار حل

باطن کے درمیان اختلاف کا ذکر ہو رہا تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک صوفی مشرب اور دو اہلِ ظاھر اکٹھے بیٹھے تھے کہ سامنے ایک بندر نظر آیا۔ صوفی مشرب نے کہا سبحان اللہ حضرتِ ذات نے اس تعینؔ کے اندر کس کمال سے ظہور فرمایا ہے۔ اہلِ ظاہر نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ حق سبحانہٗ کو تو خالقِ خنزیر کہنے کی بھی شریعت میں ممانعت آئی ہے اور تو بندر میں ذاتِ حق کا ظہور بتاتا ہے میں اس خدا سے بیزار ہوں جو بندروں اور کتوں کی صورت میں ظہور کرے۔ صوفی نے کہا میں بھی اس خدا سے بیزار ہوں جو ان مظاہر میں آنے سے عار کرے اور ظہور نہ کرے۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ ان دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی اس پر حرام ہو گئی۔ آخر دونوں ایک شیخِ وقت جو اہلِ کمال تھے، کے پاس گئے اور اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ فیصلہ سننے کے لیے کثرت سے لوگ جمع ہو گئے کہ کون کافر ہوتا ہے۔ دونوں کی باتیں سن کر حضرتِ شیخ نے فرمایا کہ تم دونوں مسلمان ہو اور دونوں سچ اور خوب اچھا کہتے ہو۔ اس وجہ سے کہ تم دونوں نے حق تعالےٰ کا کمال بیان کیا ہے[1]

---

[1] صوفی اپنے اِس نقطۂ نگاہ سے حق بیان کر رہا تھا کہ خلقت صفت ہے اور خالق موصوف۔ صفت و موصوف ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ اہلِ ظاہر کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ صفت و موصوف عین نہیں غیر ہیں۔ پس اہل اللہ کے نزدیک دونوں نقطہائے نگاہ صحیح ہیں۔ وہ کائنات کو حق کا عین بھی کہتے ہیں اور غیر بھی، نزاع کی کوئی بات ہی نہیں۔ نزاع ان لوگوں کے درمیان ہوتا ہے جو ظاہر بیں ہیں اور حقیقت تک جن کو رسائی نہیں۔ کاش ہمارے قالی صوفی بھائی ہمہ اوست اور دیگر مسائل میں مشائخ عظام کی روش اختیار کرتے اور نفسانیت کا حکم نہ مانتے۔ اِسی طرح حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی نے دو آدمیوں کو جھگڑتے ہوئے دیکھا۔ ایک آدمی یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت غوث الاعظم رح کو مُردہ زندہ کرنے کی طاقت ہے۔ دوسرا اس کا انکار کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا تم دونوں سچ کہتے ہو۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ وہ کس طرح ہے۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ کہوں کہ گندھک کپڑے پر

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

مقبوسۂ ۱۳۴: بوقت چاشت بروز چہار شنبہ ۲۵ شوال ۱۳۱۶ھ

لائحہ سی و چہارم

متن ؎ گنجینۂ درہائے حقائق نشوی !
مادام کہ چوں صدف نگردی ہمہ گوش

ترجمہ (تو حقائق و معارف کے جواہرات کا خزانہ ہرگز نہیں بن سکے گا جب
جب تک کہ تو سیپ کی طرح ہمہ تن گوش نہیں بنے گا۔)

صحبتِ شیخ

شرح۔ صدف (سیپ) کی شکل بھی آدمی کے کان کی سی ہے۔
جب صدف ہمہ تن گوش بن کر بارش کا انتظار کرتی ہے اور بارش
کے قطرات لے کر منہ بند کر لیتی ہے تو اس کے اندر جواہرات پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ
جواہرات کا خزانہ بن جاتی ہے۔ پس تو جب تک شیخ ؒ کی صحبت سے مشرف نہیں ہوگا
جواہرات کا خزانہ نہیں بن سکے گا اور اگر صحبتِ شیخ سے مشرف ہو بھی گیا لیکن ہمہ گوش بن کر
شیخ کے معارف و معارف کی طرف توجہ نہ کی تو بھی جواہرات کا خزینہ نہیں بن سکے گا۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ:

رکھی جائے تو کپڑا جل جائے گا کیا میں درست کہوں گا۔ ان دونوں نے کہا نہیں گندھک سے
کپڑا نہیں جلتا۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ کہوں کہ گندھک کا تیزاب کپڑے پر گر جانے سے
کپڑا جل جائے گا تو کیا میں سچ کہوں گا۔ دونوں نے کہا بالکل سچ ہوگا کیونکہ گندھک کے
تیزاب سے کپڑا جل جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے ایک سادہ گندھک کی صفات بیان کر رہا
ہے اور دوسرا گندھک کے تیزاب کی۔ دونوں میں اختلاف کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ
سن کر دونوں راضی ہو گئے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اولیاء اللہ کی سی
میانہ روی، اعتدال اور حقیقت شناسی عطا فرما دے تاکہ اُمت میں تفرقہ بندی
ختم ہو جائے جس سے دشمنانِ اسلام بے حد فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اُمتِ محمدیہ کو
بے حد نقصان ہو رہا ہے۔

چنانچہ اگر کوئی شخص کسی مردِ کامل کا مُرید تو ہُوا لیکن عرصہ دراز تک ان کی صحبت سے دُور رہا تھا تو یہ مُرید ہونا بھی وبال ہے۔

لوائح جامی کی اہمیت

آج کتاب لوائح جامیؒ مکمل ہو گئی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ کتاب فقرات شریف اور لوائح جامی شریف کا پڑھنا موجب جزب ہے اور جو شخص ان دونوں کتابوں کو یا ایک کو روزانہ بقدر استطاعت پڑھے گا اور منزل مقرر کر کے تلاوت کرے گا تو ضرور اس کے اندر جذب پیدا ہو گا۔ راقم نے عرض کیا کہ معنی سمیت پڑھے یا بغیر سمجھے پڑھتا رہے۔ فرمایا جس قدر اس کی سمجھ میں آئے ضرور معنی سمجھ کر پڑھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ لوائح شریف بہت متبرک کتاب ہے اور ہمارے مشائخِ عظام کا دستور العمل ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالم مہارویؒ نے اپنے شیخ حضرت مولانا کی خدمت میں آٹھ بار لوائح شریف کا درس حاصل کیا اور حضرت سلطان الاولیاء نے حضرت قبلہ عالم مہارویؒ سے گیارہ بار پڑھا۔ اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی (حضرت خواجہ خدا بخش صاحبؒ) اور حضرت قبلہ فخر الاولیاء (حضرت مولانا غلام فخر الدین جو حضرت خواجہ غلام فرید کے بڑے بھائی اور پیر ہیں) نے کتنے بار لوائح شریف پڑھی ہے فرمایا ایک ایک بار۔ راقم نے عرض کہ حضور نے اپنے شیخ سے کتنی بار پڑھی ہے فرمایا تین بار۔ ایک بار مَیں نے خود پڑھا ہے اور دو بار سُنا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ علیہ الرحمۃ نے کئی بار فرمایا ہے ہم نے غلام فریدؒ کو علم توحید اور مسئلہ وحدت الوجود سمجھانے میں اس قدر کوشش کی ہے کہ گویا مکھن اور روٹی کو یک جان کر کے اور مالیدہ (چُوری) بنا کر لقمہ اُسے کھلایا ہے کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اگر کوئی شخص میرے بعد اُن کے پاس آئے اور اس علم توحید کے متعلق سوال کرے یا سبق پڑھے تو مقصود کو پہنچ سکے گا۔

لفظ صُوفی کی ابتدا

اِس کے بعد لفظ صوفی کی ابتدا کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے صُوفی حضرت شیث علیہ السّلام ہیں کیونکہ آدم علیہ السّلام کے بعد نبوّت وراثت کے طور پر حضرت شیث علیہ السّلام کو ملی۔ اِس لیے ان کو

حق تعالیٰ نے صوفی کے نام سے یاد فرمایا۔ اُن کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام صوفی ہیں۔ اُن کے بعد افضل و اکمل صوفی حضور حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ آں حضرتؐ پر ایمان لے آئے اور اس ایمان پر فوت ہوئے وہ اصحاب کہلاتے ہیں۔ جن لوگوں کو اصحاب رسولؐ کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ تابعین ہیں اور جن لوگوں کو تابعین کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ تبع تابعین کہلاتے ہیں۔ تبع تابعین کے بعد طبقۂ صوفیاء کرام ہے۔ چنانچہ پہلے صوفی حضرت ابو ہاشم ہیں۔ اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر شیخ ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریا کے دقائق کو (باریکیوں کو) نہ پہچان سکتا۔

امام ابُو حنیفہ صوفی

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت امام اعظمؒ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے مگر آپ صوفی بھی ہیں۔ چنانچہ آپ کو "امام اعظم صوفی ابو حنیفہ کوفی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن آپ پر صوفی کا اطلاق متاخرین نے کیا ہے۔

اہلِ اسلام کے تین فرقے

اِس کے بعد فرمایا کہ متقدمین نے اہلِ اسلام کے تین فرقے بتائے ہیں اوّل صوفیاء کرام، دوم محدّثین، سوم فقہاء۔ ان کا کہنا ہے کہ صوفیا کرام سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہیں دوم محدّثین، سوم فقہا ہیں، جو ظاہرِ حدیث شریف کے عامل ہیں اور رائے اجتہاد کو دخل نہیں دیتے فقہا سے اولیٰ ہیں اور فقہا جو اربابِ اجتہاد و اصحابِ رائے ہیں ہر دونوں فرقوں سے کم ہیں۔ بعد ازاں فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں اب ہمارے زمانے میں بھی حضرات صوفیاء کرام محدّثین و فقہا سے افضل ہیں اہل ظاہر محدّثین سے اس وجہ سے کہ ہمارے زمانے میں محدثین میں فساد و فتور واقع ہو گیا ہے اور وہابیت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور صوفیاء کرام کی فقہا پر افضلیت اِس وجہ سے ہے کہ حضرات صوفیا کرام نے مہذّب مذہب اختیار کیا ہے اور ایسا معتدل اور پسندیدہ مشرب اختیار کیا ہے کہ جس پر محدّثین بھی عمل پیرا ہیں اور فقہا بھی۔

آئمہ مجتہدین کا اِتقیٰ

اِس کے بعد فرمایا کہ تمام ائمہ مجتہدین (چار امام) فقرا اہلِ کمال تھے۔ چنانچہ حضرت امامِ اعظم رح کی شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے "سراج امتی" (میری امّت کا چراغ)، اور امام مالک رح کے حق میں بھی وارد ہُوا ہے کہ "عالم المدینۃ" ("مدینہ کے عالم") آپ نے ساری عمر مدینہ منوّرہ میں گذاری اور ایک رات بھی مدینہ سے باہر بسر نہ کی۔ اِس خوف سے کہ کہیں مدینہ منوّرہ سے باہر موت نہ آجائے) اور امام شافعی رح کے حق میں بھی ایک حدیث وارد ہوئی ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت امام اعظم کا اتقیٰ تو دیکھو۔ ایک دفعہ کسی شخص کی بکری گُم ہوگئی تو آپ نے اس روز سے گوشت کھانا بند کر دیا کہ شاید وہ بکری کسی قصاب کے ہاں ذبح ہو جائے۔ چنانچہ تمام ائمہ کرام اتقیٰ میں مشہور تھے۔

اولیاء کرام کا تقویٰ

لیکن اولیاء کرام کا اتقیٰ بھی ملاحظہ ہو۔ روایت ہے کہ حضرت یحیےٰ بن معاذ رازی قدس سرہٗ نے جو شیخِ وقت اور شیخ حرم تھے ایک دن آٹا آبِ زمزم میں خمیر کر کے روٹی پکائی اور روٹی کو بیت اللہ شریف کی دیوار کے ساتھ مَس کر کے کسی شخص کے ذریعے حضرت شیخ بایزید بسطامی کے پاس بھجوائی اور کہلا بھیجا کہ میرے لیے دعا خیر فرمادیں۔ اس آدمی نے روٹی بایزید بسطامی رح کی خدمت میں پیش کی اور بتایا کہ آبِ زمزم سے خمیر شدہ ہے اور کعبۃ اللہ سے لگی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا اگرچہ آبِ زمزم سے خمیر شدہ ہے اور کعبۃ اللہ سے مَس کی ہوئی ہے لیکن مَیں نہیں کھا سکتا اِس وجہ سے کہ معلوم نہیں آٹا کہاں سے آیا تھا۔ اِس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ دیکھو روٹی بھیجنے والا کیسا بزرگ ہے اور روٹی کیسی ہے لیکن حضرت بایزیدؒ کا تقویٰ بھی دیکھو۔

حضرت سہل تستریؒ کی بکری کا تقویٰ

اِس کے بعد فرمایا حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے تھے کہ مَیں ملائک پر حجت ہوں اور میری بکری علماء و فقہا پر حُجّت ہے۔ جب آپ کی یہ بات علماءؒ تک پہنچی تو انہوں نے آپ کے پاس جمع ہو کر پوچھا کس طرح آپ ملائک پر اور آپ کی

بکری علماء پر حجت ہو گئی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مَیں ساٹھ ساٹھ ستر ستر دن متواتر صوم طے اور صوم وصال[1] رکھتا ہوں۔ اور یہ صفت ملائکہ کی ہے۔ میری بکری اس وجہ سے علماء پر حجت ہے کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ جانور حلال اور حرام کھانے میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔ ان کو حلال کا گھاس دو یا حرام کا فوراً کھا جاتے ہیں۔ اب آپ میری بکری کو گھاس کھلا کر دیکھو اگر کھا جاتی ہے تو حجت نہیں ہے اگر نہیں کھاتی تو علماء پر حجت ہے۔ چنانچہ علماء نے ہر قسم کا گھاس بکری کے آگے رکھا لیکن گھاس کا سُونگھنا اور چکھنا تو بجائے خود اس نے اس کی طرف نظر بھی نہ کی۔ علماء نے پوچھا آخر کوئی چیز کھاتی ہو گی۔ حضرت سہل رحؒ نے خشک گھاس کی ایک زنبیل اٹھائی جو آپ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے اور بکری کے آگے رکھی۔ اس نے فوراً کھانا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا تمہارا گھاس مشتبہ تھا لیکن میرا گھاس حلال ہے اس وجہ سے کہ مَیں دُور جاتا ہوں دُور پہاڑوں سے وہ گھاس کاٹ کر لے آتا ہوں جو کسی کی ملکیت نہیں ہے لہٰذا میری بکری علماء و فقہا پر حجت ہے کیونکہ وہ حلال حرام کی پہچان نہیں رکھتے۔

امام اعظمؒ کی نماز اور ہاتف کا جواب

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دن امام اعظم رحؒ بیت اللہ شریف میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ہر کونے میں جا کر نماز پڑھتے تھے اور ہر نماز کے بعد یہ مناجات پڑھتے تھے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

---

[1] صوم طے اور صوم وصال وہ روزے ہیں جو کئی دن متواتر رکھے جائیں اور درمیان میں نہ افطار کیا جائے نہ سحری بلکہ اِن ایام میں رات دن نہ کچھ کھایا جاتا ہے نہ پیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھم ماہ رمضان کا چاند دیکھ کر سحری کر لیتے تھے اور شوال کا چاند دیکھ کر افطار کرتے تھے اور دن کے وقت گرمی میں سارا دن مزدوری پر گندم کاٹتے تھے اور جو کچھ حاصل ہوتا روٹی پکا کر دوستوں کو کھلاتے تھے۔ یاد رہے کہ آپ نے بادشاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کی تھی۔ گندم کاٹنا اور دھوپ میں پھرنا آپ کی عادت نہ تھی۔ (ماخوذ از کشف المحجوب، مصنفہ سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری رحؒ)۔

(اے اللہ ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا اور نہ تیری معرفت کا حق ادا کیا) غیب سے آواز آئی کہ تو نے ہماری عبادت کا حق ادا کر دیا ہے اور ہماری معرفت کا حق بھی ادا کر دیا ہے ہم نے تجھے بخش دیا اور تمہارے تابعین کو بھی بخش دیا (تابعین یعنی وہ لوگ جو امام صاحبؒ کے طریقے پر ہیں)۔ اس کے بعد فرمایا کہ امام اعظمؒ کو اس لیے امام اعظم کہتے ہیں کہ آپ چاروں ائمہ کرام سے بڑے اور سب کے استاد تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار اصحابؓ[1] کرام کی زیارت کی ہے اور ان کی صحبت میں بیٹھے ہیں۔

امام مالکؒ کی شہرت کی وجہ

اس کے بعد فرمایا کہ امام مالکؒ کی اس وجہ سے شہرت ہوئی کہ ایک دن مدینہ طیبہ میں ایک عورت کا انتقال ہو گیا اور اس کو غسل دینے لگے۔ غسل دینے والی عورت اس کو غسل دے رہی تھی جب اس کا ہاتھ میت کے عضو مخصوص پر پڑا تو مذاق کے طور پر کہنے لگی کہ معلوم نہیں اس نے کیا کام کیسے ہوں گے۔ یہ کہنا تھا اس کا ہاتھ اسی جگہ چمٹ گیا۔ اور وہ آہ وزاری کرنے لگی۔ سب لوگ حیران تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ کیونکہ جب تک اس کا ہاتھ نہ چھوٹتا غسل اور دفن ناممکن تھا۔ یہ ایک عظیم حادثہ تھا اور مدینہ منورہ کے تمام علماء کو جمع کر کے پوچھا گیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ کسی نے کہا کہ غسل دینے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ کسی نے کہا کہ زندہ عورت کا ہاتھ کاٹنا باعثِ عذاب ہے مردہ عورت کا عضو کاٹ دیا جائے۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ امام مالک اس وقت نوجوان تھے اور ابھی علمائے مدینہ سے سبق لیتے تھے۔ انہوں نے علماء سے عرض کیا کہ میرے نزدیک اس مشکل کا ایک حل ہے۔ آپ حضرات میرے استاد ہیں اگر قبول کریں تو بہتر ورنہ آپ مالک ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا حل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مردہ عورت محصنہ تھی یہ عورت قذف محصنہ کی مرتکب ہوئی ہے اس لیے اس پر حد لازم ہے۔ حد لگائی جائے تو مجھے یقین ہے کہ اس کا ہاتھ چھوٹ جائے گا۔ چنانچہ اس کے اسّی دُرّے لگائے گئے اور اس سے اس کا ہاتھ آزاد ہو گیا اور سب لوگوں نے امام موصوف کی فراست کی داد دی۔ اس روز سے آپ کی شہرت ہو گئی۔

---

[1] اصحاب سے مراد چار یار یعنی حضرت ابو بکرؓ نہیں بلکہ اور چار اصحاب نبیؐ۔

امام مالکؒ اور حبِّ رسولؐ

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت امام مالکؒ کے دِل میں حضور سرورِ کائنات کی محبت اِس قدر تھی کہ ساری عمر مدینہ میں گذار دی اور ایک دن بھی باہر نہ گئے اِس خیال سے کہ شاید وہاں اُن کی موت واقع ہو جائے اور اسی جگہ دفن ہو کر مدینہ منوّرہ سے محروم ہو جائیں۔ انہوں نے ساری عمر میں صرف ایک حج کیا تھا اور باقی ساری عمر مدینہ منوّرہ میں گذاری جب آپ کا وصال ہُوا تو جنت البقیع میں دفن ہوئے (آپ جب مدینہ منوّرہ کی گلی کوچوں میں پھرتے تھے تو ننگے پاؤں ہوتے تھے اِس خیال سے کہ ان گلیوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بھی پھرے تھے آں حضرتؐ کے قدموں کی جگہ پر جُوتا پہن کر جانا بے ادبی ہے)۔

امام شافعیؒ

اِس کے بعد فرمایا کہ امام شافعیؒ قدس سرہٗ بھی بڑے بزرگ تھے۔ آپ قریشی مطلبی تھے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ مَیں جس چیز میں غور کرتا ہوں اس کی حقیقت مجھے معلوم ہو جاتی ہے لیکن جب حقیقت صوفیا میں غور کرتا ہوں تو اس کا ادراک نہیں ہوتا۔ اِس کے بعد فرمایا کہ امام شافعی اکثر بشر حافیؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور فیضِ صحبت سے مستفیض ہوتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ امامِ وقت ہیں اور بشر حافی اتنے عالم نہیں ہیں آپ کو اُن کے پاس جانے سے کیا فائدہ۔ فرمایا کہ مَیں نے ساری عمر اجتہاد کے فکر اور احکامِ الٰہی میں گذاری ہے اور انہوں نے ساری عمر استغراق اور فکر معرفتِ الٰہی میں گذاری ہے پس یہ بڑا فرق ہے اصل کجا، اور فرع کجا۔ (یعنی معرفتِ حق اصل (جڑ) ہے اور احکام شریعت فرع (شاخ)۔

چہار پیر

اِس کے بعد فرمایا کہ پیر چار اقسام پر ہیں۔ اوّل پیرانِ شریعت یعنی ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ دوم۔ پیرانِ طریقت۔ اور وہ ہیں حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت کمیل ابنِ زیادؓ اور امام حسن بصریؓ سوم پیرانِ معرفت۔ یعنی آں حضرت

---

[۱] امام احمدؒ بھی حضرت بشر حافیؒ کے فیض یافتہ ہیں۔ چنانچہ جب حضرت بشر حافی کی سواری نکلتی تھی تو امام احمدؒ رکاب تھام کر چلتے تھے۔ حضرت بشر حافیؒ توبہ سے پہلے (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

صلی اللہ علیہ وسلم کے چار خلفائے راشدین۔ چہارم۔ پیرانِ حقیقت یعنی حضرت جبرئیلؑ، حضرت میکائیلؑ، حضرت عزرائیلؑ اور حضرت اسرافیل علیہم السلام۔ اِس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص حقیقت سے پھسل جائے تو معرفت کا سہارا لے گا، معرفت سے گر جائے تو طریقت کا سہارا لے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص شریعت سے گر جائے تو نعوذ باللہ اس کا کہیں ٹھکانا نہیں اور کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔[1]

شریعت و طریقت

اِس کے بعد فرمایا کہ طریقت شریعت سے زیادہ مشکل ہے۔ اِس وجہ سے کہ بعض امور جو شریعت میں حلال ہیں طریقت میں حرام ہو جاتے ہیں۔ مثلاً مباح چیز جو شریعت میں جائز ہے لیکن طریقت

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ:

بڑے شرابی تھے۔ ایک دن راستے میں ایک کاغذ پڑا دیکھا۔ اٹھایا تو اس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی تھی آپ نے اس کو پاک وصاف کر کے آنکھوں سے لگایا اور عزت سے اونچی جگہ پر رکھ دیا۔ رات کو بغداد کے ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بشر سے کہہ دو کہ تم نے ہمارے نام کی عزت کی ہے۔ ہم تمہارے نام کی عزت کریں گے۔ یہ پیغام سن کر وہ تائب ہوئے اور بڑے کمالات حاصل کئے۔ آپ ننگے پاؤں رہتے تھے اور جب تک آپ زندہ رہے بغداد کی گلیوں میں کسی جانور نے پاخانہ پیشاب نہ کیا۔ ایک دن ایک بزرگ نے ایک گائے کو پیشاب کرتے دیکھا تو ہائے ہائے کر کے رونے لگے کہ آج بشر حافی کا انتقال ہو گیا ہوگا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی اُن کا انتقال ہو گیا ہے۔

[1] یہ پڑھ کر نام نہاد صوفی جو وحدت الوجود کی آڑ میں صوم وصلوٰۃ و احکامِ شریعت ترک کر دیتے ہیں بلکہ دیگر جرائم بھی اسی آڑ میں کرتے ہیں خوفِ خدا کریں۔ حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے لیکن سختی سے صوم وصلوٰۃ و احکام شریعت کے پابند تھے۔ آپ کا مقام اس قدر بلند تھا کہ ہر وقت بحر فنا فی اللہ میں غوطے لگاتے پھرتے تھے۔ لیکن پھر بھی صوم وصلوٰۃ ترک نہ فرمایا۔ لیکن افسوس ہے ان نام نہاد صوفیوں پر جو وحدت الوجود کی باتیں صرف کتابوں میں پڑھ لیتے ہیں اور فنا فی اللہ کی ہوا تک نہیں لگی۔ لیکن انا الحق کے نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں اور شریعت کی پابندی سے گریز کرتے ہیں۔

میں ناجائز ہے۔[ؒ۱] اِس کے بعد فرمایا کہ شریعت پوست کی مانند ہے اور طریقت مغز ہے۔ جب تک پھل پختہ نہیں ہوتا چھلکا مغز سے جدا نہیں ہوتا بلکہ یکجان ہوتے ہیں۔ جب پھل پک جاتا ہے تو چھلکا جدا ہو جاتا ہے۔ پس جو شخص احکام طریقت میں پختہ نہیں ہوا، ثمر خام کی طرح ہے۔ اگر ذرہ بھر شریعت کے احکام سے تجاوز کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا اور جو شخص طریقت میں کامل ہو گیا ہے وہ ثمر پختہ کی مانند ہے اور گٹھلی کی طرح پوست سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ اِس کے بعد اُسے کسی کام کی احتیاج نہ ہو گی۔ (لیکن اس کے باوجود بھی مشائخ عظام ہمیشہ پابندِ شریعت رہتے ہیں۔ اگر دائمی استغراق میں رہ جائیں تو ہدایتِ خلق کس طرح انجام دیں)۔

ارواحِ اولیاء سفید طیور کی شکل میں

اس کے بعد حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخش رحؒ نے حضرت اقدس سے مشکوٰۃ شریف کا سبق پڑھنا شروع کیا۔ اِس باب میں رُوح کی جسم سے مفارقت اور اس کے آسمان پر عروج کا ذکر آیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ شہداء کے ارواح سبز پرندوں کی شکل اور اولیاءِ کرام کے ارواح سفید پرندوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک دن شیخ علی رامیتنی رحؒ (سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگ ہیں) اپنے خلفاءُ کو توجہ دے رہے تھے کہ اُوپر سے ایک سفید پرندے نے بلند آواز سے کہا کہ "شاباش اللہ کے بندوں

[ؒ۱] مثلاً ڈھائی فیصدی زکوٰۃ شریعت کا حکم ہے لیکن طریقت میں ناجائز ہے۔ شریعت کی زکوٰۃ ڈھائی فیصد ہے اور طریقت کی زکوٰۃ ڈھائی فیصد رکھ کر باقی راہِ خدا میں دینا ہے۔ لیکن یہ خواص و اخص حضرات کی زکوٰۃ ہے۔ اِس لیے فرمایا گیا ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (عام نیک لوگوں کے لیے جو امور نیکی میں شمار ہوتے ہیں خواصِ مقربین کے نزدیک ان کا شمار گناہوں میں ہوتا ہے) طریقت کی بنیاد اس حدیث پر ہے لا یومن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ (تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔)

کی تلقین اور تربیت میں جان لگا دو" یہ آواز حلقہ کے تمام لوگوں نے سُنی۔ جس سے سب پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اِس کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ یہ آواز دینے والا کون تھا۔ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشائخ ترک میں سے ایک بزرگ کا آخری وقت تھا۔ چنانچہ انہوں نے حق سبحانہٗ تعالےٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا اللہ العالمین اپنے دوستوں میں سے کسی کو میرے پاس بھیج دیں تاکہ میری جان آسانی اور خوشی سے نکل جائے۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے ان کے لیے دو بزرگ مامور فرمائے جن میں سے ایک میرے پیر حضرت شیخ محمود فغنوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ چنانچہ وہ بزرگ اب فوت ہو گئے ہیں اور میرے شیخ علیہ الرحمہ وہاں سے فارغ ہو کر میری ملاقات کے لیے یہاں تشریف لائے ہیں اور تم لوگوں کی سفارش فرمائی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ پر طیور کا سایہ کرنا

اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا جب حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا اور آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو بیشمار سفید رنگ کے پرندوں نے جمع ہو کر جنازہ پر اور جنازہ اٹھانے والوں پر سایہ کر دیا۔ حتیٰ کہ مدفن تک یہی حال رہا۔ یہ کرامت دیکھ کر بے شمار یہودی مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ سفید پرندے اولیاء اللہ کی رُوحیں تھیں۔ اِس قسم کے پرندوں نے دو حضرات پر سایہ کیا ہے۔ ایک حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ دوسرے شیخ مزنی رحمۃ اللہ علیہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔

ایک بزرگ کی موت

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک بزرگ تھے جو مستور الحال (پوشیدہ) تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے شیخ ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ کو بُلا کر فرمایا کہ میرے پاس آجاؤ اور یہ کچھ رقم ہے اِس سے میری تجہیز و تکفین کرنا اور جنازہ اٹھانے والوں کو اُجرت دینا۔ میرا جنازہ اٹھا کر فلاں جگہ پر رکھنا وہاں پہاڑوں سے نکل کر ایک بزرگ آئیں گے اس کے ساتھ میرا جنازہ پڑھ کر منتظر رہنا کہ خدا تعالےٰ کیا کرتا ہے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو شیخ ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ نے تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ اور انتظار کرنے لگے۔ ناگاہ ایک برقعہ پوش بزرگ پہاڑ سے نکل کر آئے اور امام بن کر نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر پہاڑ کی جانب روانہ ہو گئے۔ شیخ

ابن الفارض رحؒ نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے آپ وہی مجذوب ہیں کہ جسے مصر کے بازار میں بچے پتھر مارتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ اس کے بعد شیخ ابن الفارض اس بزرگ کی وصیت کے مطابق بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ ناگاہ آسمان کی طرف ایک ہیبت ناک آواز سنائی جس کو سن کر شیخ ابن الفارض نے سر جھکا لیا۔ اس کے بعد ایک سفید رنگ کا بہت بڑا پرندہ جس کی جسامت ہاتھی کے برابر ہو گی نمودار ہوا اور وہ آواز اس کے پروں کی آواز تھی۔ اس نے جنازہ کو اپنی چونچ سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے حلق سے نیچے اتارا اور پھر آسمان کی طرف اُڑ گیا۔ اس کے بعد ہوا سے یہ آواز آئی کہ" چونکہ اس بزرگ

؎۱ شیخ ابن الفارض مصر کے بہت بڑے بزرگ ہیں۔ آپ عارف باللہ اور بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ قصائد ابن فارض دنیا بھر میں مشہور اور کئی یورپی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ لیکن یہ قصائد جیسا کہ عام دستور ہے کسی بادشاہ کی تعریف میں نہیں لکھے گئے بلکہ حقائق و معارف اللہ کا سرچشمہ ہیں۔ آپ کے بلند مقام کا اس حکایت سے پتہ چلتا ہے۔ کتاب "مراۃ الاسرار" میں لکھا اور مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اپنی کتاب "علم و عمل" میں یہ واقعہ درج کیا کہ جب ابن فارض کا آخری وقت آیا تو ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے انہوں نے اپنے پاس بلایا۔ اسی طرح طرح اور اولیاء اللہ بھی جمع ہونے لگے۔ نزع کی حالت میں ابنِ فارض کو حق تعالےٰ کی طرف سے سات بہشت دکھائے گئے اور فرمان ہوا کہ یہ تمہارا مقام ہے لیکن انہوں نے منہ پھیر لیا اور یہ شعر پڑھا ؎

إِنْ كَانَ مَنْزِلَتِي فِي الْحُبِّ عِنْدَكُمُ

مَا قَدْ رَأَيْتُ فَقَدْ ضَيَّعْتُ أَيَّامِي

(اے محبوب اگر میرے عشق کی یہی قدر و منزلت ہے جو میں دیکھ رہا ہوں یعنی سات بہشت تو میں نے اپنی عمر برباد کی۔ مطلب یہ کہ میں نے اس لیے تیرے ساتھ عشق نہیں لگایا تھا کہ اس کا بدلہ بہشت کی صورت میں لوں گا۔ یہ عشق نہیں تجارت اور مزدوری ہے) اس کے بعد اُن پر تجلی ذاتی ہوئی اور اسی میں جاں بحق ہو گئے۔

نے ستر سال ہماری رضا جوئی کی خاطر زمین سے پہلو نہیں لگایا اور نہ آرام کیا پس ہم بھی اُس کے جنازہ کو زمین پر نہیں رکھتے۔"

ملفوظ ۱۴۱: بوقت چاشت بروز پنجشنبہ ۲۶ شوال ۱۳۱۶ھ

حضرت قطب الموحدین مشکوٰۃ شریف کا سبق پڑھ رہے تھے۔ ایک حدیث میں یہ ذکر آیا کہ جب حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری وقت آیا تو اُمِّ بشر بنتِ براء اُن کے پاس گئیں اور کہا کہ اے کعب اگر میرے بیٹے بشر کے ساتھ تیری ملاقات ہو تو اسے میرا سلام کہنا۔ حضرت کعبؓ نے جواب دیا کہ اے اُمِّ بشر ہمیں تو اُس وقت اپنے اعمال و جزا میں مشغول ہوں گا تیرا سلام کس طرح پہنچاؤں گا۔ اس وقت حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ کیا عالمِ ارواح میں روحوں کی ملاقات اِسی دنیا کی طرح ہے۔ آپ نے فرمایا جب حضرت قبلہ مولانا محب النبی کا انتقال ہوا تو حضرت قبلہ عالم مہاروی کو بحید صدمہ ہوا پھر جب حضرت نار والہ کا وصال ہوا تو غم دگنا ہو گیا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس غم نے بوڑھا کر دیا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ بیشک کہ اس غم سے آپ کے جسم پر جھریاں نمودار ہو گئی تھیں اور ان صدمات کے بعد آپ اس دنیا میں ایک ڈیڑھ سال زندہ رہے۔

دنیا اور عالم برزخ کی ملاقات میں فرق

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم سے ایک خادم محرم راز نے عرض کیا کہ حضور آپ کی تو ہر وقت ان سے ملاقات ہو گی یہ غم کس لیے ہے۔ حضرت قبلہ عالم مہارویؒ نے فرمایا کہ اِس جسمی دنیوی ملاقات کا لطف کجا اور عالمِ برزخ کی روحانی ملاقات کجا۔

غوثیتِ متفقہ کا مطلب

اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اسرارِ خدا تعالیٰ معیّن و مشخص نہیں ہوتے۔ بجز قطب مدار یعنی غوثِ زماں کی صورت میں جو سارے جہاں میں ایک ہوتا ہے اور کوئی وقت غوث سے خالی

نہیں ہوئی یعنی غوثیت غوث جو متفق علیہ ہو سوائے غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے سوا کسی اور ولی اللہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ (یعنی جس غوث کی غوثیت پر وقت کے تمام اولیاء اللہ متفق ہوں آپ کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ (چنانچہ بعض اولیاء اللہ ایک ولی اللہ پر متفق ہوجاتے ہیں کہ غوثِ زمان ہے اور کوئی دوسرا ولی اللہ (اسی شان کا) آئے تو کہتے ہیں کہ یہ قطبِ ولایت ہے نہ کہ قطبِ مدار اس لیے اس کی غوثیت متفق علیہ نہ ہوئی۔ (لیکن حضرت غوثِ اعظم رض کی غوثیت پر کسی ولی اللہ کو اختلاف نہ ہوا تھا)۔

مقبوس ۴۲: بوقت چاشت بروز جمعہ ۲۷ شوال سنہ ۱۳۱۶ھ

غلام کا نان نفقہ

اس وقت حضرت اقدس کتاب شریفی اور شرح وقایہ دیکھ رہے تھے۔ مطالعہ سے فارغ ہو کر فرمایا کہ غلام کا نان نفقہ آقا پر واجب ہوتا ہے۔ اگر آقا نفقہ دینے سے انکار کرے تو غلام بذریعہ کسب روزی کما سکتا ہے لیکن اس میں آقا کا کوئی حصہ نہیں۔ اگر غلام کسب کے قابل نہ ہو تو قاضی کے حکم سے غلام جبراً آزاد کرایا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد احقر کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر فرمایا یہ کونسی کتاب ہے احقر نے دست بستہ عرض کیا کہ یہ اشاراتِ فریدی کی تیسری جلد ہے۔ تصحیح کے لیے لایا ہوں۔ آپ نے تبسم سے فرمایا کہ اچھا پڑھو۔ احقر نے شروع سے آٹھویں مقبوس تک کتاب پڑھ کر سنائی۔ آپ کمال لطف وعنایت سے سنتے رہے دو جگہ اصلاح بھی فرمائی۔ آخر میں فرمایا کہ خوب لکھا ہے۔

مقبوس ۴۳: بوقت چاشت بروز شنبہ ۲۸ شوال سنہ ۱۳۱۶ھ

آپ نے فرمایا کہ مقابیس المجالس پڑھو۔ احقر نے نانویں مقبوس سے تیرھویں تک

پڑھ کر سنایا۔ آپ نے توجہ سے سُنا اور ایک مقام پر تصحیح فرمائی۔ اس کے بعد ایک طالب علم کو آپ نے کتاب شرح عقائد و ہدایہ کا فقہ میں اور سراجی کا میراث میں درس دیا۔

مقبوس ۴۴: بوقت چاشت بروز یکشنبہ ۲۹ شوال ۱۳۱۶ھ

اِس مقبوس میں چند گھریلو باتیں مذکور ہیں جو سبق آموز نہ ہونے کی وجہ سے ترک کی گئی ہے اِس خیال سے کہ کتاب کی ضخامت اور قیمت زیادہ نہ ہو تاکہ ہر شخص خرید سکے۔

مقبوس ۴۵: بوقت ظہر بروز یکشنبہ ۲۹ شوال سال مذکور

ترکِ عشقِ مجازی

مجلس میں عشق مجازی پر گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ عشق مجازی کو سلوک و فقر میں کوئی دخل نہیں ہاں اگر اس سے درد اور جذب پیدا ہو تو اُس وقت مفید ہے اگر عشق مجازی اس کوچے میں مفید ہوتا تو اسے ترک کرنے کا حکم نہ ہوتا[۱]۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں ؎

ولے باید کہ در صورت نمانی ۔۔۔ وزیں پل زود خود را بگذرانی

(انسان کو چاہیئے کہ صورت میں نہ پھنسا رہے بلکہ بے صورتی اور بے رنگی ذات کی طرف کوشاں رہے۔ اگر عشق مجازی ناگزیر ہو تو اِس پُل سے فوراً گذر جائے یعنی قیام نہ کرے۔)

چو خواہی رخت در منزل نہادن ۔۔۔ نباید بر سرِ پل ایستادن

(اگر تُو منزل پر پہنچ کر آرام کرنا چاہتا ہے تو درمیانی پُل پر قیام پذیر مت ہو جا!)

---

[۱] عرفاء کے نزدیک طالب صفات سے طالبِ ذات کا مرتبہ زیادہ بلند ہے اور عشق مجازی تو طلب صفات سے بھی کم درجہ کا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ نے فرمایا ہے کہ جب انسان کے حسن کا انحصار خون اور رطوبت پر ہے تو لازماً عشق کی بنیاد خون اور گوشت ہے اس وجہ سے کہ جب چہرے کی تازگی اور لطافت اور جوانی کے خون کا جوش ختم ہو جاتا ہے تو حسن میں بھی زوال آجاتا ہے حتیٰ کہ ختم ہو جاتا ہے۔ جس طرح حالتِ بیماری اور پیری میں۔ چنانچہ وہ عشق جو چہرے کی لطافت اور تازگی کی وجہ سے ہوتا ہے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے سالک کو چاہیئے کہ اس قسم کے عشق میں نہ پھنس جائے بلکہ اس سے فوراً گذر جائے۔

عشقِ مجازی مطلق کو مقیّد میں تلاش کرنا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ اوحدالدین کرمانیؒ سے حضرت شیخ شمس تبریزیؒ نے دریافت کیا کہ آپ کس کام میں مشغول ہیں۔ شیخ اوحدالدینؒ نے جواب دیا کہ چاند کو پانی کی طشت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ شمس الدینؒ نے فرمایا اگر تمہاری گردن پر دنبل (پھوڑا) نہیں ہے تو چاند کو براہِ راست آسمان پر کیوں نہیں دیکھتے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ اوحدالدینؒ مطلق کو مقیّد میں تلاش کر رہے تھے۔ اس لیے شیخ شمس الدین تبریزیؒ نے فرمایا کہ عشق مجازی میں کیوں پھنس گئے ہو اور مقیّد پر کس لیے فریفتہ ہو، مقیّد کو چھوڑ کر مطلق کو تلاش کرو۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی معشوق پر عاشق ہوتا ہے تو اُسے چھوڑ کر دوسرے پر عاشق ہوتا ہے پھر تیسرے پر اسی طرح اس کو قرار نہیں ہوتا۔ اس قسم کا آدمی ہرگز ولایت و فقر کو نہیں پہنچ سکتا۔ تاریخ میں صرف تین ایسے بزرگان ہوئے ہیں جو شروع سے آخر تک عشقِ مجازی میں رہے۔ ایک شیخ فخرالدین عراقیؒ دوسرے شیخ اوحدالدین کرمانیؒ، تیسرے شیخ احمد غزالیؒ۔ اس کے باوجود وہ فقر و ولایت میں بھی کامل تھے۔ البتہ مشائخ طریقت کے نزدیک مطعون (زیرِ طعنہ) ضرور رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ تینوں مشائخ سچے عاشق تھے اور ان سے ہرگز خطا سرزد نہیں ہوئی۔ شاہانِ وقت نے ان کو آزمانے کی بہت کوشش کی کہ آیا وہ اپنے محبوب و معشوق کے ساتھ خلوت و تنہائی میں بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ لیکن ہمیشہ یہی ثابت ہوا کہ وہ خلوت میں نہیں بلکہ برملا لوگوں کے سامنے نظارۂ حسن کرتے تھے۔ جب حضرت شیخ اوحدالدین کرمانیؒ پر مجلس سماع

میں وجد طاری ہوتا تھا تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے اور سینے سے پیراہن چاک کر کے امارد (جمع اَمرد یعنی بے ریش) کے سینے سے بھی پیراہن چاک کر دیتے تھے اور سینے سے سینہ لگاتے تھے۔

خلیفۂ بغداد کے حکم کی خلاف ورزی

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ اوحدالدین کرمانی رح بغداد تشریف لے گئے۔ جب خلیفہ بغداد کو اطلاع ہوئی تو اس نے کہا کہ اگر میرے سامنے اس نے سماع میں یہ حرکت کی یعنی حسینوں کے سینے سے سینہ لگایا تو مَیں اُسے قتل کر دوں گا۔ جب مجلس سماع گرم ہوئی تو خلیفہ بھی پہنچ گیا۔ حضرتِ شیخ کو نورِ باطن سے خلیفہ کے دل کی بات معلوم ہو گئی۔ جب آپ پر وجد و حال طاری ہُوا تو آپ یہ رباعی فی البدیہہ تصنیف کر کے پڑھ رہے تھے اور رقص کر رہے تھے اور سینہ حسینوں کے سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ رباعی:

سہل است مرا بر سرِ خنجر بودن در پائے مرادِ دوست بے سَر بودن
تو آمدہ کہ کافرے را بکشی ! غازی چو توئی رواست کافر بودن

(میرے لیے سَر کٹانا اور رضائے دوست میں بے سر ہونا آسان ہے۔ تو اس لیے آیا ہے کہ کافر کو قتل کرے۔ جب تُو غازی بن رہا ہے تو میرے لیے کافر ہونا جائز ہے)۔

یہ دیکھ کر خلیفہ کے دل میں اس قدر ہیبت پیدا ہوئی کہ حضرتِ شیخ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

اولیاءِ کرام کی رواداری

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رح قدس سرہٗ کی مجلس میں شیخ اوحدالدین رح کا ذکر آیا تو آپ نے برہم ہو کر فرمایا کہ میرے سامنے اِس بدعتی کا نام مت لو۔ جب اس بات کی اطلاع شیخ اوحدالدین کو ہوئی تو فرمایا کہ حضرتِ شیخ نے مجھے بدعتی کہا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرا نام تو آپ کی زبان پر آیا ہے۔ میرے لیے یہی فخر کی بات ہے۔

شیخ روزبہان بقلی اور عشق مجازی

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ روزبہان بقلی رح (مؤلف تفسیر عرائس البیان) جو شیخ حرم بھی تھے مکّہ معظمہ میں ایک مغنیہ (گانے والی عورت) پر عاشق ہو گئے۔ چونکہ آپ ہمیشہ حالتِ جذب میں رہتے تھے کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ مغنیہ پر عاشق ہیں۔ ایک دن آپ نے خرقہ اور لباسِ فقر اُتار کر صوفیانِ حرم کے آگے پھینک دیا اور فرمایا کہ اس سے پہلے میرا وجد حق تعالےٰ کے لیے تھا اب اس مغنیہ کے لئے ہے۔ چونکہ تم لوگ یہ سمجھتے رہے ہو کہ یہ وجد و حال حق تعالےٰ کے لئے ہے میں صدق و راستی کو کذب و دروغ کے ساتھ مخلوط نہیں کرنا چاہتا۔ یہ لو خرقہ اور لباسِ فقر۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے اور کافی مدت تک مُغنیہ کے عشق میں رہے۔ جب اس مغنیہ کو معلوم ہُوا کہ آپ شیخِ کامل ہیں تو وہ ادب و نیاز سے پیش آنے لگی۔ کچھ عرصے کے بعد مغنیہ کا عشق آپ کے دل سے زائل ہو گیا اور حرم شریف میں واپس آ گئے اور صوفیانِ حرم سے اپنا خرقہ واپس لے لیا۔

شیخ جلال الدین تھانیسری کا عشق

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رح کا جو مشائخ صابریہ میں سے ہیں، ایک فرزند تھا جو نہایت ہی حسین و خوبرو تھا۔ حضرتِ شیخ کو اس سے بہت محبت تھی۔ تقدیر الٰہی سے وہ لڑکا فوت ہو گیا اس سے آپ کو بے حد صدمہ ہُوا بیٹے کی وفات کے دن سے ایک سال تک آپ مجلسِ سماع میں شامل نہ ہوئے اس خوف سے کہ بیٹے کا غم وجد و حال میں مخلوط نہ ہو جائے۔

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم کی بیٹے سے محبت موت کا سبب بنی

اِس کے بعد فرمایا کہ جب حضرتِ ابراہیم بن ادھم نے سلطنت ترک کر کے راہِ فقر اختیار کی اور مکّہ معظمہ میں سکونت اختیار کی تو جنگل سے ایندھن جمع کر کے شہر میں فروخت کرتے تھے اور خود بھی کھاتے تھے اور احباب کو بھی کھلاتے تھے۔ ایک دن آپ کے ارکین سلطنت آپ کے

صغیر سن بیٹے کو مکہ معظمہ لے آئے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے شفقت پدری سے اُسے لے کر گود میں بٹھایا۔ اُسی وقت کعبہ شریف کی طرف سے آواز آئی کہ دعوئے ہماری محبت کا کرتے ہو اور مشغول اپنے بیٹے سے ہوتے ہو۔ آپ نے اُسی وقت مناجات کی کہ یا الٰہی اس لڑکے کو مجھ سے لے لو۔ چنانچہ وہ بچہ فوراً مر گیا۔ اب مکہ معظمہ میں اس بچے کا روضہ تعمیر ہو گیا ہے۔

اونٹ کا اپنی مالکہ سے عشق

اس کے بعد فرمایا کہ علاقہ جیکب آباد سندھ میں گھنیہ قوم سے ایک عورت تھی جس کا نام لالاں تھا۔ اس لالاں پہ اس کا اونٹ عاشق ہو گیا اور عشق میں اس قدر مست ہو گیا تھا کہ بیس بیس من وزن اُٹھاتا تھا وہ جس جگہ چاہتے تھے لے جاتا تھا اور ہرگز نہیں تھکتا تھا۔ لیکن جب اس کا بوجھ اُتار دیتے تھے تو جس قدر دُور ہوتا تھا بھاگ کر اپنی معشوقہ کے پاس پہنچ جاتا تھا اور اس کے سامنے بیٹھ کر دیکھتا رہتا تھا۔ کافی عرصہ تک یہ معاملہ جاری رہا۔ جب اس بات کی شہرت ہوئی تو لالاں کے شوہر کو غیرت آئی اور اسے ذبح کر کے پھینک دیا۔ لیکن اس کا ڈھانچہ جسے پنجابی زبان میں کرنگ کہتے ہیں چلنے لگا اور جہاں لالاں ہوتی تھی وہاں جا پہنچتا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ واقعہ حاجی نصرت کے زمانے میں ہوا۔ جو حضرت سلطان الاولیاء کے مُرید تھے اور حاجی نصرت نے حج پر جاتے وقت اپنی آنکھوں سے مسماۃ لالاں کو اور اونٹ کے کرنگ کو دیکھا ہے۔ فرمایا کہ یہ قدرت الٰہی کا ظہور ہے اس کے بعد فرمایا کہ تسکینِ دل کے لیے بغیر شہوت حسین آدمی کو خواہ اَمرد ہو خواہ عورت دیکھنا جائز اور روا ہے۔

حضرت اقدس کے ہندو مُرید

اس کے بعد قوم کھتری ساکن بارکھان سے تین آدمی آئے اور زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے ازراہِ خُلقِ محمدی اُن سے خیر و عافیت دریافت فرمائی اُن میں سے ایک نے جو آپ کا مُرید تھا عرض کیا کہ پیر صاحب مَیں نے ابھی قرآن شریف پڑھنا شروع کیا ہے لیکن الفاظ زبان پر نہیں چڑھتے۔ دعا کریں۔ حضرت اقدس اس کی سادگی سے مسرور ہوئے

اور فرمایا کہ تم پڑھتے رہو خدا کے فضل سے پڑھنا آجائے گا۔ اس کے بعد اس آدمی نے کہا کہ پیرِ صاحب وہ رومال جو آپ نے مجھے دیا تھا کیا اس کو ہاتھ لگانے سے لوگوں کی بیعت درست ہوگی یا نہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کی بیعت صحیح ہوگی بشرطیکہ اس کی اطلاع مجھے ہو جایا کرے۔ پس تم یہ کام کرو کہ جب کوئی شخص مرید ہونے کا ارادہ ظاہر کرے تو پہلے اس کے نام سے مجھے آگاہ کر دیا کرو۔ اِس کے بعد اُس کے ہاتھ میں رومال دے کر مَس کرا لینا چاہیئے۔

ملفوظ ۴۶ بوقت نیم روز سہ شنبہ یکم ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ

حضرت اقدس کی تاریخ ولادت آپ کی زبانی

حضرت اقدس میاں نور الصمد ابنِ مولوی غلام رسول کو درس سراجی دے رہے تھے۔ کسی نے آپ کی تاریخ ولادت دریافت کی۔ تو فرمایا کہ میری ولادت روز سہ شنبہ ماہ ذی الحجہ کے آخری عشرہ اور ماہ پوہ کے پہلے عشرہ میں ساعت مشتری میں قبل طلوع آفتاب ہوئی۔ اگرچہ طلوع آفتاب سے پہلے ساعت مشتری تھا اور میری ولادت بھی اِسی ساعت میں ہوئی لیکن اس یوم کا حاکم مریخ تھا اس وجہ سے کہ طلوع آفتاب کے بعد ساعتِ مریخ تھی۔ جب تاریخ ولادت کے بارے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ لفظ خورشید عالم ۱۲۶۱ سے میری تاریخِ ولادت نکلتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میاں اللہ بخش صاحب تونسوی رح کی تاریخ ولادت لفظ زہے بیدار بخت سے نکلتی ہے۔ جب حضرت قبلۂ عالم مہاروی رح کی عرس کے موقعہ پر اُن سے ملاقات کا اتفاق ہُوا تو ہم نے ایک دوسرے کی عمر کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے اپنی تاریخ ولادت "زہے بیدار بخت" بتائی۔ آپ ماہ صفر کے پہلے عشرہ میں متولد ہوئے۔ اور مَیں ان سے اکیس برس چھوٹا ہوں۔ اِس کے بعد فرمایا کہ جب مَیں پیدا ہُوا تو حضرت محبوب الٰہی رح نے مشورہ کیا کہ اس بچے کا نام کیا رکھنا چاہیئے اس پر میاں

جنید و خادم نے دست لبستہ عرض کی کہ حضور حضرت شیوخ العالم گنج شکر بھی سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے تھے پس اگر ان کا نام "غلام فرید" رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔ اس سے حضرت محبوب الٰہی بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ اچھا نام ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے تھے۔

چہار جگ اس کے بعد پرانے زمانے کے لوگوں کی عمروں کا ذکر ہونے لگا۔ کسی شخص نے کہا کہ اگلے زمانے میں لوگوں کی عمریں بہت دراز ہوتی تھیں۔ لیکن اب عمریں کم ہوگئی ہیں۔ حضرت اقدس خاموش رہے۔ مخدوم میاں غلام شاہ صاحب ساکن اوچ شریف نے کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ اگلے زمانے میں لوگوں کے اعمال اچھے تھے اس وجہ سے ان کی عمریں بھی طویل تھیں۔ ہمارے زمانے میں چونکہ اعمال خراب ہو گئے ہیں اس لیے عمریں بھی کوتاہ ہوگئی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اہلِ شاستر نے اس جہان کی مدّت کو چار دوروں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے دَور کا نام "ست جگ" ہے۔ دوسرے کا نام "ترنیا جگ" تیسرے کا نام "دواپر جگ" اور چوتھے کا نام "کلجگ" ہے۔ پہلے دور یعنی "ست جگ" کے تمام لوگ عارف تھے اور ان کی عمریں بھی طویل تھیں۔ چنانچہ چھتر بھوج کی متعارف عمر ایک لاکھ چند ہزار سال تھی۔ اور "کلجگ" "ست جگ" کے مقابل و برعکس ہے۔ یعنی کلجگ میں ست یعنی صدق و راستی ہرگز نہیں ہے۔ اس وجہ سے لوگوں کی عمریں بھی چھوٹی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب کلجگ کا دَور ہے۔ بعد ازاں فرمایا کہ "توراۃ" میں لکھا ہے کہ اس جہان کے پہلے دوا دوا تک لوگ خدا تعالیٰ سے براہِ راست سوال و جواب کرتے تھے۔ سب لوگوں کو خدا تعالیٰ کے ساتھ اس قدر قرب تھا۔

مقبوس ۴۷: بوقت زوال بروز چہار شنبہ ۲ ذیقعد ۱۳۱۶ھ

حضرت اقدس ایک طالب علم کو کتاب ہدایہ اور سراجی کا سبق دے رہے تھے۔

قرب نوافل وقرب فرائض

اِس کے بعد قربِ نوافل اور قربِ فرائض کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا قربِ نوافل یہ ہے کہ عبد فاعل[۱] اور حق اللہ ہو[۱]، چنانچہ اس حدیث شریف کا مطلب یہی ہے لا یزال عبدی یتقرّبُ الیَّ بالنوافل حتّٰی اَحبَّہٗ فاذا اَحببتہٗ فکنتُ سمعہُ الّذی یسمعُ بہٖ وبصرہٗ الّذی یبصرُ بہٖ ولسانہٗ الّذی ینطقُ بہٖ ویَدَہٗ الّذی یبطشُ بہا ورجلہٗ الّذی یمشی بہا۔ (جب میرا بندہ نوافل یعنی زائد عبادت کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو اُس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سُنتا ہے، آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے... اور وہ جو کچھ مجھ سے طلب کرتا ہے دیتا ہوں قربِ فرائض یہ ہے کہ حق فاعل اور عبد اللہ[۲] ہو۔ چنانچہ اس آیت کا اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (اے پیغمبرِ اسلام جب تُو نے دُشمنوں پر مٹی پھینکی وہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی)۔ اِس حدیث شریف کا بھی یہی مطلب ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ ینطِقُ عَلٰی لِسَانِ عمر (اللہ عمرؓ کی زبان پر کلام فرماتا ہے) نیز فرمایا کہ قربِ نوافل میں فنا فی الصفّات ہوتی ہے نہ کہ ذات میں۔ یعنی عبد کی ذات صفاتِ حق سے متصف ہو جاتی ہے قربِ فرائض میں فنا فی الذّات ہوتی ہے۔

ع۱ عبد فاعل یعنی اس حالت میں جو کام کرے گا عبد یعنی بندہ سے منسوب ہوگا اور ذاتِ حق تعالےٰ سے دوئی ہوگی۔

ع۲ "حق فاعل اور عبد اللہ" سے مراد یہ ہے کہ بندہ ذاتِ حق میں پُوری طرح گم ہو جائے گا اور اللہ ہی اللہ رہ جائے گا۔ اِس لیے جو فعل سرزد ہوگا اس کا فاعل حق تعالےٰ ہوگا اور عبد درمیان سے اٹھ جائے گا۔ عبد خدا نہیں بن جائے گا بلکہ عبد مٹ جائے گا اور اللہ رہ جائے گا۔

شیخ محمد پناہ کی ایک ہندو پر نظرِ کرم

اِس کے بعد فرمایا کہ شیخ محمد پناہ نے کافی عرصہ حضرت شیخ الشیوخ العالم فریدالدین گنج شکر کے آستانہ شریف پر زندگی بسر کی۔ کہتے ہیں کہ چالیس سال تک آپ پانی کے مٹکے سر پر اٹھا کر آستانہ شریف پر لاتے رہے اور پانی مہیا کرتے رہے۔ اِس سے اُن کے سر کے بال اُڑ گئے تھے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ میاں گنج بخش صاحب نے جو حضرت گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے، شیخ محمد پناہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مَیں حضرت گنج شکرؒ کی اولاد ہوں مجھ پر نِگاہ کرم ہو۔ شیخ محمد پناہ نے فرمایا کہ شیخ جی حضرت شیوخ العالم کی اصلی اور حقیقی اولاد مَیں ہوں آپ تو صرف برائے نام اولاد ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ چونکہ میاں گنج بخش نے از راہ تفاخر نعمت طلب کی تھی شیخ محمد پناہ نے اُسی کے مطابق جواب دیا۔ اِس کے بعد میاں گنج بخش نے نرمی اور انکسار سے کہا کہ آپ جو کچھ ہیں، ہیں مجھ پر ضرور عنایت فرمادیں۔ شیخ محمد پناہؒ نے فرمایا کہ جب آستانۂ عالیہ پر مجلس سماع منعقد ہو تو میرے سامنے بیٹھ جانا۔ چنانچہ ایک دن جب مجلس سماع شروع ہوئی میاں گنج بخش اُن کے سامنے بیٹھ گئے۔ میاں گنج بخش کے ساتھ ایک ہندو بیٹھا تھا۔ جب شیخ محمد پناہ پر حالتِ وجد طاری ہوئی تو انہوں نے میاں گنج بخش کی بجائے اُس ہندو پر نظر ڈالی جس سے اُس پر بھی حالت طاری ہوگئی اور اُٹھ کر مجلس میں کودتا اور گرتا رہا آخر وہ حواس باختہ ہو کر مجذوب ہوگیا۔ مجلس کے اختتام پر میاں گنج بخش نے عرض کیا کہ حضور مَیں آپ کے سامنے بیٹھا رہا لیکن کوئی کرم نہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا اُس وقت فاعل حق تعالےٰ تھا جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔ اُس نے بہت منّت سماجت کی لیکن شیخ محمد پناہؒ نے صاف جواب دے دیا۔ اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ حال جو شیخ محمد پناہؒ پر وارد ہوا تھا، قربِ فرائض سے تھا۔ اِس کے بعد فرمایا کہ پاکپتن شریف میں یہ قدیمی رسم ہے کہ مجلس سماع میں شامل ہونے سے کسی شخص کو منع نہیں کیا جاتا خواہ وہ ہندو ہو، عورت ہو یا بچّہ ہو۔ سب مجلس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اِس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضور سوال تو میاں گنج بخش نے کیا تھا لیکن نعمت ہندو لے گیا۔ آپ نے فرمایا ہدایت اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ سب کچھ منجانب اللہ ہوتا ہے یعنی عدم سے وجود میں لے آنا خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔

مقبوس ۴۸ : بوقت زوال بروز جمعہ ۴ ذلقیعد ۱۳۱۶ھ

خادمہ نے اندرون خانہ سے پھولوں کا گلدستہ لاکر پیش کیا۔ حضرتِ اقدس بہت مسرور ہوئے اور پھول سونگھ کر یہ شعر پڑھا ؎

دلیلِ خواہشِ یاراں ہمیں عشقبازاں را ۔۔۔ کہ گل یکسالہ را از بہرِ بلبل بازپس گردد

مقبوس ۴۹ : بوقت زوال بروز شنبہ ۵ ذلقیعد ۱۳۱۶ھ

حضرت غوث الاعظمؒ کا نسب

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے نسب کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ صحیح نسب حسنی ہیں۔ اِس کے بعد فرمایا کہ میاں جمال شاہ ملتانی کے پاس انساب پر ایک کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت غوث الاعظمؓ حسنی نہیں ہیں۔ مَیں نے وہ کتاب تھوڑی دیر تک دیکھ کر واپس کر دی۔ اس کے بعد انہوں نے وہ کتاب مخدوم ولایت شاہ صاحب کو دکھائی۔ مخدوم صاحب نے کتاب لے کر زور سے دیوار پر ماری اور غصّہ ہو کر کہا کہ غوث الاعظمؓ اِس قدر رفیع الشان بزرگ ہیں کہ اس زمانے کے تمام اولیائے کرام نے آپ کے سامنے گردنیں جھکائیں تاکہ آپ اُن پر قدم رکھیں[1]۔ اِس کے بعد فرمایا کہ مخدوم میاں ولایت شاہ نے میرے پاس کتاب لطائف سیریہ دیکھی اور دیکھتے دیکھتے اُسے آگ میں ڈال دیا۔ لیکن مَیں نے جلدی سے اُسے آگ سے نکال لیا۔ احقر نے عرض کیا کہ آگ میں کس لیے ڈالی۔ فرمایا کہ اس کتاب کا مصنّف میاں علی مردان ملتانی ہے جس نے حضرت" صاحب السیر" کے متعلق

---

[1] حالانکہ مخدوم ولایت شاہ صاحب بخاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا حضرت غوث الاعظمؓ سے اظہارِ عقیدت موجودہ زمانے کے گیلانی اور بخاری حضرات کے لیے قابلِ تقلید ہے۔

غلط اور خود ساختہ روایات اس کے اندر درج کی ہیں۔

حضرت صاحب السیرؒ [1]

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ صاحب السیر قدس سرہٗ کوٹ مٹھن شریف تشریف لائے۔ یہاں آپ کا ایک مرید رہتا تھا۔ اس کے ہاں ٹھیرے۔ آپ کے ہمراہ دو تین آدمی تھے۔ اتفاقاً اُن دنوں حضرت قبلہ عالم مہاروی بھی کوٹ مٹھن میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ بے شمار لوگ تھے علاوہ ازیں آپ کی زیارت کے لیے اس علاقے کے لوگ بھی اس کثرت سے جمع ہو گئے تھے کہ سواری کے گھوڑوں کی آواز سے لوگوں کو رات بھر نیند نہیں آتی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت صاحب السیرؒ کے ایک مُرید کے دل میں وسوسہ پیدا ہُوا کہ آیا حضرت شیخ قبلہ عالم مہاروی کا رُتبہ زیادہ بلند ہے یا اس کے پیر حضرت شیخ محکم الدین صاحب السیر کا۔ اِس فکر میں وہ مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک برقعہ پوش نے آکر کہا کہ تم اپنے دل میں یہ کیا باتیں بنا رہے ہو محبوبان اور مقبولانِ حق کے مراتب میں فرق نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر فرق کیا جائے تو ایک بزرگ دوسرے بزرگ کی خاکِ پا کے برابر ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس برقعہ پوش کے کلام میں بھی تناقص پایا جاتا ہے کیونکہ پہلے تو اس نے یہ کہا مقبولانِ الٰہی میں فرق نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن اس کے ساتھ بے ادبی کی بات بھی کر دی۔ جس سے فرق لازم آتا ہے۔

آنحضرتؐ کی زیارت

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت صاحب السیر قدس سرہٗ شہر فرید تشریف لے گئے جو قصبہ مہار شریف کے نواح میں ہے۔ وہاں آپ کے دل میں یہ خیال غالب آیا ہُوا تھا کہ جو شخص آپ کے پاس آتا تھا اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے مشرف کرا دیتے تھے۔ چنانچہ یہ خبر سارے علاقے میں پھیل گئی اور دُور دُور سے لوگ آ رہے تھے۔ یہ سُن کر حضرت قبلہ عالم مہارویؒ کے ایک مُرید نے جو قصبۂ راوی کا باشندہ تھا بھی شہر فرید کا قصد کیا۔ راستے میں حضرت

---

[1] حضرت صاحب السیرؒ قدس سرہٗ کا اسمِ گرامی حضرت شیخ محکم الدین سیلانی رحؒ ہے اور صاحب السیر لقب ہے۔ آپ صاحب السیرؒ اس لیے کہلاتے ہیں کہ آپ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے تھے۔ آپ کا مزار پُر انوار قصبہ خانقاہ شریف میں ہے جو ریلوے جنکشن سمہ سٹہ سے ایک میل مشرق کی جانب واقع

قبلۂ عالم کا ایک اور مرید رہتا تھا جس کا نام میاں محمد حسین تھا۔ جب اس کا گزر وہاں سے ہُوا تو میاں محمد حسین اپنے کنوئیں کی پٹ پر بیٹھا ہُوا تھا۔ اس نے اپنے پیر بھائی کو پہچان لیا اور پوچھا کہ بھائی کہاں جا رہے ہو۔ اس نے کہا شہر فرید میں ایک بزرگ آیا ہُوا ہے۔ جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کرا دیتا ہے۔ مَیں اپنے شیخ حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں تو ادب کی وجہ سے عرض نہیں کر سکتا۔ اس بزرگ کے پاس جا رہا ہوں تاکہ زیارت سے مشرّف ہو جاؤں۔ میاں محمد حسین نے کہا کہ مَیں جانتا ہوں وہ میاں محکم الدّین صاحب السیر ہیں لیکن تم اُن کے پاس ہرگز نہ جاؤ۔ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی خواہش ہے تو اس پٹ پر بیٹھ جاؤ زیارت ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ شخص پٹ پر بیٹھ گیا اور جب تک پٹ پر بیٹھا رہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ آدمی اپنے اپنے گھر چلا گیا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی حضرت صاحب السیر کو برادر (بھائی) کہہ کر بلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت صاحب السیر مہار شریف گئے۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے اپنے فرزند شہید صاحب سے فرمایا کہ بیٹے جاؤ اپنے چچا جان سے ملو اور بیعت بھی اُن سے کرو۔ چنانچہ شہید صاحب نے صاحب السیر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت صاحب السیر نے فرمایا کہ بیٹے حقیقتِ حال یہ ہے کہ بادشاہ کونین اور سلطانِ دارین آپ کے والد ماجد ہیں۔ اِس فقیر کے پاس آگ کی انگیٹھی ہے۔ اگر آگ سر پر اُٹھانا منظور ہے تو فقیر حاضر ہے۔ یہ سُن کر حضرت شہید صاحب واپس آئے اور ساری سرگذشت حضرت قبلہ عالم کو سُنائی۔ آپ نے فرمایا بیٹے جب مقصود عشق و محبت حق تعالےٰ ہے تو مرید ہونا بہتر ہے۔ حضرت شہید صاحب نے عرض کیا اب اُن کے پاس واپس جاؤں۔ آپ نے فرمایا اب بالکل نہ جاؤ۔

اِس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضرت صاحب السیر کو نعمتِ فقر کس طرح حاصل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا حافظ عارف اور حافظ طاہر دو بھائی تھے۔ حضرت محکم الدّین صاحب السیر حافظ عارف کے فرزند اور پیر عبدالخالقؒ حافظ طاہر کے فرزند ہیں۔ حضرت شیخ عبدالخالقؒ

حضرت بلبشاہ قصوری اور ایک اور شخص حضرت شیخ عبدالحکیم گاذر رح ساکن راوی جو قادریہ سلسلہ کے بڑے بزرگ اور قطبِ وقت تھے، کی خدمت میں طلبِ راہِ خدا کے لیے حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضرت عبدالخالق سے کہا کہ تم جاؤ اور اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ۔ کوئی شخص خود بخود تجھے تلاش کر کے نعمت عطا کرے گا۔ بلبشاہ صاحب سے فرمایا کہ تم شاہ عنایت اللہ قادری رح کی خدمت میں قصور جاؤ۔ تمہارا کام وہ کر دیں گے۔ اور تیسرے شخص کو آپ نے خود بیعت کر لیا۔ جب پیر عبدالخالق گھر پہنچے تو ایک دن اپنے کنویں کے قریب کھڑے زمین سیراب کر رہے تھے کہ کسی کامل بزرگ کی روح نے ان کو فیضان دیا جس سے وہ گر کر بیہوش ہو گئے وارثوں نے ان کو اٹھا کر گھر پہنچایا۔ جہاں ان کو ہوش آگیا۔ یہ ہے ان کو نعمت ملنے کا قصہ۔ اس کے بعد فرمایا کہ انہوں نے اپنے چچازاد بھائی حضرت محکم الدین صاحب السیر کو اپنا مرید کیا اور نعمت عطا کی۔

اولیاءِ کرام کے مزارات پر جانے کا طریقہ

اِس کے بعد حضرت قبلہ محبوب الٰہی رح قدس سرہٗ (حضرت اقدس کے والد بزرگوار) کے احوال اور روش کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی لوگوں کی دعوت پر کم جایا کرتے تھے بلکہ نہیں جایا کرتے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم رح یا حضرت صاحب نارووالہ رح کے عرس پر جاتے تھے تو اگر کوئی شخص راستے میں دعوت دیتا تو احیاناً قبول کر لیتے تھے۔ اِسی دعوت نہ قبول کرنے کی وجہ سے آپ اکثر کشتی میں سوار ہو کر حضرت قبلۂ عالم رح کے عرس پر جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت محبوب الٰہی رح حضرت صاحب السیر کی مبارک پر خانقاہ شریف لے گئے۔ آپ نے مزار پر نہیں بلکہ دروازہ پر بوسہ دیا۔ میرے شیخ حضرت فخرالاولیاء رح بھی قولاً و فعلاً اپنے شیخ حضرت محبوب الٰہی رح کے نقشِ قدم پر چلتے تھے اور جس مزار پر جس طریقے سے حضرت محبوب الٰہی زیارت کرتے تھے اُسی طرح آپ بھی کرتے تھے۔ مَیں بھی اُن کے نقوش پر پر چل کر اُسی طرح آداب بجالاتا ہوں جس طرح میرے پیر بجالاتے تھے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ علیہ الرحمہ نے ہاتھ ناف پر باندھ کر مزارات کا کبھی طواف نہیں کیا۔ ایک دفعہ میرے شیخ حضرت صاحب نارووالہ رح

کے عرس پر گئے میں بھی ساتھ تھا۔ مجلس سماع ہمارے جانے سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ میرے شیخ نے مزار کے صحن میں داخل ہو کر آستان کے دروازہ پر بوسہ دیا اور آنکھیں لگائیں اس وقت میاں احمد قوال یہ نعت شریف گا رہا تھا ؎

وَصَلِّ علٰے نورٍ کزو شد نور ہا پیدا زمین از حُبّ او ساکن فلک از عشق او شیدا

(درود ہوں اس نورِ پاک پر کہ جس سے تمام نور پیدا ہوئے۔ جس کی محبت میں زمین ساکن اور آسمان شیدا ہے)

یہ سُنتے ہی میرے شیخ رح پر اُسی آستانہ بوسی کی حالت میں وجد طاری ہو گیا۔ چنانچہ اندر جانے کی بجائے آپ واپس آئے اور قوال کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر رقص کرنے لگے۔ جب مجلس سماع ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ احمد قوال آج تم نے مجھے طواف بھی نہیں کرنے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف سے آپ کی مُراد صرف پائینتی کی طرف سے اندر جانا اور مزار کے سرہانے کی طرف آنا ہے لیکن عام طور پر طواف یہ نہیں کہلاتا۔ طواف یہ ہے کہ ہیئت مخصوصہ میں پورے اَدب کے ساتھ سات مرتبہ مزار کے گرد چکر لگائے جائیں۔ میرے شیخ جب اپنے مشائخ کی مزارات پر جاتے تھے تو پہلے آستانہ پر ضرور بوسہ دیتے تھے۔ اِس کے بعد آستانہ سے آنکھیں لگا کر اندر جاتے تھے اور حضرت محبوب الٰہی رح کے مزار پر قدموں کی طرف بوسہ دیتے تھے اور بعض اوقات صرف ہاتھ مزارِ شریف سے لگا کر منہ پر پھیر لیتے تھے۔ اور حضرت سلطان الاولیاء قدس سرہٗ کے مزار پر آپ اکثر ہاتھ لگا کر منہ پر پھیر لیتے تھے۔ اور بعض اوقات بوسہ بھی دیتے تھے۔ حضرت خواجہ تاج محمود کے مزار کی اِس طرح زیارت کرتے تھے کہ نہ کبھی بوسہ دیتے تھے نہ ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرتے تھے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ علیہ الرحمہ مشائخ عظام کے مزارات پر اس مخصوص ہیئت سے کبھی طواف نہیں کرتے تھے بلکہ اسی طرح بغیر ہیئت مخصوصہ کے طواف کرتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شروع میں اگر میں نے معروف طریق پر طواف کیا ہو تو کوئی عجب نہیں لیکن جب مدینہ طیبہ میں پہنچے تو طواف کرنا تو درکنار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر بوسہ تک بھی نہیں دیتا تھا اِس خوف سے کہ مبادا حضور اقدس ؐ پسند نہ فرماویں۔ ایک دن

مَیں نے روضۂ اقدس کے سامنے جالی پر بوسہ دیا اتنے میں ایک سفید ریش بزرگ آئے اور میری گردن پکڑ کر نیچے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا قبِّلوا قبلوا قبلوا یعنی زمین پر بوسہ دو، بوسہ دو، بوسہ دو۔

مقبوس ۵۰ : بوقتِ ظہر بروز یکشنبہ چھ ماہ ذیقعد سنہ ۱۳۱۶ھ

حضرت اقدس نے احقر کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ مقابیس پڑھ کر سناؤ۔ احقر نے جلد سوم کے بیسویں مقبوس سے لے کر بائیسویں مقبوس تک پڑھا۔ آپ لفظ بلفظ سُن کر خوش ہوئے اور دو مقامات پر اصلاح بھی فرمائی۔

حکمائے یُونان

اِس کے بعد حکمائے یونان کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ مخدوم عبدالکریم جیلی زبیدی مصنّف کتاب "انسان کامل" نے فرمایا ہے کہ مَیں نے کشف میں حکیم افلاطون کو خواب میں دیکھا کہ عالی رُتبہ رکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ "قطب مدار" کا رُتبہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ملّاں حسین بن معین الدّین نے اپنی کتاب "فواتح" میں لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدّین مقتول رح نے کہا ہے کہ مَیں نے عالمِ واقعہ میں حکیم "ارسطو" کو دیکھا بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ مَیں نے ان سے پوچھا کہ حکیم افلاطون کا کیا مرتبہ ہے۔ انہوں نے کہا ان کا مقام بہت بلند ہے۔ مَیں نے طبقۂ سوم کے چند مشائخ کا نام لے کر پوچھا کہ آیا افلاطون کا مرتبہ ان کے برابر ہے ارسطو نے جواب دیا کہ ان سے زیادہ بلند ہے۔ اس کے بعد مَیں نے طبقۂ دوم کے بعض مشائخ کا نام لے کر وہی سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سے بھی بلند ہے۔ پھر مَیں نے طبقۂ اوّل کے مشائخ مثل شیخ جنید رح، شیخ بایزید رح، شیخ ابوسعید رح، شیخ ذوالنون رح، شیخ ابوجعفر حدّاد وغیرہ کا نام لے کر پوچھا تو ارسطو کے چہرہ پر بشاشت کے آثار نمودار ہوئے اور جس شیخ کا نام مَیں لیتا تھا، اُن کا چہرہ زیادہ بشاش ہوتا تھا۔ اس کے بعد ارسطو نے کہا کہ افلاطون کا مقام ان کے مقام کے برابر ہے۔ اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ارسطو امام مشائین ہے۔[۱]

---

[۱] حکمائے یونان کے دو گروہ ہیں۔ ایک کو اشراقین اور دوسرے کو مشائین کے نام سے موسوم کیا جاتا

تعویذ مرگی

اِس کے بعد مرض مرگی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ مرگی کی بیماری جنات کے اثر سے ہوتی ہے اور ہم جو تعویذ لکھتے ہیں وہ بھی دفع جن کے لیے ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ ایک مادہ جن کا حضرت خواجہ علی احمد رح سے تعلق ہو گیا تھا جو آپ کی اولاد کو زندہ نہیں رہنے دیتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت قبلہ عالم مہاروی رح کوٹ شریف میں تشریف فرما تھے۔ حضرت سلطان الاولیاء نے اس کے متعلق حضرت اقدس سے گذارش کی۔ چنانچہ آپ نے اُسی وقت تعویذ لکھنا شروع کر دیا۔ تعویذ شروع ہوتے ہی وہاں گریہ وزاری کی آواز سنائی دی۔ یہ گریہ وزاری اس مادہ جن کی تھی۔ پس وہ بہت روئی اور عرض کیا کہ یا حضرت مَیں توبہ کرتی ہوں کہ آئندہ ان کے نزدیک نہیں آؤں گی بلکہ اس مُلک کو چھوڑ کر دُور چلی جاؤں گی مجھے آگ میں جلانے سے امان دی جائے اور رہا کیا جائے۔ لیکن حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے ایک نہ سُنی اور تبسم کرتے ہوئے تعویذ لکھتے رہے۔ وہاں ہر شخص کے ناک میں جلنے کی بُو آئی جیسا کہ کسی چیز کے آگ میں جلنے سے آتی ہے۔ اسی روز حضرت قبلۂ عالم نے یہ تعویذ حضرت سلطان الاولیاء کو عطا فرمایا اور اجازت دی۔ لیکن آپ نے باقی کسی خلیفہ کو اس تعویذ کی اجازت نہ دی تھی خواہ حضرت صاحب نارووالہ ہوں، حافظ صاحب ملتانی ہوں یا حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ہوں۔ لیکن بعد میں حضرت سلطان الاولیاء کی طرف سے ان حضرات کو اس تعویذ کی اجازت مل گئی۔

مقبوس ۵۱: بوقت چاشت بروز دوشنبہ ۷ ذلقعد ۱۳۱۶ھ

مقبوس بائیس سے لے کر اٹھائیس تک حضرت اقدس کو پڑھ کر سنایا۔ حضرت اقدس نے رغبت تمام کے ساتھ سنا اور دو تین مقامات کی تصحیح فرمائی۔ یہ چاچڑاں شریف کا واقعہ ہے۔

ہے۔ اشراقین تزکیۂ نفس اور صفائے باطن کے ذریعے حقائق معلوم کرتے تھے اس کے برعکس مشائین منطقی استدلال کے ذریعے حقائق اشیاء معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اشراقین اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بذریعہ کشف ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے مگر مشائین کو چلکر ایک دوسرے سے تعلیمات

مقبوس ۵۲ بوقت ظہر بروز مذکور ماہ مذکور

ہستی و نیستی

حضرت اقدس رسالۂ حق الیقین سے پڑھ کر حاضرین کو سنائے تھے۔ عبارت یہ تھی:

"ہستی کا نیستی میں ظہور مقتضی ہے۔ مظہر کی بقا کا حکم ظاہریت جو ذاتی ہے ہستی کے لیے اور نیستی کا ہستی میں ظہور مقتضی ہے مظہر کی فنا کا حکم باطنیت جو ذاتی ہے نیستی کے لیے۔ اور یہ دونوں صورتیں حکمائے مشائین کے لیے مخصوص ہیں وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (نہیں ہے دنیا کی زندگی بجز کھیل کود کے اور آخرت کی زندگی حقیقی زندگی ہے)۔

یہ زندگی حقیقی نہیں ہے۔ نیستی ہست نہیں ہو جاتی ورنہ قلبِ حقائق (حقیقت کا اُلٹ) لازم آتا ہے اور فنا اور بقا دو امور اعتباری ہیں جو مختلف و موافق تعیّنات کے تجدّد سے نظر آتے ہیں نیستی کی سمت۔ دائماً فانی ہے اور ہستی کی سمت دائماً باقی ہے بمصداق كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (ہر چیز فانی ہے سوائے ذاتِ حق کے)۔ بقا کی حقیقت اسم موجود ہے رُتبۂ مظاہر میں۔ لیکن حقیقی لازم وجود (وجودِ حق) ہے۔ مجاز کا تعلّق تعینات سے ہے۔ اُن کے موجود ہونے کی حد تک۔ اور فنائے اسم کے بعد تعیّن مٹ جاتا ہے جب کہ قرآن کہتا ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (جو کچھ تمہارا ہے فانی ہے اور جو کچھ اللہ کا ہے باقی ہے)۔ اَنا خزفی کے مٹ جانے سے تعین ختم ہو جاتا ہے اس پر فنا یا عدم کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس اسم کا بقا وہی وجود ہے جو اَنا کے تعیّن سے قائم تھا۔ جس طرح مٹی کا برتن جب تک موجود ہے مجازی طور پر باقی ہے۔ جب مٹی میں رل جاتا ہے فنا ہو جاتا ہے اور مٹی باقی رہتی ہے۔ اِس وجہ سے اُسے حادث کہتے ہیں (حادث وہ وجود ہے جو شروع سے موجود نہ ہو اور آخر تک موجود نہ رہے بلکہ پیدا ہو کر فنا ہو جائے)۔

حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ افلاطون، بقراط وغیرہ کا تعلق اشراقین سے تھا اور ارسطو مشائین کا امام تھا۔

نہ کہ باقی۔ جب تک مظاہر کی صورت میں موجود تھا باقی تھا اور عالم کثرت کی رونق بنا رہا۔
جب مٹ گیا تو ملکِ عدم میں چلا گیا۔ کلّ مَن علیھا فانٍ و یبقیٰ وجہ ربّکَ
ذو الجلالِ و الاکرام (جو کچھ ظاہر ہے فانی ہے اور صرف ذاتِ حق باقی ہے)۔
ظاہر کا ادراک حسِ ظاہری سے دنیا کی صورت میں ہوتا ہے اور باطن کا ادراک حسِّ باطن سے
ہوتا ہے۔ ظہور و بطون کے درمیان برزخِ حدوث ہے۔ اس کا بیان اسمِ ظاہر و باطن کی شرح
میں ہو چکا ہے۔ و من وراءھم برزخٌ اِلیٰ یومِ یبعثون (اور اُن کے پیچھے برزخ
ہے قیامت کے دن تک) کا اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ دنیا و آخرت کا درمیانی
فاصلہ کیفی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے وَمَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قیامتہٗ
(جو مر گیا اُس کے لیے قیامت قائم ہو گئی) اور اس کی کیفیت بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعۃُ
کھاتین یوم یرونہٗ بعیدً و نراہٗ قریبً (

)

کے تابع ہے پہلے بیان میں کہا گیا ہے کہ تعین ہر لحظہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر زندہ ہوتا ہے
(اسے تجدّدِ امثال یا کمون بروز کہتے ہیں) چنانچہ یہ جہاں طرفۃ العین میں معدوم ہو جاتا ہے
اور طرفۃ العین میں پھر موجود ہو جاتا ہے اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّیْنَ
لَوَاقِعٌ (جو وعدہ کیا گیا ہے سچ ثابت ہوگا اور قیامت ضرور وقوع پذیر ہوگی)۔ چونکہ
حقیقت وجودِ حق کے بغیر غیر متصوّر ہے اس لیے جو کچھ غیر حق ہے یہی عالم فانی ہے، جو
تعینات کا مجموعہ ہے لیکن جو محجوب (جس سے پردہ ہو) ہے اُسے اشیاء کے فانی ہونے
کا علم نہیں ہوتا اور وہ قیدِ زمان و مکان میں پھنسا ہوا ہے۔ جب اِس قید سے آزاد ہوگا،
اسے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ (کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ (اُسے
جلد ہی معلوم ہو جائے گا)۔

سابقہ بحث سے معلوم ہوا کہ قیامت کبریٰ تین امثال پر ہے۔ اوّل وہ جو طرفۃ العین
میں ہر شخص کے لیے اور پورے جہان کے لیے وقوع پذیر ہوگی۔ دوم وہ جو عارف
کے لیے مخصوص ہے اختیاری موت کے بعد تجدّدِ امثال اور کشفِ اسرار کی صورت

میں۔ سوم وہ جو مشترک ہے تمام انسانوں میں اور طبعی موت کے بعد واقع ہوتی ہے۔
یہاں زمان کی قید ختم ہو جاتی ہے بمصداق آیۂ کریمہ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ
الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ (وہاں ساعت آنکھ جھپکنے کے برابر ہوتا ہے) اور مکان
کی قید اس آیت کے مطابق ختم ہو جاتی ہے يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ
(اس دن یہ زمین دوسری زمین سے مبدّل ہو جائے گی)

مقبوس ۵۳ : بوقت چاشت بروز چہار شنبہ ۹ ذیقعد سال مذکور

حضرت شیخ شہاب الدّین سہروردی رح کا سماع سُننا

حضرت شیخ شہاب الدّین عمر

سہروردی قدس سرہٗ کی مشغولی کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ سماع کم
سُنتے تھے۔ چونکہ سماع سے عرض مشغولی بحق ہے اِس لیے جو شخص ہر وقت سماع کے بغیر
ذاتِ حق میں مشغول ہے اسے سماع کی کیا ضرورت ہے۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں چند
صُوفی اور فقراء حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ قوالوں کو بُلاؤ تاکہ سماع سُنیں۔ جب مجلس سماع
شروع ہوئی حضرت شیخ شہاب الدّین رح مجلس سے باہر ہو کر قریب بیٹھ گئے اور تلاوتِ
قرآن میں مشغول ہو گئے۔ جب صوفی لوگ وجد و مستی سے سیر ہوئے تو مجلس ختم ہو گئی۔ آپ
نے قوالوں کو جو کچھ دینا تھا، دے کر رخصت کیا اور صوفیوں سے پوچھا کہ سماع میں سرود
قاعدہ کے مطابق تھے یا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ قاعدہ کے مطابق تھے۔ اِس کے بعد
حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھو حضرت شیخ کی مشغولی کس قدر مکمّل تھی کہ قریب ہونے
کے باوجود آپ کو نہ سرود کا علم ہو سکا۔ نہ صوفیوں کے ہا ہو کا پتہ لگا۔

مقبوس ۵۴ : بوقت ظہر بروز جمعہ ۱۱ ذیقعد ۱۳۱۶ھ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ مقابیس پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ احقر نے مقبوس از تصنیف

سے لے کر مقبوس پنیتالیس جلد سوم تک سُنائے۔ آپ نے کمال رغبت سے سُنا اور کوئی غلطی نہ نکالی۔

مقبوس ۵۵: بوقت ظہر بروز شنبہ ۱۲ ذیقعد ۱۳۱۶ھ

پختگیٔ عقیدہ

عقیدہ کی پختگی کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت سلطان المشائخ رح (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رح) دہلی سے پاک پتن شریف جا رہے تھے کہ راستے میں سانپ نے کاٹ لیا۔ پہلے تو آپ کے دل میں فکر ہوئی کہ کوئی دوا استعمال کی جائے لیکن بعد میں خیال آیا کہ اگر حضرت شیخ کے ساتھ میرا عقیدہ پختہ ہے تو سانپ کی زہر مجھے نہیں مار سکتی۔ چنانچہ آپ نے کوئی علاج نہ کیا اور صحیح سلامت پاک پتن شریف پہنچ گئے۔ اِس کے بعد آپ کو یقین ہو گیا کہ میرا اعتقاد پختہ ہے۔

سر منڈوانا

اِس کے بعد سر منڈوانے کے متعلق بات ہونے لگی۔ فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کے سر پر بال تھے۔ کوئی نبی محلوق الراس نہیں تھا۔ (یعنی کسی نے سر نہ منڈوایا اور نہ گنجہ تھا)

مقبوس ۵۶: بوقت چاشت بروز یکشنبہ ۱۳ ذیقعد ۱۳۱۶ھ

چاند بُرج عقرب میں ہو تو سفر منع ہے

جلد سوم کے مقبوس پنیتالیس سے مقبوس ترپن تک سماعت کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلۂ عالم مہاروی کے عرس پر اگلے جمعہ جانے کا ارادہ تھا لیکن دو دن کے لیے سفر ملتوی کر دیا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ کس وجہ سے سفر ملتوی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ منشی محکم الدین نے آکر بتایا کہ اگلے جمعہ چاند بُرج "عقرب" میں ہو گا اور جب چاند برج عقرب

میں ہو تو سفر منع ہے۔ اور یہ مسئلہ ہماری کتابوں میں بھی لکھا ہے۔ چنانچہ تحفۂ نصائح میں ہے کہ ع

عقرب چو بینی ماہ را از خانہ بیرون در مرو

(جب چاند کو بُرج عقرب میں دیکھو تو گھر کے دروازے سے باہر قدم نہ رکھو)

مقبوس ۵۷ بوقت نیم روز سہ شنبہ ۱۳۱۶ھ

کم خوردن

سماعتِ مقابیس از پنجاہ و سوم تا پنجاہ و نہم کے بعد کم کھانے کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ میں آٹھویں پہر (چوبیس گھنٹہ) کے بعد ایک چھٹانک گندم کے آٹا کی روٹی پکا کر کھاتا ہوں اور دو سیر دُودھ سے کچھ کم پیتا ہوں۔ اگر گوشت کی بوٹی کھاتا ہوں تو اسی قدر روٹی میں کمی کر دیتا ہوں۔

مقبوس ۵۸ : بوقت ظہر بروز چہار شنبہ ۱۶ ذیقعد ۱۳۱۶ھ

شیخ نجیب الدّین برغش رح

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ قبلہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ کی طرح حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدّین سہروردی رح قدس سرہٗ کے اور بھی خلفاء تھے یا نہیں آپ نے فرمایا ہاں شیخ نجیب الدین علی برغش شیرازی ان کی طرح ہیں۔ شیخ نجیب الدّین رح کے والد ایک دولت مند تاجر تھے اور انکے بیٹے نجیب الدّین صغیر سنی میں اہلِ سلوک تھے، وہ نفیس کپڑوں سے نفرت کرتے تھے اور اُونی کپڑے مثل دُھسّہ وغیرہ استعمال کرتے تھے اور عام خشک کھانا کھاتے تھے۔ اِس سے ان کے والد اور دوسرے لوگ حیران ہوتے تھے۔ جب آپ بڑے ہوئے تو حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل کیا اور بلند مراتب کو پہنچے۔ اُس علاقے کے اکثر لوگ حضرت شیخ نجیب الدّین کے مُرید ہیں۔ میں شروع میں شیخ نجیب الدین کو حضرت غوث العالم شیخ بہاؤالدین

زکریا ملتانی رح سے زیادہ افضل سمجھتا تھا۔ لیکن ایک دن میاں بڈھن شاہ صاحب نے جو حضرت قبلہ محبوب الٰہی کے مرید اور مردِ صادق ہیں مجھے یہ حکایت سُنائی کہ ایک دن حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا شیخ بہاؤ الدین زکریا کی طرح حضرت شیخ شہاب الدین کے ہزاروں مرید و خلفاء ہیں لیکن سب سے زیادہ برگزیدہ اور خلیفۂ جانشین حضرت شیخ بہاؤ الدین ہیں اُسی روز سے شیخ نجیب الدین کی افضلیت کا خیال میرے دل سے جاتا رہا۔

سلسلہ چشتیہ میں نسبت سہروردیہ

اِس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ قبلہ اِس سلسلۂ سہروردیہ کی نسبت بھی ہمارے مشائخِ عظام تک پہنچتی ہے یا نہیں۔ فرمایا ہاں سلسلۂ سہروردیہ کی نسبت حضرت خواجہ علم الدین رح کو ملی ہے اور ان کو حضرت فارن الدین رح سے اور ان کو حضرت قاضی علم الدین رح سے، ان کو حضرت شیخ صدر الدین راجن قتال اوچی رح سے ان کو حضرت سیّد جلال الدین مخدوم جہانیاں رح سے، ان کو حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین ملتانی سے، اور ان کو حضرت غوث بہاؤ الدّین رح سے ملی ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ مکّہ معظمہ کس قدر متبرک مقام ہے وہاں جو شخص بیمار ہوتا ہے حضرت غوث بہاؤ الدّین زکریا مُلتانی رح اور شیخ صدر الدین عارف رح کے لنگر سے خشک روٹی کے ٹکڑے اس کو کھلاتے ہیں تو شفایاب ہو جاتا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں رح فرماتے ہیں کہ اگرچہ مَیں سہروردی ہوں لیکن چشتی بھی ہوں۔ چنانچہ سلسلہ مینائیہ چشتیہ جس کے اندر سہروردی سلسلہ کی بُو تک نہیں ہے خالص چشتی ہے اور حضرت مخدوم جہانیاں اوچی رح سے جاری ہُوا ہے۔ اِس طریقے سے کہ شیخ مینا رح کو خلافت شیخ سارنگ رح سے ہے، ان کو شیخ قوام الدّین رح سے، ان کو حضرت مخدوم جہانیاں رح سے اور ان کو حضرت شیخ نصیر الدّین چراغ دہلی سے پہنچی ہے۔ نیز فرمایا کہ اِس سلسلہ مینائیہ میں زیادہ تر چشتیت اس وجہ سے غالب ہے کہ شیخ قوام الدین قدس سرہٗ کو حضرت شیخ نصیر الدّین قدس سرہٗ کے علاوہ خرقۂ خلافت حضرت مخدوم جہانیاں رح سے بھی نسبت چشتیہ نصیریہ میں ملا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مخدوم جہانیاں رح فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ نصیر الدّین چراغ دہلوی قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے مَیں مکّہ معظمہ پہنچا اور خرقۂ خلافت کا ذکر کیا تو مشائخ حرم نے اِس خرقہ کے ٹکڑے ٹکڑے

کر لیے اور ایک ایک ٹکڑہ اپنے پاس بطور تبرک رکھ لیا۔

مُرشد کے ساتھ کمال عقیدت مندی

اِس کے بعد پیر پرستی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میرا انتقال "فرید فرید" کہتے ہوگا۔ آپ کا یہ قول دل کو تسلّی اور تسکین دینے کی خاطر تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ابتدائے سلوک میں ایک دن میں نے حضرت شیخ الشیوخ العالم گنجشکر قدس سرہٗ سے رخصت حاصل کر کے دہلی جانے کا ارادہ کیا۔ حضرت خواجہ قطب جمال ہانسوی نے بھی جو حضرت شیخ کے خلیفہ ہیں سفر کے لیے رخصت حاصل کی چنانچہ حضرت شیخ نے مجھے ان کے ہمراہ کر دیا۔ ہم وہاں سے پیادہ روانہ ہو کر ایک مقام پر پہنچے جہاں ایک امیر رہتا تھا۔ اس نے ہماری دعوت کی۔ دعوت کے بعد اس نے کہا کہ خشک سالی کا زمانہ ہے دعا فرمادیں کہ بارش ہوجائے۔ ہم نے دعا کی اور بہت بارش ہوئی۔ جب ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو اس امیر نے ہمیں سواری کے لیے ایک ایک گھوڑا دیا لیکن جو گھوڑا مجھے ملا، بہت سرکش تھا اور راستے میں تنگ کرتا رہا جس کی وجہ سے مَیں دوسرے ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا۔ سخت گرمی کا موسم تھا پیاس سے حلق خشک ہو رہا تھا۔ گرمی کی شدّت سے مجھے بخار ہوگیا۔ مَیں نے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا اور سو گیا۔ اُس وقت مجھ پر غشی اور بے ہوشی طاری ہوگئی۔ جب قدرے افاقہ ہُوا تو زبان پر "فرید فرید" جاری ہوگیا۔

حضرت اقدس رحؒ نے فرمایا کہ دیکھو ابھی ابتدائے سلوک تھا لیکن اپنے پیر دستگیر کی محبت اس قدر غالب تھی کہ بے ہوشی کی حالت میں بھی زبان سے "فرید فرید" نکل رہا تھا۔ پس سکونِ قلب کیوں حاصل نہ ہو اور جب منتہی ہو چکے ہوں گے تو پھر سکونِ قلب تو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ اور شیخ بدر الدین اسحاق جو آپ کے پیر بھائی تھے، دونوں حضرت گنجشکر قدس سرہٗ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ اس اثنا میں حضرت شیخ کا ایک مُرید فوت ہوگیا۔ جب حضرت اقدس کی خدمت میں اطلاع دی گئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ نماز پڑھتا تھا یا نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آخر وقت کی تین نمازیں اس سے فوت ہوگئی ہیں۔ اس پر آپ نے تو کچھ نہ فرمایا لیکن حضرت شیخ بدر الدین نے فرمایا کہ

افسوس یہ اچھا نہیں ہُوا۔ جس روز حضرت شیخ بدرالدّین رح کا وصال ہُوا آپ نے فجر کی نماز ادا کی اور وظائف پڑھے، اشراق کی نماز ادا کی، چاشت پڑھی اور نہایت سکون قلب کے ساتھ دعا مانگی اور سجدہ میں جاکر یاحیّ یاقیّوم کہتے ہوئے جاں بحق ہوگئے۔

حضرت خواجہ گنجشکر رح کی آخری نماز

حضرت خواجہ گنجشکر رح قدس سرہٗ کا وصال بھی اِسی طرح ہُوا۔ چنانچہ جس رات آپ کا وصال ہُوا، آپ نے نمازِ عشا باجماعت پڑھی اور بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو دریافت کیا کہ مَیں نے عشا کی نماز پڑھی ہے یا نہیں۔ لوگوں نے کہا پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا ایک بار اور پڑھتا ہوں ممکن ہے دوسری نماز ملے یا نہ ملے۔ آپ دوبارہ نمازِ عشاء ادا کرکے دوبارہ بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو دریافت کیا کہ مَیں نے عشاء کی نماز پڑھی ہے یا نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ دو دفعہ پڑھ لی ہے۔ آپ نے فرمایا ایک بار پھر پڑھتا ہوں شاید دوسری نماز میسّر نہ ہو۔ پس آپ نے تیسری بار نماز پڑھی اور سجدہ میں یاحیُّ یاقیُّوم کہتے ہوئے جان بحق ہوگئے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت خواجہ گنج شکر قدس سرہٗ کے وصال کا وقت قریب آیا تو اتفاق سے شیخ محمد کرمانی رح دہلی سے آگئے۔ جب قدم بوسی سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ نے دریافت فرمایا کہ یارانِ دہلی خوش ہیں۔ یہ سُن کر خواجہ محمد کرمانی کے دل میں خیال آیا کہ اگر پہلے سلطان المشائخ کا نام لیتا ہوں تو آپ کی پوری توجّہ ان کی طرف مبذول ہو جائے گی جس سے صاجزادگان رنجیدہ خاطر ہوں گے۔ اِس لیے انہوں نے پہلے دوسرے لوگوں کی طرف سے سلام و نیاز عرض کیے اور سب سے آخر میں عرض کیا کہ حضرت سلطان المشائخ بہت نیاز اور بندگی عرض کرتے تھے۔ اِس سے آپ بہت خوش ہوئے اور پوری توجّہ کے ساتھ دریافت کیا کہ مولانا نظام الدّین خوش تھے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ گنجشکر نے فرمایا کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے وصال کے وقت حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدّین قدس سرہٗ موجود نہیں تھے اور حضرت خواجہ قطب الدّین اوشی قدس سرہٗ بھی اپنے شیخ حضرت خواجہ معین الدّین چشتی قدس سرہٗ کے

وصال کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی طرح مَیں بھی اپنے شیخ کے وصال کے وقت موجود نہ تھا۔ اور مولانا نظام الدینؒ بھی میرے انتقال کے وقت موجود نہ ہوں گے۔ پس یہ مصلّٰی، تسبیح، عصا اور کاسہ چوبی اور دوسرے تبرکات جو مجھے مشائخ عظام سے ملے ہیں مولانا نظام الدینؒ کے حوالہ کر دینا۔ جب آپ کا وصال ہوا تو سلطان المشائخ موجود نہ تھے۔ جب وصال کے بعد آپ وہاں پہنچے تو تبرکات ان کے حوالہ کئے گئے۔

اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک شخص نے میاں غلام حسن صاحب چیلہ وا ہی سے پوچھا کہ پیر کی محبت حقیقی ہوتی ہے یا مجازی۔ یہ سُن کر غصہ آیا اور لکڑی اُٹھا کر مارنے لگے لیکن وہ بھاگ گیا۔ انہوں نے کہا کہ چالیس سال ہوئے کہ ہم نے یہ عقیدہ پختہ کیا ہے اب تُو شیطان ہو کر پوچھ رہا ہے کہ محبتِ پیر حقیقی ہے یا مجازی۔

حق تعالیٰ کی محبّت ہر چیز کی محبّت پر غالب ہونی چاہیئے

اِس کے بعد فرمایا کہ امام محمد غزالیؒ جو امام شریعت و طریقت ہیں فرماتے ہیں کہ محبت حقیقی یعنی حق تعالیٰ کی محبت اگر دنیا و مافیہا پر غالب ہے تو موت کے بعد بھی یہی غالب رہے گی۔ اگر محبت حقیقی، دنیا و مافیہا کی محبت کے برابر ہے تو پھر بھی مرنے کے بعد حقیقی محبت غالب رہے گی۔ اگر محبتِ حقیقی قدرے مغلوب اور دنیا و مافیہا کی محبت قدرے غالب ہے تو پھر بھی محبتِ حقیقی کا غلبہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر محبتِ حقیقی بالکل مغلوب ہے یا محبت حقیقی کسی کے دل میں بالکل نہیں ہے اور سب دنیا کی محبت ہے تو اُس وقت مرنے کے بعد دنیا کی محبت حقیقی محبت پر غالب آجائے گی۔

پیر کی محبت بیوی بچوں کی محبت پر غالب ہے

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دن درویش کھوکھر ساکن میران پور نے جو حضرت قبلہ مولانا صاحب الوصال کا مُرید ہے مجھ سے کہا کہ میرے دل میں بیوی بچوں کی محبت پیر کی محبت پر غالب ہے کیونکہ جب حضرت پیر دستگیر کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تو ایک دو دن ٹھیرنے کے بعد بیوی بچوں کی محبت غلبہ کرتی ہے اور واپس چلا جاتا ہوں۔ شاید محبت حقیقی اور غیر حقیقی میں یہی فرق ہے کہ بیوی، بچوں کے

انتقال کے بعد دو تین دن غم ہوتا ہے اس کے بعد بھول جاتے ہیں لیکن پیر کے غم میں ساری عمر رو رہا ہوں۔ فرمایا مجھے درویش کی یہ بات بہت پسند آئی۔ کیونکہ یہ امام غزالی کے قول کے مطابق ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کا بھائی بھی جس کا نام فتح تھا حضرت مولانا صاحب لوصال کا مُرید تھا۔ اس کے دل میں پیر کی محبت بہت پختہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے شیخ کو عام مجلس میں سجدہ کرتا تھا۔ شروع میں حضرت مولانا صاحب اس کو زجر و توبیخ کرتے تھے لیکن وہ سجدہ کرنے سے ہرگز باز نہیں آتا تھا۔ جب وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو ہر بار سجدہ کرتا تھا۔ آخر میں آپ مجبور ہو کر تبسم فرماتے تھے اور ملامت نہیں کرتے تھے۔ ایک دن مَیں نے بھی یہ حال دیکھا تھا۔

پیر کی محبت حقیقی ہے

اس کے بعد فرمایا کہ یہی پیر کی محبت حقیقی محبت ہے کیونکہ پیر اور مرید کے درمیان نہ کوئی قرابت داری ہوتی ہے نہ کوئی رشتہ داری۔ محض یہی رشتہ ہے کہ پیر حق تعالیٰ کا راستہ دکھاتا ہے اور حق تعالےٰ تک پہنچا دیتا ہے اس لیے مرید کے لیے محبتِ پیر، محبت خدا ہے۔ اس کے بعد احقر راقم الحروف نے عرض کیا کہ آیت فاتبعونی یحببکم اللہ (پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرو حق تعالےٰ تجھے محبوب رکھیں گے) کا مطلب بھی یہی ہے۔ فرمایا ہاں اور پھر یہ اشعار پڑھے ؎

ز اں کنتم تحبّون یابد او راہ	بخلوت خانۂ یحببکم اللہ !
دراں خلوت سرائے محبوب گردد	بحق یکبارگی مجذوب گردد

(سالک آیۂ کنتم تحبّون اللہ پر عمل کر کے خلوت خانہ محبوبیت میں پہنچ جاتا ہے اس وقت وہ محبوب حق بن جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات میں اُسے جذب کلی حاصل ہوتا ہے۔ آیت کے معنی یہ ہیں۔ اے پیغمبر تم لوگوں کو کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری یعنی پیغمبر کی اطاعت کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یعنی تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے)

اس کے بعد فرمایا کہ محبتِ پیر پورے طور پر محبتِ حقیقی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر

بھی مراتب ہیں۔ پیر کی محبت کا حق مراعات اور آداب سے ادا کیا جاتا ہے۔ اگر پیر کی محبت، مطلقاً حقیقی محبت ہوتی تو اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (میں تمہاری طرح بشر ہوں) وارد نہ ہوتا۔

رقص و جنبش کیا چیز ہے

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضور یہ وجد و رقص اور جنبش کیا چیز ہے۔ اور کس چیز سے پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا پہلے جنبش دل کو ہوتی ہے اس کے بعد بدن کو ہوتی ہے۔ اگر دل کی جنبش کم ہے تو اس کا ضبط کرنا آسان ہوتا ہے اس وقت رقص کی نوبت نہیں آتی۔ جب جنبش کا دل پر غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کا روکنا ناممکن ہو جاتا ہے اِس سے رقص وجود میں آتا ہے چنانچہ ابتدا میں میرے ساتھ بھی یہی معاملہ رہتا تھا۔ بہت دفعہ جب مَیں اپنے حضرت شیخ مولانا فخر الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور بیٹھ جاتا تھا اور حضرت اقدس تکیہ لگا کر بیٹھے ہوتے تھے یا سوئے ہوتے تھے تو جوش محبت کی وجہ سے میرا جی چاہتا تھا کہ حضرت اقدس کے پاؤں پر ہاتھ لگاؤں اِس خیال سے دل میں اس قدر جنبش پیدا ہوتی تھی کہ جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور بے اختیار جست لگاتا تھا اور ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے لگتا تھا۔ کبھی اس جنبش پر مَیں غالب آجاتا تھا۔ لیکن ضبط کرتے ہی میری آنکھوں کے سامنے سیاہی آجاتی تھی اور بینائی گُم ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات یہ حالت غیظ و غضب کے وقت بھی مجھ پر طاری ہوتی تھی۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں ایک کمبخت نے حضرت فاروقِ اعظم رضؓ کی شان میں گستاخی کی اور بے ہودہ بکواس کی تو مجھے جوش آگیا اور سارا جسم کانپنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے تاریکی آگئی اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے بعد نبتسم دلربا میں آکر فرمایا کہ جو شخص عقل سے کام لیتا ہے زیادہ کوشش کرتا ہے۔ مَیں بھی اوائل حال میں جنبش کے وقت دل پر ہاتھ رکھتا تھا تاکہ معلوم ہو سکے کہ جنبش کی مقدار کس قدر ہے۔ پس جس قدر جنبش زیادہ ہوتی تھی ہاتھ کو زیادہ صدمہ ہوتا تھا اور یہ بات اس وقت تھی جب جنبش پر ضبط کر لیتا تھا اور عقل و ہوش بحال ہوتا تھا لیکن جب ضبط کی طاقت نہ رہتی تو بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس وقت دل کی جنبش اور لرزش کی مقدار کیا ہوگی۔ ایک دن یہی حالت رونما ہوئی تو اس نیاز مند فقیر کا ہاتھ پکڑ کر مَیں نے دل پر رکھا تو فوراً مَیں جست لگا کر دوسری طرف جا پڑا۔ بس یہی یاد تھا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دل پر

رکھا تھا۔

سر منڈانا

اِس کے بعد سر منڈانے کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تک ہندوستان میں یہ رسم موجود ہے کہ جب کوئی شخص سلوک میں داخل ہوتا ہے تو سر کے بال چھوڑ کر لمبے کر لیتا ہے۔ لیکن پُرانے زمانے میں جب کوئی شخص سلوک میں قدم رکھتا تھا تو اس کا سر منڈوا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ کے زمانۂ مبارک میں سر منڈے ہوئے سالک کو بالوں والے سالک پر فضیلت حاصل تھی اور وہ مجلس میں آگے بیٹھتے تھے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ہو چکا تھا کہ سر منڈے صوفی آگے بیٹھتے میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت خواجہ گنجشکر رح کے ایک فرزند جن کے سر پر بال تھے حضرت محبوب الٰہی رح کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ حضرت خواجہ حسام الدین ملتانی جو حضرت محبوب الٰہی رح کے مرید و خلیفۂ برگزیدہ تھے، آئے اور پیرزادہ سے مقدم بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت محبوب الٰہی رح نے فرمایا کہ حسام الدین تم میرے مخدوم سے مقدم بیٹھ گئے ہو۔ یہ سُنتے ہی وہ نیاز بجا لائے اور اُٹھ کر پیچھے جا بیٹھے۔

مولوی محمد حسن صاحب راجن پوری رح

اِس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت خواجہ نور محمد نارووالہ کا وصال ہُوا تو حضرت قبلۂ عالم مہاروی رح نے اُن کے مُرید مولوی نور محمد بُزرگ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت سلطان الاولیاء (حضرت قاضی محمد عاقل رح) کے سپرد فرمایا اور اُن کے دوسرے مرید مولوی محمد حسن راجن پوری رح کو حضرت حافظ محمد جمال ملتانی کے سپرد کیا۔ پس مولوی محمد حسن رح اکثر ملتان آیا جایا کرتے تھے اور خوش الحان قوالوں کو بھی حضرت حافظ صاحب کو خوش کرنے کے لیے ساتھ لے جایا کرتے تھے ایک دفعہ ایک غیر محلوق (جس کا سر منڈا ہُوا نہ تھا) قوال کو ساتھ لے گئے۔ اور سارا راستہ ڈرتے رہے۔ جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ اس دفعہ ایک بے ادبی ہو گئی ہے بالوں والے قوال کو ساتھ لایا ہوں۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ قوال اسی طرح ہوتے ہیں۔ زیب و زینت ان کا شیوہ ہے۔

میاں اشرف محمد اور میاں خیر شاہ ساکن کھائی کا اتقیٰ

صاحب الروضہ کا دستور تھا کہ اکثر شرفاء مثل علماء و فقراء کے لیے لنگر سے وظیفہ و روزینہ مقرر تھا۔ چنانچہ میاں اشرف محمد اور میاں خیر شاہ ساکن کھائی جو بہت ہی پرہیز گار تھے، آپ کے لنگر سے روزینہ حاصل کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے چند گھوڑے غلہ سے لدے ہوئے ان کی طرف ارسال فرمائے تو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ حضرت شیخ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ حضرت سلطان الاولیاء فرماتے ہیں کہ مَیں یہ بات بھول گیا تھا کہ جو لوگ غلہ لے گئے تھے، سر پر بال رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک سر منڈے درویش کو اُن کے ہمراہ روانہ کیا تو شاہ صاحبان نے بلا عذر غلہ لے لیا۔

رموزِ اولیاء

اِس کے بعد رموزِ اولیاء کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ ہرات میں مجذوب رہتا تھا اور مولانا جامی رحؒ کبھی کبھی اُن کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک دن ہرات کا قاضی اور مولانا جامی اس مجذوب کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ نماز کا وقت آگیا۔ مجذوب نے کہا اٹھو تاکہ ہم سب نماز پڑھ لیں۔ پس مجذوب نے امامت کرائی اور مولانا جامی رحؒ نے اقتدا کی۔ لیکن قاضی صاحب نماز میں شریک نہ ہوئے بلکہ گھر چلے گئے۔ مجذوب نے نماز کی نیت یوں کی:۔ " اے پری گر مے پری بر بامِ قصرے آں پری۔ اللہ اکبر" (یعنی اے پَری جب تُو اُس پَری کے محل کی چھت پر پرواز کرے تو . . . . اللہ اکبر) مولانا جامی رحؒ نے اس مجذوب کے پیچھے پوری نماز پڑھی اور اعادہ نہ کیا۔ اِس کے بعد فرمایا کہ شیخ احمد غزالی رحؒ نے ایک دن نماز کی نیت میں یہ کہا:۔ " کافر شدم و زنّار بستم اللہ اکبر"[1] (مَیں کافر ہوا اور زنّار باندھا۔ اللہ اکبر")

---

[1] کافر ہونے سے مُراد ہے کہ چونکہ وجود ایک ہے اور وہ وجودِ حق ہے اور نماز میں دوئی کا اقرار کرنا پڑتا ہے یہ حقیقت کا انکار ہے اور اس حقیقت کا انکار کفر ہے۔ اسے اہل اللہ کی اصطلاح میں کفرِ حقیقی کہتے ہیں لیکن یہ کفر مذموم نہیں ہے مستحسن ہے اور اس کفر کا (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

حضرت ملا شاہ لاہوری کی نماز

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت مُلّا شاہ لاہوری نے جو حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری کے مُرید خلیفہ تھے بھی شیخ احمد غزالی کی طرح کہا کہ "مَیں عرش پر تھا نماز کی آذان سُنی تو اپنے آپ کو تحت الثریٰ میں دیکھا۔ لہذا مَیں اٹھا اور نماز ادا کی۔"

مقبوس ۵۹ : بوقت چاشت بروز شنبہ ۱۹ ذیقعد ۱۳۱۶ھ

مقابیس کی اصلاح کے بعد ہدایت عالم کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے یہ اشعار پڑھے ؎

دیکھو چال الوکھی پٹھڑی | کئی منج پہونتی کئی ومر مٹھڑی
نازتیڈے دی راندنہ کھٹڑی | گذریئے دہ آدم وے یار

اِس کے بعد فرمایا کہ میری کافی کے اِس مصرعہ میں اگرچہ محبتِ الٰہی کا بیان ہے لیکن اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ بہت سے آدم ہو گذرے ہیں چنانچہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رح نے بھی فرمایا ہے ؎

قصّہ ہائے یار وار و بس مقام | صد قیامت بگذرد ویں ناتمام

(دوست کے اوصاف کا بیان بہت طویل ہے بیان کرتے کرتے سَو قیامت گذر جائے لیکن پھر بھی ناتمام رہ جائے گا)

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ:

قرآن وحدیث میں حکم آیا ہے۔ چونکہ ایک لحاظ سے بندہ عین ہے اور ایک لحاظ سے غیر اس لیے غیر کے اعتبار سے صوم وصلوٰۃ واجب اور فرض ہے۔ عین کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب آدمی حقیقی معنوں میں اپنے آپ کو فنا کر کے ذاتِ حق میں گم ہو جاتا ہے اور خود کا احساس نہیں رہتا جب تک احساسِ خودی باقی ہے نماز فرض ہے۔ جب احساس مٹ گیا معذور ہے۔

چنگیزی مذہب

اِس کے بعد چنگیزیوں کے مذہب کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔آپ نے فرمایا کہ چنگیزی لوگ چنگیز خان کو وقت کا نبی کہتے ہیں۔کیونکہ چنگیز خان نے اپنا ایک نیا مذہب نکالا ہے اور اس مذہب کو چنگیزیہ کہتے ہیں۔احقر نے عرض کیا کہ اس مذہب کے عقائد کیا ہیں۔آپ نے فرمایا کہ دراصل معاملہ توحید باری تعالےٰ میں کسی شخص کو اختلاف نہیں ہے چنگیزی ہوں یا کوئی اور۔نیکی اور بدی کو بھی ہر شخص جانتا ہے۔باقی فروعات مثل حلال وحرام اس میں اختلاف ہے۔اِس کے بعد فرمایا کہ چنگیزی مذہب میں یہ رسم بھی ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی بیوی زندہ اس کے ساتھ قبر میں جا بیٹھے تو جائز ہے۔چنانچہ چنگیز خاں کے خاندان میں جو بادشاہ ہوئے ہیں اُن میں سے جو کوئی مر گیا ساٹھ ستّر عورتیں اس کی محبت میں اس کے ساتھ قبر میں مدفون ہوئیں۔اِس وجہ سے قبر میں وہ لوگ ایک فراخ تہ خانہ بناتے تھے اور مردہ کو اُس کے اندر رکھ کر ان عورتوں کو ان کے ساتھ بٹھا دیتے تھے اور قبر کو بند کر دیتے تھے۔وہ عورتیں خود بخود مر جاتی تھیں۔

کنواں پاک کرنے کا مسئلہ

اِس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ فلاں کوئیں سے ایک پُرانا جُوتا نِکلا ہے۔تمام حاضرین نے کہا کہ حضور ہم نے بھی اِس کوئیں سے وضو کیا ہے اب کیا کرنا چاہیئے۔مولوی غوث بخش ولد حافظ اللہ جوایا ساکن چاچڑاں جو بڑے عالم تھے اور حضرت اقدس کے خادمان میں سے تھے مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔اُن سے دریافت کیا گیا کہ فتویٰ کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ تین دن رات کی نمازوں کا اعادہ کیا جائے۔بدن کپڑے اور برتن پاک کیے جائیں اور کوئیں کا سارا پانی نکالا جائے۔آپ نے تبسّم سے فرمایا کہ کوئی شخص جائے اور وہ جُوتا لے آئے۔جب جُوتا لایا گیا تو آپ نے ملاحظہ فرمایا اور کہا کہ یہ جُوتا بہت پُرانا اور بیکار ہے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں پڑا ہوگا اور کسی بچے نے اٹھا کر کوئیں میں پھینک دیا ہوگا۔نیز یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ نجاست سے آلودہ تھا۔جوتا اِس قدر کہنہ ہے کہ ممکن ہے پہلے ناپاک ہو لیکن کئی بار بارش اس پر پڑی ہوگی۔نیز چونکہ چمڑہ یا جُوتا خواہ نیا ہو یا پُرانا بذاتِ خود ناپاک نہیں ہے اس لیے مَیں کہتا ہوں احتیاطاً یہ فتویٰ ہے کہ نماز وغیرہ کا اعادہ ضروری نہیں ہے اب کوئیں

کو پاک کر دینا چاہیئے۔ یہ سُن کر مولوی صاحب مذکور ذرا برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ امام اعظم کا فتویٰ یہ ہے کہ تین دن رات کی نماز کا اعادہ کیا جائے۔ آپ نے متبسّم ہو کر فرمایا کہ مولوی غلام رسول کو بلاؤ۔ جب وہ آئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب نجاست کا علم یقینی نہیں ہے تو فتویٰ وقوعہ کے علم کے وقت سے دیا جائے گا۔ یہ سُن کر مولوی غوث بخش نے غصّہ سے کہا کہ آپ نے یہ فتویٰ اپنی مرضی کے مطابق دیا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ مولوی غلام رسول نے کہا جو فتویٰ آپ نے دیا ہے یہ کوئیں میں کسی جانور کے گِرنے پر دِیا جاتا ہے یعنی اگر کوئی جانور کوئیں میں گِر کر مر جائے تو ایک دن رات کی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے جُوتے کا فتویٰ علیحدہ ہے۔ اس اثنا میں مولوی تاج محمود جو حضرت اقدس کے متعلقین میں سے تھے آ گئے۔ جب اُن سے مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے بھی مولوی غلام رسول سے اتفاق رائے کیا۔ آپ نے فرمایا زبانی بحث کس لیے کر رہے ہو فقہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لو۔ چنانچہ انہوں نے کتاب شرح وقایہ اور درّالمختار کا مطالعہ کیا تو فتویٰ اُسی طرح نکلا۔ جس طرح مولوی غلام رسول نے بتایا تھا۔ اِس کے بعد حضرت اقدس نے خود شرح وقایہ کھول کر کچھ عبارت پڑھی تو فرمایا کہ تم لوگ صرف امام محمد کا نام لے رہے تھے لفظ قالا (یعنی دو آدمیوں نے کہا) سے تو یہ ظاہر ہے کہ امام محمد کے ساتھ امام یوسف رح ایک طرف ہیں اور امامِ اعظم ایک طرف۔ پس اِسی صورت میں قاعدہ یہ ہے کہ مفتی کو اختیار ہے کہ امامِ اعظم کا قول اختیار کرے یا اُن کے شاگرد کا۔ ایک دن رات یا تین دن رات کی نمازوں کے اعادہ کا سوال تو کسی جانور کے کوئیں میں گرنے سے لازم آتا ہے۔ جُوتا گرنے کی صورت میں تو صرف تین سو بوکا (بالٹی) نکالنے کی ضرورت ہے اور یہ وضو جو ہم نے اس پانی سے کیا ہے جائز ہے کیونکہ نجاست کے علم سے پہلے یہ وضو کیا گیا تھا۔ اِس سے مولوی غوث بخش صاحب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہی کے زمانے میں بھی اِس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا انہوں نے احتیاط کے طور پر بو کے نکالنے کا حکم دیا تھا لیکن نمازوں کا اعادہ نہیں کرایا تھا۔

مقبوس ۶: بوقت زوال بروز یکشنبہ ۲۰ ذیقعد ۱۳۱۶ھ

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا آسمان پر جانا اور واپس آنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے

جانے کا ذکر ہو رہا تھا ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اس جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے تھے یا معروف موت کے بعد آپ کی روح مرفوع ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ باقی انبیاء اور اولیاء کی طرح مرفوع ہوئے ہیں لیکن عیسائی لوگ ان کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کے ہرگز قائل نہیں ہیں اور منکر ہیں۔ مَیں نے نصرانی اکابر سے دریافت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام نے اس بارے میں فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قیامت کے دن واپس آئیں گے۔ چنانچہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دو دفعہ غیب ہونے کے قائل ہیں۔ ایک غیبت صغریٰ دوسری غیبت کبریٰ۔ غیبتِ صغریٰ سے وہ عرصہ مراد لیتے ہیں کہ جب سُولی چڑھانے کے بعد آپ قبر میں دفن ہوئے اور تین دن اور تین رات قبر میں رہنے کے بعد آپ کی روح اُوپر چلی گئی۔ قبر سے خروج کے چالیس دن بعد تک آپ ہر روز حواریں کے سامنے ظاہر ہوتے تھے اور نصیحت تلقین و تربیتِ حواریں کے بعد گُم ہو جاتے تھے۔ چالیس دن کے بعد آپ آسمان پر چلے گئے اور پھر واپس نہ آئے۔ یہ ہے غیبتِ صغریٰ (یعنی کم عرصہ کے لیے غیب ہونا)۔ جب چالیس دن کے بعد آپ نے حواریں کو الوداع کہا تو فرمایا کہ اب مَیں آسمان پر جا رہا ہوں اور پھر تمہارے پاس واپس نہیں آؤں گا۔ لیکن جب ساری خلقت میرے باپ (خدا تعالیٰ) کے سامنے جمع ہو گی اور سب کا حساب کتاب ہو گا تو مَیں باپ کے پہلو میں بیٹھا ہُوا ہوں گا۔ اس دن سے قیامت تک کے عرصہ کو عیسائی لوگ غیبتِ کبریٰ (طویل غیر حاضری) کہتے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں دوبارہ واپس آنا صحیح نہیں ہے۔

تعویذ برائے دفع تپ غب

اِس کے بعد فرمایا کہ دفع تپ غب کے لیے ایک تعویذ لکھا جاتا ہے جو حسب ذیل ہے:

وُلد عیسٰے اریاکریا خرُج عیسٰے اریاکریا رُفع عیسٰے اریاکریا

اس تعویذ خرُج عیسٰے اریاکریا کہ "وُلدِ عیسٰے" سے مُراد حضرت عیسٰے علیہ السّلام کا حضرت بی بی مریمؑ کے بطن سے پیدا ہونا مُراد ہے اور "خرُج عیسٰے" سے مُراد آپ کا دفن ہونے کے بعد قبر سے باہر آنا ہے اور "رفع عیسٰے" سے آپ کا آسمان پر جانا مُراد ہے۔

مقبوس ۶۱: بوقت نیم روز بروز دوشنبہ ۱۲، ذیقعد ۱۳۱۶ھ

چند مقابیس کی تصحیح کے بعد مسئلہ قضا قدر کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔

مسئلہ قضاو قدر کا صحیح حل

مجلس میں ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے حضرت اقدس نے ان سے دریافت کیا کہ الایمان بین القدر والجبر (ایمان قدر اور جبر کے درمیان ہے) کے کیا معنی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور جو کچھ کتب عقائد اور اہلِ سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے متکلمین حضرات کی تحریرات میں لکھا ہے یہ ہے کہ ایمان جبر اور قدر کے درمیان ہے یعنی ایک تیسرا امر ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ عرصہ سے مَیں اِس مسئلہ میں حیران ہوں لیکن اب تک تحقیق نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اِس عبارت کے معنی صوفیاءِ کرام کی طرح کیے جائیں تو متکلمین کے بیانات سے ہرگز کوئی بات نہیں نکلتی۔ صوفیاءِ کرام یہ معنی لیتے ہیں کہ یکبارگی نہ صرف جبر ہے اور نہ یکبارگی محض قدر ہے بلکہ ایک لحاظ سے جبر ہے اور ایک لحاظ سے قدر ہے یعنی ایک لحاظ سے آدمی مجبور اور بے اختیار ہے اور ایک لحاظ سے قادر اور مختار ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ الایمانُ بین الخوفِ والرجا کے بھی یہی معنی ہیں۔

صفات عینِ حق ہیں یا غیر

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ جو متکلمین نے کہا ہے کہ صِفَاتُ اللّٰہِ ھِیَ لَا عینہ ولا غیرہ

(اللہ تعالےٰ کے صفات نہ اس کے عین ہیں نہ غیر) اس کے اگر صوفیاءِ کرام کے موافق معنی نہ کیے جائیں تو معنی صحیح نہیں آتے۔ صوفیاءِ کرام یہ معنی لیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے صفات از روئے مفہوم اس کا عین نہیں ہیں بلکہ غیر ہیں اس وجہ سے کہ ہر صفت کا مفہوم دوسری صفت کے مفہوم کے خلاف ہے جیساکہ ہدایت اور ضلالت (گمراہی)۔ ضلالت کا مفہوم یہ تقاضا کرتا ہے کہ میں مُضِلّ (گمراہ کرنے والا کی) ذات سے قائم ہوں اور ہدایت کا مفہوم اس بات کا مقتضی ہے کہ میرا موصوف ذاتِ ہادی ہے۔ لیکن از روئے صِدق و تحقیق صفات موصوف کا عین ہیں نہ کہ غیر، اس وجہ سے کہ ان کا مَاصَدَق علیہ اور تحقق فیہ ایک ہی ہے۔ یہاں تعدّد کی بُو تک نہیں ہے[1]

حکماء اور فلاسفہ کا مسلک

اِس کے بعد حضرت اقدس نے اِس عالم سے دریافت فرمایا کہ حکماء اور فلاسفہ نے صفات باری تعالےٰ کے متعلق کیا کہا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حکماء نے صفات کی نفی کی ہے صرف توحید ذات کو بیان کیا ہے۔

---

[1] مطلب یہ ہوا کہ صفت ضلالت اسم پاک مُضِلّ کی عین ہے اور اسم پاک ہادی کی غیر ہے۔ اِسی طرح صفتِ ہدایت اسم پاک ہادی کی عین اور اسم پاک مضلّ کی غیر ہے۔ لیکن چونکہ ہادی اور مضلّ ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں اور دو کا وجود تک نہیں۔ اِس لحاظ سے دونوں صفات حق تعالےٰ کا عین ہیں۔ اِسی طرح مسئلہ وحدت الوجود حل کیا جا سکتا ہے۔ اگر صفات کو موصوف کا عین مانا جائے تو وحدت الوجود قائم اور صحیح ہے۔ اگر دوسرے لحاظ سے صفاتِ حق کو ذاتِ حق کا غیر مانا جائے تو بھی صحیح ہے۔ اِس لحاظ سے وحدت الوجود صحیح نہیں ہوگا۔ احقر مترجم نے سابقہ صفحات میں اور نیز اپنی کتاب مشاہدۂ حق میں یہی موقف اختیار کیا ہے جو صوفیاءِ کرام کے عقائد کے مطابق ہے کیونکہ صوفیائے کرام ایک لحاظ سے کائنات کو عین مانتے ہیں اور ایک لحاظ سے غیر۔

ذات وصفات کا تعلق

آپ نے فرمایا کہ ذات من حیث الذات نے جہاں سلب اور ثبوت دونوں منسوب ہیں۔ تنزّل میں سب سے پہلے تعین اوّل یعنی حقیقت محمدی میں ظہور کیا۔ صفات کا مرتبہ اس کے بعد کا ہے اس وجہ سے کہ صفات کا مرتبہ تعین ثانی کا ہے جو تعین اوّل کی تفصیل ہے اور یہی ہے رُتبۂ الوہیت و ربوبیت (یعنی تعین اول سے قبل رُتبہ الوہیت ہے اور اس کے بعد رتبہ ربوبیت جو صفات کا عالم ہے)۔ پس غور کرنا چاہیئے کہ باوجودیکہ یہ دونوں مراتب الٰہی ہیں مگر از حیثیت تعین جہاں امکان (ممکن اور حادث ہونا) لازم آتا ہے دوئی وجود میں آتی ہے اور وجوب و غنا جو ذاتِ بحت کا خاصہ ہیں۔ یہاں ختم ہو جاتے ہیں۔ (یعنی مختلف تعینات اور اشیائے کثرت کے حق میں واجب الوجود نہیں بلکہ ممکن اور حادث کہا جاسکتا ہے) اس جگہ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مسئلہ نہایت نازک اور ادق ہے اور ہر شخص کی عقل میں نہیں آسکتا۔ یہ سُن کر احقر کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہاں حاصل عجز و حیرت ہے۔ اِس خیال سے مطلع ہو کر آپ نے فرمایا کہ اس مسئلہ قدر و جبر اور توحید (وحدت الوجود) کی اچھی طرح وضاحت اور انکشاف نہ ہونے کا سبب یہ ہے حقیقتِ اسرار الٰہیہ کی کنہ تک کوئی شخص نہیں پہنچ سکا۔ نہ حکماء کی عقل کی وہاں رسائی ہے نہ اولیاء کے کشف کی۔ سب عاجز ہیں[1]

حیرت آخری مقام ہے

اِس کے بعد فرمایا کہ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اگرچہ تمام منتہیون (انتہا کو پہنچے ہوئے) کے منتہی ہیں لیکن ذاتِ پاک حق سبحانہٗ تعالےٰ کی نسبت میں آپ بھی مبتدی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے

---

[1] امام غزالی رح کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ حق تعالےٰ کی ذات و صفات میں حیران و ششدر رہ جانا انبیاء اور اولیاء کا آخری مقام ہے لیکن حیرت دو قسم کی ہے۔ ایک حیرت محمودہ، دوسری حیرت مذمومہ۔ حیرت مذمومہ جہلا کی حیرت ہے جو حقیقت سے ذرا بھر آگاہ نہیں۔ حیرت محمودہ عارفین کی حیرت ہے جو حقیقت سے حتی الوسع آگاہ ہیں لیکن کماحقہٗ آگاہ نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ فرماتے ہیں کہ العجز عن درک الادراک ادراک (حقیقت کے ادراک سے عجز کا نام ادراک یعنی معرفت ہے اور یہی حیرت محمودہ ہے)

یہ فرما کر قصہ کو تاہ کر دیا ہے کہ لَا اُحْصِیْ ثَنَا عَلَیْكَ كَمَا اَنْتَ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ (مجھے تیری ثنا کا مقدور نہیں جیسا کہ تُو نے اپنی ثنا آپ کی ہے)۔

اِس کے بعد فرمایا کہ روح جو مخلوقات میں سے ہے اس کی حقیقت و ماہیت اِس طرح بے مثل، بے چوں، و بے چگوں ہے کہ اس کی کنہ و کیفیت کے متعلق کسی کو علم نہیں۔ اور نہ کوئی کچھ بتا سکتا ہے۔ جب یہ معلوم تھا کہ حقیقتِ روح کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اِس وجہ سے شرع شریف میں اس کے متعلق علم کی نہی اور ممانعت آئی ہے۔ فرمان ہوتا ہے کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (کہہ دو کہ روح عالم امر سے ہے) وجہ یہ ہے کہ حقیقت روح کا ادراک حسِّ کشفی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اگرچہ اہلِ کشف کو حقیقت روح کے متعلق علم ہو جاتا ہے لیکن اس کی کیفیت اِس ظاہری حس سے بیان نہیں کی جا سکتی۔ جس طرح ایک مادرزاد اندھا مختلف رنگ یعنی سفید، سُرخ، سیاہ، سبز، زرد وغیرہ کے متعلق کچھ بیان نہیں کر سکتا اِسی طرح روح کی کیفیت بھی عقل کے ادراک سے باہر ہے۔ جب روح کی کیفیت کا یہ حال ہے تو ذات بحت اور اس کے اسرار و رموز، جو رُوح سے کئی درجے بلند و برتر ہیں کس طرح عقل میں آ سکتے ہیں۔

امام غزالی کا ناتمام سلوک

اِس کے بعد فرمایا کہ "نفحات الانس" میں لکھا ہے کہ شیخ رُکن الدین علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مَیں نے علم کشف میں امام محمد غزالی رح کو دیکھا کہ قلم منہ میں لیے متحیر بیٹھے ہیں۔ مَیں نے پوچھا کہ اے امام اس قدر حیران کیوں بیٹھے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ مَیں نے دنیا میں سیمرغ کی بہت صفات لکھی ہیں اب دیکھتا ہوں کہ سب غلط لکھی ہیں۔ شیخ رُکن الدّین رح لکھتے ہیں کہ مَیں نے یہ قصہ حضرت شیخ نور الدین اسفرائی رح کے سامنے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے معرفت میں کلام کرنے کا بے حد شوق تھا۔ ایک دن مَیں نے عالم واقعہ (کشف) میں دیکھا کہ مجھے حق سبحانہٗ تعالےٰ فرما رہے ہیں کہ تجھے معلوم نہیں کہ امام غزالی ہمارے پاس کیا حسرت لائے ہیں۔ وہ حسرت یہ ہے کہ سلوک تمام کئے بغیر ہمارے حضور میں آ گئے ہیں[1]۔

---

[1] امام غزالی کے سلوک ناتمام ہونے کی تائید ایک اور واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ ایک دن احقر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرب و نسبت میں فرق

اِس کے بعد اس موضوع پر گفتگو ہونے لگی کہ کشف یا واقعہ میں ہر شخص کو اس کے پیر کی افضلیت نظر آتی ہے

اس اثنا میں راقم الحروف نے عرض کیا کہ قبلہ ہم لوگ بھی یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارے پیر کے برابر دنیا میں کوئی بزرگ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بعض کہتے ہیں کہ

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ:

مترجم امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم دہلی سے خرید کر اپنے شیخ حضرت مولانا سید محمد ذوقی قدس سرہٗ مصنف سرِ دلبراں کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ امام غزالی کا کمال ہے کہ ایسی بلند پایہ تصانیف اُن سے وجود میں آئی ہے۔ آپ نے فرمایا" ہاں تصنیف کی دنیا میں" یہ سُن کر بات تو قدرے سمجھ میں آگئی لیکن مزید دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اِس واقعہ کے پچیس سال بعد احقر نے کتاب مراۃ الاسرار کا فارسی سے اردو ترجمہ کرتے وقت یہ قصہ پڑھا جو حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے اوپر بیان فرمایا ہے اس سے احقر کے شیخ علیہ الرحمہ کے اُس قول کی تصدیق ہوگئی جو پچیس سال قبل سُنا تھا۔ اب احقر کے دل میں یہ مخمصہ پیدا ہوا کہ ایک طرف تو کسی بزرگ کا کشف یہ کہتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم ارواح میں جب حضرت موسٰے علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت موسٰےؑ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ حضور کی حدیث علماء امتی کا انبیا بنی اسرائیل (میری امت کے اولیاء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں) کا اشارہ کن بزرگوں کی طرف سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے امام غزالیؒ کی روح کی جانب اشارہ فرمایا۔ حضرت موسٰےؑ نے امام غزالیؒ سے نام دریافت کیا تو انھوں نے نام کے ساتھ اپنے باپ دادا پردادا کا نام اور پیشہ بھی بتا دیا۔ حضرت موسٰےؑ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو صرف نام پوچھا تھا تم نے سب کچھ بتا دیا۔ امام غزالی نے جواب دیا کہ آپ سے بھی اللہ تعالےٰ نے صرف یہ پوچھا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ صرف یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ عصا ہے لیکن آپ نے یہ بھی کہا کہ اس عصا سے فلاں کام لیتا ہوں فلاں کام لیتا ہوں۔ امام غزالی کا مطلب یہ تھا کہ بڑی ہستی کے سامنے ہر شخص کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ سلسلہ کلام زیادہ دراز ہو۔ لیکن یہ الزامی جواب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آیا اور آپؐ نے امام غزالی کا کاندھا تھاپ کر فرمایا کہ غزالی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سلوک میں شرک بھی کام دے جاتا ہے۔ یعنی سلوک میں اپنے شیخ کے خاص تعیّن کے ساتھ تعلّق قائم کرنا اور محبت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر سلوک طے نہیں ہوتا۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا معاملہ ہے۔ فنا فی الشیخ کے بعد فنا فی الرسول حاصل کیے بغیر نسبت کا حصول ناممکن ہے۔ فرمایا اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ اپنے پیر کے سوا کوئی اور بزرگ اس کو خدا سے ملادے گا تو ایسا شخص نعمتِ فقر اور ولایت سے محروم ہے۔ اُسے ہرگز نسبت حاصل نہ ہوگی (نسبت سے مراد ایک خاص تعلّق ہے جو بندہ کو اللہ سے ہوتا ہے۔ قرب اور نسبت میں یہ فرق ہے کہ بادشاہ کے دربار میں حضوری اور قرب تو متعدد افراد کو حاصل ہوتا ہے لیکن خاص تعلق مخصوص افراد مثل بیوی، بچے، وزیرِ اعظم اور خادم خاص سے ہوتا ہے۔ اس خاص تعلق کا نام نسبت ہے) اس کے بعد فرمایا کہ شیخ احمد مجدّد الف ثانی بڑے متشرع تھے۔ یہاں تک کہ وحدت الوجود

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ:

ادّب ادّب (یعنی ادب کرو) کہتے ہیں کہ جب امام غزالی پیدا ہوئے تو کاندھے پر آنحضرت ص کے ہاتھ کا نشان تھا۔ اب احقر مترجم کے دل میں یہ مخمصہ پیدا ہُوا کہ امام غزالی جیسے نبی کی شان والے ولی اللہ کا سلوک ناتمام رہ جانا کیسی بات ہے۔ غور کے بعد شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کی بات یاد آئی۔ آپ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں کہ مجھے آں حضرت کی زیارت ہوئی تو عرض کیا کہ حضور صحابہ کرام میں کون افضل ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا کہ شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس کے ساتھ حضور اقدس نے وجہ بھی بتائی کہ شیخین حامل احکام نبوّت ہیں اور علی رضہ حامل احکام ولایت ہیں۔ اور نبوّت ولایت سے افضل ہے۔ اس سے احقر کو یہ بات سمجھ میں آگئی کہ امام غزالی اگرچہ کم عمری کی وجہ سے ولایت کے تمام مقامات طے نہ کرسکے ہوں گے لیکن نبوّت کے احکام کی نشر و اشاعت میں انھوں نے کمال کیا ہے اس لیے انبیاء بنی اسرائیل کے ہم مرتبہ ٹھہرے۔ اس سے دونوں روایات کی تطبیق ہو جاتی ہے۔

کے بھی بظاہر قائل نہیں تھے۔ [ف۱] اس کے باوجود آپ نے ایک کتاب میں لکھا ہے کہ مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ کمال اتحاد اور ربطِ تمام اُس وقت حاصل ہُوا جب مَیں نے حق تعالےٰ سے اس لیے محبت کی کہ خالقِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہیں۔

مقبوس ۶۲: بوقت ظہر بروز پنجشنبہ ۲۴ ذیقعد ۱۳۱۶ھ

کُتّے کا گوشت

گفتگو اس بارے میں شروع ہوئی کہ امام مالک کے نزدیک کُتّے کا گوشت حلال ہے۔ حضرت اقدس نے ایک عالم سے دریافت کیا کہ یہ معاملہ کس طرح ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قبلہ مَیں نے یہ بات کسی فقہ کی کتاب میں نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا کہ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ شیخ ابو عبد اللہ خفیفؒ سفر کے دوران حضرت شیخ ابو ذرعہ رحؒ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ انہوں نے کچھ گوشت پکا کر شیخ ابو عبد اللہ کے سامنے رکھا لیکن انہوں نے نہ کھایا۔ جب اُن کو وداع کر کے سفر پر روانہ ہوئے تو راستہ بھُول گئے اور صحرا میں چار دن تک کھانے کو کچھ نہ ملا۔ شیخ ابو عبد اللہ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ آؤ دعا مانگیں کہ خدا تعالےٰ کوئی شکار عطا کرے۔

[ف۱] اکثر یہی مشہور ہے کہ حضرت مجدّد الف ثانی وحدت الوجود کے قائل نہیں بلکہ وحدت الشہود کے قائل تھے۔ لیکن حضرت مولانا سیّد محمد ذوقی شاہ رحؒ نے اپنی کتاب مضامین ذوقی میں حضرت مجدّد صاحب کے مکتوبات کے حوالہ جات دے کر ثابت کیا ہے کہ شروع میں آپ کا مسلک وحدت الشہود تھا لیکن بعدہٗ مراتب بلند ہونے پر آپ پر وحدت الوجود کی تجلّی ہوئی اور یہی آپ کا مسلک ہو گیا۔ وحدت الوجود سے مراد ہمہ اوست ہے اور وحدت الشہود سے مراد ہمہ از وست ہے۔ لیکن در حقیقت ہمہ اوست اور ہمہ از وست میں کوئی فرق نہیں۔ صرف احتیاطاً ہمہ از وست یا وحدت الشہود کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ویسے مکتوبات امام ربّانی مجدّد الف ثانی سے وحدت الوجود بھی ثابت ہے۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ اسمٰعیل نے بھی ثابت کیا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں نزاع لفظی ہے

یہ کہتا تھا کہ وہاں ایک کُتّا نمودار ہُوا۔ چونکہ بھُوک سے سب کی حالت خراب تھی۔ انہوں نے کُتّے کو پکڑ کر ذبح کیا اور امام مالک کے مذہب کے مطابق اس کے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لیے، کُتّے کا سر حضرت ابو عبداللہ کے حصّے میں آیا۔ سب لوگوں نے مجبور ہو کر کتّے کا گوشت کھایا لیکن شیخ ابو عبداللہ نے نہ کھایا اور سو چتے رہے حتّٰی کہ ساری رات گذر گئی۔ جب صبح تہجد کے لیے اُٹھے تو کُتّے کے سر سے آواز آئی کہ اے شیخ یہ سزا اس شخص کے لیے ہے جس نے شیخ ابو ذرعہ کا دیا ہُوا گوشت نہیں کھایا۔ شیخ ابو عبداللہ اُسی وقت اٹھے اور اپنے اصحاب کو بیدار کیا اور کہا کہ آؤ تاکہ شیخ ابو ذرعہ کی خدمت میں جا کر معافی مانگیں۔ چنانچہ سب نے جا کر ان سے معافی مانگی اور دوبارہ سفر پر روانہ ہوئے۔ اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر امام مالک کے مذہب میں یہ اجازت نہ ہوتی تو مشائخ یہ باتیں کیوں کرتے اور کیوں لکھتے۔ مجبُوری کی حالت میں حرام چیز کا گوشت کھانا تمام ائمہ کرام نے جائز قرار دیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ عام مشہور ہے کہ آخری عمر میں شیخ ابو ذرعہ صوفیاء کے مخالف ہو گئے تھے۔ یہ بات صحیح نہیں بلکہ آپ ایک ایسے صوفی کے خلاف ہو گئے تھے جو بظاہر صوفی تھا لیکن باطن میں کذب و ریا سے خالی نہ تھا۔

مقبوس ۶۳: بوقت ظہر بروز پنجشنبہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

حکماء اور صفاتِ الٰہی

صفاتِ الٰہی کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حکماء فلاسفہ صفاتِ الٰہیہ کے قائل نہیں ہیں۔ یعنی وہ صفات کی نفی کرتے ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اثباتِ صفات سے تعدّد ذاتِ واجب الوجود لازم آتا ہے یعنی واجب بہت ہو جاتے ہیں لیکن ان کا مقصد ذاتِ وحدتِ وجود کو ایک ثابت کرنا ہے نہ کہ ایک سے زیادہ وجود۔ اس اثناء میں حاضرین مجلس میں سے کسی نے حکماء پر طنز کی۔ اس پر حضرت اقدس نے متبسم ہو کر

فرمایا کہ صوفیائے کرام نے بھی بعض مسائل میں حکماء کے مذہب کی طرف رجوع کیا ہے۔ چنانچہ اسی مسئلۂ صفات میں انہوں نے ذاتِ ساذج و ذاتِ بحت (سادہ اور خالص ذات) کے لیے صفات اور عدمِ صفات کا اعتبار نہیں کیا۔ صوفیاء نے مراتب تنزلات میں صفات کا اثبات کیا ہے اور یہاں تعددِ وجود کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ حکماء کا قول ہے کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ عالم ہیں بغیر علم کے، مرید (صاحبِ ارادہ) ہیں بغیر ارادہ کے، قادر ہیں بغیر قدرت کے، سمیع ہیں بغیر سمع کے، بصیر ہیں بغیر بصارت کے، کلیم ہیں بغیر کلام کے یعنی حکماء کا خیال تمام صفاتِ سبعہ جن کو امہات صفات کہتے ہیں یعنی حیات[۱]، علم[۲]، ارادہ[۳]، قدرت[۴]، سمع[۵]، بصر[۶]، کلام[۷]۔ اِن کے متعلق وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

جبر و قدر

اِس کے بعد جبر و قدر کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ معتزلہ بھی قدری ہیں (قدر کے قائل ہیں)۔ کسی نے عرض کیا کہ قبلہ قدری کسے کہتے ہیں۔ فرمایا کہ فرقۂ معتزلہ یعنی قدریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ لوگ اپنے افعال کے آپ خالق ہیں نہ کہ خدا تعالیٰ یعنی لوگ اپنے اعمال و افعال پیدا کرنے میں خود قادر ہیں۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر خالق افعال خدا تعالےٰ ہے تو عذاب و عتاب کے کیا معنی۔ اس سے تو خدا تعالےٰ کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالےٰ ہرگز ظالم نہیں ہے یہ کہہ کر انہوں نے قرآن کی تمام آیات مثل وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ــــ (اللہ تعالےٰ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے) وغیرہ تمام آیات و احادیث کی تاویل کی ہے (یعنی اور مطلب نکالے ہیں) نیز فرمایا کہ معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتا لیکن اہلِ سنّت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہ معاف کیے جا سکتے ہیں سوائے شرک اور عقیدہ دوئی کے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام گناہ معاف کر دیں گے سوائے شرک کے جس کے لیے چاہیں۔

شیخ عبد الستارؒ و شیخ جلیٹھا بھبۂ رح

اِس کے بعد حضرت شیخ عبد الستارؒ اور حضرت شیخ جلیٹھا بھبۂ رح کی بزرگی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ کسی نے عرض کیا کہ شیخ عبد الستارؒ سہروردی ہیں

اور حضرت شیخ غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی قدس سرہٗ کے مرید ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خاص ان کے مرید نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ایک خلیفہ کے مرید ہیں اور شیخ جلیٹھا بھٹہ اور شیخ غلام محی الدین تینوں بھائی قادری ہیں۔ اور حضرت غوث بہاؤ الحق کے زمانے سے بھی پہلے ہو گذرے ہیں۔ ان تینوں بھائیوں کی اولاد نہیں تھی۔ اُن کے بعد جتنے لوگ متولی خانقاہ ہوئے ہیں مثل میاں رُکن الدین وغیرہ ان میں سے پانچ شخص فقیر تھے اور سب سہروردی تھے جن کا سلسلہ چند واسطوں سے حضرت غوث بہاؤ الحق سے جا ملتا ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارے ملک کے لوگوں کا رجوع زیادہ تر چار مقامات کی طرف ہے ایک سخی سرور رحؒ دوسرے حضرت غوث بہاؤ الحق رحؒ تیسرے حضرت بندگی محمد غوث اوچی رحؒ چوتھے حضرت شیخ جیٹھا بھٹہ رحؒ۔

ظہورِ کرامت کس سے زیادہ ہوتا ہے

اِس کے بعد میاں نبی بخش مہر یو الہ نے عرض کیا یہ حضرات فقراء ہیں اِسی لیے اِن سے زیادہ تصرف ظاہر ہوتا ہے اور زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں عالی مرتبہ مشائخ عظام کی طرف لوگوں کا رجوع کم ہوتا ہے اِس وجہ سے کہ وہ دُور بیٹھتے ہیں[۱] چنانچہ حضور حضرت سرورِ کائنات، صاحبِ لولاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے لیے کم لوگ جاتے ہیں لیکن اِن فقراء اور درویشوں کے ہاں جن کا مرتبہ کم ہے بہت لوگ جاتے ہیں اِس لیے کہ ان کم مرتبہ درویشوں سے لوگوں کے کام اور حاجات بہت اور جلدی پورے ہوتے ہیں۔

اعجازِ قرآن

اِس کے بعد اعجازِ قرآن کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن چند کفار نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

حہ[۱] یعنی ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔

ہمیں کہتے ہیں کہ جس کی تم لوگ پرستش کرتے ہو وہ دوزخ کا ایندھن ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔ آج ایک دلیل ہمارے ہاتھ آئی ہے وہ یہ کہ ہم چلیں اور ان کو کہیں نصرانی لوگ حضرت عیسیٰؑ کی اور یہودی حضرت عزیرؑ کی پرستش کرتے ہیں اس لیے یہ دونوں پیغمبر آپ کے قول کے مطابق دوزخ کا ایندھن ہیں۔ حالانکہ آپ کہتے ہیں انبیاء پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔ ان کی تردید کے لیے اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ (بلاشبہ اے مشرکین تم اور جو کچھ تم خدا کے سوا پوجتے ہو بتوں، اور درختوں میں سے دوزخ کا ایندھن ہو تم اپنے بتوں سمیت دوزخ میں داخل ہو گے)۔ کافروں کی تردید اس بات سے ہو گئی کہ یہ کلمات غیر ذی عقول کے لیے ہیں یعنی مشرکین کے تمام بت اور درخت جن کی وہ پرستش کرتے تھے سب غیر ذی عقول ہیں۔ اس سے آدمی اور ملائکہ جو ذی عقول ہیں خارج ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ قریش اور دیگر عرب شریف کے لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی قسم کے مقابلے کئے۔ جب وہ لوگ شعر و سخن اور فصاحت و بلاغت کے میدان میں مقابلہ کرتے تھے تو ان کی فصاحت و بلاغت کو قرآنِ عظیم توڑ کر رکھ دیتا تھا۔ عرب کے فصحاء اور بلغاء (جمع فصیح و بلیغ) میں سے کوئی شخص قرآن شریف کی طرح کلام نہیں لا سکتا تھا۔ اگر وہ لوگ میدانِ جنگ میں مقابلہ کرتے تھے تو پھر بھی شکست کھاتے تھے۔ اور ذلیل و خوار ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگِ بدر میں قریش کے اکثر سردار مارے گئے۔ آخر تمام مقابلوں میں عاجز آ کر انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب جنگِ بدر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے حضرت حذیفہؓ کا باپ مارا گیا تو ان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ آں حضرتؐ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ابی حذیفہ مرتد ہوتے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتد ہونے کا خیال ہرگز میرے دل میں نہیں آیا۔

لیکن مجھے یہ افسوس ہوا ہے کہ میرا والد سلیم الطبع اور صاحب انصاف تھا اور حق کو باطل سے جُدا کرتا تھا۔ مَیں اس انتظار میں تھا کہ ابھی اس پر آں حضرتؐ کی نبوت آشکارا ہوتی ہے اور ایمان لانے والا ہے۔ لیکن اب جبکہ وہ مارا گیا ہے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس دانائی کے باوجود کفر پر مرا ہے۔ یہ سُن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت ابو حذیفہ رضؓ کے ہر بنِ مو پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر ہو چکا تھا اِس لیے کیا خوب جواب دیا۔

حضرت بھٹی صاحب چیلاوہنی رح

اِس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت بھٹی صاحب چیلاوہنی حضرت قبلۂ عالم مہاروی کے خلیفہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم حضرت قبلۂ عالم کے تمام خلفاء کو اصحابِ رسول اللہ صلعم کے ساتھ نسبت دے کر اُن کے ناموں سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحب یعنی سلطان الاولیاء کو ابی بکر صدیق، اور کسی کو کسی صحابی کے نام پر اور کسی کو کسی صحابی کے نام پر یاد کرتے تھے۔ حضرت بھٹی صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس صحابی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا خیر ہمیں کوئی نہیں پوچھتا کہ کون ہے۔ جب سوال کرنے والوں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ مجھے ابی ہریرہ رضؓ کہتے تھے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ اکثر صحابہ کرام کے بعد مشرف باسلام ہوئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کو کم صحبت ملی ہے۔ لیکن آپ سے اِس کثرت سے احادیث کی روایت ہوئی ہے کہ کسی صحابی سے نہیں۔ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور مجھے احادیث یاد نہیں رہتیں اور جلدی سے بھول جاتی ہیں۔ دعا کیجیے کہ یاد رہ جائیں۔ آپؐ نے اُن کے حق میں دعا فرمائی اور توجّہ کی۔ اِس کے بعد جو کچھ آں حضرت سے سُنتے تھے حفظ ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے بکثرت احادیث مروی ہیں اسی طرح حضرت قبلۂ عالم مہاروی کے متعلق جتنے حالات حضرت بھٹی صاحب نے بیان کیے ہیں کسی اور خلیفہ نے بیان نہیں کیے۔ چنانچہ حضرت بھٹی صاحب نے اپنے قضائے حاجت اور سونے کے لیے وہی اوقات مقرّر کر رکھے تھے جو حضرت قبلۂ عالم رح کے

اوقات تھے تاکہ باقی تمام وقت آپ کے عادات، احوال وافعال پر نظر رکھ سکیں نیز جس طرح حضرت ابی ہریرہ رضؓ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا کم وقت نصیب ہُوا۔ حضرت بھٹی صاحب بھی سب خلفاء کے بعد بعیت سے مشرف ہوئے اور آپ کو حضرت قبلہ عالم رح کی صحبت بہت کم نصیب ہوئی ہے۔ چنانچہ جہاں دوسرے خلفاء کو حضرت شیخ کی صحبت کے پچیس تیس سال ملے۔ حضرت بھٹی صاحب کو دس سال سے بھی کم عرصہ نصیب ہوا لیکن جونہی مرید ہوئے چند سال متواتر حضرت قبلہ عالم رح کی صحبت میں گذار دیئے اور ان کے وصال کے بعد ساری عمر آستانہ شریف پر بسر کی کسی نے عرض کیا کہ حضور حافظ محمد اکمل و حافظ محمد افضل اُن کے فرزند ہیں یا نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ وہ اُن کے برادر زادگان ہیں۔ ان کے والد میاں غلام مرتضیٰ تھے جو بھٹی صاحب کے برادر حقیقی تھے۔ لیکن حضرت بھٹی صاحب لاولد تھے۔ اِس وجہ سے کہ انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ ساری عمر عزیز عالم تجرد میں گذار دی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اچھے آدمیوں کو ہر شخص اپنی طرف کھینچتا ہے۔ چنانچہ حضرت بھٹی صاحب کے مرید ہونے کا قصّہ یوں ہے کہ ایک رات خواب میں بھٹی صاحب کو حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے مرید کیا۔ چونکہ خواب کی بیعت معتبر نہیں ہوتی وہ ظاہری پیر کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ ایک درویش تھے جو نابینا تھے۔ بھٹی صاحب نے اُن کے ساتھ بیعت کا ارادہ کر لیا۔ رات کو خواب میں پھر حضرت غوث الاعظم کی زیارت ہوئی۔ آپ کے ہاتھ میں چند عدد نَے (کانا) تھے۔ بھٹی صاحب کو نَے مار کر فرمایا کہ نابینا درویش سے بیعت کرتے ہو۔ نیز وہ نابینا درویش بھی خواب میں ظاہر ہو کر کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے کہ مَیں تم کو بیعت نہیں کروں گا۔ اس کے بعد حضرتِ محکم الدین صاحب السیر رح کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کہ جب مَیں حضرت شیخ الشیوخ گنجشکر رح کے عرس پر پاکپتن شریف جاؤں تم بھی آجانا۔ حضرت صاحب السیر رح ہمیشہ پاکپتن جا کر عرس میں شریک ہوتے تھے۔ اور بہشتی دروازہ سے گذرتے تھے۔ جب وہاں پہنچے تو بھٹی صاحب نے

ان کو وعدہ یاد دلایا۔ حضرت صاحب السیر رح نے فرمایا کہ مَیں تجھے ایک وظیفہ
ہوں۔ رات کو یہ وظیفہ کرو۔ جو کچھ ہونا ہے معلوم ہو جائے گا۔ پس وظیفہ لے کر
انہوں نے رات کو پڑھا۔ خواب میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت
سے مشرّف ہوئے اور دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے
قریب تر کھڑے ہیں اور چنوری ہلا رہے ہیں اور حضرت صاحب السیر رح دُور کھڑے
ہیں۔ بیدار ہونے کے بعد حضرت صاحب السیر رح نے بھٹی صاحب سے فرمایا کہ
تم نے حضرت قبلہ عالم رح کا مرتبہ بھی دیکھا اور میرا بھی۔ پس جاؤ اور اُن کے مُرید
ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت سے
مشرف ہوئے۔ لیکن حضرت قبلہ عالم رح نے بھٹی صاحب کو سلسلہ قادریہ میں مُرید
کیا اور نسبت قادریہ ان کو عطا فرمائی۔ چنانچہ آج تک وہی نسبت قادریہ ان کے
خلفاء و مریدین میں جاری ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت بھٹی صاحب رح کے دو
جیّد خلفاء ہوئے ہیں۔ ایک حافظ محمد اکرم صاحب جن کا مزار کھروڑ میں ہے —
دوسرے حافظ غلام مرتضےٰ جو حضرت بھٹی صاحب کے برادرِ حقیقی ہیں۔ اس کے بعد کسی
نے عرض کیا کہ حضرت قبلہ بھٹی صاحب کا نام کیا ہے۔ آپ نے اپنا نظم کردہ شجرہ
اُٹھایا اور یہ ابیات پڑھ کر سُنائے: ؎

اے کردہ بعالم قدس وطن وارستہ ز قیدِ نفس و بدن
اے ہادئ خلق غلام حسن اے ہمرہ سدرہ نشین مدنے

مقبوس ۶۴ : بوقتِ ظہر بروز دوشنبہ ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

آنحضرتؐ کی دستارِ مُبارک

تصیحح اشارات کے بعد حضرت اقدس نے
فرمایا حضور سرورِ عالم محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلعم
کی ایک مستند بلکہ نہایت ہی مستند دستار مبارک مجھے حاصل ہوئی ہے۔ راقم نے

عرض کیا کہ قبلہ کس طرح حاصل ہوئی ہے۔ فرمایا کہ منگوٹ کے علاقے میں ایک مولوی صاحب رہتے تھے۔ وہ ہمارے مشائخ کرام کے مریدین میں سے تھے۔ اِس علاقے میں فساد کی وجہ سے وہ ہندوستان چلے گئے۔ اور مشائخ چھٹیہ کے ہاں سکونت اختیار کرلی۔ چھٹیہ ایک قوم ہے جس کے بزرگوں کے پاس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات ہیں۔ ان کے پاس ان تبرکات کی سندات بادشاہوں کی دستخطی موجود ہیں۔ یہ دستار مبارک بھی ان کے پاس تھی۔ اس مولوی صاحب کا عقد نکاح چھٹیہ خاندان کے ایک بزرگ کی لڑکی سے ہوگیا۔ اتفاقاً اس خاندان کے تمام مرد فوت ہوگئے اور صرف ایک عورت بچ گئی جو اس کی منکوحہ تھی۔ چنانچہ یہ دستارِ مبارک بھی اس عورت کو وراثت میں ملی۔ کافی عرصے کے بعد مولوی صاحب اپنی بیوی کو اپنے وطن لے آئے اور وہ دستار شریف بھی ساتھ لائے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ مولوی صاحب فوت ہوگئے اور ان کا بیٹا عبدالغنی نامی متولی ہوا۔ اس نے بھی بہاولپور میں سکونت اختیار کرلی۔ لیکن وہ نہایت ابتر اور بدکردار تھا۔ اس کی والدہ حضرت محبوب الٰہی کی مُریدہ تھی۔ ایک دن اس عورت نے مولوی غلام احمد اختر سے کہا کہ میرا لڑکا عبدالغنی اَبتر ہوگیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کسی دن اس دستارِ مبارک کو باقی سامان کے ساتھ فروخت نہ کردے۔ اِس لیے مَیں چاہتی ہوں کہ یہ دستار اپنے پیر کو دے دو۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ مجھے اس کا کوئی معاوضہ ملے۔ مولوی نے کہا مَیں اس کے عوض تجھے چالیس روپے دلاؤں گا مولوی مذکور میرے پاس آکر کہنے لگا کہ مَیں نے اسے چالیس روپے پر راضی کرلیا ہے۔ مَیں نے کہا کہ اس متاعِ بے بہا کے لیے چالیس روپیہ کیا چیز ہے اِس کے عوض تو سارا مال و دولت اور جانیں قربان اور فدا کرنی چاہئیں۔ حضرتِ اقدس نے تبسّم سے فرمایا کہ اُس وقت ہم بھی مفلس تھے۔ ایک سو روپیہ ھدیہ پیش کرکے دستارِ مبارک حاصل کرلی۔ جب ہم خانپور واپس آئے تو اس لڑکے عبدالغنی نے آکر شور برپا کیا۔ مَیں نے سوچا کہ وارثِ شرعی بیٹا ہوتا ہے اِس لیے دستار شریف اسے واپس دے دینی چاہیے۔ چنانچہ مَیں نے کہا کہ دستار شریف واپس لینا چاہتے ہو تو لے سکتے ہو اور اگر

رقم لینا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔ صادق محمد خان غوری نے اُسے دس روپے سالانہ نذرانہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے راضی کر لیا۔ لیکن میں نے بیس روپے سالانہ مقرر کر کے اس سے کہا کہ جب میں نواب صاحب کی دعوت پر بہاولپور یا صادق گڑھ آؤں تو بیس روپے لے لیا کرو بلکہ جتنی مرتبہ نواب صاحب آئیں تو تم ہر مرتبہ بیس روپے لے لیا کرو۔ چنانچہ آج تک وہ یہ نذرانہ لے رہا ہے۔ اب جبکہ نواب صاحب فوت ہو گئے ہیں وہ شرط بھی ختم ہو گئی ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ اب میاں عبدالغنی میرے پاس آیا تھا میں نے اس سے کہا کہ اگرچہ وہ شرط ختم ہو گئی ہے لیکن میں تجھے بیس روپے ششماہی دیا کروں گا۔ ہر چھ مہینے کے بعد آ کر بیس روپے وصول کر لیا کرو۔ اِس کے بعد فرمایا کہ یاد کرنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے عرس مبارک کے موقع پر دستار شریف کی زیارت کرائی جائے گی۔

مقبوس ۶۵: بوقت ظہر بروز جمعہ دس ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

اسرارِ توحید حضرت خواجہ اجمیری کی زبان سے

اِن ایام میں قاضی محمد اکرم ساکن داجل جو حضرت اقدس کے مرید راسخ الاعتقاد ہیں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے آ کر کتاب مشاہدات یعنی جس میں حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدّین اجمیریؒ قدس سرہٗ کے مشاہدات درج ہیں۔ حضرت اقدس کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ بیشک یہ حضور حضرت قبلہ اجمیریؒ کے حالات ہیں اور حضرت قطب الاقطاب کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد کتاب سے آپ نے یہ عبارت پڑھی:

حضرت خواجہ بزرگؒ نے ارشاد فرمایا کہ اے شیخ قطب الدین میں ستّر ہزار بار آیا اور گیا۔ اگر تو پوچھتا ہے تو وہ لُطف تجھ کو بھی دِکھلاؤں۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر حجرۂ خاص میں لے گئے اور وہ کچھ دکھلایا کہ کہنے اور سُننے میں نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ:

"اے قطب الدین توحیدِ وجودی کیا چیز ہے وہ کیفیت ہے کہ عارف کو توحید کے نشہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود عارف اور کُل عالم عین ذات حق ہے۔ یہ امر اُن فرضی تصورات کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو بزرگوں نے فنا و بقا کے حاصل کرنے کے واسطے مقرر کیے ہیں مگر فی الحقیقت آپ کو اور کائنات کو عین ذاتِ حق جاننا کفر ہے کیونکہ یہ صفت تنزیہہ کے خلاف ہے اسی طرح توحیدِ ظلّی، یعنی جو صوفی کائنات کو اللہ تعالیٰ کا سایہ جانتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں۔ کیونکہ جب حضرت رسولِ کریم صلعم کے جسم لطیف کا سایہ نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ کا سایہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں عالم اسماء وصفات الٰہی کا مظہر (جائے ظہور) ہے اور اسماء و صفات مظہر ذات ہیں۔ (مظہر بمعنی ظاہر کرنے والا) ایسی مناسبت کے سبب سے عارف لوگ عالمِ سکر میں توحیدِ وجودی اور ظلّی کے قائل ہو جاتے ہیں ورنہ وہ ذاتِ پاک ہر شے سے منزّہ ہے۔"

یہ فرما کر حضرت خواجہ مستغرق ہو گئے۔ اور یہ فقیر رخصت ہُوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

کیا مُرید کا رُتبہ پیر کے رُتبے سے بلند ہو سکتا ہے

اِس کے بعد قاضی صاحب مذکور نے ایک مقام پر کتاب کھول کر عرض کیا کہ قبلہ یہ کتاب دکھانے کا میرا مقصد یہ دکھانا تھا آپ نے فرمایا کہ مَیں نے دیکھا ہے۔ شاید تمہیں یہ خدشہ ہُوا ہے کہ مُرید کا رُتبہ پیر کے رُتبے سے بلند ہو سکتا ہے۔ اُس نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ بلند مرتبہ بھی پیر نے بیان فرمایا ہے۔ اِس کے بعد مولوی غلام رسُول صاحب کی طرف متوجہ ہو کر اس کتاب کی روایت بیان فرمائی۔ روایت یہ ہے کہ:

خواجہ اجمیری کا مقام

حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ (حضرت خواجہ اجمیری رحمہ کے پیر) نے فرمایا ہے کہ مَیں آسمانوں، حجابوں اور منزلوں سے گذر کر ربّ العزّت کی جناب میں پہنچا اور سجدہ کیا۔

حکم ہوا کہ اے عثمان سر سجدہ سے اٹھا۔ میں نے سر سجدہ سے اٹھایا اور سوال کیا کہ اے پروردگار جب کوئی چیز نہ تھی تو کہاں تھا۔ بارگاہِ رب العزت سے خطاب ہوا کہ اے عثمان یہ جو تم نے سوال کیا ہے قابلِ گرفت ہے لیکن ہم نے بحق معین الدین اجمیری رح معاف کیا۔ اِس کے بعد حضرت شیخ عثمان ہارونی نے عرض کیا کہ یا پروردگار شیخ معین الدین کا تیری بارگاہ میں کیا مرتبہ ہے۔ پروردگار نے فرمایا شیخ معین الدینؒ کا میری بارگاہ میں وہ مقام ہے کہ اگر تمام اولیاء قیامت تک پرواز کریں تو اس کے پہلے قدم تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت مخدوم علی ہجویری لاہوری رح جو محققین و مجتہدین مشائخ کبار میں سے ہیں حتیٰ کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے ان کی کتاب کشف المحجوب کو دیکھ کر فرمایا اگر شیخ علی ہجویری زندہ ہوتے تو میں اُن سے بیعت کرتا۔ انہوں نے کشف المحجوب میں اِس بات پر بحث کی ہے کہ آیا مُرید کا رُتبہ پیر کے رُتبے سے زیادہ بلند ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت سری سقطی رح سے پوچھا کہ کیا مُرید کا رُتبہ پیر کے مرتبے سے زیادہ ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا یہ ظاہر ہے کہ مرید کا مرتبہ پیر کے مرتبے سے زیادہ ہو سکتا جیسا کہ جنیدؒ کا مرتبہ میرے مرتبے سے بلند ہے۔ اس پر شیخ علی ہجویری رح لکھتے ہیں کہ شاید حضرت جنید بغدادی رح کے حق میں حضرت سری سقطی رح کا یہ بیان شفقت کی وجہ سے ہو اور حقیقت پر مبنی نہ ہو۔ چنانچہ اس روایت کے بعد حضرت شیخ علی ہجویری رح نے مرید کے پیر سے زیادہ بلند مرتبہ نہ ہونے کے ثبوت میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سری سقطی رح نے حضرت جنید بغدادی رح سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے عہد میں ایک خاص اثر رکھا ہے پس چاہیئے کہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرو لیکن شیخ جنید رح اِس خیال سے کہ پیر بھی موجود ہوں اور میں واعظ بنوں، وعظ کرنا اچھا نہیں سمجھتے تھے اور خلافِ ادب سمجھتے تھے۔ آخر ایک رات خواب میں ان کو حضرت سرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ کی زیارت ہوئی۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا جنید رح تم وعظ کیوں نہیں کرتے۔ وعظ و نصیحت کیا کرو۔ صبح اٹھ کر شیخ جنید رح

نے ارادہ کیا کہ اپنے شیخ سری سقطی رح کی خدمت میں جا کر خواب بیان کروں۔ اُدھر حضرت سری سقطی رح نے ایک آدمی بھیج کر حضرت جنید رح کو کہلا بھیجا کہ آؤ اور اپنے خواب کا حال بیان کرو۔ چنانچہ جب ان کی خدمت میں پہنچے تو حضرت سری سقطی رح نے قبل اس کے کہ شیخ جنید رح کچھ کہیں فرمایا کہ تم میرے کہنے پر وعظ نہیں کہتے تھے۔ آخر تجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا ہے۔ شیخ جنید رح نے عرض کیا کہ کیا اس خواب کے متعلق آپ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے۔ انہوں نے فرمایا نہیں نہیں مجھے حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے سرورِ کائنات کو جنید رح کے پاس وعظ کا حکم دینے کے لیے بھیجا ہے۔ اس روز سے حضرت جنید بغدادی رح وعظ و نصیحت میں مشغول ہو گئے۔

اقسامِ مراتب

اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ مراتب کے دو اقسام ہیں۔ ظاہری و باطنی۔ چنانچہ مرید کے مرتبہ کا پیر سے زیادہ ہونا ظاہری مراتب کے اعتبار سے ممکن و جائز ہے۔ باعتبارِ مراتب باطنی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ یہ جائز ہے کہ پیر ابدال ہوں اور مُرید غوث ہو جائے۔ یا پیر قطب اقلیم (ایک علاقے کا قطب) ہو اور مرید قطبِ مدار (سارے زمانے کا قطب) ہو جائے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے پیر حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ اِس وجہ سے کہ جب حضرت موسےٰ حضرت شعیبؑ کی خدمت میں پہنچے تو اُن سے بیعت کی۔ حالانکہ شعیب علیہ السلام صرف نبی ہیں اور حضرت موسےٰؑ نبی اور رُسل[1] اُولوالعزم

---

[1] نبی اور رسول میں فرق کتاب سرِ دلبراں مصنفہ حضرت مولانا سید ذوقی قدس سرہٗ میں مفصل درج ہے۔ خلاصہ یہ ہے:۔ انبیاء علیہم السلام کے دو اقسام ہیں ایک وہ جدید شریعت لے کر آتے تھے۔ دوسرے وہ جو جدید شریعت لے کر نہیں آتے تھے بلکہ کسی اولوالعزم پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت کی مطابقت میں لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔ جو نبی جدید شریعت لے کر آتے تھے اور اپنی لائی ہوئی شریعت کی تبلیغ دنیا میں کرتے تھے رسول کے لقب سے ملقب ہوتے تھے لہٰذا رسول کا درجہ نبی کے درجہ سے زیادہ بلند ہے۔

ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بیعت حضرت یحییٰ علیہ السلام سے تھی لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ اُن کا رُتبہ اللہ تعالٰی کے ہاں اِس قدر بلند ہے کہ میرے چہرے کا چمڑا حضرت عیسٰیؑ کے پاؤں کا جُوتا بننے کے قابل ہے۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ اور خواجہ قطب صاحب کی دہلی میں مُلاقات

اِس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ نے دہلی میں سکونت اختیار کی تو آپ کی ولایت کی شان و شوکت کا یہ عالم تھا کہ ساری خلقت آپ پر ٹوٹ پڑی۔ اور شاہانِ وقت آپ کے حلقۂ ارادت (مُریدی) میں داخل ہوئے۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رح حضرت خواجہ قطب الدینؒ سے ملاقات کی خاطر دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔

ایک دن آپ شیخ نجم الدین صُغریٰ کو ملنے گئے جو اس وقت شیخ الاسلام کے عہدہ پر تعینات تھے اور حضرت خواجہ غریب نواز کے صغیر سِنی کے دوست تھے۔ لیکن وہ حضرت خواجہ غریب نواز کے سامنے بے رُخی سے پیش آئے اور یہ شکایت کرنے لگے کہ اگر قطب الدین کی طرح آپ نے دوسرا مرید دہلی میں بٹھایا تو ہماری شیخ الاسلامی کا خاتمہ ہو جائے گا اور بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ غریب نواز نے حضرت خواجہ قطب الدین سے فرمایا کہ بابا قطب الدین دہلی کے لوگوں کے دل تجھ سے رنجیدہ اور آزردہ ہیں تم ہمارے ساتھ اجمیر واپس چلو اور وہاں رہو میں تمہاری خدمت گزاری کروں گا جیسا کہ خادم مخدوم کی کرتا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ جو کچھ حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے مُرید کے حق میں فرمایا ازراہِ شفقت تھا نہ کہ بلند ترمرتبہ کی وجہ سے۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ غریب نواز رح خواجہ قطب الدین رح کو لے کر اجمیر کی طرف روانہ ہوئے تو دہلی کے سارے شہر میں کہرام مچ گیا اور سب چھوٹے، بڑے، مرد، عورت، یہاں تک کہ

پردہ دار مستورات نے بھی برقعے اٹھا کر پھینک دیئے اور سب لوگ اپنے محبوب خواجہ قطب الاقطاب کے فراق میں زار و قطار رونے لگے۔ جب حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے یہ ماجرا دیکھا کہ آپ کے دہلی میں رہنے سے صرف ایک دل رنجیدہ ہے اور نہ رہنے سے سارا شہر غم و غصہ میں مبتلا ہو گیا ہے تو فرمایا کہ بابا قطب الدین تجھے دہلی مبارک ہو یعنی یہاں رہ جاؤ۔

خاتم الانبیاء اور خاتم الولایت

اِس کے بعد فرمایا کہ توحید کے مقام میں زیادتی خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ شیخ ابی یزید بسطامی رحؒ نے فرمایا ہے کہ لوائی اعظمُ مِن لواءِ محمد (میرا جھنڈا محمد کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے۔) اِس وجہ سے۔ وہ لوائے حق (حق تعالیٰ کے جھنڈے) کا ذکر کر رہے تھے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کا جھنڈا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے زیادہ بلند تھا۔ لیکن مراتب کی زیادتی مراتب عبدیت میں ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابنِ عربی رحؒ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاءؑ ہیں اور میں خاتم الولایت ہوں۔ جس طرح تمام انبیاء کو خاتم الانبیاء کی احتیاج ہے اسی طرح خاتم النبوت کو خاتم الولایت کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند کا مقام

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ ابو یزید بسطامی رحؒ مشتبہ بہ جہان ہیں (یعنی ایسی ہستی کہ جس کی مثال دی جائے) یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے شیخ کامل مکمل کے حق میں کہا جاتا ہے کہ اپنے وقت کا ابو یزید ہے۔ وہی شیخ ابو یزید رحؒ فرماتے ہیں کہ اِس راستے (راہِ حق) پر چلنے والے تمام بزرگان کی آخری منزل بایزید کی پہلی منزل میں گم ہو جاتی ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند نے بھی فرمایا ہے کہ تمام راہِ حق پر چلنے والوں کے سفر کی آخری منزل حضرت ابو یزید بسطامی رحؒ کے سفر کی پہلی منزل میں گم ہو جاتی ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ اِسی وجہ سے مولانا جامی رحؒ نے فرمایا ہے ؎
"اوّل و آخر ہر منتہی" (ہر انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے کی ابتدا او انتہا خواجہ بہاؤ الدین

نقشبند ہیں)۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ کے اندر کبر (تکبّر) دیکھتا ہوں) حضرت امام رضؓ نے فرمایا یہ کبر جو تم میرے اندر دیکھ رہے ہو میرا نہیں ہے بلکہ کبرِ خدائے اکبر ہے۔ اِس وجہ سے کہ حق تعالےٰ کی کبریائی کا مجھ میں ظہور ہوا ہے۔

اولیائے مکتوم

اِس کے بعد اولیائے مکتومان (چھپے ہوئے اولیاء) کا ذکر ہونے لگا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے مکہ معظمہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ لوگوں کے جُوتوں پر نعل لگاتا تھا اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی، اِس سے خود بھی کھاتا تھا اور فقراء کو بھی کھلاتا تھا اور رات کے وقت گُم ہو جاتا تھا لوگ کہتے تھے کہ یہ غوثِ زماں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری (میرے اولیاء میری قباء (صدری) کے نیچے ہوتے ہیں اور میرے سوا ان کو کوئی نہیں پہچانتا)۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحؒ کا ایک مُرید ہمیشہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا رہتا تھا کہ مجھے غوثِ زماں کی زیارت کی تمنّا ہے اور آپ بھی ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن دیکھ لو گے۔ آخر ایک دن اِس مرید نے اصرار کیا کہ مجھے ضرور غوثِ زمان کی زیارت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا کوہ لگام جو مُلک شام میں ہے اور جہاں تمام اولیاء اللہ جمع ہوتے ہیں میں جاؤ وہاں تم کو غوثِ زمان کی زیارت ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ مرید کوہ لگام کی طرف گیا اور دیکھا کہ بہت اولیاء اللہ جمع ہیں جب نماز کا وقت آیا ایک برقعہ پوش ظاہر ہوا۔ لوگوں نے کہا یہی ہیں غوثِ زمان۔ پس وہی غوثِ زماں امام ہوئے اور باقی اولیاءِ کرام نے ان کی اقتدا میں نماز ادا کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو وہ آدمی اس برقعہ پوش غوثِ وقت کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مہربانی فرما کر نقاب چہرے سے ہٹائیں تاکہ اچھی زیارت کر لوں۔ انہوں نے انکار کیا لیکن بہت عجز و نیاز کے بعد جب انہوں نے برقعہ اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اس کے پیر حضرت

ابو الحسن خرقانی ہیں۔

جبل عرفات میں اولیائے مستورین کا اجتماع

اس کے بعد فرمایا کہ تمام اہلِ مکّہ معظّمہ کو معلوم ہے

عرفات کے میدان میں جبلِ عرفات کے پیچھے ایک مقام ہے جہاں تمام اولیائے مستورین (پوشیدہ اولیاء) حج کے دن جمع ہوتے ہیں لیکن اس علاقے میں کوئی شخص ویرانے اور بدوؤں کے خوف سے نہیں جاتا۔ عرفات کے لوگوں کو ان کی آواز غوغا و ہنگامہ سنائی دیتا ہے اگر کوئی شخص وہاں جاتا ہے تو اسے سایہ کی طرح صرف ان کا پرتَو نظر آتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ ابن الفارض کے پیر بھی ان اولیائے مستورین میں سے تھے۔ (ان کا ذکر مقبوس چہلم میں آچکا ہے)۔ اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا میری بینائی بہت کمزور ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا ہر رات سُرمہ لگایا کرو۔ ہر آنکھ میں ڈیڑھ سلائی کُل تین سلائی روزانہ کے حساب سے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولانا فخر الدین کو ضعفِ بصر بہت لاحق ہو گیا۔ دل میں خیال آیا کہ سُرمہ لگانا سنّتِ رسولِ خدا صلعم ہے اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ متواتر سُرمہ کرنے سے بصارت تیز ہو گئی۔

مقبوس ۶۶: بوقت چاشت بروز شنبہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

مجلس سماع

حضرت محبوب الٰہیؒ کے عرس کا موقعہ تھا۔ آج سماع کی دوسری مجلس تھی۔ اجمیری قوالوں نے یہ اشعار گائے ؎

صبا بتہنیتِ شوقم بآں جناب رساں — حدیثِ ذرّۂ بیدل بآفتاب رساں

دراں مقام کہ آرام گاہِ حضرتِ اوست — زمیں ببوس و سلامِ منِ خراب رساں

اس رباعی کے بعد یہ غزل گائی ؎

مرا یاریست سنگیں دل ستمگر سست پیمانے — قیامت فاتنے، زنّار دارے، نامسلمانے

(میرا جو محبوب ہے بڑا سخت دل، ظالم اور بے وفا ہے جس کا قدِ رعنا

قیامت خیز ہے۔ زنّار لگانے والا کافر ہے یعنی شوخ بے پرواہ ہے جو
کسی کے تابع فرمان نہیں۔)

نگارے، شوخ چشمے، تندخوئے، عربدہ جوئے   خیالش خاطر آشوب و غمش ناخواندہ مہمانے

(ایسا محبوب جو شوخ چشم، تند خو، اور فتنہ گر ہے جس کا فراق جانکاہ
اور درد آفت جاں ہے)

بتے دارم، پری رخے، انیس و مشفق اے سعدی   بغمزہ آفتِ جانے، بعشوہ ظلم سامانے

(اے سعدی میرا محبوب وہ ہے جو پری چہرہ، انیس و مشفق (مہربان)
ہے اس کے باوجود وہ آفتِ جاں اور ظالم بھی ہے)۔

ان اشعار میں محبوب حقیقی کی شان لا ابالی دکھائی گئی ہے۔ کبھی وہ حد درجہ
مہربان اور کبھی بے حد نامہربان۔

اِن اشعار پر حضرت اقدس پر گریہ طاری رہا اور باقی صوفیانِ اہلِ ذوق بھی نالہ و
فریاد میں غلطاں و پیچاں تھے۔

مقبوس ۶۷: بوقت ظہر بروز شنبہ ۱۱ ذی الحج سال مذکور

حضرت قبلہ عالم مہاروی

حضرت اقدس نے کتاب فخر الطالبین مؤلفہ
نور الدین حسین خان خلیفۂ حضرت مولانا
محب النبی فخر الدین دہلوی رح میں سے یہ عبارت پڑھی :۔

در ذکر میاں نور محمد صاحب فقیر (حضرت قبلہ عالم مہاروی) میاں نور محمد صاحب
جو زبدۂ یارانِ باکمال، (زبدہ بمعنی مکھن) قدوہ اجلال ذی الحال، (ذی حال صوفیائ
کے لیے قابل مثال)۔ افتخار درویشاں (درویشوں کے فخر) مرہم دل ریشاں،
(زخمی دلوں کے لیے مرہم)۔ در آمد اتقیاء (متقی لوگوں کے محب)۔ مسند نشین
مسکنت (درویشی کے مسند نشین)۔ دانائے سر حلقۂ درد مندان الٰہی،

(عاشقانِ الٰہی کے سردار)۔ اور حضرت شیخ کے بے مثال خلیفہ ہیں اُن کے متعلق اور اُن کے احباب کے متعلق حضرت مولانا (فخر الدین رحؒ) کی زبان سے کلماتِ بشارت بارہا سُننے میں آئے۔ حضرت شیخ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ابتدا سے آج تک کسی وقت بھی نور محمد سے میری مرضی کے خلاف کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ اور کسی وجہ سے وہ غبارِ خاطر نہیں ہُوا۔ یہ اُن کی ذات کی خصوصیت ہے ورنہ اکثر مریدین سے غلطیاں سرزد ہُوا کرتی تھیں۔" عبارت ختم۔

اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ جو اس کتاب میں سیّد نور الدین حسین خان نے حضرت قبلہ عالم مہاروی کے حق میں "میاں نور محمد" لکھا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ اُن کے پیر بھائی اور ہم عصر ہیں۔ یعنی ایک پیر بھائی دوسرے پیر بھائی کو اپنے مساوی سمجھتا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ جو بشارت نامہ میں آپ کے اصحاب کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ایک حضرت سلطان الاولیاء دوسرے حضرت صاحب نارووالہ، تیسرے صاحب حافظ صاحب ملتانی ہیں۔ اِس وجہ سے کہ اس وقت تک حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحؒ اور باقی حضرات حضرت قبلہ عالم کی صحبت سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔

مقبوس ۶ : بوقت ظہر بروز یکشنبہ ۱۲ ذی الحجہ سال مذکور

سماع ہاجم

اس کے اقدس اور حضرت قطب الواحدین خواجہ محمد بخش رحؒ باہم ایک ہی برتن سے کھیرا جسے سرائیکی زبان میں کھیرنی کہتے ہیں تناول فرما رہے تھے اور نہایت خوشدل ہو کر بے حجابانہ گفتگو فرما رہے تھے۔ فراغت کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی رحؒ فرماتے ہیں کہ سماع وہ ہے جو ہاجم ہو۔ ہاجم کا مطلب یہ ہے کہ آواز سُنتے ہی سُننے والے کے دل پر کیفیات کا غلبہ ہو جائے یعنی سُننے والا مغلوب ہو جائے اور اس سماع کا معمول (دل میں سماع کے وقت جس محبوب کا خیال ہو) نہ حق سبحانہٗ تعالےٰ ہو، نہ رسول اللہ صلعم، نہ پیر یعنی

سماع مجہول المحمول ہونا چاہیئے۔ حضرت قبلہ مولانا (دہلوی رح) ہمیشہ اپنے اصحاب کو اس قسم کے ہاجم سماع کی ترغیب دیتے تھے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ فتوحاتِ مکی میں بھی لکھا ہے کہ اعلیٰ قسم کا سماع وہ ہے جو بے جاذب ہو یعنی نہ حق تعالےٰ کی طرف سے جاذب ہو نہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نہ پیر کی طرف سے[1]۔

ھدا سماع ہاجم کی جو تعریف اوپر کی گئی ہے اِس سے ظاہر ہے کہ اشعار کو نہ حق تعالےٰ کی طرف نہ رسول اللہ کی طرف نہ اپنے شیخ کی طرف محمول کرنا ہوتا ہے بلکہ اس میں لاتعین کا غلبہ ہوتا ہے۔ چونکہ چونکہ مقام لاتعین یا ذاتِ بحت سب سے اونچا مقام ہے اس لیے جس سماع میں ذاتِ بحت کا غلبہ ہوگا وہی سماع سب سے اعلیٰ و ارفع ہوگا۔ لاتعین یا ذاتِ بحت کے غلبہ سے مُراد فنافی الذات ہے یعنی سالک سماع میں تمام تعینات سے گزر کر ذاتِ لاتعین کے مراقبہ میں چلا جاتا ہے۔ یہ کیفیت لانے والے اِس قسم کے اشعار ہوتے ہیں۔ ؎

نہ از کفرے خبر دارم، نہ دانم حال ایمانم　　تنم شد جان، و جاں شد جانِ جانانم
ہر سُو کہ دویدیم ہمہ روئے تو دیدیم　　ہر جا کہ رسیدیم سر کوئے تو دیدیم
من خرقہ گرو کردم عریان خراباتم　　خوردم ہمہ رختِ خود مہمانِ خراباتم

جب سماع ارفع و اعلیٰ کا ذکر ہُوا تو ترتیب سماع کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے بلند پایہ مشائخ اور ماہرینِ فن قوالوں کا دستور ہے کہ محفل سماع میں ترتیب سماع کو ہمیشہ مدِنظر رکھتے ہیں جس طرح سلوک الی اللہ میں پہلے مقام دوئی سے شروع کر کے سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر فی اللہ، سیر مع اللہ، سیر باللہ، سیر من اللہ سے ترتیب وار گزارنا ہوتا ہے چونکہ سماع بھی سلوک الی اللہ کا مختصر نمونہ ہے اس میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ یعنی پہلے ادّبا نعتِ رسولؐ سے شروع کر کے مناقب اولیاء اور مناقب کے بعد عشق، درد و محبت اور ہجر و فراق کا کلام آنا چاہیئے تاکہ سالک کے دل میں آتشِ عشق بھڑک اٹھے۔ ہجر کے بعد وصال ہے۔ اس لیے ہجریہ کلام کے بعد وصال کا کلام ہونا چاہیئے۔ یعنی فنافی اللہ، محویت و استغراق فی الذات، سُکر و مستی لانے والا کلام آنا چاہیئے تاکہ سالک مراقبۂ ذات میں جا کر ذاتِ بحت میں غوطے لگاتا

مقبوس ۶۹ بوقتِ ظہر بروز دوشنبہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

تعویذ اولاد ایک عورت نے عرض کیا کہ قبلہ مجھے اولاد کا تعویذ عطا فرماویں۔ حضرت اقدس نے یہ تعویذ لکھ کر اُسے دیا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کٓھٰیٰعٓصٓ

حٰمٓ عٓسٓقٓ یاحی یاقیوم الٰہی بحرمۃ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وامیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ والفاطمۃ الزہرا والحسن والحسین ان ترزقنا ولداً صالحاً طویل العمر وصلی اللہ تعالیٰ علی سیّدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۷۸۶ ما ے ے ح ح یہ دو تعویذ ہیں لیکن حضرت اقدس نے ایک تعویذ بنا کر بند کیا۔

تعویذ شفائے امراض اس کے بعد ایک سید صاحب ساکن کوہستان بارکھان نے عرض کیا کہ قبلہ مجھے مدت ہوئی، بیماری لاحق ہے۔ کرم فرما کر مجھے بھی تعویذ عطا فرمائیں۔ آپ نے اُن کو دو تعویذ عطا فرمائے۔ ایک تعویذ یہ تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین تا ولا الضالین آمین۔ ویشف صدور قوم مومنین ط یاایہا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور ط فیہ شفاء للناس ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون ط وننزل من القرآن ما ھو شفاءً ورحمۃ للمومنین واذا مرضت فھو یشفین ط قل ھو للذین امنوا ھدی وشفاء۔ فرمایا اس تعویذ کو چاندی میں ڈال کر گردن میں ڈالو۔ دوسرا تعویذ بعینہٖ پہلے تعویذ کی طرح لکھ کر اُسے دیا اور فرمایا کہ اس تعویذ کو ہر روز چینی کی رکابی پر لکھ کر زبان سے چاٹ لیا کرو، اکتالیس دن تک یہی کرتے رہو۔

اس کے بعد ایک اور شخص نے عرض کیا کہ اس بندہ کو بھی ایک تعویذ برائے اولاد عطا فرما دیں۔ ایک برائے برکت لکھ کر دیں چنانچہ حضور نے اولاد کے لئے یہ تعویذ لکھ کر اُسے دیا:

دیگر تعویذ برائے اولاد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یاغفور یاغفور یاغفور ے ے ے ے ح ح اور برکت کے لئے یہ تعویذ دیا:

تعویذ برائے برکت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ک ھ ی ع ص ط س ق ا ل ر ح م ن ☆ ا ا ا ا ھ و۔ سبق کے وقت جب حضرت اقدس نے اس تعویذ کو دیکھا تو فرمایا کہ ان اشکال کی صورت میں لوگوں کو اختلاف ہے۔ اگر قلم دوات ہو تو میں تجھے لکھ کر دکھاؤں اور سکھاؤں۔ احقر نے قلم پیش کیا۔ پس حضرت اقدس نے بندہ کو سکھانے کی خاطر اپنے ہاتھ سے اشکال کو اس صورت میں لکھا ⊠ ااا م II اااا ھ ی آپ نے فرمایا کہ مروّج و معمول صورتِ اشکال یہی ہے جو میں نے لکھی ہے یعنی مخمس یعنی پانچ کونوں والی ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد تین الف پر مد۔ اس کے بعد میم مطموس ابتر یعنی دُم کٹی ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد سلّم (مستطیل) جس کے چاروں کونوں پر خط دراز ہوا۔ اس کے بعد چار الف بغیر مد اس کے بعد ہائے مجوف (ھ)۔ اس کے بعد واؤ مجوف معکوس ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ قبلہ میرا ایک رشتہ دار عرصہ دراز سے تپ میں مبتلا ہے۔ حضرت اقدس نے یہ تعویذ لکھ کر اُسے دیا:

تعویذ برائے شفاء بسم اللہ الرحمن الرحیم ولد عیسٰی اریاکریا بسم اللہ الرحمن الرحیم خرج عیسٰی اریاکریا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رفع عیسٰی اریاکریا اس کے بعد فرمایا کہ یہ تین تعویذ ہیں تین کاغذ کے پرچوں پر۔ ایک پرچہ کاغذ پہلے دن بخار کے غلبہ سے پہلے نہار منہ کھالے۔ دوسرے دن دوسرا اور تیسرا تعویذ کھالے۔

وظیفہ دفع افلاس اس کے بعد اور آدمی نے عرض کیا کہ قبلہ یہ بندہ بے حد مفلس ہے مہربانی فرماکر کوئی وظیفہ عطا فرمائیں کہ میری غربت دور ہوجائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ مُزمّل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ ہر نماز کے ساتھ ایک دفعہ پڑھا کرو۔

مقبوس ۷: بوقت ظہر بروز سہ شنبہ ۱۴ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۶ھ

تعویذ مرگی حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر بآوازِ بلند کمال عجز و انکسار کے ساتھ عرض کیا کہ قبلہ یہ غلام مرض مرگی میں مُبتلا ہے۔ کافی مدّت گذر چکی ہے جس سے

بندہ بہت تنگ آگیا ہے کرم فرماکر اس عاجز کو اس مرض سے نجات دلائیے۔ حضور اقدس نے جو سراپا رحمتِ جہاں ہیں، فوراً یہ تعویذ لکھنا شروع کر دیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا كتاب من محمد رسول رب العلمین الى من طرق الدار من العمار والزوار الا طارق يتطرق بخير اما بعد فان لنا ولكم سعته فى الخلق فان يكن عاشقا مولعا او ناجرا مقتحما فهذا كتاب الله ينطق علينا وعليكم بالحق انا كنا نستنسخ ما كنتم تعملون ط ورسلنا يكتبون ماتمكرون اتركوا صاحب كتابى هذا وانطلقوا الى عبدة الاصنام والى من يزعم ان مع الله الهة اخرى لا اله الا هو ط كل شيئ هالك الا وجهه له الحكم و اليه ترجعون حم لا ينصرون عسق تفرقت اعداء الله وبلغت حجة الله ولا حول ولا قوة الا بالله فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم۔

تعویذ لکھ لینے کے بعد فرمایا کہ جو شخص باوضو ہو مجھ سے لے لے اور دوسرا باوضو شخص بازار جاکر گندرف لے آئے تاکہ اس تعویذ کو اس میں بند کیا جائے۔ اس کے بعد تعویذ اس شخص کو دیکر فرمایا کہ اگر اس تعویذ کو چاندی میں رکھ کر پہننا ہے تو سنار بھی مسلمان ہونا چاہیئے اور باوضو ہو کر تعویذ تیار کرے۔ تجھے بھی چاہیئے کہ کامل وضو کرکے یہ تعویذ پہنے اور جو شخص تیرے بازو پر تعویذ لگانے میں تمہاری مدد کرے تو وہ بھی باوضو ہونا چاہیئے۔

تعویذ دردِ ریح

اس کے بعد اور آدمی نے عرض کیا کہ قبلہ اس بندہ کو دردِ ریح کی بیماری رہتی ہے۔ تعویذ عطا فرمایا جائے۔ آپ نے یہ تعویذ لکھ کر اُس کو عنایت فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم یاحی حین لاحی فی دیمومة ملکه وبقائه یاحي

وظیفہ فراخیٔ رزق

اس کے بعد ایک آدمی نے کہا کہ قبلہ بندہ کو فراخیٔ رزق اور فتوحات کے لئے تعویذ عطا فرماویں اور وظیفہ تعلیم فرمادیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بعد نمازِ فجر اکیس بار سُورۂ فاتحہ پڑھا کرو اور نمازِ ظہر کے بعد بائیس بار اور نمازِ عصر کے بعد تیئیس بار، نمازِ مغرب کے بعد چوبیس بار اور نمازِ عشاء کے بعد دس بار۔ نیز اسمِ اعظم یَا بَاسِطُ کو بہتّر مرتبہ پڑھا کرو

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ اس غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے وظیفہ تعلیم فرمایا جاوے۔ حضرت اقدس نے یہ وظیفہ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ اسے بعد نماز عشاء ایک سو بار پڑھا کرو:

اللّٰھم رب البیت الحرام والشھر الحرام والرکن والمقام اقرأ روح محمد عنی السلام۔

مقبوس ۱۸ بوقت عصر بروز پنجشنبہ ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

پیر کی غیبی امداد

حضرت اقدس مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے۔ لوگوں کا ہجوم تھا اور ہر شخص اپنے مقاصد پیش کر رہا تھا۔ علاقۂ بارکھاں (بلوچستان) کے ایک ہندو نے جو آپ کا مرید تھا عرض کیا کہ پیر ہمارے ملک میں یہ رسم ہے جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو ہم پیر کو آواز دیتے ہیں اور عصا بھی زمین پر مارتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے کہ اے پیر آؤ اور ہماری مشکل آسان کرو۔ اور ہماری امداد کرو۔ کیا پیر وہاں پہنچ کر امداد کرتا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں پیر وہاں پہنچ کر مدد کرتا ہے اور مصیبت دور کرتا ہے۔ اس کے بعد اسی ہندو نے عرض کیا کہ پیر! مشکل پیش آئے میں کیا کروں۔ آیا عصا زمین پر ماروں یا چادر کا دامن زمین پر ماروں۔ آپ نے فرمایا جس طرح تمہاری مرضی

رہے۔ متوسطین یعنی درمیانی حالت کے سالکین کے لیے فنا اور وصال کے بعد کوئی کلام نہیں ہونا چاہیئے اور محفل بند کردینی چاہیئے ورنہ ان کو نقصان ہوگا۔ لیکن منتہی حضرات کے لیے فنا کے بعد فناء الفناء اور اس کے بعد بقا باللہ کا کلام آنا چاہیئے۔ احقر مقامات سماع پر ایک کتاب لکھ رہا ہے انشاء اللہ ترتیب سماع اور ہر قسم کا کلام مع شرح کلام تفصیل کے ساتھ اس میں درج ہوں گے اور عربی، فارسی، اردو، ہندی، سرائیکی کلام کے مختلف مقامات کے مختلف سیٹ علیحدہ علیحدہ ترتیب وار دیئے جائیں گے مع شرح۔

ذکر کرتے رہو۔ عصا ازبن پر مارو۔ یا چادر۔ اس نے کہا پیر! ہم لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ عصا کی ضرب پیر کے بدن پر لگتی ہے کیا یہ درست ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں بیشک۔ وہ ضرب پیر کے بدن پر لگتی ہے۔ اس نے کہا پیر تم تو خوش کی نماز ابھی نہیں ملا سکتے۔ مجھے عصا مارنے کی اجازت نہ دے۔ صرف چادر کا دامن ماروں گا۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا۔

مقبوس ۷۲ بوقت عصر بروز شنبہ ۲۵ محرم ۱۳۱۷ھ

حضرت اقدس کا مندر میں قیام

حضرت اقدس سفر ہندوستان کا ذکر فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن ہم شہر دیس وال پہنچے۔ بہت سخت بارش ہو رہی تھی اور سر چھپانے کی جگہ نہیں تھی۔ آخر ایک مندر نظر آیا ہم جلدی سے اس کے اندر گھس گئے اور اندر سے دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ مندر کے لوگ مطالبہ کر رہے تھے کہ باہر نکلو ورنہ شر عظیم برپا ہو جائے گا۔ دراصل وہ ہم سے ڈر رہے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم پٹھان ہیں۔ اس لیے ہم بھی ان کو یہ جواب دے رہے تھے کہ ہم بھی سراپا شر ہیں آؤ اور شر کرو۔ چونکہ ہمارے پاس اسلحہ از قسم تلوار اور بندوق تھا وہ ڈر گئے اور عجز و نیاز سے پیش آنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تم کو دوسری جگہ دیتے ہیں ہمارا یہ عبادت خانہ خالی کر دو۔ چنانچہ انہوں نے دوسرا مکان دکھایا جو ہمیں پسند نہ آیا۔ اس کے بعد انہوں نے دوسرا مکان دکھایا جو اچھا تھا۔ ہم وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ حضور سفر کے دوران خرچ اخراجات اور سامان خورد و نوش بھی ساتھ لے گئے تھے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں بہت دفعہ اجمیر شریف جا چکا ہوں لیکن اس چولستان اور مارواڑ کے راستے حج سے پہلے پانچ بار گیا ہوں۔ پہلی بار البتہ زادِ راہ اور خرچ ساتھ لے گئے تھے لیکن دوسری بار صرف ایک روپیہ یا ایک روپیہ چار آنے پاس تھے۔ اس کے بعد بڑے دریاؤں کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ چار دریا ہیں کہ جن کا منبع بہشت ہے۔ ایک

دریائے نیل، دوسرا دریائے فرات، تیسرا دریائے جیحون (جو افغانستان اور روس کی سرحد پر ہے) چوتھا دریائے گنگا۔ اہلِ ہنود کے نزدیک دریائے گنگا کا منبع جٹا یعنی مہادیو کی چوٹی ہے۔

ملفوظ ۳: بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۲۶ محرم ۱۳۱۷ھ

لفظ نقشبندی کی وجہ تسمیہ

حاضرین میں سے عرض کی کہ قبلہ سلسلہ نقشبندیہ کیوں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نقشبندی منسوب ہے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند سے آپ کو نقشبند اس لیے کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کے اہلِ خانہ ریشمی قالین بنایا کرتے تھے اور ان کو خوبصورت نقش و نگار سے آراستہ کرتے تھے۔ بعض لوگ ایک اور وجہ بھی بتاتے ہیں۔ لیکن وجہ مذکور سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کے بعد فرمایا یہ نسبت جو ہر سلسلہ میں واقع ہے یا کسی شہر اور قصبہ کی وجہ سے ہے یا کسی بزرگ کے نام سے وابستہ ہے۔ چنانچہ ہمارا سلسلہ چشتیہ عالیہ چشت سے منسوب ہے جو خراسان کے ایک قصبے کا نام ہے اور پہلے بزرگ جو لقب چشتی سے ملقب ہوئے ہیں شیخ الشیوخ حضرت ابو اسحاق شامی قدس سرہ ہیں۔ اسی طرح سلسلہ سہروردیہ سہرورد سے منسوب ہے۔ جو حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رح کا مولد و مسکن ہے اور عراق عجم میں واقع ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے اسمِ گرامی سے منسوب ہے۔ سلسلۂ عزیزیہ کبرویہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے منسوب ہے جن کا لقب طامتہ الکبریٰ تھا۔ آپ کو یہ لقب اس وجہ سے ملا کہ طالب علمی کے زمانے میں آپ جس ہم درس کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے تھے غالب آجاتے تھے۔ طامتہ کے معنی ہیں غلبہ کے اور کبریٰ یعنی کلاں (بڑا)۔

حلاج کی وجہ تسمیہ

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ منصور حلاج اس وجہ سے نہیں کہتے کہ آپ کا پیشہ حلاج (روئی دھنے والا) تھا۔ بلکہ

بلکہ قصہ یوں ہے کہ آپ کا ایک دوست تھا جو حلاج تھا۔ ایک دن آپ اسکی دکان پر تشریف لے گئے۔ وہ روئی دھن رہا تھا۔ آپ نے اسے کسی کام کے لیے باہر بھیج دیا۔ اور انگلی سے اشارہ کیا تو روئی خود بخود دُھن گئی۔ جب آپ کا دوست واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تمام روئی دھنی پڑی ہے۔ اسی روز سے آپ کا لقب حلاج ہو گیا۔

حضرت خواجہ نقشبند رح کی عظمت

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ اس قدر عظیم الشان ولایت پر مبعوث ہوئے تھے کہ مشائخ عظام کا خیال تھا کہ ولایت کا ظہور جس شان و شوکت سے حضرت شیخ جنید قدس سرہٗ میں ہوا۔ اس کے بعد وہ مقام کسی ولی اللہ کو نصیب نہیں ہوا۔ مگر مدت دراز کے بعد حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند اسی شان و شوکت سے جلوہ گر ہوئے۔ اس اثنا میں راقم الحروف پر کمال ذوق و گریہ طاری تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے سلسلہ میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رح کو خواجہ بزرگ کہتے ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کو۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رح جن کا شمار اکابر اولیاء اللہ اور مشائخ روزگار میں ہوتا ہے اپنی کتاب فقرات میں لکھتے ہیں کہ خاتم الخلفاء کے توسط کے بغیر حق سبحانہٗ تعالےٰ تک رسائی ناممکن ہے اور آپ خاتم الخلفاء خواجہ نقشبند کو سمجھتے ہیں اس کے بعد حاجی عمر خان شاہد نے جو حضرت اقدس کے مقربین میں سے ہیں عرض کیا کہ آیا یہ صحیح ہے کہ خاتم الخلفا حضرت خواجہ نقشبند رح کے توسط کے بغیر حق تعالےٰ تک رسائی ناممکن ہے۔ آپ نے فرمایا بات یہ ہے کہ ہر شخص جس طرح اپنے سلسلہ کے مشائخ کے متعلق خیال کرتا ہے اسی طرح ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء صلعم نے حضرت اویس قرنی کے حق میں فرمایا ہے کہ اِنّی وَجَدْتُ نفس الرحمٰن من قبل الیمن (مجھے یمن کی طرف سے ٹھنڈی ہوا محسوس ہوئی)۔ چنانچہ ایک دن حضرت شیخ ابو یزید بسطامی رح خرقان سے گذرے اور فرمایا کہ مجھے یہاں سے دوست کی بُو آتی ہے۔ دوست سے ان کی مُراد شیخ ابوالحسن خرقانی رح ہے۔ اسی طرح ایک دن حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رح

قصرِ ہندوان سے جو بخارا کے پاس ایک گاؤں ہے گزر رہے تھے تو فرمایا کہ مجھے اس جگہ سے خدا کی بُو آتی ہے۔ تھوڑے عرصے بعد قصرِ ہندواں قصرِ عارفان بن جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا کس طرح ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اس جگہ ایک بزرگ پیدا ہوں گے جو مقتدائے جہان ہوں گے اور انکا نام بہاؤ الدین ہوگا۔ چنانچہ جس طرح آپ کی زبان سے نکلا قصرِ ہندوان جہاں ہندو لوگ رہتے تھے قصرِ عارفان کہلانے لگا۔ حتیٰ کہ آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ جب حضرت خواجہ نقشبند پیدا ہوئے تو والد صاحب ان کو حضرت خواجہ بابا سماسی کی خدمت لے آئے۔ آپ نہایت خوش ہوئے اور بیٹے کو گود میں لے کر فرمایا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس وجہ سے کہ میں نے اسے قبول کیا ہے اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ یہ وہی مرد ہے جس کی خوشبو مجھے آئی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت محمد بابا سماسی نے اپنے خلیفۂ جانشین خواجہ سید امیر کلال سے فرمایا کہ میں ان کی تربیت کے وقت تک زندہ نہیں رہوں گا تم اپنی ساری ہمت میرے فرزند بہاؤ الدین کی تربیت میں صرف کرنا۔ اور اس میں کوئی کمی نہ کرنا۔ چنانچہ سید امیر کلال نے اپنے پیر کی وصیت کے مطابق خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی تعلیم و تربیت و مجاہدت کے لیے کماحقہ کوشش کی۔ لیکن جب انہوں نے خواجہ نقشبند میں عظیم استعداد دیکھی تو فرمایا کہ جو کچھ مجھے حضرت محمد بابا سماسی سے ملا ہے سب تجھے دے دیا ہے، پیر کی وصیت کو پورا کیا ہے اور ذرّہ بھر تجھ سے دریغ نہیں رکھا۔ چنانچہ میں نے اب اپنے پستان کو تمہاری خاطر بالکل خشک کر دیا ہے لیکن اے فرزند بہاؤ الدین تمہاری ہمت کا طائر بلند پرواز ہے اب تجھے رخصت ہے دنیا کی سیر کرو اور ہر جگہ کی خوشبو سونگھو۔ اس سے اشارہ یہ تھا کہ مشائخ روزگار سے فیض حاصل کرو۔ چنانچہ آپ نے شیخ قشمؒ اور حضرت شیخ خلیل آماسوی سے فیضِ صحبت حاصل کیا اور دوسرے مشائخ زمانہ کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر استفادہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ حضرت خواجہ نقشبند کو ذکرِ جہری سے مناسبت نہیں تھی۔ آپ ہمیشہ ذکرِ خفی میں مشغول رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب سیّد امیر کلال رحؒ اپنے مریدینؒ کو بٹھا کر حلقہ ذکر کرتے تھے اور ذکرِ خفی کے ذریعے مراقب ہو کر توجہ دیتے تھے اور

اور جب ذکرِ جہر کی نوبت آتی تو حضرت خواجہ نقشبند اُٹھ کر دوسرے مقام پر مشغول ہو جاتے تھے۔ ایک دن لوگوں نے ازراہِ طنز کہا کہ یہ عجیب رویہ اختیار کیا ہے جو مشائخ عظام کے طریق سے مختلف ہے۔ اس پر سید امیر کلال رح نے فرمایا کہ ہم نے ان کو اختیار دیا ہے کہ جو طریق اختراع کر سکتے ہیں اور ایسے مشائخ کو نبوت سے حصہ ملتا ہے۔

خلفائے حضرت خواجہ نقشبند رح

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ نقشبند رح قدس سرہ کے خلفاء بہت ہیں لیکن خلیفہ اکبر اور جانشین حضرت خواجہ علاؤ الدین رح ہیں۔ حضرت خواجہ محمد پارسا رح بھی آپ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کا مرتبہ اس قدر بلند تھا کہ آپ کے حق میں حضرت خواجہ نقشبند رح نے فرمایا ہے کہ محمد پارسا میرے اصحاب میں سے بُرخ ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ بُرخ حضرت موسےٰ علیہ السّلام کی اُمّت میں بڑے ولی اللہ تھے۔ اُن کا درجہ اس قدر بلند تھا کہ جب حضرت موسےٰ علیہ السّلام کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو اُن کے پاس جا کر دعا کراتے تھے۔ اسی طرح حضور حضرت سرورِ کائنات بھی حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بُرخ کہا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کا بُرخ اویس قرنی ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا سبحان اللہ! خواجہ نقشبند اور خواجہ محمد پارسا کی کیا شان ہے کہ یا حضور حضرت نبی کریم اپنی امّت سے بُرخ مقرر کر رہے ہیں یا خواجہ نقشبند رح اپنے خلیفہ کو بُرخ کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ یہ لقب یا خواجہ اویس قرنی رض پر راس آیا یا خواجہ محمد پارسا رح پر۔ اولیاء اللہ میں سے دُوسرا کوئی بُرخ نہیں ہوا۔ اس کے بعد حضرت اقدس اور حاضرین نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔

مقبوس ۴: بوقت عصر بروز پنجشنبہ ۲۸ محرم ۱۳۱۷ھ

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ بڑے عظیم الشان اور اکابر اولیاءِ زمانہ میں سے تھے اور ولایتِ متفقہ کے مالک تھے۔ چنانچہ آپ کے زمانے میں جتنے اقطاب، ابدال یا اوتاد تھے سب نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ ایک دن مجلس سماع گرم تھی تمام فقراء جمع تھے اور شیخ ابوسعیدؒ درمیان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن معاملہ سرد تھا کسی شخص پر اثر نہیں ہو رہا تھا۔ شیخ نے فرمایا مجلس بند کردو اور خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اِس کے بعد انہوں نے اولیائے سلف کی حکایات شروع کر دیں جس سے ہر شخص کے دل میں ذوق و شوق کی آگ بھڑک اٹھی۔ یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ اب سماع شروع کرو۔ جب سماع شروع ہوا تو حضرت شیخ اور تمام اصحاب پر وجد طاری ہو گیا اور اسی وجد کی حالت میں اپنے شیخ حضرت ابوالفضل قدس سرہٗ کے مزار پر گئے۔ اِس وقت تقریباً چار سو درویش وجد میں تھے اور حضرت شیخ کے مزار کا طواف کر رہے تھے۔ سب لوگوں پر اس قدر ذوق اور بے خودی کا غلبہ تھا کہ ان کو اپنی بھی خبر نہیں تھی۔ جب حالتِ وجد فرو ہوئی تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ آج کی تاریخ لکھ لو۔ اِس سے پہلے یہ حالتِ وجد و غلبہ کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے بعد جب آپ کا کوئی مرید حج کے لیے رخصت طلب کرتا تو آپ فرماتے تھے کہ جاؤ میرے شیخ ابوالفضل کے مزار کے گرد سات سات بار طواف کرو حج پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اِس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کا سلسلہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ سلاسل کے مختلف ناموں سے مشہور ہونے سے پہلے تھے۔ اِس وقت آپ کے سلسلہ کو جنیدیہ کہتے تھے۔ اِس وجہ سے کہ شیخ ابوسعید حضرت شیخ ابوالفضل ابن الحسن سرخسیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ شیخ ابونصر سرّاج کے، وہ حضرت شیخ ابومحمد مرتعش کے اور وہ سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ہم میانوالی میں تھے جہاں حافظ گموںؒ نے

قوالی سُنائی۔ قوالی میں مجھ پر اس قدر جوش و وجد طاری ہُوا کہ مَیں بے خود ہو کر گر پڑا لوگوں نے مجھے عطر سنگھایا اور عرقِ گلاب سینے پر چھڑکا۔ اِس کے بعد فرمایا کہ مردانِ خدا نے تو اس راہ میں سر دے دیئے ہیں۔ اِس کے بعد میرے دماغ کو اس قدر صدمہ ہُوا کہ رات کو خواب میں بھی وجد کرتا تھا۔ اور ہولناک خواب دیکھتا تھا۔ چنانچہ ایک رات ہم حضرت شیخ عبدالستار کے مزار پر تھے (آپ کا مزار خانپور کے مضافات میں ہے) ہم ۔ مسجد میں جو کھوہی کے قریب ہے اور جس کے در پر ثمر ہندی (املی) کا درخت ہے چارپائیاں ڈال کر سو گئے۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ اس درخت کے ہر پتے اور ہر شاخ سے خون بہہ رہا ہے۔ اس کے بعد دیکھا کہ کسی شخص نے نواب صادق محمد خان کے والد نواب بہاول خان کو گولی ماردی ہے۔ اِس کے بعد بیدار ہو گیا اور دو تین ماہ کے بعد بہاول خان کے فوت ہونے کی خبر موصول ہوئی۔

اِس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور ایک شخص مسجد میں آیا ہے۔ برقعہ پہنتا ہے اور غیر محرم لوگوں سے منہ چھپاتا ہے۔ وہ بڑا پارسا ہے اور حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کرتا ہے اگر اجازت ہو تو اُسے لے آؤں تاکہ قدم بوسی حاصل کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا ظاہر و باطن یکساں ہے تو لے آؤ ورنہ نہیں۔ اس کے بعد آپ نے عراقی کے یہ اشعار پڑھے ؎

۱۔ صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی　　　که دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

۲۔ بہ زمین چو سجدہ کردم ز زمین ندا برآمد　　　کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

۳۔ بطوافِ کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند　　　کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

۴۔ بقمار خانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم　　　چو بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم دغائی

۵۔ در دیر راز دم من ، ز درون ندا برآمد　　　کہ بیا بیا عراقی تو ز خاصگانِ مائی !

ترجمہ: (۱) اے دوست، مجھے تو قلندروں کا سا راستہ دکھا کیونکہ مَیں نے دیکھا ہے کہ کہ صوم صلوٰۃ کا راستہ بہت طویل ہے۔

۲۔ جب مَیں نے زمین پر سجدہ کیا تو زمین سے یہ آواز آئی کہ تُو نے

مجھے ریا (دکھلاوہ) آلودہ سجدوں سے خراب کیا ہے۔

۳۔ جب میں نے کعبہ کا طواف کیا تو اندر سے یہ آواز آئی کہ تُو نے دروازے سے باہر کیا گیا ہے کہ اندر آتا ہے۔

۴۔ جُوا خانہ گیا تو سب کو پاکباز پایا۔ جب عبادت خانہ میں گیا تو سب کو دغا باز دیکھا۔

۵۔ میں نے بُت خانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی کہ آؤ آؤ عراقی تم ہمارے خاص آدمی ہو۔)

اِس کے بعد فرمایا کہ شیخ عراقی رح نے یہ جو جُوا بازوں کو پاکباز کہا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہا ہے کہ ان لوگوں کا جو ظاہر ہے وہی اُن کا باطن ہے۔ ان کا اندر اور باہر یکساں ہے۔

مقبوس ۵: بوقت ظہر روز یکشنبہ یکم صفر ۱۳۱۷ھ

حضرت اقدس نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر وظیفہ پڑھ رہے تھے اور شہادت کی اُنگلی سے قلب پر کچھ لکھ رہے تھے۔ یہ بات بارہا دیکھنے میں آئی ہے۔ اِس کے بعد تلاوت کلام پاک کی اور دعا مانگی۔ اور دو آدمیوں کو بیعت فرمایا۔ بیعت کے بعد آپ نے اپنا دایاں ہاتھ پہلی بار مرید کے قلب پر اوپر سے نیچے کی طرف تین بار پھیرا۔ چوتھی بار اُسی ہاتھ کی اُنگلیوں کے سروں کو اپنی زبان مبارک سے تر کر کے دوبارہ اس کے قلب پر پھیرا۔ اس کے بعد دوسرے مرید کے بائیں کندھے پر ہاتھ پھیر کر چوتھی بار انگلیوں کے سروں کو زبان سے تر کر کے اس کے قلب پر پھیرا۔ اس کے بعد مجلس برخواست ہوئی۔ آپ اپنے حجرۂ خاص میں تشریف لے گئے اور باری باری مریدین کو خلوت میں وظائف وغیرہ تلقین فرماتے رہے۔

مقبوس ۷۶: بوقت ظہر بروز سہ شنبہ ۳ صفر ۱۳۱۷ھ

حضرت محبوب الٰہی رح کا سماع

سماع و سرود کا ذکر ہونے لگا۔ نواب قیصر خان مگسی ساکن جھل نے جو آپ کے مرید تھے۔ عرض کیا کہ قبلہ حضرت سلطان الاولیاء نے زیادہ سماع سُنا ہے یا حضرت قبلہ محبوب الٰہی رح نے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہی نے حضرت سلطان الاولیاء سے زیادہ سماع سُنا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی مشائخ عظام کے عرسوں کے علاوہ ہر نالویں دسویں دن مجلس سماع قائم کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ زبانِ مبارک سے کچھ نہیں کہتے تھے لیکن آپ کے اصحاب اور قوال مقتضائے مزاج مقدس کے مطابق دن رات قوالی کا اہتمام کرتے تھے۔ کبھی دروازے پر دیوار سے باہر کسی نقارہ اور شہنائی نواز کو بٹھا کر خدام لوگ حضرت شیخ کے لیے سرود کا بندوبست کرتے تھے۔ غرضیکہ اکثر اوقات آپ سماع میں مشغول رہتے۔

اِس کے بعد خان مذکور نے عرض کیا کہ قبلہ، حضرت محبوب الٰہی رح نے کبھی عورتوں سے بھی گانا سُنا تھا یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ساری زندگی میں انہوں نے دو بار سماع سُنا۔ اور دونوں دفعہ آپ پر وجد طاری ہُوا۔ ایک دفعہ حضرت سلطان الاولیاء کے عرس کے موقعہ پر حرم شریف کے حجروں میں آپ قیام پذیر تھے۔ یہ بات ہمیں بھی یاد ہے کہ ایک دن حضرت محبوب الٰہی رح اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک گانے والی عورت آئی اور خانقاہ شریف کے آستانہ پر تھلہ سے نیچے ساز و سرود کے ساتھ ناچنا شروع کیا۔ وہ ایک ہندی شعر گا رہی تھی۔ جونہی اس کی آواز حضرت محبوب الٰہی کے کانوں میں پہنچی آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ لوگوں نے چپکے سے جا کر اس عورت کو کہا کہ شاباش یہ شعر بار بار کہو کیونکہ حضرت اقدس پر حالت طاری ہے۔ دوسری دفعہ ایک عورت اندرون حویلی گا رہی تھی اور یہ شعر پڑھ رہی تھی ؎

لگن بِن رَہن نہ جاگی کوئی

یہ شعر سُن کر حضرت اقدس پر ذوق طاری ہُوا اور وَجد میں آگئے۔

حضرت مولانا فخر الدین کا سماع

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ فخر الاولیاء میرے شیخ علیہ الرحمہ سماع کے اس قدر شائق تھے کہ زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ آپ حضرت قبلہ محبوب الٰہی کی طرح ہر وقت سماع سنتے تھے اور ہر وقت ہر غزل، ہر شعر، ہر دوہڑہ پر آپ کو ذوق آجاتا تھا۔ بسا اوقات حجرہ کے دروازہ پر قوال گایا کرتے تھے آپ اندر بیٹھے سُنا کرتے تھے۔ جب ذوق بڑھ جاتا تھا تو آپ اُٹھ کر رقص کرتے تھے۔ اس وقت قوال بھی حجرہ کے اندر داخل ہو جاتے تھے اور باقاعدہ مجلسِ سماع منعقد ہو جاتی تھی۔ آں حضرت پہلے مراقبہ کرتے تھے اور اس کے بعد ذکر جہری میں مشغول ہوتے تھے۔

آدابِ سماع

اِس کے بعد فرمایا کہ آج کل اکثر درویشوں کے خاندانوں سے آدابِ سماع مفقود ہو چکے ہیں۔ چونکہ آداب نہیں بجالاتے لذّت اور ذوق سے بھی بے بہرہ رہتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے اجمیر شریف جانے کا اتفاق ہُوا وہاں آج کل یہ دستور ہو گیا ہے کہ مجلس سماع میں غربا و مساکین ایک فرش پر بٹھائے جاتے ہیں اور سجادہ نشینوں، امیروں اور دولت مندوں کے لیے دوسری طرف معزز طریق پر قالینوں پر بٹھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ایک دن حضرت خواجۂ بزرگ رح کے عرس کے موقعہ پر سماع خانہ میں مجلس سماع منعقد ہوئی۔ ایک طرف سجادہ نشین، امیر اور دولت مند لوگ تھے۔ مجھے بھی اُسی صف میں جگہ دی گئی اور دوسری طرف باقی لوگ تھے۔ جب قوالی شروع ہوئی تو میں نے دیکھا کہ امیروں کی صف میں سلسلۂ گفتگو اور چائے نوشی جاری رہا۔ یہ لوگ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے اور وہی غریب لوگ باقی رہ گئے۔ چنانچہ میں بھی اٹھ کر عوام کے ساتھ جا بیٹھا میرا وہاں بیٹھنا تھا کہ ذوق و شوق اور جوش و خروش پیدا ہُوا۔ بعض صوفی لوگ میرے پاؤں پر سر رکھ رہے تھے اور بعض میرے گرد طواف کر رہے تھے اور ذوق و شوق کے عالم میں مست تھے۔ اور اشعار پڑھ رہے تھے۔

مقبوس ۷۷ : بوقت عصر بروز چہار شنبہ ۴ صفر ۱۳۱۷ھ

مُرید کی مشرکانہ بات پر حضرت اقدس کا غصّہ

آپ کی خدمت میں ایک آدمی دست بستہ رو رو کر یہ گذارش کر رہا تھا کہ قبلہ اس غلام کو دو چیزیں عطا کی جائیں۔ ایک اپنی عقیدت مندی دوسرے میری روزی نہایت تنگ ہے میری روزی فراخ ہو جائے۔ میں خدا اور رزّاق حضور کو سمجھتا ہوں۔ یہ بات سُن کر آپ بہت غصّے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں ان باتوں سے تنگ آگیا ہوں اور تعلق قطع کرنا چاہتا ہوں۔ ہم اپنے پیروں کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں۔

مقبوس ۷۸ : بوقت ظہر بروز یکشنبہ ۸ صفر ۱۳۱۷ھ

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ قبلہ حضرت سلطان الاولیاءؒ اپنے شیخ حضرت قبلہ عالم مہاروی کا عرس اسی جگہ پر کرتے تھے یا مہار شریف میں۔ آپ نے فرمایا کہ اس جگہ آپ صرف حضرت قبلہ محب النبیؐ مولانا دہلوی رحؒ کا عرس کیا کرتے تھے لیکن اپنے شیخ کا عرس ہمیشہ مہاراں شریف جا کر کرتے تھے۔ اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضرت قبلہ عالم کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ تمام خلفاءِ راشدین موجود تھے لیکن انہوں نے تجہیز و تکفین کا کام حضرت مولوی خدا بخش صاحب خیرپوری کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ غسل بھی انہوں نے دیا اور نمازِ جنازہ بھی انہوں نے پڑھائی۔ نیز جنازہ اٹھانے میں بھی آپ شریک تھے۔

استغراق کی وجہ سے نماز میں دوسروں کی امداد

اِس کے بعد فرمایا کہ مولوی خدا بخش صاحب

عجیب مشغولی رکھتے تھے۔ چنانچہ سنِ پیری میں نماز آپ کو دوسرے لوگ پڑھاتے تھے۔
اواخر عمر میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کو بھی نماز دوسرے لوگ پڑھاتے تھے۔
لیکن حضرت خواجہ تونسوی اور مولوی صاحب کی نماز میں یہ فرق تھا کہ حضرت خواجہ تونسوی رح کے ساتھ ایک خادم ہوجاتا تھا اور کہتا تھا کہ دو رکعت یا چار رکعت فرض یا سنت پڑھیں۔ اگر تکبیرات یا نماز کا کوئی رُکن بھول جاتے تھے تو خادم یاد دلاتا تھا لیکن حضرت مولوی صاحب کو پوری نماز یعنی تکبیرات، قرأت اور ارکانِ نماز دوسرا شخص ادا کرتا تھا اور کبھی حالت یہ ہوتی تھی کہ نماز پڑھانے والے سے کہتے تھے کہ بابا کیا کہتے ہو یا اگر نماز کے دوران کوئی نووارد السلام علیکم کہتا تو آپ اِس کا جواب دے دیتے تھے جب ایسا واقع ہوتا تو آپ بڑی مشکل سے نماز دہراتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ حالت بڑھاپے کی وجہ سے تھی یا استغراق سے۔ آپ نے فرمایا دونوں وجوہات کی بنا پر۔ اِس وجہ سے کہ شیخِ فانی صلہ کے مقام پر پہنچ چکے تھے اور شیخ فانی بھی تھے۔

حافظ غلام مرتضےٰ چیلاوہنی رح

اِس کے بعد فرمایا کہ حافظ غلام مرتضےٰ صاحب چیلاوہنی اگرچہ اپنے بھائی کے مرید و خلیفہ تھے لیکن فیضِ کثیر اور تکمیل ان کو حضرت مولوی صاحب کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ مولوی صاحب ملتان سے ترکِ سکونت کر کے پہلے چیلاوہن سکونت پذیر ہوئے۔ اس کے بعد خیرپور جا کر بقیہ زندگی وہاں گزاری۔ جن ایّام میں چیلاوہن میں قیام پذیر

صلہ شیخ فانی کا مطلب یہ نہیں کہ مقام فنا فی اللہ میں پہنچتے ہی مغلوب الحال ہو جاتے ہیں اور صوم و صلوٰۃ بمشکل ادا کرتے ہیں۔ شیخ فانی سے مُراد یہ ہے جب اولیاءِ کرام آخر عمر میں اپنے تمام فرائض منصبی سے فارغ ہو کر رشد و ہدایتِ خلق کا کام اپنے خلفاء کے سپرد کر دیتے ہیں تو وصال سے کچھ عرصہ پہلے وہ ذاتِ بحت میں پوری طرح مستغرق ہو جاتے ہیں۔ ان کو فرد یا صیغہ جمع میں افراد کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس استغراق تامہ کے باوجود بھی وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

تھے۔ حافظ غلام مرتضےٰ صاحب پر کمال لطف و مہربانی فرماتے تھے اور ہر وقت ان کی تربیتِ سلوک اور نگاہداشت میں رہتے تھے۔ حافظ صاحب تدریس علم میں بہت مشغول رہتے تھے۔ بعض اوقات جب تدریس کے وقت ان کا دل غافل ہو جاتا تو حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے کہ حافظ جی معاملہ گم کر بیٹھے ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ جتنا عرصہ چیلاوہن میں رہے آپ کا سارا خرچ حافظ صاحب برداشت کرتے تھے اور حضرت مولوی صاحب کو جو نذر نذرانے پیش ہوتے تھے اس میں نقد آپ خود رکھ لیتے تھے اور اجناس وغیرہ حافظ صاحب کو دے کر فرماتے تھے کہ ان کو فروخت کر کے رقم مجھے دے دو۔ حافظ صاحب اس پر عمل کرتے تھے۔ جب مولوی صاحب کے پاس کافی رقم جمع ہو گئی تو اس سے آپ نے حضرت قبلہ عالم مہاروی رح کا صفہ تیار کرایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولوی صاحب کی نمازِ جنازہ بھی حافظ صاحب نے پڑھائی تھی۔ واقعہ یوں ہوا کہ جب حضرت مولوی صاحب کا انتقال ہوا تو حافظ صاحب بغیر اطلاع کسی کام سے وہاں پہنچ چکے تھے۔

حضرت خواجہ خدا بخش رح کی مشغولی کا کمال

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت محبوب الٰہی رح اور حضرت مولوی خدا بخش صاحب مہاراں شریف میں ایک ہی مکان میں قیام پذیر ہوئے حجرے کے اندر حضرت محبوب الٰہی کو جگہ ملی۔ اور صفہ میں مولوی صاحب کا قیام تھا۔ آخر شب حضرت محبوب الٰہی رح اُٹھے۔ نوکروں نے وضو کرایا۔ آپ نے نمازِ تہجد پڑھی اور قبلہ رو ہو کر مشغول ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مولوی صاحب پرانے آدمی ہیں ان کو مجھ سے پہلے اٹھنا چاہیئے تھا۔ آخر جب میں مراقبہ اور ذکر جہر سے فارغ ہوا تو مولوی صاحب اسی طرح چارپائی پر لحاف اوڑھے سو رہے تھے۔ جب صبح صادق ہو گئی اور نماز فجر کا وقت ہوا تو میں نے مولوی صاحب کے متعلقین سے کہا کہ نماز کا وقت آگیا ان کو جگا دو۔ مولوی صاحب نے اُٹھ کر فجر کی سُنّت پڑھنی شروع کر دی اور آپ کا وضو وہی عشا کی نماز کا وضو تھا۔ یہ دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ نہایت مشکل کام ہے کہنے کو تو آسان ہے کرنا بے حد مشکل ہے کہ بستر راحت میں سویا رہے اور باوضو اور شاغل رہے۔

مقبوس ۷۹: بوقت ظہر بروز چہار شنبہ ۱۱ صفر ۱۳۱۷ھ

حضرت اقدس نماز ظہر باجماعت سے فارغ ہو کر تلاوتِ کلام پاک میں مشغول ہو گئے جب اس آیت پر پہنچے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَاکُلُوا اموالکم بینکم بِالْبَاطِلِ... الیٰ آخرہ سر عالم غیب میں نگوں فرما کر کلمۂ تمجید سبحان اللّٰہ والحمدُ للّٰہ ولا الٰہ الّا اللّٰہُ واللّٰہُ اکبر ولا حول ولا قوۃ اِلّا باللّٰہِ العلی العظیم ایک بار پڑھا اور لفظ لا الٰہ الّا اللّٰہ دو بار تکرار فرمایا۔ پھر پورا کلمہ از اوّل تا آخر دوسری بار پڑھا اِس کے بعد تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ تلاوت ختم کر کے دعا مانگی۔

حضرت خواجہ اجمیری کی اولاد

اِس کے بعد تجرید اور تاہّل کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے نکاح نہیں کیا تھا اور ساری عمر تجرّد میں گذاری۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ نے بھی اپنے شیخ کی مطابقت میں شادی نہ کی۔ صرف ان دو حضرات نے تجرّد کی زندگی بسر کی۔ ہمارے باقی تمام مشائخ عظام نے نکاح کیا اور بال بچے ہوئے۔ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کے مطابق ساٹھ سال کے بعد ہندوستان میں دو نکاح کیے۔ چنانچہ آپ کی ایک اہلیہ بی بی عصمت سیّد وجیہ الدین کی دُختر تھیں اور دوسری بی بی امۃ اللہ ہندوستان کے ایک راجہ کی بیٹی تھیں۔ دوسرا نکاح اس طرح ہوا کہ بادشاہانِ اسلام میں سے ایک بادشاہ کی کسی ہندو راجہ سے جنگ ہو گئی۔ بادشاہ نے فتح کے بعد راجہ کی لڑکی کو قید کر لیا اور حضرت خواجۂ بزرگ رحؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اسے قبول فرما کر نکاح

کرلیا۔حضرت شیخ کی اولاد تین بیٹوں اور ایک بیٹی پر مشتمل تھی۔ دو بیٹے ایک بیوی سے تھے۔ اور ایک بیٹا بیٹی دوسری سے۔ آپ کے ایک فرزند کا اسم گرامی خواجہ ابو سعیدؒ دوسرے کا نام خواجہ فخر الدین رح اور تیسرے کا نام خواجہ حسام الدین رح تھا۔حضرت اقدس کی بیٹی کا اسم مبارک بی بی حافظہ جمال تھا۔ خواجہ فخر الدینؒ کا مزار سرواڑ میں ہے جو اجمیر شریف کے نواح میں واقع ہے۔ خواجہ ابو سعید رح کا مزار معلوم نہیں کس جگہ ہے۔ خواجہ حسام الدین رح غیب ہو کر زمرۂ ابدال میں شامل ہو گئے تھے۔ حضرت خواجۂ بزرگ کے فرزندان کی کثرت سے اولاد تھی۔

مقبوس ۸۰: بوقت ظہر بروز یکشنبہ ۱۵ صفر ۱۳۱۷ھ

ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت اقدس نے تلاوت کلام پاک کی۔ اس کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا کر کے دعا مانگی۔ یہ نماز نفل اور دعائے مغفرت ایک عورت کے لیے تھی جو اس روز شہر کے ایک محلّے میں فوت ہو گئی تھی۔ سبحان اللہ کس قدر رحمت ہے کہ جس میں ہر کس و ناکس شامل ہے۔

متقدمین کا بلند پایہ کلام

اِس کے بعد متقدمین کے کلام کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولانا جامیؒ کا کلام سب سے زیادہ مجالس اعراس میں پڑھا جاتا ہے اور آپ کا کلام ہے بھی نہایت عمدہ۔ اِس کے بعد حضرت اقدس نے ان کے یہ اشعار پڑھے ؎

حدیثے مشکل و سرّیست مغلق	کہ در کون و مکان کس نیست جز حق
چو بندی از تصاریفِ شیون چشم	ترا مصدر نماید عینِ مشتق

(۱۔ یہ ایک نہایت ہی مشکل اور سربستہ راز ہے کہ کائنات میں سوائے حق تعالےٰ کے کسی کا وجود نہیں ہے۔)

(۲۔ جب تعیناتِ کثرت کو تم مٹا دو گے تو ہر مشتق تمہارے لیے مصدر

بن جائے گا یعنی مخلوق خالق کا عین نظر آئے گا۔ یاد رہے کہ مسئلہ عینیت اور غیریت پر پہلے متعدد بار بحث ہو چکی ہے۔)

صوفی چہ فغان است کہ من این الاین　　این نکتہ عیانست من العلم الی العین
ما الحاصل فی البحر چہ گوئی سفرے کن　　چو خضر بجوئے گہر از مجمع البحرین

(۱۔ اے صوفی تو من این الی الاین کے جھگڑے میں کیوں پھنسا ہوا ہے۔ یہ نکتہ تو مقولۂ من العلم الی العین سے واضح ہے۔ اس کی وضاحت آگے آرہی ہے)

(۲۔ ما الحاصل فی البحر یعنی سمندر کے سفر سے کیا فائدہ حاصل ہوگا یہ کہنا بند کر دے اور خضرؑ کی طرح مجمع البحرین سے گوہر مقصود حاصل کرنے کی کوشش کر۔)

اِن اشعار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ شرف الدین قونوی رح نے شیخ صدر الدین قونوی رح کی خدمت میں خط لکھ کر دریافت کیا کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں :۔ مِنَ اَینَ اِلَی العَین وَ مَا الحَاصِلُ فِی البین۔ شیخ صدر الدین رح نے جواب میں لکھا کہ مِن العلمِ الی العین و الحاصل الی البین تجدد نسبۃ جامعۃ بین الطرفین ظاہرۃ بالحکمین (من العلم الی العین اور ما الحاصل الی البین سے اس نسبت جامعہ کا قائم کرنا ہے جو طرفین یعنی حقیقتِ انسانیہ اور حقیقتِ الٰہیہ کے مجتمع ہونے سے وجود میں آتی ہے۔)

ترجمہ اشعار :

(۱) صوفی چہ فغان است کہ من این الی این　　این نکتہ عیانست من العلم الی العین
(۲) ما الحاصل فی البحر چہ گوئی سفرے کن　　چو خضر بجوئے گہر از مجمع بحرین

(۱۔ اے صوفی یہ جو تو شور مچا رہا ہے کہ مِنْ اَیْنَ اِلیٰ اَیْنَ یعنی ہم کہاں سے کہاں جا رہے ہیں۔ یعنی جب خدا ہر جگہ ہے تو پھر سفر کہاں کا۔ شاعر کہتا ہے کہ یہ نکتہ اس وقت حل ہوگا جب تم علم الیقین سے گذر

عین الیقین کے مقام پر پہنچو گے۔ یعنی جب تمہارا ایمان صرف تقلیدی اور سُنی سُنائی باتوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔

(۲) یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ سفر کرو ہمیں سمندر کے سفر سے کیا حاصل۔ اگر گوہرِ مقصود حاصل کرنا ہے تو خضرؑ کی طرح مجمع البحرین سے گوہر حاصل کرو۔ مجمع البحرین سے مراد وہی دو دریاؤں کا یکجا ہونا ہے۔ ایک بحرِ حقیقت انسانیہ اور ایک بحرِ حقیقت الٰہیہ۔ یعنی مقام فنائے تامّہ)

اس کے بعد حضرت اقدس نے یہ اشعار پڑھے ؎

۱۔ اے جاوداں بصورتِ اعیان برآمدہ — گاہے نمودہ ظاہر و گہہ مظہر آمدہ

۲۔ گاہش کشیدہ جاذبۂ عاشقی عناں — با داغ عاشقانِ بلا پرور آمدہ

۳۔ گاہش گرفتہ جلوۂ معشوقِ آتشیں — بر شکل دلبرانِ پری پیکر آمدہ

۴۔ بحریست متفق کہ ز اوصاف مختلف — باران و قطرہ و صدف و گوہر آمدہ

(۱۔ اے محبوب تو ہمیشہ جلوہ ہائے گوناگوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی تو عاشق بن کر جذب و اشتیاق میں آتا ہے اور کبھی مُظہر یعنی ظاہر کرنے والا کہلاتا ہے۔

۲۔ کبھی تو عاشق بن کر جذب و اشتیاق میں مارا مارا پھرتا ہے اور عاشق بلا نوش بن کر مصائب جھیلتا ہے۔

۳۔ کبھی معشوق کی شکل میں ظاہر ہو کر نگارِ پری پیکر بن جاتا ہے۔

۴۔ دراصل تو ایک بحرِ بے کنار ہے جو مختلف اوصاف یعنی کبھی بارش، کبھی قطرہ، کبھی صدف (سیپ) اور کبھی گوہر کے نام سے موسوم ہوا)

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے ؎

(۱) اے زہمہ صورت خوب تو بہ

صورک اللّٰہ علیٰ صورتہٖ

(اے انسان تیری صورت تمام صورتوں سے بہتر ہے کیونکہ حق تعالٰے نے تجھے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے)۔

(۲)- روئے تو آئینۂ حق بینی است
در نظر مردم خود بین منہ

(تیرا چہرہ ایک آئینہ ہے جس میں حق تعالٰے اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اِس لیے اسے خود غرض اور خود بین لوگوں کے سامنے مت رکھ۔)

(۳) بلکہ حق آئینہ و تو صورتی
وہم دوئی را بہ میان راہ مدہ

(بلکہ حق تعالٰے آئینہ اور تو صورت ہے دوئی کے گمان کو ترک کر)

(۴) صورت از آئینہ نباشد جدا
انت بہ متحد فانتبہ

(صورت آئینہ سے کب جدا ہو سکتی ہے یعنی دونوں ایک ہیں۔ پس دوست سے متحد ہو کر ایک ہو جا)۔

اے فسونِ چشمِ مستت مایۂ دیوانگی آشنایان ترا از خویش ہم بیگانگی!
شیوۂ عاشق چہ داند زاہد خلوت نشین جلوۂ طاؤس کے آید ز مرغ خانگی

(اے محبوب تیری آنکھ کا جادو میری دیوانگی کا سرمایہ ہے۔ یعنی میری مستی تیری نگاہِ مست کا ماحاصل ہے۔ عاشقی کا راز زاہدِ خلوت نشین کیا جانے، طاؤس یعنی مور کی جلوہ گری گھریلو مرغی سے کیسے عیاں ہو سکتی ہے)۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ سلطان الاولیاء رح پر شیخ نور بخش اسیری کے کلام پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اکثر آپ کے سامنے اس قسم کا کلام گایا جاتا تھا ؎

در مقام لی مع اللہ سیر نیست   وحدتے محض است ایں جا غیر نیست

(مقام لی مع اللہ میں سیر نہیں ہے یہاں اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے کہ "لی مع اللہ وقت لا یسعنی نبی المرسل و ملک المقرب" آں حضرت صلعم فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالےٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت یعنی مقام حاصل ہوتا ہے کہ جہاں نہ کسی نبی مرسل کا گذر ہو سکتا ہے نہ فرشتۂ مقرب کا اور یہ مقام فنائے ذاتِ بحت ہے جسے فنار الفنار یا ذاتِ لاتعین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہاں نام کا بھی گذر نہیں۔ لہٰذا شعر کے یہ معنی ہوئے کہ مقام لی مع اللہ میں سیر نہیں ہے۔ یعنی ناظر و منظور یا دوئی کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے وہاں وحدت مطلقہ کا دور دورہ ہے۔ اور غیر کا نام نہیں۔)

حضرت سلطان الاولیار کو یہ اشعار اس لیے پسند تھے کہ آپ پر محویت غالب تھی۔ (یعنی آپ پر اکثر ذات کا غلبہ رہتا تھا)۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ مجلس سماع میں آپ پر اسیریؔ کے اس شعر پر وجد طاری ہو گیا اور رقص کرنے لگے ؎

دلبرِ ما در میانِ جانِ ماست   جاں ز غفلت ہر طرف در جستجوئے

(دوست میرے دل کے اندر ہے اور ہم غفلت سے چار سُو تلاش کر رہے ہیں)۔

آپ رقص کر رہے تھے اور کمال ذوق و شوق میں یہ مصرعہ پڑھ رہے تھے ؎

دلبرِ ما خود یقین ایں جانِ ماست

(میرا دلبر بالیقین یہی میری جان ہے)۔

جب اہلِ مجلس نے جو علمائے، فضلار و مریدین پر مشتمل تھے۔ اس قسم کا کلام آپ کی زبان مبارک سے سُنا تو آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ حضرت اقدس جیسے بلند ظرف شیخ نے یہ انا الحق کے مترادف کلمات کس طرح کہہ دیئے۔ چنانچہ آپ نے روشن ضمیری سے اُن کی باتوں سے مطلع ہو کر فرمایا ؎

من نمے گویم انا الحق یار مے گوید بگو   چوں نگویم چوں مرا دلدار میگوید بگو

(انا الحق مَیں نہیں کہہ رہا بلکہ دوست کہتا ہے کہ کہو۔ جب دوست کا یہ حکم ہے تو پھر کیوں خاموش رہوں)۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ساری عمر میں یہی کلمہ شطح حضرت اقدس کی زبان سے صادر ہوا تھا۔ (شطح جمع شطحیات سے مُراد وہ کلمات ہیں جو بظاہر غیر شرع نظر آئیں لیکن درحقیقت صحیح ہوں مثل منصور الحلاج رح کا کلمہ انا الحق اور حضرت بایزید بسطامی رح کا نعرۂ سبحانی ما اعظم شانی)۔

مقبوس ۸۱: بوقت ظہر بروز چہار شنبہ ۸ ار صفر ۱۳۱۷ھ

حضرت اقدس نے نمازِ ظہر باجماعت ادا فرمائی اور سُنّتیں بھی امام کے پیچھے ادا کیں۔ یاد رہے کہ ان ایام میں آپ نے تمام فرائض وسنن باجماعت پڑھنا شروع کیا تھا[1]۔ نماز سے فارغ ہو کر تلاوت کی۔ جب اِس آیت پر پہنچے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ (پس جو شخص اضطراری حالت میں ہو نہ باغی نہ بے فرمان تو اس کے لیے حرام چیز کھا کر جان بچا لینا جائز ہے بیشک اللہ تعالےٰ بے حد مہربان ہیں)

[1] سنت امام کے پیچھے ادا کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان آیام میں آپ پر محویت کا غلبہ تھا اور حضرت خواجہ خدا بخش صاحب اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی رح کی طرح کمالِ استغراق فی الذات کی وجہ سے خود بخود نماز ادا نہیں کر سکتے تھے بلکہ امام کا سہارا لینے کی ضرورت تھی۔ یاد رہے کہ اس واقعہ سے تقریباً دو سال بعد حضرت اقدس کا وصال ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اکثر اولیاء کرام اپنے منصبِ خلافت کے فرائض پورے کر کے اور ہدایت خلق کے لیے خلفاء مقرر کرنے کے بعد وصال سے کچھ عرصہ پہلے استغراق میں چلے جاتے ہیں تصوّف کی اصطلاح میں ان کو شیخ فانی، فرد یا افراد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فرد کا مطلب یہ ہے کہ ذاتِ حق میں ایک ہو جاتے ہیں اور غیر کی گنجائش نہیں رہتی۔

تو آپ پر کمالِ ذوق و شوق کی حالت طاری ہوئی اور عالمِ غیب میں سرنگوں ہو کر کلمہ تمجید چار بار پڑھا اور آگے پڑھنا شروع کیا۔ جب اس آیت پر پہنچے تو پھر دوبار کلمہ تمجید پڑھا قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (اللہ تعالےٰ نے شیطان کو فرمایا کہ بیشک تجھے ڈھیل دی گئی ہے۔ یعنی قیامت تک جو چاہے کر بارہ۔ اِس سے پہلے شیطان نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں بنی نوع انسان کو گمراہ کروں گا۔ اِس کے جواب میں فرمایا کہ بیشک گمراہ کرنے کی کوشش کرو۔ اِس میں اشارہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے شیطان کا چیلنج قبول فرمایا اور یہ فرمایا کہ جو جی میں آئے کرو لیکن تم میرے خاص بندوں کو ہرگز گمراہ نہیں کر سکو گے۔ بلکہ چیلنج کا ترکی بہ ترکی جواب دینے میں بھی اشارہ ہے کہ اگر تم نے بعض عوام کو گمراہ بھی کر لیا تو کیا ہوا میں ان کو مجبور اور معذور سمجھ کر بخش دوں گا) تلاوت قرآن سے فارغ ہو کر آپ نے قرآن مجید کو بوسہ دیا اور دعا مانگی۔

مزامیر یعنی آلات سماع کا جواز

اِس کے بعد مزامیر (جمع مزمار بمعنی آلات موسیقی) کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ احقر نے عرض کیا کہ قبلہ مزامیر میں کون کون سے آلات سرود و ساز شامل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ وہ سرود جس میں تار لگی ہوئی ہو مثل سارنگی، طنبورہ، ستارہ وغیرہ اور وہ ساز جو سانس دے کر بجائے جاتے ہیں جیسے مُرلی، شہنائی، بانسری، نَے وغیرہ۔ یہ سب مزامیر کہلاتے ہیں۔ اِن کے علاوہ باقی چیزیں مثلاً دف، ڈھولک، نقّارہ وغیرہ یہ مزامیر میں داخل نہیں ہیں۔ اِس کے بعد فرمایا کہ مزامیر کا حرام ہونا قرآن مجید کی کسی آیت سے ہرگز و قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ اور احادیث شریف میں جو مزامیر کی حرمت آئی ہے وہ بھی بالعرض ہے بالاصالۃ نہیں ہے (یعنی حقیقتاً حرام نہیں بلکہ کسی خاص شکل میں منع کیا گیا تھا) وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مجالس عیش و عشرت گرم کی جاتی تھیں یہ مجالس فقراء کی مجالس سماع کی طرح نہیں بلکہ دولت مند اور عیاش لوگوں کی محفلیں ہوتی تھیں کہ جن میں گانے بجانے کے ساتھ شراب اور دوسری نشہ آور اشیا استعمال کی جاتی تھیں اور لوگ لہو لعب یعنی بے حیائی کی باتوں میں مشغول ہوتے تھے۔ جب

حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مسند نبوت پر بیٹھے اور قرآن میں شراب نوشی کی ممانعت ہو گئی تو آپ نے مزامیر کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شراب نوشی جو قرآن میں ممنوع تھی اس کے ساتھ مزامیر سُننا حرام قرار دیا گیا۔ علاوہ ازیں شراب نوشی کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی اس لیے مزامیر سے منع فرمایا کہ مبادا اس سے شراب کی یاد تازہ ہو اور لوگ بے بس ہو کر پھر شراب شروع کر دیں کیونکہ لوگوں کی یہ عادت ہو چکی تھی کہ مزامیر کے ساتھ شراب نوشی کرتے تھے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ مزامیر کو اس لیے ممنوع قرار دیا گیا کہ اِس سے شراب خوری کی عادت از سرِ نو نہ عود کرے۔ لیکن جب لوگوں سے شراب نوشی کی عادت بالکل چھوٹ گئی اور شراب کا خیال تک دل سے مٹ گیا تو مزامیر کے حرام ہونے اور سرود و مزامیر سُننے کی ممانعت کا حکم کسی جگہ نہیں آیا۔ [1]

حضرت قاضی محمد عاقل رح کا ڈھولک پر اعتراض

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیاء جس زمانے میں شدائی شریف میں قیام فرما تھے تو ایک دن ماہِ رمضان میں کسی شخص نے شادی کے موقعہ پر ڈھولک بجائی اور اس کی تھوڑی سی آواز جب آں حضرت کو سنائی دی تو آپ نے کان لگا کر ایک دو دفعہ سُننے کی کوشش کی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ ڈھولک کی آواز ہے تو حاضرینِ مجلس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم ان لوگوں کو منع نہیں کرتے کہ علانیہ میدان میں ڈھولک بجا رہے ہیں۔ خصوصاً ماہ رمضان شریف میں۔ اندریں اثنا حضرت قبلہ محبوب الٰہی نے جو مجلس میں موجود تھے عرض کیا کہ حضور ہم کس طرح ان کو ڈھولک بجانے سے منع کر سکتے ہیں جبکہ ہم خود عرس کی مجالس میں ڈھولک

---

[1] جوازِ مزامیر و سماع پر مفصل و مکمل بحث کتاب سِرِّ دلبراں مصنفہ حضرت مولانا سید محمد ذوقی رح میں ملاحظہ ہو۔ ملنے کا پتہ المعارف۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور۔

نیز ملاحظہ ہو ہماری کتاب "آثار و مقامات خواجہ غلام فرید"۔

روا رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بابا یہ ڈھولک کہا اور وہ ڈھولک کجا۔ اِن مجالس میں لہو و لعب اور غیر شرع باتیں ہوتی ہیں اور ہماری مجالس ان امور سے خالی اور پاک ہوتی ہیں[۱]

حضرت داؤدؑ کے نغمات اور مزامیر

اِس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضور حضرت داؤد علیہ السّلام اپنے نغمات کے ساتھ ساز بجاتے تھے یا نہیں۔ فرمایا ہمارے علماءؒ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام کی لحن و آواز بغیر ساز و سرود میں اِس قدر کشش تھی کہ اس وقت پانی چلنے سے رُک جاتا تھا اور اُڑتے ہوئے پرندے زمین پر گر جاتے تھے۔ لیکن علمائے یہود کو ہمارے علماء سے اپنے انبیاء علیہم السّلام کے متعلق زیادہ علم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السّلام نغمات کے ساتھ سرنگی بھی بجاتے تھے۔

مقبوس ۸۲: بوقت ظہر بروز پنجشنبہ ۱۹ صفر سال مذکور

حضرت اقدس نے خادم سے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ اس نے برف کا ٹکڑہ پانی میں ڈال کر پیش کیا۔ آپ نے کچھ پانی نوش کیا اور فرمایا کہ ابھی اچھی طرح ٹھنڈا نہیں ہوا کچھ زیادہ ٹھنڈا کرو۔ خادم نے برف کا ایک اور ٹکڑہ پانی میں ڈالا اور آپ نے نوش فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ سری سقطی رح نے ساری عمر ٹھنڈا پانی نہیں پیا تھا۔ بلکہ آگ پر گرم کر کے پیتے تھے۔ شیخ سری سقطی رح فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے پانی کا کوزہ ہوا میں لٹکایا تاکہ پانی ٹھنڈا ہو جائے۔ ایک حور نے آکر کوزہ توڑ دیا اور کہا کہ اگر تجھے بہشت میں میری تمنّا ہے تو دنیا میں ٹھنڈا پانی مت پیو۔ اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت فخر الاولیاء میرے شیخ آبِ القبری نوش فرماتے تھے۔ یعنی پہلے القبر یعنی برف کسی بڑے فراخ پانی کے برتن میں حل کراتے تھے۔ اس کے بعد پانی کا ایک چھوٹا برتن میٹھے پانی

---

[۱] سبحان اللہ کس قدر اعتدال اور فہم دین ہے کہ افراط و تفریط سے بالکل پاک ہے۔

سے بھر کر اس بڑے برتن والے آب انقبری میں رکھتے تھے۔ ہلانے کے بعد وہ پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہو جاتا تھا۔ اور آپ نوش فرماتے تھے۔ لیکن حضرت سلطان الاولیاء اور حضرت محبوب الٰہی صرف تازہ پانی پیتے تھے کیونکہ اس زمانے میں برف ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہی رح گرمی کے موسم میں کوئیں سے تازہ پانی کی لوٹی منگوا کر اُسی لوٹی سے پانی پیتے تھے۔ میرے شیخ بھی بعض اوقات پانی کی لوٹی منگوا کر پیتے تھے۔ لیکن اکثر اوقات آپ آبِ البقری نوش فرماتے تھے۔ آپ وضو بھی مٹی کے کوزے سے کرتے تھے اور سردی کے موسم میں پانی گرم کرا کے وضو کرتے تھے۔ وہ بھی مٹی کے کوزہ میں ڈال کر وضو کرتے تھے۔ تانبے کے برتن سے پرہیز فرماتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میاں غلام رسول بھی تانبے، پیتل، اور گُٹ کے برتنوں سے اجتناب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ وضو بھی مٹی کے برتن سے کرتے تھے۔ روٹی بھی مٹی کی تھالی میں رکھ کر کھاتے تھے اور سالن وغیرہ بھی مٹی کے پیالے میں نکال کر کھاتے تھے۔ آپ چاندی یا تانبے کے سکّوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ سکّوں کو ہاتھ کیوں نہیں لگاتے۔ آپ نے فرمایا جب میں سکّوں کو ہاتھ لگاتا ہوں تو ہاتھ سے آدمی کے براز اور غلاظت کی بُو آتی ہے۔

میاں غلام رسول صاحب رح

اِس کے بعد فرمایا کہ میاںجی (میاں غلام رسول صاحب) کی بیعت حضرت سلطان الاولیاء سے ہے لیکن انھوں نے تربیت سلوک مولوی صاحب، مولوی سلطان محمود صاحب، خابیلوی رح سے پائی تھی فرمایا میانجی صاحب بڑے صاحب وجد و حال درویش تھے۔ اور سماع سے بہت انس تھا۔ آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں آپ دائیں بائیں دیکھتے رہتے تھے اور بعض اوقات ایک دو قدم آگے پیچھے اور دائیں بائیں چلے جاتے تھے لیکن اس کی خبر نہیں ہوتی تھی کہ کیا کر رہا ہوں۔ اِس کے بعد فرمایا کہ میاں غلام رسول صاحب کے بھائی میاں غلام محمد بھی فقیر تھے لیکن میاں غلام رسول صاحب کی طرح نہیں تھے۔

مولوی عثمان صاحب کا رقص

اِس کے بعد صوفیوں کے وجد و رقص کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیاءؒ کے عرس کے موقعہ پر حضرت قبلہ محبوب الٰہی رحؒ کوٹ مٹھن شریف میں عصر کے وقت مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک گانے بجانے والی عورت نے چبوترہ سے نیچے ناچنا شروع کیا۔ اور ساز و سرود بجنے شروع ہوئے۔ اِس پر مولوی عثمان ساکن بھنبھڑان کو وجد آ گیا اور اس رقاصہ کی اُنگلی میں اُنگلی ڈال کر اس کے ساتھ رقص کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر میاں لعل خان نے جو حضرت شیخ کا خادم خاص تھا جاکر عرض کیا کہ حضور میاں عثمان رقاصہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر رقص کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ بات سُن کر کوئی جواب نہ دیا۔ چونکہ میاں لعل خان کے دل میں میاں عثمان کے خلاف غم و غصہ کی لہر موجزن تھی۔ کچھ دیر کے بعد پھر عرض کیا کہ میاں عثمان رقاصہ کے ساتھ رقص کر رہا ہے۔ ان کا بار بار عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ کو میاں عثمان سے رنجیدہ خاطر کرائیں۔ لیکن آپ نے دوسری بار بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے کچھ دیر کے بعد تیسری بار عرض کیا کہ میاں عثمان رقاصہ کے ساتھ رقص کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ نے حاضرینِ مجلس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ان لوگوں نے دھمال، رقص، ناچ اور جھمر کی مختلف اقسام صوفیائے کرام کے وجد و رقص سے نقل و اخذ کی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ مولوی عثمان حضرت سلطان الاولیاء رحؒ کے مرید تھے لیکن سلوک حضرت محبوب الٰہی کے ہاں طے کیا تھا اور حضرت محبوب الٰہی اُن سے کمال محبت سے پیش آتے تھے۔ ایک دفعہ وہ چاچڑاں شریف آئے۔ حضرت محبوب الٰہی رحؒ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اور دیگر لوگ بھی موجود تھے مولوی صاحب نے ذوق و شوق کی حالت میں آ کر سب لوگوں کے جُوتوں کو اُٹھا کر دُور پھینک دیا اور یہ آیت پڑھی فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہُوا کہ جُوتا اُتار دو۔ کیونکہ تم پاک و مقدس مقام پر آئے ہوئے تھے۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے حضرت شیخ کے گھر کا طواف شروع کر دیا۔ اس کے بعد اندر آ کر حضرت محبوب الٰہی رحؒ کے گرد طواف کیا اور

قدم بوسی کرکے بیٹھ گئے۔

مولوی قادر بخش صاحب

اس کے بعد فرمایا کہ مولوی قادر بخش اسی مولوی عثمان صاحب کے بھائی تھے۔ وہ بھی حضرت سلطان الاولیاء رح کے مرید تھے اور اکثر سلوک آپ ہی کے ہاں طے کیا تھا لیکن کچھ تربیت حضرت محبوب الٰہی رح سے بھی حاصل کی تھی۔ مولوی قادر بخش کو تمام لوگ فقیر کہتے تھے۔ لیکن مولوی عثمان کو سب لوگ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بعض ان کو فقیر سمجھتے تھے اور بعض نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن میں نے جند دارائیں جو حضرت قبلہ محبوب الٰہی رح کے خاص خدّام میں سے تھا۔ سنا ہے کہ ایک دن میں نے حضرت قبلہ محبوب الٰہی رح کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی قادر بخش صدق و راستی کے ساتھ فقیر ہے لیکن مولوی عثمان خواہ مخواہ اپنے آپ کو فقیر ظاہر کرتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ مولوی قادر بخش رح کو مولوی عثمان سے کیا نسبت۔ اس دن کے بعد میاں جند وڈا کو میاں عثمان سے اس طرح عجز و نیاز سے پیش آتا تھا کہ جیسے کوئی اپنے پیر کے سامنے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب مولوی عثمان کی موت کا وقت قریب آیا تو اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ وہ سرمہ آنکھوں میں ڈال رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میرے تمام رشتہ داروں کو بلاؤ تاکہ سب سے رخصت ہو کر جاؤں۔ لوگوں نے کہا خیر تو ہے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے کہا ہے

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند ۔۔۔ کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

(تیرے کوچے میں عاشق اِس طرح جان دیتے ہیں کہ موت کے فرشتے کی وہاں رسائی نہیں ہوتی)

یہ کہتے ہوئے بیٹھے بیٹھے جان بحق ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب دونوں بھائیوں کی قبروں پر لوگ نذر نیاز پیش کرتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں۔

حضرت محبوب الٰہی رح کے تین شدید وجد

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی پر ساری

عمر میں تین دفعہ کمال جوش کے ساتھ وجد طاری ہُوا۔ اگرچہ آپ پر سو دفعہ عام وجد طاری ہُوا لیکن ان تین موقعوں کے برابر کبھی نہیں ہُوا۔ ایک دفعہ کوٹ مٹھن شریف میں حضرت سلطان الاولیاء کے عرس کے موقعہ پہ آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ اور اِس شدت سے طاری ہُوا کہ آپ کی زبان باہر نکل آئی اور بالکل بے خود اور مدہوش ہو گئے۔ حضرت فخر الاولیاء نے قوالوں کو خاموش کرایا۔ یہ دیکھ کر آپ (حضرت خواجہ فخر جہاں رح) زار زار رو رہے تھے اور حضرت شیخ کا علاج بھی کر رہے تھے۔ کافی دیر کے بعد آپ، عالم صحو و ہوشیاری میں آگئے۔ دوسری بار پاکپتن شریف میں آپ پر اس شعر پر وجد طاری ہُوا۔

بنڑا توں کون، ہیں رے جس نے جگت بریایا

(اے دولہا تو کون ہے کہ جس نے سارے جہاں کو مبتلا کر رکھا ہے)

آپ پر اس شدت سے وجد طاری ہُوا کہ کثرتِ آہ و نالہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریش مبارک کے ہر بال سے بارش برس رہی ہے۔ لطف یہ کہ عین گریہ و زاری کی حالت میں آپ کا چہرہ مبارک اِس قدر خنداں اور بشاش تھا کہ دہن مبارک سے دانت ظاہر ہو رہے تھے۔ یہ وجد چار گھنٹے تک جاری رہا۔ تیسری بار کوٹ مٹھن شریف میں حضرت سلطان الاولیاء کے عرس پر اس شعر پر آپ نے رقص شروع کیا ؎

سنبل بتاب لالہ سیاہ مست گل نباز یک جلوہ زاں جمال بگلزار آمدہ!

آپ کا حال اس قدر تیز تھا کہ چاشت سے لے کر ظہر تک آپ متواتر رقص کرتے رہے حضرت محبوب الٰہی رح کے عہد میں یہ دستور تھا کہ چاشت کے وقت سے دوپہر تک سماع سُنتے تھے۔ اس کے بعد ختم شریف ہوتا تھا۔ اور پھر مجلس برخواست ہوتی تھی۔ جب آپ ظہر تک رقص کرتے رہے تو چند خادم نے عرض کیا کہ حضور ظہر کی نماز کا وقت آگیا ہے لیکن آپ نے کچھ نہ سنا۔ اور رقص کرتے رہے۔ بہت دیر کے بعد خادم نے پھر عرض کیا کہ قبلہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔ لیکن پھر بھی شنوائی نہ ہوئی۔ خادم نے تیسری بار عرض کی کہ قبلہ ظہر کا وقت فوت ہونے والا ہے۔ یہ سُن کر آپ نے قبلہ کی

طرف منہ کر کے نماز شروع کر دی۔ نماز پڑھ کر آپ دوبارہ مجلس سماع میں بیٹھ گئے اور ختم شریف کے بعد مجلس برخواست ہوئی۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی رح ساری عمر میں ایک دفعہ کمال جوش و وجد میں آکر مجلس سے باہر نکل گئے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ آپ چاچڑاں شریف میں مشائخ عظام میں سے ایک بزرگ کا عرس منا رہے تھے۔ ایک شعر پر آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ کچھ عرصہ مجلس میں رقص کرنے کے بعد آپ پا برہنہ مجلس سے باہر چلے گئے اور حرم محترم کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے میرے شیخ کی والدہ ماجدہ کے گھر جا کر پلنگ پر بیٹھ گئے۔ والدہ صاحبہ بہت نیاز و انکسار سے پیش آکر سامنے بیٹھ گئیں لیکن آپ نے ان سے یا کسی اور سے کوئی بات نہ کی۔ اس کے بعد آپ اُٹھ کر میری والدہ ماجدہ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں بھی اسی طرح بیٹھے رہے۔ میری والدہ صاحبہ عجز و نیاز سے سامنے بیٹھ گئیں لیکن اُن سے بھی آپ نے کوئی بات نہ کی۔ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر آپ دوبارہ مجلس سماع میں داخل ہوئے اور اُسی طرح وجد و رقص میں مشغول ہو گئے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ سالک کے لیے لازم اور واجب ہے کہ ایک قوال ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے۔ اگر استطاعت ہے تو اسے ملازم رکھ لے۔ استطاعت نہیں تو جس طرح ہو سکے ضرور قوال کو اپنے ساتھ رکھے۔ کیونکہ سماع سُننے سے بہت جلدی مراتب طے ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رح میاں احمد قوال کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ جب سفر پر جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو آپ قوال کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھاتے تھے۔

مقبوس ۸۳: بوقت ظہر بروز یکشنبہ ۲۲ صفر سال مذکور

وظیفہ برائے برکت رزق

آپ کے مریدین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور یہ کمترین غلام کافی زراعت کرتا ہے اور

محنت بھی خوب کرتا ہے لیکن غربت اور افلاس دور نہیں ہوتی۔ جس قدر ہاتھ پاؤں مارتا ہے روزی پوری نہیں ہوتی۔ آپ نے اس کے حال زار پر رحم فرماتے ہوئے کہا کہ صبح کی نماز کے بعد سورت فاتحہ بسم اللہ سمیت اکیس بار، نماز ظہر کے بعد بائیس بار، نماز عصر کے بعد تئیس بار، نماز مغرب کے بعد چوبیس بار اور نماز عشاء کے بعد دس بار پڑھا کرو اور ہر نماز کے بعد یہ دعا بھی پانچ پانچ بار پڑھا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَكَ وَاقْطَعْ رَجَائِیْ لِمَنْ سِوَاكَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَیْرَكَ اور ہر نماز کے بعد یعنی فرضوں کے بعد اسمٗ یَا بَاسِطُ ۷۲ (بہتر) بار پڑھا کرو۔

مقبوس ۸۴ بوقت اشراق بروز چہار شنبہ ۲۵ صفر سال مذکور

کہیں سے کچھ پھل آئے ہوئے تھے حضرت اقدس نے چند دانے اٹھا کر باقی حاضرین میں تقسیم کرا دیئے۔

حضرت صاحب نارووالہ رح کا وصال

اس کے بعد حضرت صاحب نارووالہ رح کے وصال کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا جب حضرت صاحب نارووالہ رح مرض الوصال (مرض الموت) میں مبتلا ہوئے اپنے آپ کو اٹھوا کر مہاران کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب دریا کے کنارے پر پہنچے تو وہاں ایک عورت رہتی تھی اور آپ کی مریدہ تھی۔ اس نے عرض کیا کہ حضور آپ حضرت قبلۂ عالم رح کے برگزیدہ خلیفہ ہیں آپ کو اسی جگہ سے اپنے گھر واپس جانا چاہیئے۔ یہ سن کر آپ غصے ہوئے اور فرمایا کہ خلیفہ کیا میرے لیے تو یہی غنیمت ہے کہ ایمان سلامت لے جاؤں۔ اس اثناء میں حکیم عمر نے جو حکیم حاذق حکیم تھے۔ آں حضرت کی نبض دیکھ کر کہا کہ آن کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے چنانچہ لوگ آپ کو گھر واپس لے گئے۔ جب نوشہرہ پہنچے تو آپ کا وصال ہوگیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح کہ انبیاء علیہم السلام حیات و ممات میں خود مختار ہیں۔ اسی طرح اولیاء کرام بھی خود مختار ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت صاحب ناروالہ رح نے اپنے وصال کے وقت تین امور کے لیے وصیت فرمائی تھی۔ اول یہ کہ مبادا خوف کی وجہ سے مجھ سے ذکر جہری ترک ہو جائے اس لیے تم لوگوں پر واجب ہے کہ میرے گرد بیٹھ کر ذکر جہری کرنا۔ دوم یہ کہ میری موت کے وقت ایک بکرا ذبح کرنا۔ سوم آنکہ جب میرا جنازہ اٹھایا جائے تو جنازے کے آگے قوال عشقیہ غزلیں گاتے چلیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت صاحب ناروالہ رح نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اپنا وعدہ وفا کرنا۔ وہ وعدہ یہ تھا کہ جب مجھے دفن کیا جائے تو ایک کڑاہی حلوہ پکا کر میرے لیے فاتحہ دینا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ عظام یعنی حضرت محبوب الٰہی رح اور حضرت مخدوم الاولیاء بھی نہایت تاکید کرکے فرمایا کرتے تھے کہ میّت کو دفن کرتے وقت طعام مرغن مثل حلوہ پکا کر ضرور اس کی روح کو ایصال ثواب کرنا چاہیے۔ اس کی یہ دلیل دیتے تھے کہ نزع اور جان کنی کی وجہ سے گردن اور سینہ کی رگیں خشک ہو جاتی ہیں اور حلوہ کا فاتحہ دینے سے رگ پٹھے تر ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس دلیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد بھی روح کو جسم عنصری کے ساتھ تعلق رہتا ہے اور قبر میں بھی دنیاوی زندگی کی طرح غذا ملتی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال۔

سکرات موت کی شدت

یہ حال سن کر تمام حاضرین مجلس پر جان کنی کی وجہ سے خوف کے آثار نمودار ہوئے آپ نے فرمایا مرنا بڑا مشکل ہے۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا کتنا بڑا رتبہ ہے کہ آپ سے بلند کسی ولی اللہ کا مرتبہ نہیں چنانچہ آپ کے وصال کے وقت فرشتے جماعت در جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تسلّی دیتے تھے لیکن اس کے باوجود وصال کے

وقت آپ کا حال یہ تھا کہ فتوح الغیب میں آپ کے ایک فرزند سے منقول ہے کہ سکرات موت کی شدّت اور صعوبت کی وجہ سے لفظ تعزّز آپ کی زبان سے صحیح نہیں نکل سکتا تھا یہاں دوسروں کی کیا مجال ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ سیّد الاوّلین و آخرین حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم بھی وصال کے وقت سکرات کی شدّت کی وجہ سے رخ انور پر ٹھنڈا پانی ڈال رہے تھے اور عرض کر رہے تھے کہ اے پروردگار مجھ پر سکرات آسان فرما اس سے بڑھ کر سکرات کی شدت کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ صحابہ کرام کے زمانے میں طاعون عمواس[1] ایک عظیم تھا کہ تھا حضرت معاذ بن جبلؓ اور دیگر صحابہ کرام اس مرض کا شکار ہوئے۔ اس مرض میں پیٹھ پر ایک دنبل نکل آتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی نے آگ کا شعلہ پیٹھ پر رکھ دیا ہے۔ ایک صحابی سے کسی نے پوچھا کہ کیا حال ہے اس نے کہا اگرچہ دنبل کا درد بہت تیز ہے لیکن محبت کا درد اس سے زیادہ تیز ہے۔

اس کے بعد نواب قیصر خان مگسی نے عرض کیا کہ حضور شیخ منصورؒ کو جان کنی اور سکرات کا کوئی خوف نہیں تھا۔ اگرچہ لوگوں نے ان کو بے حد تکلیف دی اور ہاتھ پاؤں بھی کاٹ ڈالے لیکن سکرات کی شدت کی کوئی بات ان سے سننے میں نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا کہ جب منصور کو دار پر لٹکایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ خیال مت کرو کہ میں عشق کو مکمل کر کے جا رہا ہوں بلکہ ابھی میں نے عشق کے پہلے زینہ پر قدم رکھا ہے۔ بیشک عشق کا لگانا اور طے کرنا مشکل کام ہے۔

حلاج کے متعلق مشائخ کی آراء

اس کے بعد فرمایا کہ اکثر مشائخ عظام نے شیخ منصورؒ کو قبول نہیں کیا اور بعض نے ان سے

---

[1] مورخین لکھتے ہیں کہ پچیس ہزار مسلمان فوجی اس وبا کا شکار ہوئے اور یہ فوج اس قدر بہادر تھی اور اس قدر فتوحات حاصل کر چکی تھی کہ اگر وبا کا شکار نہ ہوتی تو آدھی دنیا کو فتح کر سکتی تھی لیکن خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا۔ نیز چونکہ سب مسلمان شہادت کی موت کے متمنّی تھے اس لئے جنگ سے باہر اللہ تعالیٰ نے ان کو طاعون میں مبتلا کر کے شہادت کی موت عطا فرمائی۔

انکار کیا ہے ۔ فرمایا کہ اولیائے کرام کی بددعا بھی دعائے خیر ہوتی ہے ۔ شیخ عمر بن عثمان مکیؒ شیخ منصورؒ کے پیر و مرشد تھے ۔ ان کو لوگوں نے اس قدر تکلیف دی تھی کہ کئی بار شہر بدر کر دیا ۔ جب شیخ منصور ان کی خدمت میں پہنچے تو فرمایا میرے حال و مشرب سے کسی کو آگاہ نہ کرنا ۔ لیکن جب لوگوں کا شیخ منصور کے ساتھ رابطہ قائم ہوا اور ان سے اس قسم کی باتیں سنیں تو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ کفر اور زندقہ ہے ۔ شیخ منصور نے کہا کہ یہ تمام اولیاء کرام کا مشرب ہے خصوصاً میرے شیخ عمر بن عثمان مکی بھی اسی توحید وجودی پر ایمان رکھتے ہیں ۔ لوگوں نے کہا کہ اگر تمہارے پیر کا یہی مذہب ہے تو اس کا ثبوت پیش کرو ۔ چنانچہ شیخ منصور نے شیخ عمر بن عثمان کی تصنیف میں سے توحید وجودی کے بارے میں چند اوراق ان کو دکھائے جب شیخ عمر کو اس کی خبر ہوئی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تو نے میرا راز فاش کیا ہے خدا تجھے دار پر لٹکائے گا ۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ الشیوخ عالم حضرت خواجہ گنج شکر قدس سرہٗ نے شیخ منصور کو ناقص قرار دیا ہے اور سلطان المشائخ نے ان کو مردود الطریقت کہا ہے ۔ مولانا محب النبی حضرت فخر الدین دہلویؒ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت گنج شکرؒ اور سلطان المشائخ نے شیخ منصور کے حق میں یہ فرمایا ہے آپ ان کے حق کیا کہتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی نے منصور سے فرمایا تھا کہ جب تک تجھے ہزار صدیق زندیق (کافر) نہیں کہیں گے تم صدیق نہ بن سکو گے ۔ فرمایا سبحان اللہ! حضرت مولانا نے کیا ہی اچھا جواب دیا اور کیا ہی اچھی توجیہہ فرمائی کہ مشائخ عظام کے قول کی صداقت اور ان کا بلند مقام بھی ظاہر کر دیا ہے اور شیخ منصور کے حال کی تصدیق کر کے ان کو صدیق بھی قرار دیا ہے ۔

شیخ منصورؒ کی ہمشیرہ کی پیش گوئی

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ گنج شکرؒ نے فرمایا ہے کہ شیخ منصورؒ کی ایک بہن تھی جو ولیہ کاملہ تھی اور ہر رات ان کو اسرار الٰہی سے ایک پیالہ پلایا جاتا تھا ۔ ایک رات شیخ منصور چپکے سے ان کے پیچھے چلے گئے جب ان کو پیالہ دیا گیا تو شیخ منصور نے کہا بہن مجھے بھی پلاؤ انہوں نے ایک گھونٹ شیخ منصور کو دے کر کہا کہ اے بھائی تم اس ایک گھونٹ کی بھی تاب نہیں لا سکو

گے۔ آخر وہی ہوا جو ان کی بہن نے کہا تھا۔ خواجہ گنج شکرؒ نے یہ بھی فرمایا ہے بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں کہ حقائق و معارف کے دریا نوش کر جاتے ہیں اور دم نہیں مارتے۔ یہ گویا آپ کا اپنی طرف اشارہ تھا چنانچہ حاضرین مجلس ہی سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور اقدس نے بھی اپنی اس کافی میں اسی مقام کا ذکر فرمایا ہے ؎

تونڑیں جو دریا نوش ہن　　　پُر جوش تھی خاموش ہن
اسرار دے سر پوش ہن　　　حامت رہن مارن نہ بک

(اگرچہ اسرار و رموز الٰہی کے دریا نوش کر جاتے ہیں اور ان کے قلوب جوش و خروش سے لبریز ہیں لیکن ان کا ظرف اس قدر بلند ہوتا ہے کہ حال پر غلبہ پاکر خاموش اور پُرسکون رہتے ہیں اور ذرا بھر رموز و اسرار زبان پر نہیں لاتے۔)

جب حضرت اقدس نے یہ بات سنی تو سر مبارک نیچے کر کے فرمایا کہ شیخ منصور کی توجہ درکار ہے ورنہ میں کون ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ منصور بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ حقائق و معارف میں امامِ طریقت اور اسرار و معانی میں ہادی خلق ہیں۔ آپ نے بڑے شدید ریاضات و مجاہدات کیے ہیں[۱] اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ کتاب اقتباس الانوار کے مصنف بڑے صاحبِ عدل و انصاف معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ہر شخص اپنے مشائخ سلسلہ کو دوسروں پر ترجیح دیتا لیکن صاحب اقتباس الانوار نے تمام مشائخ کے حالات انصاف سے لکھے ہیں خواہ ان کے مشائخ سلسلہ ہوں یا نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ منصف مزاج ہیں اور جو کچھ لکھا ہے بلا تعصب لکھا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ الشیوخ العالم خواجہ گنج شکرؒ کے کمالات ویسے تو بہت ہیں لیکن آپ کے کمالات کیلئے ایک دلیل کافی ہے کہ حضرت سلطان المشائخ آپ کے مرید و خلیفہ ہیں اور حضرت سلطان المشائخ کی عظمت کیلئے یہ دلیل کافی ہے کہ مخدوم عالم حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ آپ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص صاحب روحانیت

---

[۱] کاش آج کل کے نام نہاد صوفی ہمہ اوست اور انا الحق کے نعرے لگانے سے پہلے حضرت منصورؒ کی طرح شدید مجاہدات اور ریاضات کرتے۔

ہوگا وہ ضرور صاحب انصاف ہوگا البتہ جو بزرگ مغلوب الحال ہوتے ہیں ان سے انصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

مقبوس ۸۵: بوقتِ اشراق بروز جمعرات ۲۶ صفر ۱۳۱۷ھ

سرسید احمد خاں سے ملاقات

نواب قیصر خان مگسی نے عرض کیا کہ قبلہ سید احمد خان نیچری کس قسم کا آدمی تھا۔ آپ نے فرمایا نہایت ہی اچھے آدمی تھے اور ان کے چہرے سے برکت ٹپکتی تھی۔ ان کا اسلام کے کسی فرقے سے اختلاف نہیں تھا۔ اور ہر فرقے کو اچھا کہتے تھے۔ ان کے والد شاہ ابو سعید دہلویؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ شاہ ابو سعید شاہ غلام علی دہلویؒ کے مرید و خلیفہ تھے وہ مرزا مظہر جانجاناںؒ[ل] کے مرید و خلیفہ تھے میں نے سید احمد خاں سے پوچھا کہ آپ نے بھی کسی بزرگ کے ساتھ بیعت کی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے کسی شخص کے ساتھ بیعت نہیں کی اگر کسی سے بیعت کی ہے تو ان کے ساتھ کی ہے (یعنی شاہ ابو سعید کے ساتھ) جن کی شکل و صورت فراموش نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب میں نے ان سے ملاقات کی تو انہوں نے مجھے کرسی پر بٹھایا اور خود بھی کرسی پر بیٹھ گئے اس اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر اور اصحاب کرام کی محبت کا ذکر ہوا تو بات کرتے ہوئے وہ رو رہے تھے اور آنکھوں سے اس قدر آنسو جاری تھے کہ ریش تر ہو گئی تھی اور قطرے نیچے ٹپک رہے تھے۔ اور کمال شوق اور جوش سے پاؤں زمین پر اس طرح مارتے تھے کہ جیسے کوئی رقص کے وقت مارتا

ل حضرت مرزا جانجاناں نقشبندی بزرگ تھے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولانا فخر الدین دہلوی کے ہم عصر تھے۔ آپ مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے پیر تھے چنانچہ قاضی صاحب نے ایک تفسیر لکھی ہے جس کا نام حضرت شیخ کے نام پر یعنی تفسیر مظہری رکھا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کو بادشاہ کے ایک شیعہ وزیر نے قتل کرایا تھا موت کے وقت آپ نے یہ شعر پڑھتے پڑھتے جان دے دی۔ زخم دل مظہر مبادا بشنود ہشیار باش۔ کیں جراحت یادگار ناوک مژگان اوست (اے مظہر خبردار زخم دل اچھا نہ ہونے پائے کیونکہ یہ زخم دوست کے تیر مژگاں کی یادگار ہے۔)

ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ سید احمد کا ۱۳۱۵ھ ہی میں انتقال ہوا۔ تاریخ انتقال یہ ہے۔ انی متوفیک ورافعک الی ومطہرک۔

مولوی نذیر حسین محدث دہلوی

اس کے بعد مولوی نذیر حسین محدث دہلوی کا ذکر ہونے لگا۔ قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخش نے عرض کیا کہ حضور لوگ مولوی نذیر حسین کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں۔ وہ کیسے آدمی تھے۔ آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ وہ تو ایک صحابی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کی عظمت کیلئے یہی کافی دلیل ہے کہ دنیا میں اس کی مانند کوئی نہ ہو۔ چنانچہ آج کل کے زمانے میں علم حدیث میں ان کا کوئی نظیر نہیں ہے۔ نیز وہ اس قدر بے نفس ہیں کہ اہل اسلام کے کسی فرقے کو برا نہیں کہتے۔ اگرچہ لوگ ان کو منہ پر برا بھلا کہتے ہیں لیکن وہ کسی کو برا نہیں کہتے۔ یہ بات کس میں ہے۔ اب اگرچہ وہ بہت ضعیف ہو چکے ہیں تاہم وہ اپنا کام خود کرتے ہیں حتیٰ کہ مہمان کو کھانا بھی خود اٹھا کر دیتے ہیں وہ کسی شخص سے یہ نہیں پوچھتے کہ تم صوفی ہو یا کیا مذہب رکھتے ہو۔[1]

وہابی اور شیعہ مذہب

اس کے بعد وہابیوں اور شیعوں کا ذکر ہونے لگا حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ شیعہ وہابیوں سے بدتر ہیں کیونکہ وہابی لوگ صحابہ کرام کو برا نہیں کہتے بلکہ تعظیم کرتے ہیں لیکن شیعہ لوگ صحابہ کرام کو دشنام دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک اسی طرح ہے وہابی نہ صحابہ کرام کو برا کہتے ہیں نہ ولایت سے انکار کرتے ہیں۔ اس کے برعکس شیعہ لوگ ولایت کے بھی منکر ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ توحید کے بارے میں وہابیوں کے عقائد صوفیاء کرام سے ملتے جلتے ہیں۔ وہابی کہتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنا شرک ہے بیشک غیر خدا سے امداد مانگنا شرک ہے۔ توحید یہ ہے کہ خاص حق

---

[1] اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ کا مشرب و مسلک کس قدر فراخدلانہ اور غیر متعصبانہ تھا۔ سعدی شیرازی نے خوب کہا ہے ؎ ہند شاخ پر میوہ سر برزمین (میوے بھری شاخ ہی سر نیچا رکھتی ہے جو شاخ میوے سے خالی ہوتی ہے اکڑ کر کھڑی رہتی ہے) معمولی فروعی اختلافات پر لڑنا جھگڑنا امت محمدیہ کے ناحق ٹکڑے

باقی اگلے صفحہ پر

تعالیٰ سے مدد طلب کرے چنانچہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ [ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں] کا مطلب یہی ہے۔[۲]

غوث علی شاہ صاحب کا مسلک

اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میاں غوث علی شاہ صاحب بعض حکایات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس سے وہابیت کی بو آتی ہے چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب تذکرۂ غوثیہ میں ایک مقام پر عذاب قبر کے بیان میں لکھا ہے کہ اگرچہ حضرت سعد بن معاذؓ کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے اور آپ کی عظمت کی دلیل یہ ہے کہ آپ کی وفات کے وقت عرش عظیم کانپ گیا۔ آسمان کے دروازے کھل گئے اور ستر ہزار فرشتوں نے آپ کی نماز جماعت میں شرکت کی لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و عنایت پر ان کو ناز تھا اور اپنے تمام دینی و دنیاوی امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر تکیہ کرتے تھے اور وسیلۂ نجات و ذریعۂ مغفرت سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ بات شرک تھی اور توحید کے خلاف تھی اس لئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو عذاب قبر میں مبتلا کیا گیا۔ اس اثنا میں میاں حسن علی شاہ ساکن احمد پور شرقیہ نے جو علوم ظاہری میں کافی دسترس رکھتے تھے عرض کیا کہ قبلہ حضرت سعد بن معاذ پر عذاب قبر اس لئے نازل ہوا کہ ایک دن وہ پیشاب کے وقت احتیاط نہ کر سکے اور چند قطرے آپ کے جسم پر لگ گئے تھے۔ اس پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا استغفر اللہ یہ غلط بات ہے اس وجہ سے کہ آپ دریائے محیط اور بحرِ بے کنار ہو چکے تھے پیشاب سے چند قطروں کی بحرِ بیکراں کے سامنے کیا وقعت ہے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حق تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

---

[۱] ٹکڑے کرنا اور اسلام کو کمزور کرنا اور دشمنان اسلام کی مدد کرنا ہے۔

[۲] فرق صرف یہ ہے کہ وہابی لوگ اولیاء کرام کی قوت کو خدا کی قوت سے علیحدہ چیز سمجھتے ہیں حالانکہ بقول مولانا روم

اولیاء راست قدرت از الٰہ، اولیا کی قدرت اللہ کی قدرت ہے۔

مقبوس ۸۶: بوقتِ اشراق بروز یکشنبہ ۲۹ صفر سالِ مذکور

آفرینشِ حوا

حضرت بی بی حوّا کی پیدائش کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ران میں ایک دنبل تھا اور اسی دنبل سے بی بی حوّا پیدا ہوئیں۔ بی بی حوّا حسن و جمال میں بے مثل و مثال تھیں۔ کہتے ہیں کہ حسن و جمال کے دس حصّے کئے گئے۔ نو حصّے بی بی حوّا کو عطا ہوئے۔ باقی ایک حصّے کو پھر دس حصّوں میں تقسیم کیا گیا اس میں سے نو حصّے حضرت یوسف علیہ السلام کو ملے اور باقی نو حصّے تمام انسانوں کو عطا ہوئے۔ جب بی بی حوّا اس دنبل سے اس حسن و جمال کے ساتھ باہر آئیں کہ حضرت آدم علیہ السلام دیکھتے ہی ان پر فریفتہ ہو گئے اور کمال عشق و محبت کی وجہ سے قرب حاصل کرنے کے در پے ہوئے۔ لیکن آپ جوں جوں قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے بی بی حوّا ان سے اجتناب کرتی تھیں اور دور ہونے کی کوشش کرتی تھیں۔ نیز حق تعالیٰ کی طرف سے بھی حکم ہو گیا کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (اس درخت کے نزدیک نہ جانا) ورنہ گناہگار ہو گے۔

شجرِ ممنوعہ سے کیا مُراد ہے

اس کے بعد فرمایا علمائے ظاہر کا خیال ہے کہ شجر سے اور گندم یا انگور ہے حالانکہ اس سے مراد حضرت بی بی حوّا کا جسم ہے۔ جس طرح درخت سے پھل پیدا ہوتا ہے عورت کے جسم سے بھی اولاد پیدا ہوتی ہے[۱]۔ چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے بی بی حوّا کو درخت اور اس کی اولاد کو ثمر سے تشبیہ دی ہے۔ نیز قرآن مجید میں بھی عورتوں کو کھیتی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں) شجر ممنوعہ سے

۱۔ لفظ "شجرۂ نسب" کا مفہوم بھی یہی ہے اس میں آدمی کو شجر اور اس کی اولاد کو برگ و بار قرار دیا گیا ہے۔

پرہیز کا مطلب مباشرت سے پرہیز تھا نہ کہ گندم، دانہ یا انگور کھانے سے پرہیز تھا جیسا کہ عوام الناس میں مشہور ہے[ح]۔ بہر حال فرمانِ خداوندی کے موصول ہونے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام بھی بی بی حوّا کے قریب جانے سے متنفر ہو گئے۔ لیکن چونکہ مشیت ایزدی اسی طرح تھی شیطان نے وہاں پہنچ کر بی بی حوّا کو ترغیب دینا شروع کیا اور یہ دلیل دی کہ جنت ہوتے میں ایسا راز پنہاں ہے کہ جس کا مشاہدہ تم خود کر لو گے۔ شیطان کے مکروفریب میں آ کر بی بی حوّا نے بعد ناز و کرشمہ حضرت آدمؑ کے پاس جا کر مقاربت کی درخواست کی۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس کام سے منع فرمایا ہے۔ اگر ہم نے یہ کام کیا تو ہمارا شمار ظالموں (حکم عدولی کرنے والوں) میں ہو گا لیکن منشائے الٰہی اس طرح تھی۔ چنانچہ بی بی حوّا کے سخت اصرار پر یہ کام عمل میں آ گیا جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام پر حق تعالیٰ کا عتاب ہوا اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت آدمؑ اور بی بی حوّا کو بہشت سے نکالا گیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ آسمان سے زمین پر پھینک دیئے گئے یہ بالکل صحیح نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملک یمن کے قریب ایک باغ تھا جو بہشت کی طرح نہایت ہی دل آویز اور دلکشا تھا حضرت آدم اور بی بی حوّا اس باغ میں رہتے تھے اور یہی ان کی بہشت اور جنت تھی[ط]۔ اس کے بعد فرمایا کہ بہشت اور دوزخ بھی اس جہان میں موجود ہیں۔ جب حضرت آدمؑ

ح اگر الفاظ کے ظاہری معنی بھی لئے جائیں تو گندم دانہ سے پرہیز کا حکم اس وجہ سے وارد ہوا کہ جسمانی غذا سے شہوت پیدا ہوتی ہے نیز کلام پاک میں بھی شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کے بعد حضرت آدم اور حوّا کا برہنہ ہونا اور برہنگی کو درختوں کے پتوں سے چھپانا پایا جاتا ہے۔

ط اس بات کی اس سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ عدن ملک یمن میں ہی واقع ہے اور عدن کے معنی باغ کے ہیں نیز انگریزی علم ادب میں بھی عدن کا باغ [ADEN GARDENS] مشہور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصلیت ضرور تھی۔ بہر حال اگر حق تعالیٰ کی طرف کوئی خفگی تھی تو اس وجہ سے تھی کہ حضرت آدمؑ طالب ذات رہنے کی بجائے طالب صفات ہو گئے یعنی بی بی حوّا کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوئے اور حقیقت کی بجائے مجاز کے عاشق ہوئے حالانکہ ذات کا مرتبہ صفات سے زیادہ بلند ہے اور طالب ذات کا مرتبہ طالب ذات سے زیادہ بلند ہے حسن مجازی کا مقام صفات حق ہے اولیاء و انبیاءؑ طالب ذات ہوتے ہیں نہ کہ طالب صفات۔

اور بی بی حوا سے اس باغ میں نافرمانی ہوگئی تو باغ خشک ہو کر ویران ہوگیا اور دونوں کو اس باغ سے نکال کر علیحدہ کر دیا گیا۔

مقبوس ۸۷: بوقت ظہر بروز شنبہ ۲ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ

مُریدین میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور مجھے قابوس یعنی اتھارا کی بیماری لاحق ہے۔ چنانچہ آج رات بھی اس کا دورہ ہوا اور بے ہوشی طاری ہوگئی۔ ہوش میں آکر میں نے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن گر گیا اور بازو اور ٹانگ پر سخت چوٹ آئی ہے۔ اس غلام لاچار کے حال پر رحم فرمادیں اور کوئی تعویذ عطا فرمادیں تاکہ بیماری رفع ہو۔

تعویذ برائے اتھارہ (قابوس)

آپ نے کاغذ پر بسم اللہ کے ساتھ سورۃ فاتحہ لکھی اور سورۃ فاتحہ کے بعد یہ الفاظ تحریر فرمائے:

يَا حَيُّ حِينَ لَا حَيَّ فِي دَيْمُومَةِ مُلْكِهٖ وَبَقَائِهٖ

فرمایا اس کو چینی کی طشتری پر لکھ کر زبان سے چاٹنا چاہیے یا اگر چینی کی طشتری نہ ملے تو کاغذ پر لکھ کر پانی سے دھونا چاہیے اور پھر وہ پانی پینا چاہیے۔ یہ عمل چالیس دن تک کیا جائے علاوہ ازیں سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ اور آیاتِ شفا ء سات بار پڑھ کر اپنے اُوپر دم کرے۔ اس کے بعد آپ نے تلاوت کلام مجید شروع کی۔ جب اس آیت پر پہنچے تو

وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهٖ خَبِيرًا بَصِيرًا

تو سر نگوں ہو کر کلمہ تمجید کا ورد کیا

مقبوس ۸۸: بوقت ظہر بروز چہار شنبہ ۱ ربیع الاوّل ۱۳۱۷ھ

حضرتِ اقدس تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا۔ تو سرنگوں ہو کر لفظ سُبحان اللہ کا سات مرتبہ ورد کیا اور پھر تلاوت شروع کی۔ تلاوت سے فارغ ہو کر آپ نے قرآن مجید پر بوسہ دیا اور دعا مانگی۔ دُعا کے بعد آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی حاجت برآری میں مصروف ہو گئے۔ کسی کو بیعت کیا۔ کسی کو وظیفہ بتایا۔ کسی کو تعویز دیا اور کسی کے لیے دُعائے خیر کی۔ غرضیکہ عصر تک اس کام میں مصروف رہے۔ اس کے بعد نماز عصر جماعت کے ساتھ ادا کر کے حضرتِ اقدس خلوت میں مشغول ہو گئے اور تمام غلامان اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔ آپ کا دستور یہی تھا کہ نمازِ ظہر سے عصر تک مجلس میں بیٹھتے تھے، جہاں سب عوام و خواص موجود ہوتے تھے۔ عصر کے بعد آپ خلوت میں بیٹھتے تھے اور اکثر اوقات خواص بھی باہر چلے جاتے تھے۔

مقبوس ۸۹: بوقت اشراق بروز شنبہ ۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۱۷ھ

تبرّکاتِ نبوی

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرّکات کی زیارت کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ یہ دستارِ مبارک جو ہمارے پاس ہے نہایت صحیح ہے۔ اور وہ پیراہن مبارک جو قصبہ شیخ داہن میں ہے اور وہ نعلین (جوتا) مبارک جو قصبۂ شامِ دین میں ہے۔ یہ دونوں تبرکات نہایت صحیح ہیں۔ اس وجہ سے کہ ہمارے اکابر اولیاء اور مشائخ عظام نے ان کی زیارت کی ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ نعلین شریف اور پیراہن کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے لیے اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ حضور قبلہ صاحب الروضہ

سلطان الاولیاء (حضرت قاضی محمد عاقل رضی) نے ان کی زیارت کی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت سلطان الاولیاء تبرکات کی زیارت کرتے تھے تو نعلین مبارک کو اپنے سر پر رکھتے تھے اور بکمالِ ذوق میں آکر فرماتے تھے کہ واہ تمہارا نصیب اے جانور جس کی کھال سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا تیار ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی بھی زیارت کے وقت نعلین مبارک سر پر رکھ کر جوش میں آجاتے تھے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس قدر روئے کہ آنسو بارش کی طرح آنکھوں سے ٹپک رہے تھے۔

بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتے وقت جو دعا مانگی جائے پوری ہو جاتی ہے

اس کے بعد زیارت بیت اللہ شریف کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ جب ہم مکہ معظمہ پہنچے ہمیں طواف کرنے کے لیے حرم شریف لے گئے۔ پہلے ہم باب السلام سے بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ میں اپنے منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے داخل ہوا۔ اس خیال سے کہ پہلے کعبۃ اللہ پر آنکھ کھولوں گا یعنی سب اشیاء سے پہلے کعبہ شریف پر نظر ڈالوں گا۔ بیت اللہ کے قریب پہنچ کر میں نے کپڑا منہ سے ہٹایا اور پہلی نظر بیت اللہ پر ڈالی اور معاً دعائے سلامتی ایمان مانگی۔ اس وجہ سے کہ پہلی بار کعبۃ اللہ کو دیکھ کر جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ میرے لیے سب سے بڑی دعا سلامتی ایمان تھی اور وہی دعا میں نے مانگی۔ اس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ قبلہ میں نے پہلی بار بیت اللہ شریف کو دیکھ کر یہ دعا مانگی تھی۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مُسْتَجَابَ الدَّعَوَاتِ (یا اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنا یعنی جو دعا مانگوں پوری ہو)

یہ سن کر آپ خوش ہوئے اور فرمایا ہاں یہ دُعا بھی بزرگوں نے لکھی ہے کیونکہ جو شخص مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے اس کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ قبلہ بیت اللہ شریف میں کیا تاثیر ہے کہ پہلی بار نظر ڈالنے کے بعد

ہر شخص خواہ وہ پتھر کی طرح سخت کیوں نہ ہو نرم ہو کر گریہ کرنے لگتا ہے ۔ آپ نے فرمایا بیشک بیت اللہ میں اس قدر اثر ہے کہ میں نے جب پہلی بار دیکھا تو سخت گریہ طاری ہو گیا ۔ نیز وداع کے وقت مجھ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ گلہ بیٹھ گیا ۔ اگرچہ بیت اللہ پتھر سے بنا ہوا ہے ۔ لیکن اس قدر حسین وجمیل محبوب ہے کہ کوئی محبوب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ آج کل بیت اللہ شریف کا غلاف ریشمی اور اس پر طلائی کام ہوا ہے لیکن آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں غلاف درختوں کے پتوں سے بنا ہوا بوریا ہوتا تھا ۔

اس کے بعد بیت اللہ شریف میں داخلے کے متعلق گفتگو ہونے لگی ۔ حضورِ اقدس نے فرمایا کہ جب میں بیت اللہ شریف میں داخل ہوا تو مجھے یہی یاد ہے کہ چند رکعت نماز نفل ادا کیں اور بس ۔ باقی تمام وقت بے خودی اور محویت کی حالت طاری تھی ۔ اس کے بعد احقر راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضور اس غلام پر بھی داخلی کے وقت گریہ اور بے خودی کی حالت طاری رہی ۔

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ

اس کے بعد فرمایا کہ جب مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی حج کے لیے مکہ معظمہ پہنچے تو اس زمانے میں مرد اور عورت اکٹھے بیت اللہ شریف میں داخل ہوا کرتے تھے ، لیکن مخدوم صاحب نے دلائل جیدہ عقلیہ و نقلیہ سے اس رسم کو غلط ثابت کر کے بند کرایا اور اہلِ مکہ خواہ وہ عام لوگ تھے یا حکام سب نے یہ بات تسلیم کی اور عورتوں اور مردوں کے لیے علیحدہ علیحدہ بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کا انتظام ہو گیا اور یہ دستور آج تک جاری ہے ۔ یعنی عورتیں الگ داخل ہوتی ہیں اور مرد الگ ۔

اس کے بعد فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں عورتوں کا بیت اللہ شریف میں داخلہ کسی خاص وجہ سے بند تھا یا شاید دروازہ بلند ہونے کی وجہ سے عورتوں کے لیے اندر جانا مشکل تھا اور شاید اس وقت دروازے تک پہنچنے کے لیے سیڑھی نہیں بنائی گئی یا کوئی اور سبب تھا کیونکہ حج الوداع

کے موقع پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ کو اندر جانے سے منع فرمایا تھا چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ نے منّت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالےٰ مکہ معظمہ کو آں حضرت صلعم کے ہاتھوں فتح کرا دے تو میں بیت اللہ شریف کے اندر دو رکعت نفل ادا کروں گی لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آں حضرتؐ ان کا ہاتھ پکڑ حطیمؑ لے گئے اور فرمایا کہ یہاں نفل پڑھ لو کیونکہ حطیم بھی بیت اللہ میں شامل ہے لیکن چونکہ اب قریش کے پاس سرمایہ کی کمی ہے اس لیے انہوں نے حطیم کے علاقہ پر چھت نہیں بنائی اور علیحدہ احاطہ بنا دیا ہے ۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر پاسِ عہد کا خیال نہ ہوتا اور زمانۂ جاہلیت بھی قریب نہ ہوتا تو ہم موجودہ کعبہ کی عمارت کو گرا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے مطابق حطیم کو بیت اللہ میں شامل کر لیتے اور کعبہ کا دروازہ توڑ کر زمین کی سطح پر بنا لیتے نیز ہم دروازے بھی دو نکالتے ۔ ایک شرقی دوسرا غربی ۔

بلّی کے پس خوردہ کا حکم

اس کے بعد بلّی کے پس خوردہ کے متعلق گفتگو ہونے لگی ۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ کی ایک عورت نے دلخواہی اور محبّت کی بنا پر کچھ ہرلیسہ پکا کر حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک خادمہ کے ہاتھ ارسال کیا ۔ اس وقت حضرت بی بی صاحبہ نماز میں مشغول تھیں اس لیے آپ نے اشارتاً فرمایا کہ رکھ دو ۔ اس اثنا میں ایک بلّی آئی اور کچھ ہرلیسہ کھا لیا ۔ جب حضرت بی بی عائشہؓ نماز سے فارغ ہوئیں ۔ انہوں نے بلی کے پس خوردہ کو جائز ثابت کرنے کی خاطر اسی جگہ سے ہرلیسہ کھانا شروع کر دیا ۔ اور فرمایا ہے کہ یہ نجس (پلید) نہیں ہے کیونکہ بلی طواف کرنے والوں میں سے ہے اور

لے حطیم بیت اللہ شریف میں ایک احاطہ کا نام ہے جو شمال کی جانب بیت اللہ سے متصل ہے ۔ پہلے اس احاطہ پر بھی چھت تھی لیکن اب خالی احاطہ ہے اور پانچ فٹ اونچی دیوار گولائی کی شکل میں تعمیر کی گئی ہے ۔

تمہارے رفیقوں اور اہلِ خانہ میں سے ہے۔

نمازِ جمعہ کی رکعتیں

اس کے بعد کسی نے دریافت کیا کہ قبلہ نمازِ جمعہ کس طرح اور کیسے ادا کرنی چاہیئے اور کتنی رکعت ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے چار رکعت نماز سنت اوّل جمعہ کی نیت سے ادا کرے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز فرض جمعہ امام کے پیچھے ادا کرے۔ پھر چار رکعت نماز سنت بعد از جمعہ کی نیت سے ادا کرے۔ اس کے بعد چار رکعت عبادۃ اللّٰہ کی نیت سے احتیاط کے طور پر پڑھے۔ ان چار رکعتوں کو چار رکعت احتیاط الجمعہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن نہ فرض کی نیت باندھے نہ سنت کی، نہ نفل۔ اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک اور سورۃ پڑھے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز سنت ظہر کے وقت کی نیت سے پڑھے۔ یہ ہے نماز جمعہ پڑھنے کا طریقہ۔ اس کے بعد اسی شخص نے کہا کہ قبلہ ہمیں مولوی لوگ کہتے ہیں کہ دو رکعت نماز فرض کے بعد جو امام کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ صرف چھ رکعت نماز سنت پڑھو نہ کہ چار رکعت احتیاطی۔ لیکن حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ چار رکعت نماز احتیاط ضرور پڑھے کیونکہ ہمارے تمام مشائخ نے چار رکعت احتیاط پڑھی ہیں[۱]۔ نیز فرمایا کہ اس زمانے میں بہت سی ایسی باتیں رُونما ہوگئی ہیں جو ہمارے مشائخ کے معمولات میں شامل نہ تھیں چنانچہ التحیات میں شہادت کی انگلی اٹھانا ہمارے مشائخ عظام کے معمولات میں شامل نہیں ہے۔

---

[۱] بعض علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ دو رکعت فرض کے بعد چار رکعت احتیاط الجمعہ صرف انگریزوں کے زمانے میں پڑھی جاتی تھیں کیونکہ اس وقت یہ ملک دار الحرب تھا جس میں جمعہ جائز نہیں ہوتا۔ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد اب یہ ملک دار السلام بن گیا ہے اس لیے جمعہ جائز ہے اور احتیاط الجمعہ کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

مقبوضہ ۹ بوقت عصر بروز چہارشنبہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ

تلقینِ ذکر اور وظائف

اس اثنا میں مولوی نور محمد ساکن موضع وسال ضلع جہلم نے جو حضرتِ اقدس کے مرید ہیں عرض کیا کہ حضور بیعت کے وقت مجھے کوئی وظیفہ تعلیم نہیں فرمایا تھا اب ضرور فرمائیں۔ اس پر آپ نے اپنے ہاتھ سے یہ اوراد تحریر فرمائے۔ سورۂ عمّ یتساءلون پانچ بار بعد نمازِ عصر، بارہ سو دفعہ ذکر جہری یعنی دو سو دفعہ لا الٰہ الا اللہ، چار سو دفعہ اِلَّا اللہ، چھ سو دفعہ اللہُ اللہ کل بارہ سو۔ خلوصِ دل کے ساتھ پڑھے۔ علاوہ ازیں ایک سو بار کلمہ طیّبہ بعد از نمازِ عشاء۔ نیز اگر عشاء کے بعد تین سو بار درود شریف اور تین سو بار سورۂ اخلاص پڑھے تو زیادہ بہتر ہوگا اور وظیفہ پاس انفاس اس طریقے سے کرے زبان تالو کے ساتھ لگی رہے اور سانس باہر جاتے وقت لا الٰہ اور اندر جاتے وقت الا اللہ دل میں خلوص کے ساتھ پڑھے اور یہ تصور کرے کہ نہیں ہے کوئی معبود اور مطلوب سوائے اللہ کے۔ یہ وظیفہ (پاس انفاس) ہر وقت اور ہر حال میں اگر دل چاہے تو پڑھتا رہے خواہ وضو ہو یا نہ ہو۔ نیز کیمیائے سعادت مصنفہ امام غزالیؒ کا مطالعہ کرتا رہے اور اس پر حتی الوسع عمل کرتا رہے۔

وظیفہ ذوقِ الٰہی و کشائشِ رزق

اس کے بعد ایک اور مرید نے عرض کیا کہ قبلہ اس غلام کو بھی ذوق و محبتِ الٰہی، اور فراخیٔ رزق کے لیے کوئی وظیفہ عطا فرمایا جاوے۔ آپ نے اُسے یہ وظیفہ ارشاد فرمایا

"اللہُ الکافی، قصدتُ الکافِی، وَوَجدتُ الکافی، کفانی الکافی ونعم الکافی وَاللہِ الحمد۔

اوّل آخر درود شریف گیارہ بار۔ یہ وظیفہ ایک سو گیارہ بار پڑھا کرو۔

مقبوس ۹۱ بوقت اشراق بروز دوشنبہ ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۱۷ھ

حاضرین میں تحائف تقسیم کرنا

حضور اقدس نے فرمایا کہ وہ کھجور جو کل نذر ہوئے تھے لاؤ۔ حسب فرمان تین ٹوکرے کھجور پیش کیے گئے۔ ہر ٹوکرے میں دو قسم کے کھجور تھے۔ آپ نے ان کو مخلوط کر کے اپنے ہاتھ سے تمام حاضرین میں تقسیم کر دیا اور فقراء اور مہمانوں کے لیے جو مہمان سرائے میں مقیم تھے۔ آپ نے حصہ نکال کر خادموں کے ذریعے بھجوا دیا۔ اس کے بعد حرم کے لیے بھی حصہّ نکال کر بھیج دیا۔ تقسیم سے فارغ ہو کر چند عدد خرما اپنے لیے بھی اٹھا لیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ "آنچہ برائے نفس خود خواہید برائے برادر مسلمان نیز ہماں خواہید[1]"، (جو کچھ اپنے نفس کے لیے پسند کرتے ہو اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند کرو)۔ بلکہ اس سے بہتر یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو مقدم رکھے اور اپنے آپ کو موٌخر۔ نیز جو کچھ اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی

---

[1] یہ فرمان اس حدیث نبوی کے عین مطابق ہے۔ لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (تم میں سے کوئی شخص ایماندار ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے) اس عدل و انصاف اور مساواتِ محمدی کی مثال ساری دنیا میں کہیں نہیں ملتی خواہ نام نہاد سوشلسٹ ممالک ہوں یا کوئی اور۔ آنحضرتؐ اور آپ کی اتباع میں اولیائے کرام نے امت کے ادنیٰ ترین اور مسکین ترین فرد کی طرح زندگی بسر کر کے عملاً دکھا دیا کہ قول و فعل میں یگانگت یوں ہوا کرتی ہے۔ اس کے برعکس ساری دنیا میں مساوات کے ڈھونگ رچائے جا رہے ہیں لیکن مساوات مفقود ہے۔

پسند نہ کرے ۔

حضرت سلطان الاولیاء کی فاقہ کشی

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیاء کی عادت شریف کھانے پینے کے بارے میں یہ تھی کہ آپ نے یہ کبھی نہ فرمایا تھا کہ "مجھے پانی دو"۔ بلکہ یہ مبہم کلمہ فرماتے تھے کہ "پیاس لگی ہے"۔ ایک دفعہ علاقہ بچادھ کے مریدین نے آپ کو دعوت دی جب آپ حاجی پور شریف پہنچے تو چند یوم وہاں قیام فرمایا۔ لوگ صبح و شام آپ کو اپنے گھر پر قدم دینے کی خاطر لے جاتے تھے ۔ اس کے بعد آپ اپنی قیام گاہ پر واپس آ جاتے تھے ۔خادم لوگ آپ کی واپسی سے پہلے کھانا کھا لیتے تھے ۔ اس خیال سے کہ آپ مریدین کے ہاں کھانا کھا چکے ہوں گے اور مریدین بھی اس خیال سے آپ کو کھانا نہیں کھلاتے تھے کہ حضور اقدس کے اپنے مزاج کے مطابق محرم راز خادم کھانا تیار کرتے ہوں گے ۔ اس حالت میں چند دن گزر گئے اور آپ کے جسم میں ضعف کے آثار نمودار ہونے لگے یہاں تک کہ اُٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا ۔ اس وقت مولوی ابوبکر کو جو حضرت صاحب نارووالہ کے مرید و خلیفہ تھے ۔ کسی طرح معلوم ہو گیا کہ آپ کے جسم میں کمزوری فاقوں کی وجہ سے آ گئی ہے ۔ حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب کو یہ اطلاع حق تعالےٰ کی طرف سے بذریعہ القا ہوئی تھی چنانچہ مولوی صاحب حضرتِ اقدس کو اپنے گھر پر لے گئے اور کھانا کھلایا ۔ کھانے سے فارغ ہو کر آپ نے مولوی ابوبکر صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کو میرے روزہ کے متعلق کیسے خبر ہوئی ۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ قبلہ مجھے آثار و قرائن کے ذریعے حق تعالےٰ نے آگاہ فرمایا ۔

اس کے بعد اکثر حاضرین نے عرض کیا کہ قبلہ اس سال دریا اور نہروں میں پانی کی بہت کمی ہے اور بارش بھی نہیں ہوئی ، فصل خراب ہو رہے ہیں اور ساری خلقت بے حد پریشان ہے ۔ دُعا فرمادیں کہ حق تعالےٰ بارش دیں ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ میں ، تو بہت چاہتا ہوں لیکن سب چیز خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہے ۔

انہوں نے دوبارہ عرض کیا کہ حضور دل سے توجہ فرمادیں، ضرور بارش ہوگی لیکن حضور دل سے توجہ نہیں فرماتے ۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک یہ درست ہے کہ مجھے بارش سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور بارش کے نہ ہونے میں مجھے نہ کوئی رنج ہے نہ ملال ۔ اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا کہ قبلہ بارش کے لیے نماز استسقار کا پڑھا جانا مروی ہے آپ حکم فرمادیں تاکہ اس پر عمل ہو ۔ آپ نے فرمایا تمہیں یاد نہیں کہ فلاں سال ہم نے ویرانے میں جاکر نمازیں پڑھیں اور دعائیں مانگیں لیکن پھر بھی بارش نہ ہوئی ۔ لہٰذا اب کیا ہوسکتا ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کا ہاتھ پکڑ کر دعائے استسقار منگوائی تھی اور عرض کیا کہ خداوند پہلے ہم تیرے محبوب اور مطلوب حضور رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دُعا کراتے تھے ۔ اب تیرے حبیب کے چچا سے دُعا کراتے ہیں ۔ اس پر اس قدر بارش ہوئی کہ آپ کی ریش مبارک سے بھی پانی بہہ رہا تھا

میاں صندل صاحب کا راز فاش ہونا

اس کے بعد فرمایا کہ میاں صندل صاحب کا ہندوستان کے اکابر اولیار میں شمار ہوتا ہے لیکن آپ اولیائے مکتومان (چھپے ہوئے اولیار اللہ) سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے آپ کو مُخنّث ظاہر کرتے تھے ۔ اس وجہ سے آپ کی ولایت یا فقیری کی طرف کسی کا وہم وگمان بھی نہیں تھا لیکن اولیائے کرام اُن کو خوب جانتے تھے ۔ ایک سال دہلی شریف میں خشک سالی ہوئی اور بارش بالکل بند تھی ۔ بادشاہ وقت نے تمام اولیار اللہ اور فقرار سے دعا کرائی لیکن کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس علاقے کے تمام اولیار کرام بالاتفاق کہہ رہے تھے کہ اس سال جلال کا غلبہ ہے ۔ آخر ایک دن ایک بزرگ نے بادشاہ سے کہا کہ میں آپ کو ایک ولی اللہ کی نشان دہی کرتا ہوں ۔ وہ کامل و مکمل بزرگ ہیں اگر وہ دعا مانگیں تو امید ہے کہ بارش ہوجائے گی ۔ بادشاہ نے کہا وہ کون ہیں ۔ انہوں نے کہا وہ میاں صندل صاحب ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ہیجڑوں کے

لباس میں چھپا رکھا ہے۔ بادشاہ نے میاں صندل صاحبؒ کے پاس جاکر دُعا کی درخواست کی۔ میاں صندل نے کمال عجز و انکسار سے ادنی غلاموں کی طرح بادشاہ سے کہا کہ سارا جہان جانتا ہے کہ میں مخنّث ہوں مجھ سے کیا ہوسکتا ہے۔ مجھے معاف کریں۔ بادشاہ نے کہا کہ اب تک آپ نے اپنے آپ کو بہت چھپایا ہے جب تک بارش نہیں ہوتی میں آپ کا دامن ہرگز نہیں چھوڑوں گا غرضیکہ کافی ردّ و کد اور اصرار کے بعد میاں صندل صاحب راضی ہوکر حق تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ خداوندا اگر تو بارش نہیں دیتا تو میں یہ سہاگ کی چوڑیاں توڑ دوں گا۔ یاد رہے کہ انہوں نے ہیجڑوں کی طرح دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔ یہ کہنا تھا کہ دہلی میں اس قدر بارش ہوئی کہ قیامت برپا ہوگئی لیکن دوسرے دن میاں صندل فوت ہوگئے۔ اس پر حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ چونکہ ان کو پوشیدہ رہنا پسند تھا اس لیے راز فاش ہونے کے بعد زندہ رہنا پسند نہ آیا۔

ظہورِ کرامت پر موت کا واقع ہونا

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ لوگوں نے حضرت محب النبی دہلویؒ سے بارش کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ اور دعا کراؤ۔ وہ کاملینِ روزگار میں سے ہیں لیکن پوشیدہ رہتے ہیں۔ لوگوں نے ان کے پاس جاکر بارش کی درخواست کی۔ انہوں نے پہلے تو بہت معذرت کی لیکن آخر راضی ہوکر بارش کے لیے دعا کی۔ انہوں نے یہ بھی کہدیا کہ حضرت مولانا صاحب سے کہنا کہ کل میری نماز جنازہ پر حاضر ہونا۔ چنانچہ اس دن بہت بارش ہوئی لیکن دوسرے دن وہ فوت ہوگئے۔

مقبوس ۹۲: بوقت اشراق بروز چہار شنبہ ۲۴ ربیع الاوّل ۱۳۱۷ھ

حضرت ابو حمزہ خراسانیؒ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت ابو حمزہ خراسانی

قدس سرہ کو کسی نے ریشم سے بنی ہوئی ایک نہایت ہی گراں مایہ چادر پیش کی - آپ نے چادر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے - لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا - آپ نے فرمایا کہ ہم دنیا کو گم کرنے، معدوم کرنے اور فنا کرنے آئے ہیں -

آپ کا بکری کی آواز پر وجد کرنا

اس کے بعد فرمایا کہ ایک بادشاہ نے ایک ولی اللہ کے پاس بہت مال و دولت بھیجا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا - بادشاہ نے وہی چیز ایک اور ولی اللہ کے پاس بھیجی تو انہوں نے قبول کر لی - حضرت اقدس نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ جس بزرگ نے دولت قبول نہ کی اس نے توکل کو مضبوط کیا اور جس نے قبول کیا اس نے سمجھا کہ یہ حق تعالے سے آئی ہے - اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت ابو حمزہؒ نے بکری کی آواز سنی تو آپ پر وجد طاری ہو گیا - حضرت حارث محاسبیؒ جو اکابر اولیا ریں سے ہیں اس وقت موجود تھے - انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کیا وجد اور کیا حال ہے مجھے اس راز سے آگاہ فرمائیں - آپ نے فرمایا اے بیچارہ تو جا اور کئی سال خاکستر کھا اس کے بعد یہ وجد وصال تجھے معلوم ہو گا -

شرکِ خفی

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت بایزید بسطامی رحؒ کے ہاتھ میں ایک سیب تھا - آپ نے فرمایا کیا ہی لطیف سیب ہے ہاتف نے آواز دی کہ لطیف ہمارا نام ہے - کیا تم میرے نام کا اطلاق غیر پر کر رہے ہو - اس کے بعد فرمایا کہ ایک بزرگ کسی طرح ایک کنوئیں میں گر گئے لیکن انہوں نے کسی کو آواز نہ دی کہ مجھے باہر نکالو - اس کے بعد ایک آدمی آیا اور اس نے برتن کنوئیں میں ڈالا تاکہ پانی نکالے - وہ بزرگ ایک طرف ہو گئے اور آرام سے کھڑے رہے - بلکہ سانس بھی آہستہ سے لینا شروع کیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ سانس کی آواز سُن کر انہیں باہر نکال لے - اس وجہ سے کہ یہ بھی غیر اللہ کی استعانت ہو گی - آخر ایک اژدہا پہاڑ سے نکل آیا اور اس نے اپنی دُم کنوئیں میں ڈالی - اُسی وقت ہاتف نے آواز دی کہ یہ ہماری طرف سے ہے چنانچہ انہوں نے سانپ کی دم پکڑ لی اور

سانپ نے ان کو باہر نکال لیا ۔ (کیا خوب ہے موت نے موت سے بچایا۔
اس کے بعد فرمایا کہ حضرت ابوالحسن نوری ؒ نے حضرت ابوحمزہ ؒ کے ایک مرید سے دریافت کیا کہ تجھے پیر نے کیا سکھایا ہے ۔ اس نے جواب دیا کہ قرب سکھایا ہے ۔ حضرت ابوالحسن نے فرمایا کہ جہاں ہم ہیں وہاں قرب بھی بُعد [1] ہے۔

حضرت مخدوم محمد شریف ؒ کی بیعت کا واقعہ

اس کے بعد حضرت سلطان الاولیار قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ کے والدِ ماجد حضرت مخدوم محمد شریف ؒ کی حضرت قبلہ عالم مہاروی قدس سرہٗ سے بیعت کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت مخدوم صاحب کو حضرت سلطان الاولیار نے حضرت قبلہ عالم مہاروی سے بیعت کرایا تھا ۔ چونکہ مخدوم صاحب بیعت سے پہلے سندھ کے بہت سے مشائخ کی صحبت حاصل کر چکے تھے ۔ اس لیے حضرت قبلہ عالم ؒ نے بیعت کے وقت مخدوم صاحب سے فرمایا کہ خبردار محکم اور استوار رہنا ۔ یہ نسبت جو میں تمہیں دے رہا ہوں اسے مشائخ سندھ کی نسبتوں کی طرح نہ سمجھنا ۔
اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن ایک آدمی حضرت سلطان الاولیا ؒ کے سامنے مخدوم محمد شریف ؒ کی یوں تعریف کرنے لگا کہ حضرت قبلہ عالم ؒ کے ساتھ بیعت کرنے سے پہلے مخدوم صاحب دوسرے مشائخ وقت سے فیوض حاصل کر کے فقر و ولایت میں اُن کے ہم پلّہ ہو چکے تھے ۔ یہ سُن کر حضرت سلطان الاولیار خشمناک ہوئے اور

---

[1] " وہاں قرب بھی بُعد ہے " کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ذات کی کوئی انتہا نہیں اس لیے قرب کی بھی کوئی انتہا نہیں ۔ اولیار کرام فرماتے ہیں کہ ہم جس منزل پر پہنچ جاتے ہیں اس سے اوپر اور منزل ہے ۔ جب وہاں پہنچتے ہیں تو اس سے اوپر اور منزل ہے غرضیکہ منازل قرب کا کوئی شمار نہیں ۔ اس لیے کسی قرب کی منزل پر اکتفا نہیں کرتے اور ہمیشہ ھل من مزید کا نعرہ لگاتے ہیں ۔ یہ انتہائے شوق اور بلندیٔ مراتب کی علامت ہے ۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

فرمایا کہ میرے والدِ بزرگوار مخدوم صاحب کو فقر و ولایت میں جو کچھ حاصل تھا انہوں نے سب میرے پیر حضور حضرت قبلہ عالم مہاروی سے حاصل کیا تھا۔

حضرت خواجہ احمد علی کی بیعت

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ احمد علی صاحب کو بھی حضرت سلطان الاولیاء نے اپنے ہاتھ سے حضرت قبلہ عالم مہاروی قدس سرہ، سے بیعت کرایا تھا لیکن حضرت مخدوم صاحب اور خواجہ احمد علی کو حضرت قبلہ عالم نے قادریہ سلسلہ میں بیعت کیا تھا اور خلعتِ خلافت اور نعمتِ ولایت بھی دونوں حضرات کو اسی سلسلہ عالیہ قادریہ سے عطا کی تھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ ہمارا سلسلہ چشتیہ اس طرح مسلسل ہے کہ میری بیعت حضرت مولانا غلام فخر الدین سے ہے اور آپ حضرت سیّد الاولیا محبوبِ الٰہی خواجہ خدا بخش کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ حضرت سلطان الاولیا شیخ محمد عاقل کے اور آپ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کے اور آپ حضرت محب النبی مولانا فخر الدین دہلوی کے اسی طرح سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وسلم تک یہ پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سیّد الاصحاب تھے۔ اسی طرح حضرت سلطان الاولیاء حضرت

حاشیہ صفحہ گزشتہ سے پیوستہ

اس لیے سعدی شیرازی نے نعرہ لگایا کہ ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں   بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(نہ محبوب کے حسن و جمال کی کوئی انتہا ہے نہ سعدی تعریف کرتے کرتے تھکتا ہے لیکن آخر ہوتا یہ ہے کہ استسقار کا مریض دریا کے کنارے پانی پیتے پیتے مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح رواں دواں رہتا ہے)۔ اسی وجہ سے بعض اولیاء کرام نے فرمایا ہے کہ ؎

قلندر آنکہ فوق الوصل جوید (قلندر وہ ہے جو وصل سے بھی اوپر کا مقام تلاش کرتا ہے)

قبلہ عالم کے خلفاء میں سید الخلفاء ہیں ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی دوسری خصوصیت یہ تھی جو کسی اور صحابی میں نہیں تھی کہ آپ ، آپ کے والد ، آپ کے فرزند اور فرزند کے فرزند یعنی چار پشت تک تمام حضرات اصحابِ رسول اللہ صلعم تھے ۔ اسی طرح حضرت قبلہ عالم کے مریدین میں سے صرف حضرت سلطان الاولیار کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ ، آپ کے والد حضرت مخدوم محمد شریف صاحبؒ اور آپ کے فرزند حضرت خواجہ احمد علی صاحبؒ یعنی تین پشت تک تمام حضرات قبلہ عالمؒ کے مرید تھے ۔ اگرچہ حضرت صاحب نارووالہ بھی تین پشت تک حضرت قبلہ عالم مہارویؒ کے مرید تھے لیکن خلافت صرف حضرت صاحب نارووالہ کو ملی تھی باقی دو حضرات کو نہیں ملی تھی ۔

مقبوس ۹۳ :- بوقت اشراق بروز یکشنبہ ۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۱۷ھ

شیخ منصور کو ہلانے سے خرما کی بارش

حضرت اقدس تازہ کھجور اہل مجلس میں اپنے ہاتھ سے تقسیم فرما رہے تھے ۔ اس وقت ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور وہ کون سے بزرگ تھے جن کو ہلانے سے تر و تازہ کھجور گرنے لگے تھے ۔ آپ نے فرمایا وہ شیخ منصورؒ تھے ۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ جب شیخ منصورؒ حج کو گئے تو پانچ سو صوفیان و فقراء ساتھ تھے ۔ جب صحرا میں پہنچے تو سامان ختم ہو گیا اور کئی وقت کھانا نہ ملا ۔ تمام لوگ بھوک سے پریشان تھے چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے پکڑ کر ہلاؤ ۔ جب لوگوں نے ہلایا تو تر و تازہ کھجور آپ کے جسم سے گرنے لگے اور تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھائے ۔ اُسی دن کے بعد جب بھی حضرت شیخ کا پاؤں پھسلتا تھا یا پاؤں میں کانٹا چبھنے سے یا کسی اور طرح سے آپ کا جسم ہلتا تھا تو تر و تازہ کھجور گرنے لگتے تھے ۔ یہ حالت چند یوم رہی اور لوگ دیکھ کر سخت تعجب کرتے تھے ۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ منصور عارف تھے اور عارف کی شان یہ ہے کہ جس چیز

کا خیال دل میں آئے وہی ہو جائے ۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

گہ در دل تو گل گذرد گل باشی   ور بلبل بے قرار بلبل باشی

(جب دل میں گلاب کا خیال آئے تو گلاب بن جائے اور بلبلِ بے قرار کا خیال آئے تو بلبل ہو جائے)

چوں کردی خویشتن را پنبہ کاری   تو ہم حلاج وار ایں دم برآری

(جب تو اپنے آپ کو دُھنی ہوئی روئی کی طرح پامال کر دے گا یعنی اپنی ہستی کو فنا کر دے گا تو حلاج کی طرح نعرۂ انا الحق بلند کرے گا)

شیخ منصورؒ کا مجاہدہ

اس کے بعد فرمایا کہ جب شیخ منصور حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ اے ابنِ منصور مجھے تیری باتوں میں فضولی نظر آتی ہے مجھے فضول گو کی صحبت کی ضرورت نہیں ۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ منصور بڑے مجاہد اور مرتاض (ریاضت کش) تھے چنانچہ ایک دفعہ کعبہ شریف کے سامنے ناف پر ہاتھ باندھ کر ایک سال تک کھڑے رہے ۔ جس زمانے میں شیخ منصور ریاضت میں مشغول تھے ۔ آپ نے بیس سال ایک پیرہن میں گزار دیئے ۔ جب کپڑا پھٹ جاتا تھا تو گلی کوچے سے پرانا کپڑا اٹھا کر پیوند لگا لیتے تھے ۔ جب بیس سال کے بعد وہ کرتہ اتارا تو اندر سے کپڑا نظر نہیں آتا تھا بلکہ سب ٹکڑے ایک دوسرے پر تہ در تہ سِلے ہوئے تھے ۔ شیخ منصورؒ کے سر کا یہ حال تھا کہ بالوں میں بچھّو نے آشیانہ بنا رکھا تھا اور بارہ سال تک وہاں رہا۔

شیخ شبلیؒ

اس کے بعد شیخ شبلیؒ کے بلند مراتب کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دن شیخ شبلیؒ نے شیخ جنیدؒ کی کسی بات کے جواب میں کہا کہ :-

"سخنِ مشرکان را بگذار"

(مشرکوں کی باتوں کو جانے دیں - یعنی مجھ جیسے مشرکوں کی باتوں کو بُرا نہ منائیں)

لیکن یہ بات ان کے مُنہ سے اس وقت نکلی جب وہ وحدتِ صرفہ (توحید مطلق یا ذات بحت) میں مستغرق تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن شیخ ابن القائد نے عالم کشف میں دیکھا کہ کوئی دوسرا بزرگ اُن سے ایک قدم آگے ہے۔ غیرت میں آکر کہا کہ وہ کون ہے کہ جس کا قدم مجھ سے آگے ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف القا ہوا کہ یہ تمہارے نبی اور پیغمبر کا قدم ہے۔ یہ سن کر انہوں نے عجز و انکسار سے اپنا سر نیچے جھکالیا۔ اس پر حضرت اقدس نے یہ مصرعہ پڑھا ؎

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

(خدا تعالےٰ کے ساتھ دیوانہ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوشیار ہو کر رہو اس وجہ سے کہ حق تعالےٰ بشریت سے پاک و منزہ ہیں اور آں حضرتؐ کے ساتھ بشریت منسوب ہے)

شیخ شبلیؒ کا استغراق میں پابندِ نماز ہونا

اس کے بعد فرمایا کہ یہ القا نہ ہوا کہ یہ قدم تمہارے پیر و مرشد کا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر شخص لازماً عجز و انکسار سے پیش آتا ہے۔ اس کے بعد عمر خان شاہد نے عرض کیا کہ قبلہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شبلیؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ و جانشین ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں بعض مشائخ نے یہی کہا ہے۔ عمر خان نے کہا کہ اب معلوم ہوا ہے کہ شیخ شبلی ایک جلیل القدر بزرگ ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی عظمت کی اس سے زیادہ علامت کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت غوث الاعظم عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ شیخ شبلیؒ کے سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ شبلیؒ چھ مہینے متواتر عالم بے خودی و فنا میں رہے ہیں لیکن نماز کے وقت آپ عالمِ شعور میں آکر نماز ادا کرتے تھے اور پھر ملک بے خودی میں چلے جاتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین عربیؒ پر بھی مکہ معظمہ میں کافی عرصہ تک یہی حالتِ فنا و بے خودی طاری رہی لیکن اس کے باوجود آپ پنجگانہ

نماز اور دیگر معمولات کے باقاعدگی سے پابند رہے لیکن آپ کو کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔[1]

حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کی عظمت

اس کے بعد حضرت شیخ جنیدؒ کی رفعتِ شان کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ جنید امام طریقت ہیں اور تمام علمائے اہلِ ظاہر و اہلِ باطن نے آپ کو قبول کیا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی بھی امام تصوف ہیں لیکن ان کو اہلِ باطن نے قبول کیا ہے۔ اہلِ ظاہر نے ان کا انکار کیا ہے۔ صرف دو بزرگ ایسے ہیں کہ جن کو دونوں فرقوں (اہلِ ظاہر و اہلِ باطن) نے قبول کیا ہے۔ مشائخ متقدمین میں سے شیخ جنیدؒ اور متاخرین میں سے شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ۔

آپ کے خلفاء

اس کے بعد آپ نے حضرت شیخ جنیدؒ کے چند خلفاء کے نام بتاتے ہوئے فرمایا کہ حضرت شیخ رویمؒ، حضرت شیخ ممشاد علو الدینوریؒ، حضرت علی رودباریؒ، حضرت ابو محمدؒ حریری، حضرت عمر بن عثمان سمیؒ، حضرت ابن عطاؒ، حضرت ابو محمدؒ مرتعشؒ، حضرت ابو بکر واسطی وغیرہم حضرت جنیدؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ جس وقت حضرت شیخ جنید توحید کے حقائق و معارف بیان فرماتے تھے تو آپ کا کلام اس قدر بلند اور باریک ہوتا تھا کہ تمام سامعین اور حاضرین مجلس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

مرضِ برص

اس کے بعد مرض برص کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے۔ ایک برص میں مبتلا تھا، دوسرا سر سے گنجا تھا، تیسرا نابینا تھا۔

---

[1] کمال ہے ان حضرات کی پابندئ شریعت کا چھ چھ ماہ ذات میں مستغرق رہنے کے باوجود بھی نماز ترک نہیں کرتے تھے لیکن آج کل جن لوگوں کو حال کی ہوا تک نہیں لگی۔ رات دن قال کے نعرے لگا کر نماز سے محروم رہتے ہیں۔ کس قدر جہالت اور کم نصیبی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمانا چاہا - چنانچہ ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا گیا - فرشتے نے
سب سے پہلے برص کے مریض کے پاس جاکر پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ
پسند ہے - اس نے جواب دیا کہ رنگِ خوب و چرمِ خوب مطلب یہ تھا کہ برص سے نجات
ملے - فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری رفع دفع ہوگئی اور خوبصورت
رنگ نکل آیا - فرشتے نے پوچھا کہ مال میں سے تجھے کونسا مال محبوب ہے - اس نے
کہا اونٹ - چنانچہ اُسے ایک حاملہ سانڈنی دی گئی - فرشتے نے دُعا کی کہ خدا تعالیٰ
تجھے اس سانڈنی میں برکت دے - اس کے بعد اس نے گنجے کے پاس جاکر پوچھا کہ
تجھے کون سی چیز اچھی لگتی ہے - اس نے کہا خوبصورت بال نیز وہ چیز مجھ سے دُور ہو
جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں - فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے
بال نکل آئے اور بدصورتی رفع ہوگئی - اس کے بعد فرشتے نے پوچھا کہ مال میں سے
کون سی چیز پسند کرتے ہو - اس نے جواب دیا کہ مادہ گائے - چنانچہ اُسے ایک حاملہ
گائے عطا ہوئی - فرشتے نے دُعا کی کہ خدا تجھے اس مال میں برکت دے - اس کے بعد
فرشتے نے نابینا کے پاس جاکر پوچھا کہ تجھے کیا چیز پسند ہے - اس نے کہا کہ میں چاہتا
ہوں کہ میری بینائی واپس آجائے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں - فرشتے نے اپنا ہاتھ
اس کے مُنہ پر ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں - اس کے بعد فرشتے نے پوچھا
کہ مال میں سے کیا پسند ہے - اس نے جواب دیا کہ مجھے بکری پسند ہے چنانچہ اسے ایک
حاملہ بکری مل گئی - کچھ عرصے کے بعد برص کے مریض کے پاس اونٹوں کا گلہ، گنجے کے
پاس گایوں کا گلہ اور نابینا کے پاس بکریوں کا گلہ بن گیا - چنانچہ وہ فرشتہ اسی پہلی شکل و
صورت میں ان کے پاس گیا - پہلے اس نے برص کے مریض کے پاس جاکر سوال کیا کہ میں
ایک مسکین آدمی ہوں - سفر میں میرا زادِ راہ ختم ہوگیا ہے - افلاس کی وجہ سے میرا گھر
واپس جانا ناممکن ہوگیا سوائے اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے - اس لیے آپ کی خدمت میں
عرض ہے کہ مہربانی فرماکر مجھے اُس ذاتِ پاک کے صدقے جس نے آپ کو یہ مال عطا فرمایا
ہے اور خوبصورتی عطا فرمائی ہے - ایک اونٹ عطا فرمادیں - اس نے جواب دیا کہ

حق دار بہت ہیں کس کو دوں - غرضیکہ اس قسم کی باتیں کر کے اُسے ٹال دیا - فرشتے نے کہا میں نے تجھے پہچان لیا ہے کیا تم وہی نہیں ہو جو برص کی بیماری میں مبتلا تھے اور بدصورتی کی وجہ سے لوگ تم سے نفرت کرتے تھے اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - خدا تعالےٰ نے تمہیں اونٹ عطا فرمائے ہیں اور بیماری سے نجات دی ہے - اس نے کہا یہ اونٹ مجھے اپنے باپ دادا سے ورثہ میں ملے ہیں - فرشتے نے کہا اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو خدا تعالےٰ تجھے سابقہ حالت پر پہنچا دے گا -

اس کے بعد وہ فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اسی طرح سوال کیا - اس نے بھی برص والے مریض کی طرح باتیں کیں اور فرشتے نے اس کو بھی بد دُعا دی - اس کے بعد وہ نابینا کے پاس گیا اور اُسی طرح سوال کیا - اس نے جواب دیا کہ بیشک میں اندھا تھا - اللہ تعالےٰ نے مجھے بینائی دی ہے - اب جو بکری پسند آئے پکڑ لو فرشتے نے کہا مجھے بکری کی ضرورت نہیں ہے - مجھے تو حق تعالےٰ نے تیری آزمائش کے لیے بھیجا تھا -[1]

---

[1] اے غافل انسان اب بھی جتنے فقیر، غریب اور مسکین تیرے پاس آکر بھیک مانگتے ہیں - یاد رکھ یہ تیری آزمائش کے لیے آتے ہیں - تجھے بھی حق تعالیٰ نے بیحد و بے حساب نعمتیں عطا فرمائی ہیں لیکن نفس و شیطان کے فریب میں آکر اب تو ذرا بھر راہِ خدا میں نہیں دے سکتا اور اپنے آباؤ اجداد کا ورثہ یا اپنے دست و بازو کی کمائی سمجھتا ہے - حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ میں بھوکا تھا میں تیرے پاس روٹی مانگنے آیا تو نے انکار کیا ..... اِلیٰ آخرہ

مقبوس ۹۴: بوقتِ اشراق بروز سہ شنبہ ۳۰ ربیع الاوّل ۱۳۱۷ھ

شیخ کی غیبی امداد

مریدوں کو پیروں کی امداد کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ میاں نکّا خواجہ ساکن کوٹ شریف پر جو حضرت فخر الاولیا کا مرید تھا انگریزی سرکار کی طرف سے ایک سنگین مقدمہ دائر ہو گیا اور نوبت اس حد تک پہنچی کہ حاکمِ وقت اُسے گرفتار کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ حاکم نے کہا اگر اس آدمی پر تین روپے مطالبہ سرکاری بھی ثابت ہو گیا تو اُسے قید کر دوں گا۔ میاں نکّا مقرر میعاد پر پیشی پر حاضری کے لیے راجن پور کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں وہ بے حد گھبرایا ہوا تھا اور دل میں فکر مند تھا کہ اب کیا ہو گا۔ راستے میں کیا دیکھتا ہے کہ اس کے پیر حضرت مولانا فخر الاولیا اس کے سامنے زمین سے اوپر ہوا میں کھڑے ہیں۔ اس سے اس کے دل کو تقویت ہوئی اور راجن پور جا کر دفتر میں حاضر ہو گیا۔ گواہوں نے اس کے خلاف گواہی دی اور ستّر روپے اس کے خلاف قائم ہو گئے لیکن حیرت کی بات ہے کہ حاکم نے اُسے کوئی سزا نہ دی بلکہ اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم بری الذمّہ ہو۔

مقبوس ۹۵: بوقتِ اشراق بروز چہار شنبہ یکم ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

حضرتِ اقدس میاں نور الصمد کو مشکوٰۃ کا درس باب الانفاق وکراہیۃ الامساک سے دے رہے تھے۔ جب اس حدیث پر پہنچے۔

وَعَنْ اَبِی ذرؓ اَنَّہٗ استاذن علی عثمان فاذن لہ و بیدہٖ عصاہ فقال عثمان یا کعب ان عبد الرحمٰن توفی وَ ترکَ مالاً ...... الی آخرہٖ

(یعنی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے
اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو اجازت دے دی
حضرت ابوذرؓ کے ہاتھ میں عصا تھا۔ وہاں حضرت کعبؓ بھی پہلے سے
موجود تھے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت کعبؓ سے کہا کہ اے کعب
عبدالرحمٰن فوت ہو گیا ہے اور پیچھے بہت سا مال چھوڑ گیا ہے۔ تمہارے
نزدیک مال کا جمع کرنا) اور اُسے پیچھے چھوڑ جانا کیسا ہے۔

حضرت کعبؓ نے جواب دیا کہ اگر عبدالرحمٰن اس مال سے حقوق اللہ ادا کرتا رہا ہے تو
وہ بری الذمہ ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوذرؓ نے ان کے سر پر ڈنڈا مارا اور فرمایا کہ
میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا آپ نے کہ اگر یہ پہاڑ سونا بن جائے
اور میری ملکیت ہو جائے اور میں اسے راہِ حق میں دوں اور حق تعالےٰ مجھ سے قبول کر لے
تو میں چھ ماشہ سونا بھی اپنے پاس رکھنا پسند نہ کروں بلکہ تمام راہِ حق میں دے ڈالوں۔
اے عثمان تجھے قسم ہے خدا کی تو بتا کہ آیا تو نے یہ بات سنی ہے۔ یہ بات حضرت ابوذرؓ
نے تین بار دہرائی۔ حضرت عثمان نے فرمایا ہاں میں نے سنی ہے۔ اس کے بعد حضرت
خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت ابوذرؓ نے حضرت کعبؓ کو اس لیے ڈنڈا مارا کہ
حضرت ابوذرؓ بڑے درویش، عابد، زاہد اور صوفی منش تھے اور مال اور مالدار سے
آپ کو نفرت تھی۔ آپ کا مشرب یہ تھا کہ حقوق اللہ ادا کرنے کے بعد بھی مال جمع
نہیں کرنا چاہیئے بلکہ راہِ خدا میں دے دینا چاہیئے، لیکن حضرت کعبؓ اور جمہور
اصحاب کرام کا مسلک یہ ہے کہ حق اللہ ادا کرنے کے بعد جس قدر بچ رہے اس کا
جمع کرنا جائز ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لیے جب حضرت ابوذرؓ نے
حضرت کعبؓ سے اپنے مسلک کے خلاف بات سُنی تو انہیں ڈنڈا مارا اور حضرت
عثمانؓ سے بھی اقرار کرایا کہ مال جمع نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ حضرت
کعبؓ صحابی نہیں تھے بلکہ تابعی تھے، لیکن اس قدر عالم، فقیہہ اور ثقہ تھے کہ صحابہ کرام
ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ آپ حضرت کعب احبار کہلاتے ہیں۔ احبار

جمع ہے حبر کی جس کے معنی ہیں عالم اور دانشمند کے ۔ چونکہ آپ کا علم کئی عالموں کے برابر تھا اس لیے آپ پر جمع کا صیغہ استعمال ہوتا تھا۔

تین مشائخ کے القاب صیغہ جمع ہیں

اس کے بعد فرمایا کہ تین حضرات ایسے ہیں جن کا لقب صیغۂ جمع میں آتا ہے - ایک حضرت کعب احبار ، دوسرے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء - اس وجہ سے کہ آپ کی ولایت کئی اولیاء کرام کی ولایت کے برابر ہے - تیسرے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار - احرار جمع ہے حُر کی جس کے معنی ہیں آزاد یعنی غیر کی قید و بندگی سے آزادی - چونکہ آپ کی حرّیت بہت سے احرار کی حُرّیت کے برابر تھی اس لیے آپ کو احرار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، لیکن جب بات حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے کانوں تک پہنچی تو آپ کو اس لفظ (احرار) پر جوش آگیا اور فرمایا کہ لوگوں نے مجھے کیا سمجھا ہے - میرے قدموں کے نیچے اسقدر اولیاء پامال اور بے بس ہوتے ہیں کہ اتنی چیونٹیاں بھی لوگوں کے پاؤں کے نیچے پامال نہیں ہوئی ہونگی۔[1] دوسرے اوقات میں آپ سے جوش کی حالت میں یہ

---

[1] اس قسم کے کلام کو تصوف کی اصطلاح میں شطحیات کے نام سے موسوم کیا ہے جس کے معنی ہیں وہ کلمات جو بظاہر غیر شرع نظر آئیں لیکن در حقیقت خلاف شرع نہ ہوں مثل حضرت شیخ منصور کا نعرۂ "انا الحق"، حضرت بایزید بسطامی کا دعوئے "سبحانی ما اعظم شانی" اور حضرت غوث الاعظم کا فرمان "قدمی ھذہٖ علی عنق اولیاء اللہ"۔ یہ کلمات اولیاء کرام سے اس وقت صادر ہوتے ہیں جب وہ عروج اور فنا فی اللہ کے مقام پر ہوتے ہیں لیکن جب نزول میں آتے ہیں جو خاصہ ہے اولیاء امتِ محمدیہ کا اور جو بلند ترین مقام ہے راہِ حق میں، تو ان نعروں پر نادم ہوتے ہیں اور حق تعالےٰ سے معافی طلب کرتے ہیں - یاد رہے کہ کامل اکمل عارفین کے نزدیک عروج نہیں بلکہ نزول، فنا نہیں بلکہ بقا، الوہیت نہیں بلکہ عبدیت بلند ترین مقام ہے۔ فنا

الفاظ صادر ہوتے تھے کہ مجھے تالیفِ قلوب کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ مشیخیّت کے لیے ۔ اس وجہ سے کہ اگر مجھے مشیخیت کے لیے پیدا کیا جاتا تو روئے زمین کے ہم عصر اور ہم زماں اولیاء اللہ کے لیے لوگوں کو بیعت کرنا حرام اور ناجائز ہو جاتا۔[۱]

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے دوبارہ درس حدیث شروع کیا۔ جب یہ حدیث شریف پڑھی " عن عائشہ رضؓ انّھا قالت کان رسول اللہ صلعم عندی فی مرضہ ستۃ وثمانین او سبعۃ فامرنی رسول اللہ صلعم ...... الی آخرہٖ (روایت ہے حضرت بی بی عائشہؓ سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں میرے پاس چھ یا سات دینار تھے ۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں تقسیم کردو غربا و مساکین میں ۔ چنانچہ میں نے تقسیم شروع کی لیکن آں حضرت صلعم کے درد سے کراہنے کی وجہ سے میں واپس آگئی تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے وہ دینار تقسیم کر دیے ہیں یا نہیں ۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابھی باقی ہیں ۔ خدا کی قسم مجھے آپ کے درد نے تقسیم کرنے سے باز رکھا ۔ آپ نے وہ دینار طلب کیے اور ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ کس قدر بُری بات

درمیانی منزل ہے ۔ اور متوسطین کا مقام ہے ۔ منتہوں کا مقام بقا باللہ اور نزول ہے۔

[۱] یعنی میرے سامنے کوئی شخص صاحب بیعت نہ بن سکتا ۔ یہ بھی شطحیات میں شامل ہے ۔ جب مقام الوہیت اور فنا فی اللہ میں عارفین خود گم ہو جاتے ہیں اور حق باقی رہ جاتا ہے اس لیے حق تعالےٰ کی زبان سے کلام کرتے ہیں اور الوہیّت ہی کا کلام ان کی زبان سے سرزد ہوتا ہے چنانچہ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں ؎

نہ شبنم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ۔ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

ترجمہ ۔ نہ میں رات ہوں (یعنی تاریک الذہن) نہ رات کی پرستش کرتا ہوں ۔ چونکہ میں آفتاب (حق تعالےٰ) کا غلام ہوں ۔ سب کچھ اسی کی زبان سے بیان کرتا ہوں۔

ہے کہ جب خدا کا پیغمبر خدا تعالیٰ سے ملاقات کرے اور دینار اس کے پاس ہوں) اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ سبحان اللہ وصال کے وقت دونوں جہانوں کے بادشاہ کے گھر میں صرف پندرہ یا سترہ روپے تھے اور وہ بھی فقراء ومساکین میں تقسیم کر کے اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔

بیت المال کی ملکیت

اس کے بعد چند حاضرین نے عرض کیا کہ قبلہ وہ مال جو بیت المال میں تھا کیا وہ آں حضرت صلعم کی ملکیت نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آں حضرت صلعم بیت المال سے غربا ومساکین کی پرورش فرماتے تھے یا فوج پر خرچ کرتے تھے۔ اپنی ذات پر ہرگز خرچ نہیں فرماتے تھے۔ نیز فرمایا کہ خلفائے راشدین کا بھی یہی دستور تھا۔

حضرت ابوبکرؓ اور بیت المال

چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو اہل وعیال کی روزی کے خیال سے آپ تجارت کی غرض سے بازار جارہے تھے کہ صحابہ کرام نے جمع ہو کر عرض کیا کہ اب آپ خلیفۂ رسول اللہ صلعم ہو گئے ہیں۔ یہ مناسب نہیں کہ بازار میں جا کر آپ بال بچوں کے لیے روزی کمائیں۔ آپ کو اہل وعیال کے نان نفقہ کے لیے بیت المال سے رقم لینی چاہیئے، لیکن آپ نے یہ بات قبول نہ فرمائی۔ جب صحابہ کرام نے بہت اصرار کیا تو آپ نے نصف بکری بیت المال سے قبول کر لی۔

حضرت عمرؓ اور بیت المال

اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت عمرؓ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو مشرق ومغرب سے مال ودولت سمٹ کر بیت المال میں جمع ہونے لگی، لیکن آپ نے بیت المال سے کچھ قبول نہ فرمایا اور بال بچوں کی روزی کے لیے آپ اینٹ بنایا کرتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے مرغی کا انڈا پکا کر زردی اور سفیدی علٰحدہ علٰحدہ روٹی پر رکھ دی۔ اتفاق سے حضرت حذیفہ رض

کا وہاں سے گزر ہوا - ان کی نظر روٹی پر پڑی تو بے تحاشا حضرت عمرؓ پر برس پڑے کہ دو قسم کے کھانے تیار کرنے کی بدعت آپ کے عہد خلافت میں شروع ہو گئی ہے - [۱] حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا نزدیک آؤ - جب وہ نزدیک آئے تو دیکھا کہ ایک ہی انڈے کے دو حصے (یعنی زردی اور سفیدی) الگ الگ رکھے ہوئے ہیں - اس سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا -

زکوٰۃ شریعت طریقت و حقیقت

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن کسی نے شیخ شبلیؒ سے زکوٰۃ کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ زکوٰۃ تین قسم کی ہوتی ہے - تم کونسی زکوٰۃ کے متعلق دریافت کر رہے ہو - پہلے تو وہ آدمی حیران ہوا کہ یہ کیا بات کر رہے ہیں پھر کہا کہ اچھا تینوں قسم کی زکوٰۃ بیان فرمائیں - آپ نے فرمایا کہ پہلی قسم کی زکوٰۃ زکوٰۃ شریعت ہے جو چالیس روپے میں ایک روپیہ چار آنے ہے - دوسری زکوٰۃ طریقت کی ہے وہ یہ ہے کہ چالیس روپے میں سے ایک روپیہ چار آنے اپنے

---

[۱] یاد رہے کہ آں حضرت صلعم کی تعلیمات کے مطابق کسی مسلمان کو بیک وقت دو کھانے تناول کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ آٹا چھان کر روٹی بنانے کی اجازت تھی - حکماء کا کہنا ہے کہ کفایت شعاری، ایثار اور نفس کشی کے علاوہ جسمانی صحت کے لیے بھی یہ اصول بے حد مفید ہیں - ایک دفعہ کسی بادشاہ نے مسلمانوں کی خدمت کے لیے ایک طبیب مدینہ منورہ میں بھیجا - ایک سال تک کوئی بیمار اس کے پاس نہ گیا تو اس نے دریافت کیا کہ مسلمان لوگ مجھ سے کیوں نفرت کرتے ہیں کہ علاج کرانے کوئی آتا - ایک صحابی نے اسے بتایا کہ ہمیں رسول خدا صلعم نے چند اصول تعلیم فرمائے ہیں جن پر ہم عمل کر کے کبھی بیمار نہیں ہوتے - ایک اصول یہ ہے کہ جب تک شدید بھوک نہیں لگتی ہم کھانا نہیں کھاتے - دوم یہ کہ کچھ بھوک باقی رہتی ہے کہ ہم کھانا بند کر دیتے ہیں - سوم یہ کہ ایک سے زائد

پاس رکھے باقی خیرات کر دے۔ تیسری زکوٰۃ حقیقت کی ہے وہ یہ ہے کہ چالیس کے چالیس روپے فی سبیل اللہ دے دے۔

شدت سکرات

اس کے بعد شدت سکرات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک ولی اللہ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ میں قطب وقت ہوں۔ مجھ پر سکرات سخت ہوگی۔ تم لوگ اپنا اعتقاد مضبوط رکھنا ایسا نہ ہو کہ بے عقیدہ ہو جاؤ۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ سکرات کے وقت میری عجیب حالت ہوگی۔ میرا سارا جسم بے حس و حرکت ہوگا لیکن پاؤں کی صرف ایک انگلی متحرک ہوگی اور زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آئے گی۔ جب وہ انگلی رک جائے گی تو یقین جانو کہ موت واقع ہوگئی ہے

مقبوس ۹۶۔ بوقت اشراق بروز جمعہ ۳ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

حقیقت افلاک و کواکب

راقم الحروف نے عرض کیا کہ قبلہ قرآن مجید سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام سیارگان اور کواکب اسی آسمانِ دنیا (پہلے آسمان) پر ہیں اور شیاطین کو روکنے کے لیے بھی ستاروں کے ذرات سے کام لیا جاتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ سوائے سات سیارگان کے باقی تمام ستارے اور کواکب ساکن ہیں اور کرسی ان کا مرکز ہے اور یہ جو آگ کے شعلے اور شہاب ثاقب فضا میں نظر آتے ہیں۔ کرۂ ناری کے اجزا ہی جو باہمی تصادم اور رگڑ کی وجہ سے مشتعل ہوتے ہیں۔ اب ان دونوں نظریوں میں تطبیق کس طرح کی جاسکتی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آیت زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ

چیز نہیں کھاتے۔ چہارم یہ کہ چھنا ہوا آٹا نہیں کھاتے۔ طبیب نے یہ سن کر کہا کہ اچھا مجھے رخصت کرو یہاں تو ابد تک کوئی بیمار نہ ہوگا۔

(ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کے چراغوں سے زینت دی ہے) آسمانِ دنیا کی زیب و زینت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ یہ پہلے آسمان میں ہیں اور آسمانِ دنیا کی زینت سے مراد اہلِ شرع کے نزدیک ان کی چمک دمک، روشنی اور رونق ہے اور ستاروں کا رجم بن کر شیطان کو روکنا ان کی تاثیر کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ ستارے کا اثر کرۂ نار میں ہوتا ہے اور کرۂ نار سے آتش کا شعلہ نکل کر شیطان کی طرف جاتا ہے ظاہر ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ افلاک و کواکب کی تاثیرات سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ حکیم فیثاغورث کے نزدیک افلاک کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے۔ فرض کرو کہ افلاک موجود ہیں تو پھر بھی وہ تمام ستارگان اور کواکب سے بالاتر ہیں اور کواکب، افلاک کے نیچے ہیں اور ہر سیّارہ و کوکب کے لیے فضا میں ایک مدار (راستہ - ORBIT) ہے پس اس لحاظ سے بھی آسمانِ دنیا کی زینت ان سیّارگان اور کواکب سے ہو گی۔ اس وجہ سے کہ آسمان سے قریب ہیں اور اس سے اگر رجومِ شیاطین کا کام بھی لیا جائے تو کیا عجب ہے اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ قبلہ جس چیز کی ماہیّت اور کنہہ کے متعلق غور کیا جاتا ہے۔ نتیجہ آخر حیرت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اولیاء اللہ تمام افلاک و کواکب کے حالات سے واقف ہوتے ہیں حالانکہ ان کو بالکل خبر نہیں ہوتی۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ حضور لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ جہان اولیاء اللہ کے سامنے ایک ناخن کی طرح ہے اور ہر چیز کو وہ اچھی طرح دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں لیکن حضور فرماتے ہیں کہ ان کو ہرگز خبر نہیں ہوتی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

اولیاء اللہ کا علم غیب

آپ نے فرمایا کہ ہاں جو کچھ تم کہتے ہو درست ہے لیکن اس کے باوجود وہ کسی چیز کی کنہہ کو نہیں جانتے۔ وجہ یہ ہے کہ جب عبدیّت، اور عبودیّت اُن سے رفع ہو جاتی ہے اور ربوبیّت ان پر ظاہر ہو جاتی ہے اُس وقت وہ خود نہیں ہوتے لہٰذا اگرچہ اس مقام پر تمام جہانوں کا مکمل علم وادراک ان کو حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم اور ادراک

دوسرے حواس سے ہوتا ہے۔ جب وہ مرتبۂ ربوبیت سے تنزل کرکے مرتبۂ عبدیت یا عبودیت (مقامِ دوئی و کثرت) میں واپس آتے ہیں تو کوائف و ماہیت و کنہِ اشیاء ان عبدیت کے حواس سے (جسمانی حواس سے) کس طرح معلوم کرسکتے ہیں۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ ان مقامات کی لذت اور حظ ان کے قلب میں باقی ہوتی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پر غور کرو۔ مثلاً جو کچھ خواب میں دیکھا جاتا ہے اس کا ادراک حواسِ باطنیہ سے ہوتا ہے اور جو کچھ بیداری میں دیکھا جاتا ہے اسکا تعلق حواسِ ظاہری سے ہے چنانچہ بہت سے خواب ایسے ہوتے ہیں کہ بیداری کے وقت ان کا بیان کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بعض خوابوں میں سے کچھ بیان کیا جاسکتا ہے لیکن وہ بھی پوری طرح بیان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ میں نے میاں غلام محمد دیگچہ کو زردبھڑ کی شکل میں دیکھا تھا اور خواب کی حالت میں مجھے یقین تھا کہ یہ میاں غلام محمد دیگچہ ہے لیکن زنبور (بھڑ) کے جثہ اور شکل میں نظر آرہا ہے۔ پس اس معاملہ کی ماہیت کس طرح بیان کی جاسکتی ہے۔ کہاں میاں غلام محمد کی شکل و صورت اور کہاں بھڑ کا وجود۔ اس کے بعد فرمایا کہ وجودِ متعین (انسان) وجودِ مطلق (حق تعالیٰ) کی کیفیت کیا بیان کرسکتا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ بے چوں اور بے نہایت ہے بلکہ اس سے بھی مبرا ہے۔ اس کے برعکس وجودِ متعین محدود ہے۔ محدود (انسان) کو ذاتِ لامحدود کا جس قدر علم ہو سکتا ہے اس کی لاانتہا تجلیات میں سے ایک تجلی ہوتی ہے۔

رویتِ حق

اس کے بعد فرمایا کہ جب بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آیا آپ کو شبِ معراج کو حق تعالےٰ کی زیارت ہوئی تو آپ نے فرمایا نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ (یعنی وہ نور ہے اُسے کس طرح دیکھا جاسکتا ہے) حضرت بی بی عائشہ اسبات کو آیہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ[1] (آنکھیں حق تعالےٰ

---

[1] اکثر اس آیت سے نفی رویت مراد لی جاتی ہے لیکن یہ نفی ادراک ہے نہ کہ نفی رویت۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

تک نہیں پہنچ سکتیں وہ آنکھوں تک پہنچتا ہے) پر محمول فرما کر رویت کی نفی کی قائل ہوئیں لیکن حضرت عباس رضؓ رویتِ حق کے اثبات کے قائل ہیں لیکن رویتِ مثالی کے قائل ہیں اس وجہ سے کہ رویت ذات ناممکن ہے بوجہ منزّہ ہونے کے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت بی بی عائشہؓ اور حضرت عباس رضؓ کے درمیان نزاع لفظی ہے کیونکہ بی بی عائشہ کا انکار رویت ذاتِ منزّہ سے ہے جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ اور کلام پاک میں ہے کہ لا تُدرکہ الابصار۔ نیز

اور ادراک و رویت میں بڑا فرق ہے۔ ادراک کا مطلب ہے ماہیت اور کنہہ تک پہنچنا۔ جو ناممکن ہے لیکن رویت سے مراد تجلیات کا حتّےٰ الوسع مشاہدہ کرنا ہے اور یہ ناممکن ہے عارفین نے اس آیت میں چند اور نکات بھی نکالے ہیں۔ لا تُدرکہ الابصار کا مطلب یہ ہے کہ آنکھیں کنہہ ذات تک نہیں پہنچ سکتیں لیکن حق تعالیٰ آنکھوں تک پہنچ سکتا ہے۔ بات تو وہی ہوئی۔ اگر آنکھوں کی رسائی وہاں تک نہیں تو دوست کی رسائی تو آنکھوں تک ہے۔ اگر آپ دوست کے گھر نہیں پہنچ سکتے اور دوست آپ کے گھر پہنچ سکتا ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ مقصود تو مشاہدہ اور ملاقات ہے خواہ دوست آپ کے پاس آئے یا آپ دوست کے پاس جائیں۔ نیز لفظ ابصار سے ظاہر ہے۔ آنکھوں کا کام تجلی سے دوچار ہونا ہے۔ کنہہ تک رسائی عقل یا وجدان سے ہوتی ہے لہٰذا آنکھوں سے دیکھنے کی نفی آئی ہے۔ یعنی جسمانی آنکھوں سے دیکھنے کی نفی ہے۔ باطنی آنکھوں سے دیکھنے کی نفی نہیں آئی۔ اس لیے اگرچہ علمائے ظہور قیامت میں رویتِ حق کے قائل ہیں۔ اولیاء کرام اس دنیا میں بھی ممکن سمجھتے ہیں لیکن صرف روحانی آنکھوں سے نہ کہ جسمانی آنکھوں سے۔ حدیث میں آتا ہے۔ لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن (نہ میں آسمانوں میں سما سکتا ہوں نہ زمین میں لیکن اپنے عوض بندے کے قلب میں سما سکتا ہوں)

اس سے رویت مطلق کی نفی ہے نہ کہ رویت مثالی کی اور یہی قول حضرت عباسؓ کا ہے۔ اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلق کو مقید کیسے بیان کر سکتا ہے۔

شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی و شیخ امان پانی پتی

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی اور شیخ امان پانی پتی کے درمیان مسئلہ وحدت الوجود اور عینیت پر خط و کتابت ہوئی ہے اسی طرح شیخ عبدالرزاق کاشیؒ اور شیخ رکن الدین سمنانیؒ کے درمیان بھی یہی بحث رہی ہے۔ شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی اور شیخ امان پیر بھائی ہیں اور شیخ محمد حسن طاہرؒ کے مرید ہیں شیخ عبدالرزاق کے نزدیک ذاتِ حق اور وجودِ مطلق عین عالم ہے (کائنات کا عین ہے غیر نہیں)۔ لیکن امان کا کہنا ہے کہ ذاتِ حق اور ہستی مطلق کا جو محیط ہے تمام حقائقِ الٰہیہ اور کونیہ پر ایک مرتبہ ہے جو ان تمام تعینات سے بالاتر اور وراء الورء ہے کائنات سے اور اُسے لا تعین کہتے ہیں اس وجہ سے کہ جو کچھ اس عالم میں ہے، متعین اور مقید ہے۔ ظاہر ہے کہ مطلق مقید میں نہیں سما سکتا۔ اگرچہ مطلق بغیر مقید کے اور مقید بغیر مطلق کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ شیخ امان کو لوگ ورائیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے ذاتِ حق کے لیے اطلاق اور تحتیت کا ایک مرتبہ مقرر کیا ہے اور شیخ عبدالرزاق نے اس رتبہ کی نفی اور انکار کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ امان علوم ظاہریہ عقلیہ نقلیہ میں متبحر تھے اور حقائق و معارف کے علم میں وہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے متبع ہیں اور فقر و ولایت میں بھی کامل ہیں مگر شیخ عبدالرزاق فقر و ولایت میں شیخ امان سے زیادہ بلند مرتبہ رکھتے تھے اگرچہ شیخ عبدالرزاق سراجی، نظامی چشتی ہیں لیکن سلسلہ قادریہ ان پر زیادہ غالب ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ عبدالرزاق کو ان کے پیر شیخ محمد بن حسن بن طاہر نے خرقہ خلافت و نعمت عطا کر کے جھنجھانہ کی طرف روانہ کیا تو بند پالکی میں سوار کیا اور شیخ محمد بن حسنؒ نے پالکی کا ایک سرا اپنے کاندھے پر اٹھایا۔ شیخ عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ جب میرے

پیر نے میری پالکی اٹھائی تو میرا سر عرشِ معلّٰی سے لگ رہا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ امان پانی پتی اگرچہ سراجی نظامی چشتی ہیں لیکن ان پر قادری نسبت بھی غالب تھی۔

شیخ محمدؒ مودُود

ان کو یہ قادری نسبت شیخ محمدؒ مودود دُلاری سے پہنچی ہے۔ یہ شیخ مودُود علم توحید اور حقائق و معارف میں بے نظیر اور تفرید و تجرید میں یکتا تھے۔ آپ باہر سے آکر ہندوستان میں مقیم ہوئے اور شیخ امان کے ساتھ ان کے تعلقات قائم ہوئے۔ شیخ امان نے علمِ توحید میں شیخ مودُود سے کافی فوائد حاصل کیے۔ اگرچہ شیخ امان تمام علوم میں کمال رکھتے تھے پھر بھی شیخ مودُود کا رتبہ اُن سے کہیں زیادہ تھا چنانچہ شیخ مودُود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے آدمی تو قابل ملا ہے لیکن افسوس ہے کہ یک چشم ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ مودُودؒ علم غرائب مثل کیمائے سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ آپ نے کئی بار شیخ امان سے فرمایا کہ میں پھلدار درخت ہوں، مجھے ہلاؤ اور پھل حاصل کرو۔ شیخ امان نے عرض کیا کہ یا شیخ مجھے علمِ توحید کے سوا کسی اور علم کی ضرورت نہیں۔ مجھے علمِ توحید سکھائیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ مودُود اور شیخ امان کی قبریں ایک ہی جگہ پر ہیں۔

شیخ جلال الدین قریشی

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ جلال الدین قریشی صاحبِ حال اور اہلِ کمال تھے۔ آپ بڑے محنت کش اور مُرتاض تھے۔ مجذوبوں کی طرح ننگے سر اور ننگے پاؤں پھرتے تھے اور صرف ستر عورت پر اکتفا کرتے تھے۔ آپ اجمیر شریف کے نواح میں پہاڑوں اور بیابانوں میں پھرتے رہتے تھے اور درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ غلبۂ حال کے باوجود آپ پابندِ شریعت تھے اور علومِ فقہ، اصول، تفسیر، حدیث، صرف و نحو، بدیع و بیان، میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ خصوصاً علمِ توحید حقائق و معارف میں لسان الغیب تھے۔ کبھی کبھی شہر میں آکر توحید بیان کرتے تھے جب زیادہ باتیں کرتے تھے تو ذوق و شوق میں مست ہو کر صحرا میں چلے جاتے تھے

شیخ جلال الدین فرماتے ہیں کہ میرے پیر رجال الغیب میں سے تھے اور بجد حسین وجمیل تھے۔ آپ حُسنِ یوسف اور لحنِ داوٗد رکھتے تھے۔ میں اجمیر شریف کے پہاڑوں میں پھر رہا تھا کہ ایک جوان روحانی صفت اور نورانی طلعت سامنے آیا اور مجھے مرید بناکر چلا گیا۔ میں ان کے پیچھے چلا گیا حتےٰ کہ ہم ایک ایسے بیابان میں پہنچے کہ جہاں آدم زاد کی بو تک نہ تھی۔ میں وہاں پانچ سال رہا اور پیر کے سوا کسی کا چہرہ نظر نہ آیا۔ میرے شیخ سات سو پچیس علوم میں کامل تھے اور یاد رکھتے تھے۔ ان پانچ سالوں میں انہوں نے مجھے سات سو پچیس علم سکھائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ باقی علوم سیکھنے کے لیے تمہارے اندر حوصلہ اور قابلیت نہیں ہے۔ اس کے بعد میرے پیر غیب ہو گئے اور جس قدر تلاش کیا نہ ملے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ جلال الدین اپنے پیر کے فراق میں یہ شعر پڑھتے رہتے۔

دَایفا مُونسِ تنہائی ما — دَریغا دولتے رفت از سرِ ما
ہمائے بر پرید از کشورِ ما

شیخ جلال الدین کی عمر پچیس سال تھی۔

مقبوس ۹۷۔ بوقت اشراق بروز شنبہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

درسِ حدیث

حضرتِ اقدس نے درس مشکوٰۃ شریف باب صدقہ سے شروع کیا۔ جب یہ حدیث پڑھی گئی۔

عَنْ البرّا قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم مَنْ مَنح منحہ بین اَوْ ورق او ھدیٰ زقاقا کان لہ عتق رقبۃ رواہ ترمذی۔

حضرت برار سے روایت ہے کہ حضور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے کسی مسکین کو دودھ پینے کے لیے دودھ دار جانور

عطا کیا یا سونا چاندی دیا یا کسی گمراہ کو راستہ دکھایا اس کے لیے ثواب ہے غلام آزاد کرنے کا۔)

اس پر کسی نے عرض کیا کہ قبلہ راہ دکھانے سے مراد یہی زمین پر راستہ دکھانا ہے یا راہِ خدا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہی زمین پر راستہ بتانا مراد ہے۔ اس وجہ سے کہ راہِ حق دکھانے کا ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ اگر سارے جہان کو بھی آزاد کر دے تو اس کا ثواب راہِ حق دکھانے کے ثواب کے سامنے ہیچ ہے۔

بُت پرستی اور وحدت الوجُود

اس کے بعد دو برہمن ہندوستان کے علاقہ متھرا سے آئے اور قدم بوسی کے بعد بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے متبرک مقامات کے چند تحائف بھی پیش کیے۔ یہ برہمن ہر سال آتے تھے اور حضرت اقدس سے کچھ رقومات لے کر چلے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی پنڈت تھا جس نے حق تعالےٰ کی صفت میں کچھ کلمات کہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اہل ہنود اور اہلِ شاستر سب موحّد ہیں۔ ایک آدمی نے عرض کیا یہی ایک بت پرستی کا معاملہ ان میں شروع ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ بُت پرستی کرتے ہیں لیکن بت کو خُدا نہیں مانتے اور وحدتِ وجود[1] کے قائل ہیں۔

ع[1] وحدت الوجود سے بت پرستی لازم نہیں آتی۔ یہ علمائے ظاہر کا الزام صحیح نہیں۔ ہندو مذہب میں جو بُت پرستی رائج ہے وہ وحدتِ وجود سے نہیں بلکہ وحدتِ وجود کی بگڑی ہوئی صورت سے پیدا ہو گئی ہے۔ ہندوانہ وحدتِ وجود میں ہر چیز خدا ہے۔ حقیقی اسلامی وحدتِ وجود میں ہر چیز نہ خدا لیکن خدا سے جُدا بھی نہیں۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثال کے طور پر زید کا ہاتھ زید نہیں لیکن زید سے جُدا بھی نہیں۔ اگر زید کا ہاتھ زید ہوتا تو زید کی بجائے زید کے ہاتھ سے چیز طلب کی جاتی لہٰذا ہندوؤں کا بتوں سے مرادیں مانگنا زید کی بجائے ہاتھ سے طلب۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ یہ بُت پرستی شروع میں نہیں تھی بلکہ بعد میں انکے مذہب میں داخل ہو گئی ہے ۔ حضرت اقدس نے فرمایا نہیں نہیں ۔ شروع میں خدا اور خلق کے درمیان رابطہ ملائک کے ذریعے تھا یعنی حق تعالےٰ سے فیضان ملائک کے ذریعے حاصل کیا جاتا تھا مثل بشن ، برہما ، مہیش وغیرہ ۔ اس کے بعد انسانوں کے ذریعے یعنی مسلمانوں میں انبیاء[1] ، اولیاء کے ذریعے اور ہندوؤں میں اوتاروں کے ذریعے ہونے لگا ۔ ظاہر ہے کہ درمیانی واسطہ یا وسیلہ کا تصور حصولِ فیضانِ حق کے لیے ضروری ہے لیکن ہماری شریعت میں بغیر صورت کا حکم ہے ۔ قدیم زمانے میں تصاویر اور اصنام بھی جائز تھے ۔ لہٰذا لوگوں نے ملائک یعنی ان درمیانی وسیلوں اور رابطوں کی تصاویر اور بت بنا لیے تھے اور ان کے ذریعے وہ حق تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوششیں کرتے تھے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ صوفیاء کرام کے ہاں خاص کر سلسلہ نقشبندیہ میں پیر کی صورت کا دل میں تصور جمانا واجبات میں سے ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہندو لوگ سری کرشن جی کو بھگوان بھی مانتے ہیں اور بندہ بھی مانتے ہیں جس طرح مسلمان حضرت رسولِ خدا صلعم کے متعلق کہتے ہیں[2] ۔ نیز فرمایا

کرنے کے برابر ہے ۔ حضرت خواجہ صاحب کے سابقہ ملفوظات میں اس مضمون کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔ اُدھر رجوع کیا جائے ۔

ح ۱ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم تو پہلے نبی ہیں لہٰذا شاستر میں خدا سے فیضان حضرت آدم کے ذریعے ہونا چاہیئے ۔ فرشتوں کے ذریعے کیوں ہو ۔ جواب یہ ہے کہ حضرت آدم ؑ کا فیضان بہت ہی ابتدائی فیضان تھا اور وہ بھی فیضان تخلیق تھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم ؑ کے ذمے صرف فیضان تخلیق تھا ۔ باقی فیوض ہدایت وقرب شاید ملائک کے ذریعے تھا اس لیے ان لوگوں نے ملائک کو وسیلہ بنایا اور بت بنائے ۔

ح ۲ رسول اللہ صلعم کو شریعت میں خدا کا درجہ نہیں دیا گیا ۔ شاید حضرت خواجہ صاحب

کہ یہ جو شاستر یعنی چار ویدوں میں ہے۔ یہ حضرت آدمؑ کا مذہب اور شریعت ہے پس یہ مذہب بہت قدیم اور ابتدائی ہے اس کی قدامت پر میرے پاس ایک قوی دلیل ہے وہ یہ ہے کہ ہر مذہب و شریعت کے لوگ دوسرے مذہب میں داخل ہوتے ہیں چنانچہ ہودی، یہودی مذہب میں، یہودی عیسائی میں اور عیسائی یہودی میں داخل ہوتے ہیں اور یہ تینوں مذاہب ملتِ محمدیؐ میں داخل ہو سکتے ہیں اور محمدی، یہودی اور عیسائی میں داخل ہوتے ہیں بخلاف مذہب شاستر کے کہ اس میں کسی مذہب کا آدمی داخل نہیں ہوتا[۲]

مقبوس ۹۸ - بوقت اشراق بروز دو شنبہ ۶ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ

سترِ حالِ درویشان

بزرگوں کے حال پوشیدہ رکھنے کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ پہلے فقراء یعنی حضرت قبلہ سلطان الاولیاءؒ، حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ اور میرے شیخ حضرت قبلہ

کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عروج اور فنا یا توحیدِ تامّہ کے مقام پر فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کے مدارج میں دوئی کے مٹ جانے سے بندہ، شیخ، رسول کے تعینات ختم ہو جاتے ہیں اور خدا ہی خدا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ہند و لوگ بھی مرتبۂ عروج، فنا اور توحیدِ تامہ میں کرشن کو بھگوان کہتے ہوں گے لیکن مرتبۂ دوئی اور کثرت میں اُسے بندۂ خدا سمجھتے تھے۔

۲ے شاید حضرت خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ سابقہ مذہب والے لوگ بعد والے مذہب میں اس لیے شامل ہوتے ہیں کہ بعد میں آنے والا مذہب زیادہ جامع ہوتا ہے لیکن بعد میں آنے والے مذہب کا کوئی آدمی سابقہ مذہب میں شامل نہیں ہوتا چونکہ شاستر سب سے پہلا مذہب ہے اس لیے کوئی اس میں داخل نہیں ہوتا۔

فخر الاولیاء اور ان کے مریدین اپنے احوال نہایت پوشیدہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک حال میرے شیخ حضرت فخر الاولیاءؒ پر وارد ہوا تھا۔ آپ نے اُسے اس قدر چھپایا کہ مجھے آٹھ سال کی مسلسل کوشش کے بعد معلوم ہوا۔ ان آٹھ سالوں میں کبھی کبھی کچھ بتا دیا جاتا تھا لیکن آٹھ سال کے بعد پوری کیفیت معلوم ہوئی۔

ایک عجیب و غریب مشاہدہ

اس حال کی تفصیل یہ ہے کہ میاں حامد رنگریز ساکن گڑھی اختیار خان نیک آدمی تھا، حُسن پرست تھا اور حضرت قبلہ سلطان الاولیاءؒ کا مرید تھا لیکن اس نے حضرت قبلہ محبوبِ الٰہی کا فیضانِ صحبت بھی پایا تھا۔ ایک دن اس نے یہاں آکر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں اپنا ایک مشاہدہ بیان کیا جس سے حضرتِ اقدس پر بہت گریہ طاری ہوا۔ میاں حامد کے چلے جانے کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ اس سے پہلے میرے فرزند غلام فخر الدین نے مجھے رُلایا تھا کیونکہ اُن پر بھی یہی حال وارد ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے فرمایا کہ چونکہ حضرت محبوبِ الٰہی کی زبان مبارک سے میرے شیخ حضرت مولانا فخر الاولیاء کے متعلق یہ لفظ نکلا تھا۔ میں اسبات کی جستجو میں تھا کہ کسی طرح اس حال (مشاہدہ) کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ میں آٹھ سال اسی جستجو میں رہا۔ آخر ایک دن میاں احمد یار شاعر ساکن گڑھی اختیار خان نے جو حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ کا مرید تھا مجھے میاں حامد رنگریز کے مشاہدہ کی تمام کیفیت اس طرح بتائی کہ ایک رات میاں حامد گڑھی اختیار کی ایک مسجد میں مراقب تھے۔ جب آنکھ کھولی تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے مسجد کے محراب میں ایک نورانی پیکرِ حسن و جمال نہایت زرق برق لباس زیب تن کیے عورت کی شکل میں زمین سے ایک گز اوپر ہوا میں موجود ہے۔ اس قدر خوبصورت کہ کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی۔ یہ دیکھ کر میاں حامد پر حالتِ وجد طاری ہو گئی اور ماہیٔ بے آب کی طرح ساری مسجد میں تڑپ تڑپ کر گر رہے تھے اور وجد کر رہے تھے۔ اس سے ان کا سارا جسم مجروح ہو گیا اور اعضا سے خون جاری ہو گیا۔

اس کے بعد وہ صورت اسی طرح ہوا میں معلق ہوئی ۔ خراماں خراماں مسجد سے باہر چلی گئی ۔ جس سے مسجد کے ایک مینار کی کلس ٹوٹ کر گر گئی ۔ اُس صورت نے اُسی طرح ہوا میں مربع بیٹھتے ہوئے ہاتھ دراز کیے اور کلس کو اٹھا کر مینار میں گاڑھ دیا اور باہر چلی گئی ۔ میاں حامد بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئے حتیٰ کہ شہر گڑھی سے نکل کر قبرستان میں داخل ہوئے اور سارے قبرستان میں پھرتے رہے ۔ میاں حامد اُسی طرح پیچھے پیچھے جا رہے تھے ۔ قبرستان میں اس قدر گھنے درخت اور خار دار جھاڑیاں تھیں کہ گزرنا مشکل تھا ۔ اس سے میاں حامد کے کپڑے پارہ پارہ ہو گئے اور جسم اور بھی زیادہ مجروح ہوا ۔ آخر وہ پیکر حسن و جمال قبرستان سے شہر کی طرف روانہ ہوا اور اُسی مسجد میں جا کر محراب میں گم ہو گیا ۔ اس کے بعد حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ اگرچہ میرے شیخ حضرت فخر الاولیاء اپنے مشاہدات پوشیدہ رکھتے تھے اور کسی کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے تاہم ایک دن فرمایا کہ ایک دفعہ وظیفہ پڑھتے وقت کوئی چیز نظر آئی ۔ جب میں نے اپنے شیخ حضرت قبلہ محبوب الٰہی کے سامنے بیان کی تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا ۔ اگرچہ انہوں نے اس سے زیادہ کچھ نہ بتایا لیکن چونکہ حضرت محبوبِ الٰہی نے فرمایا تھا کہ ایک دفعہ مجھے غلام فخر الدین نے رُلایا تھا ۔ اب میاں حامد نے وہی بات بیان کر کے رُلایا ہے ۔ اس سے مجھے حضرت فخر الاولیاء کے مشاہدہ کے متعلق تھوڑا سا اشارہ مل گیا جو اس کے بعد میاں احمد یار نے مفصل بیان کر دیا ۔ اس کے بعد میرے شیخ حضرت فخر الاولیاء نے بھی اشارۃً فرمایا تھا ۔ چونکہ قرائن ملتے تھے اس لیے اشارات تفصیل میں مبدّل ہو گئے ۔

میاں غوث بخش چشتی کا مشاہدہ

اس کے بعد فرمایا کہ میاں غوث بخش چشتی حضرت محبوبِ الٰہی کے مرید تھے ۔ نیک آدمی تھے اور بہت وظائف پڑھا کرتے تھے ۔ ان کی ایک جگہ محبت تھی اور واقعات میرے سامنے بیان کیا کرتے تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آسمان کے نیچے ہوا میں ایک تخت معلق ہو جاتا ہے اور میں اس کے ساتھ

اس تخت پر گفتگو کرتا ہوں - اس بات کا علم حضرت فخر الاولیاء کو ہو گیا - آپ نے مجھ سے پوچھا کہ آیا غوث بخش اپنے تمام حالات تمہیں بتاتا ہے - چونکہ آپ پوچھ بیٹھے تھے - میں ناچار عرض کیا کہ جی ہاں اس نے فلاں فلاں بات بتائی ہے - یہ سن کر آپ نہایت خفا ہوئے اور فرمایا کہ جو کچھ مجھے حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا ہے - عرصہ سے اس پر عمل کرتا ہوں لیکن مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا - یہ کمینے دو دن وظیفہ کرتے ہیں اور شور مچاتے ہیں کہ آج فلاں تجلی ظاہر ہوئی ہے - اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ آپ راز فاش کرنے کی وجہ سے میاں غوث بخش سے ناراض ہوئے تھے لیکن آپ اُن سے اس قدر راضی اور خوش بھی تھے کہ ایک دن جب میاں غوث بخش نے میاں نصیر بخش منگھیر دی سے کوئی وظیفہ پوچھا اور یہ خبر حضرت فخر الاولیاء تک پہنچی تو آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ وہ کسی اور سے وظیفہ طلب کرتے اس لیے اظہار ناراضگی فرمایا اور یہ ناراضگی عین شفقت تھی - اگرچہ میرے شیخ اور میاں نصیر بخش صاحب کے درمیان بھائیوں جیسی محبت تھی پھر بھی اُن سے وظیفہ پوچھنا آپ کو پسند نہ آیا -

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت فخر الاولیاء فرماتے تھے کہ جب میں سیہوان شریف جا کر حضرت لعل شہباز قلندر کی زیارت سے مشرف ہوا تو جو عقدہ کہ میرے دل میں تھا حل ہو گیا - فرمایا کہ جب جہاز (دریائی جہاز جس میں حضرت اقدس چاچڑان شریف سے دریائے سندھ میں روانہ ہوئے) سیہوان کے قریب پہنچا تو رات کا وقت تھا - سواری کے لیے کوشش کی گئی لیکن دستیاب نہ ہوئی - اس وقت ایک گھوڑا بغیر زین مل گیا - حضرت اقدس نے زین کی انتظار نہ کی اور شباشب اس بے زین گھوڑے پر سوار ہو کر مزار پر پہنچے اور خادم کو جگایا تاکہ دروازہ کھلوایا جائے - لیکن خادم نے کہا کہ رات کا وقت ہے - میرا دستور یہ ہے کہ صبح اُٹھ کر دریا پر جاتا ہوں اور وضو کر کے دروازہ کھولتا ہوں - حضرت اقدس میرے شیخ نے فرمایا کہ ولی صاحب حیات کی بغیر وضو زیارت کرتے ہو اور ولی صاحبِ مزار کے لیے وضو کرتے ہو - یہ تعجب کی بات ہے - یہ سُن کر خادم نے اُسی جگہ وضو کیا اور دروازہ کھول دیا - حضرت اقدس

نے اندر جاکر زیارت کی اور مزار شریف کے سرہانے کی طرف بیٹھ کر صبح کے تمام وظائف پڑھے۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ حضرت لعل شہباز صاحب نے بہت مہربانی فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب حضرت فخرالاولیار حیدرآباد تشریف لے گئے تو میاں مل محمود لغاروالہ کی قبر پر بھی تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں وہ صحابی ہے حالانکہ فقیر بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد مشائخ عظام کی عادات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔

عاداتِ مشائخ عظامؒ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی، حضرت قبلہ سلطان الاولیارؒ، حضرت محبوب الٰہی اور حضرت فخرالاولیار کی عادت یہ تھی کہ جب سفر سے گھر واپس آتے تھے تو پہلے مسجد میں جاکر بیٹھتے تھے اس کے بعد گھر جاتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ سلطان الاولیار حضرت محبوب الٰہی اور حضرت فخرالاولیار کی دوسری عادت یہ تھی کہ جب حضرت قبلہ عالم مہارویؒ، حضرت سید جلال الدین بخاری اوچیؒ اور حضرت خواجہ نور محمد ناروواؒلہ کے مزار پر جاتے تو مزارات پر حاضری دیتے۔ اس کے بعد ڈیرے پر جاکر قیام کرتے تھے، لیکن ایک دفعہ میرے شیخ نے حاجی پور جاکر پہلے قیام فرمایا اور اس کے بعد حضرت صاحب ناروواؒلہ کے مزار پر حاضری دی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت صاحب ناروواله ایک رنگین مسند پر بیٹھے ہیں اور مجھے بھی اپنے ساتھ مسند پر بٹھانے کے بعد فرمایا کہ آج تم نے خلاف عادت کام کیا ہے۔ اس کے بعد میرے شیخ نے فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم مہارویؒ، حضرت سلطان الاولیا، حضرت محبوب الٰہی اور حضرت صاحب ناروواله کے بعد میں کسی شخص کے قول و فعل کو سند و حجت نہیں سمجھتا اس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیار حضرت محبوب الٰہی اور حضرت فخرالاولیار کا تمام وجودِ مسعود از سرتاپا شریعت سے پُر تھا۔ یہ حضرات نماز کا وضو اُسی طرح کرتے تھے کہ جس طرح رسول خدا صلعم فرماتے تھے۔

رسولِ خدا کی نماز

اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی آسمان سے اُترے ہیں اور ایسے بیگانہ معلوم ہوتے تھے کہ گویا کبھی آشنا نہیں تھے اور ازسرنو الفت واُنس پیدا کرنا پڑتا تھا - یہی حال ہمارے مشائخ کرام کا تھا - ایک دن حضرت سلطان الاولیاء بھاگ ناڑی تشریف لے گئے - وہاں کے لوگ یہ نہیں جانتے کہ یہ ولی اللہ ہیں اور ان کا اسمِ گرامی فلاں ہے - جب آپ نے نماز پڑھنا شروع کیا تو قاضی عبداللہ نے جو وہاں رہتے تھے، آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر لوگوں سے کہا کہ یہ شخص ولی اللہ ہے - میں نے ان کو نماز پڑھنے سے پہچانا ہے - لوگوں نے پوچھا کہ کس طرح پہچانا کہ ولی اللہ ہیں - اس نے کہا ایسی نماز سوائے ولی اللہ کے کوئی ادا نہیں کر سکتا، لیکن یہ کام ہر ولی اللہ کا بھی نہیں ہے بلکہ یہ نائب الرسول ہیں جو عین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھتے ہیں - اس کے بعد قاضی مذکور صدق دل سے مرید ہو گئے -

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت فخرالاولیاء فرمایا کرتے تھے کہ حضرت محبوبِ الٰہی دعا کے وقت اس طرح ہاتھ اٹھاتے تھے کہ کوئی دوسرا آدمی اس طرح نہیں اٹھا سکتا - اب میں نے چھ ماہ کی مدت میں انگلیوں کو جوڑ جوڑ کر حضرت محبوب الٰہی کی طرح ہاتھ اُٹھانا سیکھ لیا ہے - اس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ حضرت محبوبِ الٰہی وضو اور سر اور گوش مبارک کا مسح اس طرح کرتے تھے کہ کسی دوسرے کے امکان میں نہیں آتا - بلکہ صرف کانوں میں انگلیاں ڈالنا اور ہاتھ کی ہتھیلی کو سر پر پھیرنا اس طرح تھا کہ اور کوئی شخص نہیں کر سکتا - نیز پاؤں کی انگلیوں میں آپ اس طرح انگلی ڈال کر خلال کرتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے - اس کے بعد فرمایا کہ ہندوستان سے لے کر عرب تک اور حرمین شریفین میں بھی میں نے دیکھا ہے - کوئی شخص اس طرح نماز نہیں پڑھتا جس طرح کہ میرے شیخ پڑھتے ہیں - اگرچہ بعض لوگ نماز میں کافی وقت لگاتے ہیں اور اپنی طرف سے خوب اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں لیکن ایسی نماز کجا -

مقبوس ۹۹ - بوقت اشراق بروز شنبہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

کفارۂ روزہ حضرت اقدس ایک طالب علم کو مشکوٰۃ شریف کا باب تنزیہہ الصوم سے سبق پڑھ رہے تھے - ایک حدیث کا مضمون یہ تھا کہ ایک شخص نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور میں ہلاک ہوگیا - آپ نے دریافت کیا کہ کیا ہوا - اس نے عرض کیا میں روزہ دار تھا اور اس حالت میں میں نے اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ مباشرت کی ہے - آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو اگر طاقت نہیں رکھتے تو مسلسل دو ماہ روزہ رکھو - اگر یہ طاقت بھی نہیں تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلاؤ - اس نے عرض کیا کہ حضور ان تینوں کاموں کی طاقت نہیں - آپؐ نے اُسے ایک کھجور کی ٹوکری عنایت فرما کر کہا کہ اسے لے جاؤ اور مساکین فقرا میں خیرات کرو - اس سے تیرا کفارہ ہو جائے گا - اس نے خدا کی قسم کھا کر عرض کیا کہ حضور مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ مسکین کون ہے - اس لیے سب سے زیادہ ہم لوگ اس خیرات کے مستحق ہیں - یہ سُن کر آپ ہنس پڑے اور فرمایا کہ جاؤ اسے گھر لے جاؤ اور بال بچوں کو کھلاؤ۔[1] اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ حکم اس خاص شخص کے لیے تھا دوسروں کے لیے ہرگز جائز نہیں - اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ وہ لوگ فرمانِ رسول اللہ صلعم کو براہِ راست خدا تعالےٰ کی طرف سے سمجھتے تھے اس کے مطابق عمل کرتے تھے خواہ وہ امر ہو یا نہی - اور ذرّہ بھر تجاوز نہیں کرتے تھے۔

کشف کیسے ہوتا ہے اس کے بعد اس بات کا ذکر شروع ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آگے اور پیچھے یکساں دیکھ سکتے تھے اور قریب و بعید سے بھی یکساں سُن سکتے تھے - اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کلیم اللہ

---

[1] سراپا رحمت سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔

جہاں آبادیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ میں نے اپنے شیخ علیہ رحمۃ سے سُنا ہے کہ جب ولی اللہ پر وہی چیز وارد ہوتی ہے تو دو باتیں حاصل ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس کا سارا بدن حواس بن جاتا ہے اور ہر حِسّ دوسری حِسّ کا کام کرنے لگتی ہے ۔ دوسرا یہ کہ قرب و بُعد یکساں ہو جاتا ہے اور حجاب اُٹھ جاتا ہے ۔ چنانچہ جب ظاہری آنکھ اور باطنی آنکھ ایک ہو جاتی ہے تو نزدیک اور دُور سے خواہ سو کوس کیوں نہ ہو برابر دیکھتے ہیں ۔ نیز دیوار کے پار، زمین پر زمین کے نیچے، آسمان پر آسمان کے نیچے یکساں دیکھتے ہیں ۔ جب ظاہری کان اور باطنی کان ایک ہو جاتے ہیں تو اگر سو کوس یا ہزار کوس کوئی چیز دُور ہو تو ایسا سنتے ہیں جیسا کہ قریب سے ۔ خلاصہ یہ کہ قوت باصرہ، سامعہ، ناطقہ، لامسہ، ذائقہ یا شامہ ہر ایک دوسری قوت کا کام کرتی ہے ۔ اسی طرح جسم کا ہر عضو ہر حِسّ کا کام دیتا ہے ۔

مقبوس ۱۰۰ بوقت عصر بروز چہار شنبہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

حضرت اقدس کے دیگر خلفاء

اس وقت میاں نبی بخش مہر لوالہ، مولوی احمد بخش ساکن حجبہ، مولوی خان محمد ہمیانجی محمد بخش، میاں محمد یعقوب ساکن چاچڑاں شریف، بلند خان ناگوری، میاں عبدالرحمن الہ آبادی و حکیم امام الدین کرانوی کو اجازت بیعت و خلافت عطا ہوئی اور ہر خلافت نامے پر حضور اقدس نے اپنے ہاتھ سے دستخط فرما کر شہزادہ مرزا احمد اختر کے سپرد کیا تاکہ ہر خلیفہ کے حوالے کریں ۔

مقبوس ۱۰۱ بوقت اشراق بروز پنجشنبہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

ایک یہودی راہب کا مشرف اسلام ہونا

حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت

امیر معاویہؓ کے مابین جب جنگ صفین شروع ہوئی تو حضرت علیؓ ایک پہاڑ پر تشریف لے گئے جہاں یہودیوں کا ایک قبیلہ آباد تھا - وہاں آپ پانی کی تلاش میں تشریف لے گئے تھے - ایک مقام پر کھودنے سے وہاں ایک بڑا میٹھے پانی کا چشمہ برآمد ہوا - اس وقت حضرت علیؓ کا یہ لباس تھا - آپ کا پیرہن بھیڑ کی خام کھال سے بنا ہوا تھا اور سر پر عمامہ بکری کے بالوں سے بنا ہوا تھا - پہاڑ کے بالائی حصے سے ایک یہودی راہب نے جب آپ کو دیکھا تو فوراً نیچے آیا اور دریافت کیا کہ کیا آپ نبی خاتم الانبیاء ہیں - حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں نبی خاتم الانبیاء نہیں ہوں بلکہ نبی خاتم الانبیاء کا وصی اور بھائی ہوں - اس نے کہا کہ میں نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے اور اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ خاتم الانبیاء کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ اس جگہ تشریف لائیں گے اور اس زمین سے پانی کا چشمہ پیدا ہوگا - ان کا لباس ایسا ہوگا کہ بھیڑ کی کچی کھال کا پیرہن ہوگا اور بکری کے بالوں سے بنا ہوا عمامہ آپ کے سر پر ہوگا - اسی انتظار میں ہم لوگ مدت سے اس پہاڑ میں سکونت پذیر ہیں کہ شاید ہماری قسمت جاگ اُٹھے - مجھ سے پہلے بھی بہت سے راہب اس انتظار میں رہ کر مر گئے ہیں - خدا کا شکر ہے کہ یہ دولت مجھے نصیب ہوئی ہے - یہ کہہ کر وہ مسلمان ہوگیا -

حضرت مصعب بن عمیرؓ کا کفن

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی بھیڑ کی کچی کھال کا پیرہن پہنتے تھے - آپ جب جنگِ اُحد میں شہید ہوئے تو کفن اس قدر تھوڑا تھا کہ پاؤں چھپاتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا اور سر چھپاتے تھے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے - آخر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر ڈھانپ دیا جائے اور پاؤں گھاس سے چھپا کر دفن کیا جائے - اس کے بعد آں حضرتؐ نے فرمایا کہ مصعب بن عمیرؓ اس قدر مالدار تھے کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا تھا کہ اُن کے بیٹوں نے ان کے لیے دو سو درہم نقرئی کی چادر خریدی تھی - لیکن انہوں نے یہ سب دولت خدا اور رسولؐ کی محبت میں صرف کر دی تھی اور اس قدر مسکین ہو گئے کہ پیرہن بھی بھیڑ کی کچی کھال کا ہوتا تھا -

ملفوظ ۱۰۲۔ بوقت اشراق بروز جمعہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

تجرد اولیاء کا ذکر ہو رہا تھا۔

اولیاء اللہ کا ہیکل تبدیل کرنا اور دوسری شکل میں ظاہر کرنا

حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے پیر حضرت شیخ رکن الدین سنجاسیؒ سفر میں تھے اور میں آپ کی خدمت گزاری کے لیے ساتھ تھا۔ آپ کو پیٹ کی بیماری کا عارضہ تھا۔ ہم ایک مقام پر پہنچے جہاں ایک شفاخانہ تھا۔ میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس شفاخانہ سے دوائی لے آؤں شاید آپ کو اس سے فائدہ ہو۔ جب شیخ نے میری طرف سے کافی اصرار دیکھا تو اجازت دے دی چنانچہ میں نے شفاخانہ میں جاکر دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ملازم و خدمت گار اس کے سامنے کھڑے ہیں اور فانوس روشن کیے ہوئے ہیں۔ نہ میں اسے جانتا تھا نہ وہ مجھے جانتا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو تعظیماً کھڑا ہو گیا اور آگے بڑھ کر عزت و اکرام سے پیش آیا اور دریافت کیا کہ فرمائیں کیا کام ہے۔ میں نے کہا کہ میرے شیخ کے پیٹ میں تکلیف ہے، ان کے لیے دوائی درکار ہے۔ اس نے مجھے کئی قسم کی دوائی دی اور کافی دور تک مجھے چھوڑنے کے لیے ساتھ آیا۔ آخر میں نے اصرار کر کے اسے واپس کیا۔ جب میں نے واپس آکر حضرت شیخ سے یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ اے فرزندِ من جب میں نے تمہارا اضطراب دیکھا تو تجھے دوائی لانے کی اجازت دے دی لیکن وہاں کا طبیب اس علاقے کا سردار ہے جو نہایت متکبر اور سخت آدمی ہے۔ مجھے یہ خوف تھا کہ ممکن ہے تمہارے ساتھ وہ شفقت نہ کرے اور تم شرمندہ ہو اس لیے از راہِ شفقت میں اپنا ہیکل ترک کر کے اس کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور اس کی جگہ پر بیٹھ کر تیری عزت کی اور دوائی دی۔

اس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضور اپنا ہیکل کس طرح ترک کیا جاتا ہے

آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

چو پری غالب شود بر آدمی گم شود از مرد وصفِ مردمی

(جب کسی آدمی پر مادہ جن کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کے آدمی کے سے اوصاف گم ہو جاتے ہیں) یعنی جس آدمی پر جنات کا قبضہ ہوتا ہے تو وہ بے ہوش ہو جاتا ہے اور جو فعل یا قول اس سے سرزد ہوتا ہے وہ اُسی جن کا قول و فعل ہوتا ہے لیکن لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ آدمی سب کچھ کر رہا ہے حالانکہ وہ بے ہوش اور بے خبر ہوتا ہے۔ جب ایک جن یہ کام کر سکتا ہے تو اولیاء کرام بطریقِ اولیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ احقر نے پھر عرض کیا کہ قبلہ اس غلام کا مطلب یہ ہے کہ یہ تبدیلیٔ صورت کس طرح وقوع پذیر ہوتی ہے۔ مجھے اولیاء اللہ کی قدرت سے انکار نہیں ہے۔ آیا وہ ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے بدن کی صورت میں چلے جاتے ہیں یا وہ شخص بھی بجائے خود زندہ و قائم رہتا ہے اور دوسری جس صورت میں چاہتے ہیں آجاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دونوں طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ ان کا روح جسم بن جاتا ہے اور جسم روح بن جاتا ہے۔ کبھی ایک جسم سے جُدا ہو کر دوسرے جسم میں ظاہر ہوتے ہیں اور اپنا کام کر کے واپس اُسی جسم میں چلے جاتے ہیں۔ کبھی وہ بدن بھی اُسی طرح رُوح کے ساتھ قائم رہتا ہے اور دوسرے مطلوبہ بدن و شکل و صورت میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

حضرت غوث الاعظمؓ کی بزرگی عظمت

اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی عظمت کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دن شیخ ابو محمدؒ عبدالرحمٰن ظفونجیؒ نے ظفونج میں برسرِ منبر فرمایا۔ اَنَا بَیْنَ الْاَوْلِیَاءِ کَالْکُرْکِیِّ بَیْنَ الطَّیُوْرِ اَطْوَلُھُمْ عُنُقًا یعنی میں اولیاء اللہ کے درمیان اس طرح ہوں جیسے کہ پرندوں کے درمیان کلنگ ہے میری گردن سب کی گردن سے بلند ہے۔ یہ سُن کر شیخ ابوالحسن علی بن احمد ساکن دِہ جنت جو اس نواح میں ایک گاؤں ہے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی موجودگی میں اپنی شان بلند بتاتے ہو۔

یہ کہہ کر انہوں نے کپڑے اتارے اور فرمایا کہ آؤ میں تمہارے ساتھ کشتی کرتا ہوں لیکن شیخ عبدالرحمٰن خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے اصحاب سے کہا کہ اس شخص کے جسم کا ایک بال بھی عنایتِ الٰہی سے خالی نہیں ہے چنانچہ انہوں نے شیخ ابوالحسن سے کہا کہ آپ کپڑے پہن لیں۔ انہوں نے کہا جس چیز سے ہم ایک دفعہ باز آئے ہیں پھر اسے قبول نہیں کرتے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے گاؤں وہ جنت کی طرف منہ کر کے اپنی بیوی کو آواز دی کہ اے فاطمہ میرے کپڑے لاؤ۔ آپ کی بیوی نے وہ آواز سُن لی اور کپڑے لا کر ان کو دئے۔ اس کے بعد شیخ عبدالرحمٰن نے شیخ ابوالحسن سے دریافت کیا کہ آپ کے شیخ کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے شیخ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضؓ ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ میں نے ان کا نام کبھی نہیں سُنا۔ نیز میں عرصۂ چالیس سال سے درکاتِ بابِ قدرت میں ہوں ان کو میں نے وہاں کبھی نہیں دیکھا اس وقت شیخ عبدالرحمٰن نے اپنے چند مریدوں کو بغداد روانہ کر کے فرمایا کہ میری طرف سے شیخ عبدالقادرؒ کو سلام پہنچاؤ اور یہ کہو کہ عبدالرحمٰن چالیس سال سے درکاتِ قدرت میں بیٹھا ہے لیکن آپ کو انہوں نے وہاں نہیں دیکھا نہ اندر آتے ہوئے نہ باہر جاتے ہوئے اسی وقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی اپنے خادموں کو طفسونج روانہ کر کے فرمایا کہ شیخ عبدالرحمٰن کے مرید تمہیں راستے میں ملیں گے۔ ان کو واپس لے جانا اور شیخ عبدالرحمٰن کے پاس جا کر کہنا کہ عبدالقادر سلام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ درکات میں ہیں اور جو شخص درکات میں ہوتا ہے وہ اس شخص کو نہیں دیکھ سکتا جو مقام حضرت (حضوری) میں ہے اور جو شخص مقامِ حضرت میں ہے وہ اُس شخص کو نہیں دیکھ سکتا جو مقام مخدع میں ہے اور میں مقامِ مخدع میں ہوں اور میں اس مقام میں براہِ سِرّ (راز) داخل ہوتا ہوں اور باہر نکلتا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں ہوتا۔ اب میں آپ کو کچھ نشانیاں دیتا ہوں اس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ پہلی نشانی یہ ہے کہ فلاں وقت آپ کو فلاں خلعت ملی تھی یہ خلعت میرے ہاتھ سے نکلی ہے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ فلاں رات آپ کو فلاں نعمت ملی تھی وہ بھی میرے ہاتھ سے ملی تھی۔ تیسری نشانی یہ ہے

کہ بارہ ہزار اولیاء اللہ کے سامنے آپ کو درکات میں خلعتِ ولایت پہنائی گئی تھی جس کا رنگ سبز تھا اور اس پر قل ھو اللہ احد کا نقش تھا وہ خلعت بھی میرے ہاتھ سے نکلی تھی۔ جب دونوں بزرگوں کے بھیجے ہوئے آدمی آپس میں ملے تو سب شیخ عبدالرحمٰن کے پاس واپس چلے گئے اور شیخ عبدالقادرؒ کے خادموں نے ان کو اپنے شیخ کا وہ پیغام دیا تو شیخ عبدالرحمٰن نے کہا صَدَقَ الشیخ عبد القادر ھو سُلطانُ الوَقتِ وَصَاحِبُ التَّصرف فیہ (شیخ عبدالقادر نے سچ کہا ہے وہ وقت کے بادشاہ ہیں اور اس میں صاحبِ تصرّف ہیں)

مقامِ مخدع

اس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ قبلہ مخدع کس مقام کو کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مخدع مقام عزت و غیرتِ محبوبیت حق ہے۔ اس مقام کو کوئی شخص نہ دیکھ سکتا ہے نہ جانتا ہے سوائے اس شخص کے جو اس مقام میں ہے اس وجہ سے کہ مخدع کے معنی ہیں ـــ "جائے ندیدن" (نہ دیکھنے کی جگہ)

شیخ قضیبُ البیان

اس کے بعد شیخ قضیب البیان کی وجہ تسمیہ کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا قضیب کے معنی ہیں درخت کی شاخ اور اس نام کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں نہایت سیدھی ہوتی ہیں۔ معشوقوں کی قد و قامت کو اس سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ جب شیخ قضیب البیان نماز پڑھتے تھے تو نماز میں اپنی کمر کو خم نہیں دے سکتے تھے اور سیدھا کھڑے رہتے تھے اس وجہ سے ان کا لقب قضیبُ البیان ہو گیا اور یہ لقب اس قدر مشہور ہوا کہ خود نام قضیبُ البیان ہو گیا۔

کشف و کرامات سے پرہیز

اس کے بعد مراتب اولیاء کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ وقوقیؒ نے سمندر کے کنارے سات اولیاء اللہ کو نماز پڑھائی۔ اس اثنا میں ایک جہاز دریا میں غرق ہونے لگا اور جہاز کے لوگ آہ و فریاد

کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر شیخ دقوقیؒ کو رحم آیا اور نماز کی حالت میں انہوں نے حق تعالےٰ سے دعا مانگی کہ یہ جہاز غرق ہونے سے بچ جائے چنانچہ جہاز بچ گیا اور اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اُن سات اولیا اللہ نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ حرکت کس سے سرزد ہوئی ہے۔ ہر ایک نے جواب دیا مجھ سے یہ حرکت صادر نہیں ہوئی۔ جب انہوں نے شیخ دقوقیؒ سے پوچھا تو انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی میں نے دعا مانگی ہے۔ اس پر اولیاء اللہ نے کہا کہ جاؤ ہم سے علیحدہ ہو جاؤ تم ہماری صحبت کے قابل نہیں ہو۔ یہ کہہ کر وہ شیخ دقوقیؒ کی آنکھوں سے غائب ہو گئے۔ شیخ دقوقیؒ نے ان کو اپنے دائرہ ولایت میں جس قدر تلاش کیا نہ پایا۔ اس وجہ سے کہ وہ مقام عزت وغیرت میں پہنچ کر مستور (پوشیدہ) ہو چکے تھے اور یہ مقام شیخ دقوقیؒ کی رسائی سے بالاتر تھا۔

شیخ روزبہان بقلیؒ

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن شیخ ابوالحسن کردویہؒ حضرت روزبہان بقلیؒ کے پاس بیٹھے تھے اور دل میں یہ خیال تھا کہ میں علم اور معرفت میں شیخ روزبہان سے افضل ہوں۔ شیخ روزبہانؒ کو ان کے دل کی بات معلوم ہو گئی اور کہنے لگے کہ ابوالحسن یہ خیال دل سے نکال دو کیونکہ آج روزبہان کی کوئی برابری نہیں کر سکتا وہ اب یگانہ روزگار ہے اور پھر یہ رباعی پڑھی ؎

روندگانِ معارف مرا کجا بینند | دریں زمانہ منم قائد صراط اللہ
زحدِ خاور تا کنارہ اقصےٰ | کہ ہست منزل جانم بماورائی وریٰ

(حقائق و معارف کے راستے پر چلنے والے مجھے کہاں دیکھ سکتے ہیں۔ اس زمانے میں ہی راہِ خدا کا قائد ہوں) سورج سے لے کر دنیا کے دوسرے کنارے تک میری منزل ماورئی سے بھی ورائی ہے۔ (ورائی الورائی سے مراد ذات بحت ہے جس کی کوئی انتہا نہیں)

حسن و عشق

اس کے بعد حسن و عشق کے متعلق ہونے لگی - آپ نے فرمایا کہ ایک دن شیخ روز بہان بقلیؒ کا گذر کسی سرائے کے قریب سے ہوا - اندر سے ایک بوڑھی عورت کی آواز آئی جو اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ بیٹی سرائے سے باہر نہ جانا اور اپنا حسن کسی کو نہ دکھانا - جتنا ہوسکے چھپ کر رہو تاکہ تمہارے حسن کی بازار میں بے قدری نہ ہو - یہ بات سن کر شیخ روز بہانؒ کو جوش آگیا اور باہر سے آواز دی کہ اے بوڑھی عورت حسن کبھی چھپا نہیں رہتا بلکہ ظاہر ہو کر عاشق کے ساتھ آنکھیں لڑاتا ہے - اس وجہ سے کہ حسن و عشق نے ازل سے عہد و پیمان کر رکھا ہے کہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے - اس بات کا شیخ کے اصحاب پر اس قدر اثر ہوا کہ سب پر وجد و صال طاری ہو گیا اور ان میں سے بعض جاں بحق ہو گئے -

عرب شاعری میں عاشق مرد ہوتا ہے اور معشوق عورت

اس کے بعد فرمایا کہ عرب شریف میں مرد عاشق ہوتے ہیں اور عورتیں معشوق - جیسے کہ مجنوں عاشق تھا اور لیلیٰ معشوق - فلاں عاشق تھا اور سلمیٰ معشوق تھی - اس وجہ سے عرب کے شاعروں نے اپنے کلام میں مرد کی طرف سے بات کی ہے لیکن ایران میں مرد اور عورت دونوں عاشق و معشوق تھے - اس وجہ سے شعرائے ایران کے کلام میں عورت اور مرد کا فرق نہیں - ملک ہندوستان میں، پنجاب اور سندھ میں عورتیں عاشق ہوتی ہیں اور مرد معشوق - چنانچہ سری کشن جی صاحب معشوق تھے اور ان کی عورتیں ان کی عاشق تھیں - اسی طرح میاں رانجھا معشوق تھا اور مائی ہیر سیال اس کی عاشق تھی - مرزا معشوق تھا اور صاحباں عاشق - پنوں خاں معشوق اور مائی سستی عاشق تھی - اسی طرح اور بھی عاشق معشوق ہیں - اس لیے ان ممالک کے شعرا اگرچہ مرد ہیں لیکن اپنے اشعار میں اس طرح کلام کرتے ہیں کہ گویا عورت بول رہی ہے [1]

---

[1] حقیقت میں عرب کا طریقہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ حقیقت روح صیغۂ مؤنث زباتی دوسری طرف

مسنون طریقۂ حجامت

اس کے بعد رمضان حجام نے آکر عرض کیا کہ حضور آج جمعہ ہے حجامت کرا لیجیے۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ یہ کہہ کر آپ حجامت کے لئے تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے ناخن کٹائے اس ترتیب سے کہ پہلے دائیں ہاتھ کی سبابہ (پہلی انگلی جسے شہادت کی انگلی کہتے ہیں) سے ناخن کٹایا۔ اس کے بعد درمیانی انگلی سے۔ پھر بنصر (درمیانی انگلی کے بعد والی انگلی) سے پھر خنصر (چھوٹی انگلی) سے ناخن کٹائے۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ کی خنصر سے شروع کر کے ابہام (انگوٹھا) تک لے گئے اور پھر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کٹوایا (یہ ترتیب مسنون ہے) اس کے بعد حجام نے مونچھوں پر کنگھی پھیری اور قینچی سے لب کے بال برابر کیے۔ اس کے بعد سارے لب پر قینچی پھیر کر بال چھوٹے کیے اور بقدر جو بال باقی رہ گئے۔ یہ بال بقدر تین چار انگشت لب مبارک پر رہ گئے تھے۔ اس طریق کو سنتِ چار یاری کہتے ہیں اور مونچھوں کے باقی بال لب کی دونوں طرف

(بقیہ حاشیہ)

ہے اور روح الارواح ہی محبوب حقیقی ہے۔

دو جب عاشق طالب ذات بحث ہوتا ہے تو معشوق بصیغہ مؤنث آتا ہے کیونکہ روح کی حقیقت مؤنث ہے۔ لیکن جب عاشق عالم جبروت یا صفات کا طالب ہوتا ہے جو حقیقت محمدیہ ہے تو معشوق بصیغہ مذکر ہوتا ہے۔ پھر بھی عربی شاعری ارفع و اعلیٰ رہی۔ کیونکہ طالب ذات کا مرتبہ طالب صفات سے زیادہ بلند ہوتا ہے ،،

بدستور دراز رہنے دیئے۔ اس کے بعد چھوٹی قینچی سے ناک کے بال کٹوائے۔ یہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ آپ لب اور ناک کے بال ہمیشہ قینچی سے کٹواتے تھے موچنہ ہرگز استعمال نہ کرتے تھے (یہ خلاف شرع ہے) یہ بال آپ استرہ سے بھی نہیں کٹاتے تھے نیز رخسار مبارک پر نہ قینچی، نہ استرہ، نہ موچنہ استعمال کرتے تھے بلکہ سالم رکھتے اور ہمیشہ سالم رکھے اس کے بعد ابطین (بغل) کے بال استرہ سے کٹائے اور حجامت ختم ہوگئی۔

مقبوس ۱۰۳ بوقت اشراق روز شنبہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

توجہ مشائخ مجلس میں پیروں کی مریدوں پر توجہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کا دارومدار توجہ پر ہوتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا بات یہ نہیں جو تو نے کہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آٹھ پہر میں سے ایک پہر پیر اپنے مریدوں کو حلقہ کی صورت میں سامنے بٹھا کر توجہ دیتے ہیں اور باقی سات پہر مریدین دوسرے اشغال و وظائف میں مشغول رہتے ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ آیا پیر کی توجہ کے لئے حلقۂ ذکر ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مرید جس جگہ ہو پیر کی توجہ سے مستفیض ہوتا ہے خواہ سامنے حلقے میں بیٹھا ہو خواہ کسی اور جگہ ہو۔

مصرف لنگر اس کے بعد لنگر کے خرچ کا ذکر ہونے لگا۔ جس میں وظیفہ خوار اور لنگر خوار شامل ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس سے پہلے پانچ چھ ہزار روپے نقد لنگر پر خرچ ہوتے تھے۔ جس میں روٹی پکانے اور لوگوں کو کچی برات دینے کا غلہ شامل نہ تھا۔

مقبوضہ الوقت اشراق بروز یک شنبہ ۱۲ ربیع الثانی سال مذکور

بدی کا نیکی میں تبدیل ہونا

حضرت اقدس ایک طالب علم کو مشکوٰۃ شریف (باب لیلۃ القدر) کا درس دے رہے تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ لیلۃ القدر مقاماتِ کشف میں سے ایک مقام ہے جو اہلِ کشف کو حاصل ہوتا ہے نہ کہ ہر شخص کو۔ اس کے بعد ایک حدیث میں ذکر آیا کہ جب بندگانِ خدا شبِ قدر میں عبادات اور طاعات بجالاتے ہیں اور دعائے مغفرت بآواز بلند مانگتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آؤ میں نے تم کو بخش دیا ہے اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا ہے۔ مجلس میں ایک عالم موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کہا جائے کہ بدی نیکی ہو جاتی ہے تو یہ محال ہے۔ اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ گناہوں کی بجائے نیکی لکھی جاتی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ نے یہ نہیں سنا کہ ؎

ہر کہ در سایۂ عنایت اوست — گنہ اش طاعت است و دشمن دوست

(جو شخص حق تعالیٰ کے سایۂ عنایت میں ہے۔ اس کا گناہ عبادت بن جاتا ہے اور اس کا دشمن دوست ہو جاتا ہے) اس سے یہ بھی مطلب نکلتا ہے کہ عین گناہ عین نیکیاں بن جاتی ہے۔ اس کے بعد اس عالم نے یہ آیت پڑھی مَن تَابَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنَاتٍ (جس نے توبہ کی اور نیک عمل کئے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے) اس آیت میں یہ بات بتائی گئی ہے۔ جو شخص کفر میں مبتلا ہے۔ اس کی ہر نیکی گناہ شمار ہوتا ہے۔ جب وہ توبہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایمان لے آتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے تو اس کی تمام نیکیاں جو کفر کی حالت میں گناہ بن گئی تھیں، پھر نیکیاں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت اقدس نے متبسم ہو کر فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ اس آیت میں ایمانِ خاص ہے نہ کہ ایمانِ عام چنانچہ توبہ کا ذکر پہلے آنا اس بات کی دلیل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایک آدمی مسلمان ہے لیکن گنہگار ہے۔ جب وہ آدمی گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور ایمان کامل لاکر نماز پڑھتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کے گناہ عین نیکیاں بن جاتی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ فرض کرو ایک آدمی کسی کام میں مشغول ہے اور اس سے ناگہاں بے ارادہ طور پر وہ گناہ سرزد ہو جاتا ہے جو سب گناہوں سے زیادہ بڑا ہے یعنی زنا تو اس کو کوئی ضرر یا نقصان نہ پہنچائے گا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اُسے ندامت اور پشیمانی حاصل ہوگی اور اس کے قلب پر بوجھ اور گرانی ہوگی۔ اس وجہ سے کہ جو گناہ قصد اور ارادہ سے کیا جاتا ہے۔ اس میں ندامت و پشیمانی نہیں ہوتی۔ اس کے بعد فرمایا کہ مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ جو شخص پہلی بار گناہ کرتا ہے اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ واقع ہو جاتا ہے۔ جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دو سیاہ نقطے لگ جاتے ہیں اسی طرح ہر گناہ کے بعد دل پر سیاہی بڑھتی جاتی ہے۔ جب دل پوری طرح سیاہ ہو جاتا ہے تو اُسے گناہ کرنے سے ندامت نہیں ہوتی بلکہ گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے۔ پس اُسے چاہئے کہ توبہ کرے تاکہ اس کا دل پاک وصاف ہو جائے۔

کیا کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

اس کے بعد کفار کے ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جلنے کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ بعض اکابر اولیائے کرام مثل شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کے نزدیک کفار دوزخ میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہیں گے۔ کیونکہ رحمتِ حق اس کے غضب پر غالب ہے۔ اس کے بعد مقابیس کی تصحیح کرائی گئی اور حضرتِ اقدس نے چند مواقع پر صحت فرمائی۔

مقبوس ۱۰۵ بوقت عصر روز جمعہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

اس مجلس میں صاحبزادہ میاں نصیر الدین برادرِ خورد میاں صاحب

میاں کرم الدینؒ صاحب پراں ڑوی[1] کو حضرت کی طرف سے اجازت بیعت اور خلافت حاصل ہوئی ہوئی اور خلافت نامہ پر حضرت اقدس نے خود دستخط فرمائے۔

ملفوظ ۱۰۶ بوقت اشراق روز شنبہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

درس حدیث

اس مجلس میں تصحیح مقابلیس کے بعد ایک طالب علم کو حضرتِ اقدس باب ثواب التسبیح سے مشکوٰۃ شریف کا درس دے رہے تھے۔ جب اس حدیث شریف پر پہنچے:۔ فمن قال لا حول ولا قوۃ الا باللہ و لا منجا من اللہ الا الیہ کشف اللہ عنہ سبعین بابا من الضراء ادناھا الفقر (جو شخص کہتا ہے لا حول و لا قوۃ الا باللہ الخ حق تعالیٰ اس پر دس دروازے فقر سے فراوانی کے کھول دیئے جاتے ہیں) حضرت اقدس نے فرمایا کہ میں مشکل کے وقت اس طرح پڑھتا ہوں لا ملجا و لا منجا منہ الا الیہ چنانچہ ایک دفعہ مجھے دردِ قرس ہوا اور سخت بے قراری تھی۔ کسی دوائی سے فائدہ نہ ہوتا تھا۔ جب یہ دعا پڑھی تو فوراً شفا ہوگئی۔ اس کے بعد حدیث شریف کا یہ حصہ پڑھا اِنَّہٗ لا یغاد علی قلبی و انی لا ستغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس حدیث کو صوفیاء کرام عدم ادراکِ کُنہ ذات حق سبحانہٗ تعالیٰ پر سند وحجت لاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ ذات حق سبحانہٗ بے نہایت اور لامحدود ہے۔ اس کی ذات کی کنہ انسان کے کشف و ادراک سے باہر ہے۔

---

[1] پراں شریف اللہ آباد (تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان) سے تین میل مغرب کی جانب واقع ہے جہاں حضرت خواجہ محکم الدین صاحبؒ خواجہ کرم الدینؒ، خواجہ نصیر الدینؒ اور خواجہ احمد دین چشتی نظامی بزرگوں کے مزارات ہیں۔

اس کے بعد بابِ استغفار سے شداد بن اوسؓ کی یہ سید الاستغفار کی حدیث پڑھی
اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی و انا عبدک و انا علیٰ
عھدک و وعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما
صنعت ابوء لک بنعمتک علیّ و ابوء بذنبی فاغفرلی
فانّہ لا یغفر الذنوب الا انت اور جو شخص پڑھتا ہے اس
سید الاستغفار کو یقین کی حالت میں اور اسی دن شام سے پہلے مر جاتا ہے
اہلِ جنت سے ہوگا اور جو شخص رات کے وقت پڑھے اور اسی رات صبح سے
پہلے مر جائے تو اہل جنت سے ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں اس سید الاستغفار
کو بہت پڑھتا ہوں۔

حضرت شیخ محمود احمد آبادیؒ

اس کے بعد حضرت میاں صاحب شیخ
محمود میاں احمد آبادی کی بزرگی کے متعلق
گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت محمود میاں رحمۃ اللہ علیہ کو نو
مشائخ سے خلافت ملی تھی۔ ایک حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ، دوسرے
حضرت شیخ کمال الدینؒ، تیسرے حضرت شیخ سراج الدینؒ، چوتھے حضرت
شیخ علم الدینؒ، پانچویں شیخ محمود راجنؒ، چھٹے جمال الدین جمنؒ، ساتویں شیخ
حسن محمدؒ، آٹھویں شیخ محمدؒ، نویں شیخ یحییٰ مدنیؒ، اس کے بعد فرمایا کہ شیخ محمود میاں
نے بھی کئی لوگوں کو اجازت و خلافت عطا کی ہے۔ چنانچہ سلسلۂ مشائخ عظام
بمع اوراد و وظائف ہمارے پاس محفوظ ہے۔

اس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ قبلہ شیخ محمود میاں سے حضرت
یحییٰ مدنی تک کتنی پشت گذری ہیں۔ آپ نے فرمایا چھ پشت۔ چنانچہ حضرت
محمود میاں بن میاں حسام الدین ثانی فرخ صوفی خوب میاں بن شیخ رشید الدین
مودود لالہ بن شیخ رکن الدین ثانی بن شیخ حسام الدین اوّل محمد فرخ صوفی بن شیخ
رکن الدین اوّل ابی احمد بن شیخ الحرمین شریفین قطب مدینہ شیخ مکی۔ لیکن سلسلۂ

طریقت سات واسطوں پر مشتمل ہے یعنی حضرت شیخ محمود میاں کو خلافت شیخ حسام الدین ثانی محمدؒ فرخ صوفی خوب میاں سے تھی۔ ان کو حضرت شیخ رشید الدین مودود لالہ سے، ان کو حضرت شیخ رکن الدین ثانی سے، ان کو شیخ حسام الدین اوّل محمد فرخ صوفی سے، ان کو شیخ جمال الدین جمن ثانی سے ان کو شیخ رکن الدین اوّل سے اور ان کو قطب مدینہ حضرت شیخ یحییٰ مدنی سے تھی۔ کلیم اللہؒ تک۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس طرح مجھے بھی حضرت فخر الاولیاء سے حضرت شیخ تک سات واسطے درمیان میں آتے ہیں۔ ایک قبلہ فخر الاولیاء، دوسرے حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ، تیسرے حضرت قبلہ سلطان الاولیاء، چوتھے حضرت قبلہ عالم مہاروی، پانچویں حضرت قبلہ مولانا محب النبی دہلوی (مولانا فخر الدین دہلویؒ)، چھٹے حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی، ساتویں حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ۔ اس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ قبلہ حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ سے شیخ محمود میاںؒ تک ولایت و فقر اسی طرح جاری رہا ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ شیخ رکن الدین اوّل ابی احمد سے شیخ رشید الدین مودود لالہ تک پوری قوت سے فقر و ولایت رہی ہے۔ ان کے بعد اگرچہ میاں صاحب خوب میاں حسام الدین ثانی بھی فقیر تھے لیکن سابقہ بزرگان کے برابر نہ تھے۔ حضرت محمود میاںؒ اپنے والد بزرگوار سے زیادہ کامل تھے اور رشد و ارشاد میں شیخ وقت تھے۔

مقبوس ۱۰۷ بوقت عشاء شب شنبہ دوم جمادی اوّل ۱۳۱۷ھ

حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک خواب

حضرت اقدس وظائف میں مشغول تھے۔ جب فارغ ہوئے تو احقر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں آج دوپہر کے وقت سو گیا ہوا تھا۔

خواب میں دیکھا کہ میں ایک کتاب پڑھ رہا ہوں۔ اس کتاب میں یہ لکھا تھا کہ جو شخص ریاضتِ شاقہ اور مجاہدات کرتا ہے "نَفَقَ نَفَقَۃً " اور اس لفظ کے معنی اس کتاب میں یہ لکھے تھے کہ "وہ اپنی حقیقت کو پہنچا اور فائز ہوا" اور اس عبارت سے پہلے یہ لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ کو نہ کسی نے دیکھا ہے نہ دیکھتا ہے نہ دیکھے گا۔ یعنی حقیقت و کُنہِ ذات حق سبحانہٗ انسان کے ادراک، شہود اور کشف سے بالاتر ہے۔ اس کے بعد دیکھا کہ خواجہ حافظ شیرازی کا دیوان سامنے رکھا گیا ہے۔ جب میں نے اُسے اُٹھا کر پڑھنا چاہا تو یہ شعر سامنے آیا ؎

پئے زاغ و زغنہا سے بنہ دام - کہ عنقارا بلندست آشیانہ

(کوے اور چیل کو جال میں پھنسایا جا سکتا ہے۔ لیکن عنقا کا آشیانہ بلند ہوتا ہے کسی کے دام میں نہیں آتا۔ یہاں عنقا سے مراد وہی کُنہِ ذات ہے جس کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے)

مقبوس ۱۰۸ بوقت عشا شب ۹ جمادی الاول سال مذکور

اسم و صفت میں فرق

مجلس میں مولوی محمد علی صاحب راجن پوری حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قبلہ اس شعر کے کیا معنی ہیں ؎ مائیم ظلال جملہ اسماء - یعنی کہ بصورتِ مسمّٰی

ترجمہ (ہم تمام اسمائے (الہٰی) کے ظلال (سایہ۔عکس) ہیں یعنی ہم مسمّٰی (نام والا) کے ہمشکل ہیں

حضرت اقدس نے فرمایا مثلاً ذات رحمان کی صفت رحمت سے متصف ہے اور وہی ذات قہار کی صفت قہر سے متصف ہے۔ چنانچہ رحمت صفت اور رحمان اسم ہے۔ اسی طرح قہار اسم ہے اور قہر صفت ہے۔ صفت اور اسم کے درمیان یہ فرق ہے کہ صفت مشتق ہے اور اسم مشتق منہ ہے یعنی صفت کا مصدر ہے۔ چنانچہ علم و حیات، سمع بصر وغیرہ۔ اسم علیم، حیّ، سمیع و بصیر کے مشتق ہیں۔ پس اسم و مسمّٰی ایک ہیں یعنی ایک دوسرے کے عین ہیں۔ اس وجہ سے کہ مسمّٰی بھی وہی ہے جو صفت سے

متصف ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ظلال اشیاء کے عکوس (جمع عکس) کو کہتے ہیں اور کسی چیز کا ظل اور عکس اس چیز کا حکم واثر ہے۔ ظاہر ہے کہ کائنات کے تمام افراد (اشیاء) اور اجزاء اسماء وصفات الہیّہ کے آثار واحکام ہیں۔ اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات بدستور حق تعالیٰ کے اسماء وصفات ہیں ہیں نہ خارج ہوئے ہیں نہ خارج ہوں گے۔ پس جو کچھ کائنات میں پیدا اور ظاہر ہوا ہے اور ہوگا سب اسماء وصفات کے ظلال وعکوس ہیں یعنی جو کچھ خارج میں موجود ہے۔ اسما وصفات الہیّہ کے آثار واحکام ہیں نہ کہ ذواتِ اسما وصفات [1]

اسم اعظم

اس کے بعد اسم اعظم کی تحقیق کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت نے فرمایا کہ شیخ محمد بن علی حکیم ترمذیؒ نے جن کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے، علم حقائق ومعارف میں ایک سو پچاس سوال لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک سوال یہ ہے کہ اسم اعظم کونسا اسم ہے۔ آپ یہ بھی لکھ کر چلے گئے ہیں کہ اس سوال کا جواب وہی شخص دے سکتا ہے جو خاتم ولایت محمدیؐ ہے۔ چونکہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے کشف میں اپنے آپ کو خاتم ولایت محمدیؐ دیکھا ہے۔ انہوں نے اس سوال کا جواب یوں دیا ہے کہ جو شخص ولی منتہی [2] کامل مکمل ہے۔ اسم اعظم ہے۔

---

[1] ذوات جمع ہے ذات کی۔ مطلب یہ ہے کہ اشیائے عالم جن کو تصوف کی اصطلاح میں تعینات کہتے ہیں اسما وصفات کے آثار واحکام ہیں ذاتِ حق میں شامل نہیں یا عین ذات نہیں ہیں۔ جس طرح ایک مکان معمار کے فن یا صفتِ تعمیر کا اثر یا نتیجہ ہے۔ معمار کا عین نہیں نہ معمار کی ذات ہے۔ اسی طرح اشیاءِ عالم بھی خالق کائنات کی صفت تخلیق کا اثر یا نتیجہ ہے عین ذات نہیں۔ جو حضرات صفت وآثارِ صفت کو موصوف کا عین سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک کائنات حق تعالیٰ کا عین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عین بھی ہے اور غیر بھی۔ ایک لحاظ سے عین ہے اور ایک لحاظ سے غیر۔

[2] منتہی وہ ولی اللہ ہوتے ہیں جو سیر عروجی کے ذریعے مقام فنافی اللہ میں پہنچ کر سیر نزولی کے ذریعے پھر نقطۂ آغاز پر آتے ہیں جسے روحانیت کی اصطلاح میں عبدیت (باقی اگلے صفحہ پر)

اس کے بعد فرمایا کہ اسم اعظم حضور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص مکمل عبداللہ ہوا اسم اعظم ہے اور مکمل عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مقبوس ۱۰۹ بوقت نیمروز چہار شنبہ ۲۲ جمادی اول ۱۳۱۷ھ

حج مبرور حج مبرور کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ جب حج سے واپس آئے تو پہلے سے بہتر ہو کر واپس آئے لیکن آج کل یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جب لوگ حج سے واپس آتے ہیں تو پہلے سے بدتر ہو کر واپس آتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شیخ حج کو گئے۔ انہوں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ فرشتے مکہ معظّمہ کے دروازے پر بیٹھے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ اس سال کس کس کا حج قبول ہوا ہے۔ ایک فرشتے نے کہا کہ اس سال کسی شخص کا حج قبول نہیں ہوا۔ لیکن مصر میں ایک موچی ہے جس کا حج مقبول و مبرور ہے (مبرور بمعنی یقینی)۔ جب وہ بزرگ بیدار ہوئے تو دل میں مصمّم ارادہ کر لیا کہ حج سے فارغ ہو کر مصر جاؤں گا اور اس موچی سے ملاقات کروں گا۔ چنانچہ حج سے فارغ ہو کر وہ مصر گئے اور بہت کوشش کے بعد اس موچی کو ڈھونڈا۔ اس سے دریافت کیا کہ میں تجھے خوشخبری دیتا ہوں کہ اگرچہ تم حج پر نہیں گئے تمہارا حج مقبول ہے اور میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے پیوستہ) بقا باللہ، عبودیت فرق بعد الجمع کے نام سے موسوم کرتے ہیں فنا فی اللہ میں ہمیشہ کے لئے رہ جانا کمال وعروج انسانیت نہیں بلکہ فنا کی محویت استغراق اور مستی سے نکل کر دوئی اور ہوشیاری کے مقام پر واپس آنا اور فرائض منصبی ادا کرنا کمال ہے۔ مقام فنا کو تلوین اور عبدیت یا بقا کو تمکین بھی کہتے ہیں۔ مقام فنا میں صوفی کو ابن الحال اور مغلوب الحال کہتے ہیں مقام دوئی میں واپسی پر اُسے ابوالحال کہتے ہیں)

تم بھی میرے ساتھ نیکی کرو اور بتاؤ کہ تم نے کونسا اور کام کیا ہے کہ جس سے حج مبرور کا ثواب حاصل کیا ہے۔ اس نے کہا میں ایک موچی ہوں۔ عرصے سے حج کی نیت سے تھوڑی تھوڑی رقم جمع کرتا رہا ہوں۔ آخر اس سال حج کے لئے پوری رقم جمع ہو گئی اور گھر کے خرچ کے لئے بھی رقم دے کر میں نے سفر کا سامان تیار کیا۔ جانے سے پہلے میں نے کھانا طلب کیا تو بیوی نے کہا کہ ابھی سالن تیار نہیں ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہمسایہ کے گھر جا کر سالن لے آؤ تاکہ روٹی کھا کر جلدی جاؤں۔ میری بیوی ہمسایہ کے گھر گئی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں آج گوشت پکا ہے لیکن ہمارے لئے حلال ہے اور تمہارے لئے حرام ہے۔ ہم نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا اس لئے حرام گوشت پکا کر کھا رہے ہیں۔ جب میری بیوی نے واپس آکر ماجرا بیان کیا تو میں نے سارا روپیہ ان کو دے دیا اور حج کا سفر ملتوی کر دیا اس خیال سے کہ جب پھر رقم جمع ہو جائے گی تو حج کر لوں گا۔

مقبوس ۱۱ بوقت زوال روز پنجشنبہ ۱۴ جمادی اوّل ۱۳۱۷ھ

آسمان پر ابر آیا ہوا تھا۔ حضرت اقدس نے دیکھ کر فرمایا کہ کچھا داور چولستان کے علاقے خشک ہو رہے ہیں۔ خدا کرے بارش ہو جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہمیں کیا کہ ملک آباد ہوں یا غیر آباد رہیں۔ جس کا ملک ہے وہ خود جانے۔ آباد رکھے یا غیر آباد رکھے۔

چھوٹے درویش زیادہ حاجت روائی کرتے ہیں

اس کے بعد فرمایا کہ مولوی محمد باران صاحب حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے بڑے خلیفہ تھے اور لوگوں کی حاجت براری میں مشہور تھے جب وہ تونسہ شہر میں تشریف لاتے تھے تو لوگ خوش ہو جاتے تھے کہ اب حاجات پوری کرائیں گے۔ اس وجہ سے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے ان سے درویشی سلب کر لی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اے مولوی باران خدا تعالیٰ بے پرواہ اور بے نیاز ہے۔

اس کی بے نیازی سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیشہ کے لئے روتے رہو تم نے یکبارگی لوگوں کی حاجت روائی کے لئے کمر باندھ لی ہے تجھے کیا۔ خدا جانے اور اس کی خلقت۔ وہ جو چاہے کرتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ محمدؐ سلیمان تونسویؒ کو مولوی محمدؐ باران کے ساتھ کمال محبت تھی اور فقیری کا سلب کرنا بھی محبت کی وجہ سے تھا۔ حضرت خواجہ محمدؐ سلیمانؒ کا اپنا حال یہ تھا کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا آپ دیکھتے رہتے تھے۔ اگرچہ لوگ بہت آہ و فغاں کرتے تھے۔ لیکن آپ کسی کا کام نہیں کرتے تھے۔ جب کوئی زیادہ مجبور کرتا تھا تو آپ دعا کر دیتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ چھوٹے فقیروں سے لوگوں کی حاجت براری کے کام بہت ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کسی تقریب کے سلسلے میں حضرت خواجہ محمدؐ سلیمان تونسویؒ کوٹ شریف میں حضرت سلطان الاولیاءؒ کے مہمان تھے۔ اس وقت ماچھی قوم ساکن داجل جنگ کر رہے تھے۔ حضرت سلطان الاولیاءؒ بھی اپنے تمام خلفاء و مریدین سمیت مقابلہ کے لئے نکلے۔ خواجہ محمدؐ سلیمان صاحبؒ بھی ساتھ تھے۔ ایک طرف ماچھی قوم تھی اور دوسری طرف حضرت قبلہ سلطان الاولیاء اور آپ کے مریدین تھے۔ جب دونوں گروہوں کے مابین لڑائی شروع ہوئی، ماچھی لوگوں نے حملہ کیا تو ہماری طرف سے ایک فقیر شہید ہو گیا۔ حضرت سلطان اولاولیاء گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت خواجہ محمد سلیمان تھیلہ ہاتھ میں لئے کھڑے تھے۔ خواجہ محمد سلیمانؒ نے کہا کہ حضرت مخالفین حملہ کر رہے ہیں اور غلبہ حاصل کر رہے ہیں لیکن آنحضرت خود کچھ بھی نہیں کر رہے بلکہ راضی برضا ہو کر خاموش کھڑے ہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے دیکھ رہے ہیں۔ ہم آپ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر اجازت ہو تو ہم ان کا کام تمام کر دیں۔ یہ سن کر حضرت سلطان الاولیاء نے فرمایا کہ اچھا اب اجازت ہے۔ اجازت پا کر حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ نے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور دشمنوں کی طرف پھینک دی جیسا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس سے تمام مخالفین نے شکست کھائی۔ سب نے بھاگنا شروع کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب یہ کام حضرت خواجہ محمدؐ سلیمانؒ کے ہاتھ سے ہوا،

تو شاید یہ آپ کا اوائل کا زمانہ تھا۔ ورنہ نہایت (انتہائے) فقر کے زمانے کا تو یہ حال تھا کہ مولوی محمد یاران لوگوں کے حاجات پورے کرتے تھے اور آپ اس کو ڈانتے رہتے تھے اور خود ہرگز یہ کام نہیں کرتے تھے۔

ملفوظ ۱۱۱ بوقت زوال روز شنبہ ۱۶ ماہ و سال مذکور

مشاہدۂ حسنِ مجازی

عورتوں اور بے ریش لڑکوں کے حسن کے مشاہدہ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حج الوداع کے موقعہ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سانڈنی پر سوار تھے اور آپ کے پیچھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لڑکے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سوار تھے کہ ایک عورت بچہ گود میں لئے حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور کیا اس بچے کے لئے حج ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کے لئے حج ہے اور تمہارے لئے ثواب۔ چونکہ وہ عورت جمیلہ اور خوبصورت تھی۔ حضرت فضل بن عباس نے جو خود بھی خوبصورت نوجوان تھے۔ اس عورت کو دیکھا اور عورت نے بھی ان کی طرف دیکھا۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے کر دیا اور دوسرے ہاتھ سے ان کی گردن دوسری طرف موڑ دی۔ یہ دیکھ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے وجہ دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان انسان کے اندر اس طرح سرایت کر جاتا ہے کہ اس کے رگ و ریشہ کے اندر گھس جاتا ہے اور گناہ کے کام کرتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے جا رہا تھا۔ راستے میں اُسے ایک خوبصورت جوان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے حُسن وجمال سے اس قدر متاثر ہوا کہ کھڑا ہو کر اس کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔ اس اثناء میں ایک کمبل پوش آدمی کا وہاں سے گذر ہوا۔ اس نے اپنے کمبل کا ایک گوشہ اس زور سے اس کی آنکھوں پہ مارا کہ آنکھیں لال ہو گئیں اور پانی بہنے لگا۔ اس درد کی حالت میں جب مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں پہنچا تو ان کو روشن ضمیری سے اس کا حال معلوم ہو گیا اور انہوں نے اس کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ اس حالت میں اس کی نظر ایک بے ریش لڑکے پر جا پڑی جو طواف میں مصروف تھا۔ لڑکا بہت حسین و جمیل تھا۔ یہ شخص طواف بھی کر رہا تھا اور اس نوجوان لڑکے کو بھی دیکھ رہا تھا۔ اُس وقت غیب سے اس کے منہ پر اس زور سے طمانچہ لگا کہ آنکھیں لال ہو گئیں اور درد محسوس ہونے لگا۔ جب مولانا جامیؒ نے بات ختم کی تو وہ شخص بہت نادم ہوا اور سمجھ گیا کہ مولانا نے یہ حکایت میرے حال کے مطابق بیان کی ہے۔

حضرت عثمانؓ کا کشف

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے کہا کہ تمہاری آنکھوں نے زنا کیا ہے۔ یہ سن کر اس آدمی نے اعتراف کیا کہ واقعی راستے میں میں نے ایک حسین عورت کو رغبتِ دل سے دیکھا ہے۔ یہ حکایت سن کر تمام حاضرین مجلس کو تعجب ہوا کہ حضرتؓ کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ اس کی آنکھوں نے زنا کیا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کا یہ دیکھنا فراست (کشف) کی بنا پر تھا جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِتَّقُوا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ (مومن کی باطنی نگاہ سے بچ کر رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔)

امام ابو حنیفہ اور مجاز

اس کے بعد فرمایا کہ جب امام اعظم کوفیؒ امام محمدؒ کو جو اس وقت بچے تھے سبق پڑھاتے تو ان کو اپنی پیٹھ کی طرف بٹھاتے تھے۔ ایک دن سبق کے دوران امام محمدؒ کی داڑھی کا سایہ دیکھا تو امام صاحب نے پوچھا کہ اب تمہارے داڑھی مونچھ نکل آئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شاگردِ رشید کو سامنے بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

خلقِ محمدی

اس کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق گفتگو

ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب کوئی شخص آں حضرتؐ کی خدمت میں عرض کرتا تھا تو آپ اُس وقت تک اس کی طرف سے توجہ نہیں ہٹاتے تھے جب تک کہ وہ اپنی بات پوری نہیں کر لیتا تھا اور مصافحہ یا ہاتھ چومنے میں جب تک دوسرا آدمی آپ کے ہاتھ مبارک نہیں چھوڑتا تھا آپ ہاتھ نہیں کھینچتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کس و ناکس کے لئے یہ رعایت فرماتے تھے لیکن اپنی ازواجِ مطہرات اور خصوصی طور پر بی بی عائشہ صدیقہ رضؓ پر اس سے بھی زیادہ عنایت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضؓ کی خاطر اپنے لئے شہد کھانا حرام کر دیا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ قبلہ یہ واقعہ کس طرح ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آں حضرت صلعم شہد کا شربت پسند فرماتے تھے اور اکثر بی بی زینب رضؓ کے گھر جا کر شہد کا شربت نوش جان فرماتے تھے۔ چونکہ اس کام میں دیر لگ جاتی تھی یہ بات حضرت بی بی عائشہ رضؓ کو گراں گذری چنانچہ انہوں نے حضرت بی بی حفصہ رضؓ سے مل کر یہ بات طے کر لی کہ جب آں حضرتؐ بی بی زینب کے گھر سے شربت پی کر ہم میں سے کسی کے گھر آئیں تو ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ کے منہ سے بو آتی ہے۔ چنانچہ ایک دن جب آپ بی بی زینب رضؓ کے گھر شربت پی کر حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے منہ اور جسم سے بو آ رہی ہے۔ چونکہ آپ خوشبو پسند فرماتے تھے اور بدبو سے نفرت فرماتے تھے۔ آپ کو خیال ہوا کہ شاید یہ بدبو شہد کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا آپ نے شہد کھانا اپنے لئے حرام کر دیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی: یا ایھا النبی لِمَ تحرمُ ما احل اللہ لکَ تبتغیِ مرضات ازواجکَ (اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے تم نے اپنے لئے کیوں حرام کر دیا ہے۔ تو اپنی ازواج کی رضا جوئی چاہتا ہے)

مقبوس ۱۱۲ بوقت زوال روز دوشنبہ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۱۷ھ

حضرت اقدس کی کافیوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جس روز میں نے یہ کافی

کہی ہے اساں سو بدمست قلندر ہوں - کڈیں مسجد ہوں کڈیں مندر ہوں

اور جب یہ مصرعہ جات مکمل ہو گئے ہے

کتھاں مصر کتھاں کنعان بنوں کتھاں کیچ بھنبور دا سان بنوں

کتھ واسی شہر جلندھر ہوں

لفظ "شہر جلندھر" کا مطلب عجب معاملہ اور واقعہ ظاہر ہوا ہے کہ مجھے اس وقت اس قدر معلوم تھا کہ مائی سوہنی جو مہینوال پر عاشق تھی شہر جلندھر کی رہنے والی ہے۔ اسی وجہ سے شہر جلندھر سے سوہنی کی طرف اشارہ کیا گیا اور کیچ اور بھنبور سے سسی و پنوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح مصر سے اشارہ زلیخا کی طرف اور کنعان سے حضرت یوسفؑ کی طرف ہے۔ لیکن سولہ سال گذر جانے کے بعد مجھے تحقیق سے معلوم ہوا کہ سوہنی شاہ دولہ کے شہر گجرات کی رہنے والی تھی۔ اس لئے مجھے پریشانی ہوئی کہ غلطی سے اس مصرعہ میں جالندھر کا لفظ درج ہو چکا ہے اور اطراف و اکناف عالم میں یہ کافی مشہور بھی ہو گئی ہے اور ہم عصر شعراء مثل مخدوم شمس الدین اوچی وغیرھم نے تتبع بھی کیا ہے اور میری غلطی پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ میں اس فکر میں بیٹھا تھا کہ مجھے القا ہوا کہ لفظ جلندھر صحیح ہے، اس میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ بلکہ حقیقت میں اصلی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ہندی زبان میں جل کے معنی پانی کے ہیں اور اندر کے معنی ہیں "میں"۔ پس جل اندر کے معنی ہیں پانی کے اندر، اور یہ واقعہ ہے اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ سوہنی دریا میں غرق ہوئی تھی اور دریا کو شہر کہنا باعتبار ملجا و ماوی ہے یعنی اب سوہنی کا مقام دریا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو لفظ جلندر کی شرح اور وضاحت معلوم ہونے میں کتنا عرصہ لگ گیا ہے۔ اس اثنا میں مولوی غلام رسول نے عرض کیا کہ قبلہ جب وحی کی وضاحت و شرح میں علم اصول کے مطابق تاخیر جائز ہے تو الہام میں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہیئے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی کہ کلوا و اشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود (کھاؤ پیو حتیٰ کہ سفید اور سیاہ دھاگے میں تمیز ہو جائے)

چونکہ اس آیت کے بعد لفظ من الفجر (صبح صادق میں) ابھی نازل نہیں ہُوا تھا۔ صحابہ کرام نے اس آیت کے یہ معنی لئے کہ جب تک سیاہ اور سفید دھاگے میں تمیز نہ ہو سحر کے وقت کھانا پینا جائز ہے۔ اس لئے وہ اپنے پاس سفید اور سیاہ دھاگے رکھتے تھے۔ جب تک اتنی روشنی نہیں ہوتی تھی سفید اور سیاہ دھاگے میں تمیز ہو جائے وہ کھاتے پیتے رہتے تھے۔ جب کچھ عرصے کے بعد لفظ من الفجر نازل تو ان کو معلوم ہو گیا کہ خیط ابیض اور خیط اسود سے مراد صبح کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے۔ حضرتِ اقدس نے مولوی صاحب کی یہ تقریر قبول فرمائی۔

مقبوس ۱۱۳ بوقت زوال روز سہ شنبہ ۱۹ ماہ و سال مذکور

مُخربِ کعبہ کے علامات حضرت اقدس نے ایک طالب علم کو درس حدیث مشکوٰۃ شریف دینا شروع کیا۔ جب یہ حدیث پڑھی گئی وعن ابی ہریرہؓ قال قال رسول اللہ صلعم یخرب الکعبۃ ذو السو یقتین من الحبشۃ (یعنی کعبہ شریف کو صاحب دو ساق (بمعنی پنڈلی) تباہ کرے گا اور اہل حبشہ ہوگا) حضرت اقدس نے فرمایا کہ کعبہ کو تباہ کرنے والے شخص کی چار علامتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کج رفتار ہوگا۔ جسے پنجابی زبان میں پھڈا کہتے ہیں کیونکہ اس کی دونوں پنڈلیاں چھوٹی پتلی اور خمدار (ٹیڑھی) ہوں گی۔ دوم یہ کہ اس کا رنگ سیاہ ہوگا۔ سوم یہ کہ اہل حبشہ میں سے ہوگا۔ چہارم یہ کہ نصرانی ہوگا اس کے بعد فرمایا کہ اصحاب فیل جنہوں نے کعبہ شریف کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ بھی علاقہ حبشہ کے نصرانی تھے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا حضور مؤرخین لکھتے ہیں کہ اصحاب فیل یمن کے رہنے والے تھے۔ آپ نے فرمایا یمن اور حبشہ ایک دوسرے سے متصل ہیں اور دونوں مقامات پر نصاریٰ آباد تھے۔ درحقیقت عام الفیل (سالِ فیل یعنی جس سال کعبہ پر حملہ ہُوا) میں کعبہ پر حملہ کرنے والے حبشہ کے باشندے

نصرانی تھے اور یمن کے نصاریٰ نے بھی ان کی امداد کی۔ ہمارے زمانے میں بھی وہاں نصرانی کثرت سے آباد ہیں اور ان کی آبادی میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔

ملفوظ ۱۱۴ بوقت زوال روز چہار شنبہ ۱۲ ماہ و سال مذکور

اُس وقت میاں عبداللہ عربی حبشی عرف شیخ جو حضرت اقدس کا مرید تھا اور کافی عرصہ سے اس جگہ مقیم اور متاہل تھا آیا اور دست بستہ عرض کیا کہ قبلہ میرا زراعت کاری کا ارادہ ہے لیکن میرے پاس بیل نہیں ہیں۔ دو تین نوازش نامے لکھ کر دیں۔ ایک تگیہ خان لغاری ساکن چوٹی کے نام، دوسرا دوسرے مریدوں کے نام لکھ کر دیں تاکہ میں اُن سے بیل لے آؤں۔ حضرت اقدس نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا کہ منشی سے خطوط لکھوا لو میں دستخط کر دوں گا۔ اس نے عرض کیا کہ قبلہ تمام خط حضور اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیں اس سے حضرت اقدس خفہ ہوئے اور فرمایا کہ گداگری اور سوال کی خاطر تمام خطوط اپنے ہاتھ سے لکھوں۔ کچھ خدا تعالیٰ سے شرم و حیا کرو۔ اگر فاقہ اور بھوک سے مر بھی جاؤ پھر بھی سوال نہ کرو۔

درس حدیث اس کے بعد باب حرم مدینہ طیبہ سے مشکوٰۃ شریف کا درس ہوا۔ جب یہ حدیث پڑھی گئی وعن رجل من آل الخطاب عن النبی صلعم قال من زارنی متعمداً کان فی جواری یوم القیامۃ (جو شخص قصداً یعنی خالصتہً زیارت کی نیت سے میرے پاس آیا تھا۔ وہ شخص قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث شریف اُن وہابیوں کے عقائد کی صاف طور پر تردید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی قبور کی زیارت جائز نہیں۔

مقبوس ۱۱۵ بوقت ظہر روز جمعہ ۵ رجب سال مذکور

سود کھانا کھلانا دینا دلانا حرام ہے

حضرت اقدس نے بندہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس زمانے میں ہر شخص سود خوار اور حرام خوار ہے۔ کوئی حلال خوار کوئی نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ میں نے احادیث صحیحہ میں لکھا دیکھا ہے کہ ربا (سود) لینے والا، کھانے والا، کھلانے والا دینے والا، سود کا اقرار نامہ لکھنے والا اور گواہ سب شریک جرم ہیں۔ میں نے صحیح حدیث میں یہ بھی دیکھا ہے کہ سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، جَو کے بدلے جَو، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے بدلے نمک برابر مقدار میں لینا درست ہے۔ لیکن کمی بیشی ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ سود ہے۔ اگر جنس مختلف ہے جیسا کہ سونے کے بدلے چاندی اور گندم کے بدلے جَو وغیرہ تو اس میں منافع اور نقصان کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے لیکن بیع نسیّہ دونوں مذکور صورتوں میں جائز نہیں۔

بیع نسیّہ

اس کے بعد فرمایا کہ یہ جو لوگ گندم کا بیج دیتے ہیں یہ قطعاً حرام ہے کیونکہ اس وجہ سے جنس موجود اور حاضر دیتے ہیں اور جنس معدوم (جو اُس وقت موجود نہیں) لینے کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ بیع نسیّہ ہے اور بیع نسیّہ حرام ہے۔

گوشت کے عوض جانور

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے احادیث صحیحہ میں یہ بھی دیکھا ہے کہ گوشت کا کسی جانور کے بدلے فروخت کرنا بھی حرام ہے۔ خواہ وہ گوشت اسی جانور کی جنس سے کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس میں بھی سود کا عنصر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گوشت موزون ہے اور حیوان موزون نہیں۔ پس موزون کی ناموزون کے عوض بیع جائز نہیں بسبب تحقیق فاضلہ۔

ناجائز بیع

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے احادیث صحیحہ میں یہ بھی دیکھا ہے کہ ایک صحابی نے بڑی اور عمدہ کھجور خیبر سے لاکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور نذر پیش کئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ آیا خیبر کی تمام کھجور اسی طرح عمدہ اور موٹی ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ حضور خیبر کی تمام کھجور اسی طرح موٹی اور عمدہ نہیں ہیں بلکہ میں اس عمدہ کھجور کا ایک صاع عام کھجور کے دو صاع کے عوض خرید کر لایا ہوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بیع ہرگز جائز نہیں ہے۔ اس میں بھی سود کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اس معاملے میں یہ کرنا چاہیئے کہ خراب کھجور کی قیمت مقرر کر کے اس رقم سے عمدہ کھجور خریدنی چاہیئے۔

سود کی مذمت

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے احادیث صحیحہ میں یہ بھی دیکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق ایک زمانہ آئے گا جب ہر شخص سود کھانے والا ہوگا۔ اگرچہ وہ سود خوار نہیں ہوگا تاہم سود کا اثر اور دھواں اس کو ضرور پہنچے گا اور سود کا اثر اور دھواں یہ ہے کہ سود کھانے والا ہوگا یا کاتب ہوگا یا شاہد یعنی گواہ ہوگا یا فریقین کے درمیان کوشش کرنے والا ہوگا یا سود خوار کے ساتھ معاملہ (سودا) کرنے والا ہوگا۔ جس سے اس کا مال سود خوار کے مال کے ساتھ مخلوط ہو جائے، یا سود خوار کو ضیافت یا مہمانی دے یا سود خوار کا ہدیہ یا تحفہ قبول کرے۔ چنانچہ جس زمانے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی ہے۔ اب آگیا ہے اور آج کوئی ایسا شخص نہیں جو سود خوار نہ ہو کیونکہ سود کے جتنے اقسام اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اس زمانے میں سب مروج ہیں۔ اگر فرض کرو کہ وہ سود خوار نہیں ہے۔ لیکن سود کے اثر اور بخار (دھواں) سے جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے خالی اور سلامت نہ ہوگا۔ وہ کسی نہ کسی قسم میں ضرور ملوث اور آلودہ ہوگا۔ پس یہ امر یقینی ہے کہ اس زمانے میں ہر شخص سود خوار اور حرام خوار ہے، کوئی حلال خوار نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین کے

زمانے میں یہ حالت تھی کہ لوگ بھوک سے مرنا اور جان دینا گوارا کرتے تھے لیکن سود لینا دینا، دلانا، لکھنا، گواہی دینا ہرگز پسند نہیں کرتے تھے اور سخت اضطراب کی حالت (جان نکلنے کی حالت) میں افطار کرتے تھے (تھوڑا سا کھا لیتے تھے) لیکن ہمارے زمانے میں یہ بات کہاں ہے۔

شیخ حسام الدین متقی کا جان دیدینا

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ حسام الدین متقی اس قدر متقی و پرہیزگار تھے کہ ان کا لقب ہی متقی ہو گیا ہے اور اسی پرہیزگاری کی وجہ سے بھوکوں مر کر جان دی تھی۔ مخمصہ (یعنی شدید بھوک) کی حالت میں اگرچہ حرام چیز کھا کر جان بچانا جائز ہے لیکن انہوں نے اس وجہ سے کچھ نہ کھایا کہ شاید ابھی مخمصہ کے اس درجے تک نہیں پہنچے جہاں پہنچ کر ناجائز کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ پس بھوک کی شدت کی وجہ سے فوت ہو گئے۔

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ قبلہ شیخ الدین کی بیعت کہاں تھی۔ آپ نے فرمایا کہ نسبتِ چشتیہ میں آپ کی بیعت مخدوم ناصر الدین ثانی کے ساتھ تھی۔ مخدوم ناصر الدین ثانی' مخدوم علم الدین کے فرزند اور مرید تھے۔ وہ مخدوم ناصر الدین اول کے فرزند و مرید تھے اور وہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال الدین اوچی قدس سرہ' کے فرزند و مرید تھے اور یہ سب حضرات چشتیہ نصیریہ تھے۔ اس وجہ سے کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے نسبت چشتیہ نظامیہ عطا ہوئی تھی۔ شیخ حسام الدین متقی کو نسبت سہروردیہ مخدوم شاہ عالم سے بن مخدوم علم الدین بن مخدوم ناصر الدین اوّل سے تھی اور آپ پر غلبہ بھی اسی نسبت سہروردیہ کا تھا۔ اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ قبلہ شیخ حسام الدین متقی کا مزار کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان مزار منگوٹ شریف کے نواح میں جنگل و بیابان میں ہے اور منگوٹ شہر شیر پور ارائیاں کے قریب ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان شیخ حسام الدین متقی کے ایک فرزند تھے جن کا نام بایزید تھا۔ وہ بھی دنیا سے آزاد تھے۔ ایک دن ان کو کسی نے روپیہ بطور نذر

پیش کیا۔ آپ نے روپیہ لے کر منہ میں ڈالا اور چبانا شروع کیا۔ نذر دینے والے نے کہا یہ کھانے کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس سے غلہ یا کپڑا خرید کر ضرورت پوری کی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم میرے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ دیکھو یہ حضرت دنیا سے اس قدر بے خبر تھے کہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ روپیہ کس کام آتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب شیخ حسام الدین متقی حضرت غوث العالم شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مزار پر حاضری کے لئے جاتے تھے تو ہمیشہ گنبد کے سایہ کی مخالف سمت سے جاتے تھے اور زیارت کر کے واپس آتے تھے۔ اس وجہ سے کہ شاید سایہ میں پہنچ کر آرام اور سکون حاصل ہو۔ بات یہ ہے کہ حضرت شیخ کا روضہ اقدس سرکاری بیت المال سے بنایا گیا تھا اس وجہ سے آپ اس کے سائے میں آرام کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے) یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ قبلہ بیت المال کا مال حلال ہوتا ہے اور جب مالِ حلال سے روضہ تعمیر ہوا تھا تو شیخ حسام الدین اس کے سائے میں آرام کرنے سے کیوں اجتناب کرتے تھے؟ حضرت اقدس نے فرمایا کیا بیت المال کا مال اِسی واسطے ہے کہ اس سے مقبرے تعمیر کئے جائیں؟ بیت المال کے مصارف اور ہیں۔

حضرت صاحب نارووالہ رح کا اتقا

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت نارووالہ رح بھی کمال درجے کے متقی تھے۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا دہلوی (مولانا فخر الدین دہلوی رح) جو خط آپ کو لکھتے تھے اس میں میاں نور محمد متقی تحریر فرماتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت قبلۂ عالم مہاروی رح نے ان کو ایک گائے عنایت فرمائی۔ چونکہ حضرت شیخ کو ان کی پرہیز گاری کا علم تھا۔ گائے دیتے وقت فرمایا کہ میاں صاحب یہ گائے مالِ حلال ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے آبا و اجداد کے جانوروں کی نسل میں سے ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرتِ قبلۂ عالم مہاروی رح کا اتقاء

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلۂ عالم مہاروی

بھی انفقار میں یگانۂ روزگار تھے۔ جس طرح ایک نبئ مرسل صاحب مذہب ہوتا ہے۔ آپ بھی نبی مرسل کی طرح مبعوث کئے گئے تھے۔ آپ اس قدر صاحب مذہب[1] تھے کہ جتنی نسبتیں آپ سے پہلے اطراف عالم میں موجو تھیں آپ سب کو توڑ کر اپنے مذہب پر لائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ پرہیزگاری کی وجہ سے سماع بھی نہیں سنتے تھے[2] لیکن اپنے مشائخ عظام کی سنت کے اتباع کی وجہ سے آپ اپنے اصحاب واحباب کو تاکید فرماتے تھے کہ جاؤ جاؤ مجلس سماع میں حاضری دو۔ آپ بھی حاضر ہوتے تھے لیکن صرف مولود شریف کے وقت بیٹھتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت قبلۂ عالم مہاروی ؒ نے حضرت سلطان الاولیاءؒ کو خلافت عطا فرمائی اور نعمت سپرد کی تو آپ نے تین چیزوں کی وصیّت فرمائی۔ ان میں سے ایک وصیت یہ تھی کہ غصہ نور باطن کو اس طرح جلاتا ہے کہ جس طرح آگ خشک لکڑی یا روئی کو جلاتی ہے

حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ

اس کے بعد حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہٗ کا ذکر خیر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے دو یحییٰ ہیں۔ ایک یحییٰ بن زکریاؑ جو پیغمبر تھے۔ دوسرے یحییٰ بن معاذ رازیؒ۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ بہت بڑی بات ہے، چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آں حضرت

---

[1] سلوک الی اللہ میں صاحبِ مذہب ہونے کا مطلب وہی ہے جو فقہ میں ائمہ اربعہ کے صاحب مذہب ہونے کا ہے۔ یعنی شریعت اسلامیہ کے دائرہ کے اندر ایک غالب مسلک اختیار کرنا جو دوسرے مشائخ کے مسلک سے ممیز و ممتاز ہو۔

[2] ہم چشتیوں کی یہ بات عجیب تو معلوم ہوتی ہے کہ چشتیوں کے سردار حضرت قبلۂ عالم سماع نہیں سنتے تھے لیکن ہم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ آپ کا مسلک کس قدر محتاط اور اعتدال پسندانہ تھا۔ کاش ہم بھی اُن کے اتباع میں تارکین سماع سے جنگ و جدل ترک کر دیتے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر آنحضرت صلعم کے بعد یا خلفاء اربعہ بیٹھے ہیں یا شیخ یحییٰ بن معاذ نے بیٹھ کر وعظ کیا ہے۔ حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ اکثر سابقہ مشائخ کی طرح وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے وعظ میں اس قدر اثر تھا کہ کم سے کم دس آدمی ضرور آپ کی مجلس وعظ میں جاں بحق ہو جایا کرتے تھے بعض اوقات اس سے بھی زیادہ آدمی آپ کی مجلس وعظ میں جان دے دیتے تھے۔

ایک شہزادی نے ایک لاکھ دینار کی نذر پیش کی

اس کے بعد فرمایا کہ ان ہی یحییٰ بن معاذ پر ایک لاکھ دینار قرضہ ہو گیا تھا۔ رات کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے یحییٰ اس جگہ سے چلے جاؤ اور ولایت خراسان میں جا کر وعظ کرو۔ ایک شخص تجھے ایک لاکھ دینار یکجا دے دے گا۔ چنانچہ آپ نے خراسان میں جا کر وعظ شروع کیا جو شخص ایک سو دینار یا اس سے کم دبیش پیش کرتا تھا آپ قبول نہیں کرتے تھے آپ فرماتے تھے کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک شخص تجھے یکبارگی ایک لاکھ دینار دے گا۔ پس میں وہی لوں گا۔ آخر وہاں کی ایک شہزادی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ یحییٰ بن معاذ رازی اللہ تعالیٰ کا دوست ہے اُسے ایک لاکھ دینار یکبارگی دے دو، کیونکہ اس نے قرض ادا کرنا ہے۔ شہزادی نے حضرت یحییٰ بن معاذ کی خدمت میں عرض کر بھیجا کہ حضرت یہاں تشریف لائیں اور وعظ فرماویں کیونکہ میں آپ کا وعظ سننا چاہتی ہوں۔ آپ نے اس کے ہاں جا کر واعظ کیا تو شہزادی نے آداب بجا لا کر ایک لاکھ دینار یکجا پیش کیا۔ حضرت شیخ یہ رقم لے کر وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کا بیٹا ساتھ تھا اس نے خیال کیا کہ میرا باپ سارا روپیہ غرباء میں تقسیم کر دے گا یا قرض خواہوں کو دے دیگا۔ اگر یہ مال میرے تصرف میں آجائے تو بہتر ہو گا۔ چنانچہ اُس بیٹے نے اُس عالی قدر باپ کو راستے میں قتل کر کے شربت شہادت پلایا۔ اگرچہ یہ ایک لاکھ دینار قرض خواہوں تک نہ پہنچ سکے تاہم آپ کی گردن سے قرض کا بوجھ اتر گیا کیونکہ

آپ ادائیگی قرض کی نیت سے واپس جا رہے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مشائخ میں سے پہلے شخص جنہوں نے غنا کو فقر پر ترجیح دی وہ شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ تھے۔

استغراق میں اپنا نام بھی یاد نہ تھا

اس کے بعد استغراق اور مشغولی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک بزرگ تھے جن کا نام شیخ محمد تھا۔ ان پر استغراق کا اس قدر غلبہ تھا کہ جو شخص اُن سے نام دریافت کرتا تھا آپ جواب دیتے تھے کہ ٹھہرو میں یاد کر لوں کہ میرا نام کیا ہے۔ چنانچہ گھنٹہ بھر سرنگوں ہو کر سوچتے رہتے تھے اور سر اٹھا کر کہتے تھے کہ میرا نام محمد ہے۔ فرمایا دیکھو کس قدر مشغول تھے کہ اپنا نام بھی بھول جاتے تھے۔ حالانکہ کوئی شخص اپنا نام نہیں بھول سکتا بالخصوص اسم محمد جو دنیا میں سب سے زیادہ مشہور نام ہے اور ہر چھوٹے بڑے کو یہ نام یاد ہے

مقبوس ۱۱۶ بوقت نیمروز یک شنبہ رجب سال مذکور

محفل سماع

حضرت سلطان الاولیاء کے عرس کا موقعہ تھا حضرت اقدس مع جملہ خلفاء، اصحاب اور خدام اور حضرت قطب الوحدین صاحبزادہ محمد بخش صاحبؒ اپنے دوستوں اور خادموں سمیت مجلس سماع میں شریک ہوئے۔ ایک قوال نے یہ شعر پڑھا

عین مسجود بے ست کز بہر تماشا ساختہ ۔ مسجد و دیر و کنشت او خود اندر سجود

(وہ خود ساجد و مسجود ہے لیکن تماشا کی خاطر اس نے مسجد، بت خانہ اور مندر پیدا کر رکھے ہیں)
اس شعر پر حضرت اقدس کو بہت گریہ ہوا۔ اس کے بعد ختم پڑھا گیا اور مجلس ختم ہوئی۔ مجلس کے اختتام پر حضرت اقدس نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے سامنے گلم (دری) پر رکھ کر اپنے رُخ انور پر پھیرا۔ یہ عمل آپ نے تین دفعہ دہرایا۔

مقبوس ۱۱۷ بوقت عشاء روز شنبہ ۱۲ رجب سال مذکور

حضرت اقدس روضۂ مطہرہ کی زیارت کے بعد واپس آئے اور حویلی کے سائے میں زمین پر بیٹھ کر فرمایا کہ مرید ہونے والوں کو بلاؤ۔ بچارے کئی دن سے آرزومند ہیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس اپنے حجرے میں تشریف لے گئے اور پشمینہ کو تہہ کرکے بیٹھ گئے اور کچھ دیر کے لئے مراقب ہوگئے۔ آپ نے آہستہ سے کچھ پڑھ رہے تھے۔ کافی دیر کے بعد آپ نے سر اٹھایا اس وقت کافی لوگ جمع ہو چکے تھے۔ آپ نے پشمینہ پوری طرح کھولا اور مرید ہونے والوں سے کہا کہ اسے ہاتھ میں پکڑ کر خاموش بیٹھے رہو۔ دامن کی دوسری طرف حضرت اقدس نے پکڑ رکھی تھی۔ آپ کافی دیر مراقبہ کرتے رہے اور کچھ تلاوت بھی فرماتے رہے لیکن اچھی طرح سمجھ میں نہ آسکا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ بعض مریدین نے پشمینے کے نیچے سر دے رکھے تھے اور مرید ہونے والوں نے پشمینہ ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ آخر حضرت اقدس نے سر اٹھا کر فرمایا کہ کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس کے بعد فرمایا کہ نماز ہمیشہ پڑھا کرو اور روزانہ دس بار درود شریف اور دس بار سورۂ اخلاص پڑھا کرو۔ اس وقت ایک ہندو سوبھا نام ساکن آدم گڑھ علاقہ جام پور بھی پشمینہ کا دامن تھام کر مرید ہوا۔ بیعت ہونے والوں میں ایک شخص قاضی قمرالدین نام تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو علیحدہ مرید کیا جائے گا۔

مقبوس ۱۱۸ بوقت مغرب شب شنبہ ۱۳ رجب سال مذکور

زیارت قبور کے آداب

حضرت اقدس نماز مغرب ادا کرکے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ نے رومال کا ایک دامن بائیں کندھے سے سینہ مبارک پر پھیلایا ہوا تھا اور

دوسرا دامن گردن کے گرد لپیٹ کر پھر دائیں کندھے پر ڈالا ہوا تھا۔ نماز کے وقت بھی جب رومال ساتھ ہوتا تھا تو آپ اسی انداز سے دوش و گردن پر رکھتے تھے آستانہ مبارک پر پہنچ کر آپ کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر سر اور بدن جھکا کر تین بار سلام کیا۔ اس کے بعد بیٹھ کر چوکھٹ کو چوما اور تین تسبیح پڑھنے کی دیر تک بیٹھے رہے۔ اس کے بعد چوکھٹ پر آنکھیں اور رخسار مبارک رکھے اور کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد اندر تشریف لے گئے اور حضرت سلطان الاولیاءؒ کے مزار کی پائنتی کی طرف کٹہرہ پر بوسہ اور تین تسبیح پڑھنے کی دیر تک لب مبارک کٹہرہ سے لگائے رکھے۔ اسی طرح آپ نے حضرت محبوب الٰہیؒ اور حضرت مولانا فخر الاولیاءؒ کے کٹہرہ پر بوسے دیئے اور مغرب کی طرف سے ہوتے ہوئے مزارات مبارک کے سرہانے کی طرف پہنچ گئے اور حضرت فخر الاولیاءؒ کے مزار کے کمال ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا میں مشغول ہو گئے۔ کافی دیر کے بعد دعا سے فارغ ہوئے اور دایاں ہاتھ زمین پر اور بایاں ہاتھ ران پر تکیہ کر کے سر مبارک مراقبۂ عالم غیب میں نگوں کر لیا۔ کافی دیر مراقبہ کرنے کے بعد آپ نے اُٹھ کر حضرت فخر الاولیاءؒ کے کٹہرہ پر بوسہ دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت محبوب الٰہیؒ اور حضرت سلطان الاولیاء کے مزارات کے کٹہروں پر بوسے دیئے۔ حضرت فخر الاولیاء اور حضرت محبوب الٰہی کے کٹہرہ پر آپ بقدر گیارہ تسبیح اور حضرت سلطان الاولیاء کے کٹہرہ پر بقدر ستائیس تسبیح لب مبارک کٹہرہ سے لگائے رکھے آخر اُلٹے پاؤں چل کر آپ روضہ اقدس سے باہر آئے اور دوبارہ چوکھٹ چومی لیکن سلام نہ کیا۔

مقبوس ۱۱۹ بوقت عشا شب ۱۳ رجب سال مذکور

ان دنوں گل محمد خان ولد امام بخش خان بزدار مجذوب و مجنوں ہو گیا تھا۔ لوگ

اُسے شفا کی خاطر حضرت اقدس کی خدمت میں لائے تھے۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ قبلہ اپنے کسی درویش کو حکم دیں کہ گل محمدؐ پر توجہ کرکے سلبِ مرض کریں۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے یہ بات یاد ہے۔ چنانچہ آپ نے خادم کو حکم دیا کہ جس جگہ گل محمد خان اقامت پذیر ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ جگہ منحوس ہے اور جنوں اور پریوں کا مسکن ہے تم وہاں جاؤ اور وہاں چادر بچھا کر قبلہ رو بیٹھ جاؤ اور یہ دعا اس ترکیب سے پڑھو۔ دس بار پڑھ کر اپنے سامنے مغرب کی جانب دم کردو۔ دس بار پڑھ کر پسِ پشت یعنی مشرق کی جانب دم کردو۔ دس بار آسمان کی طرف اور دس بار جنوب کی طرف دم کرنا۔ دعا یہ ہے: ثنترا ایوّ لونر، عاً زن تشاً منو عاً عالمأً طیو ثو نا تشلیخا ملیخا۔ مَلخُو ما دَ یا قیو ما بحق کٓھٰیٰعٓصٓ و بحق طٰحٰہٰ عٓسٓقٓ و بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مقبوس ۱۲۰ بوقتِ ظہر روز شنبہ یکم شعبان ۱۳۱۷ھ

حضرت اقدس نماز ظہر با جماعت ادا کرنے کے بعد تلاوت کلام پاک میں مشغول ہوگئے۔ تلاوت کے بعد آپ نے اس ہیئت سے دعا مانگی کہ آگے جھک کر دونوں ساعد مبارک (کلائی) زمین پر ٹیک کر اس طرح دعا مانگی کہ ہاتھوں کی پشت زمین سے لگی ہوئی تھی۔

مقبوس ۱۲۱ بوقتِ ظہر روز چہار شنبہ ۲ شعبان سال مذکور

حضرت اقدس ایک طالب علم کو درس مشکوٰۃ شریف باب الشرکہ والوکالۃ سے دے رہے تھے۔ جب اس حدیث پر پہنچے عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قالت الانصار للنبی صلعم اقسم بیننا و بین اخواننا النخیل (حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے،

کہ انصار نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان جو مہاجرین ہیں۔ ہمارے کھجور کے درخت تقسیم فرمائیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے قوم انصار درخت تمہاری ملکیت میں رہ جائیں ثمر تمہارے اور مہاجرین کے درمیان مشترک ہے۔ اس سے ہر شخص کو حصہ ملنا چاہیئے۔ اس سے انصار راضی ہو گئے اور عرض کیا کہ تعمیل ارشاد ہوگی۔ اس کے بعد حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخش رحؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو انصار نے اپنی ملکیہ ہر چیز میں سے مہاجرین کا حصہ نکالا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بیویوں کو طلاق دے کر مہاجرین کے عقد میں دیدیا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مہاجرین اپنی بیویاں ساتھ لائے تھے۔ لیکن جو مہاجرین مجرد تھے اُن کے لئے انصار میں سے اُن لوگوں نے اپنی بیویوں کو طلاق دے کر مہاجرین کے حوالے کیا جن کی ایک سے زائد بیویاں تھیں اس کے بعد یہ حدیث شریف باب الغصب والعاریۃ سے پڑھی گئی۔ عَن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَخَذَ شبراً من الارض ظلماً فَاِنَّہٗ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین (حضرت سعید بن زید نے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے ظلم سے ایک شبر (شاید گز) زمین لی۔ وہ زمین سات زمینوں کے ساتھ اس کی گردن میں طوق کی طرح ڈالی جائے گی)

حضرت عمرؓ کا ایمان لانا

اس کے بعد فرمایا کہ یہ سعید بن زید اصحاب عشرہ مبشرہ[1] سے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں اور حضرت

---

[1] عشرہ مبشرہ سے مراد وہ دس صحابہ کرام ہیں جن کو آنحضرت صلعم نے بیعت رضوان کے وقت فتح مکہ سے ایک سال قبل صلح حدیبیہ کے وقت خم غدیر کے مقام پر بہشت کی بشارت دی تھی۔

فاطمہ رضؓ بنت امیر المومنین حضرت عمر رضؓ آپ کے عقدِ نکاح میں تھیں۔ وہ بھی قدیم الاسلام ہیں۔ بلکہ حضرت عمر رضؓ ان کی بدولت دولت ایمان سے مشرف ہوئے تھے۔ حضرت سعید اور ان کی بیوی اس وقت ایمان لائے تھے جب اسلام کی ابتدا تھی۔ صرف چند شخص ایمان لائے تھے۔ قرآن مجید تازہ نازل ہو رہا تھا اور جو جو سورت نازل ہوتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تعلیم فرماتے تھے چنانچہ ایک صحابی کو آں حضرت صلعم نے حضرت سعید اور ان کی بیوی کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ وہ آتے تھے اور خفیہ طور پر ان کو قرآن پڑھاتے تھے۔ ایک دن وہ صحابی بی بی فاطمہ کو قرآن پڑھا رہے تھے کہ حضرت عمر رضؓ پہنچ گئے۔ بی بی فاطمہ نے خوف زدہ ہو کر قرآن پڑھنا بند کر دیا اور اس صحابی کو چھپا دیا۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنی بہن سے پوچھا کہ کیا پڑھ رہی تھی۔ انہوں نے کہا کہ میں کچھ نہیں پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر رضؓ کو شک ہوا کہ شاید وہ ایمان لا چکی ہیں اور مجھ سے چھپا رہی ہیں۔ چنانچہ اس روز آپ واپس چلے گئے اور دوسرے دن اس نیت سے واپس آئے کہ فاطمہ رضؓ سے کہوں گا کہ میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا ہے تم کھاؤ۔ اگر اس نے کھا لیا تو ایمان نہیں لائی اگر نہ کھایا تو میں سمجھ جاؤں گا کہ ایمان لا چکی ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضؓ کو معلوم تھا کہ مسلمان غیر مسلموں کا مذبوحہ نہیں کھاتے۔ چنانچہ اس روز آپ نے ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے اور پکا کر بی بی فاطمہ رضؓ کے پاس لے گئے۔ لیکن انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ جب حضرت عمر رضؓ نے اصرار کیا اور سختی سے کہا کہ کھاؤ تو بی بی فاطمہ رضؓ نے سخت غصے میں آ کر فرمایا تو کافر ہے، ہم مسلمان ہیں۔ تیرا ذبیحہ ہمارے لئے حرام ہے۔ ہم کس طرح کھا سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے پوچھا کہ تو کس طرح ایمان لائی ہے بیان کرو۔ بی بی فاطمہ نے قصہ بیان کیا اور قرآن شریف بھی پڑھ کر سنایا۔ جب حضرت عمر رضؓ نے قرآن سنا تو کفر کی زنگ آپ کے قلب سے صاف ہو گئی اور اسی وقت ایمان لا کر دولت اسلام مشرف ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان ہی سعید بن زید پر ایک عورت نے دعویٰ کیا ہوا تھا کہ اس نے میری زمین غصب کر لی ہے۔

اس پر حضرت سعیدؓ نے اس عورت کے حق میں بد دعا کی اور کہا کہ یہ عورت اندھی ہو کر مرے گی۔ اس وجہ سے کہ اس نے مجھ پر جھوٹا دعویٰ کیا ہے اور بہتان لگایا ہے پس تھوڑے عرصے کے بعد وہ عورت نابینا ہو کر کنوئیں میں گری اور مر گئی۔

مقبوس ۱۲۳ بوقت ظہر روز پنجشنبہ ۳ شعبان سال مذکور

اختلاف کے باوجود دین محکم حضرت اقدس مشکوٰۃ شریف اور شرح وقایہ کا درس دے رہے تھے۔ درس سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا کہ حضرات ائمہ مجتہدین (چار امام) تابعین اور تبع تابعین میں سے ہیں۔ اس وقت کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا قرب تھا۔ ان حضرات نے دقائق اور معقولیت میں کس قدر موتی پروئے ہیں اور اصول و فروغ میں کس قدر فقہی مسائل نکالے ہیں۔ اگرچہ ان حضرات کے مابین قدرے اختلاف رائے ہے لیکن دین محمدی کی اساس و بنیاد اس قدر محکم اور مضبوط ہے کہ اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا نہ پڑ سکتا ہے۔ بلکہ دین محکم تر ہوا اور ہوتا جائے گا۔ بخلاف ادیان سابقہ (اسلام سے پہلے کے مذاہب) کہ جن کے دین اختلاف کی وجہ سے بالکل بدل گئے۔ اس وقت حضرت اقدس نے یہ شعر پڑھا ؎

یتیمے کہ ناکردہ ابجد درست　　کتب خانۂ چند ملت بشست

(ایک یتیم (رسولؐ خدا) کہ جو اُمّی اور اَن پڑھ تھا۔ اُس نے کئی مذہبوں کے کتب خانے دھو ڈالے)

اختلاف صحابہ کی حقیقت اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ صحابہ کرام کے درمیان مجادلات اور مخالفات وقوع پذیر ہوئے لیکن دونوں فریقین نے دین کو اس قدر مضبوط اور محکم کیا کہ دین کے بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان کے اختلاف کے باوجود دین نے بہت

ترقی کی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بنی امیہ کی نوے[۹۰] سال حکومت رہی اور ان کے عہدِ حکومت میں دین کے اندر ہزاروں فتنے رونما ہوئے چنانچہ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کفر کا زمانہ تھا۔ لیکن پھر بھی اس زمانے میں بے شمار شہر فتح ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ (اللہ اپنا نور مکمل کرتا ہے۔)

مقبوس ۱۲۴ بوقت ظہر روز جمعہ ۴ شعبان ۱۳۱۷ھ

ان دنوں میاں محمد کوریجہ ساکن منگلوٹ شریف جو حضرت اقدس کے رشتہ دار تھے کی شادی کا موقعہ تھا۔ ان کی شادی قاضی ابوالخیر کی ہمشیرہ سے ہو رہی تھی۔ وہ بھی کوریجہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور قاضی نور محمد صاحب کی اولادیں سے تھے۔ چنانچہ میاں صاحب موصوف نے آکر عرض کیا کہ حضور قاضی ابوالخیر کے مکان پر تشریف لے چلیں تاکہ تزویج کا معاملہ طے ہو جائے۔ حضرت اقدس اپنے خلفاء اور خدام کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور شادی کی رسومات پوری ہوئیں۔ اس کے بعد آپ اپنے گھر تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد دولہا میاں محمد سلام کی خاطر آئے اور سر حضرت اقدس کے قدموں پر رکھ دیا اور پاؤں پر بوسہ دیا۔ حضرت اقدس بھی دولہا کے لئے تعظیماً کھڑے ہوگئے اور فرمایا مبارک باد۔ اس کے بعد خادم سے دس روپے لے کر آپ نے دولہا کو بطور سلام دیئے۔

مقبوس ۱۲۵ بوقت زوال روز شنبہ ۵ شعبان سال مذکور

حالت جنب میں مقدس کتابوں کو ہاتھ لگانا منع ہے

مجلس میں کسی نے جنب کی حالت میں کتابوں

کو ہاتھ لگانے کا مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مقدس کتابوں مثلاً قرآن شریف اور حدیث شریف کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے۔ لیکن اگر عبارت یاد ہو تو زبانی پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں جنابت کی حالت میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ساتھ لے گئے۔ جب آپ اپنے مقام پر پہنچ کر بیٹھ گئے تو میں چپکے سے اٹھ کر چلا گیا اور جا کر غسل کیا۔ جب واپس آیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کہاں گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میں جنابت کی حالت میں تھا مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ اس حالت میں حضورؐ کی خدمت میں بیٹھا رہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبحان اللہ مومن نجس اور پلید نہیں ہوتا۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولانا شہاب الدین حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے دس خلفاء میں سے تھے۔ جن کو عشرہ مبشرہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ حضرت سلطان المشائخؒ کو وضو بھی کراتے تھے اور پیش امام بھی تھے۔ جب حضرت سلطان المشائخؒ گرم پانی سے وضو کر لیتے تھے تو مولانا شہاب الدین باقی ماندہ پانی سے خود وضو نہیں کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ سارا پانی حضرت شیخؒ کے لئے گرم ہؤا تھا اور آپ کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا بے ادبی ہوتی۔ جب اس بات کی خبر حضرت سلطان المشائخؒ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ان کا ادب کمال کو پہنچ گیا ہے۔ اس لئے اب وہ خلافت کے مستحق ہے۔ پس آپ نے ان کو خلافت عطا فرمائی۔

مقبوس ۱۲۶ بوقت زوال روز یک شنبہ ۶ شعبان سال مذکور

آپ درس مشکوٰۃ شریف دے رہے تھے۔ ایک حدیث یہ تھی۔ فرمایا رسولِ خدا صلعم نے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا کہ جس سے بکریاں چرانے کا کام نہ لیا گیا ہو۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے بھی چرائی ہیں۔ اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ احادیث میں شبانی یعنی بکریوں کی تربیت کا ذکر ہے لیکن اس سے مراد مطلق شبانی ہے (خلقت کی تربیت و ہدایت)۔ اسی طرح سری کرشن جی نے بھی گائیں چرائی ہیں۔

مقبوس ۱۲۷ بوقت ظہر روز دوشنبہ ۷ شعبان ۱۳۱۱ھ

صاحبزادہ صاحب کی تقریب شادی

حضرت اقدس کے ہاتھ میں گھڑی تھی اور لحظہ بلحظہ اُسے دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی ساعت مریخ کا عمل ہے۔ یہ گذر جائے تو پھر کام شروع کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ آج قطب الموحدین صاحبزادہ محمد بخش صاحبؒ آپ کے فرزند اور خلیفہ اکبر کی شادی کا دن تھا۔ ان کی شادی میاں نبی بخش صاحب کی دختر نیک اختر سے ہو رہی تھی جو حضرت صاحبزادہ صاحب کے حقیقی ماموں تھے کچھ دیر کے بعد گھڑی دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اب ساعتِ شمس کا عمل ہے۔ اس کے بعد زہرہ کا عمل ہوگا اور یہ دونوں ستارے سعد اکبر ہیں (یعنی شمس اور زہرہ) اُس وقت آپ اُٹھے اور حضرت قطب الموحدین، خدام اور اصحاب و احباب کے ساتھ آہستہ آہستہ میاں نبی بخش صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ برات کے آگے قوال چلتے چلتے قوالی کر رہے تھے جب برات میاں نبی بخش صاحب کے مکان پر پہنچی تو وہاں دریوں کا فرش لگا ہوا تھا اور ایک طرف دہرہ (دگنا کھیس) بچھا ہوا تھا۔ حضرت اقدس اس مسند پر بیٹھ گئے اور صاحبزادہ صاحب نزدیک دری پر بیٹھے تھے۔ خلقت کا کافی ہجوم تھا۔ پہلی دعائے خیر مانگی گئی۔ اس کے بعد تمام رسوم کتخدائی ادا کی گئیں۔ چنانچہ رمضان حجام نے دولہا کے لئے پوشاک کا جوڑہ پیش کیا۔ حضرت اقدس نے دولہا کے دائیں ہاتھ پر گانا باندھا۔ دائیں پاؤں

میں گانہ حجام نے باندھا۔ اس کے بعد حجام نے عمامہ (پگڑی) جو نفیس ململ کی تھی حضرت اقدس کو پیش کی۔ حضرت اقدس نے کچھ آہستہ آہستہ پڑھ کر دستار پر دم کیا۔ حاضرین مجلس نے بھی درود شریف پڑھ کر دستار کی طرف اشارہ کر کے دم کیا۔ اس کے بعد دولہا نے اٹھ کر ٹوپی سر سے اتاری اور فرش پر رکھ دی اور دستار حجام سے لے کر سر پر باندھا شملہ قلب کی جانب تھا اور اس کے کنارے سے سہرہ لٹک رہا تھا۔ دستار کے دوسرے سرے پر ایک ہرے رنگ کا چھوٹا سا خریطہ (پوٹلی) آویزاں تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کرتہ زیب تن کیا وہ نفیس ململ سے بنا تھا اور کمر پر شکن بنائے گئے تھے۔ اس کے بعد تہبند تبدیل کیا اور ریٹہ (لال رنگ کا بڑا رومال) کندھے پر رکھا۔ جو ٹوپی صاحبزادہ صاحب نے اتار کر رکھ دی تھی۔ حضرت اقدس نے اُسے اُٹھا کر محفوظ کر لیا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور دولہا کا سابقہ جوڑا اور ٹوپی حجام لیتا ہے آپ نے ٹوپی کیوں اٹھالی ہے۔ فرمایا کہ لوگوں کا ہجوم ہو رہا ہے میں نے اس لئے اُٹھالی ہے کہ مبادا کوئی اس پر پاؤں رکھ دے۔ جب حضرت صاحبزادہ صاحب نے یہ بات سنی تو آپ نے حجام کو پانچ روپے دے کر ٹوپی خرید لی۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے دو انگلیاں تیل میں تر کر کے دولہا کی ریش اور زلفوں کو لگائیں۔ قاضی عبداللہ نے نکاح پڑھ کر ایجاب وقبول ادا کرایا۔ اس وقت ہر طرف سے مبارکباد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ حضرت اقدس نے قاضی کو پانچ روپے بطور نکاح خوانی عنایت فرمائے۔ غرضیکہ رسومات اور نذر نذرانوں کے بعد صاحبزادہ صاحب کو خسر صاحب کے گھرلے جایا گیا اور حضرت اقدس اپنے گھر واپس تشریف لے گئے۔

مقبوس ۱۲۸ بوقت ظہر روز سہ شنبہ ۶ شعبان سال مذکور

حضرت اقدس وضو کر رہے تھے اور ہر عضو دھوتے وقت آیت شریف وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ پڑھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ وضو کے بعد بھی کئی بار آپ نے

یہ آیت پڑھی۔ وضو کی باقی کیفیت مقبوس تیئس جلد اوّل میں بیان ہو چکی ہے۔ اس وقت صرف اسی آیت کا اضافہ تھا جو بیان کر دیا گیا ہے۔

مقبوس ۱۲۹ بوقت ظہر روز چہار شنبہ ۹ شعبان سال مذکور

اختلاف مذاہب روا ہے

حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ قبلہ آج کل جو لوگ علم حدیث شریف پڑھتے ہیں اور مشائخ طریقت کی صحبت اختیار نہیں کرتے بعض وہابی ہو جاتے ہیں حضرت اقدس نے فرمایا کہ ملتان شریف میں بعض علماء نے مجھ سے کہا کہ اس زمانے میں جو لوگ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ ان اہل باطن سے بہتر ہیں جو تاویل کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس دعوے کی یہ دلیل دی کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس آئے تو ابھی صحابہ کرام نے ہتھیار نہیں اتارے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ حکم ہوا کہ فوراً بنی قریظہ (یہودیوں کے قبیلے کا نام ہے) کے خلاف لشکر کشی کی جائے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ہتھیار نہ اتارو بلکہ اسی حالت میں کوچ کر کے نماز عصر بھی وہاں ادا کرو۔ جب صحابہ کرام مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو ان کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے راستے میں نماز عصر پڑھی اور دوسرے گروہ نے منزل مقصود پر پہنچ کر مغرب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی کیونکہ عصر کا وقت گذر چکا تھا جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنی قریظہ پہنچے تو صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ کس کی نماز درست ہے تو آپ نے فرمایا کہ دونوں گروہوں کی نماز درست ہے۔ پس وہ لوگ کہ جنہوں نے راستے میں نماز پڑھی اہل باطن ہیں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تاویل کی ہے اور وہ لوگ کہ جن کی نماز عصر فوت ہو گئی اہل ظاہر ہیں حضرت اقدس نے فرمایا کہ ملتان کے لوگوں کی اس دلیل سے انکار نہیں بلکہ ہمارا دعویٰ

ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ انہوں نے غیر منطقی طریق پر دلیل پیش کی ہے۔ اس لئے غلط نتیجے پر پہنچے ہیں۔ درحقیقت جن لوگوں نے نمازِ عصر راستے میں ادا کی اصحاب ظاہر وہی ہیں کیونکہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری الفاظ، ظاہری اعمال اور ظاہری افعال کا لحاظ رکھا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ نمازِ عصر قریۂ بنو قریظہ میں ادا کرنا۔ لیکن جب نماز عصر کا وقت راستے میں ہوگیا بلکہ راستے ہی میں عصر کا وقت گذر بھی گیا تو انہوں نے آں حضرت صلعم کے حکم کی تاویل کر کے قریۂ بنو قریظہ کی بجائے نماز راستے میں ادا کی۔ اس کے برعکس دوسرے فریق نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور اگرچہ راستے میں عصر کا وقت فوت ہوگیا۔ انہوں نے نماز راستے میں نہ پڑھی اور حسب فرمان منزل مقصود پر پہنچ کر ادا کی۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا نماز، روزہ، دین، اسلام محض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا نام ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اصحاب باطن فریق ثانی ہے اور فریق اول اصحاب ظاہر ہیں۔

حضرت غوث الاعظمؒ کے قول قدمی ہٰذا کا مطلب

اس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ اس سال ماہ جمادی الاول ۱۳۱۷ھ میں جب حضرت ملتان تشریف لے گئے تو دیوان صدر الدین سجادہ نشین خانقاہ حضرت بندگی موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ اور وہاں کے دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت غوث الاعظمؒ کے قول قدمی ہٰذا علی رقبۃ کل ولی اللہ پر حضور کے ساتھ گفتگو ہوئی تھی۔ وہ کس طرح ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا وہ اس طرح ہے کہ جب میں ملتان تشریف پہنچا تو دیوان صدر الدین صاحب اپنے دوستوں، بھائیوں اور چند مولویوں کے ساتھ ملنے آئے۔ ان کے ساتھ مختلف مضامین پر گفتگو ہوتی رہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپس میں یہ مشورہ کر کے آئے تھے کہ مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کریں۔ آخر چند متفرق باتوں کے بعد انہوں نے پوچھا کہ حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ

نے فرمایا ہے کہ قدمی ھذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ (میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) کیا اس میں تمام مشائخ متقدمین اور متاخرین اور اس زمانے کے تمام اولیاء کرام شامل ہیں؟ — میں نے کہا کہ مشائخ متقدمین اور متاخرین (یعنی جو اولیاء کرام حضرت غوث الاعظمؒ سے پہلے اور بعد تھے) اس قول میں شامل نہیں ہیں اور مشائخ ہم عصر خواہ وہ حاضر ہوں یا غیب سب شامل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ اس میں تمام اولیاء کرام شامل ہیں خواہ متقدمین ہوں، متاخرین ہوں یا ہم عصر ہوں۔ میں نے کہا مشائخ متقدمین میں تو حضرت غوث الاعظمؒ کے پیران عظام، بارہ امام اور صحابہ کرام بھی اولیاء اللہ تھے۔ انبیاء نہیں تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اس قول میں تمام اولیاء متقدمین شامل کمال بے ادبی، ترجیح بلا مرجح اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ چونکہ حضرت غوث اعظمؒ کے پیرانِ عظام اور مشائخ طریقت اُس وقت آپ کے ساتھ موجود اور ہم زمان تھے۔ اس لئے ان کی گردنوں پر آپ کا قدم مبارک بالذات وبالاصالتہ آیا ہے اور متاخرین پر بالتبع اور بالمعنی نہ کہ اصالتہً یا حقیقتہً۔ اکثر کتب ملفوظات صحیح نہیں ہیں اور بلا تحقیق لکھی گئی ہیں۔ میرے نزدیک ان کی سند قابل اعتبار نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ بات معتبر اور مستند کتابوں مثل نفحات الانس، اخبار الاخیار، اور مکتوبات امام ربانی میں درج ہے تو میں ماننے کے لئے تیار ہوں۔

مقبوس ۱۳۱۱ بوقت عصر روز دوشنبہ ۱۴ شعبان ۱۳۱۷ھ

ایک آدمی سیاہ مخمل کی ٹوپی تیار کرکے لایا اور حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ حضور یہ ٹوپی زیب تن فرما دیں اور سابقہ ٹوپی مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آج کیا دن ہے۔ عرض کیا کہ دوشنبہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں آج یہ ٹوپی نہیں پہنتا، کیونکہ دوشنبہ کے دن نیا کپڑا پہننا منع ہے۔

فی الحال اسے رکھ دو۔ چہار شنبہ کے دن پہنوں گا۔

ملفوظ ۱۳۴۲ بوقت عصر روز شنبہ ۹ شعبان سال مذکور

حضرت اقدس کا حافظہ، جذب سے کمی

اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ حضرت اقدس کا فلاں مرید مجذوب ہو گیا ہے اور فلاں فلاں مجذوب ہو گیا ہے۔ حضرت اقدس نے تبسم دلربا کے ساتھ احقر سے دریافت فرمایا اس نئے مجذوب کا کیا حال ہے جو تمہارے کمرے میں رہتا ہے۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا عرض کر دیا۔ حضرت اقدس نے پوچھا کہ آیا وہ مجذوب وظیفہ پڑھتا ہے یا نہیں۔ بندہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ وظیفہ ضرور پڑھتا ہے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا کہ وظیفہ پڑھنے سے زیادہ دیوانہ اور مجنوں ہو جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اوائل حال میں میری عمر بیس سال کی ہو گی کہ مجھ پر بھی جذب اور دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے میرا نصف حافظہ ختم ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے میرا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ قرآن شریف کے چار چار رکوع حفظ کر لیتا تھا۔ ایک دن اپنے حافظہ کے امتحان کی خاطر میں نے ایک سپارہ یاد کر لیا اور دوسرے آدمی سے کہا کہ تم قرآن کھول کر دیکھو۔ میں یاد پڑھوں گا۔ لیکن مجھے ایک لفظ بھی نہ بتانا۔ چنانچہ جب میں نے قرآن پڑھا تو ایک لفظ کی غلطی بھی نہ ہوئی۔ ایک سپارہ یاد کرنے میں مجھے دو یا ڈھائی گھنٹے لگے۔

مولوی عبد العزیز پرہاروی کا حافظہ

اس کے بعد فرمایا کہ مولوی عبد العزیز پرہاروی کا جو حضرت صاحب حافظ محمد جمال ملتانی رح کے مرید و خلیفہ تھے، حافظہ بھی بہت قوی تھا۔ ایک دفعہ وہ حافظ جو آپ کو رمضان شریف میں قرآن مجید سناتا تھا۔

بیمار ہوگیا اور ماہ رمضان سر پر آگیا۔ مولوی صاحب نے علم نجوم کے ذریعے پہلے رمضان شریف کے دن معلوم کئے۔ ان کو معلوم ہوا انیس دن کا مہینہ ہے پس وہ ہر روز ایک سپارہ یاد کرتے تھے اور رات کو تراویح میں پڑھتے تھے اس کے بعد فرمایا کہ شروع میں اس کوچے (کوچۂ عشق) کے طالبین کے لئے سوائے سیفل کے کلام کے جو لطف علی شاعر کی تصنیف ہے اور کوئی کلام نہیں تھا۔ چنانچہ میں سیفل کی ایک ایک جزو دو دو گھنٹے میں یاد کر لیا تھا۔

درسِ حدیث

اس کے بعد مشکوٰۃ شریف کا درس شروع ہوا۔ جب باب الصدق کی یہ حدیث پڑھی گئی کہ حضرت بی بی ام حبیبہ کا حق المہر چار ہزار درہم یعنی ایک ہزار روپیہ مقرر ہوا تھا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمارے خاندان میں بھی ایک ہزار روپیہ المہر مقرر ہے۔ پہلے میرے دل میں یہ خیال تھا کہ ایک ہزار روپیہ زیادہ ہے لیکن الحمد للہ کہ یہ حدیث کے مطابق نکلا ہے۔ اس کے بعد باب الولیمہ میں ایک حدیث اس مضمون کی پڑھی گئی کہ ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ رسول خدا صلی اللہ

شادی بیاہ پر رنگ ڈالنے کی رسم

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت ان کے چہرے پر زرد رنگ لگا ہوا تھا۔ آں حضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے انہوں نے عرض کیا کہ آج میں نے دو عورتوں کا نکاح کرایا ہے۔ عوض معاوضہ کے ساتھ۔ حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ شادی بیاہ کے موقعہ پر جسم یا کپڑوں پر زرد رنگ بے شک جائز ہے۔ (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آجکل کی رسم وٹہ سٹہ احادیث سے ثابت ہے)

اس کے بعد اس مضمون کی حدیث آئی کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے گھر جائے تو کھانا وغیرہ کھائے پیئے لیکن یہ نہ پوچھے کہ آیا یہ مال حلال ہے یا حرام۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیاء فرمایا کرتے تھے

کہ جو کچھ نذر یا فتوحات کے طور پر ملے قبول کرنا چاہیئے اور یہ نہ پوچھے
کہ آیا حلال ہے یا نہیں۔

مقبوس ۱۳۳ بوقت عصر روز یک شنبہ ۲۷ شعبان سال مذکور

تعویذ برائے قوت مردمی

ایک آدمی نے نامردی کا تعویذ طلب کیا۔ حضرت اقدس نے تبسم فرمایا، کسی نے
اس سے پوچھا کہ آیا یہ حالت شروع سے ہے یا بعد میں پیدا ہوئی۔ اس نے
جواب دیا کہ قدیم سے ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ تعویذ لکھ کر اُسے دیا کہ دائیں
بازو پر باندھو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ	نور	السموات	والارض
والارض	السموات	نور	اللہ
نور	اللہ	والارض	السموات
السموات	والارض	اللہ	نور

یاد رہے کہ
واؤ اور میم اور ضاد
اور ہائے اللہ کی چشم کشادہ
لکھی گئی اور الرحمٰن کا نون
طول لکھا گیا یعنی
اس طرح الرحمٰن

مقبوس ۱۳۴ بوقت عصر روز دوشنبہ ۲۸ شعبان سال مذکور

ان دنوں میاں محمد صدیق جو محمد صدیق سیٹھ کی اولاد میں سے ہیں،
آئے ہوئے تھے اور فراخی رزق کے لئے دعا کی درخواست کی تھی۔ ان کے لئے
آپ نے دعائے نور لکھی اور دعائے نور کے نیچے یہ عبارت لکھی:۔
اللّٰھُمَّ اقذف فی قلبی رجاءک واقطع رجائی عمن

سِوَاءِکَ حتیٰ لا ارجو احداً غیرک - یہ ہر نماز کے بعد ایک دفعہ پڑھنا ہے۔ اس کے بعد یہ وظیفہ لکھا جو ہر نماز کے بعد پانچ دفعہ پڑھنا ہے:- یا سطیع النور الذی وضع المنزلۃ علی رئیس الجبابرۃ فلا یستطیعون رفع رؤسھم مِن خوف سطوتھم یا سیطع یا سیطع یا سیطع ایک سو بار۔

اس کے بعد یہ وظیفہ لکھا۔

احب یا ھارون السما لی انت واعوانک وخدامک وافعل ما امرتک بہ العجل العجل الوحا الوحا الساعۃ الساعۃ۔ یہ وظیفہ نماز ظہر اور نماز عشا کے بعد ایک ایک بار پڑھنا ہے۔

اس کے بعد آپ نے تلاوت قرآن شروع کی - جب اس آیت پر پہنچے وَمِنَ النَّاسِ مَن یَّعبُدُ اللہَ عَلٰی حَرفٍ فَاِن اَصَابَہٗ خَیرُنِ اطمَاَنَّ بِہٖ وَاِن اَصَابَتہُ فِتنَۃُ نِ انقَلَبَ۔ تو آپ نے سر نیچے کر کے یہ کلمات پڑھے سبحان اللہ چار بار۔ الحمد للہ ایک بار۔ لا الہ الا اللہ تین بار۔ اللہ اکبر دو بار۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ایک بار

مقبوس ۱۳۵ بوقت ظہر روز سہ شنبہ رمضان المبارک سال ۱۳۱۷ھ

فتنۂ عبداللہ بن سبا

حضرت اقدس نے میاں نور الصمد کو درس حدیث از باب قتل اہل الردۃ والسعادۃ بالفساد دینا شروع کیا۔ ایک حدیث شریف میں یہ مضمون آیا کہ

بدعقیدہ سبائی زندہ جلائے گئے

زندیقوں کے ایک گروہ کو حضرت علیؓ کی خدمت میں لایا گیا

حضرت علی رضؓ نے ان کو آگ میں جلوایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ زندیق عبداللہ بن سبا یہودی کے ساتھی تھے۔ عبد اللہ بن سبا اور اس کے ساتھی اس لئے اسلام لائے تھے کہ مسلمانوں میں فساد پیدا کریں اور امت کو گمراہ کریں۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے لوگ حضرت علیؓ کی الوہیت اور ربوبیت کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت علی رب اور خدا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کو توبہ کرائی اور فرمایا کہ اس عقیدے سے باز آجاؤ۔ لیکن انہوں نے توبہ قبول نہ کی چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس شیعہ قوم کو جن کی تعداد تقریباً بیس ہزار تھی آگ میں جلوا دیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ رافضی اور شیعہ مذہب کی بنیاد اسی عبداللہ بن سبا نے ڈالی۔ اس سے پہلے یہ مذہب بالکل نہ تھا۔ جب انہوں نے غلو سے کام لیا (حد سے بڑھ گئے) تو آگ میں جلائے گئے۔ اس عبداللہ بن سبا نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ رافضی لوگ خارجیوں سے بھی بدتر ہیں۔ چنانچہ شیعوں اور رافضیوں کے نزدیک صحابہ کرام کو گالی دینا جزوِ ایمان ہے لیکن خارجیوں کے نزدیک جزوِ ایمان نہیں ہے۔ شیعوں کے نزدیک سنی کو قتل کرنا اور اس کا گوشت کھانا حلال و ثواب ہے لیکن خارجیوں کے نزدیک حلال نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسری حدیث میں اس بات کا ذکر آیا کہ حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت میں دو فرقے ہوں گے اور ان دو فرقوں کے درمیان مارقہ خارج ہوگا اور فرقہ مارقہ کو وہ شخص قتل کرے گا جو اہلِ حق ہوگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ حدیث خارجیوں کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ اس وجہ سے کہ دو فرقوں سے مراد ایک فرقہ حضرت علیؓ کا اور دوسرا حضرت معاویہؓ کا ہے اور مارقہ سے مراد خارجیوں کا فرقہ ہے جو ان دونوں فرقوں میں سے نکلا ہے اور خوارج کے نام سے موسوم ہوا ہے اور اہلِ حق

سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ جنہوں نے خارجیوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ خارجی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے اصحاب سمیت اور حضرت معاویہؓ اپنے تابعین سمیت یہ دونوں فرقے جادۂ شریعت سے برگشتہ اور منحرف ہوگئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کفار کے ساتھ جہاد ترک کر کے ایک دوسرے کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے ہم نہ اُس کے ساتھ ہوتے ہیں نہ اِس کے۔ بلکہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم پر عمل کرتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ لوگ ان کو دونوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور خوارج کہلائے۔ ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ تین شخصوں نے اسلام میں فتنہ ڈالا ہے۔ ایک حضرت معاویہؓ دوسرے حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ تیسرے حضرت علیؓ۔ لہٰذا اگر ان تینوں کو قتل کر دیا جائے تو پھر اسلام میں فتنہ و فساد پیدا نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے تین آدمی مقرر کئے۔ ایک کو کہا کہ تم ولایت شام میں جا کر حضرت معاویہؓ کو قتل کر دو۔ دوسرے کو مصر بھیجکر حضرت عبداللہ عمر کو جہاں وہ حاکم تھے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور تیسرے کو حضرت علیؓ کے قتل پر آمادہ کیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ۱۸ رمضان المبارک تک تینوں آدمی اپنا اپنا کام انجام دے دیں۔ جب امیر المومنین حضرت علیؓ ذوالثدیہ اور اس کی قوم کو جو خارجی تھے۔ قتل کر کے کوفہ واپس آئے تو عبدالرحمٰن بن ملجم نے خارجیوں کا فرستادہ تھا۔ نماز میں حضرت علیؓ کے سر پر تلوار ماری۔ اسی زخم کی وجہ سے حضرت علیؓ اکیس رمضان المبارک کو جاں بحق ہو گئے اور عالم بقا کی طرف کوچ فرمایا۔ دوسرے آدمی نے مصر جا کر ۱۸ رمضان کو غلطی سے خارجہ بن خدافہ کو نماز کی حالت میں شہید کر دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سلامت رہ گئے۔ اس وقت دستور یہ تھا کہ پنجگانہ نماز کی امامت امیر و خلیفہ خود کراتے تھے۔ اس خارجی کا خیال یہ تھا کہ عبداللہ بن عمرؓ ہی امام ہوں گے۔ حالانکہ وہ بخار میں مبتلا تھے اور خارجہ بن خدافہ کو اپنا نائب مقرر کر کے امامت کا کام ان کے سپرد کیا تھا۔ تیسرے آدمی نے تاریخ مقررہ پر شام جا کر

حضرت معاویہ رضؓ پر تلوار چلائی اور زخمی کر دیا۔ لیکن ان کا زخم اچھا ہو گیا اور وہ بچ گئے۔

مقبوس ۱۳۶ بوقت ظہر روز پنجشنبہ ۹ ماہ رمضان سال مذکور

بوقت ظہر روز پنجشنبہ ۹ ماہ رمضان سال مذکور زیارت نصیب ہوئی

حجامت کیلئے کوئی دن ممنوع نہیں

اس وقت حجام نے آ کر عرض کیا کہ قبلہ حجامت بڑی ہو گئی اجازت ہو تو درست کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ کل حجامت بنواؤں گا۔ حجام نے کہا کل ماہ مانگھ کی یکم تاریخ ہے۔ آپ نے فرمایا حجامت بنوانے کے لئے کوئی دن ممنوع و منحوس نہیں ہے۔ خاص کر کل جمعہ ہے اور جمعہ اس قدر متبرک سعد اکبر ہے کہ تمام ایام کی نحوسات کو دفع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیاء ہفتے کے تمام ایام میں حجامت بنواتے تھے۔ لیکن ہفتہ (سنیچر) کے روز حجامت بنوانے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ چنانچہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ سنیچر کے دن حجامت بنوانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے سنیچر کے دن کبھی حجامت نہیں بنوائی۔ حضرت سلطان الاولیاءؒ نے فرمایا کہ احادیث میں ہفتے کے دن حجامت بنوانے کی کوئی ممانعت نہیں آئی۔ آدمی جس روز چاہے حجامت بنوا سکتا ہے۔

اس کے بعد میاں امداد علی مجاور درگاہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہٗ آئے اور آتے ہی دونوں ہاتھ حضرت اقدس کے پاؤں پر رکھ دیئے۔ حضرت اقدس کھڑے ہو گئے اور ان کے ہاتھوں کو پکڑ کر معانقہ کیا۔ معانقہ کے بعد انہوں نے درگاہ شریف سے لائی ہوئی دستار حضرت اقدس کے سر پر باندھی، یعنی آپ ٹوپی کے اوپر۔ اس کے بعد آپ بیٹھ گئے۔ دستار کی لمبائی بارہ گز تھی اور عرض ایک گز۔ دستار

کے دونوں سروں پر طلائی کام ہوا تھا۔ دستار کا شملہ (طرّہ) ایک ہاتھ کی لمبائی تک آپ کے دائیں کندھے سے ہوتا ہوا سینۂ بے کینہ تک پہنچ رہا تھا۔ اس کے بعد مجاور مذکور نے ایک صندل کی تسبیح، ایک صندل کی کنگھی ایک پڑیا برادہ صندل (جو مرقد مبارک پر لگاکر دوسرے دن اتار لیا جاتا ہے) اور خرمائے خشک یعنی چھوہارے بھی پیش کئے۔ حضرت اقدس نے تمام تبرکات اپنے کرتے کے دامن میں لے کر خادم کے سپرد کیا کہ حفاظت سے رکھو۔

مقبوس ۱۳۷ بوقت عصر روز پنجشنبہ ۹ ماہ و سال مذکور

حضرت اقدس وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ دو خادم موجود تھے۔ حضرت اقدس کے سامنے گھڑی رکھی تھی۔ آپ تھوڑی دیر کے بعد گھڑی دیکھتے تھے۔ کیونکہ افطار کا وقت قریب تھا۔ جب افطار کا وقت ہوا تو آپ نے نقارچی کو حکم دیا کہ نقارہ بجاؤ۔ چنانچہ اس نے نقارہ بجایا اور اس کے فوراً بعد اذان ہونے لگی۔ آپ نے حکم دیا کہ کھجوریں تقسیم کر دی جائیں۔ جب سب لوگ روزہ افطار کر چکے تو مغرب کی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ یاد رہے کہ رمضان کے شروع ہوتے ہی حضرت اقدس نے حکم دیدیا تھا کہ افطار و سحر کے وقت نقارہ بجایا جائے تاکہ سب لوگوں کے لئے آسانی ہو۔ چنانچہ نقارہ محل کے اندر رکھ دیا گیا تھا۔

مقبوس ۱۳۸ بوقت ظہر روز شنبہ ۱۱ رمضان سال مذکور

تلاوت قرآن کا طریق خاص

اُس وقت حضرت اقدس نے بندہ رکن الدین کو قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی او قرأت

میں طریقۂ تصور بھی تعلیم فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ روزانہ پاؤ سپارہ اس طرح پڑھو کہ قرأت کے وقت قرآن شریف درمیان میں نہ رہے اور احدیت اور جمع[1] کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور یہی خیال کرو کہ یہ حق کی آواز ہے اور حق پڑھ رہا ہے اور حق سن رہا ہے۔ اپنے آپ کو درمیان میں سے نکال دینا چاہیئے اور دوئی کو رفع کرنا چاہیئے۔ بس یہی خیال رہ جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ امام جعفر صادق رضی نے فرمایا کہ قرآن بار بار پڑھتا ہوں کہ اسے اپنا کلام اور وصف جانتا ہوں۔

اس کے بعد بندہ احقر نے حمائل شریف کھول کر حضرت اقدس کے سامنے رکھی اور عرض کیا کہ بندہ کو قرآن شریف کا آغاز فرما دیں۔ چنانچہ حضرت اقدس نے پہلے پڑھتے گئے اور احقر نے بعد میں وہی الفاظ دہرائے۔ پہلے آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی۔ اس کے بعد سورت فاتحہ پڑھی لیکن لفظ الرحمٰن جو الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم میں ہے اس کی مشدد کرکے آپ نے رب العٰلمین کے نون کے ساتھ ضم نہ کیا بلکہ الرحمٰن کی ر کو فتح (زبر) کے ساتھ پڑھا اور ولا الضالین کے بعد آمین بھی پڑھا۔ بعد ازاں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد سورۂ بقر شروع کرکے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ینفقون تک پڑھا۔

مقبوس ۱۳۹ بوقت ظہر روز دوشنبہ ۱۳ رمضان المبارک سال مذکور

[1] احدیت و جمع سے مراد مراقبۂ ذات ہے جس سے مقام فنا تک رسائی ہوتی ہے۔ احدیت سے مراد ذات بحت ہے اور جمع سے مراد فنا فی اللہ ہے۔ یہاں پہنچ کر سالک ذاتِ احدیت میں محو مستغرق ہو جاتا ہے۔ لیکن عارفین بلند مقام کے نزدیک یہ درجۂ وسط ہے اس مقام کے سالکین کو متوسطین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مقامِ جمع کے بعد جب مقامِ دوئی یا عبودیت پر عود کرتا ہے تو کمال کو پہنچتا ہے اور منتہی کہلاتا ہے۔ یہی مقامِ بقا باللہ ہے جو فنا اور فنا الفنا کا نتیجہ ہے۔

ذکر حدّادی

اوضاع و اقسام ذکر جہر کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دن قبلہ محبوب الٰہیؒ اپنے حجرے میں تنہا بیٹھے وظیفۂ ذکر جہری میں مشغول تھے۔ اس اثنا میں مولوی حافظ خواجہ جو اُن حضرت کے شاگرد تھے کسی کام سے حجرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے اور دیکھا کہ حضرت خواجہ ذکر جہری میں شاغل ہیں۔ جب آپ نفی کرتے تھے (یعنی اِلٰہَ اللہ کہتے تھے) تو کھڑے ہو جاتے اور جب اثبات کرتے تھے (یعنی اِلاَّ اللہ کہتے تھے) تو بیٹھ جاتے تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ ذکرِ حدّادی تھا (جسے ذکر ارّہ بھی کہتے ہیں) نیز فرمایا کہ جب مولوی حافظ خواجہ اندر داخل ہوئے۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر حضرت اقدس نے پیچھے دیکھ کر فرمایا کون ہے؟ انہوں نے کہا خواجہ ہے۔ اُن حضرت نے پوچھا کون خواجہ؟ عرض کیا کہ آپ کا شاگرد خواجہ۔ فرمایا کون شاگرد؟ جب مولوی صاحب نے یہ حال دیکھا تو ڈر کے مارے باہر آ گئے۔ اسی دن سے وہ تپ دق میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دن انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں آکر وہی واقعہ بیان کیا اور بہت عجز و نیاز سے معافی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ آئندہ خیال رکھنا چاہیئے۔ ایسے وقت میں داخل نہیں ہونا چاہیئے۔ اس وقت آپ نے دعا کی اور ان کو تپ دق سے شفا کامل نصیب ہوئی۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا کہ قبلہ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی حافظ خواجہ کو میاں جی غلام رسول نے بد دعا کی تھی۔ اسی وجہ سے مولوی صاحب تپ دق میں مبتلا ہوئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ پہلی بار اسی سبب سے ان کو تپ دق ہوا تھا اور شفایاب ہوئے۔ دوسری دفعہ میانجی غلام رسول کی بددعا سے دق میں مبتلا ہوئے لیکن شفایاب نہ ہو سکے۔

مشائخ کی خلوت خاص میں جانا بے ادبی ہے

اس کے بعد فرمایا کہ میانجی غلام محمد پشاوری کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت فخر الاولیاء وظیفۂ فجر میں مشغول تھے۔ میں کسی کام کی خاطر دروازہ کھول کر اندر گیا۔ آپ شاغل تھے۔ میں نے آواز دی۔ آپ نے جواب نہ دیا۔

میں نے دوبارہ عرض کیا۔ آپ پھر بھی خاموش رہے۔ میں نے خیال کیا کہ چونکہ آپ کسی قدر بہرے ہیں اس لئے آواز نہیں سن رہے، اس لئے میں نے جرأت کر کے آں حضرت کے کندھوں کو پکڑ کر ہلایا۔ جونہی میں نے یہ کام کیا آپ زمین پر گر پڑے اور جسم میں کوئی حِسّ و حرکت نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روح پرواز کر چکی ہے۔ یہ دیکھ کر میں بہت پریشان ہوا اور دوبارہ آپ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر پہلے کی طرح بٹھا دیا اور ڈر کے مارے حجرے سے باہر چلا آیا۔ جب میں اپنے مقام پر پہنچا تو میں بے حد خائف اور پشیمان تھا اور بچوں کو پڑھانے کو جی نہیں چاہتا تھا نہ کسی اور کام میں دل لگتا تھا۔ مجھے اس بات کا انتظار تھا کہ اب کیا ہوگا۔ جو شخص آتا تھا میں اس سے دریافت کرتا تھا کہ آیا حضرت اقدس ذلیفہ سے فارغ ہو چکے ہیں یا نہیں۔ آخر چاشت کے وقت کسی نے خبر دی کہ اب حضرت اقدس باہر تشریف رکھتے ہیں۔ یہ سن کر مجھے تسلی ہوئی۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ میرے شیخ حضرت فخر الاولیاء وظیفہ فجر میں کافی وقت لگاتے تھے۔ طلوع آفتاب سے لے کر چاشت تک تقریباً سوا پہر آپ وظائف میں مشغول رہتے تھے۔ جب آپ نے اپنی دختر نیک اختر کا عقد نکاح میاں عبد الغفور کے ساتھ کر رہے تھے تو آپ نے اپنے خادم خاص میاں خمیسے کو میرے پاس بھیجا کہ اُسے بلا لاؤ۔ جب ہم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اپنے وظیفے میں مشغول تھے۔ ہم دونوں جا کر حجرے کے اندر بیٹھ گئے اس وقت میاں خمیسے نے عرض کیا کہ حضور صاحبزادہ صاحب آئے ہیں۔ لیکن لیکن کمال استغراق کی وجہ سے آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ میاں خمیسے نے دوبارہ عرض کیا۔ اس پر حضرت اقدس نے بہت کوشش کے بعد رُخ مبارک ہماری طرف کیا اور گوشۂ چشم سے دیکھ کر قدرے لب کشائی بھی فرمائی لیکن کوئی لفظ منہ سے نہ نکل سکا اور آپ پھر بحرِ شہود اور وحدت میں مستغرق ہو گئے۔ میاں خمیسے نے پھر عرض کیا تو پھر بھی آپ کی وہی حالت ہوئی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کی

آنکھیں بالکل سرخ تھیں۔ تیسری بار معلوم نہیں خود متوجہ ہوئے یا میاں خمیسے نے آواز دی تھی۔ بہر حال آپ نے فرمایا کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح میاں عبد الغفور کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے دوسرے کسی شخص کو نہیں بلایا اور نہ کسی کے ساتھ میں نے مشورہ کیا ہے کیونکہ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف تجھے بلایا ہے۔ میں نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ حضور کی جو اپنی مرضی ہو مجھے منظور ہے اور میں بالکل خوش ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ باہر جاؤ اور کام کرو۔ مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور برادری میں جا بیٹھو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے یہ تو نہیں پوچھا کہ برادری میں جا بیٹھوں یا کیا کروں۔ آپ نے فرمایا بہر حال جاؤ۔ آخر میں برادری میں جا بیٹھا اور شادی کی تمام رسومات میں حصہ لیا۔ لیکن آنحضرت کافی دیر تک مشغول رہے۔ چنانچہ میں نے واپس جا کر دیکھا تو آپ ابھی تک مشغول تھے۔ جب آپ فارغ ہو کر باہر تشریف لائے تو مجھے دیکھ کر فرمایا کہ تو یہاں بیٹھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ اگر آپ جمع کا صیغہ استعمال کرتے تو بیشک میں جھوٹ بولتا۔ لیکن آپ نے واحد حاضر کا صیغہ استعمال کیا تو میرا جواب جھوٹ نہ تھا۔

مقبوس ۱۴۰ بوقت ظہر روز پنجشنبہ ۱۲ رمضان المبارک سال مذکور

اس بات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ بعض سادات مخدوم زادگان اِدھر اُدھر سیر کرتے رہتے ہیں اور یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہم فلاں سید یا فلاں مخدوم اور فلاں شیخ کی اولاد ہیں اور بڑی جاہ وحشمت سے اپنے فقر و درویش کا اظہار کر کے لوگوں کو مرید کرتے ہیں اور روپیہ پیسہ بناتے ہیں۔ آیا ان کی بیعت صحیح ہے یا نہیں۔ حضرت خواجہ صاحب علیہ رحمۃ نے فرمایا کہ میں نے داؤد خان سے سنا ہے کہ ایک دن میں حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ سے عرض کیا کہ قبلہ بعض سادات اور پیرزادگان اگرچہ فقر و ولایت سے خالی ہوتے ہیں لوگوں کو بیعت کرتے رہتے ہیں، آیا ان کی بیعت

صحیح ہے یا غلط۔ حضرت محبوب الہٰیؒ نے فرمایا کہ اگر آخر کاران کا سلسلہ کسی ولی کامل مکمل سے جا ملے جیسے کہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت سیّد جلال الدین اوچیؒ اور حضرت غوث الاعظمؒ سے تو میرا خیال ہے کہ بیعت صحیح ہے اس کے بعد فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے قصیدہ میں فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی بیعت و ارادت میرے ساتھ منسوب کرتا ہے تو وہ میری بیعت اور ذمہ داری میں آجاتا ہے۔

بیعت کے وقت بال کاٹنا

اس کے بعد احقر نے دریافت کہ یہ جو بعض لوگ بیعت کرتے وقت قینچی سے سر کے کچھ بال کاٹتے ہیں۔ لیکن ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ بھی بیعت کی ایک قسم ہے۔ بیعت کے دو اقسام ہیں ایک ہاتھ سے بیعت کی جاتی ہے اور یہ مشائخ عظام کا طریقہ ہے۔ دوسری بال کاٹنے سے کی جاتی ہے۔ یہ بھی بعض مشائخ کا دستور رہا ہے لیکن اکثر مشائخ ہاتھ سے بیعت کرتے ہیں۔ اس پر احقر نے عرض کیا کہ آیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بال کاٹنے کا طریق ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی روایت سے ہاتھ سے بیعت کا طریقہ احادیث سے ثابت ہے لیکن صحابہ کی روایت سے بال کاٹنے کا طریقہ ثابت نہیں ہے۔ لیکن مشائخ مشام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، ہمارے نزدیک ہاتھ سے بیعت کرنا صحیح تر ہے۔

ملفوظ ۱۴۱ بوقت ظہر روز شنبہ ۲۵ رمضان المبارک سال مذکور

اُس وقت قوال عمر حیات اور اس کی پارٹی کے لوگ جمع سازو سامان حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور بسنت سنیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی میں مشکوٰۃ شریف کا درس دیتا ہوں تم لوگ باہر جا کر ڈیوڑھی پر گاؤ، میں یہاں سے سنتا

رہوں گا اور یہ جو پانچ روپے تمہارا معمول ہے ابھی لے لو۔ یہ پانچ روپے حضرت فخر الاولیاءؒ نے تمہارے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ اُن کے زمانے میں چھوٹے تھے اور اب بڑے روپے آگئے ہیں۔ قوالوں نے نذر بردار خادم سے پانچ روپے لئے اور ڈیوڑھی معلیٰ پر جا کر گانے لگے۔ اس کے بعد ایک خادمہ نے آکر عرض کی کہ قبلہ حضرت بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ میں قوالوں کو ہر سال کچھ رقم دیتی ہوں۔ لیکن یہ یاد نہیں رہا۔ مجھے یاد دلائیں۔ آپ نے فرمایا تین چار روپے ہیں

بے ادبانہ کلام پر غصہ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت فخر الاولیاء کے زمانے میں بسنت کے روز محل میں محفل سماع قائم ہوتی تھی۔ یہ سن کر میاں محمد یعقوب نے تعجب سے کہا کہ عجب چرچہ ہوتا ہوگا۔ اس بات سے حضرت اقدس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور غصے میں آکر فرمایا کہ چرچہ کہنا کمال بے ادبی ہے۔ آپ نے یہ الفاظ دو دفعہ دہرائے اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ اس سے ساری مجلس پر خوف طاری ہوگیا۔ کچھ دیر کے بعد در محمد خان بزدار نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبلہ اب حضور کے کرم سے گل محمد خان کو شفا کامل حاصل ہوگئی ہے۔ ہم غلام اجازت طلب کرتے ہیں اور یہ بھی عرض ہے کہ کب رخصت ہونا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر عید الفطر جمعرات کے دن ہوگی تو تمہیں ہفتہ کے دن جانا چاہیئے۔ اگر عید جمعہ کے دن ہے تب بھی تمہیں ہفتہ کے دن جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ "بکرۃ السبت مبارکۃ" ہے ہفتہ کی صبح مبارک ہے۔

مقبوس ۱۴۱ بوقت ظہر روز پنجشنبہ ۳۰ رمضان سال مذکور

احقر نے تصحیح کے لئے مقابیس پیش کئے۔ آپ نے حرف بحرف سنے اور خوش ہوئے۔ بعض مقامات پر ہنس بھی دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم نے

تمام لوائح جامی کی شرح لکھ لی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ حضور کا کرم ہے بندہ کیا چیز ہے۔

مقبوس ۱۴۳ بوقت ظہر روز چہار شنبہ ۶ شوال سال مذکور

مشائخ کی خدمت میں بیٹھے وظیفہ پڑھنا

احقر نے مقابیس المجالس برائے تصحیح پیش کئے۔ اس کئے۔ اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ جب کوئی مرید اپنے پیر کی خدمت میں بیٹھا ہو اور وہ وقت مرید کے وظیفہ پڑھنے کا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے آیا وہ صرف زیارت کر کے وظیفے میں مشغول ہو جائے یا وظیفہ ترک کر دے یا زیارت بھی کرے اور وظیفہ بھی پڑھے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مرید جسے پیر کی زیارت مشکل سے اور کبھی کبھی میسر آئے تو اُسے چاہیئے کہ وظیفہ ترک کر کے کسی دوسرے وقت میں پڑھے اور سارا وقت پیر کی صحبت میں بسر کرے کیونکہ اس دولت کی قضا ہرگز نہیں ہے اور وہ مرید جو ہر وقت پیر کے حضور میں رہتا ہے یا اکثر اوقات بغیر مشکل اُسے پیر کی زیارت نصیب ہوتی رہتی ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وظیفہ بھی پڑھے اور زیارت میں بھی مشغول رہے۔

مقبوس ۱۴۴ بوقت ظہر روز شنبہ ۹ شوال سال مذکور

حضرت اقدس کے متعلق قصیدہ

حاجی عمر خان شاہد نے مولوی کریم بخش شاعر ساکن ضلع مظفر گڑھ کے یہ اشعار پڑھے جو انہوں نے حضرت خواجہ صاحب رح کی مدحت میں لکھے ہیں۔ حضرت اقدس سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ اچھا شاعر ہے خوب کہا ہے۔ اشعار یہ ہیں ؎

بنام شاہدِ شاہد پرستاں　　نشاطِ نشۂ دیدار مستاں
شہید حالتِ غمزہ شہیداں　　مرادِ خاطرِ دلبر مریداں
فسوں آموزِ چشمِ فتنہ جویاں　　چراغ افروزِ حسنِ ماہرویاں
نمک پاشِ جراحت خستہ جاناں　　زشیریں خندہ شکر دہاناں
سیاہی بخش لیلِ زلفِ لیلیٰ　　کزو شد روز مجنوں ہمچو لیلیٰ
لبِ شیریں را شیرینی داد　　زشورش جانِ شیریں داد فرہاد
خدنگِ غمزہ را نوک سناں کرد　　ہزاراں زخم در دلہا عیاں کرد
بحالِ خستہ گان رحمت چو انداخت　　مسیح وقت را رایت برافراخت
فریدِ منفردِ از ماسوی اللہ　　سراسر سرِّ حق را سرش آگاہ
طبیب دردِ دلہائے شکستہ　　شکست رنگہا زو رنگ بستہ
لبِ گل برگِ او بادِ نسیم است　　کفِ صد برگ او ابرِ کریم بخش
تبسّم ابتسام غنچۂ دل　　تکلّم انفتاح عقدۂ مشکل
اگر بہ سنگ نظرش جلوہ گر شد　　گہر شد لعل شد یاقوت تر شد
زبہرِ گمرہاں خضرِ زماں است　　چہ گویم خضر کو قطبِ جہاں است
گلستانِ حقائق را نہالے　　وجودش یا مگر طوبیٰ مثالے
زمین زیرِ نگینِ نقش نامش　　بدیں گردندگی افلاک رامش
بہ بخشش گوئے از عالم ربودہ　　بجودش نامِ حاتم طے نمودہ
کفِ دستش سحابِ فضلِ باری　　وزو صد چشمۂ امید جاری
ازو روشن دلاں نزدیک وہم دور　　شدہ پُر نور چوں لُولُوئے منثور
ازاں جملہ دُرِ درج طریقت　　ہمایوں اختر بُرجِ حقیقت
عمر خاں آنکہ شاہد شاہد اوست　　چو شاہد خلق و خلقش جملہ نیکوست
زباں در وصفِ خواجہ چو کشاید　　چو بلبل بر گلِ تازہ سراید
بہ یُمنِ نغمۂ فرخندۂ بلبل　　زفیضِ التفاتِ لطفِ ایں گل
عنایت کن کریم بے نور را　　گرامی نعمتِ وصلِ دل آرا

مقبوس ۱۴۵ بوقت زوال روز یکشنبہ ۱۰ شوال سال مذکور

زمین گول ہے

احقر نے تصحیح کے لئے مقابیس پیش کئے۔ حضرتِ اقدس لفظ بلفظ سن کر مطمئن ہوئے۔ اس کے بعد کسی نے دریافت کیا کہ اس جگہ سے جہاں ہم بیٹھے ہیں زمین مشرق کی طرف زیادہ ہے یا مغرب کی طرف۔ حضرت اقدس نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین کو جس طرح تم جانتے ہو میں نہیں جانتا۔ میں یہ جانتا ہوں کہ جس جگہ انگلی رکھو وہی اس کا وسط ہے۔ اس وجہ سے کہ زمین ایک کرۃ کی شکل ہے (یعنی گول ہے) اگر بالفرض ایک آدمی یہاں سے مغرب کی طرف روانہ ہو جائے اور دوسرا مشرق کی طرف جائے تو رفتہ رفتہ دونوں کی ملاقات ہو جائے گی لیکن تم زمین کو مسطح (ہموار) جانتے ہو۔ لہٰذا تمہارے جاننے میں اور میرے جاننے میں بہت فرق ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ملک امریکہ ہمارے نیچے ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس وقت امریکہ میں غروب ہوتا ہے اور ہمارا غروب ان کا طلوع ہے۔ ہمارے ہاں جب دن میں دوپہر کا وقت ہوتا ہے امریکہ میں آدھی رات کا وقت ہوتا ہے اور ہماری آدھی کے ان کا نصف النہار ہوتا ہے۔

زمین کا قطر اور محیط

اس کے بعد فرمایا کہ زمین کا قطر آٹھ ہزار میل ہے اور محیط پچیس ہزار میل۔ اس کے بعد فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا معاملہ کوئی نہیں جانتا۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے۔ اس کمرے میں کہ جس میں ہم بیٹھے ہیں کئی ہزار جہان آباد ہیں۔[1]

---

[1] آپ کا یہ فرمانا کہ اس کمرے میں کئی ہزار جہان ہیں۔ بالکل صحیح ہے۔ عرفاء کا قول ہے کہ مقامِ توحید میں مکان و زمان کی قید ختم ہو جاتی ہے اور ہر جگہ ہر چیز ہوتی ہے۔ لہٰذا بہشت بھی

(باقی اگلے صفحہ کے نیچے)

اس کے بعد حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ قبلہ یہ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گذرے ہیں اور ان کی امتیں کون کونسی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے انوار موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بعض انبیاء علیہم السلام کی امتیں موجود ہیں۔ چنانچہ مسلمان حضرت محمد مصطفٰے صلعم، نصاریٰ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی امت ہیں۔ یہودی حضرت موسےٰ علیہ السلام اور مجوسی (آتش پرست) زرتشت کی اُمت میں سے ہیں۔ ہندو کرشن جی صاحب کی اُمت ہیں۔ اور چین ماچین کے لوگ بدھ جی کی اُمت ہیں۔

ملفوظ ۱۴۶ بوقت زوال روز پنجشنبہ ۱۴ شوال سال مذکور

نہایت مقام فقراء اولیاء کرام کے آخری مقام کا ذکر ہو رہا تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ مقام فقر و ولایت کی انتہا حیرت ہے۔ بعض کے نزدیک توحید آخری مقام ہے۔[1]

(گذشتہ سے پیوستہ) یہیں ہے، دوزخ بھی یہیں ہے۔ عالم ملکوت بھی یہیں ہے۔ عالم جبروت اور عالم لاہوت بھی یہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے اور تمام ارواح بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ سارا جھگڑا امکان و زمان ہے۔ لامکان میں ہر چیز ہر جگہ ہے۔

[1] ولایت کے انتہائی مقام کے متعلق اختلاف صرف نزاعِ لفظی ہے حقیقی نہیں ہے۔ زیادہ تر یہ اختلاف طائفہ جنیدیہ اور طیفوریہ یعنی حضرت بایزید بسطامی کے گروہ کے درمیان رہا ہے۔ طیفوری کہتے ہیں کہ فنا آخری مقام ہے جس میں حیرت ہی حیرت ہے۔ جنیدی کہتے ہیں کہ بقا باللہ آخری مقام ہے جہاں سالک فنا کی محویت اور استغراق سے نکل کر دوئی میں آتا ہے اور صوم وصلوٰۃ کے علاوہ دیگر فرائض منصبی ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے اور یہی

(باقی اگلے صفحے پر)

مقام ذات میں کرامات کا ظہور کم ہوتا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ جو ولی اللہ آخری مقام (یعنی فنا فی اللہ) پر پہنچ جاتے ہیں اُن سے تصرفات ترک ہو جاتے ہیں

(گذشتہ سے پیوستہ) امتیازی شان ہے۔ امت محمدیہ کی کیونکہ دوسرے مذاہب میں مقام فنا میں ہمیشہ کے لئے رہ جانا بشریت کا آخری مقام ہے۔ لیکن اُمّت محمدیہ میں بشریت کا عروج فنا کی مستی سے نکل کر عبدیت اور دوئی کے مقام عود کرنا ہے۔ اس مقام کے متعلق حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ کے کلام (توڑیں جو دریا نوش ہیں۔ پُرجوش بھی خاموش ہیں۔ اسرار دے سرپوش ہیں۔ صامت رہن ماریں نہ بک) کا اشارہ ہے۔ یعنی فنائیت کی سرمستیوں کے باوجود وہ مقام تلوین میں نہیں ہوتے بلکہ ان کا مقام تکوین ہوتا ہے اور نہایت صبر و استقلال کے ساتھ رہ کر تمام فرائض منصبی ادا کرتے ہیں۔ جو حضرات فنائیت کے استغراق میں مست رہتے ہیں۔ ان کو تصوف کی اصطلاح میں ابن الحال کہا جاتا ہے لیکن جو استغراق اور محویت سے نکل کر دوئی اور کثرت میں واپس آجانے کی قوت رکھتے ہیں ان کو ابو الحال کہتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صامت رہن مارن نہ بک یعنی انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی کے نعرے نہیں لگاتے۔ یاد رہے کہ جو گروہ صوفیا توحید اور فنا کو آخری مقام قرار دیتا ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ بقا باللہ اور عبدیت یعنی دوئی کے مقام سے محروم نہیں ہوتے بلکہ ضرور ہوتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ علمی بحث میں گروہ جنیدی نزول کو بلند ترین مقام قرار دیتے ہیں اور طیفوری حضرات اگرچہ بقا باللہ سے بہرہ ور ہوتے ہیں لیکن علمی مباحث میں فنا کو آخری مقام قرار دیتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ نزول اور بقا باللہ یا فرق بعد میں جمع تو نیچے اتر آنے کا نام ہے۔ بلند مقام تو وہی عروجی کیفیت ہی رہا۔ غرضیکہ یہ نزاع لفظی ہے حقیقی نزاع نہیں ہے۔

اور کرامات ظاہر نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین سے کرامات کا بہت کم ظہور ہوا ہے۔ لیکن چونکہ حضرت فاروق اعظمؓ کے مزاج میں قدرے جلال تھا۔ ایک دفعہ آپ سے یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ قیصر روم کو آپ نے بیوقوف بنایا۔ دوسری کرامت آپ یہ ظاہر ہوئی کہ مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے ہوئے دور دراز ممالک میں اسلامی فوج کی نقل وحرکت دیکھ کر "یا ساریۃ الجبل الجبل" (اے ساریہ پہاڑ کو لازم پکڑو) کا حکم صادر فرمایا۔ یہ کرامت کتب حدیث میں بھی آچکی ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ مہمان بہت تھے اور طعام قلیل تھا۔ لیکن انہوں نے کھانا شروع کیا تو سب سیر ہو گئے اور اُسی طرح باقی تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے تیرے طعام میں برکت دی ہے۔

کشف و کرامات مقام صفات سے ہے

اس کے بعد فرمایا کہ جب ولی اللہ ولایت کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو تجلّی ذات میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ وہاں تصرفات اور کشف و کرامات بند ہو جاتے ہیں۔ تصرفات اور کرامات کا ظہور یعنی غیب کی چیزوں سے مطلع ہونا وغیرہ تجلّی صفات کی وجہ سے ہوتا ہے اور مقام صفات، مقام ذات سے نیچے ہے۔ چنانچہ واقعہ مشہور ہے کہ فیروز شاہ (تغلق) بادشاہ دہلی اولیاء اور فقراء کا معتقد تھا خاص کر وہ مخدوم العالم حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ کا بے حد عقیدت مند تھا۔ ایک دفعہ وہ حضرت شیخ کو اپنے ہمراہ ہانسی لایا۔ ہانسی پہنچ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ، حضرت مولانا قطب الدین منورؒ سے ملاقات کی خاطر اُن کے ہاں تشریف لے گئے۔ دونوں بزرگ یکجا بیٹھے تھے کہ قاصد نے آکر بتایا کہ بادشاہ ملاقات کے لئے آرہا ہے۔ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ نے اس خیال سے کہ بادشاہ کے آنے سے مخلوقات کا ہجوم ہو جائے گا۔ حضرت خواجہ قطب الدین منورؒ

سے اجازت چاہی لیکن انہوں نے اجازت نہ دی۔ لیکن پھر بھی آپ اُٹھ کر روانہ ہو گئے۔ راستے میں بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں اس نیت سے آیا ہوں کہ دونوں بزرگان یکجا بیٹھے ہیں۔ دونوں کی یکجا زیارت سے دُگنی برکت ہو گئی۔ آپ واپس چلیں۔ چنانچہ بادشاہ کے مجبور کرنے پر آپ واپس آ گئے اور دونوں بزرگان ایک ہی سجادہ پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ بھی شریک رہا جب مجلس برخاست ہوئی تو مولانا قطب الدین منورؒ نے فرمایا کہ مخدوم عالم اب الوداع۔ بادشاہ نے عرض کیا کہ "اب" کے کیا معنیٰ؟ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ نے فرمایا کہ آپ کے آنے سے پہلے میں نے ان کو الوداع کہا تھا لیکن انہوں نے مجھے الوداع نہیں کہا تھا۔ کیونکہ آپ کو روشن ضمیری سے معلوم ہو گیا تھا کہ میں نے واپس آجانا ہے۔ اس لئے دوسری ملاقات کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب الوداع۔ بادشاہ نے عرض کیا کہ اُن کو دوسری ملاقات کا کیسے علم ہو گیا اور آپ کو یہ علم کیوں نہ ہوا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ ان کی ولایت ہے اور ہر شخص اپنی ولایت کو خوب جانتا ہے۔ چونکہ بادشاہ کے معیار کے مطابق یہ جواب کافی تھا وہ سن کر خوش ہوا۔ لیکن جب سید محمد جعفر مکیؒ نے جو حضرت مخدومؒ کے مریدانِ خاص میں سے تھے خلوت میں وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ تجلی ذات میں تھا۔ مجھے عالم غیب کے واقعات کا کوئی علم نہ تھا اور مولانا قطب الدینؒ تجلی صفات تھے۔ ان کو اخبار و واقعات جہان کا پورا علم تھا[1]۔

---

[1] اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ ہے۔ مفسرین قرآن حیران ہیں کہ ایک نبیٔ وقت کس طرح ایک ولی کے زیرِ ہدایت کام کر سکتا ہے جیسا کہ سورۃ کہف میں درج ہے۔ لیکن اولیائے کرام یہی جواب دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام ذات میں تھے اور حضرت خضرؑ مقامِ صفات میں۔ اس لئے ان سے کشف و کرامات صادر ہوتے تھے۔ لیکن حضرت موسےٰؑ اُن سے جھڑکیاں کھا رہے تھے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر (باقی اگلے صفحہ کے نیچے)

سیرتِ خلفاء حضرت سلطان الاولیا

اس کے بعد حضرت سلطان الاولیاء قدس سرہٗ کے خلفاء کی سیرت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ خلیفہ میاں احمد یار نے کہا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سلطان الاولیاء کے خلفاء میں سے خلیفہ شرف الدین صاحب پرارویؒ کی طرح کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا خان بیلہ سے گذر ہوا۔ عصر کا وقت تھا۔ آپ نے نماز مولوی سلطان محمود صاحب کے مکان پر ادا کی اور مولوی صاحب سے رخصت ہو کر چاچڑاں کی طرف روانہ ہوئے مولوی صاحب نے ہرگز رات ٹھہرنے کی دعوت نہ دی۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ اب شام ہو گئی ہے، جانے کا وقت نہیں ہے۔ رات یہاں بسر کر کے صبح سویرے جا سکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ حیرت کی بات ہے کہ اس قدر شہنشاہ آپ کے گھر پر تشریف لائے ہیں اور آپ نے ٹھہرنے کی دعوت نہیں دی۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو گھر کے مالک تھے۔ کوئی گھر کے مالک کو بھی دعوت دیتا ہے کہ اپنے گھر میں ٹھہرو۔ گھر کے مالک کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے (کیا ہی اچھا اور صحیح جواب ہے سبحان اللہ اولیاء اللہ کا نقطۂ نظر کس قدر بلند ہوتا ہے۔)

(گذشتہ سے پیوستہ) جب حضرت موسےٰؑ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ میری بجائے میرے بھائی ہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا جائے تو علمائے ظاہر کے نزدیک یہ ایک قسم کی پہلو تہی نظر آتی ہے لیکن عارفین یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام ذات میں تھے اور حضرت ہارونؑ مقام صفات میں تجلی ذات کے استغراق و محویت کی وجہ سے انہوں نے حضرت ہارونؑ کو زیادہ موزوں سمجھا۔ لیکن آج کل جس بزرگ سے کشف و کرامات زیادہ ظاہر ہوں لوگ انہی کو زیادہ کامل سمجھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی ہے۔

اپنے بیٹے کو پیر کے بیٹے پر قربان کر دیا

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت قبلہ فخر الاولیاءؒ کے ایک آبلہ (پھوڑا) جدری پورے جوش سے نکل آیا اور تھوڑا سا ظاہر ہو کر سیاہ ہو گیا اور اندر کی طرف گوشت کھانے لگا۔ اس سے سب کو مایوسی ہوئی کیونکہ یہ بڑی مہلک چیز تھی۔ حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ بھی مغموم ہوئے۔ اس اثنا میں انہوں نے ایک مراسلہ خلیفہ شرف الدین پاروی کے نام لکھ کر خادم کو ان کے پاس بھیجا۔ خلیفہ صاحب مراسلہ پڑھتے ہی گھوڑے پر سوار ہو پڑے اور یہاں پہنچ گئے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فوراً پردہ کرایا اور ان کو حویلی کے اندر روانہ فرمایا اور خود بدولت باہر آ کر بیٹھ گئے۔ جب خلیفہ صاحب حضرت فخر الاولیاءؒ کے سامنے بیٹھے تو ان کو معلوم ہو گیا کہ زندگی سے مایوسی ہے اور عوض دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں بیٹھے ہوئے اپنے فرزند میاں نشر الدین کو جو ایک صالح عالم تھے حضرت فخر الاولیاءؒ کے عوض دے دیا اور اٹھ کر واپس آ گئے۔ چونکہ حضرت محبوب الٰہی باہر سخت منتظر بیٹھے تھے، آپ نے ان کو دیکھتے ہی پوچھا کہ کیا حال ہے۔ خلیفہ صاحب نے کہا کہ اگرچہ زندگی سے مایوسی تھی لیکن اب تسلی کریں سب خیریت ہے۔ اس کے بعد حضرت فخر الاولیاءؒ کو شفا کامل ہو گئی اور میاں نشر الدین تپ دق میں مبتلا ہو گئے۔ وہ روزانہ اپنے والد بزرگوار سے عرض کرتے تھے کہ علاج کرائیں۔ شفقتِ پدری کی وجہ سے آپ کوئی نہ کوئی علاج کرتے تھے اور گاہے بگاہے کوئی تعویذ اور دعا بھی دے دیتے تھے۔ آخر ایک رات حضرت خواجہ بزرگ خواجہ اجمیری قدس سرہٗ نے خواب میں فرمایا کہ بابا نشر الدین تمہارے والد نے یہ معاملہ کیا ہے۔ تمہارے والد کے شیخ زادے بیمار ہیں۔ اور تمہاری زندگی ان کے عوض دے دی ہے۔ میاں نشر الدین نے بیدار ہو کر اپنے والد کو خواب کا حال بتایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے پسرِ نیک اختر شکر بجا لاؤ کہ تم اپنے مالک کے کام آ گئے ہو۔ اس سے وہ بھی راضی ہو گئے اور جان دینا

منظور کر لیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعض اوقات کامل اولیاء کرام کے ساتھ یہ اتفاق ہو جاتا ہے کہ عوض دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ اپنی عبادت اور اعمال پہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ محض فضل ربّی اور اس کی رحمت کام آتی ہے۔ اگر ہم عوام الناس ایمان سلامت لے جائیں تو بڑی غنیمت ہے

حضرت جنیدؒ دو رکعت تہجّد کی وجہ سے بخشے گئے

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ جنید کتنے بڑے بزرگ ہیں لیکن وصال کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھکر پوچھا کہ حق تعالےٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے تو فرمایا کہ تصوف کی باتیں میرے کوڑی بھر کام نہ آئیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جنید ہم نے دو رکعت تہجد کی وجہ سے جو تم پڑھتے تھے تجھے بخش دیا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی کو تنبیہہ

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ابایزید بسطامی کس قدر ضرب المثل شیخ ہیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو حق تعالیٰ نے پوچھا کہ ابایزید ہماری جناب میں کیا لائے ہو۔ انہوں نے عرض کیا تو حق تعالیٰ سبحانہ کی توحید لایا ہوں۔ فرمایا کہ "اذکر لیلة اللبین" (دودھ کی رات یاد کر[1]) انہوں نے عرض کیا کہ خداوندا میں نے چالیس سال روزہ رکھا ہے۔ آواز آئی کہ تم نے فلاں کام کیا تھا تمہارے روزے اُدھر گئے۔ عرض کیا خداوندا میں نے چالیس سال عبادت کی ہے۔ آواز آئی کہ تم نے فلاں کام کیا تھا ساری

---

[1] دودھ کی کا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات آپ نے دودھ پیا تو پیٹ میں درد پیدا ہوا کسی نے وجہ پوچھی تو آپ نے کہا کہ دودھ پینے سے درد پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم توحید کا دعویٰ کرتے ہو کیا یہ شرک نہیں ہے کہ بیماری میں دن اور تم یہ کہو کہ دودھ پینے کی وجہ سے بیمار ہوا ہوں۔

عبادت اس کے عوض گئی۔

حضرت خواجہ بزرگ کا وصال

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شمس العارفین خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ نے وصال سے پہلے اپنے صاحبزادگان کو حکم دیا تھا کہ جب میں اس دارِ فانی سے چلا جاؤں تو جب تک خواجہ قطب الدین اوشی نہ آئیں میری تجہیز و تکفین نہ کرنا۔ جب آپ کا وصال ہوا تو حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کو دہلی میں علم ہوگیا۔ آپ اس وقت روانہ ہو پڑے اور پانچویں دن اجمیر شریف پہنچتے ہی پہلے یہ پوچھا کہ میرے شیخ کا خاتمہ کس طرح ہوا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ اندر چل کر دیکھیں۔ جب آپ اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرتِ اقدس کی پیشانی مبارک پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے "حبیب اللہ مات فی حب اللہ" (یہ اللہ کا دوست ہے جس نے اللہ کی محبت میں جان دی ہے) اس سے حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ اس قدر خوش ہوئے کہ آپ کا جسم مبارک فربہ ہوگیا۔ اور اس قدر فربہ ہوا کہ جس دروازے سے آپ اندر گئے تھے۔ اس سے اب نکلنا دشوار ہوگیا۔ اس کے بعد آپ کی موجودگی میں تجہیز و تکفین ہوئی اور نماز جنازہ آپ نے پڑھائی۔

عیب جوئی سے پرہیز لازمی ہے

اس کے بعد عیب پوشی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آدمی کو چاہیئے کہ کسی کی عیب جوئی نہ کرے اور ہر شخص کے ساتھ نیک گمان رکھے اور آیۂ پاک ظن المومنین خیراً (مومنوں کا گمان نیک ہونا چاہیئے) پر عمل کرے۔ چنانچہ اگر کسی کو گناہ کا کام کرتا دیکھے تو غور سے نہ دیکھے[1] اور تحقیق نہ کرے بلکہ سرسری

---

[1] روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلعم کی خدمت میں کسی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ فلاں شخص مسجد میں زنا کر رہا ہے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ انہوں نے مسجد میں جا کر آنکھیں بند کر دیں اور واپس چلے آئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ علیؓ ماجرا کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور میری آنکھوں نے کچھ نہیں دیکھا۔

ڈال کر نکل جائے تاکہ تحقیق نہ ہو سکے۔ اگر کسی شخص کو کسی عورت کے ساتھ دیکھے تو یہ خیال کرے کہ اس کی اپنی بیوی ہوگی۔ لیکن تحقیقات نہ کرے۔ اگر تحقیق گناہ ہو جائے اور تاویل کی گنجائش نہ ہو تو معاملہ خدائے ستار و غفار کے سپرد کر دے اور کسی شخص کو رسوا اور خوار نہ کرے اور لوگوں کے سامنے اس کا راز فاش نہ کرے۔ بلکہ پردہ پوشی سے کام لے۔ اگر کسی شخص کو بھنگ نوشی کرتا دیکھے تو یہ خیال کرے کہ شاید تخم خربوزہ یا کوئی اور چیز رگڑ کر پی رہا ہے۔ تحقیق کی کوشش نہ کرے۔

مقبوس ۱۴۷ بوقت زوال روز شنبہ ۱۸ شوال ۱۳۱۷ھ

اہلِ نسبت

احقر نے عرض کیا کہ حضور اہل نسبت کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تحقیق توحید علمی کو جو توحید کا دوسرا مرتبہ ہے نسبت کہتے ہیں اور صاحب نسبت وہ شخص ہے جس پر یہ نسبت متحقق ہو چکی ہے۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور اگر کوئی شخص کافی مدت تک اس نسبت کے ساتھ متحقق رہا ہے اور پھر کسی وجہ سے وہ نسبت زائل ہو گئی ہو تو کیا اس کو اس سابقہ نسبت کی وجہ سے صاحب نسبت کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا بیشک تم درست کہتے ہو کہ بشریت کے سبب اس نسبت کا تحقق اور زائل ہو سکتا ہے۔ لیکن میرا دل کہتا ہے کہ تحقق کے بعد نسبت زائل نہیں ہوگی۔ اس وجہ سے بزرگوں نے کہا کہ العارف یزنی ولا ینسیٰ (عارف سے زنا ہو سکتا ہے لیکن یادِ حق سے محروم نہیں ہو سکتا) اس پر حسن علی شاہ احمد پوری نے دست بستہ عرض کیا کہ قبلہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ کس طرح ہے۔ آپ نے فرمایا کہ زنا کا واقع ہونا عارف سے محال ہے۔ لیکن حق تعالیٰ سے بُعد اور دوری اور یادِ حق سے نسیان عارف کے لئے زنا سے بھی محال تر ہے حتیٰ کہ اگر عارف کو زنا اور نسیان کے درمیان اختیار دیا جائے کہ ایک کو پسند کرو تو عارف زنا کو اختیار کرے گا اور

نسیان و غفلت کو روا نہیں رکھے گا۔ پس جس طرح عارف سے زنا محال ہے۔ نسیان از یادِ حق محال تر ہے اور عارف سے کبھی واقع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ عبارت العارف یَزْنِیْ فَلا یعنی جواب بتعلیق محال ہے۔

مقبوس ۱۴۸ بوقت ابتدائے ظہر روز پنجشنبہ ۱۲ شوال ۱۳۱۷ھ

حضرت اقدس کی فراخ دلی

اُس وقت حضرت اقدس نے دلاور خان غوری کو جو خادم توشہ دار تھے فرمایا کہ جو سنگترے بمبئی سے آئے ہیں نیز سیب، پیوندی بیر اور کیلے لاؤ۔ خادم مذکور نے تمام میوہ جات لا کر پیش کئے۔ حضرت اقدس نے ایک سنگترہ اٹھا کر سونگھا اور اس کی خوشبو سے مسرور ہو کر فرمایا کہ پھلوں کی خوشبوؤں میں سے دو چیزوں کی خوشبو مجھے زیادہ پسند ہے۔ ایک خربوزہ کی خوشبو سبحان اللہ سبحان اللہ! دوسری سنگترہ کی۔ اس کے بعد آپ نے ایک سنگترہ اٹھایا۔ اس کا چھلکا الگ کر کے سونگھا اور حاضرین مجلس کو دیدیا۔ خود تناول نہ فرمایا۔ ایک سنگترہ آپ نے صرف زبان مبارک سے چکھا اور ایک کیلے سے کھجور کے برابر حصہ توڑ کر تناول فرمایا اور خادم کو حکم دیا کہ ان تمام پھلوں کو چھری سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حاضرین مجلس میں تقسیم کر دو۔ جو لوگ دانتوں سے محروم ہیں۔ ان کو سخت چیز نہ دینا بلکہ ان کو نرم چیزوں سے دو حصے ملنے چاہئیں اس کے بعد ایک طالب علم کو مشکوٰۃ شریف کا درس دیا۔ ایک حدیث شریف میں اس بات کا ذکر آیا کہ جو شخص یہ کہے کہ میں نے خواب دیکھا۔ لیکن خواب نہیں دیکھا بلکہ جھوٹ بول رہا ہے تو اس پر عذاب ہوگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت قبلہ سلطان الاولیاء فرمایا کرتے تھے کہ "کاذب الرویا" (جھوٹا خواب بیان کرنے والے) نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور بہتان باندھا ہے۔

جلد چہارم تمام شد

مقبوس ا بوقت اشراق بروز دوشنبہ ۲۲ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۸ھ

آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں

حضرت اقدس، میاں نور الصمد بن مولوی غلام رسول کو باب مناقب علی رضی اللہ عنہ سے مشکوٰۃ شریف کا سبق دے رہے تھے، جب یہ حدیث پڑھی گئی : عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لا نبی بعدی۔

مقام علی رضہ

حضرت اقدس نے یوں ترجمہ کیا : "روایت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ سے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضہ سے فرمایا کہ تم میرے لئے بمنزلہ ہارون علیہ السلام ہو، حضرت موسٰی علیہ السلام کی طرح۔ لیکن تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" یعنی تمہارے اور میرے درمیان یہی ہے کہ میں نبی اور رسول ہوں، تم نبی نہیں ہو یعنی نبی تمہیں نہیں کہا جا سکتا کیونکہ دائرہ نبوت مجھ پر ختم ہو چکا ہے ورنہ نبوت و رسالت کے علاوہ میرے تمام کمالات تمہارے اندر موجود ہیں[1]۔

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی : عن عمران بن حصین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان علیا منی وانا منہ وھو ولی کل مومن رواہ ترمذی۔ حضرت اقدس نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا : "فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تحقیق علی مجھ سے ہے اور میں علی سے، یہ اشارہ ہے حضرت علی رضہ کی فنا کا حضور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں ذاتاً و فعلاً و صفاتاً اور علی رضہ ہر مومن کے دوست اور محب ہیں۔"

---

[1] بعض علما نے اس حدیث کا یہ مطلب لیا ہے کہ حضرت علی رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی قدر معاون و مددگار ہیں جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسٰی کے تھے۔ فرق یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور حضرت علی نبی نہیں۔

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی : عن حبشی ابن جنادہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی منی وانا من علی ولا یودی عنی الا انا او علی ۔ اس حدیث کا حضرت اقدس نے یوں ترجمہ کیا : "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی رضؓ مجھ سے ہے اور میں علی رضؓ سے ہوں اور کوئی ادا نہیں کرتا ادا کرنے کی چیز میری طرف سے سوائے میرے یا علی رضؓ کے۔"
آپ نے فرمایا کہ اس حدیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب کے ساتھ عہد پیمان کر رکھا تھا لیکن مشرکین نے عہد شکنی کی، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ تم بھی مشرکین کے ساتھ وہی سلوک کرو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ برأت میں سے چند آیتیں جو نقض عہد کے تحت ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے کر حج کے لئے بھیجا اور امیر حج مقرر فرمایا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دوبارہ وحی نازل ہوئی کہ اس حکم کی تعمیل سوائے آپ کے یا حضرت علی رضؓ کے اور کوئی نہ کرے۔ اس پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب ان کے مابین عہد شکنی اور صلح کے متعلق کوئی اختلاف واقع ہوتا تھا تو سید، امیر یا رئیس کے سوا یہ جھگڑا کوئی نہیں چکاتا تھا یا وہ شخص فیصلہ کر سکتا تھا جو ان کا قریبی رشتہ دار ہوتا تھا۔ دوسرے کسی آدمی کو قبول نہیں کیا جاتا تھا اور چونکہ حضرت ابوبکر رضؓ قرابت اور رشتہ داری میں حضرت علی رضؓ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بعید تھے اس وجہ سے کہ حضرت علی آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا سلسلہ چھٹی پشت پر آنحضرتؐ کے اجداد سے جاملتا تھا۔ یعنی حضرت ابوبکر بن عثمان ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ، اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : علی منی وانا من علی ولا یودی عنی الا انا او علی
اور یہ قول دو وجوہات کی بنا پر ہے۔ ایک حضرت علی رضؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں فانی ہونے کی حیثیت سے دوسرے قرابت اور خویشی کے اعتبار سے۔ اس لئے آپؐ نے حضرت علی رضؓ کو بلا کر مشرکین کے نقض عہد اور دیگر احکام سے مطلع فرمایا اور حضرت ابوبکر رضؓ کے پیچھے بھیجا جب حضرت علی رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے نقض عہد کا معاملہ اور دیگر احکام حضرت علی رضؓ کے سپرد کر دیے۔ حضرت علی رضؓ نے یوم نحر عقبہ کے نزدیک ان لوگوں کے سامنے سورۂ برأت

کی آیات تلاوت کیں اور جس کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مامور تھے، سرانجام دیا۔

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: عن ابن عمر قال قال اخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ فجاء علی تدمع عیناہ فقال اخیت بین اصحابک ولم تواخ بینی و بین احد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت اخی فی الدنیا و فی الآخرۃ رواہ ترمذی۔ حضرت اقدس نے اس حدیث کا یوں ترجمہ کیا: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اس حالت میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اپنے اصحاب میں اخوت کا رشتہ قائم کیا ہے لیکن میرے لئے کوئی بھائی مقرر نہیں فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی تو میرا بھائی ہے دنیا و آخرت میں۔ یہ کیا مناسبت ہے کہ تجھے کسی اور کی برادری میں دوں، تو میری برادری کے قابل ہے۔

مدینۃ العلم کا مطلب!

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا دار الحکمت و علی بابہا۔ رواہ ترمذی۔ اس حدیث کا حضرت اقدس نے یوں ترجمہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حکمت کا محل ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ انا مدینۃ العلم و علی بابہا یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ دار اور مدینہ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود ہے اور حکمت و علم سے مراد نبوت اور ولایت محمدی ہے کیونکہ تمام اسرار و رموز اور کمالات ولایت حضرت علی کی طرف سے جو دروازہ کی مانند ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ کسی شہر یا سرائے سے کوئی چیز باہر نہیں آتی سوائے دروازہ کے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام اولیاء اللہ کے ولی اور پیر ہیں اس وجہ سے کہ تمام روحانی سلاسل کے منبع و مصدر اور منتہا آپ ہیں۔ اگرچہ دیگر صحابہ کرام مثل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی سلسلے جاری ہوئے ہیں لیکن پھر وہی سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی جاری ہوئے ہیں۔

حضرت علی کو دشنام دینے والا کافر ہے

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: من سب علیا فقد مستنی ۔ حضرت اقدس نے اس کا یُوں ترجمہ کیا: "جو شخص حضرت علی رضؓ کو گالی دیتا ہے مجھے گالی دیتا ہے۔" حضرت اقدس نے فرمایا جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے، کافر ہو جاتا ہے۔ چونکہ خارجی لوگ حضرت علی رضؓ کو گالی دیتے ہیں اس لئے کافر ہیں۔

حدیث من کنت مولا کی تشریح

اس کے بعد ایک اور حدیث پڑھی گئی جس کا عربی متن طویل ہونے کی وجہ سے یہاں نہیں دیا گیا، ترجمہ اردو جو حضرت خواجہ صاحبؒ نے کیا، یہ ہے: "روایت ہے حضرت برار رضی اللہ عنہ بن عادب اور زید بن ارقمؓ سے جن کا شمار اصحاب کبار میں ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد مقامِ غدیر خم پر منزل فرمائی تو حضرت علی رضؓ کا ہاتھ پکڑ کر صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے مَیں مومنین کو ان کی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوں، انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ مَیں ہر مومن کو اس کی جان سے زیادہ عزیز ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! اس کے بعد فرمایا کہ یا اللہ جس کسی کا مَیں مولا اور محبوب ہوں، علی بھی اُس کا مولا اور دوست ہے۔ یا اللہ جو شخص علی رضؓ کو محبوب رکھے، تو بھی اسے محبوب رکھ اور جو شخص علی رضؓ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ اور مدد کر اُس کی جو مدد کرے علی کی، اور مدد نہ کر اس کی جو مدد نہ کرے علی کی اور حق پہنچا علی رضؓ کو جہاں بھی وہ پہنچے۔ یہ حدیث سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علی رضؓ کو مل کر کہا کہ اے ابن ابی طالب مبارک ہو آپ کو کہ آپ نے صبح کی اور شام کی اور ہو گئے مولا اور محبوب ہر مسلم مرد اور مسلم عورت کے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت علی رضؓ کے حق میں اس حدیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ حجۃ الوداع سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو تین سو سوار کے ساتھ ملک یمن میں تبلیغ دین اور قوانین اسلام نافذ کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس وقت حضرت علی کی عمر پچیس سال تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف لے گئے تو حضرت

علی رضی اللہ عنہ بھی اسی وقت یمن سے واپس آکر سارا ماجرا کہہ سنایا اور عرض کیا کہ یمن کے لوگوں نے اسلام قبول کر کے بیعت کر لی ہے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ لیکن اس وقت ان کی جماعت کے چند آدمیوں مثل بریدہ سلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ نوجوان ہونے کی وجہ سے انھوں نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آئی۔ جب حج سے فارغ ہو کر آپ مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں غدیر خم کے مقام پر صحابہ کرام کو جمع کر کے اونٹوں کے پالان سے ممبر بنا کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر یہ حدیث شریف بیان فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان، مرتبہ اور اُن کے ساتھ درجۂ محبت سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیعہ لوگ اس حدیث شریف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت کرتے ہیں اور یہ حدیث ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اثبات میں بھی سب سے زیادہ قوی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں مولا کے معنی سید، سردار اور لائق امامت کے ہیں۔ بمطابق آنحضرت کے قول الست اولی بکم کے ’مولا کے معنی یہاں ناصر اور محبوب کے نہیں ہیں ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں صرف دعا کرنے کی خاطر صحابہ کرام کو جمع کرنے خطبہ دینے اور تاکید کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ تمام صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ لہٰذا اس قسم کی دعا دعوت اطاعت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا، لیکن ہم شیعوں کے اس قول کو مندرجہ ذیل وجوہات سے رد کرتے ہیں:

وجہ اول، شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت کرنے کے لئے متواتر حدیث کی سند کے باتفاق قائل ہیں۔ لیکن یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے، متواتر بالکل نہیں ہے۔ بخاری اور مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث میں اس کا نہ ہونا اور بعض ائمہ حدیث کا اس حدیث پر اعتراض کرنا بھی اس کی صحت کی نفی نہیں کرتا۔ لیکن اس حدیث کے متعلق شیعہ حضرات کا متواتر ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے بلاشبہ امامت کے لئے تواتر کی شرط قائم کی ہے۔ واذا فات شرط فات مشروط (جب شرط ہی نہ رہی تو مشروط یعنی جس کے لئے شرط لگائی جاتی ہے وہ بات بھی نہ رہی)۔

وجہ دوم، یہاں مولا کے معنی سید، سردار، حاکم اور لائق امامت کے نہیں بلکہ اس کے معنی ناصر اور محبوب کے ہیں۔ اس وجہ سے کہ لفظ مولا کے کئی معنی ہیں یعنی معتق و عتیق و متصرف فی الامر و ناصر و محبوب دیار، پس ان معنوں میں سے بلا دلیل کوئی معنی منتخب کر لینا درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ (یعنی غیر معتبر ہے)۔ لہٰذا مولا بمعنی امام، محمود، سید، سردار اور لائق امامت خلاف لغت و شریعت ہے اور مولا بمعنی ناصر و محبوب لغت اور شرع دونوں میں ثابت ہے اور حدیث مذکور کے قرینے سے بھی یہی معنی نکلتے ہیں۔ چنانچہ لفظ مولا کا مادہ لفظ والی از ولاء میں موجود ہے۔ کیونکہ والی مشتق ہے ولاء سے۔ جس کے معنی ہیں دوستی اور محبت، نہ کہ امامت و سیادت۔ پس من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے یہ معنی ہیں کہ جس کا میں محبوب اور دوست ہوں، علی بھی اس کا محبوب اور دوست ہے۔

وجہ سوم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنین کے سردار ہیں۔ حتّیٰ کہ آپ سید الانبیاء والمرسلین (نبیوں اور رسولوں کے سردار) ہیں۔ اگر حدیث کے معنی یہ لیے جائیں کہ جس کا میں سردار ہوں، اس کا علی بھی سردار ہے تو حضرت علی کی تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اور ترجیح ثابت ہوتی ہے اور یہ عقلاً و نقلاً صریحاً بطلان ہے کیونکہ ولی ہرگز نبی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ چہ جائیکہ ولی نبی سے افضل ہو۔ یہ بات متفق علیہ ہے (سب کا اس پر اتفاق ہے)۔ کہ صحابہ کرام اگرچہ مکمل و اکمل ہیں پھر بھی اولیاء اللہ ہیں۔ اس لئے اولیاء کی انبیاء پر فضیلت تو بجائے خود انبیاء کے ساتھ مساوات بھی صریحاً باطل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہاں مولا کے معنی محبوب۔ دوست اور ناصر کے ہیں نہ کہ امام اور سردار کے، لہٰذا حدیث: من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے معنی یہ ہوئے کہ جس شخص کا میں محبوب، ناصر اور دوست ہوں، علیؓ بھی اس کا محبوب اور دوست ہے۔ نیز اس حدیث کے وارد ہونے کی خاص وجہ اسی صحابی بریدہ اسلمی وغیرہ کا حضرت علی کے خلاف شکایت کرنا ہے۔ چنانچہ قرینۂ حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ یعنی صحابہ کرام کا جمع کرنا اور حضرت علی کا ہاتھ پکڑنا وغیرہ۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اُمت کے ہر مومن پر تمام صحابہ کرامؓ کی دوستی اور محبت منصوص علیہ ہے۔ (یعنی قرآن و حدیث سے ثابت ہے)۔ پس حضرت علی

کی یہ کیا کم فضیلت اور شرف ہے کہ تمام صحابہ کرام کے لئے ان کی محبت و دوستی فرض دی قرار دے دی گئی ہے اور اس شرف و فضل کی وجہ سے آپ تمام صحابہ کرام میں ممتاز و منفرد ہو گئے اس سے پہلے صحابہ کرام ایک دوسرے کو پیر بھائی سمجھتے تھے اور اپنے مابین صرف اسلامی اخوت کے قائل تھے اس حدیث کے ورود کے بعد تمام صحابہ حضرت علیؓ کو محبوب رکھنے پر مامور ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ حدیث سنتے ہی حضرت علیؓ سے ملاقات کی اور مبارکباد دی کہ اے ابن ابی طالب آپ ہمیشہ ہر مومن اور مومنہ کے دوست اور محبوب ہیں۔ اس سے بڑی فضیلت اور شرافت کیا ہو سکتی ہے۔

فضیلت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

اس کے بعد مناقب العشرہ میں سے سبق پڑھانا شروع کیا۔ جب یہ حدیث پڑھی گئی: عن قیس ابن ابی حازم قال رأیت ید طلحة شلاء وقی بها النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحد رواہ البخاری۔ حضرت اقدس نے اس حدیث کے یوں معنی بیان فرمائے: روایت ہے قیس بن حازمؓ سے جو اکابر تابعین میں سے ہیں اور بعض لوگ انہیں صحابہ کرام میں شمار کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت طلحہؓ کا ہاتھ دیکھا جو شل تھا (یعنی بے کار تھا) اور اس ہاتھ سے وہ جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کی مدافعت کر رہے تھے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ چونکہ جنگ اُحد میں کفار آنحضرت پر حملے کر رہے تھے، حضرت طلحہؓ نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنا رکھا تھا۔ حتیٰ کہ تیروں اور تلواروں کی ضربات سے آپ کا ہاتھ بیکار ہو چکا تھا۔ پھر بھی اس سے حملہ آوروں کے حملے روک رہے تھے اور حضرت سرکارِ دو عالم کی مدافعت کر رہے تھے۔ ان کا صرف ایک ہاتھ ہی زخمی نہیں ہوا تھا، سارا جسم زخموں سے چُور تھا۔ چنانچہ آپ کے جسم پر تراسی ۸۳ زخم شمار کئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود آپ آنحضرتؐ کے گرداگرد ڈھال بنے ہوئے تھے اور تیروں اور تلواروں کے زخم کھا رہے تھے۔ اسی لئے حضور نے فرمایا "الاحد لطلحة" (احد کا دن طلحہ کے لئے ہے)۔

فضیلت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

اس کے بعد ایک حدیث پڑھی گئی جس کا ترجمہ حضرت اقدس نے یوں کیا: روایت ہے

حضرت زبیرؓ سے، فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کون ہے جو یہودیوں کے قبیلہ بنی قریظہ (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برسرِ پیکار تھے) کی طرف جائے اور معلومات حاصل کر کے میرے پاس آئے۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں روانہ ہو گیا اور معلومات حاصل کر کے واپس آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فداک ابی وامی (میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں)۔ اس پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا، سبحان اللہ کیا شفقت ہے حضرت زبیرؓ پر اور اُن کا مرتبہ کتنا بلند ہے کہ صرف دشمنوں کے پاس جانے اور معلومات لانے پر جنابِ خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین فرما رہے ہیں: فداک ابی وامی

فضیلت حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

اس کے بعد ایک حدیث پڑھی گئی جس کا ترجمہ حضرت اقدس نے یوں فرمایا: روایت ہے حضرت انسؓ سے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر اُمت کے لئے ایک امانت دار ہوتا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق خلق میں خیانت نہیں کرتا اور اس اُمت کا امانت دار ابو عبیدہ بن جراحؓ ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ یعنی بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے۔ فرمایا کہ ابو عبیدہؓ کے حق میں یہ الفاظ معمولی نہیں ہیں۔

آیہ اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ کی تشریح

کیونکہ امانت سے مراد وہی امانت ہے جو قرآن شریف کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا۔ (شرح) ہم نے پیش کی امانت یعنی مرتبۂ جامعیت کہ اشارہ ہے صفاتِ ربوبیت و مربوبیت و حقیقت و خلقیت کی طرف آسمانوں پر یعنی عالمِ علوی یا فرشتوں پر اور زمین پر یعنی عالم سفلی پر اور پہاڑوں پر جس سے مراد وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے۔ لیکن تمام عالم علوی و سفلی نے یہ امانت برداشت کرنے سے انکار کر دیا بوجہ فتور و نقص و عدم قابلیت برداشت کے اور ڈر گئے تمام مظاہر سماوی و ارضی و جبال وغیرہم اس بارِ گراں سے اور اٹھا لیا اس امانت کو انسان نے بوجہ اس قابلیت اور استعداد کے جو اس کی فطرت میں ہے۔ تحقیق وہ اپنے نفس پر ظلم

کرنے والا ہے[1] مجاہدات اور ریاضاتِ شاقہ سے کچلنے والا ہے نفس کا بذریعہ موت کے اور فنا کرنے والا ہے اپنی ذات و صفات کو ذات و صفاتِ حق تعالیٰ میں اور فراموش کرنے والا ہے غیر حق اور ماسوی اللہ کو۔

فضیلتِ عشرہ مبشرہ

اس کے بعد اور حدیث پڑھی گئی، جس کا ترجمہ یہ ہے: روایت ہے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابوبکرؓ جنتی ہے اور عمرؓ جنتی ہے اور عثمانؓ جنتی ہے اور علیؓ جنتی ہے اور طلحہؓ جنتی ہے اور زبیرؓ جنتی ہے اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ جنتی ہے اور سعد بن ابی وقاصؓ جنتی ہے اور سعید بن زیدؓ جنتی ہے اور عبیدہ بن جراحؓ جنتی ہے۔ روایت کیا اسے ترمذی و ابن ماجہ نے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اسی حدیث سے عشرہ مبشرہ یعنی دس صحابہ کرام کا بہشتی ہونا ثابت ہے۔ عشرہ کے معنی ہیں دس اور مبشرہ کے معنی ہیں بشارت یافتہ، صیغہ مؤنث

---

[1] انہ کان ظلوما جہولا، سے علماء ظاہر انسان کا ظالم اور جاہل ہونا مراد لیتے ہیں جس سے انسان کی مذمت ظاہر ہوتی ہے لیکن درحاصل حق سبحانہٗ تعالیٰ انسان کی تعریف فرما رہے ہیں کہ جو امانت آسمانوں یعنی آسمان والے فرشتوں اور زمین اور پہاڑوں نے قبول نہ کی، وہ انسان نے قبول کر لی۔ یہ ستائش ہے نہ کہ مذمت۔ ظلوماً جہولاً کے معنی ظالم اور جاہل نہیں ہیں بلکہ بات یہ ہے بمصداق حدیث کنت کنزا مخفیا (میں مخفی خزانہ تھا مجھے خواہش ہوئی کہ پہچانا جاؤں اس لیے میں نے خلقت کو پیدا کیا) حق تعالیٰ ایک ایسا آئینہ پیدا کرنا چاہتے تھے کہ جس میں اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ کریں۔ چونکہ فرشتے سراپا نور تھے ان میں ذات و صفات باری تعالیٰ کے عکس کو قبول کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ زمین اور پہاڑ سراپا ظلمت ہونے کی وجہ سے آئینۂ حق نما بننے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ انسان چونکہ مجموعۂ روح اور جسم ہے اسکی ایک جہت نور تھی اور ایک جہت ظلمت، نور اور ظلمت یکجا ہونے کی وجہ سے حضرت انسان میں ذات و صفات باری تعالیٰ کے عکس قبول کرنے کی صلاحیت موجود تھی جسے قرآن نے ظلوماً جہولاً سے تعبیر کیا ہے۔ اس نے اس نے امانت قبول کر لی اور یہ امانت وہی ذات و صفات اللہ سے متصف ہو کر انی جاعل فی الارض خلیفہ کے مصداق خلافتِ ارضی اور نیابت حق کا منصب قبول کرنا تھا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اسی حقیقت یعنی استعداد خلافتِ ارضی کا معنی فرمایا ہے اور نہایت مناسب معنی ہے۔ علماء ظاہر نے جو معنے کئے اُس سے نہ تو تسکین ہوتی ہے اور نہ حقیقت سے انہیں کوئی مناسبت ہے۔

جمع کی وجہ سے ہے اور یہ دس اصحاب تمام قریشی ہیں لیکن اس کے باوجود جنت کی بشارت قریش کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اہلِ بیت نبوی اُز اولاد و ازواج مطہرات اور اُن کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کو بھی بشارت ملی ہے۔ جیسا کہ صحاح ستہ کی بہت سی احادیث سے ظاہر ہے۔ لیکن عشرہ مبشرہ کی فضیلت مخصوص ہے اور دوسروں کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ ان کے مراتب باقی تمام لوگوں سے زیادہ بلند ہیں۔

فضیلتِ صحابہؓ علی الترتیب

اس کے بعد فرمایا کہ یہ نص تفضیل کے ساتھ صحابہ کرام کی خلافت اور مراتب پر دلالت کرتی ہے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس قدر کسی کو قرب و منزلت تھی وہی علی الترتیب ظاہر کرتی ہے۔ اگرچہ صحابہ کرام کے مراتب و مدارج دوسری بے شمار احادیث میں موجود ہیں لیکن اس حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ دس صحابہ کرام کے مدارج ترتیب وار بیان کئے گئے چنانچہ پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، دوسرے حضرت عمرؓ، تیسرے حضرت عثمانؓ چوتھے حضرت علیؓ علی ہذا القیاس تمام صحابہ کرام بہشت میں بھی اسی ترتیب سے داخل ہوں گے۔

خلافتِ نبوت و خلافتِ ولایت

اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ تمام صحابہ کرام میں خلافت کی صلاحیت اور رُشد و ہدایت کی قابلیت موجود تھی لیکن خلفائے اربعہ (پہلے چار خلفاء) کی خلافت، خلافتِ نبوت ہے۔ باقی صحابہ کرام کی خلافت دُوسری قسم کی ہے۔ نیز ان چار خلفاء میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو خلافت نبوت خالصہ حاصل تھی بغیر فتنہ و فساد اور اختلاف کے۔ اس وجہ سے کہ ان کا زمانہ، زمانۂ نبوت کی طرح تھا۔ جس میں کفار کے ساتھ جنگ و جدال دعوتِ اسلام کی خاطر تھا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت اگرچہ بلاشک و شبہ خلافتِ نبوت ہے۔ لیکن ان کے عہدِ حکومت میں باہمی اختلاف اور فتنہ و فساد رُونما ہوگیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان حضرات کے درمیان جو اختلاف پیدا ہوا، ہر ایک کے اجتہاد کی وجہ سے تھا اور حضرت عثمانؓ کا شروع کا زمانہ خالص خلافتِ نبوت کے قریب تھا لیکن ان کی خلافت کا آخری زمانہ غیر خالص تھا۔ اس وجہ سے کہ پہلا فتنہ جو اہلِ اسلام میں رُونما ہوا، قتلِ حضرت عثمانؓ تھا۔ اس

کے بعد ہر طرف فتنہ کے دروازے کھل گئے۔

فضیلتِ صحابہ بلحاظِ متفرق صفات

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: روایت ہے حضرت انس سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اُمّت میں، میری امت کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ابو بکرؓ ہیں۔ سب سے زیادہ سخت عمرؓ، سب سے زیادہ شرم وحیا والے عثمانؓ، سب سے زیادہ قاضی (فیصلہ کرنے والے) علیؓ، سب سے زیادہ فرائض اور مواریث کے عالم زید بن ثابتؓ تجوید قرآن میں سب سے زیادہ ماہر ابی بن کعبؓ۔ احکام حلال وحرام میں سب سے زیادہ عالم معاذ بن جبلؓ اور ہر اُمّت کا ایک امین ہوتا ہے۔ اس اُمت کے امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔

فضیلتِ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی، روایت ہے حضرت قیسؓ بن حازم سے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں عرب میں پہلا آدمی ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر چلایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیا۔ ہمیں درخت کے پتوں کے سوا کوئی خوراک نہ ملتی تھی اور ہم میں سے جو شخص قضائے حاجت کے لئے جاتا تھا بکریوں کی مینگنیاں ظاہر ہوتی تھیں لیکن بنو اسد نامی قبیلہ نے میری شکایت کی نماز کے متعلق، اس مشقت اور حقوقِ صحبتِ نبوی اور علم کے باوجود بنو اسد مجھے ملامت کرتے ہیں اور احکامِ دین کی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اگر اب میں زیاں کار اور بے عمل ہو گیا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے میں نے کچھ نہیں سیکھا تو اب بنو اسد سے کیسے ہدایت حاصل کروں گا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ قصہ یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو حاکمِ کوفہ مقرر فرمایا تھا۔ وہاں کے رہنے والے قبیلہ بنو اسد نے حضرت عمرؓ کے ہاں شکایت کی کہ حضرت سعدؓ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے۔ اس سے حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کے پاس ناراضگی کا خط لکھا، جس سے حضرت سعدؓ کو بہت افسوس ہوا کہ قدیم الاسلام

ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ ہوں اور آنحضرت سے احکام دین کی تعلیم حاصل کی ہے اس کے باوجود بنو اسد میری مذمت کر رہے ہیں لیکن جب حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ احتجاج کیا تو انھوں نے فرمایا اے سعد تم سچ کہتے ہو اور حق بجانب ہو۔ بنو اسد نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ تم خاطر جمع رکھو اور اپنے کام میں مستحکم رہو۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا شمار اکابر صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے اور آپ کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت بلند ہے۔ چنانچہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا "یا اللہ! سعد کی دعا قبول فرما، جب تیری جناب سے دعا مانگے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لئے اپنے ماں باپ کو جمع نہ کیا سوائے حضرت سعد کے لئے۔ جنگ احد کے دن جب آپ نے فرمایا: فداك امي وابي (میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ "تیر پھینکو اے طاقتور بچے۔" اس وقت حضرت سعدؓ کی عمر سترہ سال تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت سعدؓ کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ "یہ میرے ماموں یعنی والدہ ماجدہ کے بھائی ہیں۔ اور کوئی شخص مجھے ان جیسا اپنا خالو دکھا دے۔" آنحضرت کا حضرت سعدؓ کو اپنا ماموں کہنا اسی وجہ سے تھا کہ حضرت سعدؓ قبیلہ بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور آپ کی ہمشیرہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ قبیلہ بنی زہرہ سے تھیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ جو حضرت علی کی حدیث میں آیا ہے کہ: ماسمعت النبي صلى الله عليه وسلم جمع ابويه لاحد الا لسعد بن مالك (نہیں سنا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کرتے ہوئے والدین کو سوائے سعد بن مالک کے لئے یوم احد میں)۔ یہ بات بطریق حصر آئی۔ اس کا حضرت زبیر والی حدیث سے تعارض لازم نہیں آتا۔ جس میں حضرت زبیرؓ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی الفاظ فرمائے ہیں۔ اس وجہ سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کے حق میں یہ الفاظ فرمائے تو شاید حضرت علیؓ اس وقت موجود نہ ہوں اور یہ بات انھوں نے نہ سنی ہو گی۔

ازواجِ مطہرات کی دلجوئی

اس کے بعد حضرت اقدس نے یہ حدیث پڑھائی: روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا، تم لوگوں کا معاملہ ایسا ہے کہ میں اس سے متفکر ہوں کہ میرے بعد تمہارا کیا حال ہوگا۔ لوگ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرینگے اور نان ونفقہ کی ذمہ داری قبول کریں گے یا نہیں، سوائے ان لوگوں کے جو صابر وصدیق ہیں۔ تحمل وشکیبائی، صدق وراستی اور ادائے حقوق اُن کا شیوہ ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ حدیث ازواجِ مطہرات کی دلجوئی اور غمگساری میں وارد ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کی دلجوئی اور غمگساری و خبرگیری کے بارے میں اظہار تفکر فرمایا اور ان کو اپنی ذاتِ شریف سے راضی فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام صابروں صدیقوں، صدقہ دینے والوں اور خیرات کرنے والوں پر چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ازواجِ مطہرات کی خاطر اپنا ایک باغ وقف کر دیا تھا جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جود وکرم

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی سخاوت میں بلند مقام رکھتی تھیں۔ جو کچھ آتا تھا ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھتی تھیں، سب راہِ خدا میں دے دیتی تھیں۔ ایک دن کسی نے آپ کی خدمت میں ستر ہزار درہم بطور نذر پیش کئے آپ نے فوراً یہ رقم غریبوں، مسکینوں اور یتیموں میں تقسیم کر دی۔ حالانکہ اس روز جو پیرہن آپ نے زیبِ تن فرمایا ہوا تھا، اُس پر کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایک خادمہ نے عرض کیا کہ بی بی آپ نے سب کچھ خیرات کر دیا ہے۔ اس قدر رقم باقی بھی نہ رکھی جس سے کہ ایک پیرہن ہی خریدا جا سکے۔ اُم المومنین نے فرمایا، تو نے اب یاد کیا، پہلے کیوں نہ کہا۔ دوسرے دن اتنی رقم کسی جگہ سے آئی، آپ نے وہ بھی خیرات کر دی۔ اس روز آپ کو روزہ تھا۔ جب کچھ باقی نہ رہا تو کنیز نے عرض کیا کہ بی بی آپ نے افطار کے لئے بھی کچھ نہ رکھا، اُس دن آپکو

روزہ تھا۔ ام المومنین نے وہی جواب دیا کہ پہلے کیوں نہ یاد دلایا۔

فضیلت جمیع خلفائے راشدین

اس کے بعد آپ نے یہ حدیث پڑھائی: روایت ہے حضرت علی رضؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدا رحمت فرمائے ابو بکر رضؓ پر کہ جس نے مجھے اپنی بیٹی عقد نکاح میں دی اور اپنی سانڈنی پر سوار کرا کے مجھے ہجرت کر کے مدینہ لائے، غارِ ثور میں میرا ساتھ دیا۔ جانفشانی سے میری خدمت کی اور بلال رضؓ کو اپنے مال سے خرید کر میری خدمت گذاری کے لئے دیا۔ رحمت کرے خدا عمر رضؓ پر جو کلمہ حق کہتا ہے خواہ وہ کلام تلخ کیوں نہ ہو ---- رحمت کرے خدا عثمان رضؓ پر، جس سے فرشتے بھی حیاو شرم کرتے ہیں اور رحمت کرے خدا تعالیٰ علی رضؓ پر۔ اے اللہ علی رضؓ کو اُس کا حق عطا کر جہاں بھی ہو۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیعہ اور رافضی تمام اصحابِ کرام علیہم الرضوان سے بغض اور دشمنی رکھتے ہیں خاص کر عشرہ مبشرہ سے۔

جنگِ خیبر اور شجاعتِ علی رضؓ

اس کے بعد جنگِ خیبر کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ چند ایام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ خیبر کے لئے روانہ ہوئے۔ شروع میں آپ نے چند قلعے فتح کر لئے۔ لیکن قلع قموص جو تمام قلعوں سے زیادہ مضبوط تھا، فتح نہیں ہو رہا تھا۔ چونکہ اس قلعہ کا سر کرنا مشیتِ ایزدی میں حضرت علی رضؓ کی قوت اور ولایت سے منسوب تھا۔ حضرت علی رضؓ بحکم سرورِ کائنات جھنڈا اُٹھا کر لشکرِ اسلام کے ساتھ قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ جب یہودیوں کے سردار اور بہادر جرنیل حضرت علی رضؓ کے ہاتھوں قتل ہو گئے تو باقی لوگ بھاگ کر قلعہ قموص میں پناہ گزیں ہو گئے۔ حضرت علی رضؓ ان کا تعاقب کر رہے تھے اسی اثناء میں ایک یہودی نے آپ کے ہاتھ پر ضرب لگائی جس سے آپ کے ہاتھ سے ڈھال گر گئی۔ ایک اور یہودی وہ ڈھال لے کر بھاگ گیا۔ اس سے آپ کو جوش آیا اور ایک جست لگا کر آپ نے خندق پار کر لی اور قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گئے آپ نے ایک لوہے کے دروازے کو اُٹھا کر ڈھال بنا لیا اور حملہ شروع کر دیا۔ آخر اہلِ قلعہ نے فریاد کر کے اور الامان الامان کے نعرے بلند کئے۔ قلعہ خیبر فتح ہو گیا اور یہودیوں کو امان دی گئی۔ امان کی شرائط کے مطابق وہ اپنے اموال، مکانات اور خزائن سے بے بہرہ ہو گئے۔ چنانچہ ان کا تمام مال

متاع مال غنیمت ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جب فتح و نصرت کے بعد حضرت علیؓ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کمال خوشی کی حالت میں اپنے خیمہ سے باہر آئے۔ حضرت علیؓ سے بغلگیر ہوئے اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ راضی ہوا خدا تعالیٰ تجھ سے اور راضی ہوا میں تجھ سے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس آہنی دروازہ کا وزن آٹھ سو من تھا۔ جنگ کے بعد جب آپ نے وہ دروازہ پھینک دیا تو ستر طاقتور جوانوں نے اُسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن نہ اٹھا سکے۔ حتیٰ کہ حضرت علیؓ خود دروازہ نہ اٹھا سکے بلکہ اُسے ہلا بھی نہ سکے اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ علیؓ نہ تھا، جبریل تھا بلکہ یہ بھی فرمایا یہ دروازہ اٹھانے والا علیؓ نہ تھا خدا تھا۔ راقم الحروف بندہ رکن الدین کہتا ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ مرتبہ قرب فرائض تھا جو عبارت ہے فنا فی ذات اللہ سے)

مقبوس ۲: بوقت اشراق بروز شنبہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ

آنحضرتؐ کی دعوت مباہلہ نصاریٰ کو

حضرت اقدس میاں نور احمد کو مشکوٰۃ شریف میں سے مناقب اہل بیت پر درس دے رہے تھے۔ یہ حدیث پڑھی گئی: روایت ہے سعد بن ابی وقاص سے، وہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ فمن حاجّك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا، الخ (جب اس کے بعد کوئی شخص آپ سے حجت کرے اس کے متعلق جو آپ پر نازل ہوا ہے، شریعت، طریقت و حقائق اشیاء و معارف خاتمیت نبوت میں سے پس آپ مخالفین اسلام سے کہیں کہ آؤ ہم اور تم اپنے بال بچوں اور بیویوں کو جمع کر کے مباہلہ کریں اپنی ذاتوں پر اور اپنے عزیزوں پر اور خدا تعالیٰ کی لعنت طلب کریں جھوٹ بولنے والے پر)۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت بی بی فاطمہؓ اور حضرت امام حسنؓ و حسینؓ کو بلا کر کہا کہ خداوندا یہ میرے اہل بیت ہیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے یہ فرمایا کہ اس آیت کو آیت مباہلہ کہتے ہیں۔ لفظ بہل کے معنی ہیں لعنت کرنا اور بد دعا کرنا ایک دوسرے کو۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ عرب کا دستور تھا کہ جب دو قبیلوں میں مخالفت ہوتی تو ایک دوسرے کو یہ کہتے تھے کہ لعنت ہو خدا کی اُس پر جو جھوٹا ہو۔ چنانچہ جب نجران کے نصاریٰ اور آنحضرتؐ کے مابین مجادلہ ہوا اور دن بدن جھگڑا بڑھتا گیا تو یہ آیتِ مباہلہ نازل ہوئی اور نصاریٰ کے ساتھ مباہلہ کا حکم صادر ہوا۔ پس آپ نے نصاریٰ کو بلا کر دعوتِ مباہلہ دی تاکہ حق حق اور باطل باطل ہو جائے۔ نصاریٰ رضامند ہو گئے اور وقت اور جگہ مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو گود میں اٹھایا۔ حضرت فاطمہؓ آپ کے پیچھے اور حضرت علیؓ ان کے پیچھے جا رہے تھے جب مقررہ مقام پر پہنچے تو آپ نے اپنے اہلِ بیت سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ ادھر نصاریٰ بھی اپنے بال بچوں کو لے کر پہنچ گئے۔ اس وقت قوم نصاریٰ کے بڑے پادری نے ان حضرات کی طرف دیکھ کر فریاد بلند کی کہ اے میری قوم، ہرگز ہرگز ان لوگوں سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے اور تمہاری بنیاد نکل جائے گی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان حضرات میں وہ طاقت ہے کہ اگر پہاڑ میں ہاتھ ڈالیں تو پہاڑ کو اکھاڑ پھینکیں گے۔ تمہاری کیا ہستی ہے کہ ان کا مقابلہ کرتے ہو۔ چنانچہ وہ مباہلہ سے عاجز اور اطاعت قبول کر کے جزیہ دینے پر رضامند ہو گئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو بندر اور خنزیر بن جاتے اور ایسی آگ آتی کہ ان سب کو جلا کر راکھ کر دیتی حتیٰ کہ ان کے درختوں کے پرندے بھی جل جاتے۔

حدیث آلِ عبا

اس کے بعد یہ حدیث شریف پڑھی گئی: روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے فرمایا کہ باہر آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح اس حالت میں کہ آپ نے منقش کمبل اوڑھ رکھی تھی۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آئے اور اس کے اندر داخل ہوئے۔ یعنی کملی میں)۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ آئیں اور داخل ہوئیں۔ اس کے بعد علیؓ آئے اور داخل ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم لوگوں سے رجس (نحوست) دور کر دے اور پاک کرے تم کو جو پاک کرنے کا حق ہے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اہلِ بیت میں عام طور پر یہی شمار ہوتے

ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اہلِ بیت میں یہ تین گروہ آتے ہیں۔ اوّل بیت نسب (خاندان) دوم بیت ولادت، سوم بیت نبوّت لیکن بیت ولادت باقی دو اقسام سے زیادہ مشہور ہے اور قرب میں زیادہ ممتاز ہے۔

اس کے بعد یہ حدیث پڑھائی

حضرت امام حسن رضؓ اور امیر معاویہ رضؓ کے مابین صلح کی پیشگوئی حدیث میں

گئی: روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرمایا کہ میں نے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے وعظ فرما رہے تھے اور حضرت امام حسن رضؓ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کبھی آنحضرتؐ لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی امام حسن رضؓ کی طرف۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا بیٹا سیّد (سردار ہے) اور امید ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب رحؒ نے فرمایا کہ دو گروہوں سے مراد ایک حضرت امام حسن رضؓ کا گروہ ہے اور ایک حضرت امیر معاویہ رضؓ کا، جن کے درمیان حضرت علی رضؓ کے وصال کے بعد اختلاف رونما ہوا تھا۔ بعض لوگ امام حسن رضؓ کے ساتھ تھے اور بعض امیر معاویہ رضؓ کے، لیکن سب سے زیادہ حقدار امام حسن رضؓ تھے۔ اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ: الخلافة بعدی ثلاثون سنة (میرے بعد خلافت تیس سال تک قائم رہے گی)۔ لیکن ابھی اس مدت میں سے پانچ سال باقی تھے کہ امام حسن رضؓ خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ سے اس لئے صلح کر لی کہ آپ اپنے نانا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر نہایت شفیق تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ ملکِ دنیا کی خاطر امت کا خون بہایا جائے۔ پس آپ نے ملکِ دنیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب رحؒ نے فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کو مسلمان کہا تو کسی مسلمان کے لئے یہ زیبا نہیں کہ امیر معاویہ رضؓ کے متعلق بدگمانی کرے ان کی بے ادبی کرے اور نامناسب کلام کرے۔ اس وجہ سے بھی کہ یہ صلح امام حسن رضؓ کی منشا پر تھی نہ کہ ظلم اور مجبوری سے۔

اس کے بعد یہ حدیث

رسولِ خدا کے نواسے کو شہید کرنیوالے حرم میں مکھی مارنے کی سزا پوچھ رہے تھے

پڑھی گئی: روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن نعیم رضؓ سے، اُنھوں نے فرمایا کہ مَیں نے سُنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہ ان سے عراق کے ایک آدمی نے حالتِ احرام میں مکھی مارنے کی سزا دریافت کی حالانکہ اہلِ عراق نے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر دیا تھا، جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ امام حسنؓ اور امام حسین رضؓ میرے دو پھُول ہیں۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضؓ خاتونِ جنّت کی شان میں ایک حدیث یہ ہے: "فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کے ساتھ سختی کی اُس نے میرے ساتھ سختی کی۔" فرمایا جب حال یہ ہے تو جن لوگوں نے امام حسینؓ کو شہید کیا اُن کا کیا حشر ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضؓ کے حق میں عطائے حکمت کی دُعا

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: روایت ہے حضرت ابن عباس رضؓ سے (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں)، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے راضی اور خوش ہو کر سینے سے لگایا اور دعا کی کہ اے اللہ اسے حکمت عطا کر۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ خداوندا عطا کر اس کو علم تفسیر کتاب (قرآن)۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کے جو رموز اور حقائق، حضرت ابن عباس رضؓ نے بیان فرمائے ہیں، کسی نے کم ہی بیان کئے ہوں گے۔

حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ کی شان

اس کے بعد یہ حدیث پڑھائی: روایت ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑا اسامہؓ بن زید رضؓ اور امام حسن رضؓ کو اور دعا کی کہ اے اللہ ان دونوں کو محبوب رکھ۔ کیونکہ مَیں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ حضرت اسامہ رضؓ حضرت زید رضؓ کے بیٹے ہیں اور حضرت زید حارث کے بیٹے ہیں۔ حضرت زیدؓ بن حارث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ آپ ان پر بے حد شفقت فرمایا کرتے تھے اور ان کو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ اس وجہ سے لوگ ان کو حِبّ رسول اللہ

کہا کرتے تھے۔ حِبّ بمعنی محبوب۔ حضرت اسامہؓ اگرچہ سیاہ فام بچے تھے لیکن ان کے والد (زیدؓ) آنحضرتؐ کے محبوب بیٹے بن چکے تھے۔ اس لئے ان کے ساتھ آپ کی اس طرح محبت تھی یہاں تک کہ حضرت امام حسنؓ کے برابر کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ کی شان بہت بلند ہے۔ یہ بھی ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ ان کا نام اہلِ بیت کے ساتھ کتبِ احادیث میں آتا ہے۔ نیز قرآن مجید میں بھی حضرت زیدؓ کے سوا کسی صحابی کا نام نہیں آیا جیسا کہ آیہ قرآن "فلما قضٰی زید" اس پر شاہد ہے

کتاب اللہ اور اہلِ بیت سے تمسک

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: روایت ہے زید بن ارقم سے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، تحقیق مَیں نے چھوڑی ہے تمہارے پاس وہ چیز کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ میرے بعد ان میں سے ایک چیز دوسری چیز سے زیادہ مشرف ہے۔ ایک کتابُ اللہ (قرآن مجید) جو آسمان سے دراز کی ہوئی ایک رسی کی مانند ہے جس کو پکڑ کر آسمان پر پہنچ سکتے ہیں یعنی جو شخص کتاب اللہ پر عمل کرے گا، بلند مقامات پر فائز ہو گا۔ دوسری چیز میری اولاد ہے جو میرے اہل بیت ہیں اور کتابُ اللہ اور میری اولاد ہرگز جُدا نہ ہوں گے تاوقتیکہ حوضِ کوثر میرے پاس لایا جائے گا۔ پس تم فکر کرو کتاب اللہ کے احکام بجالانے کی اور میری اولاد کی پیروی کرنے میں کوشاں رہو۔ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے۔

اہلِ بیت اور قرآن میں سے کون افضل ہے

اس کے بعد حضرت اقدس نے مولوی غلام رسول سے، جو جید عالم تھے، پُوچھا کہ لفظِ احدھما اعظم من الاخر (ایک دوسرے سے زیادہ افضل ہوگا) سے کیا مُراد ہے۔ انھوں نے کہا قبلہ اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اعظم ہے۔ اُولاد کتابُ اللہ سے اور کتاب اللہ اُولاد سے۔ یعنی دونوں کو عظیم الشان سمجھو جن کے ساتھ تمسک کرو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ حضرت اقدس نے متبسّم ہو کر فرمایا کہ اس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں میں سے عترت (اُولاد) زیادہ اشرف ہیں۔ اس کی دلیل حضرت علیؓ کا وہ قول ہے کہ: انا قران ناطق وھذا قران صامت (مَیں بولنے والا قرآن ہوں،

اور یہ خاموش قرآن ہے)۔ ظاہر ہے کہ بولنے والا قرآن خاموش قرآن سے زیادہ افضل ہے جب حضرت علیؓ اہلِ بیت سے ہیں اور قرآن ناطق ہیں تو جو شخص ان کی مانند ہے اور اہلِ بیت سے ہے تو وہ بھی قرآن ناطق ہے اور اس قرآن صامت سے زیادہ افضل و اشرف ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کتاب اللہ سے زیادہ اشرف ہے۔ لہٰذا لفظ احدھما سے مراد عترت (اولاد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب مذکور نے عرض کیا کہ قبلہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام صفات اللہ میں سے صفت ہے لہٰذا حضرت علیؓ کا افضل ہونا قرآن مجید سے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، موزوں نظر نہیں آتا۔ حضرت اقدس نے دوبارہ متبسم ہو کر فرمایا کہ قرآن شریف ایک صفت الٰہی ہے جملہ صفات میں سے۔ لیکن حضرت علیؓ میں تمام صفاتِ الٰہی موجود ہیں۔ پس لازماً وہ جامع ہے تمام صفات الٰہی کا افضل و اعظم ہے ایک صفت سے خصوصاً جب صفتِ کلام بھی بدرجۂ اولیٰ حضرت علیؓ کے وجود مسعود میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے خود ارشاد فرمایا کہ میں قرآن ناطق ہوں اور یہ قرآن صامت ہے۔

فضیلتِ حضرت عباسؓ

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: روایت ہے عبدالمطلبؓ بن ربیعہ سے جو آنحضرت کے چچا تھے، کہ ایک دن حضرت عباسؓ (آنحضرت کے چچا) غصّہ سے بھرے ہوئے آنحضرت صلی اللہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ میں آپ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آنحضرتؐ نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کا غصّہ کس وجہ سے ہے۔ انھوں نے کہا قریش کا حال دیکھیں کہ جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو خندہ پیشانی سے ایک دوسرے سے پیش آتے ہیں لیکن جب ہم بنی ہاشم کے ساتھ وہ لوگ ملاقات کرتے ہیں تو ان کا رُخ بدل جاتا ہے۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خشمناک ہوئے اور آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ قسم ہے خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ہر شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا تاوقتیکہ تمہارے ساتھ محبت نہ کرے بسبب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کے۔ پھر فرمایا کہ اے لوگو، یاد رکھو کہ جو شخص میرے چچا کو ایذا پہنچاتا ہے، وہ مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ چچا اور باپ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جیسا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کے حق میں فرمایا کہ مَیں تجھ سے ہوں اور تو مجھ سے ہے۔ اسی طرح آپ نے حضرت عباسؓ کے حق میں فرمایا کہ: العباس منی وانا منہ (عباسؓ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں)۔

فضیلتِ حضرت جعفر طیّارؓ بن ابی طالب

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَیں نے جعفرؓ کو ملائکہ کے ساتھ جنت میں دیکھا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت جعفر ابن ابی طالب حضرت علی رضؓ کے حقیقی بھائی تھے جو جنگِ موتہ میں ولایتِ شام میں شہید ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے دیکھا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ بہشت میں پرواز کر رہے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرمایا کہ وہ تو زندہ ہیں اور جنگ پر گئے ہوتے ہیں، (سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتقضائے حکمت ان کی شہادت کی تشہیر سے گریز فرمایا) حالانکہ وہ شہید ہو چکے تھے۔ چنانچہ بعد میں اطلاع آئی کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اُن کے فرزند حضرت عبداللہ بن جعفر پر سلام کرتے تو یہ فرماتے کہ: السلام علیکم یا ابن ذی جناحین (سلام ہو تجھ پر اے دو پروں والے کے بیٹے)۔ اسی وجہ سے حضرت جعفر کا لقب جعفر طیّار ہوگیا (یعنی اڑنے والا)

فضیلت حضرت اسامہؓ بن زیدؓ

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: روایت ہے حضرت امیر المومنین عمرؓ رضی اللہ عنہ سے کہ مَیں نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کے لئے ساڑھے تین ہزار درہم اور اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے تین ہزار درہم بیت المال سے مقرر کئے تھے۔ میرے بیٹے نے مجھ سے شکایت کی کہ اسامہ میں مجھ سے زیادہ کیا فضیلت ہے کہ ان کے لئے آپ نے ساڑھے تین ہزار اور میرے لئے تین ہزار درہم نان نفقہ کے لئے مقرر کئے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ اسامہ کو تجھ پر یہ فضیلت ہے کہ وہ زید بن حارث کا بیٹا ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ اس لئے میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب میرے محبوب

سے زیادہ افضل ہے۔ اس پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا، سبحان اللہ! حضرت عمرؓ کا انصاف دیکھ لیا کہ اپنے بیٹے کی رعایت نہ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو اپنے بیٹے اور خود اپنے آپ سے افضل قرار دیا۔ یہ کمال عدل و انصاف ہے کہ ظاہری بادشاہی کے باوجود جبکہ ان سے کوئی پوچھنے والا نہ تھا، آپ نے دوسروں کی زیادہ قدر و منزلت فرمائی اور اپنے آپ کو کم مرتبہ سمجھا اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کی۔

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ کا ناک صاف کرنے کا ارادہ فرمایا (جب وہ صغیر سن بچے تھے) میں نے عرض کیا کہ یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ دوست رکھ اسامہؓ کو کہ میں دوست رکھتا ہوں اس کو۔

نمازِ فجر و عصر تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے

اس کے بعد اس بات کے متعلق گفتگو ہونے لگی کہ فجر کی نماز اور عصر آخر وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی نماز فجر و عصر ہمیشہ دیر سے پڑھتے تھے اور آخر وقت میں ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ نماز فجر کے بعد سورج فوراً نکل آتا تھا۔ فرمایا کہ ایک شخص شمال کی طرف سے یہاں آیا ہوا تھا اور کچھ پڑھا لکھا بھی تھا۔ عام طور پر شمال کی طرف کے لوگ ظاہر پرست اور خشک مزاج ہوتے ہیں۔ جب اس نے چند یوم متواتر یہی دیکھا تو ایک دن حضرت خواجہ صاحبؒ سے کہا کہ آپ تو عالم ہیں، فجر کی نماز کیوں تاخیر سے پڑھتے ہیں۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے دوبارہ کہا تو پھر بھی آپ خاموش رہے۔ جب اُس نے تیسری بار کہا تو آپ نے جوش میں آکر فرمایا کہ میاں "کارِ خدا ہمیں یک نماز است"۔ (کیا نیکی کا کام یہی ایک نماز ہے)۔ یہ جواب پُرعتاب سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

ذکر بھی نماز ہے

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دن ایک شخص بڑی مسجد میں ذکرِ جہری میں مشغول تھا۔ اس اثنا میں نماز فجر کی اقامت ہوئی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ موجود تھے۔ کسی نے اُس آدمی سے کہا کہ اے جوان اُٹھ نماز باجماعت ہونے والی ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ کیا وہ نماز نہیں ہے (یعنی کیا وہ ذکر

نماز نہیں ہے) ۔ اسے کچھ نہ کہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ مولوی غلام رسول ساکن ترنڈہ یہاں زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ حسبِ معمول فجر کی نماز میں دیر کر رہے تھے اور تمام نمازی منتظر تھے بعض دوست مشرق کی طرف بھی دیکھ رہے تھے کہ مبادا آفتاب تو نہیں نکل آیا۔ لیکن یہ بات طے شدہ تھی کہ حضرت اقدس کے آنے سے قبل نماز نہیں ہوتی تھی۔ اس حالت میں ایک شخص نے اس مولوی صاحب سے کہا کہ آؤ ہم نماز پڑھ لیں کیونکہ ہم نماز خدا تعالیٰ کی پڑھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میاں مَیں نماز اس کو سمجھتا ہوں جو شیخ کے ساتھ پڑھی جائے۔ اگر ایک نماز شیخ کے انتظار میں فوت ہوتی ہے تو مَیں اسے بھی نماز سمجھتا ہوں۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت شیخ تشریف لے آئے اور نماز پڑھی، اس کے بعد سورج نکل آیا۔

مقبوس ۳: بوقتِ اشراق بروز چہار شنبہ ۱۴ ربیع الثانی سال مذکور

فضیلت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

ایک طالبعلم کو آپ مشکوٰۃ شریف کے باب مناقبِ ازواج مطہرات میں سے سبق دے رہے تھے، یہ حدیث پڑھی گئی: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ، بی بی خدیجہ آنے والی ہیں ان کے ہاتھ میں تھیلا ہے جس میں خوراک ہے۔ جب وُہ آپ کی خدمت میں آئیں، تو آپ اُن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پہنچائیں اور یہ خوشخبری دیں کہ ان کے لئے بہشت میں ایک محل تیار کیا گیا ہے۔ وہ محل ایسے ٹھوس جواہر مروارید سے بنا ہوا ہے جو اندر سے مجوف (خالی) ہے مثل قبہ کے، اس کے اندر وہ آرام سے رہیں گی۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت بی بی عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھے ازواجِ مطہرات میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں آئی جتنا کہ حضرت خدیجہؓ پر، اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت یاد کرتے تھے۔ حالانکہ مَیں نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بکری

ذبح فرماتے تو حضرت خدیجہؓ کے گھر میں رہنے والی عورتوں کا حصّہ بھی نکالتے تھے۔ اس سے مجھے غیرت آتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتی تھی کہ گویا دُنیا میں خدیجہؓ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں ہے۔ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ خدیجہؓ ایسی تھی یعنی آپؐ اُن کی تعریف کیا کرتے تھے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ بی بی خدیجہؓ سے مجھے اولاد ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری (عائشہؓ) کوئی اولاد نہیں ہے۔

فضیلت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان بھی بہت بلند ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ لوگ تحائف مُہیا کر کے اس انتظار میں ہوتے تھے کہ آنحضرتؐ کب حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا دستور تھا کہ جو تحفے کسی زوجہ مطہرہؓ کے گھر آتے تھے، اُن کے حوالے کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام ازواجِ مطہرات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھیں۔ اس لئے آپ کی خوشنودی کے لئے لوگ تحائف اسوقت پیش کرتے تھے جب آپ اُن کے گھر پر ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ باقی ازواج مطہرات کے گھر قیام کے دوران تحائف آنا بند ہو گئے۔ جب بعض ازواجِ مطہرات نے اس بات کی شکایت حضرت ام سلمیٰ رضؓ کے ذریعے کی تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے عائشہؓ کے معاملہ میں ایذا نہ پہنچاؤ کیونکہ مجھ پر سوائے عائشہ کے گھر کے کسی زوجہ کے گھر پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ یعنی بی بی عائشہ صدیقہؓ اس قدر محرم راز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کو ان سے حجاب نہیں ہے۔ دوسری ازواج مطہرات کے گھر پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی یہ بات سُن کر حضرت ام سلمیٰؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں توبہ کرتی ہوں کہ آئندہ یہ بات نہیں کہوں گی۔ اس کے بعد ازواج مطہرات نے حضرت بی بی فاطمہؓ کے ذریعے یہی شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بیٹی کیا تم محبت نہیں کرتیں اُس سے جس سے میں محبت کروں۔ انھوں نے عرض کی کہ جی ہاں محبت کرتی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پس دوست رکھو عائشہ کو جسے میں دوست رکھتا ہوں۔ یہ سُن کر حضرت بی بی فاطمہؓ بھی اس معاملہ سے بیزار ہو گئیں۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن جبرائیلؑ حضرت عائشہؓ کی صورت میں سبز رنگ کے ریشمی لباس میں ملبوس ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی زوجہ ہے اس دنیا اور آخرت میں (یعنی حضرت عائشہؓ آپ کی زوجہ ہیں دنیا و آخرت میں، جن کی صورت جبرائیل اختیار کر کے آئے تھے)۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو اکابر صحابہ میں سے ہیں اور عالم، فقیہہ اور صائب الرائے ہیں، فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے متعلق جب ہم صحابہ کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو ہم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں جاتے تھے اور آپ احسن طریق سے ہماری مشکل حل کر دیتی تھیں۔ فرمایا حضرت عائشہ کی کیا شان تھی کہ صحابہ کرام کی مشکل حل کرنے میں مرجع خلائق بنی ہوئی تھیں۔

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی: روایت ہے حضرت انسؓ سے کہ ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ اے یہودی کی بیٹی۔ اس سے وہ رونے لگیں پس اس حالت میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حفصہؓ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ آپ نے فرمایا اے صفیہ تو پیغمبر کی بیٹی اور پیغمبر کی بھتیجی ہے۔ یاد رہے کہ حضرت بی بی صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ نیز فرمایا کہ صفیہؓ پیغمبر کی بیوی اور اس کے ماتحت ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے مخاطب ہو کر سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ آئندہ اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرو۔

جادو کا اثر

اس کے بعد باغبان نے، جو زمین کھود رہا تھا، آکر ایک برتن پیش کیا جو زمین میں مدفون تھا اور برتن کے اندر ایک پتھر کا ٹکڑا پڑا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے دریا میں پھینک دو۔ یہاں مخدوم ولایت شاہ کا حجرہ تھا شاید کسی نے اُن پر جادو کیا ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت شیخ المشائخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ پر جادو کیا۔ جس سے آپ سخت بیمار ہو گئے۔ آپ نے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ سے فرمایا، نظام! فلاں قبر کے پہلو میں ایک بُت دفن ہے جس میں سوئیاں لگی ہوئی ہیں، اُسے نکال

لاؤ۔ چنانچہ آپ وہاں گئے، وہ جگہ کھودی لیکن کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ اُنہوں نے حضرت شیخ کے پاس جاکر ماجرا بیان کیا۔ آپ نے تھوڑی دیر مراقب ہو کر فرمایا کہ اے بیٹا پھر جاؤ اور زیادہ گہرا کھودو جب انہوں نے دوبارہ جاکر کھودا تو بُت برآمد ہوا۔ اس سے ان کی بیماری بھی دور ہوئی۔

اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح مجھ پر بھی جادُو ہوا تھا۔ چنانچہ مَیں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ میاں جی قائم الدین نے مجھے ایک تعویذ دیا لیکن وہ تعویذ مجھ سے گم ہوگیا۔ انہوں نے دوسرا تعویذ دیا۔ مَیں نے پُوچھا کہ اس کا اثر کب ظاہر ہوگا۔ فرمایا سوموار کے دن۔ مَیں سوموار کی انتظار میں تھا جب سوموار کا دن آیا تو مَیں نے اس کے اثر کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں نے جادو کیا تھا تو دوسروں کی کیا مجال ہے۔ اسی وجہ سے معوذتین نازل ہوئیں (یعنی قرآن مجید کی دو آخری سورتیں)۔

مقبوس ۴۳: بوقت اشراق جمعہ ۲۶ ماہ و سال مذکور

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

اس وقت ایک طالب علم کو آپ مشکوٰۃ شریف کا درس دے رہے تھے اور باب یمن شام اور حضرت اویس قرنی رض کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت اویس قرنی رض کے کمالات احادیث سے ثابت ہیں۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "خیرُ التابعین" فرمایا ہے۔ فرمایا کہ خیر التابعین اُمّتِ محمدیہ میں صرف تین حضرات ہیں۔ ایک حضرت اویس قرنی رض، دوسرے حضرت حسن بصری رض، جو تمام سلاسلِ رُوحانی کے پیر ہیں۔ تیسرے سعید بن مُسیّب رض۔ جو یزید کے حملہ کے دوران مسجدِ نبوی میں چُھپے تھے اُور ہر نماز کے وقت روضہ اقدس میں اقامت اور نماز کی قرارت کی آواز سُنتے تھے اُور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز اَدا کرتے تھے۔ یہ آواز خفی تھی جو مفہوم نہیں ہوتی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ یزید کے اس واقعہ کو یوم الحرہ بھی کہتے ہیں۔ حرہ کے معنی ہیں سنگلاخ یعنی پتھریلی زمین۔ یہ واقعہ اس طرح تھا کہ یزید پلید نے مدینہ منوّرہ کو تاراج کرنے کے لئے لشکر بھیجا جس سے بہت لوگ ہلاک ہوئے اُور متواتر تین ایام تک مسجد نبوی میں نہ آذان ہوئی نہ اقامت کیونکہ

خوف جان کی وجہ سے کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے نہیں جا سکتا تھا۔ صرف حضرت سعید بن مسیب رضی مسجد میں چھپے رہے۔

فتنہ چنگیز کا اشارہ احادیث میں

اس کے بعد ایک حدیث میں یہ لفظ آیا: راس الکفر نحو المشرق (کفر کا سر مشرق کی جانب ہے)۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "محوا المشرق" سے مراد قوم ترکان تاتاریہ ہے جس کے سردار چنگیز خاں اور ہلاکو خان تھے۔ ترکوں کے یہ تمام قبائل کافر تھے جو یاجوج ماجوج کے نام سے موسوم تھے۔ یہ لوگ ملک تاتار چین سے آئے تھے جو عرب شریف کے مشرق میں ہے (نیز کرۂ ارض کا بھی انتہائی مشرقی حصہ ہے اس لئے حدیث میں محوا المشرق فرمایا)۔ انہوں نے خراسان، ایران اور بغداد پر قبضہ کر لیا اور تباہ و برباد کر ڈالا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفر کا سر مشرق میں ہے۔

شام اور یمن کے حق میں آنحضرتؐ کی دعا اور نجد کے لئے وعید

اس کے بعد ایک حدیث میں یہ ذکر آیا کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللّٰھم بارك لنا فی شامنا اللّٰھم و بارك لنا فی یمننا۔ (خداوندا برکت دے ہمیں ہمارے شام میں، خدایا برکت دے ہمیں ہمارے یمن میں)۔ اس وقت بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بھی فرمائیں کہ خداوندا برکت دے ہمیں ہمارے نجد میں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھناك الزلازل والفتن و بھا یطلع قرن الشیطن (یعنی اس جگہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہیں اور زمین نجد میں قرن الشیطان طلوع کرے گا)۔ شاید اس سے اشارہ ہے عبدالوہاب نجدی کی طرف۔ قرن کے معنی ہیں سینگھ کے جس سے بعض جانور حملہ کرتے ہیں اور مجروح کرتے ہیں۔ اسی طرح عبدالوہاب نے اپنے عقائد باطلہ سے مجروح کرتا ہے۔ جس طرح شیطان نبوت و ولایت اور شانِ آدم کا منکر ہے، عبدالوہاب اور اسکے متبعین اولیائے کرام کی پیروی کے منکر ہیں۔

ملک شام کے متعلق مزید بشارت

اس کے بعد فرمایا کہ ایک حدیث میں یہ لفظ آیا۔ فان اللّٰہ توکل لی بالشام و اھلہ (پس

اللہ تعالیٰ وکیل ہوئے ہیں میرے لیے شام اور اہل شام کے متعلق اور اُن کے کفر و قبضہ کے متعلق) حضرت اقدس نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ جب دوسرے علاقوں میں فتنہ وفساد پیدا ہو اور دین کا کاروبار بند اور دگرگوں ہو جائے تو تم لوگوں کو چاہیئے کہ شام میں وطن اختیار کرنا۔ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے مجھے کہ شام اور اہلِ شام اور اُن کے دین کے متعلق کہ دین اسلام پر ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک یعنی ایک ہزار تین سو سال تک وہاں مسلمان اہلسنت وجماعت رہے ہیں اور کفر سے مامون ومحفوظ ہیں اور کوئی کافر بادشاہ آج تک وہاں حکمران نہیں ہوا۔ تمام بادشاہ اہل سنت وجماعت کے عقیدہ پر تھے اور کوئی شخص بدعقیدہ نہیں آیا۔

اہل شام پر لعنت سے حضرت علیؓ کا اجتناب

اس کے بعد یہ حدیث شریف پڑھی گئی: حضرت شریح بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت علیؓ کے سامنے اہلِ شام یعنی امیر معاویہؓ کا ذکر ہوا تو حاضرین مجلس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین آپ ان پر لعنت کریں۔ آپ نے فرمایا میں لعنت نہیں کرتا۔ تحقیق میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ابدال ملک شام میں ہوں گے اور ابدال چالیس ہوتے ہیں۔ جب ایک مرجاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا آدمی مقرر کرتا ہے۔ ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور ملک سیراب ہوجاتا ہے، سبزہ اُگتا ہے مسلمان ان کی اِمداد سے دشمنوں پر فتح پاتے ہیں اور ان کی برکت سے مُلکِ شام میں عذاب دُور ہوگا۔ ختم ہوئے حدیث پاک کے الفاظ۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا حضرت علی کا لعنت سے اعراض (پرہیز) صرف اس وجہ سے نہ تھا کہ وہاں ابدال رہتے ہیں اور وہ بھی بد دعا کی زد میں آجائیں گے۔ بلکہ اس وجہ سے بھی تھا کہ لعنت مطلقاً ناجائز ہے۔ جب عام مُسلمانوں پر لعنت ناجائز ہے تو ابدال تو خاص لوگ ہیں ان کے لئے بدرجہ اتم ناجائز ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ باغی آدمی مُسلمان ہے اگرچہ گناہگار ہے لیکن کافر نہیں ہے۔

مرتبہ ابدال

اس کے بعد بدلیت پر (یعنی ابدال کے مرتبہ کے متعلق) گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بدلیت ولایت سے علیحدہ مرتبہ ہے۔ فرمایا ایک دن

حضرت قبلہ سلطان الاولیاء قدس سرہٗ اپنے حجرے میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کا جسم مبارک بڑا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ پورا کمرہ آپکے وجود سے بھر گیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ اپنی اصلی حالت پر آگئے حاضرین مجلس میں سے کسی نے دریافت کیا کہ قبلہ اس کا کیا سبب تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ابدال میں سے ایک ابدال فوت ہوگیا تھا۔ حضرت شیخ کو اُمید تھی کہ ان کی جگہ پر آپ کو مقرر کیا جائے گا۔ پس اس فرحت سے آپ کا جسم مبارک عظیم ہوگیا لیکن آپ کو یہ مرتبہ نہ ملا بلکہ اور کسی کو ملا۔ اس کے بعد عمر خاں شاہد نے عرض کیا کہ اگر حضرت قبلہ سلطان الاولیاء ابدال مقرر ہو جاتے تو اپنے اصحابؓ اور خادموں سے مخفی ہو جاتے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابدال مخفی بھی ہو جاتے ہیں اور ظاہر بھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا وجیہہ الدین پائلی جو حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) کے خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ گنج شکرؒ کی زیارت کے لئے پانی پت کے راستے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک صوفی شکل جوان سے ملاقات ہوئی جوان کے ہمراہ ہو گئے۔ یہ بات مولانا کو پسند نہ تھی۔ آپ نے خیال کیا کہ ان سے علیحدہ ہو جاؤں لیکن اس جوان نے کہا مولانا اگر آپ کو کوئی علمی اشکال (مشکل) در پیش ہو تو مجھ سے دریافت کریں۔ اگرچہ مولانا خود عالم متبحر تھے تاہم آپ کے دل میں ابھی کافی اشکال موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایک مسئلہ ان سے دریافت کیا اور جواب باصواب پایا۔ حتیٰ کہ مسئلہ جبر و قدر جو مشکل ترین مسئلہ ہے، کا بھی تسلی بخش جواب حاصل کیا۔ اس کے بعد مولانا کی اس جوان کی طرف رغبت و اُلفت زیادہ ہوئی اور ان کی جُدائی ناگوار معلوم ہونے لگی۔ سوال و جواب کے بعد اس جوان نے حضرت مولانا سے دریافت کیا کہ آپ کس کے مُرید ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ کا مُرید ہوں۔ اس جوان نے تبسّم فرما کر کہا "شیخ نظام الدین پیرِ توما است" (شیخ نظام الدین! تمہارا پیر میں ہوں)۔ یہ کہہ کر انہوں نے دوسرا راستہ لیا اور چلے گئے۔

قطب مدار

اس کے بعد فرمایا کہ دُنیا میں قطب مدار ایک ہوتا ہے اور تمام اولیاء ان کے ماتحت ہوتے ہیں اور سارا جہان ان کے تصرّف میں ہوتا ہے۔ قطب مدار اگرچہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہوتا ہے لیکن پنجگانہ نماز حرم کعبہ میں ادا کرتا ہے اور امامت کرتا ہے۔

یہ بات کہتے وقت حضرت اقدس نے اپنے سامنے والی زمین کی طرف اشارہ کیا کہ اس جگہ بیٹھے ہوئے حرم کعبہ میں نماز ادا کرتے ہیں ۔ (حضرت خواجہ صاحبؒ کی عظمت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے آپ کتنی بڑی شان کے مالک ہیں ۔ مترجم) ۔

فتنہ تاتاریاں

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی گئی : حضرت عبدالرحمٰن بن سلیمانؓ جو تابعی ہیں اور مدنی الاصل ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں اور حضرت حنظلہؓ بن غسیل کی اولاد ہیں ، فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ عجم سے ایک بادشاہ آئیگا اور تمام ممالک پر قبضہ کر کے مسلط ہو جائے گا مگر ایک شہر دمشق ان کے تصرف میں نہیں آئے گا اور اس پر وہ غالب نہیں ہو سکے گا ۔ اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صریحاً چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کے حق میں ہے جو کافر، جابر اور مسلمانوں کا دشمن تھا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ چنگیز خاں کی اولاد میں سب سے پہلا شخص جو مسلمان ہوا ، ہلاکو خاں کا لڑکا تھا جو اسلام لانے کے بعد سلطان احمد کے لقب سے مشہور ہوا ۔ یہ بادشاہ بہت عادل اور انصاف پسند تھا ۔ سلطان محمد خاں بندہ جو سلطان احمد خان کے بھائی کی اولاد تھا ۔ وہ بھی عادل اور صاحب انصاف تھا ۔ جب سلطان محمد خاں بندہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا سلطان ابوسعید خاں تخت نشین ہوا ۔ یہ بھی عادل بادشاہ تھا ۔ اور اہل اسلام میں عظیم الشان بادشاہ شمار ہوتا ہے ۔ چنانچہ روم (موجودہ ترکی) سے لے کر دریائے جیحون تک اس کی سلطنت تھی اور خطبہ اس کے نام پر پڑھا جاتا تھا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ چنگیز خاں ترک تھا اور تاتاری قوم سے تعلق رکھتا تھا ۔ تاتار چین پر قبضہ جما کر اس نے ایران کا رخ کیا اور ایران فتح کر کے اپنے قوانین مسلط کئے ۔ اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو پیغمبر کہتا تھا ۔ چونکہ وہ اسلام کا دشمن تھا اس نے بیشمار مسلمانوں کو تہ تیغ کیا اور ہزاروں اولیاء اللہ اور مشائخ روزگار کو شہید کیا ۔ چنانچہ اس نے شہر نیشاپور میں قتل عام کا حکم دے کر تمام لوگوں کو قتل کر دیا ۔

شہادت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

اتفاقاً شیخ فریدالدین عطار ایک مغل کے ہاتھ آ گئے اس نے چاہا کہ آپ کو قتل کر دے کہ ایک شخص ظاہر ہوا اور کہنے لگا کہ اسے جوان، اس بزرگ کا خون بہا ایک ہزار دینار مجھ سے لے لے اور ان کو چھوڑ دے ۔ اس پر شیخ عطارؒ نے فرمایا کہ مجھے اس قدر سستا فروخت نہ کر

تجھے اس سے زیادہ رقم مل جائے گی۔ وہ شخص چلا گیا۔ اس کے بعد فرمایا دوسرا آدمی آیا اُس نے کہا اس بوزرگ کانخوں بہا میں گھاس کی ایک مُٹھی دیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا، اے جوان جلدی کر اور مجھے فروخت کردے۔ میری قیمت اس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہ دیکھ کر مغل بچہ غضبناک ہوا اور حضرت شیخ کو شہید کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ مغل بھی ترک ہیں اور چنگیز خاں کی اولاد ہیں۔ پھر فرمایا کہ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں بڑے ظالم بادشاہ تھے انھوں نے ماوراء النہر، سمرقند، بُخارا، غزنی، بغداد وغیرہ کو ظلم وستم سے تاراج کیا اور لوگوں پر بڑے مظالم ڈھائے اس کے بعد سلطان احمد مسلمان ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ساری دنیا میں ترک سب سے زیادہ کثیر تعداد میں ہیں۔ مشرقی ممالک یعنی چین اور صحرائے قبچاق اور حدود تاتار اور دیار طمغاج میں سب یہی لوگ ہیں اور یہی مذہب رکھتے ہیں۔ یہ سب کافر ہیں۔ حلال وحرام میں تمیز نہیں رکھتے جو کچھ ہاتھ لگتا کھا جاتے ہیں۔ یاجُوج ماجُوج بھی ان میں سے ہیں۔ سلطان سکندر نے ان کے خلاف دیوار بنائی تھی۔ یہ ممالک عرب سے مشرق کی جانب ہیں وہاں سے نکل کر انھوں نے اسلامی ممالک پر قبضہ کر لیا۔[1]

مقبوس ۵: بوقت اشراق شنبہ ۲۷ ربیع الثانی سال مذکور

گوشت کھانے کے رُوحانی مضرات

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہندُو مذہب میں گوشت کھانا اور شراب پینا دونوں برابر حرام ہیں۔ فرقہ سہلیہ میں بھی گوشت کھانا ممنوع ہے اس وجہ سے کہ حضرت شیخ عبداللہ بن سہل تستری رح نے فرمایا ہے کہ چالیس دن متواتر گوشت کھانے سے مراتب کم ہوتے ہیں اور حالت میں تنزل واقع

---

[1] حضرت خواجہ صاحب رح کی تاریخ دانی اور جغرافیائی معلومات بھی قابل داد ہیں نیز حافظہ بھی قابل داد ہے جو کچھ بیان فرمایا ہے فی البدیہہ بیان فرمایا اور بالکل صحیح بیان فرمایا ہے تاریخ وجغرافیہ علم اُس زمانے کے علماء و مشائخ تو در کنار آج کل کے علماء و مشائخ بھی کم رکھتے ہیں۔

ہوتا ہے چنانچہ میرے شیخ حضرت فخر الاولیاء دن میں ایک وقت گوشت کھاتے تھے۔ بعض اوقات دو دفعہ گوشت کھاتے تھے اگر اتفاقاً تین دفعہ متواتر گوشت کھالیتے تو آپ فرماتے تھے کہ میرے سارے جسم سے گوشت کی بُو آتی ہے۔ اس پر احقر نے عرض کیا کہ قبلہ عین العلم میں لکھا ہے کہ تیسرے دن گوشت کھانا چاہیئے فرمایا ہاں یہ حکم تمام اولیائے کرام کے طریق میں ہے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کا استغنار

اس کے بعد نصرت جنگ نواب مبارک خاں المعروف بہاول خاں خامس ابن رکن الدولہ نصرت جنگ نواب صادق محمد خاں رابع مرحوم کے مُرید ہونے کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ اس سلسلے میں حاضرین مجلس نے متفقہ عرض کیا کہ قبلہ نواب صادق محمد خاں مرحوم کے فوت ہونے کے بعد ریاست کے حُکام ہمارے ساتھ بے پرواہی کر رہے ہیں اور ہر معاملہ میں خوامخواہ رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ ہمیں نواب صاحب مرحوم کے عہدِ حکومت میں جس قدر سہُولتیں ملی تھیں اب ہم اُسی قدر رنج و مشقت جھیل رہے ہیں۔ لہٰذا اگر موجُودہ نواب صاحب مُرید ہوجاتے تو تمام دشواریاں ختم جاتیں۔ حضور کو تو اس میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے جو دولت استغنا حضور کو عطا فرمائی ہے، نواب صاحب خواہ مُرید ہوں یا نہ حضور کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن ہم لوگ نفسانی ہیں ہمارے ہزاروں مُعاملات سرکاری محکموں کے ساتھ وابستہ ہیں، ہماری ضروریات پُوری ہوجائیں گی لہٰذا حضور ہم لوگوں کے حال پر رحم فرمائیں اور اس نواب کو تصرّفِ باطنی سے اپنی طرف کھینچ کر اپنا مرید بنالیں۔ یہ بات ہر اکابرِ مجلس نے باری باری عرض کی۔ حضرت اقدس سُنتے رہے لیکن آپ کا رُخِ انور غصّے سے سُرخ ہوتا گیا آخر جوش میں آکر فرمایا یہ سب حضرت سلطان الاولیاؒ صاحب الروضہ کی شان ہے اگر نواب مُرید ہو تب بھی ہمارے تمام مُعاملات حضرت سلطان الاولیاؒ کی شان سے انجام پاتے رہیں گے اور نواب مُرید نہ ہو تب بھی ہمارے سب کام حضرت سلطان الاولیار کے ذمہ ہیں اور جس قدر جاگیریں، پیداوار اور لنگر ہیں سب حضرت اقدس کی خانقاہِ مُعلّٰی سے متعلق ہیں اور آپ کے مہمانوں، فقیروں اور درویشوں پر خرچ ہوتے ہیں۔ شاید تم لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے سب کام نواب صاحب کے طفیل سر انجام ہوتے ہیں یہ غلط ہے اور تم لوگوں کا وہم ہے۔ خاص کر بہاولپور کے نوابوں کا یہ دستُور رہا ہے کہ حضرت قبلہ عالم مہارویؒ کے بعد نواب اس طرف کوٹ مٹھن کا مُرید ہوتا ہے اور دوسرا نواب

دوسری طرف سنگھڑ والے حضرات کا مُرید ہوتا ہے۔ چنانچہ نواب صادق محمد خاں ثانی حضرت سلطان الاولیاءؒ کا مُرید تھا نواب صاحب کا لڑکا بہاول خاں ثالث حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا مُرید تھا۔ نواب بہاول خاں ثالث کے بیٹے نواب فتح یار خاں اور نواب سعادت خاں میرے قبلہ گاہ حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ کے مُرید تھے۔ نواب فتح یار خاں کا بڑا لڑکا نواب بہاول خاں رابع حضرت میاں اللہ بخش صاحب تونسویؓ کا مُرید تھا اور اس نواب بہاول خاں رابع کا بیٹا نواب صادق محمد خاں رابع تھا جو ہماری طرف مرید تھا۔ لہٰذا اب اس خان مبارک خاں کی باری حضرات تونسہ شریف سے مُرید ہونے کی ہے۔ یہ سُن کر سب خاموش ہو گئے۔

مقبوسؒ بوقت اشراق یکشنبہ ماہ و سال مذکور

حضرت اقدس نے فرمایا کہ نفحات الانس مشکل کتاب ہے۔ سید الاولیاء حضرت قبلہ محبوب الٰہیؓ سالکانِ راہِ طریقت کو اسی کتاب کا درس دیتے تھے اور سمجھاتے تھے اس کے بعد فرمایا کہ اس کتاب میں جو مشکل مقام ہو اور تمہاری سمجھ میں نہ آتا ہو، پڑھو۔ چنانچہ احقر نے کتاب کھول کر یہ عبارت پڑھی:

توحید کیا ہے، صاحب حال کون ہے

ابو العباس باوردیؒ بڑے بزرگ تھے انھوں نے شیخ شبلیؒ کو دیکھا تھا۔ آپ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ شیخ ابو بکر طمسانیؒ بھی نیشاپوری تھے۔ انہوں نے بھی شیخ شبلی کو دیکھا تھا یہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ شیخ شبلیؒ صاحب حال تھے لیکن توحید کا ذرہ بھی نہیں جانتے تھے۔ شیخ الاسلام (حضرت پیر انصار ہروی ؓ) فرماتے ہیں کہ معاملہ اس طرح ہے جیسے یہ دونوں کہتے ہیں؛ "شبلیؒ توحید میں مدعیانہ کلام کرتے ہیں نہ کہ متمکنانہ[1]۔" یہ سُن کر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ "توحید عبارت از دانستن یک ذات بحت است و در ہر مرتبہ و دادن ہر مرتبہ را حق آں است۔"

---

[1] یعنی صاحب تلوین تھے نہ کہ صاحب تمکین۔ صاحب تلوین مغلوب الحال ہوتے ہیں اور صاحب تمکین غالب الحال۔ بہ الفاظ دیگر ان کو مقام فنا فی اللہ حاصل تھا، بقا باللہ حاصل نہ تھا جو عروج کے بعد نزول یا عبدیت میں حاصل ہوتا ہے۔

(توحید کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذات بحت یعنی خالص ذات منزّہ از صفات کا مرتبہ جانے اور پھر ہر مرتبہ کا حق ادا کرے) ۔ یعنی ایک ذات کو مرتبۂ ربوبیت میں رب جاننا اور مرتبہ عبودیت میں عبد جاننا توحید ہے ۔ وحدت کا مطلب ہے واحد ہونا اور یگانہ ہونا ہے اور معرفت بھی مراتب عبدیت میں سے ہے اس وجہ سے کہ حق کو عارف نہیں کہا جا سکتا اور حق کو باعتبار علم عالم کہا جا سکتا ہے ۔ پس وحدت صفت حق سُبحانہٗ تعالیٰ ہے توحید اور معرفت صفتِ عبد ہے ۔ پس حق سُبحانہٗ کو واحد کہا جا سکتا ہے ۔ مُوَحّد اور عارف نہیں کہا جا سکتا ۔ لیکن عبد کو موحد اور عارف کہا جا سکتا ہے نہ کہ واحد ۔ پس توحید مقام صحو (ہوشیاری) اور تمکین (غالب الحال ہونا) ہے اور مرتبۂ جامعیت یہی ہے، اور وحدت مقام صاحب حال ہے ۔ پس شیخ شبلیؒ صاحب حال و سکر تھے اور مغلوب الحال تھے صاحب تمکین نہیں تھے ۔ اس وجہ سے کہ صاحبِ توحید صاحب تمکین ہوتا ہے اور دونوں مراتب کا حق ادا کرتا ہے (مرتبۂ ربوبیّت اور مرتبۂ عبدیّت) ۔ یہ شیخ شبلیؒ کے غلبۂ حال کی وجہ سے تھا کہ ایک دن ممبر پر کھڑے ہو کر مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق وعظ کر رہے تھے اور لوگوں کو سُنا رہے تھے ۔ اس اثنا میں سید الطائفہ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ آ گئے اور فرمایا اے شبلی جو کچھ میں چھپاتا رہا تھا اشارات میں بیان کرتا رہا ، تُو بر سرِ ممبر فاش کر رہا ہے ۔ شیخ شبلیؒ نے فرمایا: "انا اقول وانا اسمع وھل فی الدارین غیری" (میں کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں میرے سوا دونوں جہانوں میں کون ہے کہ جس سے حجاب کروں اور پوشیدہ رکھوں) ۔ ایک دن ایک آدمی نے اِن کے دروازے پر آ کر آواز دی کہ شبلی گھر پر ہیں؟ شیخ نے باہر آ کر کہا کہ مات الشبلی کافراً لا رحمۃ اللہ (شبلی کفر میں مر چکا ہے اُس پہ خدا رحمت نہ کرے) ۔ یعنی شبلی کا نفس مر چکا ہے بحالیکہ کافر تھا۔[1]

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ شبلی پہ ساری عمر غلبۂ حال رہا وہ بہت کوشش کرتے تھے ۔ کہ اس حال سے نکل جائیں اور مقامِ صحو و ہوشیاری پہ پہنچیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے اس کے بعد فرمایا

---

[1] مطلب یہ ہے کہ وہ ذات حق میں فنا ہو چکا ہے ذاتِ حق باقی ہے شبلی گم ہے ۔ جب گم ہے تو رحمت حق کس پر ۔ اس لئے فرمایا لا رحمۃ اللہ ۔

شیخ شبلی کا شمار اکابر اور اعاظم مشائخ میں ہوتا ہے ان کے بلند مرتبہ کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ حضرت غوث الاعظمؒ جیسے سید الاولیا بزرگ ان کے مریدین میں سے تھے یعنی ان کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے اس کے بعد فرمایا اس معاملہ میں شیخ شبلی رحؒ کے حقیقی وارث شیخ ابو الحسن حصریؒ ہیں جن کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ شیخ احمد نصر رحؒ جو شیخ ابو الحسن حصریؒ کے مُرید ہیں، ایک مرتبہ حج پر گئے ہوئے تھے۔ جب مکہ معظمہ پہنچے تو چند یوم وہاں قیام کیا وہاں مشائخ حرم کثرت سے مُوجُود تھے وہ شیخ ابو نصر سے کسی وجہ سے رنجیدہ خاطر ہوئے اور اُن کو حرم سے نکال دیا۔ اِدھر شیخ ابو الحسنؒ نے اپنے خادم سے کہا کہ احمد مکہ سے واپس آرہا ہے جب یہاں پہنچے تو میرے پاس نہ آنے دینا۔ جب شیخ احمد بغداد پہنچے اور اپنے شیخ کے دروازہ پر حاضر ہوئے تو دربان نے کہا ٹھہرو میں اندر سے حکم لے کر آتا ہوں۔ شیخ احمد نے بہت آہ و فریاد کی لیکن حضرت شیخ نے اندر آنے کی اجازت نہ دی الغرض چند یوم کے بعد آپ نے شیخ احمد سے فرمایا تُو نے مشائخ حرم کی بے ادبی کی ہے جب تک ایک کام نہیں کرو گے معافی نہیں ملے گی۔ اُنھوں نے عرض کی حضور وہ کیسا کام ہے۔ ارشاد ہوا کہ فلاں ملک جاؤ جو اسلام سے بالکل خالی اور کفرستان ہے، سبھی لوگ کفر میں مبتلا ہیں، وہاں جا کر خوکبانی (سؤر چرایا) کرو اور اور سؤروں کے بچے کندھوں پر اُٹھاؤ پھر جسم اور کپڑے پاک کر کے پانچ وقت باقاعدہ نماز پڑھو۔ رات دن یہی کام کرو، ایک سال تک بالکل نیند نہ کرو تب تمہاری تقصیر معاف ہوگی شیخ احمد نے جواباً عرض کی کہ یہ آسان کام ہے، بجالاؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت کمربستہ ہو کر روانہ ہو گئے اور ملک روم میں پہنچ کر ایک نصرانی کے ہاں سؤروں کی نگہداشت کرنے کی نوکری کرلی۔ اور سؤروں کے بچوں کو اٹھا کر چراتے رہے۔ نماز کے وقت جسم اور کپڑوں کو پاک کر لیتے تھے اور رات دن جاگتے رہتے تھے جب اس ریاضتِ شاقہ میں ایک سال گذر گیا تو حضرت شیخ کی خدمت میں واپس آئے قریب پہنچے تو حضرت شیخ ابو الحسن ان کے استقبال کے لئے باہر تشریف لے گئے اور بغلگیر کر کے فرمایا کہ اے احمد تُو میرا بیٹا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کے بعد جب وہ حج پر گئے تو تمام مشائخ حرم نے باہر آکر ان کا استقبال کیا اور معانقہ کر کے فرمایا کہ اے احمد تُو ہمارا فرزند اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ غرضیکہ ان کا بہت احترام ہوا۔ اس کے

بعد فرمایا کہ پہلے زمانے میں ان دو سلسلوں کو بہت شہرت ہوئی سلسلۂ جنیدیہ اور سلسلہ طیفوریہ (یعنی حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ کا سلسلہ) مگر حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؓ صاحب صحو تھے اور حضرت بایزید بسطامیؒ اہلِ سکر تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اولیاء اللہ میں سے تین حضرات ایسے ہوئے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے زمانے میں روئے زمین کے تمام سلاسل کا منتہا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت خواجہ حسن بصریؓ اور شیخ جنید بغدادیؓ۔

مقبوس: بوقت چاشت بروز پنجشنبہ ماہ و سال مذکور

عرس و سماع

حضرت فخر الاولیاءؓ کے عرس کے پہلے دن حضرت اقدس مع فرزند ارجمند، دیگر فقراء، درویشان اور خدام موجود تھے۔ برکت علی ربابی ستار پر نغمہ راگنی بھیری الاپ رہا تھا۔ ابھی اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا کہ اسی نغمہ پر حضرت اقدس پر وجد طاری ہوگیا۔ آپ نے دو تین دفعہ سر دائیں بائیں اس زور سے ہلایا کہ کلاہِ مبارک سر سے گر گیا اس کے بعد سجدہ کیا اور بیٹھ گئے اور توجہ سے ستار سنتے رہے۔ اس کے بعد آپ اپنی پیٹھ کے بل لیٹ گئے تھوڑی دیر کے بعد آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اس کے بعد قوال حضرات نے یہ شعر گایا ؎

کدام کس کہ ترا دید و بے قرار نشد
کدام دل کہ تو غمزہ زدی فگار نشد

(وہ کونسا آدمی ہے کہ جس نے تجھے دیکھا اور بے قرار نہ ہوا، وہ کونسا دل ہے جو تیرے غمزہ کا نشانہ بنا اور پارہ پارہ نہ ہوا)۔

اس شعر پر آپ کو قدرے گریہ ہوا اس کے بعد یہ شعر پڑھا گیا ؎

سوزِ دل از ترانہ ما موج مے زند　　بے خوابی از فسانۂ ما موج مے زند
آں آتشے کہ پنبۂ حلاج را بسوخت　　در خارِ آشیانۂ ما موج مے زند

۱۲ دل کا سوز ہمارے ترانے میں موجیں مار رہا ہے اور ہمارے افسانہ میں بے خوابی موجیں مار رہی ہے،
۲ وہ آگ جس نے منصور حلاج کی روئی جلا دی، ہمارے آشیاں کے کانٹوں میں موجیں مار رہی ہے)۔

اِن اشعار پر بھی حضرت اقدس کو قدرے گریہ ہوا۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے گئے ؎

آئینہ دار جلوۂ آں نور مطلقیم — ایں بحر در کرانۂ ما موج مے زند
آں بادۂ طہور کہ در آب کوثر است — در ساغر شبانۂ ما موج مے زند
کردیم شرح حسن تو در ہر طرف رواں — انوار در زمانۂ ما موج مے زند
آں بادۂ کہ در سر منصور در گرفت — نیز از شراب خانۂ ما موج مے زند

(۱ آئینہ کی طرح اس نور مطلق کا عکس ہمارے اندر سمایا ہوا ہے اور یہ سمندر اب ہمارے جسم کے اندر موجیں مار رہا ہے،
۲ وہ پاک شراب جو آبِ کوثر میں ہے ہمارے ساغرِ دل میں موجیں مار رہا ہے۔
۳ ہم نے چاروں طرف تیرے حسن جہاں سوز کا چرچا کر رکھا ہے اور تیرے انوار جا بجا دل میں موجیں مار رہے ہیں۔
۴ وہ شراب جس نے منصور کے سر کو ہلا دیا اب ہمارے شراب خانے میں موجیں مار رہی ہے۔

یہ اشعار سن کر آپ کا حزن و ملال اور گریہ فرحت و انبساط میں متبدل ہو گیا[1] اور آپ پر عروجی[2] کیفیت طاری

---

[1] اس وجہ سے جوش و خروش فرحت و انبساط میں تبدیل ہو گیا کہ ان اشعار میں ذاتِ مطلق اور ذاتِ بحت کے ذکر سے حضرت اقدس پر وہی کیفیت طاری ہو گئی درد و سوز کی جگہ استغراق اور محویت نے لے لی۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جس قسم کا کلام ہوتا ہے اسی قسم کا حال صاحب سماع پر طاری ہوتا ہے۔ بشرطیکہ صاحب سماع ہو۔ یہ عروجی کیفیت ہے۔

[2] عروج و نزول سلوک الی اللہ میں دو منازل ہیں۔ عروج سے مراد فنائیت فی الذات ہے جہاں غلبۂ سکر و استغراق ہوتا ہے اور نزول مقامِ عبدیت اور فنا کے استغراق سے نکل کر دوئی اور عبودیت کے مقام پر آنے کا نام ہے۔ عروج میں محویت و سکر غالب ہوتا ہے اور نزول میں صحو اور ہوشیاری اور حفظِ مراتب۔ اس لئے حضرت جامی نے فرمایا: "حفظِ مراتب نکنی زندیقی" یعنی سالک اس وقت کمال کو پہنچتا ہے جب استغراق ذات سے نکل کر فرق اور دوئی میں آتا ہے اور باشعور ہو کر فرائض ادا کرتا ہے

ہوگئی اور طبع مبارک میں وسعت واطلاق کی کیفیت رونما ہوئی۔ خصوصاً جب قوالوں نے آخری دو شعر پڑھے
تو آپ کی طبع مبارک پر انبساطی کیفیت طاری ہوئی قوالی ختم ہونے پر آپ نے مٹھی بھر روپے قوال کو دیے۔
صاحبزادہ صاحب نے بھی کچھ روپے اٹھا کر حضرت اقدس کے سر مبارک پر خود نثار کیے اور قوال کو دیئے۔ جب
حضرت اقدس پر حال طاری تھا تو صوفی اور درویش حضرات پر بھی خوب کیفیت طاری تھی اور چاروں طرف سے
ہا ہو کے نعرے بلند تھے۔

مقبوس ۸: بوقتِ ظہر جمعہ ۱۱ جمادی الاول ۱۳۱۸ھ

نماز ظہر سے فارغ ہو کر حضرت اقدس وظائف میں مشغول تھے آج آپ نے کلمۂ تمجید دو سو بار اس
ترتیب سے پڑھا پہلے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول
ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط مکمل چھ بار پڑھا اس کے بعد اٹھاسی بار صرف سبحان اللہ پڑھا۔ پھر
چھ دفعہ پورا کلمہ یعنی سبحان اللہ سے لے کر عظیم تک پڑھا اس کے بعد چھ بار دوبارہ کلمہ تمجید اور ۸۸ بار
فقط سبحان اللہ پڑھا اس کے بعد چھ بار کلمۂ تمجید مکمل پڑھا۔ یہ وظیفہ دو صد بار بہ ترتیبِ ہذا پڑھ کر دعا
فرمائی۔

مقبوس ۹: بوقتِ عصر بروز دوشنبہ ۱۴ ماہ و سال مذکور

زیاراتِ مزارات

حضرت اقدس اپنے محل سے روانہ ہو کر اپنے جدِ امجد حضرت
خواجہ احمد علیؒ اور اپنے چچا حضرت خواجہ تاج محمودؒ کی زیارت
الوداع کے لئے تشریف لے گئے دروازہ پر جا کر آپ وہاں بیٹھ گئے اور آستانۂ عالیہ پر دو بار بوسہ
دیا اور رخسار اور آنکھیں چوکھٹ سے لگا اس کے بعد دو روپے خادم سے لے کر بطور نذر آستانہ
پر رکھے اس کے بعد فاتحہ پڑھی اور دعا مانگ کر کھڑے ہو گئے اور سر جھکا کر دونوں ہاتھوں سے سلام
کیا اور واپس آ گئے۔ روضہ شریف کے اندر نہیں گئے۔ یاد رہے کہ حضرت اقدس کا یہ دستور

تھا کہ جب چاچڑاں شریف سے کوٹ مٹھن شریف جاتے تو سب سے پہلے اپنے مشائخ کے دربار پر جاتے خواہ دن ہو یا رات۔ اس کے بعد اپنے مقام پر آکر استراحت کرتے کوٹ شریف میں جتنے روز قیام ہوتا آٹھ پہر میں ایک دفعہ مزارات پر حاضری دیتے تھے۔ یہ حاضری اکثر عصر اور مغرب کے درمیان ہوتی تھی باقی وقت مسجد کے صحن میں بیٹھ کر وظائف پڑھتے تھے یا لوگوں کی حاجت برآری کرتے تھے آپ حضرت خواجہ احمد علیؒ اور خواجہ تاج محمود رحمہ کے مزارات پر صرف ایک دفعہ حاضری دیتے تھے جس کا ذکر اُوپر آیا ہے اور خواجہ محمد شریفؒ کے مزار پر حاضری کا طریقہ راقم الحروف کو معلوم نہیں کیونکہ سنہ ۱۳۱۱ھ سے ۱۳۱۸ھ تک راقم الحروف نے آنحضرتؒ کے مزار پر حضرت اقدس کو کبھی جاتے ہوئے نہیں دیکھا اس سے پہلے کا علم راقم کو نہیں ہے۔

مقبوس ۱ بوقت اشراق بروز شنبہ ۱۹ ماہ و سال مذکور

بہشت و دوزخ کی وسعت

دوزخ وبہشت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی حضرت اقدس نے فرمایا کہ بہشت اسقدر وسیع ہے کہ ہر مومن کو ہماری اس زمین سے تین گنا زیادہ زمین و مکانات ملیں گے۔ بہشتیوں کے بہشت میں مقیم ہو جانے کے بعد بھی بہشت جگہ خالی ہوگی پس حق تعالیٰ از سرِ نو خلقت پیدا کرے گا اور بہشت کو پُر کرے گا۔ فرمایا کہ دوزخ بھی بہت وسیع ہے اور اہلِ دوزخ بھی بہت ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مومن کے مقابلے میں نوسو ننانوے دوزخی ہوں گے اور ہر دوزخی کا جسم اسقدر بڑا اور بدنما ہوگا کہ اس کا دانت اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا اور اس کا دونوں کندھوں کے درمیان کا فاصلہ تین روزہ سفر کا ہوگا، وُہ بھی تیز رَو سوار کے لئے۔ باقی جسم کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ لیکن اہلِ دوزخ کی اس کثرت اور جسم کے اس موٹاپن کے باوجود بھی دوزخ پُر نہیں ہوگی بلکہ ابھی خالی رہ جائے گی اور "ھل من مزید" کا نعرہ بلند کرے گی۔ ہائے ہائے کریگی کہ مجھے اور آدمی چاہیئیں یہاں تک کہ حق تعالیٰ اپنا پاؤں مبارک دوزخ میں رکھیں گے تو دوزخ پکارے گی "قط، قط"۔ یعنی بس بس، میں بھر گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ آہ، آہ! حضرت امام احمد بن حنبل رحؒ کے

بیٹے حضرت صالحؒ ایک دن یہ حدیث پڑھ کر لوگوں کو معنی بتا رہے تھے کہ حق تعالیٰ نے آدمؑ کی مٹی کا خمیر اپنے ہاتھ سے بنایا اور یہ کہتے وقت آپ نے اپنی آستین چڑھا کر ہاتھ سے اشارہ کیا۔ یہ دیکھ کر امام احمد بن حنبل نے پکار کر فرمایا کہ اے پسر! جب یدُاللہ (اللہ کے ہاتھ) کی بات کرتا ہے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کر۔ جب حاضرین مجلس میں سے کسی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہ انتہائی بے ادبی ہے۔

مقبوس ۱۱: بوقتِ اشراق بروز چہار شنبہ ماہ و سال مذکور

عقائد باطلہ سے صورت کا مسخ ہونا

مجلس میں عقائدِ باطلہ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ رشحات میں، جو مشائخ نقشبندیہ کے حالات میں معتبر کتاب ہے، لکھا ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ مجلس میں مراقبہ کئے بیٹھے تھے باقی حاضرینِ مجلس بھی مراقب تھے۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے سر اُٹھایا، حاضرین مجلس نے بھی سر اُوپر اٹھا انہوں نے دیکھا کہ حضرت شیخ کے چہرے پر وحشت و نفرت کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ جب لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ مَیں عالمِ واقعہ (کشف) میں دیکھ رہا تھا کہ ایک بڑی کُتیا جس کے تھن دُودھ سے پُر ہیں اپنے نو بچوں سمیت میرے سامنے آئی ہے۔ اس کے فوراً بعد دس آدمی آپ کی خدمت میں آئے اُن میں سے ایک علی کوشجی تھا جو عالمِ علوم فلسفہ تھا اور باقی نو ہمراہی اُس کے شاگرد تھے۔ یہ لوگ آ کر مجلس میں بیٹھ گئے۔ ان کی خاطر کھانا لانے کے بہانے حضرت شیخ اٹھ کر اندرونِ خانہ چلے گئے لیکن کھانا بھیج دیا اور خود باہر نہ آئے علی کوشجی اور ان کے شاگرد کھانا کھا کر چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ باہر تشریف لائے۔ چنانچہ وہ کتیا اور نو بچے وہی علی کوشجی اور اس کے نو شاگرد تھے جو عقائدِ باطلہ کی وجہ سے مسخ ہو کر حضرت شیخ کو کتوں کی صورت میں نظر آئے۔ یہ حکایت بیان کر کے خواجہ صاحب نے سرنگوں ہو کر مراقبہ کیا۔ اس اثنا میں دو آدمیوں کے درمیان کچھ اختلاف رونما ہوا۔

خلقت کی چار اقسام

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیخ حسام الدین متقی اپنی کتاب محک الرجال میں لکھتے ہیں کہ لوگوں کی چار اقسام ہیں: اوّل عوام، دوم، خواص، سوم، عوام العوام، چہارم، خواص الخواص، عوام العوام کی علامت یہ ہے کہ بہ زور اور بلا وجہ لوگوں کے ساتھ شر و فساد کرتے ہیں۔ عوام کی عادت یہ ہے کہ جب تک ان کو کوئی نہیں چھیڑتا، فساد نہیں کرتے لیکن جب کوئی ان کو چھیڑتا ہے تو خوب لڑائی کرتے ہیں۔ خواص کا شیوہ ہے کہ جو شخص ان سے جھگڑا کرتا ہے، تحمل و صبر سے کام لیتے ہیں۔ نہ لڑائی کرتے ہیں نہ انتقام لیتے ہیں بلکہ معاف کر دیتے ہیں۔ خواص الخواص کی خصلت یہ ہے کہ جو شخص ان کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے، برائی سے پیش آتا ہے اور تکلیف دیتا ہے وہ اس تکلیف میں لذت اور فرحت محسوس کرتے ہیں اپنی بے حرمتی میں عزت، خاکساری، ذلّت اور خواری کو وہ اپنی برتری، فخر اور رفعت سمجھتے ہیں یہ لوگ لعنت و رحمت اور مدحت و مذمت کو برابر سمجھتے ہیں اور دشمنوں کی برائی کو معاف کر کے اس کے بدلے نیکی اور احسان سے پیش آتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان کے منہ پر تھپڑ مارتا ہے تو وہ رنجیدہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ اس کے سامنے معذرت کرتے ہیں کہ اس ضرب سے تمہارے ہاتھ کو صدمہ پہنچا ہے[1] مجھے معاف کرو اور نقد یا زر و سیم دے کر رخصت کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص غور کرے، انصاف کی نظر سے دیکھے اور اپنی عادات و خصائل کا موازنہ کرے تو اسے آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ میں فلاں قسم سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس کے بعد متبسم ہو کر فرمایا کہ مخدوم ولایت شاہ کہتے تھے کہ میں اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس قسم سے تعلق رکھتا ہوں اس وجہ سے کہ میں بلا سبب اور بلا وجہ خود بخود فساد پر آمادہ ہوتا ہوں اور لوگوں کی گردن پکڑ لیتا ہوں۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مخدوم ولایت شاہ صاحب کا یہ کہنا تواضع اور انکسار کی وجہ سے تھا

---

[1] حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ پر کسی شخص نے خنجر سے چودہ وار کئے اور لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ بلکہ جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے رقم دی اور یہ کہا کہ تیرے ہاتھ کو تکلیف ہوئی ہوگی، یہ اس کا انعام ہے۔

ورنہ آپ کا شمار تو خواص میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ شیخ حسام الدینؒ بڑے ثقہ محدث تھے اور علمِ حدیث میں بڑے بڑے مشائخ ان کے شاگرد ہیں اور اُن سے حدیث کی سند لی ہے۔ چنانچہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ شارح مشکوٰۃ شریف بھی بالواسطہ ان کے شاگرد ہیں۔ یعنی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ علمِ حدیث میں شیخ علی مُتقیؒ کے شاگرد ہیں۔ شیخ علی متقیؒ شیخ عبدالوہابؒ کے اور شیخ عبدالوہابؒ شیخ حسام الدین متقیؒ کے شاگرد ہیں۔ اِن کی وجہ سے شیخ علیؒ اور شیخ عبدالوہاب کو بھی متقی کا لقب مِلا ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی عظمت

اس کے بعد حضرت مخدوم جہانیاں اوچی قدس سرہٗ کی بزرگی کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت مخدوم جہانیاں کا شمار مشائخ عظام میں ہوتا ہے۔ آپ کے بھائی مخدوم صدرالدین راجن قتال[۱] بھی مشائخ عظام میں سے تھے اور آپ کے بڑے بھائی حضرت مخدوم جہانیاںؒ آپ کے پیر ہیں۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے میرا منہ خلق کی طرف کر دیا ہے (یعنی مخلوق کی ہدایت پر مقرر فرمایا ہے) اور میرے بھائی صدرالدین کا منہ اپنی طرف کیا ہے اس کے بعد فرمایا کہ شیخ قوام الدینؒ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مُرید اور مخدوم جہانیاں کے پیر بھائی ہیں لیکن حضرت شیخؒ نے شیخ قوام الدینؒ کو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے سپرد کر دیا تھا چنانچہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ان کو تمام منازلِ سلوک طے کرا کر سلسلہ چشتیہ میں خلافت عطا کی۔ چونکہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے تمام خلفاء کامل و مکمل تھے اور ان میں سے ہر ایک حضرت شیخؒ کا جانشین ہونے کے قابل تھا۔ کسی نے خلوت میں آپ سے دریافت کیا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین خلیفہ کون ہوگا تو آپ نے حضرت شیخ قوام الدینؒ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ آپ کے فرزند مخدوم ناصر الدین محمدؒ بھی کامل ہیں لیکن میری رائے میں آپ کی جانشینی کے زیادہ لائق مخدوم صدرالدینؒ ہیں۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے فرمایا بے شک میرے بعد میرا بھائی مخدوم صدرالدینؒ

---

[۱] آپ کو قتال اس لئے کہتے ہیں کہ مُریدین سے آپ سخت مجاہدہ لیتے تھے۔

خلیفہ، جانشین ہوگا نہ کہ میرا بیٹا۔ جب یہ واقعہ مخدوم ناصر الدین کی والدہ ماجدہ کو معلوم ہوا جو ولیّہ کامل تھیں، انھوں نے شیخ قوام الدینؒ کو کہلا بھیجا کہ تم نے میرے بیٹے کو سجّادگی اور جانشینی سے معزول کرا دیا ہے تو مَیں نے تمہاری اولاد قطع کر دی ہے۔ شیخ قوامُ الدینؒ نے حضرت بی بی صاحبہ کے درِ دولت پر جا کر عرض کیا کہ اَے حضرت مخدومہ صاحبہ، آپ نے میری نسبی اَولاد قطع کی ہے یا اولادِ طریقت اور سلسلہ جاری ہونا۔ حضرت مخدومہ نے فرمایا کہ اَولادِ نسبی تجھ سے قطع کی ہے نہ کہ اولادِ طریقت۔ اس پر شیخ قوام الدینؒ نے کہا، الحمدللہ! میرا رُوحانی سلسلہ جاری رہے گا۔

بے ادبی کی سزا

اِس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ شیخ قوام الدینؒ کا ایک بیٹا تھا جسے انھوں نے تیغ نظر اَور قہر سے مار ڈالا تھا اس کا قصّہ یوں ہے کہ آپ کا وُہ بیٹا سرکاری نوکر تھا لیکن قوام الدّینؒ کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ فقیر کا بیٹا نوکرِ شاہی ہو۔ ایک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ جب حضرت شیخ قوام الدّینؒ کی جائے رہائش سے ان کا گذر ہُوا تو لوگوں نے کہا نیچے اُتر جاؤ اَور باپ کا اَدب کرو لیکن انھوں نے غرورِ جوانی میں آکر کچھ نہ سُنا۔ جب والدِ ماجد کے قریب پہنچے تو آپ کو سخت غصّہ لگا اور فرمایا ابھی تمہاری گردن نہیں ٹوٹی، یہ کہتے ہی وہ گھوڑے سے گر گئے اَور گردن ٹوٹ گئی۔ اس طرح ان کا سلسلہ نسب منقطع ہو گیا لیکن سلسلۂ طریقت باقی رہا جو سلسلۂ مینائیہ کے نام سے موسوم ہے اُور آج تک جاری ہے۔

سِلسلۂ مینائیہ

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن شیخ قوام الدینؒ کو فرمان ہوا کہ ہم نے تجھے ایک بیٹا دیا ہے جس کا نام میناؔ ہے۔ جب شیخ میناؔ[1] پیدا ہوئے تو شیخ قوام الدینؒ نے اپنے خلیفہ شیخ سارنگؒ سے کہا کہ "آوا مورا مینا" (آیا میرا مینا) آپ نے شیخ سارنگؒ کو یہ بھی وصیّت کی کہ مَیں اس کے بلوغ کے وقت تک زندہ نہیں ہوں گا۔ تم اِس کی تربیّت و تلقین میں کماحقّہٗ کوشش کرنا اور یہ نعمتِ ولایت جو تجھ کو مجھ سے ملی ہے اُس کو

---

[1] حضرت شاہ مینا قدس سرہٗ کا مزار لکھنو میں مرجع خلائق ہے۔

پہنچا دینا۔

اس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ مخدوم صدرالدینؒ کو راجن قتال کیوں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: آپ کا اسمِ گرامی راجا، راجو یا راجن ہے اور ہندوستان میں اکثر آپ کو راجو کہتے ہیں۔ آپ کا لقب صدرالدین ہے۔ قتال لقب اس لئے ہے کہ آپ بڑے صاحبِ جلال تھے یا ممکن ہے کہ کوئی اور وجہ ہو۔[1]

تاریخ نکالنا

اس کے بعد تاریخ نکالنے کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بعض تواریخ مجھ سے بے فکر و تامّل صادر ہو جاتی ہیں جنہیں لوگ مجھ جیسے غریب سے الہامی منسوب کرتے ہیں۔ حاضرین میں سے جو تمام خواص تھے کسی نے عرض کیا کہ حضور آپ نے جتنی تواریخ نکالیں، سب الہامی ہیں یا طبعی۔ آپ نے فرمایا کہ میری نکالی ہوئی تمام تاریخیں الہامی نہیں البتہ بعض الہامی ہیں جو بلا تامل صادر ہوئی ہیں اور بعض طبعی ہیں جو کوشش سے نکالی گئی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ چند الہامی تاریخیں یہ ہیں: مثلاً میری بہن کی تاریخ وصال یہ ہے: "حافظ قاری" (سنہ ۱۳۰۰ھ)، میاں نبی بخش قریشی کی تاریخ وفات یہ ہے: "عاشق صادق ولی خدا" (سنہ ۱۳۱۷ھ)، نواب صادق محمد خاں عباسی کی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکلتی ہے: "خورشیدِ دین اسلام" (سنہ ۱۳۱۶ھ) شہور بابی کے بھائی کی تاریخ وفات یہ ہے: "غریب الوطن" (سنہ ۱۳۰۸ھ)، صادق محمد خان غوری کی تاریخ وفات یہ ہے: "صادق آمد بصدق و رفت بصدق" (سنہ ۱۳۱۲ھ) نظام قوال کے فوت ہونے کی تاریخ یہ ہے: "نظام شاہ" (سنہ ۱۳۹۷ھ) نور محمد خاں بزدار کی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکلتی ہے: "نور محمد خاں صاحب بزدار"، "ختم الامرار" (سنہ ۱۳۱۴ھ) بہار خادم کی تاریخ وفات یہ ہے: "بہار باغ جناں" (سنہ ۱۳۱۲ھ) وغیرہ۔

موتِ اختیاری و موتِ ارادی

اس کے بعد موتِ ارادی و موت اختیاری کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ موتِ ارادی سے مُراد ہے دنیاوی مال و متاع سے اجتناب اور نفسانی لذّات و خواہشات

---

[1] بعض کے قول کے مطابق قتال کا لقب اس لئے ہے کہ آپ مُریدین سے سخت مجاہدہ کراتے تھے۔

اور ملک و تصرّف کا کلی طور پر ترک کرنا جیسے کہ میت ترک کرتا ہے ۔ "موتوا قبل ان تموتوا" (مرجاؤ مرنے سے پہلے) ۔ اس میں اسی موت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی "مرجاؤ مرنے سے پہلے" اور اس موت میں سالک پر وہی منکشف ہوتا ہے جو مرنے کے بعد ہوجاتا ہے لیکن طبعی اور اضطراری موت سے ارادی موت حاصل نہیں ہوتی سوائے سالکین کاملین کے اور اس موت کا حصول بہت مشکل ہے ، آسان نہیں ہے ۔ زبان سے کہنا آسان ہے لیکن اس کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے ۔

مقبوس ۱۲ : بوقت اشراق بروز جمعۃ المبارک ۲۵ جمادی الاوّل ۱۳۱۸ھ

حُسنِ مجازی کے مُشاہدہ کی شامت

حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ کتاب "رشحات القدس" بھی "نفحات الانس" کی طرح معتبر اور مستند ہے۔ کتاب مذکور میں سے دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رضی فرماتے ہیں کہ اہلِ ارادت بہت کم ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کو کہلا بھیجا کہ اگر کوئی مُرید صادق مل جائے تو میرے پاس بھیج دینا۔ اُن بزرگ نے جواب دیا کہ اس جگہ مُرید صادق کمیاب ہیں البتہ شیخ بہت ہیں۔ اگر شیخ کی ضرورت ہو تو بھجوا دوں گا ۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رضی فرماتے ہیں کہ آج کل لوگ توحید یہ سمجھتے ہیں کہ بازار میں جاکر بے ریش لڑکوں کے حسن کا مُشاہدہ کرتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم حق تعالیٰ کے حُسن و جمال کا مشاہدہ کر رہے ہیں ۔ اس مشاہدہ سے خدا پناہ دے ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت قاسم تبریزی قدس سرہٗ اس علاقے میں آئے ہوئے تھے ان کے چند مُرید بازار گھوم رہے تھے اور بے ریش لڑکوں کو تلاش کرکے اُن کے ساتھ میل ملاپ کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ان حسین صُورتوں میں حق تعالیٰ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس کے

---

[1] بالفاظِ دیگر موت ارادی مقام فنا فی اللہ کا حصُول ہے ، جہاں سالک اپنے آپ کو مٹا کر واصل بحق ہوتا ہے۔

سید قاسم تبریزی نے فرمایا کہ ہمارے سوئر کہاں گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ حضرت شیخ کی چشمِ بصیرت میں سوئر بن چکے تھے (یعنی مسخ ہوکر)۔

کوئی تجھے بُرا کہے تو سچ سمجھ

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص تیری مذمت کرے اور گالی دے تو تُو اسے سچ سمجھ کہ واقعی ایسا ہوں۔ اگر کوئی تجھے سوئر یا کتا کہے تو یقین کر لو کہ واقعی میرے اندر ان کے صفات موجود ہیں اس وجہ سے کہ آدمی جامع ہے ملکوتیت اور بہیمیت کا۔ جہاں اس کے اندر ملکوتی صفات موجود ہیں، بہیمی صفات بھی پائے جاتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت شیخ جنید قدس سرہٗ کے پاس ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے کہ شبلیؒ آگئے۔ ان بزرگ نے حضرت جنیدؒ کے سامنے شبلی کی تعریف کی۔ شیخ جنیدؒ نے فرمایا کہ آپ نے یہ سب اس سوئر کی تعریف کی ہے۔ اس سے وہ بزرگ بہت شرمندہ ہوئے کہ میری وجہ سے حضرتِ شیخؒ نے شبلیؒ کو سوئر کہا ہے لیکن شیخ شبلیؒ کی ظاہری اور باطنی حالت میں اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ (یعنی نہ آپ کے چہرے سے ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے نہ دل کے اندر ناراضگی پیدا ہوئی)۔

درویش کو مٹی بن جانا چاہیئے

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ درویش وُہ ہے جیسا کہ حضرت پیر انصارؒ نے فرمایا ہے یعنی: "خاکِ بیختہ و آبِ ریختہ" (پسی گیلی مٹی اور گرے ہوئے پانی) کی طرح بن جائے۔ جس سے نہ کسی کے پاؤں کی پُشت خاک آلودہ ہو نہ پاؤں کا تلہ دکھنے پائے۔

خلاصۂ درویشی

درویشی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کا بار اُٹھائے اور خود کسی بھی شخص کے لئے بار نہ بنے نہ حسبِ صُورت نہ حسبِ معنیٰ (یعنی ظاہری طور پر نہ دلی طور پر)۔

عالی ہمت اور پست ہمت آدمی

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ،

فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ میں دو آدمی دیکھے۔ ایک نہایت بلند ہمت اور دوسرا نہایت پست ہمت تھا۔ پست ہمت شخص وُہ تھا جو حرم کعبہ میں بھیک مانگ رہا تھا۔ یعنی خدا کے گھر میں غیر خدا سے رزق طلب کر رہا تھا۔ بلند اور عالی ہمّت نوجوان ایسا تھا کہ مینا بازار میں کم و بیش پچاس دینار کی تجارت کر رہا تھا لیکن اس حالت میں بھی ایک لمحہ یادِ خدا سے غافل نہ ہوا تھا۔ اس جوان کو دیکھ کر مجھے رشک آیا۔

تصنّع سے نفرت

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی مجلس میں ایک آدمی سر نگوں بیٹھا تھا اور اپنے آپ کو گویا مراقبہ کرنے والوں میں شمار کر رہا تھا۔ حضرت شیخ اس سے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ حضرت مولانا نظام الدینؒ کی مجلس میں ایک آدمی سر نگوں بیٹھا تھا، انھوں نے فرمایا کہ سر اُوپر کرو، تجھ سے بُو آرہی ہے۔ تجھے مراقبہ سے کیا نسبت۔ تم تو اس قابل ہو کہ کئی سال تم سے استنجا کے ڈھیلے جمع کرائے جائیں اور بیت الخلاء صاف کرایا جائے تاکہ تو ٹھیک ہو۔

یادِ خدا کی مشق

حضرت خواجہ احرار فرماتے ہیں کہ جب مَیں حضرت خواجہ علاؤ الدین غجدوانی قدس سرہٗ سے رخصت ہوا تو آپ نے فرمایا کہ دل میں عہد کر لو کہ فلاں مقام پر پہنچنے تک یادِ خدا سے غافل نہیں ہوں گا۔ جب وہاں پہنچو تو دوسرا مقام مقرر کر لو۔ اسی طرح جابجا اور منزل بہ منزل یہی مشق کرتے جاؤ۔ یہاں تک کہ گھر پہنچ جاؤ نیز فرمایا کہ ایک دن مولانا نظام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ چند لوگوں کے ساتھ علمی مباحثہ کر رہے تھے۔ مَیں خاموشی سے سُنتا رہا۔ حضرت مولانا نے فارغ ہو کر اس فقیر کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اطمینان سے بیٹھو اور کوئی بات کرو۔ مَیں نے ادب کی وجہ سے کوئی بات نہیں کہی اس پر آپ نے فرمایا اگر قیدِ ہستی سے آزاد ہو گئے تو جو کچھ کہو گے کوئی نقصان نہ ہو گا اگر گرفتار ہو تو خواہ کچھ بھی کرو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

اپنی مُراد چھوڑ کر دوسروں کی مراد قبول کرنا بڑا کام ہے

حضرت خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے مولانا نظام الدین رحؒ سے اس سے بہتر کوئی بات نہیں سُنی کہ اپنے چند اصحاب سے ناراض ہو کر فرما رہے تھے کہ

تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ یہ کام نہایت مشکل ہے۔ اپنی مراد چھوڑ کر دوسرے کی مراد قبول کرنا بیحد مشکل ہے۔ تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اگر میں یہ کہوں کہ اب جاؤ اور خوک بانی کرو (سوَر چراؤ) اور بُت پرستی کرو تو تم میرے حق میں کفر کے فتوے جاری کر دو گے۔ یہ کام تمہارے بس کا نہیں ہے۔ تم کہاں اور یہ کام کہاں۔

حضرت خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کے مہمان خانہ میں دو موالی (غلام) رہتے تھے اور ہر وقت ایمان کے متعلق بحث کرتے تھے اور کافی دیر تک گفتگو رہتی تھی۔ آخر حضرت خواجہ نقشبندؒ نے اُن کے پاس جا کر فرمایا کہ اگر میری صحبت درکار ہے تو تمہیں اس ایمان سے دستبردار ہونا پڑے گا[1]۔ یہ سن کر وہ بہت پریشان ہوئے اور کافی عرصہ تک اس پریشانی میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ کی بات اُن کی سمجھ میں آگئی۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ احرارؒ نے ایک شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر حضرت خواجہ بہاؤ الدینؒ کی خدمت میں ایک نسبت حاصل ہو جائے اور پھر وُہی نسبت کسی دوسرے بزرگ سے حاصل ہو تو کیا کرو گے۔ کیا حضرت خواجہ بہاؤ الدینؒ کو ترک کر دو گے؟ نہیں! بلکہ جو کچھ جہاں سے حاصل کرو گے وہ حضرت خواجہ بہاؤ الدینؒ کی بدولت سمجھو۔

---

[1] یعنی ظاہری قیل و قال اور تقلیدی ایمان کو چھوڑ کر بطون کی جانب قدم رکھنا پڑے گا۔ اور تحقیقی اور تصدیقی ایمان حاصل کرنا پڑے گا۔ یعنی علم الیقین کی بجائے عین الیقین اور حق الیقین کا مقام حاصل کرنا پڑے گا۔ یاد رہے کہ کسی بات کو سن کر ایمان لے آنا علم الیقین ہے۔ بچشم خود مشاہدہ کر کے ایمان لے آنا عین الیقین ہے اور اپنے اندر

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ط

کے مطابق ذاتِ حق کا احساس کرنا حق الیقین ہے۔ یہی مقام فنافی اللہ ہے اور یہی مرتبۂ احدیت ہے اور یقین کامل ہے جو حقیقی ایمان ہے۔ اسی ایمان کے حصول کی طرف قرآن میں اشارہ ہے: یا ایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ (اے ایمان والو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ)

مُرید کیسا ہونا چاہیئے

فرمایا کہ حضرت قطب الدین حیدرؒ کا ایک مُرید حضرت شیخ شہابُ الدین سُہروردیؒ کی خانقاہ میں پہنچا تو اُسے بہُت بھوک لگ رہی تھی۔ اپنے شیخ کی طرف منہ کرکے عرض کیا کہ: "شیئاً للہ" (یعنی کچھ مل جائے) حضرت شیخ شہاب الدینؒ کو اس کا علم ہوگیا۔ آپ نے خادم کو حکم دیا کہ اُسے کھانا دو۔ جب وہ کھانا کھا چکا تو اپنے شیخ کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا: "شکراللہ یا قطب الدین حیدر، آپ نے ہمیں کسی جگہ ترک نہیں کیا"۔ جب وہ خادم حضرت شیخ شہاب الدینؒ کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا کہ وُہ کیسا آدمی ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ عجیب آدمی ہے۔ آپ کا کھاتا ہے اور قطب الدین حیدرؒ کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مُریدی اسی سے سیکھنی چاہیئے کہ جہاں سے ملتا ہے اپنے شیخ کا فیض سمجھتا ہے خواہ وہ نعمت ظاہری ہو یا باطنی۔

نااہل کے سامنے حقائق بیان کرنا درُست نہیں

حضرت خواجہ احرارؒ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت جُنیدؒ اپنے اصحاب کے سامنے کلام فرما رہے تھے کہ بے اختیار آپ نے بلند حقائق و معارف بیان کرنا شروع کئے لیکن فوراً آپ کو خیال آیا کہ کوئی نااہل تو مجلس میں نہیں ہے۔ کافی کوشش کے بعد دیکھا کہ حسین ابن منصورؒ سرنگوں ایک کونے میں بیٹھے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگیا تھا کہ وہ راز افشا کردیں گے اس لئے فرمایا کہ اسے مجلس سے نکال دیا جائے۔

احترامِ سادات

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ احرارؒ سادات کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ آپ فرماتے تھے کہ مَیں چاہتا ہوں کہ ایسی جگہ پر رہوں جہاں سادات نہ ہوں۔ اس وجہ سے کہ ان کی عظمت بہت زیادہ ہے اور مَیں ان کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

امامِ اعظم اور احترامِ سادات

نیز فرمایا کہ ایک دن امام اعظم رضؓ مجلس درس میں چند بار کھڑے ہوگئے۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ سادات عَلوی میں سے ایک لڑکا بچوں کے ساتھ صحن میں کھیل رہا تھا، جونہی وہ میرے سامنے

آتا تھا میں اُس کی تعظیم کی خاطر کھڑا ہو جاتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں مُردہ دیکھنا

اس کے بعد فرمایا کہ اکابر سمرقند میں سے ایک سے مَیں نے کہا کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے تو اس کی تعبیر کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ بزرگ کہتے ہیں کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے کی شریعت میں (یعنی عملی شریعت میں) فتور آگیا ہے اور وہ وصال شریعت کے مردہ ہونے کی صورت ہے۔ اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے اس شخص کو حضور مع اللہ (اللہ کے ساتھ حضوری) حاصل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم مَوجُودگی یا وصال سے یہی مُراد ہو۔ یعنی اس کی نسبتِ ظہُور و شہُود فوت ہو گئی ہو اور اس سے نسیان واقع ہو گیا ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ صاحبِ رشحات لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی رح اس کی اور تاویل کرتے ہیں کہ: افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ (کیا آپ نے نہ دیکھا اُس کو کہ جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو معبود بنایا ہے) کے مطابق ہو سکتا ہے کہ اُس نے اپنی خواہشات کو معبود بنایا ہو اور رسول خدا کا فوت ہونا اس خواہشِ نفس کا رفع ہونا مراد ہو۔ پس اس خواب کا دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا حضور مع اللہ زیادہ ہوا۔

ہمارا ابوبکر اور شیعوں کا ابوبکر

اس کے بعد فرمایا کہ مصنفِ رشحات کہتے ہیں کہ ایک دن مَیں حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا کہاں سے آئے ہو۔ مَیں نے عرض کیا میرا وطن تو سبزوار ہے لیکن میری نشو و نما ہری میں ہوئی ہے۔ آپ نے تبسّم سے فرمایا کہ تم ایسے شہر سے آئے ہو جہاں رافضی رہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک بزرگ رافضیوں کے علاقے میں گئے، وہاں کے جاہل اور بد تہذیب لوگوں نے قافلے کے گرد جمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دینا شروع کر دیا۔ اُن بزرگ کے اصحاب نے چاہا کہ اُن کو اس کام سے باز رکھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں کو گالی دینے سے نہ روکو، کیونکہ یہ ہمارے ابوبکر کو گالی نہیں دے رہے ہمارے ابوبکرؓ اور ہیں اور ان کا ابوبکر اور ہے۔ یہ لوگ موہوم (وہمی، خیالی) ابوبکر کو گالی

دے رہے ہیں کہ جس نے بلا استحقاق خلافت پر قبضہ کر لیا تھا اور پیغمبر اسلام اور اہل بیت کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا۔ یہ لوگ اُس ابوبکر کو گالی دیتے اور بُرا کہتے ہیں۔ ہمارے ابوبکر رضی اللہ عنہ میں تو یہ باتیں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ تین مشائخ ایسے ہو گذرے کہ جن کو کسی پیر کے بغیر نعمت ملی۔ اُن میں سے ایک شیخ ابوبکر تائبادی ہیں۔

اپنے شیخ سے زیادہ محبت کا سبب

نیز فرمایا کہ شیخ سید قاسم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دن مَیں مولانا زین الدین ابوبکر تائبادی کی خدمت میں بیٹھا تھا ایک اور بزرگ کا مُرید بھی اس مجلس میں بیٹھا تھا مولانا نے اُس سے پُوچھا کہ تم اپنے شیخ سے زیادہ محبت کرتے ہو یا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس نے جواب دیا کہ اپنے شیخ سے۔ یہ سُن کر مولانا بہت غضبناک ہوئے، اسے کتا کہا اور اُٹھ کر اندر چلے گئے۔ مَیں اسی جگہ بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا باہر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اس آدمی کو ہم نے برا بھلا کہا ہے، آؤ اس کے گھر جا کر معافی مانگیں۔ چنانچہ مَیں مولانا کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں وہ آدمی مل گیا۔ اس نے کہا میں معافی مانگنے آ رہا ہوں۔ مَیں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کئی سال مَیں امام اعظمؒ کے مذہب پر رہا لیکن مجھ سے میری کوئی غفلت دُور نہ ہوئی، جب سے اپنے شیخ کی خدمت میں چند یوم رہنے سے میری تمام بری عادتیں دور ہو گئیں۔ اگر ایسے شخص کو امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زیادہ عزیز رکھوں تو کیا امر مانع ہے۔ اس کے باوجود حضرت مولانا نے اس سے معافی مانگی اور حسن اخلاق سے پیش آئے۔

جذبِ حقیقی و محبت ذاتی

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جذبِ حقیقی اور محبّتِ ذاتی حق تعالیٰ کے ساتھ رابطہ اور عشق کا نام ہے بلا سبب اور بلا وجہ (یعنی عشق بلا سبب ہو، نعمت کے عطا کرنے کی وجہ سے عشق نہ ہو) بلکہ اس کی محبّت اس قدر قوی ہو کہ اسے رفع کرنے کی قدرت نہ ہو اور یہ نسبت میں نے تاشقند کے نواح میں دو بچوّں میں دیکھی، ایک ہمیشہ ہمارے حلقہ کے گرد گھومتا رہتا تھا اور دوسرا دور بیٹھتا تھا اور ہمیشہ سر جھکائے رکھتا تھا۔ ایک دفعہ مَیں طہارت کے لیے اٹھا تو وہ بھی میرے ساتھ وہاں تک گیا۔ مَیں نے اس سے پُوچھا کہ تم کس وجہ سے ہمارے حلقہ کے گرد

گھومتے رہتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ یہ بات مجھے خود بھی معلوم نہیں، صرف اتنا جانتا ہوں کہ جب یہاں حاضر ہوتا ہوں تو اپنے دل میں حق تعالیٰ کی کشش محسوس کرتا ہوں[1] اور اپنے آپ کو تمام علائق سے آزاد پاتا ہوں اس سے مجھے بیحد لذّت حاصل ہوتی ہے لیکن جب یہاں سے چلا جاتا ہوں تو اس سے خالی ہو جاتا ہوں۔ دوسرا لڑکا اور قسم کا تھا وہ ہمارے اصحاب سے مل جل گیا تھا اور اس علاقے کے لوگ اُس سے محبّت سے پیش آتے تھے اور ہمارے لوگوں کو اس وجہ سے بدنام بھی کرتے تھے۔ مَیں نے ایسے لوگوں سے کہا کہ اُس سے معافی مانگو اور اُسے یہاں سے چلے جانے کو کہو۔ لوگوں نے جسقدر کوشش کی اور ملامت کی، وہ جانے پر رضامند نہ ہوا۔ بالآخر وہ رونے لگا اور سخت پریشان ہو کر کہنے لگا کہ تم لوگوں کو میرے یہاں نہ آنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ جب میں یہاں نہیں آتا تو میرا دل بہت تنگ اور سخت پریشان ہو جاتا ہے۔ جو حضوری اور دلجمعی اس مجلس میں مجھے حاصل ہوتی ہے، اُس سے محروم ہو جاتا ہوں۔ یہ دیکھ کر میرے اصحاب نے اُسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ یہاں رہ کر اس کی حالت بلند ہو گئی اور اس پر اس قدر استغراق کا غلبہ ہو گیا کہ گھر جاتے ہوئے راستہ بھول جاتا تھا۔

اپنے آپ کو شیخ پر قربان کر دیا

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ لڑکا صاحب جمال جس کو حضرت خواجہ صاحبؒ نے جذب حقیقی سے متصف کیا، بعد میں خواجہ نورالدین تاشقندیؒ کے نام سے مشہور ہوئے جو حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے اعاظم خلفا میں سے ہو گذرے ہیں۔ چونکہ سلسلہ نقشبندیہ میں اَدنٰی اور اعلٰی مرتبہ اپنے شیخ کا تصوّر اور اس کے ساتھ کمال رغبت و رابطہ ہے ہر آن اور ہر وقت — حضرت مولانا نورالدینؒ نے اس نسبت کو یہاں تک بڑھا لیا تھا کہ اس سے مغلوب ہو گئے تھے۔ ایک دن اُن کے بیٹے نے سختی سے کہا کہ اگر آپ نے نماز میں اس قسم کا تصوّر جاری رکھا تو کافر ہو جائیں گے۔ یہ بات حضرت شیخ تک پہنچ گئی۔ آپ نے مولانا زادہ کو بُلا کر فرمایا کہ

---

[1] عارفین اولیائے کرام کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ان کی خدمت میں بیٹھنے سے اللہ تعالٰی کی جانب کشش زیادہ ہوتی ہے۔

تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر نماز میں کسی شخص کے دل میں کاروبار، مال مویشی اور زراعت جیسی خسیس چیزوں کا خیال آجائے تو نمازی کافر نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت حضورِ قلب سے تھا لیکن اگر ایک مومن صالح کے دل میں دوسرے مومن کا خیال آجائے تو تم لوگ کفر کے فتوے لگا دیتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا نورالدین تاشقندیؒ نے اپنے آپ کو حضرت شیخ پر قربان کر دیا۔ واقعہ یُوں ہے کہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ مرض طاعون میں مبتلا ہو گئے اور آپ کے قلب کے اُوپر نیلے رنگ کا پھوڑا نمودار ہو گیا۔ چُونکہ یہ مرض مہلک تھا، حضرت خواجہ نورالدینؒ نے عرض کیا کہ آپ اجازت دیں تاکہ آپ کا یہ مرض مَیں سلب کر لوں کیونکہ دنیا میں میرے وجُود کے ساتھ کوئی چیز وابستہ نہیں ہے اور حضور کے وجُودِ مسعُود میں صد ہزار حکمت و مصلحت ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت اقدس سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا تُو جوان آدمی ہے ابھی تک تمہارے دل میں جو تمنائیں ہیں بر نہیں آئیں۔ یہ سُن کر وہ رونے لگے اور عرض کیا کہ میرے دل میں کوئی تمنّا نہیں ہے سوائے اِس بات کے کہ اپنے آپ کو حضُور پر قربان کر دوں۔ یہ دیکھ کر انھوں نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ آپ کے پلنگ کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور اس مرض کو سلب کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ اُن کے قلب پر نیلے رنگ کا پھوڑا ظاہر ہوا اور حضرت شیخ کا پھوڑا گم ہو گیا اس کے بعد حضرت شیخ صحت یاب ہو گئے اور مولانا نورالدینؒ بیمار ہو گئے۔ تین روز بیمار رہ کر آپ واصلِ بحق ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

مقبوس ۱۳: بوقت اشراق بروز شنبہ ۲۶ ماہ و سال مذکور

ایک مصرعہ اور اس کے معنیٰ

مجلس میں حضرت اقدس نے احقر کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا کہ اس مصرعہ کے کیا معنیٰ ہیں۔ یہ مصرعہ رشحات میں درج ہے ؏

من نگر کہ چہ می گوید بنگر کہ می گوید

(یہ مت دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے، یہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے)۔

احقر نے عرض کیا کہ حضور خود ہی اس کے معنیٰ بیان فرما دیں۔ ایک شخص نے اس کے معنیٰ بتلانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ ایک اور شخص نے بھی نا تمام تقریر کی اور خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس مصرعہ کے معنی یہ ہیں کہ نیک اور اچھی بات جہاں ملے اُسے قبول کر لو اور اس کے اندر عیب نہ نکال۔ کیونکہ متکلّم حقیقی حق تعالیٰ ہے جو دوسروں کی زبان پر وہ بات کہتا ہے:

حقیقتِ عارف

اس کے بعد حقیقتِ عارف کے متعلّق گفتگو ہونے لگی حضرت اقدس نے فرمایا کہ کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ "العارف من لا ربّہ" (عارف وہ ہے جس کا رب نہ ہو)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت عارف عدمِ محض ہے اور عدمِ محض کے لئے رب نہیں ہے۔ عارف کے سوا دیگر اشیائ کا وجود، وجودِ اضافی ہے۔

عدمِ اضافی اور عدمِ حقیقی

عدم اضافی کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز موجود ہے لیکن فلاں زمان و مکان میں نہیں۔ عدمِ محض کا وجود بالکل نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ عدم کی دو اقسام ہیں، ایک عدمِ اضافی جو وجود کی ایک قسم ہے۔ دوسری عدمِ حقیقی اور عدمِ محض جو وجودِ مطلق کے بالمقابل ہے۔ پس عدم اضافی وجود کی ایک قسم ہے اور عدمِ حقیقی و عدمِ محض رب کے بالمقابل اسمِ باطن ہے چنانچہ رب وجودِ اضافی اسمِ ظاہر ہے اور عدمِ محض کے لئے کوئی رب نہیں ہے اس وجہ سے بیشک عارف کے لئے بھی کوئی رب نہیں۔ پس اس کی حقیقت عدمِ محض ہے اور عارف عدم اور وجود کے تمام مراتب سے گذر کر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وجودِ مطلق کے سوا کچھ نہیں کیونکہ عدم محض اس وقت متحقّق ہوتا ہے جب وجودِ مطلق موجود ہو۔ جس جگہ وجودِ مطلق ہے عدم محض متحقق ہے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

خوش گفت در بیاں رندِ دہن دریدہ
عارف خدا ندارد کو نیست آفریدہ

(صحرا میں منہ پھٹ رند نے کیا خوب کہا کہ عارف خدا نہیں رکھتا کیونکہ وہ مخلوق نہیں ہے[1])۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جب عارف کا وجود ہی نہیں رہا بلکہ ذاتِ حق میں گم ہو گیا ہے تو (باقی آئندہ صفحہ پر)

اس کے بعد فرمایا کہ وجودِ اضافی اور عدمِ اضافی جو ایک دوسرے کی ضد اور بالمقابل ہیں، ایک دوسرے کا لباس پہنتے ہیں۔ پس وجود عدم کے مقام پر پہنچ کر عدم کا لباس پہن لیتا ہے اور عدم وجود کے مقام پر پہنچ کر وجود کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ فرض کرو ہمارا نقطۂ مشرق دہلی ہے۔ پس جب آفتاب دہلی سے نکلتا ہے تو ہمارے لئے اس کی نسبت طلوع ہے اور ان لوگوں کے لئے جو اس نقطہ سے مشرق میں ہیں اور ان کے اور آفتاب کے درمیان زمین حائل ہے۔ آفتاب کی نسبت غروب کی ہے پس طلوع وجود ہے اور غروب عدم چنانچہ یہ طلوع ہمارے لئے وجود ہے اور جن لوگوں سے پوشیدہ ہے اُن کے لئے غروب ہے، یعنی عدم۔ پس وجود جو ہمارے لئے طلوع ہے، اُن لوگوں کے لئے جو آفتاب سے پوشیدہ ہیں عدم کا لباس پہن لیتا ہے اور ظلمتِ شب جو طلوعِ آفتاب سے پہلے تھی، ہمارے لئے نسبتِ عدم ہے بوقتِ طلوع وجُود کا لباس اختیار کر لیتی ہے اسی طرح ہمارے نقطۂ مغرب میں غروب جو عدم ہے ہمارے لئے نسبت وجود عدم ہوئی اور دوسروں کے لئے وہ عدم وجود ہوا۔ لیکن آفتاب جو بمنزلہ وجود مطلق ہے اپنی ذات سے ہر جگہ اور ہر وقت روشن ہے۔ طلوع و غروب سے جو امور اضافی متقابل ہیں، معرّا اور پاک ہے۔

تنزلات وجود اور عدم دونوں میں متحقق ہیں

اس کے بعد فرمایا، جس طرح وجود میں مراتبِ تنزلات متحقق ہیں، عدم میں بھی متحقق ہیں۔ چنانچہ عدمات کا سلسلہ اس عدم پر جا کر ختم ہوتا ہے جو سب کا مبدا ہے اور ان دونوں یعنی وجُود اور عدم کا مبدا، وجودِ مطلق اور ذات بحت ہے اور یہ وجود اضافی اور عدم اضافی جو تمام وجودات اور عدمات کا مبدا ہیں، وجودِ مطلق کے تحت ہیں اور وجُودِ مطلق سب سے اُوپر ہے پس جس جگہ سب سے اوپر وجود مطلق ہے اُسی جگہ عدم متحقق ہے چنانچہ آفتاب کی روشنی جو فی ذاتہٖ ہر جگہ اور ہر وقت طلوعات سے جو وجود میں اُوپر ہے اور غروبات جو عدم ہیں ہر جگہ موجُود ہے عدم متحقق ہے اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ حقیقتِ عارف عدم محض ہے اس لئے تمام موجودات اور عدمات سے

(بقیہ گزشتہ صفحہ) وہ کیسے مخلوق کہا جا سکتا ہے لیکن یہ گم ہونا عارضی ہوتا ہے، دائمی نہیں ہوتا کیونکہ عارف کا تشخص اور تعین ہمیشہ باقی رہے گا۔ حادث اس لئے ہے کہ کبھی رہتا ہے، کبھی فنا ہو جاتا ہے۔

آزاد ہے کہ وہاں موجود مطلق کے سوا کوئی چیز جلوہ گر نہیں۔

حقیقتِ اشیا کیا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ حقیقتِ اشیا ر ارباب توحید کے نزدیک شہود مُرکب ہے۔ وجود اور عدم کے ساتھ۔ چنانچہ جس طرح علم، حیات، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام وغیرہ صفات موجود ہیں اس طرح جہل، موت، عجز ناداری، بہرہ پن، اندھا پن اور گونگا پن صفاتِ عدم ہیں۔ جس طرح بسیط ہونا، کل ہونا، اطلاقِ علم و حیات وغیرہ آثار و احکام وجود ہیں اسی طرح محدودیت، جُزویت، تقید وغیرہ احکام عدم ہیں۔ اصحابِ توحیدِ وجودی کے نزدیک ہر چیز کی حقیقت تعیّن وجود ہے۔ حضرت علم میں باعتبار اس شان کے کہ جس کی وہ مظہر ہیں اور یہ اشیار یعنی موجوداتِ خارجیہ حضرت وجود کے لئے بمنزلہ لباس ہے جو زیبِ تن کر کے مختلف صُورتوں میں جلوہ گر ہے اور تعیّنِ اعتباری کی کوئی حیثیت نہیں ہے جو کچھ ہے وجود ہے۔ پس دونوں فریقوں کا انجام ایک ہے اس لئے کہ تعیّن عدم ہے پس حقائق اشیار عدم اور وجود سے موجود ہیں۔ ان کے مابین نزاع لفظی ہے اور ہر حال میں عدم اعتباری ہے جو وجود کے لئے عرض ہے اور جو کچھ ہے وجود ہے۔ ایک تعیّن کے گم ہونے اور دوسرے تعین کے پیدا ہونے سے وجود میں کوئی تغیر و تبدّل و زیادتی اور کمی واقع نہیں ہوتی وہ اسی طرح اپنے عُروج پر ہے کیونکہ تعیناتِ وجود امور نسبتی ہیں عدم میں ایک تعین گم ہوا اور وجود میں دوسرا تعیّن پیدا ہوا لیکن وجود دونوں حالتوں میں اپنے عروج پر ہے۔ جیسے زید عمر کے دائیں طرف بیٹھتا ہے، یہ ایک نسبت ہے جو زید و عمر کے درمیان واقع ہوئی ہے جب زید وہاں سے اُٹھ کر عمر کی بائیں جانب جا بیٹھتا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ زید و عمر کے درمیان پہلی نسبت گم ہو گئی اور دوسری نسبت پیدا ہوئی اسی طرح زید کی تمام نسبتوں میں مثل قیام قعود، رکوع، سجود وغیرہ ایک کے وجود سے اور دوسری کے عدم سے زید کی ذات میں کوئی تغیّر اور کمی بیشی واقع نہیں ہوئی اس کی تمام نسبتیں امُور اعتباری ہیں جن کا خارج میں وجود نہیں۔ تمام حالتوں میں جو موجود ہے وہ زید کی ذات ہے۔

عارف کون ہے؟ شیخ منصورؒ کا جواب

اس کے بعد شیخ منصورؒ کا ذکرِ خیر شروع ہوا، حضرت اقدس نے فرمایا کہ کسی نے شیخ منصور سے پوچھا کہ عارف کون ہے؟ فرمایا کہ عارف وہ ہے جسے کل تختۂ دار پر لٹکایا جائے گا۔

اس کے ہاتھ پاؤں، کان، ناک کاٹے جائیں گے اور اس کی آنکھیں نکالی جائیں گی لیکن وہ آہ تک نہیں نکالے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک سال تک شیخ منصورؒ کو قید میں رکھا گیا تا کہ "انا الحق" کہنے سے باز آجائیں لیکن وہ باز نہ آئے۔ بعض مشائخ وقت نے ان کو نصیحت کی کہ اپنے آپ پر رحم کرو اور ہمیں درد و غم میں مبتلا نہ کرو کیونکہ اگر تم قتل ہو گئے تو ہم ہمیشہ کے لئے روتے رہیں گے اس لئے اس قول کو ترک کر دو۔ انھوں نے جواب دیا کہ جو شخص یہ بات کہتا ہے اُس سے کہو کہ باز آجائے۔ اس پر احقر راقم نے عرض کیا کہ حضور شیخ منصور کو "انا الحق" کہنے کی وجہ سے تختۂ دار پر لٹکایا گیا یا کسی اور وجہ سے۔

اناالحق کے مختلف معانی

حضرت اقدس نے فرمایا کہ تختۂ دار پر چڑھانے کا سبب یہی کلمۂ "انا الحق" تھا۔ لیکن لفظ "اَنَا الحق" اختلاف تھا اس وجہ سے کہ لفظ "حق" کے معنی بہت ہیں ایک معنی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں سے ایک اسم ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے لفظ "حق" کے یہی معنی لئے ہیں اور الزام لگاتے ہیں کہ وہ الوہیت کا دعویدار ہے اس لئے تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ لفظ "حق" کے دوسرے معنی "سچ" کے ہیں۔ اس لئے بعض کا خیال کیا کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: "انا اقول الحق" (جو کچھ میں کہتا ہوں، حق ہے)۔ پس اس سبب سے اس کے خلاف فتوائے کفر دیا گیا اور انہیں تختۂ دار پر لٹکایا گیا۔[1]

---

[1] بعض کا خیال ہے کہ اس کے علاوہ اور وجوہات بھی تھیں جو سیاسی نوعیت کی تھیں۔ مثلاً یورپ کے مستشرقین کا خیال یہ ہے کہ چونکہ اس زمانے میں "قرامطہ" کا زور تھا جو بادشاہ کے خلاف بغاوت میں کوشاں تھے چونکہ قرامطہ کے عقائد مثل حلول و اتحاد شیخ منصورؒ کے عقائد سے مغالطہ دیتے تھے اور بادشاہ نے شیخ منصور کو "قرامطہ" کا ہم خیال اور معاون تصور کیا۔ اُس زمانے کی سیاسی جماعتوں اور سیاسی شخصیتوں کے ساتھ شیخ منصورؒ کا میل ملاپ بھی تاریخ سے ثابت ہے۔ چونکہ بعض سیاسی گروہوں سے وہ متفق تھے اور بعض سے متنفر۔ اس لئے ان کا خیال ہے کہ اس وجہ سے ہی بادشاہ نے شیخ منصورؒ کو قتل کرا دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فرانسیسی مصنف "ماسینو" کی کتاب "لاپیشاں دی لاحلاج"۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی تشریح

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ فرماتے ہیں کہ "حق" بمعنی ثابت ہے۔ جب شیخ منصورؒ پر یہ الہام وارد ہوا کہ "کون ہے جو میری محبت میں جان قربان کرتا ہے"۔ شیخ منصور نے یہ الہام سنتے ہی غلبۂ عشق میں کہہ دیا کہ "انا الحق" یعنی مَیں ثابت یا قائم ہوں اپنی جان حق تعالیٰ کی محبت میں فدا کرنے کے لئے۔ لیکن علمائے وقت اس قول کے معنی نہ سمجھ سکے اور انہیں تختہ دار پر چڑھوا دیا۔

کلماتِ شطحات تین حالتوں میں معاف ہو سکتے ہیں

اس کے فرمایا کہ تین حالتوں میں خلافِ شرع کام جو ولی کامل سے صادر ہو، معاف کئے جا سکتے ہیں۔ اوّل: "سُکر" (استغراق، بیخودی) کے عالم میں دوم: "فنا" (فنا فی اللہ) سوم: "دلال"۔ اس لئے آپ نے مثنوی گلشنِ راز کا یہ شعر پڑھا

که رخصت اہل دل را به سه حال است
فنا و سُکر آں دیگر دلال است

("دلال" کے معنی ہیں شورش عشق)۔

اس کے بعد فرمایا کہ: "سبحانی ما اعظم شانی" حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ سے حالتِ فنا میں صادر ہوا اور کلمہ "انا الحق" شیخ منصورؒ سے حالتِ سُکر میں صادر ہوا۔

شبّان کی محبت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شبّان (گڈریا) کے مناجات (جو بظاہر کلماتِ کفر تھے) شورشِ عشق کی وجہ سے تھے۔ چنانچہ وہ کہہ رہا تھا ؎

اے خدائے من فدایت جانِ من
جُملہ فرزندان و خان و مانِ من
تو کجائی تا شوم من چاکرت
چارقت دوزم کنم شانہ سرت
جامہ ات دوزم شپشہایت کشم
شیر پیشت آورم اے محتشم

در ترا بیماریٔ آید بہ پیش
من ترا غمخوار باشم ہمچو خویش

(۱ اے میرے خدا، میری جان تجھ پر قربان ہو بلکہ میری اولاد اور سارا خاندان قربان ہو۔۔۔ ۲ تو کہاں ہے، تاکہ مَیں تیری خدمت کروں۔ تیرا جوتا مرمت کروں اور تجھے کنگھی کروں۔ ۳ تیرے کپڑے درست کروں اور تیری جوئیں نکالوں۔ تجھے دودھ پلاؤں۔ ۴ جب تو بیمار پڑ جائے تو تیری تیمارداری کروں اپنے عزیزوں کی طرح)۔

شیخ منصورؒ ناقص تھے یا کامل؟

اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ حضور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیخ منصورؒ ناقص تھے کیا وہ مرتبۂ ولایت میں کامل نہ تھے۔ آپ نے فرمایا، حقیقی اعتدال سوائے ذاتِ حق کے کسی کو حاصل نہیں۔ نہ انبیاءؑ کو، نہ اولیاء کو، وہ اعتدال جو انبیاء اور اولیاء کو حاصل ہے غیر حقیقی ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اعتدال، اولیاءِ کرام کے اعتدال کی نسبت اعتدالِ حقیقی سے زیادہ قریب ہے۔ نیز انبیاء و اولیاء کے اعتدال کے بھی بہت سے مراتب ہیں جو ہر نبی، ہر ولی کے استعداد کے مطابق ہوتے ہیں۔ چنانچہ آیۂ پاک: بعض النبیّن علی بعض ط نیز انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض ط سے یہی فرق مُراد ہے۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ جُنیدؒ نے حقائق و معارف بیان کرتے وقت شیخ منصورؒ کو اپنی مجلس سے نکال دیا تھا۔ اگرچہ شیخ منصورؒ کا "اناالحق" کہنا اُن کے اپنے اعتدال کے مطابق تھا دوسرے مشائخ کے مرکز اعتدال سے بعید تھا چنانچہ انھوں نے اپنے اعتدال کے لحاظ سے شیخ منصورؒ کو نقص سے منسوب کیا ورنہ شیخ منصور اپنے اعتدال کے اعتبار سے کامل و مکمل تھے نہ کہ ناقص اور امامِ طریقت تھے۔

شیخ منصورؒ کے کمال کے متعلق تین گواہ

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ فریدالدینؒ عطار جن کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے، اپنی کتاب "تذکرۃُ الاولیاء" میں رقمطراز ہیں کہ شیخ عبداللہ خفیف شیرازیؒ نے شیخ منصورؒ کے حق میں کہا ہے کہ وہ عالمِ ربّانی تھے اور شیخ شبلیؒ نے فرمایا کہ "مَیں اور منصور ایک چیز ہیں۔ مجھے

لوگوں نے دیوانگی سے منسوب کر کے چھوڑ دیا اور اُن کو عقل نے ہلاک کر دیا"۔

حضرت اقدس نے فرمایا، اگر شیخ منصورؒ مطعون (معیوب) ہوتے تو یہ دو بزرگ اُن کی تعریف نہ کرتے۔ پس ہمارے لئے تین گواہ کافی ہیں جنھوں نے شیخ منصورؒ کے فقر اور عرفان کے متعلق گواہی دی ہے ایک شیخ عبداللہ خفیفؒ، دوسرے شیخ شبلیؒ، تیسرے شیخ فریدالدین عطارؒ۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ منصور باہوش تھے اور باقی لوگوں کی طرح ان کی حالت تھی۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بے ہوش تھے اس لئے " اناالحق " کہتے تھے۔ یہ خیال غلط ہے شیخ منصورؒ نے سخت مجاہدات کئے اور یہ اُن کے باہوش ہونے کا ثبوت ہے لیکن وہ انانیت سے بالکل خالی ہو چکے تھے انانیتِ حق باقی رہ گئی تھی اس لئے ان کا ہر قول و فعل حق کے ساتھ منسوب تھا چنانچہ "اناالحق" کہنے میں حق قائل تھا، منصورؒ درمیان میں نہیں تھے اس وجہ سے انھوں نے جو کچھ کیا اور کہا، اُس سے باز نہ آئے کیونکہ وہ ان کا اپنا قول و فعل نہ تھا اگرچہ فرعون نے اسی قسم کے کلمات کہے یعنی: " اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی " لیکن وہ خلوت میں جاکر توبہ کرتا تھا اس لئے کہ از خود خالی نہ تھا بلکہ دوئی باقی تھی اس کے بعد فرمایا: وجودك ذنب لا قياس به ذنب (تیرا وجود گناہ ہے کہ جس پر اور کوئی گناہ نہیں قیاس کیا جاسکتا)۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوالوفا خوارزمیؒ نے خوب کہا ہے ؎

بد کردم و اعتذار بدتر ز گناہ	ہست دریں عذر سہ دعوہ تباہ
دعوۂ وجود، دعوۂ قوت و فعل	لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(مَیں نے بُرا کیا ہے اور اُس کا عذر یعنی وجہ بیان کرنا گناہ سے بھی بدتر ہے اس عذر کا بیان کرنا گناہ سے بھی بدتر ہے اس عذر سے تین دعوے نکلتے ہیں۔ یعنی دعوۂ وجود کہ مَیں ہوں، حالانکہ حق کے سوا کوئی وجود نہیں۔ دعوۂ قوت اور دعوۂ فعل، کہ یہ کام مَیں نے کیا، حقیقت یہ ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے نہ کوئی خوف ہے نہ قوت۔

مُجاہداتِ مشائخ

اس کے بعد اولیاء اللہ کے مجاہدات کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ صحابہ کرام کے زمانے میں اس قدر مجاہدات،

جو اولیائے کرام نے کئے تھے نہیں تھے۔ صحابہ کرام کا مجاہدہ کفار کے ساتھ جہاد تھا اور بس۔ البتہ صحابہ کرام شب بیداری اور نوافل میں بکثرت مشغول رہتے تھے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے صحابہ کرام کو مجاہدات کی ضرورت بھی۔ محض صحبت اور دیدار اقدس سے ہی اُن کے مراتب بلند ہوجاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ان پر جو حقائق و معارف منکشف ہوتے تھے وہ ہزار قسم کے سخت مجاہدات سے بھی حاصل نہیں ہوتے تھے۔ اس قسم کے سخت مجاہدات جو اولیائے عظام نے کئے، تابعین کے زمانے سے شروع ہوئے، فرمایا کہ شیخ ابو اسحاق ابراہیم شیبانیؒ نے چالیس سال تک خلق کے "ماکولات" اشیائے خوردنی سے کچھ نہ کھایا[1]۔ اس عرصہ دراز میں ہمیشہ کعبۃ اللہ شریف کی چھت کے نیچے سویا کرتے تھے نیز آپ نے اَسّی سال اپنی خواہش سے کچھ نہ کھایا[2] اور شیخ ابو علی دقاقؒ نے ساری عمر پُشت زمین سے نہیں لگائی[3]۔ شیخ ابو بکر قتانیؒ تیس سال تک میزاب رحمت (کعبۃ اللہ کے پرنالے) کے نیچے دو زانوں ہو کر بیٹھے رہے اور اس مدت کے دوران آپ آٹھ پہر میں ایک دفعہ وضو کرتے تھے، اور اس عرصے میں آپ نے نیند نہ کی۔ حاجت بشری، وضو اور نماز کے سوا اس جگہ سے کبھی نہیں اُٹھتے تھے۔ شیخ منصور کامل ایک سال کعبۃ اللہ کے سامنے دھوپ میں برہنہ جسم کھڑے رہے یہاں تک کہ آپ کی چربی پگل کر فرش پر ٹپک رہی

---

[1] اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کا دیا ہوا کچھ نہ کھایا، یا یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ جو خوراک عام طور پر لوگ کھاتے ہیں، وہ تناول نہ فرمائی اور خسیس چیزوں سے بھوک دور کرکے گذارہ کرتے رہے

[2] "اپنی خواہش سے نہ کھایا" کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ سامنے آگیا کھالیا کسی چیز کو حسبِ خواہش طلب کیا نہ خود خواہش کے مطابق تیار کرائی۔

[3] یعنی کبھی لیٹ کر نہ سوئے بلکہ غلبۂ نیند کو بیٹھے بیٹھے فرو کیا۔ ان حضرات کا پاؤں پھیلا کر نہ سونا اس خیال سے ہے کہ اللہ جل مجدہٗ کے سامنے ٹانگیں دراز کرنا بے ادبی ہے۔ اسی طرح ایک بزرگ تمام عمر پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے تھے محض اس خیال سے کہ حق تعالیٰ جل مجدہٗ کے سامنے بے ادبی نہ ہو۔

تھی اور کھال اتر رہی تھی لیکن آپ نے ذرہ بھر حرکت نہ کی۔ آپ کے لئے روزانہ ایک روٹی لائی جاتی تھی آپ کنارے سے کھا لیتے تھے اور باقی کوزے پر رکھ دیتے تھے شیخ عبداللہ تستریؒ ساٹھ دن کا صومِ وصال رکھتے تھے، ساٹھ دن مسلسل روزے کے بعد افطار کرتے تھے اور وہ افطار[1] بھی کنار (چنار) کے درخت کے پتوں سے ہوتا تھا۔ درخت کے پتے آپ کوٹ کر کھایا کرتے تھے۔ ایک بزرگ نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے کہا کہ اپنے مجاہدات سے مجھے مطلع کریں تاکہ میں بھی وہی بجالاؤں۔ آپ نے فرمایا میرے مجاہدات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک رات مجھے غسل کی ضرورت ہوئی، وہ تہجد کا وقت تھا۔ سخت سردی کا موسم تھا برف پڑ رہی تھی۔ میرے نفس نے سردی کی وجہ سے غسل کرنے میں لحظہ بھر دیر کردی۔ آخر میں نے اٹھ کر سرد پانی سے غسل کیا اور تہجد پڑھی لیکن نفس کی اس تاخیر کی وجہ سے میں نے اسے یہ سزا دی کہ سال بھر دن رات میں اپنے کپڑے تر کئے رکھتا تھا جب کپڑے خشک ہو جاتے تو میں پانی کا مٹکا اٹھا کر سر پر ڈال دیتا تھا

حضرت اقدس نے فرمایا کہ دیکھو حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ خراسان جیسے سرد ملک میں جہاں گرمی کا موسم ہمارے ہاں کے سردی کے موسم کے برابر ہوتا ہے، رہتے تھے۔ ایسی سردی میں آپ نے اپنے نفس کو ایک لحظہ کاہلی کی یہ سزا دی کہ ایک سال تک تر کپڑے پہنتے تھے۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ کا مجاہدہ

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز شیخ سلطان الہند معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ آپ کی غذا یہ تھی کہ سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے کوٹ کر اپنی ہتھیلی پر رکھ کر پانی سے تر کر لیتے اور تناول فرما لیتے تھے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ دو بزرگ ایسے ہوئے ہیں جو پیدائش سے لے کر وصال تک صائم الدہر رہے ہیں۔ ایک حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ، دوسرے حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ۔

---

[1] یعنی روزانہ روزہ رکھتے تھے، افطار کے ساتھ۔

سحر اور جادو وغیرہ

اس کے بعد سحر، جادو، ڈائن، بھوت وغیرہ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا، سحر اور جادو حق ہے اور احادیث صحیحہ سے اس کے موثر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے مؤثر ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کیا گیا (اور آپ پر اُس کا اثر ظاہر ہوا) پس جادو اور سحر کا وجود دُنیا میں ہے۔ (پس اس کا وجود ہونا حق ہے اور جادو کا عمل شرع میں ناجائز و گناہ کا موجب ہے)۔

ڈائن

فرمایا، ڈائن بھی دنیا میں موجود ہے۔ ڈائن اُس عورت کو کہتے ہیں جو جادو، سحر اور منتر کے ذریعے عجیب و غریب شعبدے دکھا سکتی ہے۔ چنانچہ ایک ساعت میں وہ سُو سو کوس کا سفر کر لیتی ہے اور بہائم و طیوُر کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

بھُوت

بھوت کا وجود بھی دنیا میں ہے۔ شریر اور خبیث آدمی کی روح ہوتی ہے جو مرنے کے بعد لوگوں کے کاموں میں تصرف کرتی ہے اور نقصان پہنچاتی ہے۔ فرمایا کہ وہابی لوگ بحث و مباحثہ کرتے اور کہتے ہیں کہ اَولیاء صاحبِ مزار کو دنیا کے کاموں میں تصرف کی قدرت نہیں اور لوگوں کی حاجت برآری نہیں کر سکتے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز محدثِ دھلویؒ وغیرہ اکابر علماء نے اپنی تصانیف میں وہابیوں کے اس قول کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ تجربہ اور آزمودہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شریر لوگوں کی روحیں موت کے بعد بھُوت کے نام سے موسوم ہو کر لوگوں کے کاموں میں تصرّف کرتی اور نقصان پہنچاتی ہیں جب خبیث اور شریر روحوں کو موت کے بعد یہ قدرت حاصل ہے تو اَرواحِ طیبہ خصوصاً اولیاء کرام بطریق اَولیٰ اور صدہا درجہ زیادہ لوگوں کے معاملات میں تصرف کر سکتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ بھُوت موجود ہیں۔

ملفوظ ۱۴۰

ایک مشکل رُباعی کا مطلب!

کتاب "رشحات" کھول کر حضرت اقدس نے ایک رباعی راقم کو دکھائی اور فرمایا کہ یہ حضرت شیخ

علی رامیتنیؒ کی رباعی ہے، اس کا مطلب بیان کرو ؎

خواہی کہ بحق رسی بیارم اے تن　　وانذر طلب دوست بیارامی اے تن

خواہی مدد از روحِ عزیزاں یابی　　یا از سر خود ساز بیارامی تن

میں نے اور ایک دوسرے آدمی نے اس رباعی کا مطلب بیان کیا لیکن پوری طرح صحیح تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ پہلے مصرع میں لفظ "بیارم اے تن" کاتب کی غلطی ہے دراصل "بیارامی تن" ہے۔ اور مصرع یوں ہے:

خواہی کہ بحق رسی بیارامی تن　　وانذر طلب دوست بیارامی تن

چنانچہ تمام مصرعوں میں یہی لفظ "بیارامی تن" آیا ہے پس سارا تفنن (تکمیل) لفظ "رامی تن" میں ہے جس کا ہر مصرع معنیٰ میں جُدا ہے چنانچہ پہلے مصرع میں اس کے معنیٰ ہیں "آرام کرتو"۔ دوسرے مصرع میں بیار جُدا ہے جس کے معنیٰ ہیں "قوت" کے اور می تن جُدا ہے جس کے معنیٰ ہیں "جدوجہد کر"۔ یہاں "تن" کا مصدر تنیدن ہے یعنی کوشش کرنا چنانچہ سرائیکی زبان میں بھی کہا جاتا ہے "تن مار" (کوشش کر)۔ آخری مصرع میں "بیارمی تن" مرکب ہے لفظ بیا سے جو امر کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ ہیں "آؤ" اور رامیتن سے حضرت علی رامیتنیؒ کا شہر مراد ہے۔ پس رباعی کے معنیٰ یہ ہوئے کہ "اگر حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کر کے تن کو سکون پہنچانا چاہتا ہے اور اگر طلبِ حق میں آرام و سکون حاصل کرنا چاہتا ہے اور حضرت شیخ عزیزان سے مدد حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنے سر کو پاؤں بنا، یعنی سراپا طلب بن کر رامیتن میں آ"۔ اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ علی رامیتنیؒ کا سلسلہ نقشبندیہ میں لقب عزیزان ہے۔ آپ بڑے مشائخ میں سے تھے اور (بخلاف طریق نقشبندیہ) آپ ذکر جہری کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی اور شیخ رکن الدولہ سمنانیؒ کی ذکر جہری اور ذکر خفی کے متعلق خط و کتابت بھی رہی ہے۔

ذکرِ جہری کا جواز

اس کے بعد فرمایا کہ مولوی سیف الدین نامی ایک عالم نے حضرت خواجہ عزیزان کو خط لکھا کہ آپ ذکرِ جہری کیوں کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ علماء و فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ آخری سانس (یعنی موت) کے وقت لا الٰہ الا اللہ بلند آواز سے کہنا برائے تلقینِ نفس خود ضروری ہے۔ پس ہم نے اپنے ہر سانس کو آخری سانس جان کر

ذکر جہری اختیار کر رکھا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ علی رامیتنی رح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خوارزم جانے کا حکم ہوا۔ جب آپ شہرِ خوارزم کے دروازے پر پہنچے تو اپنے اصحاب کو بھیجا کہ بادشاہ کے پاس جا کر اس شہر میں رہنے کی اجازت طلب کرو اور بادشاہ سے اجازت نامہ لکھوا کر اس کی مُہر لگوا لینا چنانچہ انہوں نے بادشاہ کے دربار میں جا کر یہی معروضہ پیش کیا۔ معروضہ سُن کر تمام اراکین دولت ہنسنے لگے کہ جولاہوں نے بات بھی جولاہوں جیسی کی ہے۔ خیر بادشاہ کے حکم سے اجازت نامہ لکھا گیا اور اس پر مُہر ثبت کر دی گئی۔

ہدایتِ خلق کا نرالا طریقہ

چنانچہ حضرت شیخ نے شہر میں سکونت اختیار کر لی اور لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ چند مزدور بُلا لیتے اور اُن سے فرماتے تھے کہ سارا دن خلوت میں بیٹھو اور یہ ذکر کرتے رہو۔ شام کو اپنی مزدوری مجھ سے لیا کرو۔ یہ دیکھ کر لوگ خوشی خوشی اُن کی بات قبول کر لیتے تھے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ شہر اور نواح کے بہت سے لوگ جمع ہو کر مزدوری پر ذکر کرنے لگے۔ جس سے اُن کا تصفیۂ قلب ہو گیا اور حُبِّ دنیا سے آزاد ہو کر مُرید ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ بکثرت لوگ اُن کے گرد جمع ہونے لگے اور آپ کی بڑی شہرت ہو گئی۔ بعض حاسدوں نے بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کی کہ ان کے ہاں گاہ بگاہ خلق کا اژدھام رہتا ہے۔ شاید بادشاہ سلامت کا مقابلہ کرنے کا خیال رکھتا ہے۔ بہتر ہے کہ اسے شہر بدر کر دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے حکم دے دیا کہ شہر سے باہر چلے جاؤ۔ آپ نے دو فقیروں کو اجازت نامہ دے کر بادشاہ کے پاس بھیجا کہ یہ شاہی سند ہے۔ اب اگر آپ عہد شکنی کرنا چاہتے ہیں تو ہم چلے جاتے ہیں۔ جب فقیروں نے بادشاہ کے پاس جا کر آپ کا پیغام دیا اور اقامت کی سند پیش کی تو بادشاہ اور اُمراء شرمندہ ہوئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں معافی مانگنے کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں معاف فرمایا اور بادشاہ مع اپنے جملہ اراکین، آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ عزیزان جولاہوں کا کام کرتے تھے۔ ایک دن آپ سے

کسی نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے۔ فرمایا "توڑنا اور جوڑنا"۔ جس طرح جولاہا کرتا ہے۔ آپ بظاہر ان پڑھ تھے لیکن اپنی تصانیف میں نہایت ہی بلند مضامین بیان فرمائے ہیں۔ آپ کی مندرجہ رباعیاں بلند پایہ مضامین سے لبریز ہیں ؎

۱
با ہر کہ نشینی و نشد جمع دلت — وز تو نہ رمید زحمتِ آب و گلت
از صحبت وے اگر تبرا نکنی — ہرگز نہ کند روحِ عزیزاں بحلت

(اگر کسی شخص کے پاس بیٹھنے سے تجھے تسکین قلب حاصل نہ ہوئی اور تجھے آب و گل کی قید سے رہائی نصیب نہ ہوئی، اگر تو اس کی صحبت ترک نہیں کرے گا تو عزیزاں کی روح نہیں نکلے گی، یعنی سخت تکلیف ہوگی)۔

۲
بیچارہ دلم عاشقِ روئے تو بود — تا وقت صبوح در کوئے تو بود
چوگان سرِ زلف تو از حال بحال — می بردش او ہمچناں بیلے گوئے تو بود

(میرا دل بیچارہ تیرے رُخِ انور کا عاشق تھا، صبح تک تیرے کوچے میں رہا اور تیری زلفِ پریشان نے اسے بے حد پریشان کیا جس طرح چوگان گیند کو پریشان کرتا ہے)۔

۳
چوں ذکر بہ دل رسد دلت دردکند — آں ذکر کند کہ مرد را فرد کند
ہر چند کہ خاصیتِ آتش دارد — لیکن دو جہاں ہر دل تو سرد کند

(جب ذکر اللہ دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو دل منور ہو جاتا ہے۔ یہ ذکر ہے کہ مرد کو فرد (یگانۂ روزگار) بناتا ہے۔ ذکر اگرچہ آگ کی تاثیر رکھتا ہے لیکن دونوں جہانوں سے تیرے دل کو سرد کر دیتا ہے۔ یعنی طلب مٹ جاتی ہے)۔

فرمایا، آخری رُباعی میں کس قدر بلند مضمون ادا فرمایا ہے۔ سچ ہے کہ جب علمِ لدنی عطا ہوتا ہے تو جہل علم سے مبدّل ہو جاتا ہے اور علومِ رسمی و ظاہری کی ضرورت نہیں رہتی۔

حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ کی عظمت

اس کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عظمت کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ امامِ طریقت و پیشوائے جہاں اور مقتدائے اہلِ وحدت ہیں۔ فرمایا، حضرت قطب المشائخ خواجہ گنج شکر

قدس سرہٗ کافی مدت تک حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی صحبت میں رہے آپنے ان کی کتاب "عوارف المعارف" کا سبق بھی مریدین کو دیا ہے اسی وجہ سے عوارف المعارف کا درس ہمارے مشائخ عظام کے لئے بطور سند آیا ہے اور ہر شیخ نے اپنے شیخ سے اس کتاب کا درس لیا ہے۔

مقبوس ۱۵

میاں محمد بخش لانگری، ایک ڈونگے میں پکا ہوا گوشت لایا۔ اُس نے کہا حضور یہ گوشت اس بکری کا ہے جو حضور کے فرمان کے مطابق شہر کے گرد گھما کر ذبح کی گئی۔ آپ نے اُس میں سے ایک بوٹی تناول فرمائی اور دو گھونٹ شوربا بھی پیا۔ پھر فرمایا کہ باقی حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیا جائے چنانچہ سب لوگوں کو تھوڑا تھوڑا حصہ ملا۔ اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور مجھے دفع بلا کی تلقین فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دعا ہے کہ جس کے الفاظ تو مختصر ہیں لیکن فوائد بہت زیادہ ہیں:

دُعا برائے دفع بلا و وبا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط لِيْ خَمْسَةٌ أُطْفِيْ بِهَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَةِ الْمُصْطَفٰى وَالْمُرْتَضٰى وَ اَبْنَاهُمَا وَ الْفَاطِمَةُ ط یہ دعا ہر نماز کے بعد پانچ مرتبہ پڑھ کر اپنے اُوپر دم کر دی جائے اگر ایک جگہ بیٹھ کر بیک وقت چالیس مرتبہ پڑھی جائے تب بھی درست ہے نیز اگر اس کو لکھ کر دروازے پر چسپاں کیا جائے تو بھی وبا دفع ہو جاتی ہے اور گھر کے تمام لوگ وبا سے محفوظ رہتے ہیں۔

دیگر دعا برائے دفع وبا

ایک دعا مبارک یہ ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط اللھم یا ولی الولاء ویا سامع الدعاء ویا کاشف الضر والبلاء اصرف عنا شر الطاعون فا لمفلجات والوبا بحق محمد ن المصطفٰی وعلی اللہ المرتضٰی وفاطمۃ الزھراء وخدیجۃ الکبریٰ

وعائشۃ الحمیری وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہٖ اجمعین ط یہ دعا ہر نماز کے بعد پانچ مرتبہ پڑھ کر اپنے اُوپر دم کرے تو وبا اور طاعون، موت ناگہانی اور ہر آفت وبلا سے اللہ تعالیٰ کی امان میں رہے گا۔ ایک اور دعا یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم ط لی خمسۃ اطفی بہا حرالوباء الحاطمۃ المصطفٰی والمرتضیٰ وابناھما والفاطمۃ کوب درکوب درقاف درقاف دردریا بحق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ط کاغذ پر لکھ کر گھر کے دروازے پر چپاں کی جائے تو بلا دفع ہو گی اور اہل خانہ محفوظ رہیں گے۔ یہ دعا لکھ کر حضرت اقدس کے محل کے دروازے پر چسپاں کی گئی اس سال اس ج کے مہینے میں کافی وبا پھیلی اور بہت سے لوگ مر گئے تمام خلقت پریشان تھی لیکن چاچڑاں شریف اس وبا سے محفوظ رہا۔ باقی سارا علاقہ متاثر تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک سیاہ رنگ کی بکری لے کر بڑی دعا سات مرتبہ پڑھ کر بکری کے سر پر دم کی جائے یعنی ہر بار پڑھ کر دم کی جائے نہ کہ مجموعی طور پر سات مرتبہ پڑھ کر ایک بار دم کریں۔ پھر بکری کو شہر کے گرد گھمایا جائے اور ذبح کر دیا جائے۔ گوشت کو پکا کر شہر کے تمام لوگوں کو گوشت اور شوربا کھلایا جائے بکری کو شہر میں گھماتے وقت سب لوگ شہر میں رہیں باہر کوئی نہ جائے اور نہ ہی کوئی شخص باہر سے شہر میں داخل ہو۔ چنانچہ یہ گوشت وہی تھا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس میں سے ہر شخص کو یہ گوشت کھلایا گیا۔

اس کے بعد ایک شخص غلام حسین نامی ساکن پنڈی تحصیل سنگھڑ نے جو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رح کا مُرید تھا، عرض کیا کہ حضور آپ نے خلوت کا وعدہ فرمایا تھا۔ یہ سُن کر آپ اس کے ساتھ ایک حجرہ کے اندر تشریف لے گئے اور فرمایا، کہو کیا کہتے ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور میں ایک خوبصورت عورت پر عاشق ہوں اور اس عشق میں مَیں نے بیحد ذلت اور خواری برداشت کی ہے اور لوگوں میں بے انتہا بدنام ہوں۔ اَب اس غلام کا عرض یہ ہے کہ کسی طرح میرا دل اس کے عشق سے آزاد ہو جائے تاکہ مجھے آرام و سکون حاصل ہو۔ آپ نے اُسے یہ تعویذ لکھ کر دیا: | ۴۸۶ م ح م د | اور فرمایا کہ یہ تعویذ آبِ طلا (سونے کے پانی) سے

ہرن کی کھال پر لکھ کر بوقتِ عشا رسونے کے وقت اپنے قلب پر باندھ کر سو جانا اور ایک تسبیح ایک بار صلی اللہ علیک یا رسول اللہ پڑھ کر اپنے دل پر دم کرنا اور چالیس بار یاحی یاقیوم یا، لا الٰہ الا انت سبحانک بعد نماز مغرب پڑھا کرو۔ دوسرا عمل یہ ہے کہ جب تم اپنے دادا پیرؒ کے مزار شریف پر جاؤ تو مزار کی غربی جانب بیٹھ کر یہ تصوّر کرنا کہ نور کی ایک تار اُن کے قلب سے تمہارے سینے میں آرہی ہے اور اپنے پیر کی مجلس میں بیٹھ کر یہی تصوّر کرنا اور میں بھی اپنی طرف سے اس جگہ سے خیال رکھوں گا۔ اس کے بعد اُس نوجوان نے کہا کہ قبلہ شورشِ عشق میں کافی جگہ مجھ سے نماز نہیں پڑھی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ابتدا میں مجھ پر بھی جذب غالب ہو گیا تھا اور کامل ایک سال نماز نہ پڑھ سکا تھا۔

کیا عشقِ مجازی سے سالک کو فائدہ ہوتا ہے

اس کے بعد اُس نے پوچھا کہ کیا عشقِ مجازی بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عشقِ مجازی بغیر جذب کے فائدہ نہیں پہنچاتا بلکہ سالک کے لئے سدِ راہ اور مطلوبِ حقیقی کے رخِ انور سے حجاب کا باعث ہوتا ہے اور عاشقانِ حقیقت نے اس سے گذر کر اور پر جانے کی تاکید کی ہے اس وجہ سے عشقِ مجازی پُل ہے۔ ہر شخص پُل سے گذر کر منزلِ مقصود پر پہنچا اور آرام کرتا ہے۔ پُل پر ہی کوئی نہیں رک جایا کرتا اور اگر جذب پیدا ہو جائے تو ایک ہی جست میں دریا پار کر لیتا ہے۔ فی الجملہ یہ راہ (عشق مجازی) مشکل اور پُر خطر ہے ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اس کام میں بیحد پرہیز، تقویٰ اور راست بازی درکار ہے۔ حق تعالیٰ تک رسائی کے اور طریقے بہت ہیں اُن میں سے کسی پر عمل کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ عشقِ مجازی کے تین درجے ہیں۔ ابتدار، انتہا، انحطاط، مجھے ابتدا میں کمال جوش و خروش تھا انتہا میں کم تھا اور اب درجۂ انحطاط ہے۔ اب بھی میرے دل میں مظاہرِ جلیلہ کے لئے التفات باقی ہے لیکن سوم درجہ کی مقدار کے مطابق شیخ فخر الدین عراقیؒ، شیخ اوحدالدین کرمانیؒ اور شیخ احمد غزالیؒ اول تا آخر کمال درجہ عشقِ مجازی میں سرگرم رہے ہیں[1]۔

---

[1] یہ اُن حضرات کی ہمت ہے ورنہ عشقِ مجازی دیر تک رہے تو جلا کر خاک کر دیتا ہے اور بیحد (باقی آئندہ صفحہ پر)

مقبوس ۱۶: بوقت اشراق بروز چہار شنبہ ۳۰ ماہ و سال مذکور

ہر قسم بیماری اور وبار سے امان کا آسان طریقہ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ جس گھر میں ایک لاکھ مرتبہ اسمِ مبارک "یَاحَنَّانُ" پڑھا جائے، اہلِ خانہ ہر قسم کی بیماری اور وبار سے اللہ تعالیٰ کی امان و حفاظت میں رہیں گے۔ اس اسم شریف کے پڑھنے والے تین یا چار یا زیادہ سے زیادہ پانچ آدمی ہونے چاہئیں۔ پانچ سے زیادہ ہرگز نہ ہوں اور ابتدا سے انتہا تک تمام پڑھنے والے کامل وضو کے ساتھ رہیں بات کسی سے بھی نہ کریں بلکہ "ہُوں ہُوں" تک بھی نہ کریں اور پورا ایک لاکھ مجلس میں ختم کریں جب تک لاکھ ختم نہ ہو کوئی نہ اُٹھے۔ کیونکہ اس کے لئے ایک مجلس کی شرط ہے یعنی ہر شخص جب بیٹھ جائے تو ہرگز نہ اُٹھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تمام وظائفِ ضروریہ میں مثل ختم خواجگان وغیرہ یہی حکم ہے۔ ابتداء سے لے کر انتہا تک وظیفہ کے دَوران کلام نہ کرے کیونکہ بات کرنا ممنوع ہے۔

دُعا برائے دفع وبار اور بیماری وغیرہ

اس کے بعد آپ نے یہ دعا پڑھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط الحمد للہ رب العلمین۔ الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین آمین۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ط قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد ط اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم ط بسم اللہ العظیم السلطان الشدید الارکان کل یوم ھو فی شان ماشاء کان لاحول

(بقیہ گذشتہ صفحہ) تکلیف دیتا ہے۔ عشق حقیقی میں بہت آرام و سکون ہے کیونکہ یہاں استغراق اور محویت ہے

ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ط اللھم انا نعوذ بک من سوء القضا ودرک الشقاء وشماتۃ الاعداء ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون ط ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین ط وننزل من القراٰن ما ھو شفاء ورحمۃ للمومنین ط وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ط اس کے بعد فرمایا کہ اگر اس دعا کو تین بار پڑھ کر پانی پر دم کیا جائے تو جو شخص پانی پیئے گا حق تعالیٰ اسے ہر قسم کی وبار، بیماری اور طاعون سے امان دے گا۔ شرط یہ ہے کہ پڑھنے والا باوضو ہو، پانی کا برتن کورا ہو۔ اس کے بعد مولوی غلام رسول سے فرمایا کہ آپ اس دعا کو پڑھ کر پانی کو دم کریں اور لوگوں کو پلائیں۔

دیگر دعا برائے دفع بلا

اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھے گا، وبا، طاعون اور مرگِ مفاجات (ناگہانی موت) سے محفوظ رہیگا۔

دعا یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم ط یا منتھا طلبی یا غایۃ املی یا رب الیک ھو بی یا رب عجل فرجی ط

اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور فلاں ہندوستانی وظیفہ مسبعاتِ عشر کے لئے عرض کرتا ہے۔ آپنے فرمایا میں لکھواتا ہوں تم لکھتے جاؤ: سورت فاتحہ مع بسم اللہ سات بار، سورت کافرون مع بسم اللہ سات بار، سورت ناس مع بسم اللہ سات بار، سورت فلق مع بسم اللہ سات بار، سورت اخلاص مع بسم اللہ ست بار، آیت الکرسی بغیر بسم اللہ سات بار، کلمہ تمجید: سبحان اللہ والحمد للہ) بغیر بسم اللہ سات بار اور یہ درود شریف: اللھم صل علی سیدنا محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الامی وعلی الہ وبارک وسلم بغیر بسم اللہ سات بار۔ اللھم اغفرلی ولوالدی ولمن توالد وارحمھما کما ربیانی صغیرا واغفر اللھم لجمیع المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات انک مجیب الدعوات ورافع الدرجات وقاضی الحاجات برحمتک یا ارحم الراحمین بغیر بسم اللہ سات بار، اللھم یا رب افعل وبھم عاجلا واجلا فی الدنیا والاخرۃ ما انت لہ اھل ولا

فعل ربنا یا مولانا ما نحن اهل انك غفور رحیم جواد کریم ملك رب رؤف الرحیم
بغیر بسم اللہ سات بار اور حسب بات بار کلمۂ تمجید پڑھ لیا جائے تو اس کے بعد یہ دعا ایک بار
پڑھی جاتی ہے: عدد ما علم اللہ وزینہ ما علم اللہ وملا ما علم اللہ۔ اس کے بعد فرمایا کہ مسبعات
عشر کو طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد پڑھا جائے۔

فضیلت صحابہ کرام

اس کے بعد فرمایا، جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما دیگر صحابہ سے افضل ہیں۔ اختنین یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی۔ اگرچہ چار یار برابر ہیں، یکساں اور شیران جہان ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ احادیث میں بھی خلفاء اربع اور دیگر صحابہ کا ذکر ان کے مراتب کے مطابق آیا ہے۔ چنانچہ بشارتِ جنت کی حدیث میں یہ ترتیب ہے: ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید ابن زیدؓ، ابو عبیدہ بن جراحؓ، لیکن ایک حدیث شریف میں حضرت علیؓ کا نام حضرت عثمانؓ سے پہلے آیا ہے وہ اس طرح ہے کہ دعا کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے میرے اصحاب! جان لو اور آگاہ رہو کہ میں راضی اور خوش خوش جا رہا ہوں، ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ وغیرہ سے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہر ایک صحابی کی خصوصیات دیکھی جاتی ہیں تو ایک دوسرے سے افضل نظر آتا ہے۔ کیا حضرت عثمانؓ کی یہ خصوصیت کم ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔

القاب مشائخ عظام

اس کے بعد مشائخ کرام کے القاب کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا ترکستان میں بعض مشائخ کا لقب آقا ہے۔ بعض کو کوکا کہتے ہیں بعض کا لقب بابا اور بابہ ہے ان چاروں الفاظ کے معنی باپ کے ہیں چنانچہ حضرت خواجہ گنج شکرؒ کا لقب بادا اور بابا ہے اس کے بعد فرمایا کہ گیانی کے معنی لغتِ شاستر میں عالم کے ہیں۔ اگیان کے معنی جہل ہیں، گیان کے معنی علم ہیں اور اگیانی کے معنی جاہل کے ہیں۔ شاستری زبان میں لفظ کے شروع میں الف ہو تو نفی کے معنی دیتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ شاستر کے بعض الفاظ عربی

الفاظ کے ہم معنی ہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں عالمِ ارواح عالمِ امر ہے۔ شاستر میں بھی روح کو امر کہتے ہیں۔ لفظِ امر صیغہ امر ہے۔ مصدر مران سے شروع میں الف لگانے سے نفی کا کام دیتا ہے یعنی نہ مرنے والا۔ شاستر میں حضرت آدمؑ کو آو منا برہمن کہتے ہیں۔ "او" اس چیز کو کہتے ہیں جو سب سے پہلے پیدا کی گئی ہو۔ منا کے معنی ہیں چیت یعنی شناخت اور معرفت، برہمن کے معنی ہیں عارف چونکہ حضرتِ آدم علیہ السلام سب سے پہلے پیدا کئے گئے اور سب سے پہلے عارف ہیں اس لئے آپ کو "ادمنا برہمن" کہا گیا ہے۔ اسی طرح یزدان اور ایزد جو اسمائے الٰہی ہیں اگرچہ مجوسی (آتش پرست) لغت کے الفاظ ہیں اور چونکہ شروعِ اسلام سے مستعمل ہیں اس لئے ان سے اتنی کراہت نہیں آتی جتنی کہ لفظ بھگوان اور پرمیشر سے آتی ہے۔ حالانکہ یہ سب سے ہم معنی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ شاستر میں بی بی حواؑ کو ست روپ کہتے ہیں۔ ست بمعنی راستی یا صدق اور روپ بمعنی صورت یعنی صدق یا صورتِ راستی اس وجہ سے اہلِ شاستر پیر کو "ست گر" کہتے ہیں یعنی سچا پیر۔

مقبوس ۱۷: بوقت اشراق بروز جمعۃ المبارک ۲ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ

مولانا درویش احمد کا غلو وحدت الوجود میں[1]

حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولانا درویش احمد سمرقندی رضہ حضرت شیخ زین الدین خوافی رضہ کے مرید ہیں۔ مولانا درویش احمد کا مشرب توحیدِ وجودی تھا اور اس مشرب میں ان کو بہت غلو تھا لیکن آپ کے پیر شیخ زین الدین کا مشرب شہودی تھا اور شیخ زین الدینؒ نے درویش احمدؒ

---

[1] وحدت الوجود اور وحدت الشہود دو نظریات ہیں علم توحید میں۔ وحدت الوجود مشرب والے ہمہ اوست کے قائل ہیں اور وحدت الشہود میں ہمہ از وست ہے۔ وحدت الوجود کا مطلب یہ ہے کہ وجود ایک ہے جو وجودِ حق ہے باقی تمام اشیاء کا وجود ظلی، اعتباری، اضافی اور وہمی ہے۔ وحدت الشہود والے کہتے ہیں وجود ایک نہیں لیکن نظر ایک آتا ہے درحقیقت یہ نزاع لفظی ہے۔ دونوں کی حقیقت ایک ہے۔

کو ایک مسجد میں وعظ کے لئے مقرر کیا ہوا تھا لوگ جمع ہو کر وعظ سنتے تھے اور خود شیخ زین الدینؒ بھی مجلس وعظ میں موجود ہوتے تھے۔ ان کی مجلس میں ہزار ہا لوگ ہوتے تھے جن میں عوام بھی ہوتے تھے خواص بھی، علماء بھی ہوتے تھے عرفاء بھی۔ آپ وعظ میں اس قدر بلند حقائق و معارف بیان کرتے تھے اور قرآن و حدیث کے ایسے معانی بیان کرتے تھے کہ عرفاء بھی دنگ رہ جاتے تھے۔ شیخ درویش احمد کا دستور تھا کہ وعظ سے پہلے اور بعد سید قاسمؒ کے اشعار پڑھتے تھے جو وحدت الوجود کے متعلق ہوتے تھے لیکن شیخ زین الدینؒ کو یہ بات پسند نہ تھی اور سید قاسمؒ کے اشعار پڑھنے سے اِن کو منع کرتے تھے لیکن مولانا درویش احمدؒ اشعار پڑھتے رہتے تھے بلکہ دوسرے آدمی کو بھی اپنے ساتھ شامل کر کے اشعار پڑھتے۔ ایک دن شیخ زین الدین نے شیخ احمد کو بلا کر وحدت الوجود پر بحث کی دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے دلائل پیش کئے آخر شیخ زین الدینؒ نے رنجیدہ خاطر ہو کر شیخ درویش احمدؒ کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا اور لوگوں کے دلوں میں اُن سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جب پیر نے مُرید کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا تو لوگ اُن سے متنفر ہو گئے اور ہزار ہا لوگوں کی بجائے اَب ان کی مجلس میں صرف دس بارہ آدمی آنے لگے۔ یہ دیکھ کر شیخ درویش احمدؒ حضرت شیخ عبیداللہ احرارؒ کی خدمت میں گئے، روئے اور واویلا کیا۔ شیخ عبیداللہ احرارؒ نے ان کے حال پر شفقت فرمائی اور توجہ اور تصرف سے بھی کام لیا اور فرمایا کہ جاؤ وعظ کرو۔ جب وہ دوبارہ وعظ کرنے گئے تو ہزار ہا لوگ جمع ہوئے اور ان کا تمام سلب شدہ حال واپس آگیا۔

جنّات کی ماہیّت اور طریق تسخیر

اس کے بعد جنّات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ "جان" ابو الجنّ ہے جیسا کہ آدمؑ ابو البشر ہیں۔ شیطان جان کی اولاد ہے اور جنّات میں سے ہے۔ جنّ بھی اربعہ عناصر (آتش، آب، خاک، ہوا) سے مرکّب ہیں لیکن ان کی ترکیب میں جزوِ ناری اور ہوائی غالب ہے۔ اس وجہ سے وہ مخفی ہیں۔ چونکہ عنصرِ نار (آتش) میں سرکشی اور سوزش حرکت و حرارت ہے اور عنصر باد (ہوا) میں لطافت و سرعتِ حرکت ہے۔ اس وجہ سے جنّات کے وجود میں شرارت اور ایذارسانی رکھی گئی ہے اور ان کو ایک شکل سے دوسری شکل میں فوراً متبدّل ہونے کی قدرت حاصل ہے۔

اس کے باوجود وہ اس قدر رکیک (کمزور) اور ضعیف البنیان (کمزور جسم) ہیں کہ تھوڑے سے صدمے سے ہلاک ہو جاتے ہیں جو شخص جن کو قید کرنا چاہے وہ اس طریقے سے اس کو گرفتار کر سکتا ہے کہ جب جن اس کے سامنے کسی شکل میں ظاہر ہو تو اپنی نظر اس پر جما لے اور دوسری طرف نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ اگر آنکھ بھی نہ جھپکے تو بہتر ہے اس سے جن کو طاقت نہیں کہ اس کی آنکھوں سے غائب ہو سکے بلکہ اُسی صورت میں ظاہر اور حاضر کھڑا رہے گا۔ اُس وقت اس شخص کو اختیار ہے کہ خواہ اُسے آزاد کرے یا قتل کر دے۔ جونہی اس جن سے نظر ہٹائی جائے گی وہ فوراً دوسری شکل اختیار کر کے غائب ہو جائے گا اس وجہ سے جن جب کسی شخص پر ظاہر ہوتا ہے تو ایک شکل پر قائم نہیں رہتا اور اس کا یہ صورت بدلنا بڑی تیزی سے ہوتا ہے کیونکہ اُسے ڈر ہوتا ہے کہ شاید وہ شخص اس پر نظر جمالے جس کے بعد اُس کا بھاگنا محال ہو جاتا ہے۔

مقبوس ۱۸: بوقت اشراق بروز شنبہ ۳ رجمادی الآخر سنہ ۱۳۱۸ھ

بیویوں کو زدوکوب کرنا

عورتوں یعنی بیویوں کو زدوکوب کرنے کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ شرعی عیب کے بغیر عورتوں کو مارنا جائز نہیں۔ البتہ شرعی عیب کی صورت میں مارنا آیا ہے۔ شرعی عیب کے دو اقسام ہیں ایک محدود دوسرا غیر محدود۔ محدود عیب میں شریعت کی مقرر کردہ حد کے مطابق مارا جائے غیر محدود عیب میں حسب صوابدید مارنا جائز ہے یعنی مناسب حد تک لیکن منہ پر نہ مارنا چاہیئے کیونکہ ضرب الوجہ منہ پر مارنا حدیث میں منع ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کی ساخت ایسی ہے کہ کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔ جب اس کی فطرت میں کجی رکھی گئی ہے تو کبھی اپنی ضد سے باز نہیں آتی اور جو چاہتی ہے کرتی ہے۔

مقبوس ۱۹: بوقت اشراق بروز یکشنبہ ۴ ماہ و سال مذکور

ہدایتِ ذاتی

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہدایتِ ذاتی محض انبیا علیہم السلام کا خاصہ ہے جہاں تک اولیار اللہ کا تعلق ہے، سینکڑوں اولیار اللہ میں سے ایک مردِ خدا ایسا ہوتا ہے جس کو ہدایتِ ذاتی نصیب ہو، باقی تمام لوگوں کو خواہ اولیار ہوں یا غیر اولیار، ہدایت، تعلیم اور صُحبت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ (ہدایتِ ذاتی سے مراد ہدایتِ وہبی ہے جو پیدائشی طور پر میسر آتی ہے یعنی تمام انبیار اور مخصوص اولیار مادرزاد نبی اور ولی ہوتے ہیں)۔

ملفوظ ۲۰ بوقت اشراق بروز چہار شنبہ ۷ ماہ و سال مذکور

جنازۂ غیب

وبار کا ذکر ہو رہا تھا جو اِن دنوں چاچڑاں شریف اور نواحی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور نہر کے اُس پار ایک عورت اس وبار میں فوت ہوئی ہے لیکن اُس کا جنازہ کسی نے نہیں پڑھا اور ٹالی بہادر شاہ کے قبرستان میں دفن کر دی گئی ہے۔ آپ نے بہت رنج و افسوس کا اظہار فرمایا اور مولوی غلام رسول اور راقم سے فرمایا کہ تم کو بہت ثواب ہوگا اگر اسی جگہ کھڑے ہو کر اس کے لیے امام شافعیؒ کے مذہب پر نمازِ جنازہ پڑھ لو چنانچہ مجلس سے اُٹھ کر ہم مسجد میں گئے۔ مولوی غلام رسول نے اقامت کی، مَیں اور دو اور آدمی مقتدی ہوئے اور نمازِ جنازہ غیبی اَدا کی حالانکہ اس کی قبر یہاں سے ایک میل دُور ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ وبار ہمارے زمانے میں تین بار آئی ہے۔ ایک دفعہ اس وقت وبار آئی جب حضرت فخر الاولیار موجود تھے۔ یہ مرض کوٹ شریف میں عرس کے اَیام میں آئی تھی چنانچہ ہم کوٹ شریف میں مقیم رہے دریا کے پار نہ گئے اس وقت چاچڑاں شریف میں نو آدمی فوت ہوئے تھے۔ تین شہر چاچڑاں شریف میں، چھ باہر دیہات میں۔ باقی تمام علاقوں میں تہلکہ مچا ہوا تھا اس وجہ سے کہ یہ وبار عالمگیر تھی اور سارا ملک اس کی زد میں آ گیا تھا۔ دوسری بار ۱۳۰۸ھ میں وبار آئی اگرچہ یہ مرض عالمگیر نہ تھی لیکن ہمارے علاقے میں کافی نقصان ہوا اور چاچڑاں میں چھ سات آدمی مر گئے اس وقت ہم چاچڑاں میں نہیں تھے بلکہ بہاول پور نواب صاحب کی دعوت پر گئے ہوئے تھے اور تیسری بار وبار اب آئی ہے اگرچہ یہ مرض عالمگیر ہے اور ساری دنیا میں پھیل چکی ہے اور چاچڑاں کے گرد و نواح میں کافی لوگ

مر چکے ہیں۔ شہر چاچڑاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب تک محفوظ ہے دیکھیں آئندہ کیا ہوتا ہے۔ (احقر راقم کہتا ہے کہ پہلی دو بار حضرت اقدس چاچڑاں میں نہیں تھے اور نقصان ہوا۔ اب خود جلوہ افروز ہیں تو اس لئے شہر بھی محفوظ ہے)۔

وبا میں پرہیز لازمی ہے

اس کے بعد فرمایا کہ ان وبا کے ایام میں ہر شخص کو چاہیے کہ کھانا کم کھائے۔ روٹی مونگ کی دال کے ساتھ کھائے اور گوشت، دودھ اور لسی سے پرہیز کرنا چاہیے نیز میوہ جات بھی نہیں کھانے چاہئیں۔

مرض جذام یعنی کوڑھ سے پرہیز

اس کے بعد فرمایا کہ مرض جذام کوڑھ سے پرہیز لازمی ہے۔ اس مرض کے مریض کے ساتھ کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا بھی ترک کرنا چاہیے [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان

اس کے بعد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ سبحان اللہ اگرچہ آپ اُمّی (بظاہر ان پڑھ) ہیں لیکن ہزاروں علوم، حقائق و معارف، اسرار و رموز، امر و نواہی اُسی اُمّی لقب سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

یتیمے کہ ناکردہ ابجد درست
کتب خانہ چند ملت بشست

(وہ یتیم کہ جس نے قرآن بھی کسی سے نہیں پڑھا تھا اُس نے کئی امتوں کے کتب خانے دھو ڈالے)۔

خصائل حضرت قبلہ عالم مہاروی رحؒ

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی رحؒ کا ظہور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی

---

[1] حدیث شریف میں بھی ممانعت آئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے فر من المجذوم کما تفر من الاسد (یعنی مجذوم سے اس طرح بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو)۔ ایک جرمن ڈاکٹر نے جب اس مرض کے جراثیم کا فوٹو لیا تو حدیث کے الفاظ کے مطابق جراثیم کی شکل شیر کی طرح تھی۔ بہت حیران ہوا کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے پیغمبر اسلام نے یہ لفظ استعمال فرمایا تھا حالانکہ اس وقت نہ کوئی شخص جراثیم کے وجود کو جانتا تھا اور نہ چھوت چھات کو۔

طرح ایک نمونہ ہے۔ آپ بھی کم خواندہ تھے صرف کتاب قطبی تک آپ کی تعلیم تھی اور یہ ذرا سا علم علمائے متبحر کے سامنے، جو آپ کے زمانے میں تھے اُمّیت (ان پڑھ ہونے) سے زیادہ نہیں لیکن جب آپ کا ظہور ہوا تو تمام علماء، فضلاء، سادات، مخادیم، اُمراء، رؤساء، نواب، جب آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے تو غلاموں کی طرح آپ کے مطیع و فرمانبردار بن گئے اور آپ کے خوانِ معرفت سے ریزہ چینی کرنے لگے۔

مقبوس ۲۱: بوقت اشراق بروز جمعرات ۸ ماہ و سال مذکور

نوٹ: اس مقبوس میں کوئی تعلیمی مضمون نہیں ہے اس لئے بخوفِ طوالت ترک کردیا گیا ہے۔

مقبوس ۲۲: بوقت اشراق بروز سہ شنبہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ

کیا استعداد کے بغیر حصول ولایت ممکن ہے

مجلس میں ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضور کیا قابلیت اور استعداد کے بغیر بھی حصولِ ولایت ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قابلیت ضروری شرط نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا:

دادِ او را قابلیت شرط نیست   بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

(حق تعالیٰ کی عنایت کے لئے قابلیت ضروری نہیں بلکہ خود قابلیت کا ہونا اُس کی عنایت ہے۔ یعنی جس کو ولایت عطا کرنا مقصود ہوتا ہے اُسے اُس کی قابلیت بھی عطا کر دی جاتی ہے)۔

نظرِ بد کی حقیقت کیا ہے

اس کے بعد نظر بد کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ ایک آدمی نے کہا کہ نظر بد ہر شخص سے نہیں لگتی۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ نظرِ بد کا لگ جانا حق ہے اور ہر شخص سے نظر لگ سکتی ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ نظر لگنے سے مراد یہ ہے کہ کسی پسندیدہ چیز کی طرف ہمت، تصرّف اور توجۂ دل کا موڑنا۔ مثلاً

ایک شخص کسی کھانے یا دوسری اچھی چیز کی طرف دیکھتا ہے اور اس کا دل یہ کہتا ہے کہ یہ چیز لذیذ ہوگی کاش اسے میں کھاتا یا یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اچھی چیز ہے کاش میرے پاس ہوتی۔ پس اس کے اس خیال اور توجہ میں اثر ہوتا ہے اور اس چیز کے کھانے یا استعمال سے نقصان واقع ہوتا ہے یا خود وہی چیز خراب ہو جاتی ہے چنانچہ بعض اوقات نظر لگنے سے پتھر بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ ہے نظر بد جسے چشم زخم بھی کہتے ہیں۔ چونکہ نظر میں آنکھ سے دیکھنا ضروری ہے اس لئے اسے چشم کے ساتھ منسوب کیا ہے کیونکہ آنکھ دل کی جاسوس اور خادم ہے۔ اس لئے اسے چشم زخم کہا گیا ہے ورنہ اصل کام دل کا ہے بعض اوقات جب کسی چیز پر نظر پڑتی ہے لیکن دل کی طرف سے توجہ نہیں ہوتی تو نظر نہیں لگتی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہر شخص سے نظر نہیں لگتی بلکہ مخصوص آدمیوں سے لگتی ہے جو دل سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر دل کی توجہ نہ ہو تو نظر نہیں لگتی البتہ لوگوں کی توجہ یا قوت توجہ میں فرق ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کی توجہ قلب قوی ہوتی ہے اور ان کی نظر بد کا نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ بعض کی توجہ ضعیف ہوتی ہے لہٰذا اس کا اثر بھی کم ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب میری نظر کسی دلکش چیز پر پڑتی ہے اور میری ذرا سی توجہ اس کی طرف مبذول ہوتی ہے تو میں فوراً کوئی نہ کوئی چیز پڑھ کر اس پر دم کر دیتا ہوں۔

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور ایک بزرگ کے عرس کے لئے اگر کوئی چیز مخصوص کر لی جائے اور وہ عرس گذر جائے تو کیا وہی چیز کسی دوسرے بزرگ کے عرس پر صرف کی جا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں، ہرگز نہیں بلکہ اسی چیز کو محفوظ رکھے اور جب وہ عرس آئے تو اسے خرچ کرے یا اگر یہ نہیں کر سکتا تو وہ چیز اسی وقت فقراء میں تقسیم کر کے اس کا ثواب اس بزرگ کی روح کو پہنچا دے۔ یہ جائز ہے۔

اولیاء اللہ پر بعض شاہان کا ظلم

اس کے بعد اس بات پر گفتگو ہونے لگی کہ بعض اولیاء کرام پر شاہانِ وقت نے ظلم و ستم کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ میرے قبلہ محبوب الٰہی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ اولیاء کرام اور شاہانِ وقت و علماء ظواہر کے درمیان اکثر عداوت رہی ہے۔ چنانچہ بعض اولیاء کرام بادشاہوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور بعض بادشاہ اولیاء کرام کی تیغ قہر و جلال سے ہلاک ہوئے ہیں۔ نیز بعض اولیاء اللہ علماء ظاہر کے

ہاتھوں شہید ہوئے ہیں اور علماءِ ظاہر اولیاءِ کرام کی بددعا سے ذلیل و خوار ہو کر ہلاک ہوئے ہیں۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ آیا علماءِ ظاہر سے بھی اولیاء اللہ شہید ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں شیخ منصورؒ کو کس نے قتل کرایا تھا اگر علماء فتویٰ نہ دیتے تو وہ کیوں قتل ہوتے۔ لیکن جب علماء نے فتویٰ دیا اور مُہر لگا دی تو بادشاہ نے مجبور ہو کر ان کو قتل کرا دیا۔

سُلطان المشائخ کی مخالفت

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ قدس سرہٗ کے وقت میں سات بادشاہ ہو گذرے ہیں اُن میں سے تین بادشاہ تہہ دل سے آپ کے معتقد تھے اور چار منکر اور دشمن تھے۔ سلطان محمد تغلق اگرچہ بظاہر عقیدت مند تھا لیکن باطن میں وہ مخالف تھا۔ اسی وجہ سے وہ حضرت شیخؒ کے خلفاء پر ظلم کیا کرتا تھا۔ خاص کر حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلویؒ جو حضرت شیخؒ کے خلیفہ و جانشین تھے اور جن کا سارا جہاں غلام و مطیع تھا۔ بادشاہ آپ سے حد درجہ دشمنی رکھتا تھا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ ہم نے سُنا ہے کہ بادشاہ نے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کو اس خدمت پر مامُور کیا تھا کہ ہر جمعہ کے دن آ کر بادشاہ کو پوشاک پہنائیں۔ اس خیال سے کہ آپ یہ بات قبول نہیں فرمائیں گے اور اس بہانے وہ آپ کو شہید کر دے گا چنانچہ آپ نے یہ خدمت قبول کر لی اور ہر جمعہ آپ محل میں جا کر بادشاہ کو پوشاک پہنلاتے تھے لیکن پھر بھی بادشاہ نے آپ کی گردن میں میخ گاڑ کر اُلٹا لٹکا دیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ روایت مَیں نے بھی چند کتابوں میں دیکھی ہے لیکن یہ کتابیں غیر معتبر ہیں اس وجہ سے کہ اکثر لوگوں نے بزرگوں کے حالات بلاتحقیق لکھے ہیں اور بعض ایسی روایات درج کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ انہوں نے صحیح، سقیم، صادق و کاذب میں کوئی فرق نہیں کیا بلکہ ہر خشک و تر لکھ دیا ہے۔ البتہ معتبر کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ سلطان محمد تغلق دوسری حرکات سے آپ سے بے ادبی کے ساتھ پیش آیا حتیٰ کہ اُس نے آپ کو ملک بدر بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت مخدومؒ دہلی سے ہجرت کر کے جب نارنول پہنچے تو حضرت شیخ محمد ترک نارنولی کے مزار پر حاضری دی وہاں ایک سُفید پتھر تھا۔ حضرت شیخ نے کھڑے ہو کر کافی دیر تک اس پتھر پر نظر جمائے رکھی۔ اور دوسری طرف متوجہ نہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر تمام حاضرین حیران تھے۔ جب آپ مزار پر فاتحہ پڑھ کر

باہر آئے تو لوگوں نے پتھر پر نظریں جمانے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سفید پتھر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور مَیں آپ کے دیدار میں مشغول تھا۔ جب آپ وہاں سے دوسری طرف چلے گئے اس وقت مَیں مزار پر گیا اور یہ مقام بہت متبرک اور قبولیت کی جگہ ہے جو شخص یہاں کھڑے ہو کر دعا مانگے گا، قبول ہو گی۔ اس پر کسی بدزبان نے جو آپ کا مخالف تھا، بدزبانی کی کہ اگر یہ جائے مقبولیت ہے تو آپ نے ملک بدر ہونے کے بعد یہاں پر دعا کیوں نہیں کی تاکہ وطن جا کر آپ اپنے گھر میں رہتے۔ آپ نے فرمایا میری مراد حاصل ہو چکی ہے۔ چنانچہ آپ اُسی مقام پر تھے کہ سلطان محمد تغلق کا پروانہ آ گیا کہ حضرت مخدوم دہلی واپس آ کر اپنے گھر میں سکونت اختیار کریں اور جو غلطی ہوئی ہے اسے معاف فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ بھی ہوا کہ سلطان محمد تغلق بھی حضرت مخدوم کے قہر و جلال میں آ کر ہلاک ہوا۔

مقبوس ۲۳: بوقت اشراق بروز یکشنبہ ۱۸ ماہ و سال مذکور

نوٹ: اس مقبوس میں کوئی تعلیمی مضمون نہیں ہے اس لئے ترک کر دیا گیا ہے۔

مقبوس بوقت اشراق بروز دوشنبہ ۱۹ ماہ و سال مذکور

کوریجہ قوم کی اصل

مجلس میں کوریجہ قوم کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مَیں کہتا ہوں کہ کوریجہ قوم ابڑہ کی ایک شاخ ہے۔ یعنی کوریجہ در اصل ابڑہ ہے۔ اس پر حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے تعجب سے عرض کیا کہ قبلہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں کوریجہ کو قریشی فاروقی لکھا ہے اور حضور فرما رہے ہیں کہ کوریجہ قوم ابڑہ میں سے ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کوریجہ قوم کا قریشی ہونا بعض ملفوظات سے لیا گیا ہے اور اکثر ملفوظات بغیر تحقیق لکھے گئے ہیں اس وجہ سے معتبر نہیں ہیں۔ وہ ملفوظات جو شیخ کے سامنے لکھے ہوئے ہوں اور شیخ نے دیکھ لئے ہوں یا ان کو پڑھ کر سنائے گئے ہوں وہ مستند

اور معتبر ہوسکتے ہیں بلکہ اُن میں بھی بعض اقوال ضعیف اور غریب (غیر معتبر) ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ فواد الفواد اور اسرار اولیاء حضرت شیخ کے سامنے لکھی گئی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ دم والا شریف کے مخادیم جو کوریجہ قوم ہیں، ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اس وقت دم شریف کے سجادہ نشین میاں محمد شفیع ہیں جو عالم بھی ہیں اور درویش بھی، اُن کے پردادا جن سے اس خاندان کی ولایت شروع ہے، کا نام شیخ حاجی احمدؒ ہے جو شیخ محمد زمانؒ لواری والہ کے مُرید و خلیفہ ہیں۔ شیخ محمد زمانؒ کے بہت خلفاء تھے اُن کے ایک خلیفہ شیخ عبدالرحیم گردریؒ تھے جو متبحر عالم اور درویش تھے اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوئیؒ بھی شیخ محمد زمانؒ کے مُرید تھے۔ ملکِ سندھ میں دو بڑے متبحر عالم تھے جن کے برابر ملک میں دوسرا کوئی نہ تھا، ایک عبدالرحیم گردریؒ، دوسرے مخدوم محمد ہاشمؒ۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے ہم پایہ تھے لیکن مخدوم محمد ہاشم علم ظاہری پر رہے اور شیخ عبدالرحیمؒ فقر و ولایت حاصل کر کے شیخ محمد زمانؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہوئے ہیں۔ شیخ عبدالرحیمؒ قوم منگریجہ میں سے تھے اور حاجی احمد قوم کوریجہ سے تعلق رکھتے تھے اگرچہ وہ شیخ محمد زمانؒ کے آخری اور سب سے چھوٹے خلیفہ ہیں لیکن بعد میں وُہ اکابر خلفاء میں سے ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ۔ جسقدر رُشد و ارشاد حاجی احمد صاحب سے جاری ہوا ہے، شیخ محمد زمانؒ کے کسی خلیفہ سے جاری نہیں ہوا۔ شیخ احمدؒ کے ایک خلیفہ سید امام علی شاہؒ اس علاقے میں آئے اور اس قدر شہرت حاصل کی کہ اس علاقے کے تمام لوگ اُن کے مرید ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا، سید شہاب الدین ساکن قصبہ ہالانی علاقہ حیدرآباد سندھ، عالم ہیں اور میاں میاں محمد شفیع دم والا کے مُرید ہیں، ایک دفعہ وہ یہاں میرے پاس ایک مشکل حل کرانے کی خاطر آئے تھے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ آپ میری طرف سے اپنے پیر میاں محمد شفیع صاحب سے دریافت کریں کہ کوریجہ قوم کس قوم سے ہے۔ جب وہ دوسری بار میرے پاس آئے تو کہا کہ مَیں نے اپنے شیخ سے کوریجہ قوم کے متعلق دریافت کیا تھا، اُنہوں نے جواب دیا کہ: "ابا ہم فقیر کوریجہ ابڑہ قوم سے ہیں۔" اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ چونکہ میاں محمد شفیعؒ خدا کے سچے اور راست باز بندوں میں سے ہیں انہوں نے سچ کہنے میں عار و ننگ محسوس نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے کہہ دیا ہے کہ

ہم فقیر اڑہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ چچ نامہ ایک کتاب ہے جس میں سندھ کی قوم کے حالات درج ہیں۔ سندھ کے لوگ اس کتاب کو نہایت معتبر سمجھتے ہیں۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ قوم اڑہ قریشی مخزومی ہیں جو عکرمہ بن ابوجہل کی اولاد میں سے ہیں اور بنی امیہ کے عہد میں سندھ میں پہنچ کر انہوں نے اڑہ کا لقب اختیار کیا۔ واللہ اعلم از حقیقتِ حال۔ اس کے بعد فرمایا کہ منگلوڈ شریف، یارسے والا اور ہیرو کے کورتیجے بھی ہمارے خویش واقارب ہیں۔ [1]

مقبوس ۲۵: بوقت اشراق بروز پنجشنبہ ۲۲ ماہ وسال مذکور

مشائخِ عظام کے عُرس

مشائخ عظام کے عرسوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت قبلہ فخر الاولیاءؒ، حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ اور حضرت قبلہ سلطان الاولیاءؒ کے عرس میں تین مجلس مقرر ہیں یعنی ایک بزرگ کے عرس کے لئے تین دن مقرر ہیں اور ہر روز ایک مجلسِ سماع کا معمول ہے۔ اسی طرح دوسرے دو مشائخ عظام حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ اور حضرت قبلہ عالم مہارویؒ کے عرسوں کے لئے بھی تین دن مقرر ہیں اور ہر روز ایک مجلس سماع ہوتی ہے لیکن باقی مشائخ کے عرسوں کے لئے ایک ایک دن مقرر ہے اور صرف ایک مجلس سماع ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ محب النبی مولانا دہلویؒ کے لئے تین دن کا معمول حضرت قبلہ سلطان الاولیاءؒ کے زمانے میں شروع ہوا ہے۔ چنانچہ تم لوگوں نے سنا ہوگا کہ حضرت سلطان الاولیاءؒ کوٹ مٹھن شریف میں عرس کرتے تھے اور بہت خلقت جمع ہوتی تھی وہ عرس حضرت مولانا فخر دہلویؒ کا ہوتا تھا۔ حضرت سلطان الاولیاءؒ کا اپنا عرس بھی آپ کے دادا پیر (مولانا فخر دہلویؒ) کے عرس کے فوراً بعد ہوتا ہے چنانچہ ۲۷ رجمادی الآخر کو حضرت مولانا فخر دہلویؒ کا عرس ختم ہوتا ہے اور ۸ ررجب کو حضرت سلطان الاولیاءؒ کا عرس ختم ہوتا ہے یعنی ہفتہ عشرہ کے بعد۔ اسی طرح حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ کا عرس آپ کے دادا پیر یعنی حضرت قبلہ عالم مہارویؒ کے عرس کے چار پانچ دن بعد ہوتا ہے۔ چنانچہ ۳ ر ماہ ذوالحجہ کو حضرت قبلہ عالمؒ کا عرس ختم ہوتا ہے اور ۱۲ ر ماہ مذکور کو حضرت محبوب الٰہیؒ کا عرس ختم ہوتا ہے۔

[1] مکمل ریسرچ مقدمہ میں آچکی ہے۔

مقبوس ۲۶: بوقت اشراق بروز یکشنبہ ۲۵ ماہ و سال مذکور

مسئلہ قضا و قدر

فرقہ معتزلہ اور شیعہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا معتزلہ لوگ قدری ہیں (یعنی مسئلہ قدر و جبر میں سے قدر کے قائل ہیں) اور قدریہ عقیدہ کے لوگ از روئے ادب قدر کے قائل ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنے افعال کا خالق ہے تاکہ فعلِ بد یا گناہ کی نسبت خدا تعالیٰ کے ساتھ نہ ہو۔ وہ لوگ یہ بات ادب کی خاطر کہتے ہیں۔ لیکن اس ادب کے باوجود لوگوں نے ان کو طعن و مذمت کا نشانہ بنایا ہے اور فرقہ جبریہ کا کوئی نام نہیں لیتا اور حدیث کی کتابوں میں بھی فرقہ قدریہ کی مذمت درج ہے نہ کہ جبریہ کی۔

اس کے بعد فرمایا کہ تمام اولیاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان وحدت وجود کا تصدیقِ دل کے ساتھ قبول کرنے کا نام ہے۔ اس کے باوجود نقصِ ادب بھی ہے۔ اگر کوئی شخص ہر لحاظ سے اور ہر وجہ سے اس علم کا عالم نہیں ہے تو ضرور بے ادبی کا مرتکب ہوگا اس وجہ سے وحدت وجود کو ایمان کہا گیا ہے کیونکہ معشوقوں کا بادشاہ غیور ہے۔ اس وجہ سے وہ ہر مرتبہ، ہر طور اور ہر شان میں ایک ذاتِ حق کو موجود فاعل اور متصرف جانتے ہیں۔ (شاید اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فرقہ قدریہ کے لوگ ہر آدمی کو اپنے فعل میں خود مختار سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو اگر گناہ کے کاموں کا خالق سمجھا جائے تو بے ادبی ہے اور اس ادب کے باوجود بھی وہ لوگوں کی طعن اور مذمت سے نہیں چھوٹتے۔ اسی طرح عقیدۂ وحدت الوجود پر یقین رکھنے والے بھی اگرچہ ادب کی وجہ سے اور ہر وقت، ہر لحظہ اور ہر آن ذاتِ حق کو فاعلِ حقیقی اور متصرفِ حقیقی سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی بے ادبی کے مرتکب ہو جاتے ہیں کیونکہ ہر شخص اس قدر علم نہیں رکھتا کہ معاملہ کو ہر پہلو سے دیکھ کر عمل کر سکے۔ واللہ اعلم بالصواب)۔

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا حضور اس کے کیا معنی ہیں: **الایمان بین الجبر والقدر** (ایمان جبر و قدر کے درمیان ہے)۔ حضرت اقدس نے تبسم دلربا کے ساتھ فرمایا **الایمان الجبر، الایمان الجبر۔** اس کے بعد مولوی غلام رسول صاحب نے

کہا کہ صورت قدر ہے اور حقیقت جبر ہے۔ (یعنی مقولۂ الایمان بین الجبر والقدر کے یہ معنی ہیں کہ بظاہر آدمی اپنے افعال پر خود مختار نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں مجبور ہے اور وہی کرتا ہے جو اللہ اس سے کراتا ہے)۔ لیکن فرقہ قدریہ کے لوگ صورت اور حقیقت دونوں کو قدر (اختیار) سمجھتے ہیں اسی وجہ سے وہ کافر اور مردود ہیں۔

اس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ اگرچہ فرقہ جبریہ کے لوگ صورت و حقیقت دونوں میں جبر کے قائل ہیں لیکن فرقہ قدریہ سے بہتر ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ خوفرقہ جبریہ کے لوگ بے عقل و بے وقوف ہیں اس وجہ سے کہ جبراس وقت کہا جا سکتا ہے جب آدمی کی خواہش اور ارادہ کے بغیر کوئی فعل اس آدمی پر ٹھونسا جائے۔ مثلاً جب ایک آدمی زنا کرتا ہے نہ خدا کا عذاب اس کو اس کام سے باز رکھتا ہے نہ حکومت کا ڈر، نہ لوگوں کی ملامت سے اُسے شرم آتی ہے۔ اس کام میں اس کا ارادہ اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ سزا قبول کرتا ہے لیکن زنا سے باز نہیں آتا۔ یہ کونسا جبر ہے۔ (یعنی زنا کے لئے اس کو کس نے مجبور کیا ہے)۔ پس اس معاملہ میں راہِ راست یہ ہے کہ جبر در صورتِ قدر ہے[1]۔

صاحبِ وظیفہ کے لئے دائمی ذوق ہے

اس کے بعد ذوق کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ صاحب وظیفہ کے لئے دائمی ذوق ہے اور جو صاحبِ وظیفہ نہیں اس کے لئے ذوق دائمی نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی ذوق ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

مقبوس ۲۷: بوقت نیم روز سہ شنبہ ۲۷ رجادی الآخر سنہ ۱۳۱۸ھ

---

[1] بعض علماء اور حکماء کا قول یہ ہے کہ مختار فی فعلہٖ و مجبور فی اختیارہٖ (یعنی اپنے کام میں آدمی مختار ہے لیکن اختیار کے اختیار میں مجبور ہے۔ شاید حضرت خواجہ صاحب کا یہ فرمانا کہ جبر در صورت قدر راہِ راست ہے۔ یہی معنی رکھتا ہے۔ یعنی ظاہراً آدمی فعل مختار ہے لیکن در اصل مجبور (باقی آئندہ صفحہ پر)

عرس و سماع

آج حضرت مولانا فخر الدین دہلوی ؒ کے عرس کا تیسرا دن تھا تمام خدام اور خلفاء موجود تھے۔ حضرت قطب الموحدین خواجہ محمد بخش صاحب ؒ بھی رونق افروز تھے۔ امام بخش قوال نے یہ اشعار پڑھے ؎

داریم یوسفے کہ بخوابش ندیدہ کس — صد دیدہ برگرفتہ نقابش ندیدہ کس

چندیں ہزار خانہ، دل را خراب کرد — وز عاشقاں خانہ خرابش ندیدہ کس

(ہم وہ یوسف رکھتے ہیں کہ جسے آج تک کسی نے خواب میں نہیں دیکھا۔ یعنی اس کا حسن وجمال کسی کے خواب وخیال اور وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا ہر شخص کی نظر اس کی نقاب تک پہنچتی ہے لیکن رُخِ انور کو کسی نے نہیں دیکھا۔ محبوب نے ہزاروں کا خانہ خراب کر دیا ہے لیکن عاشقانِ خانہ خراب کی حالتِ زار کو کوئی نہیں جانتا)۔ اِن اشعار پر حضرت اقدس کو بہت گریہ ہوا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب بھی بہت رو رہے تھے اور باقی تمام صوفیوں اور درویشوں پر ذوق و شوق اور جوش وخروش طاری تھا۔ اس کے بعد قوالوں نے یہ غزل گائی ؎

آں کان حُسن[1] بود نہ بود از جہاں نشاں

الآں آں عرفت علی ما علیہ کاں

(وہ کانِ حسن وجمال یعنی حق تعالٰی موجود تھا لیکن کائنات کا نام ونشان نہ تھا۔ اَب ہم نے پہچان لیا کہ "کان" کا کیا مطلب تھا۔ اس شعر میں حدیث پاک : کان اللّٰہ ولم یکن معہٗ شیئا اور الاٰن کما کان کی طرف اشارہ ہے یعنی ذاتِ حق موجُود تھی اور اس کے سوا باقی کچھ نہ تھا اور اَب بھی وہ اسی طرح ہے جیسے پہلے تھا یعنی اَب بھی کسی غیر کا وجود نہیں سب اُسی کی ذات ہے)۔ اس شعر پر حضرت اقدس پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ بیان سے باہر ہے حضرت قطب الموحدین اور دیگر صوفی اور درویش بھی ذوق وشوق میں مست تھے اور حضرت صاحبزادہ صاحب قوالوں کو کثرت سے نذرانے دے رہے تھے دوسرے لوگ بھی روپے اور پارچات حضرت

(بقیہ گذشتہ صفحہ) محض ہے کیونکہ انکے دل پر خدا کا قبضہ ہے وہی اختیار کرتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بھی جبر ہے۔ [1] کان حُسن سے کنت کنزاً مخفیا مراد ہے۔

اقدس پر نثار کرکے قوالوں کو دے رہے تھے۔ حضرت اقدس کے حال کی کیفیت یہ تھی کہ پہلے گریہ طاری ہوا اس کے بعد آپ پر اس قدر حال طاری ہوا کہ سر دائیں بائیں ہلاتے رہے اور ٹوپی بھی سر سے گر گئی جو خادموں نے رکھ لی۔ آپ سازوں کی آواز کے مطابق سر اور ہاتھ مار رہے تھے اور رقص کر رہے تھے۔ غرضیکہ نصف گھنٹہ اسی کیفیت کے بعد آپ نے سجدہ کیا اور بیٹھ گئے۔ خادم نے ٹوپی آپ کے سر پر رکھی لیکن آپ پر دوبارہ غلبہ ہوا اور پہلے کی طرح رقص کرنے لگے اور نصف گھنٹہ رقص کے بعد پھر سجدہ کرکے بیٹھ گئے۔ خادم نے پھر ٹوپی سر پر رکھی لیکن آپ پر پھر حال طاری ہو گیا اور نصف گھنٹہ تک رقص کرتے رہے اسی طرح کافی دیر ہو گئی۔ آپ رقص کے بعد کئی بار سجدہ کرتے رہے اس سے پہلے رقص میں اس قدر جوش و خروش کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اگرچہ مجلس ختم ہو گئی لیکن آپ پر وہی کیفیت بہت دیر تک طاری رہی۔

مقبوس ۲۸

سید کا احترام

حضرت اقدس کی خدمت میں ایک آدمی نے آکر عرض کیا کہ قبلہ میں سید ہوں میرا نام سبحان ہے اور اپنے اہل و عیال سمیت حضور کا غلام اور مرید ہوں میرے حال پر توجہ و عنایت فرماویں۔ جب اس نے کہا میں سید ہوں تو حضرت سروقد کھڑے ہو گئے اس کے بعد اس کے حق میں حضرت اقدس نے دعا کی اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب اس نے کہا میرا نام سبحان ہے تو میں نے سمجھا کہ عثمان کہتا ہے۔ اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ اکثر سادات اپنے بچوں کا نام ابوبکر، عمر اور عثمان نہیں رکھتے اس پر ایک آدمی نے کہا قبلہ فلاں سید کہتا ہے کہ مجھے دو آدمیوں سے بہت ڈر لگتا ہے ایک وہ جو سیاہ تہبند باندھے ہوئے ہو (یعنی جو شیعہ ہو) دوسرا وہ جس کا نام عمر ہو۔

ہیبتِ عمر

حضرت اقدس نے فرمایا کہ بیشک حضرت عمرؓ کی شان ہے کہ یہ محاورہ زبان زد عام ہے کہ حضرت عمرؓ کے سایہ سے بھی شیطان بھاگتا ہے

حضرت عمرؓ کی ذات مقدس میں اس قدر ہیبت اور دہشت تھی کہ شاہان عالم آپ سے خوف کھاتے تھے۔ فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ حضرت عمرؓ سے ملاقات کی خاطر آیا تو صحابہ کرام نے باہم مشورہ کیا کہ چونکہ بادشاہ شان و شوکت، فوج، گھوڑے اور ہاتھیوں کے ساتھ آئے گا۔ حضرت عمرؓ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔ ہم مل کر ان سے کہیں کہ اونی لباس اُتار کر مناسب لباس پہنیں چنانچہ تمام صحابہ کرام نے حضرت علیؓ کے ہاں جمع ہو کر کہا کہ حضرت عمرؓ آپ کی بات ہمیشہ مانتے ہیں آپ اُن سے کہیں کہ آج نیا لباس ضرور زیب تن کریں کیونکہ آپ اُونی خرقہ اور اونی عمامہ زیب تن کئے ہوتے تھے حضرت علیؓ نے مشورہ پسند کیا لیکن یہ کہا کہ ہمیں پہلے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس جانا چاہیئے تاکہ انہیں بھی اپنا ہمخیال بنا لیا جائے اس طرح بات زیادہ موثر ہو گی۔ اس پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے یہ شعر پڑھا ؎

ہیبت ایں مردِ صاحب دلق نیست

ہیبت حق است ایں جا خلق نیست

(یہ اس گدڑی پوش مرد مجاہد کی ہیبت نہ تھی بلکہ حق تعالیٰ کی ہیبت تھی جو اُن سے ظاہر ہو رہی تھی)۔ اس لئے حضرت علیؓ کو ہمت نہ ہوئی کہ اکیلے جا کر ان کو مشورہ دیں بلکہ حضرت عائشہؓ کو بھی اپنے ساتھ دو وجوہ کی بنا پر شامل کرنا چاہتے تھے۔ ایک یہ کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین زوجہ مطہرہ تھیں۔ دوسرے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی تھیں اور حضرت عمرؓ سیدنا صدیق اکبرؓ کو اپنے پیر و مرشد کی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ مشورہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا بیشک آپ درست کہتے ہیں چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بلا کر تمام صحابہ کرام کے سامنے فرمایا کہ آپ اونی کپڑے اتار کر سفید روئی کے کپڑے زیب تن کر کے بادشاہ سے ملاقات کریں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ زمانہ یاد نہیں کہ بعض صحابہ کرام کی وفات کے وقت پورا کفن بھی میسر نہیں آتا تھا۔ اگر سر ڈھانپتے تھے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا آخر (آنحضرتؐ کے حکم سے) پاؤں پر گھاس ڈال کر

کفن پورا کیا گیا۔ چنانچہ یہ لباس جو میں نے پہن رکھا ہے میرا برہنہ پن چھپانے کے لئے کافی ہے۔ تم لوگ مجھے تکلیف پر آمادہ کر رہے ہو لیکن میں اسی لباس میں بادشاہ سے ملاقات کروں گا۔ آخر جب بادشاہ نے آکر حضرت عمرؓ سے اُسی لباس میں ملاقات کی تو امیرالمومنین کی ہیبت اور حشمت سے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

حضرت عُمرؓ کی سادگی اور فتح بیت المقدس

اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں فتح بیت المقدس کے لئے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو لشکر اسلام کے ساتھ روانہ کیا تو انھوں نے بہت جدوجہد کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ نصاریٰ کے ایک درویش نے کہا کہ بیت المقدس اور کوئی شخص فتح نہیں کر سکے گا سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ دوم کے اور اُس کے نام کے تین حروف ہوں گے، ہر حرف بے نقطہ ہو گا۔ شرط یہ ہے کہ وہ بذات خود یہاں آئیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ بات حضرت عمرؓ کی خدمت میں تحریر فرمائی چنانچہ آپ روانہ ہو پڑے۔ اُسوقت بھی آپ ادنیٰ لباس میں تھے۔ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ نے عرض کیا کہ آپ اچھے کپڑے پہن کر جائیں ایسا نہ ہو کہ سادہ لباس سے آپ بے رعب معلوم ہوں اور مخالفین کے دل سے ہیبت و دہشت دور ہو لیکن یہ مشورہ قبول نہ فرمایا اور اُسی صوفیانہ لباس میں ملبوس ہو کر خود ہی اونٹ پر پالان ڈالا، پانی اور ستو ہمراہ لیا اور دو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ چندیوم کے وہاں پہنچے اور اُسی بے باکانہ انداز سے اُونٹ پر سوار بیت المقدس کے اندر داخل ہوئے لیکن کسی نے مخالفت یا مزاحمت کی جراءت نہ کی بلکہ جو شخص آپ کو دیکھتا رعب و دبدبہ کی دہشت سے دُور بھاگ جاتا۔ چنانچہ بیت المقدس فتح ہو گیا نہ جنگ ہوئی نہ لڑائی۔

مومن کائنات پر حکمرانی کرتا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ بوستاں میں شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ شیر پر سوار، سانپ کو چابک بنائے چلے آرہے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھ پر خوف طاری ہوا اور میں چلنے کے قابل نہ رہا اس بزرگ نے کہا کہ سعدی تعجب مت کرو اور ڈرومت ـــ

توہم گردن از حکم داور مپیچ   کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

(تم بھی خدا کے حکم سے منہ نہ موڑو، تمہارے حکم سے کوئی چیز گردن نہ موڑے گی)۔
اس کے بعد فرمایا کہ حضرت راعیؒ جوان کے مرید و خلیفہ تھے شبانی (چرواہی) کا کام کرتے تھے۔ ایک جب آپ بکریوں کو چراگاہ میں چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہوئے تو بھیڑیئے جمع ہو کر بکریوں کی نگہبانی کر رہے تھے۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ جب سے میری حق تعالیٰ سے صلح ہوئی ہے، بھیڑیوں نے میرے ساتھ صلح کر لی ہے۔

مقبوس ۲۹: بوقت اشراق بروز یک شنبہ ۳ رجب ۱۳۱۸ھ

اہل ہنود کے ہاں دوزخ و بہشت کا تصور

حضرت اقدس داراشکوہ کی کتاب منہاج الفارضین کا مطالعہ فرما رہے تھے جو ہندوؤں کی کتاب جوگ ششٹ کا ترجمہ ہے۔ راقم نے عرض کیا کہ حضور جوگ ششٹ کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا کہ جوگ کے معنی ہیں سلوک اور ششٹ ایک آدمی کا نام ہے جو رام چندر جی کا مرشد تھا۔
اس کے بعد فرمایا کہ شاستر وحدت الوجود کے قائل ہیں اور نجاتِ حقیقی جس کے بعد محنت، ذلت و عذاب واپس نہیں آتا۔ اس سے ان کی مُراد فنا، طمس حقیقی (اپنے آپ کو مٹا دینا) اور محویت فی الذات ہے جہاں پہنچ کر فنائے نفس واقع ہوتی ہے اور احدیت کی بے رنگی میں سالک بے رنگ، بے نام اور گم ہو جاتا ہے۔ اُن کے ہاں بہشت اور دوزخ جسمانی حالت کا نام ہے: اس دنیا میں رنج و غم، ذلت و مصیبت کو یہ لوگ دوزخ قرار دیتے ہیں اور خوشی راحت اور کامیابی کو بہشت سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جب اس قسم کی دوزخ میں رہ کر آدمی اچھے کام کرتا ہے تو دوسرے جنم میں وہ اچھے گھرانے میں پیدا ہو کر ناز و نعمت میں رہتا ہے اُس کا نام انہوں نے بہشت رکھا ہے۔ اسی طرح جو شخص بہشت میں یعنی نعمت کی زندگی میں بُرے کام کرتا ہے تو دوسرے جنم میں وہ دُکھ درد میں مبتلا ہوتا ہے جسے وہ لوگ دوزخ کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ دوزخ اور بہشت میں آتا جاتا رہتا ہے تاوقتیکہ نجاتِ حقیقی حاصل نہیں کر لیتا لیکن نجاتِ حقیقی کے حصول کے بعد وہ ابدالآباد تک (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) بہشت میں رہتا ہے اور

دوزخ میں آنا بند ہوجاتا ہے۔ نجاتِ حقیقی سے ان کی مراد رتبۂ فقرِ تام ہے۔[1]

اہلِ ہنود کے نزدیک مدّتِ دنیا

اس کے بعد احقر راقم نے عرض کیا کہ حضور اہلِ ہنود دنیا کے اختتام کے قائل ہیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ اس صورت میں قائل ہیں کہ اُن کے نزدیک ایک دن ہوتا ہے ایک رات۔ دن سے مراد ظہور اور رات سے مراد بطون۔ پس دن کو وہ لوگ دنیا کی مدّت شمار کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک دن یعنی مدّت دنیا کی درازی اس جہان کے اٹھارہ ارب سال ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ رات یعنی بطون کی درازی بھی ان کے نزدیک اٹھارہ ارب سال ہے اور رات دن کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ اٹھارہ ارب سال ظہور کا زمانہ ہوگا اور اٹھارہ ارب سال بطون کا اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

قصہ ہائے یار دارد بس مقام　　　صد قیامت بگذرد ویں نام تمام

(دوست کی داستان بے حد طویل ہے، سو قیامت گذر جائے گی لیکن داستان ختم نہیں ہوگی)

چنانچہ اہلِ شاستر کے نزدیک دن رات بیشمار ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ذات بے منتہا اور بے حد ہے۔ اس کی صفات کی لاانتہا ہیں۔ لہٰذا اس کی صفات میں کبھی تعطل واقع نہیں ہوتا اور نہ تجلیات میں تکرار ہوتا ہے وہ ہمیشہ اور ہر دم نئی تجلی میں ظہور فرماتا ہے اور

---

[1] فقرِ تام یا نجات حقیقی سے اُن لوگوں کی مراد فنافی الذات ہے یہ ان کا آخری اور بلند ترین مقام ہے لیکن اسلام میں فنا درمیانی منزل ہے۔ فنا کے بعد اسلامی تعلیمات کے ذریعے بقاباللہ تک رسائی ہوتی ہے جس کا مطلب ہے صفات باری تعالیٰ سے متصف ہو کر مقامِ دوئی یا عبدیت میں واپس آنا اور فرائض زندگی ادا کرنا ہے کیونکہ معراج انسانیت غاروں میں بیٹھ کر ذات میں گم ہوجانا نہیں بلکہ صفات اللہ سے متصف ہو کر بمصداق انی جاعل فی الارض خلیفہ "منصب خلافتِ الٰہیہ سنبھالنا اور فرائض زندگی ادا کرنا ہے اور یہ وہ مقام ہے جس کی طرف آیۂ الیوم اکملت لکم دینکم اور وعرضنا الامانۃ کا اشارہ ہے۔ یعنی امانت خلافت اللہ!

باس نو میں ملبوس ہو کر آتا ہے[1]۔ پس وہی ذات لامتناہی بے رنگ ہر زمانے میں تجدد امثال[2] کی صورتوں میں جلوہ گری کر رہی ہے۔

دنیا کی کل مدت قرآن کی رُو سے

اس کے بعد فرمایا کہ اگر تطبیق دی جائے تو قرآن شریف سے بھی دنیا کی مدت اٹھارہ ارب سال نکالی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ان دو آیات سے مدعا برآمد ہو جاتا ہے۔ پہلی آیت:

یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون ط دوسری آیت یہ ہے: تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ ط پس اگر پہلی آیت کے یوم سے ایک سال اور دوسری آیت کے یوم سے ایک دن مُراد لیا جائے تو ایک سال کے تین سو ساٹھ دنوں کو ہزار یوم سے ضرب دینے سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار جواب آتا ہے اور جب اسے پچاس ہزار سال سے ضرب دی جائے تو اٹھارہ ارب جواب دیتا ہے۔

اس کے بعد راقم الحروف نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک جب دنیا کی عمر ختم ہو جائے گی اور بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو کیا یہ بہشت و دوزخ ابدی ہیں یا نہ۔ فرمایا کہ ان کی ابدیت میں اختلاف ہے۔

---

[1] ہر لحظہ بشکل آں بت عیار برآمد گہہ پیر و جواں شد
ہر دم بلباس دگر آں یار برآمد دل برد و نہاں شد

(ہر لحظہ اور ہر آن وہ محبوب بے پرواہ ظاہر ہوتا ہے کبھی حالت پیری میں کبھی جوانی میں اور ہر وقت نیا باس پہن کر ظاہر ہوتا ہے اور دل لے کر غیب ہو جاتا ہے)۔

[2] تجدد امثال سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ جو محی و ممیت ہے (یعنی زندہ کرنے والا اور مارنے والا) تو چونکہ اس کی کوئی صفت کسی وقت معطل نہیں رہتی اس لئے کائنات ہر لحظہ فنا ہوتی ہے اور پھر سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کی خبر ہر کس و ناکس کو نہیں ہوتی سوائے اُن لوگوں کے جو اللہ کے دوست اور مقرب ہیں۔

مقبوس ۳۰: بوقت اشراق وچاشت بروز چہار شنبہ ۱۶ رجب سال مذکور

عرس وسماع

حضرت سلطان الاولیاءؒ کے عرس کا پہلا دن تھا۔ قوالوں نے قوالی شروع کی۔ حضرت اقدس کے ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب اور دیگر خلفاء، خدام اور صوفیان باصفا مجلس سماع میں موجود تھے۔ جب قوالوں نے شروع میں ستار پر نغمہ الاپا تو اس پر حضرت اقدس کو قدرے حال آیا لیکن جلدی فرو ہوگیا اس کے بعد قوالوں نے یہ اشعار گائے ؎

نور خدا بسینۂ ما موج می زند — ایں بحر در سفینۂ ما موج می زند

آں مے کہ شیشہ دل منصور را گداخت — در ساغر شبینۂ ما موج می زند

(ہمارے سینے میں نورِ خدا موجیں مار رہا ہے اور یہ سمندر ہمارے سینے کے اندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ وہ شراب کہ جس نے حضرت منصور کا شیشۂ دل پگھلا دیا۔ ہمارے پیمانہ ساغر میں موجیں مار رہا ہے)۔ ان اشعار پر حضرت اقدس کو حال آیا۔ باقی صوفیوں پر بھی وجد وحال کی کیفیت طاری رہی اور جوش وخروش سے سماع سنتے رہے اور قوالوں کو کافی نذرانہ وصول ہوا۔

مقبوس ۳۱: بوقت عصر بروز دوشنبہ ۱۰ رجب سنہ ۱۳۱۸ھ

حضرت اقدس مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور لوگوں کا کافی ہجوم تھا۔ بعض کھڑے تھے۔ بعض بیٹھے تھے اور ہر شخص موقع پاکر اپنی حاجات پیش کر رہا تھا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور میری بینائی جاتی رہی ہے۔ دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ میری بینائی واپس لوٹا دے۔ آپ نے فرمایا حدیث شریف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی نابینائی پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بہشت عطا کرتا ہے۔

مقبوس ۲۶۳ بوقت اشراق بروز چہار شنبہ ۱۳ ماہ و سال مذکور

تعویذ فنتقبلہا

حضرت اقدس نے منشی محکم الدین صاحب سے فرمایا کہ مرقع شریف میں تعویذ فنتقبلہا دوسری سے لکھا گیا ہے اب اس کا نقش اسطرح پُر کر دو جس طرح میں کہوں۔ پس حضرت اقدس نے یہ نقش اس طرح پر کرایا۔

۸	۱۱	۱۴	۱
۱۳	۲	۷	۱۲
۳	۱۶	۹	۶
۱۰	۵	۴	۱۵

نقش تعویذ فنتقبلہا

کامل سے رابطہ نسبت توحید کو قوی کرتا ہے

اس کے بعد حضرت اقدس نے کتاب منہاج العارفین اٹھا کر یہ دو عبارتیں پڑھیں :

"اے رام چندر، ایک بار کیلاس پہاڑ کے اندر عبادت کرتا تھا۔ کسی چیز سے مجھے تعلق نہیں تھا، فقط عبادت"۔

"اے ارجن، جوگ کے طریق میں استقامت کر تاکہ تنزل سے نجات پائے۔"

اس کے بعد فرمایا کہ اس عبارت میں بشسشٹ جی نے رام چندر کو اپنے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم کرنے کی تعلیم دی ہے۔ فرمایا کہ مشائخ کے درمیان یہ سوال مشہور ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو نسبتِ توحید کو قوی کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "تعین خاص کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور رابطہ قائم کرنا" یعنی نبی یا ولی کے تعین کے ساتھ۔ اگرچہ ظاہری صورت میں تعین خاص یعنی وجود مقید کی پرستش شرک ہے لیکن چونکہ اس عمل سے مقید کے ذریعے مطلق تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ مقید سے یہ تعلق و رابطہ نسبتِ توحید کو قوی کرتا ہے اور ذاتِ مطلق تک پہنچاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام رابطہ میں تھا۔ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر

محبت ہوگئی تھی کہ حق تعالیٰ سے بھی اس خیال سے محبت کرتا تھا کہ خالق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل دوست رکھتا تھا۔

کیا مجاز سے تعلق رکھنے سے بھی نسبت قوی ہوتی ہے

اس کے بعد مولوی غلام رسول کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آیا یہ تعلق ورابطہ مظاہر کامل سے مخصوص ہے مثل انبیاء و اولیاء، یا غیر کامل سے بھی جیسے عاشق لوگ محبوبان مجازی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا جواب آپ نے خود دیتے ہوئے فرمایا کہ صرف مظاہر کامل سے تعلق ورابطہ نسبتِ توحید کو قوی کرتا ہے غیر کامل مظاہر سے نہیں۔ اگرچہ بعض لوگ یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مطلق (ذاتِ حق) کو مقید (محبوبِ مجازی) میں دیکھتے ہیں اور رابطہ قائم کرتے ہیں لیکن اس صورت میں مطلق کو طفیل بنا دیا گیا ہے۔ اس رابطہ سے نسبتِ توحید میں ترقی نہیں ہوتی مگر اس میں مستثنیات بھی ہیں مثلاً شیخ فخر الدین عراقیؒ کا، جن کا شمار کاملین روزگار میں ہوتا ہے طریق یہی تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ شبلیؒ جب اذان سنتے تھے تو فرماتے تھے کہ اگر تیرا فرمان نہ ہوتا تو ہم غیر کا نام نہ سنتے۔ فرمایا دیکھو شیخ شبلیؒ کو غیرتِ توحید نے یہاں تک پہنچا دیا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان میں نام سن کر وجد اور جوش اور رقص میں آجاتے تھے اور غیرتِ توحید کے سبب ان کو یہ نام سننے کی طاقت نہ تھی۔

کبریائی صرف حق تعالیٰ کو زیب دیتی ہے

اس کے بعد شان و شوکت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ دراصل شان و شوکت حق تعالیٰ کو زیب دیتی ہے۔ کبریائی و عظمت صفتِ حق سبحانہ ہے لہٰذا جو شخص یا جو چیز سر بلند کرتی ہے غیرتِ کبریائی اُس کے سر کو نیچے کر دیتی ہے اور خاک میں ملا دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ کہ جس پر نظر نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ حُسن کے چار حصے کئے گئے ہیں تین حصے حضرت یوسف ؑ کو عطا ہوئے اور ایک حصہ سارے جہان کو ملا ہے۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے پر نظر کرنے کی کسی کو طاقت نہ تھی چنانچہ زنانِ مصر میں سے بعض نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، بعض مجنوں ہو گئیں اور بعض نے جان دے دی۔ چند عورتیں جان سلامت لے گئیں

لیکن وہ بھی آپ کی محبت میں سرشار تھیں پس غیرت حسن ازلی نے یہ کام کیا کہ یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کیا، بھائیوں کے مظالم برداشت کرائے، کوئیں میں ڈالا گیا اور چند دراہم میں فروخت اور پھر مصر کے کوچہ و بازار میں گھما کر فروخت کرایا، قید خانہ میں بند کیا۔ حتیٰ کہ نبوت قید خانہ ہی میں حاصل ہوئی۔ فرمایا ؎

بلے سلطان معشوقاں غیور است ز شرقت ملک معشوقیش دور است

فلک یک نقطہ از کلکِ کمالش چناں یک قطرہ از بحر نوازش

(معشوقوں کا بادشاہ (خدا تعالیٰ) غیور ہے اور تیرے شرق یعنی جلنے طلوع سے معشوق کا ملک دور ہے۔ اس کے کمالات میں فلک ایک نقطے کی حیثیت رکھتا ہے جیسے سمندر میں سے ایک قطرہ)۔

سُوءِ ظن پر حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو تنبیہہ

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک حبشی ایک خوبصورت عورت سے بوس و کنار کر رہا تھا اور بوتل سے شراب نکال کر خود بھی پی رہا تھا اور اس عورت کو بھی پلا رہا تھا حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے دل میں خیال آیا کہ اگرچہ میں سارے جہان سے بُرا ہوں لیکن کم از کم اس حبشی سے تو اچھا ہوں گا۔[1] اس اثنا میں اتفاقاً ایک جہاز وہاں غرق ہونے لگا جس پر تیس پینتیس آدمی سوار انہوں نے شور برپا کیا کہ ہمیں بچاؤ۔ یہ دیکھ کر حبشی دریا کے اندر کود پڑا اور دو دو آدمیوں کو لے کر کنارے پر لے آیا لیکن ایک آدمی باقی رہ گیا جو غوطے کھا رہا تھا۔ حبشی نے حضرت حسن بصریؒ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے حسن تجھے یہ خیال تھا کہ اس حبشی سے بہتر ہوں اب اس ایک آدمی کو تو نکال لا۔ یہ سن کر آپ بہت نادم ہوئے اور حبشی نے چھلانگ لگا کر اس آخری آدمی کو بھی

---

[1] یاد رہے کہ اولیاء کرام اپنے آپ کو دنیا کا بدترین سمجھتے ہیں اس آدمی کو دیکھ کر آپ کے دل میں خیال آیا کہ کم از کم اس آدمی سے تو اچھا ہوں گا کہ جو بوس و کنار اور شراب نوشی میں مشغول ہے۔ یہ خیال بشری تقاضا کے سبب آپ کے دل میں آیا جس پر تنبیہہ ہوئی۔

نکال لیا۔ اس کے بعد اُس نے حضرت شیخ سے کہا کہ تو مجھے بُرا اور اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے
اس عورت سے پوچھ کہ یہ میری بیوی ہے یا نہیں اور اس بوتل میں خالص پانی بھرا ہوا ہے اور
تم اسے شراب سمجھ کر سُوءِ ظن کے مرتکب ہوئے ہو۔ یہ سُن کر حضرت شیخ مزید پریشان ہوئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ قاضی محمد اکرم داجلی نے خط لکھا ہے کہ میں چالیس سال سے مشائخ عظام کے عرس پر حاضری دیتا ہوں لیکن اس سال میں شمولیت نہیں کر سکا۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص چالیس سال تک عرس میں شامل ہوتا رہے وہ مزدور صاحبِ نسبت ہے۔

اس کے بعد ایک خادمہ نے عرض کیا کہ حضور دو بزرگوں کا فاتحہ تیار کرنا ہے اندر سے پوچھ رہے ہیں کہ طعام یکجا پکوایا جائے اور یکجا فاتحہ دیا جائے یا علیحدہ۔ آپ نے فرمایا دو بزرگوں کے لئے علیحدہ علیحدہ طعام پکوایا جائے اور علیحدہ فاتحہ دیا جائے گا۔ یکجا درست نہیں۔

کیا بیعت کے بعد بیعت تبرک جائز ہے

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور میاں غوث بخش صاحب ساکن شیدانی کی بیعت کس کے ساتھ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اُن سے دریافت کیا تھا انہوں نے جواب دیا کہ پہلے میری بیعت خواجہ نور احمد صاحب مہاروی رح سے تھی اس کے بعد اپنے والد صاحب سے بیعت کی ہے اور میری اصلی بیعت بھی اپنے والد صاحب سے ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ پہلی بیعت تبرک ہوئی اور دوسری بیعتِ ارادت۔ چنانچہ جس طرح بیعتِ تبرک بیعتِ ارادت کے بعد جائز ہے اسی طرح بیعتِ ارادت سے پہلے بھی جائز ہے اس میں ارتداد لازم نہیں آتا (یعنی آدمی بیعت کا مُرتد نہیں بنتا)۔ چنانچہ جب ایک غیر بالغ کسی شیخ سے بیعت کرتا ہے اور بالغ ہو کر دوسرے شیخ سے بیعت کرتا ہے تو پہلی بیعت بیعتِ تبرک کہلاتی ہے۔ یہ جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ یہ بیعتِ تبرک ہے۔ اسکے بعد فرمایا کہ میاں گل محمد صاحب، میاں شیر محمد صاحب، میاں خیر محمد صاحب اور تمام مستورات حتیٰ کہ میری ہمشیرہ صاحبہ اور فلاں فلاں مائی صاحبہ حضرت میاں نور احمد صاحب سے بیعت ہیں۔ ہمارے خاندان کے تمام لوگ میاں نور احمد صاحب سے بیعت ہیں سوائے میرے شیخ حضرت فخر الاولیاء کے، جن کی بیعت اپنے والد حضرت محبوب الٰہیؒ کے ساتھ ہے۔

فنائے حقیقی کے بعد احتمالِ گناہ ختم ہوجاتا ہے

اس کے بعد فنا اور معاصی کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب تک سالک پر فنائے حقیقی متحقق نہیں ہوتی، احتمال معاصی اور بدی سے محفوظ نہیں رہتا۔

طوفان نوح اور شاستر

اس کے بعد حضرت نوحؑ کے طوفان کا ذکر ہونے لگا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور، اہل شاستر حضرت نوحؑ کے طوفان آنے کے منکر ہیں۔ فرمایا کس طرح انکار کرتے ہیں۔ مَیں نے خود ان کی کتابوں میں لکھا دیکھا ہے کہ صدہا قیامتیں گذر چکی ہیں اور صدہا آنے والی ہیں۔ قیامت کو وہ لوگ پرلو کہتے ہیں اور ان کے نزدیک پرلو تین صورتوں میں آتی ہے، پانی سے، ہوا سے یا آتش سے۔ چنانچہ پانی کی قیامت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ فلاں الکھیشر کی کشتی کو مچھلی نے اپنی پشت کا سہارا دے کر بچا لیا۔ پس وہ الکھیشر نوح علیہ السلام ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس آبی پرلو وار ب چند لاکھ اور چند ہزار اور چند سال گذر چکے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اہل تواریخ کو صحیح روایات ملی ہیں اس سے پہلی روایات صحیح نہیں رہیں اور نوح علیہ السلام ان سے پہلے تھے ان کا زمانہ اور تھا اور اس کو بہت مدت گذر چکی ہے جبکہ اہل شاستر کا بیان ہے جو کچھ مورخین اسلام نے طوفانِ نوح کی مدت کے متعلق لکھا ہے محض قیاس آرائی ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ طوفان نوح ہندوستان میں نہیں آیا تھا اس کی توجیہہ یہ ہے کہ سوائے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نبی ساری رُوئے زمین کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔ قرآن شریف میں جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر آیا اُن کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ فلاں فلاں خطۂ زمین کے لئے مبعوث ہوئے۔ پس قرآن میں طوفان نوحؑ کے متعلق یہ جو آیت ہے کہ : وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا

اس سے مراد یہ وہی مخصوص زمین ہے۔

نر اور مادہ ایک چیز ہے

اس کے بعد نر و مادہ پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا، نر اور مادہ وہی ایک چیز نر ہے۔ کیونکہ نر صورت "فعل" ہے اور مادہ صورت "انفعال" ہے۔ جب صورتِ فعلیہ (ACTIVE AGENT) پیدا

ہوتی ہے تو اس کے تقاضا سے صورت انفعالیہ (PASSIVE AGENT) اس سے خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پہلے حضرت آدمؑ صورت فعلیہ میں پیدا ہوئے اس کے بعد حسب مقتضا حضرت بی بی حوا اُن کے بائیں پہلو سے پیدا ہوئیں۔ چونکہ حضرت آدمؑ صورت فعلیہ اور ہیں اور محل فصل اور خطرِ دل ہے اور دل بائیں پہلو میں ہے اس لیئے بی بی حوا جو صورت انفعالی ہیں آدمؑ کے بائیں پہلو سے پیدا ہوئیں۔

حق تعالےٰ کی قدرت سے یہ قاعدہ کلیہ جاری ہے کہ ہر

نر محتاج ہے مادہ محتاج الیہ یا عاشق و معشوق ہے

صورتِ انفعالیہ کو محتاج الیہ اور صورت فعلیہ کو محتاج بنایا گیا ہے پس محتاج الیہ معشوق ہے اور ہر محتاج عاشق اور ہر کمال شانِ معشوقیت ہے چونکہ حسن و ناز و بے پرواہی صورت انفعالیہ کو دی گئی ہے جو محتاج الیہ یا معشوق ہے۔ احتیاج، درد، سوز، شوق، محنت اور انتظار جو عاشقی کے موافق ہے صورتِ فعلیہ کو دیئے گئے ہیں جو عاشق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سونا، چاندی اور ریشمی کپڑے عورت کے لئے جو صورتِ انفعالیہ ہے، حلال کر دیے گئے ہیں لیکن مردوں کے لئے حرام ہیں۔ جب بی بی حوا حضرت آدم علیہ السلام کے پہلو سے پیدا ہوئیں تو نہایت حسین تھیں: یہاں تک کہ حضرت یوسفؑ کے حسن سے بھی اُن کا حسن زیادہ تھا۔ چنانچہ حضرت آدمؑ اس کے حسن و جمال پر عاشق ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ صورت انفعالیہ کے جو محتاج الیہ اور معشوق ہے تمام کمالات صورت فعلیہ میں موجود ہیں جو عاشق ہے۔ پس صورت فعلیہ نے حسب مقتضائے خود صورتِ فعلیہ کو ظاہر کیا۔ گویا صورتِ انفعالیہ عکس ہے صورتِ فعلیہ کا۔ چنانچہ رُوح میں جو صورتِ فعلیہ ہے تمام کمالات

؎ یہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی قابلیت کا کمال ہے کہ علم الحیاۃ (BIOLOGY) کے متعلق نہایت صحیح اصول بیان فرما رہے ہیں۔ حالانکہ یہ علم نہایت دقیق ہے اور سوائے ماہرینِ فن کے اس کو کوئی نہیں جانتا اور یہ علم حال ہی میں نشو و نما ہوا ہے حالانکہ خواجہ صاحب کے زمانے میں درس نظامیہ میں یہ علم شامل نہیں تھا نہ اب ہے۔

وصفات مثل علم، حیات، قدرت، سمع، بصر، ہاتھ پاؤں موجود ہیں اس لئے اس کے تقاضا کے مُطابق جسم میں جو صورت انفعالیہ ہے، بھی وہ صفات موجود ہیں بس تمام ذُکور (جمع ذکر بمعنی نر) از قسم حیوانات، نباتات جو صورت فعلیہ ہیں کے اندر احتیاج، آرزو اور شوق رکھا گیا ہے اور حیوانات و نباتات کے مؤنث طبقہ کے اندر بے پرواہی، بے نیازی، استغنار ناز اور نخرہ رکھا گیا ہے[۱]۔ اگرچہ شہوت دونوں کے اندر رکھی گئی ہے اس کے باوجود جب تک خوشامد، تلافی اور متابعت نہیں کرتا اس کی فطرتِ مطلوب تک رسائی نہیں ہوتی۔ یہ نہیں ہوتا کہ مادہ جو محتاج الیہ اور معشوق ہے خود بخود خواہش کرے اور نر سے زبردستی کام لے لیکن نر جو محتاج اور عاشق ہے خوشامد اور منت سماجت سے جب اس کا مطلب پُورا نہیں ہوتا تو جبر و زبردستی سے باز نہیں آتا۔ یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ مادہ خود بخود زبردستی کر کے نر سے کام لے[۲]۔ یہی حال تمام جانوروں کا ہے۔ کتا، بلی، کبوتر، بیل، گھوڑا، بکری وغیرہ سب اجناس کے نر پہلے تقاضا کرتے ہیں اور خوشامد اور چاپلوسی کے بعد مادہ کو آمادہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ قدرت نے مادہ کو نر کے مقابلہ میں لطافت، نزاکت اور حُسن بھی زیادہ دیا ہے۔ چنانچہ مَرد کو داڑھی دی گئی ہے لیکن عورت کو نہیں دی گئی۔ عورت کا چہرہ مرد کے چہرے کے مقابلے میں زیادہ نازک و لطیف ہے اسی طرح نر کو فاعل بنایا گیا ہے اور فاعلیت کا جسم عطا کیا گیا ہے اور مادہ کو مفعولیت یا انفعالیت کا جسم دیا گیا ہے۔ نباتات میں بھی یہی امتیاز پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کھجور میں مادہ کھجور زیادہ لطیف و نازک ہوتی ہے بہ نسبت نر کھجور کے۔ جنگ

---

[۱] عربی شاعری میں مرد عاشق اور عورت معشوق ہوتی ہے لیکن ہندی شاعری میں عورت عاشق اور مرد معشوق ہوتا ہے۔ لہٰذا عربی شاعری فطرت کے مطابق اور ہندی شاعری فطرت کے خلاف ہے۔

[۲] یہی وجہ ہے کہ قانوناً عورت کی طرف سے زبردستی زنا کا مقدمہ ناممکن اور غلط قرار دیا گیا ہے۔ اگر مرد زبردستی زنا کا مرتکب ہوا ہو تو اُسے سزا دی جاتی ہے لیکن اگر کوئی مرد یہ دعوٰے کرے کہ عورت نے زبردستی اُسے زنا پر مجبور کیا ہے تو عورت کو کوئی سزا نہیں ملتی کیونکہ یہ امر ناممکن اور محال ہے۔

: نہ میں نر کھجور نہ ہو، مادہ کھجور کو پھل نہیں لگتا۔ نر کی فقط ہوا لگنے سے مادہ کھجور بار آور ہو جاتی ہے
اسی طرح جو نر ہے اور اس کے بغیر گندم اچھی طرح پیدا نہیں ہوتی اور گندم خود مادہ شہوت ہے
اُس نے آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا کو جنت سے نکلوا دیا
اس کے بعد فرمایا کہ منتہےٰ نباتات جو مُنتہاء حیوانات سے قریب ہے گندم اور نخل
(کھجور) ہے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نخل[1] کی صورت میں تجلیٔ حق ہوئی ہے۔

مقبوس ۳۳ بوقت اشراق بروز جمعہ ۱۵ رجب ۱۳۱۸ھ

حضرت امیر معاویہ رضی کے حق میں بدگمانی ناجائز ہے

صحابہ کرام کا ذکر ہو رہا تھا راقم الحروف نے عرض کیا
کہ قبلہ میں نے کئی اہلسنّت وجماعت کے لوگ دیکھے ہیں جو حضرت امیر معاویہ رضی بن ابی سفیان
کی شان میں سُوءِ ظن اور بُرا اعتقاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ جلیل القدر صحابی تھے۔ حضرت اقدس نے
فرمایا کہ قرآن مجید کی آیت : محمد الرسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء
بینھم ط میں رحمت، شفقت، اُلفت و محبت ثابت ہے اس میں کسی قسم کی تاویل کی
گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام کے درمیان جو مشاجرت، مخالفت اور مجادلت (لڑائی)
ہوئی، یہ اجتہاد کی وجہ سے تھی نہ کہ بُغض و عداوت، حسد، کینہ اور دشمنی کی وجہ سے۔ اگرچہ لوگوں نے
ایک کو برحق اور دوسرے کو مظلوم سمجھا ہے لیکن چونکہ دونوں کی غرض اظہارِ حق تھی اس لئے
جو حق پر تھا اُس کو ثواب کے دو حصے ملیں گے اور جو حق پہ نہ تھا اُس کو ثواب میں سے ایک حصہ
ملے گا[2]۔ اس کے بعد فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے بعد مخبرِ صادق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آنحضرت

---

[1] وہ درخت جس کی طرف سے حضرت موسیٰ نے انا ربکم کی آواز سُنی نخل یعنی کھجور کا درخت تھا۔
[2] یہ حدیث کا فیصلہ ہے کہ اجتہادی غلطی پر نے والے کو ثواب کا ایک حصہ ملتا ہے اور جو غلطی پر نہ ہو اُس کو دو حصے۔
اجتہادی غلطی یہ ہے کہ جس کام کو آدمی صحیح اور جائز سمجھ کر سچے دل اور خلوصِ نیت سے کرے (باقی آئندہ صفحہ پر)

صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر ایمان لانا ہمارے لئے فرض ہے۔ جب مخبر صادق نے اپنی زبان مُبارک سے اپنے تمام اصحاب کی تعریف فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ میرے اصحاب کو دوست رکھو کیونکہ اُن کی دوستی خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول ؐ کی دوستی ہے اور اُن کو مُلامت کہو اور اُن سے بدگمانی مت کرو کیونکہ جو شخص میرے اصحاب کو ایذا پہنچاتا ہے وہ مجھے ایذا پہنچاتا ہے اور جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو ایذا پہنچاتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی ہے کہ میرے اصحاب خیار الناس (سب سے بہترین) اور افضل الامۃ (ساری اُمت میں افضل ہیں) اور مومن ہیں اور وہ ہمیشہ ہدایت پر رہیں گے، کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ جو شخص میرے صحابہ میں سے کسی ایک کی اقتدا کرے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا صحابہ کرام کے متعلق بدگمانی اور بدظنی کرنا اور ان کے لئے بد اعتقاد ہونا مخبر صادق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے اور اُن آیاتِ قرآنی کی تکذیب ہے جو صحابہ کرام کی مدح و ثنا میں نازل ہوئیں اور مخبر صادق اور آیاتِ قرآنی کی تکذیب سے کفر لازم آتا ہے نعوذ باللہ من ذلک۔ پس ہم پر واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر اور قرآن شریف پر ایمان لائیں اور تمام صحابہ کرام کو صدق دل سے دوست رکھیں۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ ؓ جو متقی اور اکابر صحابہ میں سے ہیں کے حق میں بُغض و حسد رکھنا اور بدگمانی کرنا سراسر شقاوت (گنہگاری) ہے۔

قولِ جنید ؒ: اولیائے کرام سے بدظن ہونے سے ایمان سلب ہو سکتا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت ابو محمد رویم ؒ جو حضرت جنید ؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے جب بلند ترین مقامات تک پہنچے تو انہوں نے اپنی تلبیس (مذمت و ملامت) کے لئے ظاہری رویہ اختیار کیا اور دلالی کا پیشہ اختیار کر کے اپنے گھر پر قالین، اطلس اور ریشم بچھا دیا اور امیروں کی طرح گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور سارا دن

(بقیہ گذشتہ صفحہ) لیکن درحقیقت وہ کام عند اللہ غلط ہو تو اس کی غلطی تصور نہیں ہوتی بلکہ اس کو ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے لیکن اگر وہ کام عند اللہ صحیح نکلے تو اُس کو دو نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ قوانین اسلام سے لاعلمی ہو تو کسی عالم سے دریافت کرنا فرض ہے۔

تجارت میں مشغول رہنے لگے۔ جب خبر درویشوں تک پہنچی تو انھوں نے طعنہ زنی شروع کر دی۔ اس حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ منتہی کو آخری مقام پر پہنچنے کے بعد اختیار ہوتا ہے کہ خواہ عوام الناس کی طرح کسبِ معاش کرے خواہ فقراء کی روش پر چلے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ جنیدؒ نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ رویم کے پاس ہرگز ہرگز نہ جانا کیونکہ وہ تلبیس میں ہے اور تجھے اُن سے مل کر نقصان ہوگا[1]۔ لیکن ایک دن اُس آدمی پر حضرت شیخ رویمؒ کی محبت نے غلبہ کیا اور وہ اُن کو ملنے چلا گیا۔ جب واپس آیا تو حضرت جنیدؒ نے پوچھا کہ رویمؒ کو دیکھنے کے بعد تم اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہو؟ اُس نے کہا کہ میں رویم کو ولی اللہ اور کامل مکمل شیخ سمجھتا ہوں۔ شیخ جنیدؒ نے فرمایا! الحمد للہ کہ تم اُس کے منکر نہ ہوئے کیونکہ کاملین سے صرف انکار کرنے کی وجہ سے آدمی کے دل میں ایمان کا ذرّہ بھر نہیں رہتا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب اس قدر نزاکت ہے کہ محض انکار کے خیال سے یعنی زبان سے کچھ کہے بغیر ایمان سلب ہو جاتا ہے تو جو لوگ صحابہ کرام کے خلاف بُغض و حسد اور بُرا اعتقاد رکھتے ہیں اور منکر ہیں یہاں تک کہ گالی گلوچ تک سے پرہیز نہیں کرتے اُن کے ایمان کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا کہ صحاحِ ستّہ (حدیث کی چھ کتابیں جن کی صحت میں کوئی شک نہیں) میں بے شمار ایسی احادیث ہیں جن میں صحابہ کرام کی عظمتِ شان علوِ مرتبت، رفعت، جلالت، قدر و منزلت تعظیم و تکریم آئی ہے۔ اس کے بعد عاشقانِ اہلِ مجاز کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا جن کاملین اہلِ مجاز کو حقیقت کا جلوہ نظر آیا ہے وُہ بھی اس قدر بلند مرتبہ کے لوگ ہیں کہ بعض کاملین اہلِ حقیقت نے بھی ان کی زیارت کی آرزو ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ محبُّ النبی حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہم کبھی مائی ہیر کی قبر دیکھتے۔

مائی ہیر کی نماز

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ میاں حامد شاہ جو مائی ہیر کے خاندان کے پیر تھے، اُن کے گھر آئے ہوئے تھے۔ جب نماز کا وقت آیا تو انہوں نے اُسی گھر ہی میں مُصلّٰی بچھا کر نماز پڑھنا شروع کر دی لیکن مائی ہیر اپنے کام کاج کے سلسلے میں کئی بار اُن کے

---

[1] یعنی تم اس سے بدظن ہو کر گنہگار ہوگے۔

آگے سے گزرتی رہی۔ جب شاہ صاحب نماز سے فارغ ہوئے تو مائی ہیر کو بُلا کر غصّے ہوئے اور فرمایا کہ نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہیں گزرنا چاہیئے۔ مائی ہیر نے کہا شاہ صاحب، مَیں عاشق مزاج ہوں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مَیں اپنے عشق میں اس قدر مست اور بے خود تھی کہ آپ کی اور آپ کی نماز کی مجھے کوئی خبر نہیں تھی لیکن آپ تو نماز میں خدا کے ساتھ شاغل تھے آپ کو میرا اور میرے چلنے پھرنے کا علم کیسے ہوا۔ یہ سُن کر شاہ صاحب شرمندہ ہوئے۔

ہیر اور سسّی، خواتین عُشّاق کی قافلہ سالار ہیں

اس کے بعد فرمایا کہ میاں رانجھا صاحب مادر زاد نامرد تھے۔ پس مائی ہیر اور میاں رانجھا نے عشق نہایت پاکبازی اور عصمت سے گزارا۔ علاقۂ پنجاب میں جتنی خواتین عُشّاق ہو گزری ہیں مثل ہیر، ملجاں، سوہنی وغیرہ سب کی سردار مائی ہیر ہے اور علاقہ سندھ و بلوچستان میں عاشق خواتین مثل سسّی، مومل وغیرہ ان کی سردار مائی سسّی ہے اس کے بعد تبسم دلربا سے فرمایا کہ مجھے مائی ہیر سے کوئی اُنس نہیں ہے بلکہ مائی سسّی سے اُنس ہے اس کی وجہ چولستان اور ویرانہ ہے جو مجھے بہت پسند ہے اور سسی نے بھی اسی ویرانے، کوہستان اور بیابان میں پیچھے پیچھے تن تنہا بھوک اور پیاس کی حالت میں بھاگ بھاگ کر اپنی جان قربان کی تھی۔

مجاز کی یک بینی سے روحانی فوائد

اس کے بعد فرمایا کہ اہلِ مجاز اگرچہ تقید میں رہے ہیں، یعنی حق پرستی کی بجائے تعین پرستی یا مجاز پرستی میں عمر گزار دی ہے) پھر بھی چونکہ وہ یک بین (ایک دیکھنے والے) تھے اس لئے کمال کو پہنچے اس کے بعد آپ نے یہ غزل پڑھی ؎

بے پردہ صفات جمالش ندیدہ کس	غیر از تعینات کمالش ندیدہ کس
چوں ظاہر شدہ بصورت اشیائے کائنات	چوں ذات بے مثال شالش ندیدہ کس
بحر لیست بحر عشق کرانش ندیدہ کس	جز موج واز حباب نشانش ندیدہ کس
از ابروان وغمزہ جہاں راشکار کرد	ایں طرفہ بیں کہ تیر و کمانش ندیدہ کس
گویا بہ ہر زبان و بشنواست بہر سمع	در حیرتم کہ گوش و زبانش ندیدہ کس
ہر وقت و ہر زمان و مکان می کندم خرام	بنگر کہ در زمان و مکانش ندیدہ کس

شاہد بہ بیں کہ گلشن حسنش شگفتہ است | ہر دم بود بہار خزانش ندیدہ کس
گلہائے بے شمار شگفتہ زہر طرف | نیرنگ گلشنے کہ نہانش ندیدہ کس
صورت پذیر نیست چوں کنہ حقیقتش | زیں روئے جز بعکس عیانش ندیدہ کس
زیں روئے بجز گمان و خیالش ندیدہ کس | ظاہر بجز خیال خیالش ندیدہ کس
در پردہ آشکار و بے پردہ شد نہاں | شاہد بدیں ادا و دلالش ندیدہ کس

صفات کے پردے کے بغیر اسے یعنی محبوب حقیقی کو کسی نے نہیں دیکھا۔ تعینات[1] کے بغیر اُس کے کمال کو کسی نے نہیں دیکھا۔

جب وہ اشیائے کائنات کی شکل میں ظاہر ہوا ہے اُس کی ذاتِ بے مثل کی طرح اس کی مثال کو کسی نے نہیں دیکھا۔

بحر عشق ایسا سمندر ہے کہ اس کا کنارہ کسی نے نہیں دیکھا سوائے موج اور حباب کے اس کا نشان کسی نے نہیں دیکھا۔

محبوب حقیقی نے اپنی تیغ ابرو اور غمزہ سے سارے جہان کو خراب کر دیا ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اس کے تیر و کمان کو کسی نے نہیں دیکھا۔

وہ ہر زبان سے بات کرتا ہے اور ہر کان سے سنتا ہے لیکن اس کے گوش و زبان کو کسی نے نہیں دیکھا۔

وہ ہر وقت اور ہر مکان میں مست خرام ہے لیکن کمال یہ ہے کہ اُسے مکان و زمان میں کسی نے نہیں دیکھا۔

اے دیکھنے والو دیکھو اس کے حسن کی بہار کیسے کھلی ہے اس کے چمن حسن میں ہر وقت بہار ہی بہار رہے خزاں کسی نے نہیں دیکھی۔

اگرچہ اس کے باغ کے پھول ہر طرف کھلے ہوئے ہیں لیکن باغ کے درخت آج تک کسی نے

---

[1] تعینات جمع ہے تعین کی جس کا مطلب ہے اشیائے کائنات مثلاً انسان، جانور، پہاڑ، درخت وغیرہ۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ خالق کائنات کو سوائے مظاہر صفات (تعینات) کے کوئی نہیں دیکھا جا سکتا۔

نہیں دیکھے (یعنی صفات ظاہر، ذات پوشیدہ ہے)

چونکہ اس کی حقیقت یعنی ذات بے صورت ہے اس لئے اس کے عکس کے بغیر کوئی چیز نظر نہیں آتی اور عکس یہی آئینہ، کائنات ہے۔

یہی وجہ ہے، سب لوگ اس کو خیال کی دنیا میں دیکھتے ہیں ظاہر کی دنیا میں اسے کسی نے نہیں دیکھا۔

وہ پردہ پوشی[1] ہونے کے باوجود ظاہر ہے اور بے پردہ ہونے کے سبب چھپا ہوا ہے

اس کے ناز و ادا کا محبوب آج تک کسی نے نہیں دیکھا

محبوب کے دو عاشق ہوتے ہیں اور عاشق کا ایک معشوق

اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح حسن ذات حقیقی کی ایک صفت ہے اسی طرح عشق بھی اس کی صفت ہے جیسا کہ حدیث کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (میں حسن و جمال کا ایک مخفی خزانہ تھا مجھے خواہش ہوئی کہ مجھے کوئی دیکھے پس اس لئے کائنات کو پیدا کیا) سے یہ بات ظاہر ہے اس وجہ سے کہ کنز ا مخفیا سے مراد حسنِ ازلی ہے جو حق تعالیٰ کی صفتِ ذاتی ہے اور فاحببت اعرف سے مراد عشقِ حقیقی ہے اور خلقت الخلق سے مراد ہے عشقِ عارضی یا عشق مجازی ہے جو عشقِ حقیقی کا اثر ہے اور مخفی ہے جس طرح ایک حسین اپنے عشق کے سبب جو اس کی صفت ذاتی ہے اپنے حسن پر عاشق و مفتون حقیقتاً و طبعاً۔ اسی طرح جو شخص کسی حسین کو دیکھتا ہے تو اس حسین کا عشق دیکھنے والے کے دل میں اثر انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ اس عشق کا عکس دیکھنے والے کے دل میں بیٹھ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے

---

[1] کیا خوب کہا ہے کہ پردہ پوشی نے اسے آشکارا کرایا ہے اور بے پردگی نے اسے چھپا دیا ہے یعنی اگرچہ اس نے اشیاء کا کائنات و تعینات کا پردہ پہن لیا مگر بھی یار لوگوں نے اسی پردہ سے اس کا نشان پاکر ڈھونڈ لیا ہے اور بے پردگی نے اسے یوں چھپا لیا ہے کہ اس کے حسنِ جاں سوز کی بے پناہ روشنی دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا گئیں ہیں۔ عارفین کا قول ہے کہ حق تعالیٰ شدتِ ظہور اور شدت قُرب کی وجہ سے نظر نہیں آتے ورنہ اس قدر عظیم الشان ہستی کس طرح چھپ سکتی تھی۔

کو دیکھنے والا اس حسین کے حسن پر بالغرض عاشق ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا عشق عارضی اور غیر طبعی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عاشق بالغرض کا عشق کچھ عرصے کے بعد زوال پذیر ہو جاتا ہے سوائے چند اشخاص کے مثل مجنون وغیرہ اب چونکہ عشق حقیقی صورت فعلیہ رکھتا ہے اور عشق عارضی صورت انفعالی رکھتا ہے۔ اس لئے جو کوئی رتبہ فعلیہ رکھتا ہے محتاج اور عاشق ہوتا ہے اور معشوق محتاج الیہ ہوتا ہے پس خوبصورت کے دو معشوق ہوتے ہیں، ایک اس کا اپنا حسن کیونکہ معشوق حقیقی وہی ہے دوسرا عاشق عارضی جو اس کا معشوق عارضی اور غیر طبعی ہے اور کو دیکھنے والے کا یعنی جو عاشق بالغرض ہے ایک معشوق ہے یعنی وہی حسین۔ پس جو شخص دو معشوق رکھتا ہے ایک معشوق رکھنے والے کی نسبت دوگنا بے قرار ہوتا ہے اس وجہ سے کہ اس کا دل دو طرف کشیدہ رہتا ہے[1]۔

مقبوس ۳۴: بوقت عصر بروز شنبہ ۲۳ ماہ و سال مذکور

وظیفہ خلاصی از مقدمہ و وظیفہ سلوک

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور میں آپ کا مرید ہوں اور عرصہ چار سال سے میں چوری سے تائب ہو چکا ہوں لیکن اب مجھ پر لوگوں نے چوری کا الزام لگایا ہے اور حکومت کو رپورٹ کر دی ہے۔ تین دن کے بعد میری حاکم کے سامنے حاضری ہے۔ میرے حال پر توجہ فرماویں۔ آپ نے فرمایا کچھ پڑھے ہوئے ہو۔ اس نے کہا کچھ نہیں پڑھا۔ آپ نے پوچھا کہ اللہ اکبر کہہ سکتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں یہ تو بہت آسان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اکبر ایک سو سے چند بار زیادہ پڑھا کرو یعنی ہر تسبیح میں پانچ چھ دانے زیادہ پڑھے جائیں اور اس کے بعد رہائی کے لئے دعا مانگا کرو اس کے بعد ایک

---

[1] حضرت غوث الاعظمؒ کے الہامات میں سے پہلا الہام یہ ہے یاغوث الاعظم خیر الطالب انا وخیر المطلوب الانسان (سب سے بڑا طالب میں (خدا تعالیٰ) ہوں اور سب سے بڑا مطلوب انسان ہے)۔ مختصر یہ کہ حق تعالیٰ کے دو محبوب ہیں، ایک خود اور ایک انسان لیکن انسان کا محبوب صرف ایک ہے یعنی حق تعالیٰ۔

شخص نے عرض کیا کہ حضور مجھے وظیفۂ سلوک عطا فرمایا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز عصر کے بعد سورۂ عم یتساءلون ۵ پانچ بار، نماز عشاء کے بعد سورۂ اخلاص تین سو بار، درود شریف تین سو بار اور کلمۂ طیب ایک سو بار پڑھا کرو۔ یہ ہمارے خواجگان کا قدیمی وظیفہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر رات کے وقت نہ ہو سکے تو دن میں پڑھا کرو لیکن شرط یہ ہے کہ شروع رات میں ہو اور باقی دن میں پورا کیا جائے لیکن ایسا نہ ہو کہ ہمیشہ یہی کرو بلکہ بوقت ضرورت جائز ہے (یعنی اگر رات کے وقت کوئی مجبوری ہو اور ناغہ ہونے کا ڈر ہو تو اس وظیفہ کا کچھ حصہ رات کو شروع کرلے اور دن کو پورا کرے لیکن کوشش یہ کرے کہ رات کے وقت پڑھے)۔

مقبوس ۳۵: بوقت اشراق بروز یکشنبہ ۲۴ رجب ۱۳۱۸ھ

حروف تہجی میں حکمت

حضرت اقدس نے فرمایا کہ لغت عربی میں حروف تہجی اٹھائیس ہیں۔ ان اٹھائیس حروف کے وضع کرنے میں یعنی نہ زیادہ نہ کم ہونے میں ایک حکمت ہے۔ وہ حکمت یہ ہے کہ یہ حروف چند اشیاء پر حاوی ہیں۔ ایک اعداد پر کیونکہ مراتب اعداد چار ہیں۔ ایک احاد (یعنی اکائی) دوم عشرات (دہائی) سوم مائت (سینکڑہ) چہارم آلاف (ہزار)۔ پس الف جس کا عدد ایک ہے سے لے کر طا تک، جس کا عدد ۹ ہے احاد ختم ہو جاتے ہیں اور آلاف کا رتبہ غین پر ختم ہو جاتا ہے۔ دوسری چیز جس پر حروف حاوی ہیں ہفت کواکب سیارہ ہیں، تیسری چیز ہفت آسمان ہیں، چوتھی چیز بارہ برج ہیں پانچویں چیز یہ ہے منازل نجوم پر حاوی ہیں۔

مقبوس ۳۶: بوقت اشراق بروز یکشنبہ ۲ شعبان ۱۳۱۸ھ

شغل حقیقی میں خیال ماسوی کیسے ترک ہو سکتا ہے

شغل حقیقی میں وساوس ماسوی اللہ کے وارد

ہونے کا ذکر ہو رہا تھا. ایک آدمی نے عرض کیا کہ وہ شغل حقیقی کہ جس میں ماسوی اللہ کا خیال بالکل نہ آئے ہمیں ہرگز حاصل نہیں ہوتا. ہر وقت ہمارے دل میں ماسوی کا خیال (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری چیزوں کا خیال) دل میں موجیں مارتا رہتا ہے. آپ نے فرمایا کہ شغل حقیقی یہ ہے کہ جب ذکر کرنے کے لئے بیٹھے تو آنکھیں بند کر کے ماسوا کے خیال کو دفع کر دے اگر اس طریقے سے کام کرے گا تو کامیاب ہو جائے گا. کیونکہ اصل چیز مزاجِ حال ہے. آیہ: ومزاجه من تسنیم کا اشارہ اسی شغل کی طرف ہے. صرف زبان سے پڑھنے سے ثواب ضرور ملتا ہے لیکن فقر جو وصالِ حق کا نام ہے، ہرگز حاصل نہیں ہوتا.

اس کے بعد فرمایا کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس کو کبھی ذوق نہ ہو اس ذوق کی حالت میں ماسویٰ کا خیال بالکل کم ہو جاتا ہے. اگرچہ ماسوا کا خیال بالکل دفع نہیں ہوتا تاہم اس میں قلت ضرور واقع ہوتی ہے اور یہ بھی غنیمت ہے.

الہام ہر شخص کو ہوتا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ جسے الہام نہ ہوتا ہو. یہ خطرات (خیالات) جو ہر وقت آدمی کے دل میں وارد ہوتے ہیں الہام ہیں لیکن عوام کو اس کا علم نہیں ہوتا. بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک عام آدمی کے دل میں ایسا خیال پیدا ہوتا ہے جس کے مطابق خارج میں ظہور ہوتا ہے اور یہ اتفاق عام طور پر ہوتا ہے. اس کے بعد فرمایا کہ بے شک یہ خیالات الہامات ہیں جو ہر شخص کے دل میں وارد ہوتے ہیں.

مرزا بیدل متقدمین پر سبقت لے گئے

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ مخدوم نے مجھ سے دریافت کیا کہ مرزا بیدل کے اس شعر کا کیا مطلب ہے ؎

اگر منکر نبوت نۂ بخطرات جز بہ تعظیم پیش میا
واگر بر تجلی ایمان داری ہیچ جانب بے ادب چشم مکشا

(اگر نبوت کا منکر نہیں ہے تو دل کے خیالات کی تعظیم کر کہ اسی کے بھیجے ہوئے ہیں اور اگر تجھے تجلی پر ایمان ہے یعنی اس بات کا تجھے یقین ہے کہ ہر چیز ذاتِ حق کی تجلی کا مظہر ہے تو

کسی چیز کو بے ادب نگہ سے نہ دیکھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کل برکت علی نے بیدل کی یہ غزل پڑھی جس سے بہت شور برپا ہوا ۔

همه عمر باتو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما | چه قیامتی که نمی رسند زکنار ما بکنار ما
نه بدامنی ز حیا رسد نه بدستگاه دعا رسد | چو رسد به نسبت پا رسد کف ما ست آبله دار ما

جاننا چاہیے کہ یہ جو حضرت خواجہ صاحب نے اس شعر سے پہلے فرمایا تھا کہ "برکت علی قوال نے کل یہ اشعار پڑھے جس سے بہت شور برپا ہوا"، اس کا قصہ یوں ہے کہ کل شام کے وقت برکت علی نے خلوت میں حضرت اقدس کو مندرجہ بالا غزل سنائی جس سے آپ پر اس قدر وجد و بے خودی طاری ہوئی کہ پہلے سے دس گنا زیادہ تھی یہاں تک کہ تین دفعہ پلنگ سے نیچے گر گئے۔ آخر کھڑے ہو کر آپ نے رقص کیا۔ یہ حالت ظہر تک قائم رہی۔ اس کے بعد فرمایا کہ مرزا بیدل نے ایسے شعر کہے ہیں کہ طاقتِ بشری سے باہر نظر آتے ہیں۔ یہ غزل بھی مرزا بیدل کی ہے ۔

بخیال چشمک می زند قدح جو جنون دل تنگ ما
که هزار میکده می دود بر کاب گردش رنگ ما

(عشاق ہمیشہ محبوب کی چشم مست سے مستی کے جام نوش کرتے ہیں شاعر کہتا ہے کہ

(شرح شعر) ہم نے سارا عمر اے دوست تیرے ساتھ شراب نوشی کی لیکن ابھی ہمارے نشہ کا شوق پورا نہیں ہوا۔ کیا قیامت ہے کہ محبوب ہمارے پہلو سے ہم تک نہیں پہنچتا۔ اس شعر کا مطلب سمجھانے کے لیے تھوڑی سی تمہید کی ضرورت ہے۔ عارفین حضرات فرماتے ہیں کہ اگرچہ محبوب حقیقی نے اپنا پتہ ہماری رگ جان سے بھی زیادہ قریب بتایا ہے لیکن اس کا وصال اس قدر مشکل ہے کہ قرب کی جانب جتنی منازل طے کی جائیں ہر منزل کے اوپر اور منزل ہے اور یہ قصہ ختم نہیں ہوتا اسی وجہ سے گرامی چلا اٹھے ۔

شب لطف وصل و گرشتہ چشم حلقہ | ما ایم و زلف یار سلسل حکایتے

اسی مضمون کو سعدیؒ نے یوں ادا کیا ۔

زحسنش خلیقے دارد نہ سعدی را سخن پایاں | بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی،

جب یہ بات ہے تو ہر عاشق اگرچہ عین وصل میں ہے اور قرب کی مزید منازل طے کر کے اور زیادہ قریب (باقی آئندہ صفحہ پر)

جب محبوب کی آنکھ سے مے توحید کے پیالے پیتا ہوں تو اس قدر محویت اور مستی طاری ہو جاتی ہے کہ ہزار بھاگ کر ہماری رکاب چومتے ہیں۔ چشم محبوب سے مے نوشی کو شیخ فخر الدین عراقی رح نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
زچشم مست ساقی وام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند

مقبوس ۳۷: بوقت اشراق بروز دوشنبہ ۳ شعبان ۱۳۱۸ھ

نوٹ: اس مقبوس میں کوئی تعلیمی چیز نہیں ہے اس لئے ترک کیا گیا ہے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) ہونا چاہتا ہے اور یہ بات نہ نصیب ہوتی ہے نہ نصیب ہوگی قیامت تک اور قیامت کے بعد بہشت میں بھی۔ کیونکہ عاشق ابدالآباد منازل قرب وصال طے کرتا رہے گا لیکن قرب کے بعد قریب تر کی منازل ختم نہیں ہوں گی۔ اسلئے مرزا بیدل چلا اٹھے ہیں کہ یہ کیا قیامت ہے کہ اے محبوب میں وصال کی حالت میں بھی سیری نہیں ہوتی اور پورے قرب کے لئے ہمیشہ جان تڑپتی رہتی ہے۔ کسی شاعر نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے ؎

دل ازآرام در بر و آرام جوئے | لب از تشنگی خشک و بر طرف جوئے

محبوب سامنے ہے مگر محبوب کی تلاش ہے۔ عجب حالت ہے پاس ہے تو دور بھی ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎ "قلندر آنکہ فوق الوصل جوید"۔ فوق الوصل" کا مطلب وہی قریب تر سے قریب ترین ہے ؎

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی،

دوسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرا آبلہ دار ہاتھ نہ تیرے دامن تک پہنچ سکتا ہے نہ دعا کے لئے اٹھ سکتا ہے یعنی اگر پہنچ سکتا ہے تو صرف تیرے پاؤں تک پہنچ سکتا ہے۔

مقبوس ۴۸: بوقت اشراق بروز سہ شنبہ بہ ماہ وسال مذکور

جابلقا وجابلسا

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ حضور جابلقا اور جابلسا کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عالم مثال ہے کہ جس میں مرنے کے بعد ہم جائیں گے۔

عالم مثال دو قسم پر ہے۔ متصل اور منفصل۔

عالم مثال منفصل

عالم مثال منفصل کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو برزخ واسطہ ہے۔ عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان اس وجہ سے کہ جسم کے اندر روح کا فیضان اور تصرف بلا واسطہ نہیں ہو سکتا کیونکہ روح اس قدر لطیف ہے اور ایسا جوہر ہے جو مادہ سے مجرد (پاک) ہے اور بسیط و منزہ ہے، شکل و رنگ، زمان و مکان سے، لیکن جسم اس کے برعکس ہے (یعنی کثیف اور ٹھوس ہے) چونکہ اجسام اور ارواح کے درمیان کوئی مناسبت نہ تھی، حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک ایسا لطیف عالم (جہان) مرکب فرمایا جو کثافت سے پاک ہے اور لطافت و نورانیت میں ارواح سے مشابہت رکھتا ہے۔ نیز اجسام کے ساتھ بھی اُسے ایک گونہ موزونیت عطا کی ہے تاکہ عالم ارواح اور عالم اجسام کی صفات مشترکہ ہوں اس لئے بدن سے تعلق سے قبل ارواح اسی عالم مثال میں ہوتی ہیں یہ ہے جابلقا۔

عالم مثال منفصل کی دوسری قسم وہ ہے جو دنیا و آخرت کے درمیان واسطہ ہے جس طرح روح اور جسم کے درمیان کوئی مناسبت نہیں، اسی طرح دنیا و آخرت کے درمیان بھی کوئی مناسبت و مشابہت

ؔ "جابلقا و جابلسا"۔ جابلسا سے مراد وہ عالم برزخ ہے جہاں ارواح موت کے بعد جاتی ہیں؛ یہ عالم برزخ اس عالم سے مختلف ہے جہاں ارواح اس دنیا میں آنے سے پہلے ہوتی ہیں اسے جابلقا کہتے ہیں۔ جابلقا مشرقی اجسام میں واقع ہے اور جابلسا مغربی اجسام میں واقع ہے۔ جابلقا مراتب تنزلات سے ہے اور جابلسا مراتب عروج سے۔ جابلسا میں تمام ارواح اعمال کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ عالم بھی روحانی جوہر نورانی غیر مادی ہے۔ جابلسا مجمع البحرین ہے وجوب امکان کا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ "سترِ دلبراں" مصنفہ حضرت قطب المشائخ مولانا سید محمد ذوقی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نہیں ہے۔ چونکہ دنیا و آخرت کے مابین واسطہ ضروری تھا اس لئے حق تعالیٰ نے ایک ایسا عالم (جہان) پیدا فرمایا کہ جس میں دنیا و آخرت کی صفات مشترک ہوں تاکہ دنیا و آخرت کے مابین تعلق قائم ہوسکے۔ چنانچہ یہ وہ عالم مثال ہے جس میں روح بدن سے علیحدہ ہوکر رہتی ہے یعنی موت کے بعد۔ اس جہان کو جابلسا کہتے ہیں۔

عالمِ مثال متصل

عالم مثال متصل وہ ہے کہ خیال میں اشیاء کی صورت دیکھی جاتی ہے۔ اس قسم کے عالم مثال میں ادراک مشروط ہے قوت دماغیہ سے اس وجہ سے کہ خیالی صورتیں انسان کی قوت متخیلہ کے بغیر اپنی ذات سے بالکل موجود نہیں ہیں بخلاف عالم مثال کی مندرجہ بالا اقسام کے جن میں اشیاء کا وجود بذاتِ خود بغیر قوت متخیلۂ انسانی موجود ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو کام ایک جہان میں کیا جاتا ہے دوسرے جہان میں یاد نہیں رہتا۔ مثلاً ایک شخص نے جو کام عالمِ ارواح اور عالم اجسام کے درمیان کیا ہے اُسے وہ کام عالم اجسام میں یاد نہیں رہتا۔ جیسے ایک چھوٹا بچہ جو کام عالم طفولیت میں کرتا ہے بڑا ہو کر اُسے یاد نہیں رہتا تو اسے عالم مثال میں کیا ہوا کام کیسے یاد رہ سکتا ہے۔ اسی طرح جو کام دنیا میں کیا جاتا ہے وہ عالم برزخ میں یاد نہیں رہتا۔ نیند کو دیکھو، جو کام آدمی خواب میں کرتا ہے یعنی جس وقت حواس معطل ہوتے ہیں، بیدار ہو کر اسے بہت کم یاد رہ جاتا ہے باوجودیکہ خواب میں روح اور جسم کا تعلق ابھی باقی ہے لیکن موت کے بعد جب حواس بالکل معطل ہو جاتے ہیں دنیا کے کام کیسے یاد رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ موت کے بعد روح کا تعلق جسم سے نہیں رہتا بلکہ ایک اور لطیف جسم کے ساتھ ہوتا ہے جو بہوا سے بھی زیادہ لطیف ہوتا ہے اس لئے دنیا میں کیا ہوا کام آخرت میں یاد نہیں رہتا۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب بیگم تاج محل فوت ہو گئی تو شاہجہاں بادشاہ پر دیوانوں کی سی حالت طاری ہو گئی۔ اس وقت ایک بزرگ نے شاہجہان کے سر پر اپنی ٹوپی اتار کر رکھی تو اسے ایک دلکش باغ نظر آیا جس کے اندر ایک محل تھا اور اس محل میں بیگم تاج محل ایک تخت پر بیٹھی قرآن شریف پڑھ رہی ہے۔ شاہجہان نے اپنی بیوی کو پہچان لیا لیکن جب بیگم نے اُسے دیکھا تو اس نے ایک چیخ ماری۔ اس کی خادمہ نے بادشاہ کو ملامت کی کہ تم کون ہو، اندر مت آؤ۔ اس نے کہا میں شاہجہان ہوں اور یہ میری بیوی ہے جو تخت پر بیٹھی قرآن پڑھ رہی ہے۔ خادمہ نے کہا، ٹھہرو میں پوچھ کر آتی ہوں۔ اس نے جاکر ممتاز بیگم کو یہ ماجرا سنایا۔ بیگم منہ میں انگلی ڈال کر سوچنے لگی کہ کون شاہجہان ہے جو اپنے آپ کو میرا خاوند بتاتا ہے

کچھ دیر بعد کہنے لگی کہ ہاں مجھے تھوڑا سا یاد آتا ہے کہ راستے پر ایک سرائے تھی جہاں ہم ٹھہرے تھے اور میں نے سنا تھا کہ شاہجہان نامی بادشاہ بھی اس سرائے میں قیام پذیر ہے۔

تجسس سے عمل بہتر ہے

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتے۔ ہمیں ان پر ایمان لے آنا چاہیئے اور دلیل نہیں طلب کرنی چاہیئے کہ کس طرح ہیں۔ جو کچھ سنے اس پر بغیر چون وچرا ایمان لے آئے۔ اگر زیادہ عقل کو دخل دے تو اس قدر کہے جیسا کہ مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے: اٰمنت بما جاء من عند اللّٰہ علی مراد اللّٰہ وما جاء من عند رسول اللّٰہ علی مراد رسول اللّٰہ وبما جاء من عند اولیاء اللّٰہ علی مراد اولیاء اللّٰہ (میں ایمان لے آیا جو کچھ اللہ تعالیٰ سے آیا ہے اللہ تعالیٰ کی مراد پر اور ایمان لایا جو کچھ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رسول اللہ کی مراد پر اور ایمان لایا جو کچھ اولیاء اللہ کی طرف سے اولیاء اللہ کی مراد پر)۔

اس کے بعد فرمایا کہ انسان حق تعالیٰ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ حقائق معلوم کرنے کے لئے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انسان کو مگر اس بات کے لئے کہ عبادت کریں)۔ پس ہر شخص کو چاہیئے کہ ہر سانس کو آخری سانس سمجھے اور حق تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہے تاکہ آخرت میں نجات اور خوشی حاصل ہو اور بہشت کی نعمت ملے جس نے عبادت نہ کی وہ آخرت میں مقید ہوگا اور عذاب دوزخ پائے گا۔ فرمایا جو کچھ ہے موجود ہے ماضی سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ وہ گذر چکا ہے اور مستقبل کی کچھ خبر نہیں کہ نصیب ہوگا یا نہیں۔ پس زمانہ حال کو غنیمت سمجھ کر خوب محنت کرے اور عبادت میں گذارے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حاجتِ بشری کے لئے جاتے تھے تو فارغ ہو کر فوراً تیمم فرماتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضور پانی تک جانے یا لے آنے میں کونسی دیر لگتی تھی ایک ہی مرتبہ وضو فرما لیتے۔ فرمایا معلوم نہیں کہ پانی لانے اور وضو کرنے تک میں زندہ بھی رہوں گا یا نہیں

شیعہ مذہب کی ابتداء

اس کے بعد مذہب شیعہ کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ شیعہ مذہب کا استقلال سال ۹۰۶ھ میں

بادشاہ اسمٰعیل صفوی کے عہد میں ہوا جو ایران کا بادشاہ تھا۔ اس سے پہلے ایران میں شیعوں اور رافضیوں کی بو تک نہ تھی۔ فرمایا اس اسمٰعیل صفوی کا باپ سلطان حیدر صفوی مسلمان اور قدرے درویش تھا سلطان حیدر صفوی کا دادا شیخ ابراہیم کامل وقت تھا اور اس کا باپ شیخ علی بھی درویش کامل تھا اس کا باپ شیخ صدر الدین بھی ولی کامل و مکمل تھا۔ باپ شیخ صفی الدین اردبیلی جو سید نجیب و صحیح نسب تھے کا شمار بھی اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اور شاہان صفوی تمام ان کی اولاد میں ہیں،

اس کے بعد فرمایا کہ یہ سلطان اسمٰعیل صفوی راہِ شریعت یعنی اہلِ سنت و جماعت اور طریقت جو اس کے آباء و اجداد کا طریق تھا، سے منحرف ہو کر شیعہ مذہب ہو گیا۔ جب ایران کے تخت پر بیٹھا تو تمام اہلِ ایران کو شیعہ بنا لیا۔ اس نے اس مذہب کی اس قدر اشاعت کی کہ آج تک ایران اس سے آزاد نہیں ہوا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک ایران کے تمام بادشاہ شیعہ رہے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ حقیقتِ حال خدا تعالیٰ جانتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ جو حدیث شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جو فساد پیدا کرے گا اور اپنے آپ کو میری آل سے بتائے گا لیکن میری آل میں سے نہیں ہوگا۔ کیونکہ میری آل میں سے جو شخص ہوگا، نیک و صالح ہوگا۔ یہ اسمٰعیل صفوی کے متعلق پیش گوئی ہے جو سید ہے لیکن بدعقیدہ اور مفسد ہونے کی وجہ سے آلِ نبیؐ سے خارج کر دیا گیا ہے اور اس حدیث شریف کا مصداق بن گیا ہے: ثم فتنة سراء دخنها من تحت قدمی رجل من اهل بیتی یزعم انه منی ولیس منی انما اولیاء المتقون۔ یہ حدیث شریف مشکوٰۃ شریف میں وارد ہوئی ہے

حضرت خواجہ صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم

اس کے بعد آپ نے قرآن پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ میں نے قرآن شریف میاں جی صدر الدین کے ہاں پڑھا ہے جب ان کا انتقال ہوا تو میاں جی محمد بخش کے ہاں قرآن ختم کیا۔ کتب نظم میاں جی حافظ خواجہ جی کے ہاں پڑھنا شروع کیں۔ چند کتب پڑھنے کے بعد میاں جی محمد بخش کے بھائی میاں احمد یار خوجہ کے ہاں چند کتابیں پڑھیں اور پھر میاں جی برخوردار جی کے ہاں تمام کتب نظم ختم کیں۔ اس کے بعد یہ تجویز ہوئی کہ عربی کتابیں کوئی ایسا اُستاد پڑھائے جو خشک مُلّا نہ ہو بلکہ

روحانیت سے بھی کچھ واقف ہوتا کہ تصوف و توحید کی باتیں کان میں ڈالتا رہے۔ اس کام کے لئے مولوی مریدبخش کو منتخب کیا گیا چنانچہ جب ان کو خط لکھا گیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ میرے پاس ایمان کا ایک ذرہ ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ یہ بھی سلب کرا کر جاؤں لہٰذا میں نہیں آتا۔ چنانچہ درسی کتابیں پڑھانے کے لئے مولوی قائم الدین کو مقرر کیا گیا اور تمام درسی کتابیں مَیں نے ان سے پڑھیں بعد میں ان تمام استادوں نے مجھ سے تصوف اور توحید کی کتابیں۔ فرمایا کہ میاں قائم الدین مجھے بہت مارتے تھے اور شدید ضربیں لگاتے تھے اور اکثر اوقات محض نفسانیت سے مارتے تھے (یعنی غصہ پر قابو نہ پا سکتے تھے)۔ ایک دفعہ میاں قائم الدین تیسرے دن کے بخار میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دن مَیں نے کہا میاں جی اگر مَیں دعا کروں اور آپ کا بخار رفع ہو جائے تو کیا دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ تین دن کی چھٹی دوں گا۔ چنانچہ میں نے روضۂ اقدس کے اندر جا کر حضرت محبوب الٰہیؒ کے غلاف کے نیچے پائنتی کی طرف گھس کر بہت دیر دعا کی حتیٰ کہ مجھے وہاں نیند آ گئی دوسرے دن میاں جی کا بخار اتر گیا لیکن میاں جی نے وعدہ وفائی نہ کی اور مجھے پکڑ کر پڑھایا۔ مَیں نے وعدہ یاد دلایا لیکن انہوں نے کہا مجھے اس لئے شفا ہوئی ہے کہ مَیں تجھے پڑھاؤں۔ اس سے مَیں مغموم ہوا۔ چنانچہ دوسرے روز میاں جی کو پھر بخار ہو گیا اور کافی عرصے تک رہا۔

اس کے بعد فرمایا کہ میاں جی برخوردار مجھے زدوکوب نہیں کرتے تھے صرف زبانی تنبیہہ کرتے تھے اور ہاتھ سے دہشت دلاتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے دو جن آتے ہیں، خبردار آئندہ کوئی حرکت نہ کرنا۔ فرمایا ایک دن مَیں ایک لڑکے کو گھوڑا بنا کر اس پر سوار ہوا اور اسے دوڑا رہا تھا کہ میاں جی برخوردار جو پاس ہی سو رہے تھے بیدار ہو گئے اور زور سے آواز دی کہ کیا کر رہے ہو۔ مَیں خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ میاں جی پھر سو گئے ایک ساعت کے بعد میاں جی اٹھے اور حواس باختہ ہو کر میرے پاس آئے اور کہا کہ مَیں گھوڑا بنتا ہوں اور تم مجھ پر سواری کرو۔ یہ بات مَیں نے بالکل قبول نہ کی اس کے بعد میاں جی نے میرے ماموں صاحب سے سفارش کرائی میرے ماموں نے مجھ سے کہا کہ ان کی بات مان لو۔ چنانچہ میاں جی صاحب گھوڑا بن گئے اور مَیں ان پر سوار ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ایڑ بھی لگاؤ اور ہاتھ سے چابک بھی دکھاؤ، زبان سے بھی ہنکارو جیسا کہ سوار کرتا ہے۔ مَیں نے ان کے حکم کی تعمیل کی جب مَیں بڑا ہوا تو مجھے میاں جی نے بتایا کہ جس روز اپنے لڑکے کو گھوڑا بنایا تھا اور مَیں نے آپ کو سرزنش کی تھی تو حضرت محبوب الٰہی نے مجھے

خواب میں زجر و توبیخ کی تھی اور فرمایا کہ تم نے کیوں اس کو سرزنش کی اور وحشت زدہ کیا اسی وجہ سے میں گھوڑا بنا اور آپ کو سوار کیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت فخر الاولیاءؒ فرماتے تھے کہ میاں برخوردار بعد میں مسکین بن گئے تھے شروع میں وہ شاگردوں کو مارا کرتے تھے۔ جس قدر انہوں نے مجھے مارا مجھے یاد ہے۔ میرے قبلہ فخر الاولیاءؒ نے یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن طالب علموں کو چھٹی ہوتی ہے چنانچہ ایک دن میں لڑکوں کے ساتھ گھوم رہا تھا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ کا وہاں سے گذر ہوا۔ مجھے بلا کر میرے اُستاد سے فرمایا کہ میاں جی دیکھیں یہ کیا کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا قبلہ آج جمعہ ہے میں نے آموختہ سُن کر چھٹی دے دی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اپنے پاس رکھو۔ چنانچہ میاں جی نے مجھے اٹھایا۔ میں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے اور رویا لیکن وہ مجھے لے گئے اور ایک دو بار آموختہ سُن کر رخصت دے دی۔ اس کے بعد میاں جی برخوردار نے کہا کہ مجھے خواب میں حضرت محبوب الٰہیؒ نے تنبیہہ فرمائی کہ میرے بیٹے کو کیوں زجر و توبیخ کی۔ پھر فرمایا کہ تم اس سے نرمی کرو یا سختی وہ میری طرح ضرور ہو گا۔ اس کے بعد اُسی خواب میں میرے متعلق فرمایا کہ برخوردار کو کوئیں میں ڈال دو چنانچہ لوگوں نے مجھے ایک تنگ و تاریک کوئیں میں ڈال دیا جس سے میرا دم گھٹنے لگا جب بیدار ہوا تو اسی طرح میرا سانس چڑھا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے حضرت خواجہ محمودؒ سے عرض کیا کہ قبلہ آپ حضرات نے مجھے صاحبزادہ کی تعلیم پر مامور کیا ہے دعا کریں کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ مجھ سے راضی ہو جائیں اور میری پریشانی دور ہو۔

مقبوس ۳۹: بوقت اشراق بروز چہارشنبہ ۵ شعبان ۱۳۱۸ھ

خلیفہ محمد اعظم شیدانویؒ

خلیفہ محمد اعظم شیدانویؒ کا ذکر ہو رہا تھا، حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب حضرت سلطان الاولیاء نے خلیفہ محمد اعظمؒ اور مولوی عبداللہ صاحب احمد پوریؒ کو اجازت بیعت اور خلافت عطا فرمائی تو اُن دنوں مولوی خوش بخش اوچوی جو حضرت قبلہ عالم مہارویؒ کے مُرید تھے آ کر عرض کیا کہ قبلہ آپ نے مولوی عبداللہ احمد پوری کو خلافت دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں، خلافت اس لئے دی ہے کہ وہ عالم ہے۔ صالح ہے اور سیاح ہے چونکہ وہ

اکثر سیاحت میں رہتا ہے۔ اس لئے سلسلہ عالیہ کو ترقی دے گا۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ محمد اعظمؒ
کو بھی خلافت دی ہے؟ فرمایا محمد اعظمؒ کی گردن میں حلقۂ خلافت ڈال کر میں نے محفوظ کر لیا ہے ورنہ وہ
آسمان پر اڑ جاتا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے مولوی خدا بخش ساکن شیدانی
نے جو بڑا راست باز ہے اور دروغ گو نہیں ہے، خود بتایا کہ طالب علمی کے زمانے میں میں ایک کتاب
خلیفہ محمد اعظمؒ کے مزار کے اندر ایک طاق میں رکھی تھی۔ رات کو میں کتاب اٹھانے کے لئے اندر گیا اور مزار
کے سرہانے کی طرف طاق میں ہاتھ سے کتاب کو تلاش کیا لیکن کتاب نہ ملی۔ مزار سے آواز آئی کہ کتاب
پائنتی کی طرف طاق میں رکھی ہے اور تلاش سرہانے کی طرف کر رہے ہو جب میں نے پائنتی کے طاق
میں ہاتھ ڈالا تو کتاب مل گئی انہوں نے کہا کہ میں نے خلیفہ صاحب کو دیکھا تھا اور ان کی آواز پہچانتا تھا
اس رات وہی آواز سنی۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ مزار سے آواز دینا عام آدمی کا کام نہیں

لنگر کا خرچ

اس کے بعد لنگر کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ دو ہزار روپیہ
لنگر کے عہدیداروں کی تنخواہ کی مد سے میرے پاس فاضل ہے۔ اب میں نے
سوچا ہے کہ یہ غریب مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے لنگر میں مہمانوں اور مسافروں کی نان شکمی کے علاوہ صرف
لنگر کے خدام کو وظیفہ دینے پر ایک مانی (۲۴ من) گندم تیسرے دن خرچ ہو جاتی ہے اور شالی (چاول)
دوسرے روز ایک مانی ختم ہوتی ہے۔ حضرت قبلہ سلطان الاولیاء قدس سرہٗ کے زمانے میں اس قدر غلہ
صرف مہمانوں اور مسافروں کے گھوڑوں پر خرچ آتا تھا آپ کے ہاں دس پندرہ امیر اور معتبر اشخاص روزانہ
مہمان ہوتے تھے اور روزانہ گوشت، پلاؤ، زردہ اور فالودہ پکتا تھا اور ظاہر میں کوئی ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔
آپ نے ساری عمر نواب صاحب بہاول پور سے ایک روپیہ تک نہ لیا اور نہ اپنے خدام کو لینے کی اجازت
اور زمین اور جاگیر میں سے آپ نے بالشت بھر زمین قبول نہ فرمائی۔ البتہ نذر و نیاز جو شخص صدق دل سے
لاتا تھا قبول فرماتے تھے اس کے باوجود آپ علماء جہاں کو سینکڑوں روپے عطا فرماتے تھے اور ہر ایک
کے لئے ماہوار تنخواہ مقرر تھی اور عالم کی شادی کے لئے ایک نتھ (طلائی) اور ایک جوڑہ مقرر تھا جو
خود عطا فرماتے تھے۔ فرمایا جس قدر حضرت سلطان الاولیاءؒ کے زمانے میں لنگر میں خرچ ہوتا تھا
اس کے بعد پھر کبھی نہیں ہوا اس کے بعد فرمایا اسی طرح حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے لنگر کا بے حساب

خرچ تھا لیکن ظاہری اسباب کچھ نہ تھے اگرچہ ان کے لنگر میں نان خشک ملتی تھی لیکن مہاروی صاحبزادگان اور علماء و صلحاء کو سینکڑوں روپے نقد ملتے تھے جس قدر خرچ حضرت قبلہ عالم مہاروی کے ان مد خلفاء نے کیا ہے کسی اور نے نہیں کیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب پہلی بار مولوی سلطان محمود خان بیلوی حضرت قبلہ عالم کے عرس مبارک پر گئے تو انہوں نے اپنے شیخ حضرت سلطان الاولیاء سے پوچھا کہ قبلہ آیا آپ نے ختم خواجگان چشت پڑھا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا اپنا لنگر ہے خرچ کرائیں اور جاری رکھیں ان کی اپنی مرضی ہے مجھے کیا کہ ختم پڑھوں (شاید یہ ختم حصول برکت کے لئے ہوتا تھا)۔

اجتہاد ائمہ مجتہدین

اس کے بعد ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ لفظ علماء جو حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء میں مذکور ہے، عام ہے اور علماء ظاہر و علمائے باطن دونوں اس میں شامل ہیں اس وجہ سے کہ علم انبیاء دو قسم کا ہے۔ ظاہری اور باطنی لہٰذا اس کے وارث بھی دو گروہ ہوں گے۔ علمائے ظاہر نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری علم کے وارث ہیں، اجتہاد کر کے احکام مرتب کئے ہیں چنانچہ تم دیکھ سکتے ہو کہ انہوں نے کس قدر کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اسی طرح علماء سے سنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی علوم کے وارث ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی علوم پر جو مشتمل ہے کشف و الہام پر مرتب کیا چنانچہ دیکھو انہوں نے اسرار باطنی کے علوم کو کس کمال پر پہنچایا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم شیخ الاقطاب سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو اگرچہ حنفی مذہب پسند تھا پھر بھی آپ دوسرے مذاہب کو ترجیح دیتے تھے۔ "نفحات الانس" میں حضرت غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے جو خدا تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ خداوندا مجھے رجال الغیب میں سے کوئی بزرگ دکھا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے ہیں اور وہاں رجال الغیب میں سے ایک بزرگ بھی پاس بیٹھے تھے۔ چنانچہ بیدار ہو کر آپ کے مزار پر گئے کہ شاید رجال الغیب کی زیارت ہو جائے وہاں جا کر دیکھا کہ وہی بزرگ جن کو رات خواب میں مزار کے پاس کھڑا دیکھا تھا، وہاں کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی قدم بوسی کے لئے آگے بڑھے تو وہ بزرگ تیزی سے باہر نکل گئے۔ یہ بھی اُن کے

پیچھے دوڑتے ہوئے گئے جب وہ بزرگ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے تو دریا کے دونوں کنارے ایک قدم کے برابر ایک دوسرے کے قریب ہو گئے اور وہ دریا کے پار چلے گئے۔ انہوں نے قسم دے کر آواز دی کہ ٹھہر جائیں اور میری بات سن لیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کا مذہب کیا ہے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ "حنیفاً مسلماً" انہوں نے واپس آکر حضرت غوث الاعظمؒ کو یہ ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ مشرق سے مغرب تک سوائے اس شخص کے کہ جس کے ساتھ تم نے ملاقات کی ہے اولیاء اللہ میں کوئی ولی اللہ حنفی المذہب نہیں ہے۔[1]

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت غوث الاعظمؒ کا یہ قول ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کن معنوں میں آپ نے فرمایا۔ حالانکہ اس زمانے میں اولیائے ہندوستان سے قطع نظر خراسان اور خاص کر چشت شریف میں بہت سے نامدار اولیائے کرام حنفی المذہب موجود تھے۔

مقبوس۴۲: بوقت اشراق بروز شنبہ ۱۵ شعبان سنہ ۱۳۱۸ھ

حضرت شیخ مومل حصاصؒ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب شیخ مومل حصاص شیرازیؒ حج کو گئے تو مشائخ حرم سے کہا کہ میں اُمّی (ان پڑھ) ہوں۔ میرا ایک سوال ہے جس کا جواب عنایت فرمادیں۔ میرا نام مومل حصاص شیرازیؒ ہے چونکہ آپ ساری دنیا میں مشہور تھے۔ مشائخ حرم نے جواب دیا کہ آپ ایسے اُمّی ہیں کہ آپ کو کسی مسئلہ کے پوچھنے کی ضرورت نہیں، خود عالم آپ سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بے شک جب علم لدنی حاصل ہو جاتا ہے تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی۔ فرمایا کہ شیخ مومل حصاصؒ فرماتے ہیں کہ میں جتنا عرصہ

---

[1] چونکہ اولیاء اللہ محقق ہوتے ہیں ان کا ایمان تقلیدی کی بجائے ایمان تحقیقی اور تصدیقی حاصل ہوتا ہے لہٰذا وہ تقلید سے فارغ ہوتے ہیں لہٰذا حضرت غوث الاعظمؓ کا مقصد شاید یہ تھا کہ تمام اولیائے کرام حقیقتاً خود صاحب مذہب ہوتے ہیں اور کسی امام کے مقلد نہیں ہوتے چنانچہ اکثر مشائخ نے اپنی کتابوں میں یہ فرمایا ہے کہ ہم اپنے شیخ کے مقلد ہیں دوسرے کسی امام کے مقلد نہیں ہیں۔

حرم شریف میں رہے، مشائخ حرم کے پاس جو شخص مسائل سے کر آتا تھا وہ میری طرف بھیج دیتے تھے۔

طریق زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے متعلق گفتگو ہونے لگی، آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ نے فرمایا کہ جو شخص ایک لاکھ مرتبہ اس درود شریف کو پڑھے اس کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بے حجاب و بے حساب کلام فرماتے ہیں۔ درود شریف یہ ہے: اللھم صل وسلم علی سیدنا رسولك محمد تعینك الاقدم والمظهر الاتم لاسمك الاعظم بعدد تجلیات ذٰلك وتعینات منائك وعلی اله كذٰلك ط

اس کے بعد فرمایا کہ یہ شرط بھی نہیں ہے کہ روز مرہ مقررہ تعداد میں پڑھے بلکہ ہر روز جس قدر ہو سکے پڑھے حتیٰ کہ ایک لاکھ پورا ہو جائے۔ اسلوب الفاظ اور تعین اوقات و ایام بھی مشروط نہیں ناغہ بلا ضرورت یا با ضرورت ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ کی کتابوں کے خطبات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درود شریف ان کی اپنی تالیف ہے چنانچہ خطبۂ عشرہ کاملہ میں تحریر فرماتے ہیں: صل علی تعینك الاقدم ومظهر الاتم لاسمك الاعظم اور مرقع شریف کے خطبہ میں لکھتے ہیں کہ صل علی تعینك الاقدم والمظهر الاتم لاسمك الاعظم۔

راگ کا موثر ہونا

اس کے بعد راگ کے متعلق گفتگو ہونے لگی، فرمایا کہ راگ کی طرح دنیا میں کوئی چیز مؤثر نہیں ہے شرط یہ ہے کہ پیر کی ذات مبارک موجود ہو۔

توحید علمی

اس کے بعد توحید علمی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ عارف کی توحید علمی اور ہے اور اُس شخص کی توحید علمی جو صرف کتابوں کا مطالعہ کر کے عالم ہو گیا ہے، اور ہے۔ عارف کی جس چیز پر نظر پڑتی ہے اُسے حظ و ذوق و سرور پیدا حاصل ہوتا ہے کیونکہ عارف ذات حق کے سوا کسی چیز کو موجودِ حقیقی نہیں سمجھتا۔ موجودات کی تمام ذوات، صفات و افعال کو وہ ذات و صفات و افعالِ ذاتِ مطلق میں مضمحل سمجھتا ہے اور اس کا یہ علم حال پر مبنی ہوتا ہے بخلاف اس شخص کے جس کا علم حال سے خالی ہوتا ہے اور آیت شریفہ: ومزاجه من تسنیم عینا یشرب بها المقربون ط میں اُسی حال اور ذوق کی شراب کی طرف اشارہ ہے۔

مولانا جامیؒ کی عظمت

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہم اور ہمارے وہ پیران طریقت جو مولانا جامیؒ کے بعد ہوئے ہیں سب مسئلہ توحید وجودی میں مولانا جامیؒ کے مقلد ہیں۔

اولیائے کرام کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے

اس کے بعد کسی شخص نے کہا کہ حافظ صدیق محمد صاحب ساکن بھر چونڈی بہتر تھے۔ دوسرے آدمی نے کہا کہ ان سے مولوی ابراہیم سرحدی زیادہ بہتر تھے۔ تیسرے نے کہا کہ مولوی عبدالرحمٰن سکھری بہتر تھے۔ حضرت اقدس نے متبسم ہو کر فرمایا کہ ہر شخص اپنے خیال کے مطابق بزرگوں کے مراتب کا اندازہ لگا کر کہہ رہا ہے کہ فلاں بہتر ہے فلاں سے لیکن حقیقتِ حال کا کسی کو علم نہیں ہے۔ فرمایا یہ سب نیک تھے اور بہتر تھے۔ (یعنی عوام کو بزرگوں کا فرق مراتب کی بجائے یکساں ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے)۔

مقبوس ۱۴۱: بوقت اشراق بروز یک شنبہ ۱۶ شعبان ۱۳۱۸ھ

کتب تواریخ و سیر میں سقم

کتب سیرت و تواریخ میں سقم کا ذکر ہو رہا تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ سیر الاولیاء کس قدر معتبر و مستند ہے اس میں بھی سقم موجود ہیں۔ اس کے بعد آپ نے وہ کتاب منگوا کر حضرت خواجہ قطب الدین اوشی قدس سرہٗ کے حالات سے یہ عبارت پڑھی:

"یہ بزرگ ماہ مبارک رجب المرجب ۵۲۲ھ میں شہر بغداد میں امام ابواللیث کی مسجد میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ اوحدی ارزانیؒ، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانیؒ کی موجودگی میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ معین الدین سنجریؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔"

اس کے بعد فرمایا کہ آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو ہوا۔ اس میں بہت فرق ہے کیونکہ حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ کی تاریخ وصال ۶ رجب ۶۳۳ھ ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح کتاب نفحات الانس بھی مستند ہے لیکن اس میں بعض عبارات صحیح نہیں ہیں چنانچہ شیخ رضی الدین لالاؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ "وہ ابتدائے سلوک میں حضرت شیخ احمد یسویؒ کی خدمت میں رہے ہیں انہوں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے ایک بزرگ کے حوالے کیا گیا ہے کہ جن کا لقب کبریٰ ہے۔ ایک دن کسی شہر سے لوگ آرہے تھے، اُن سے پوچھا کہ آیا تمہارے شہر میں کوئی خدا تعالیٰ کا راستہ دکھانے والا بزرگ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ایک بزرگ ہیں جن کا نام نجم الدین، لقب کبریٰ ہے۔ اگرچہ وہ جوان ہیں لیکن بڑے باکمال اور عظیم الشان بزرگ ہیں اور طالبانِ حق کی تربیت میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ شیخ رضی الدین نے کبریٰ کا لفظ سنتے ہی اس شہر کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور شیخ احمد یسویؒ سے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ سردی کا موسم ہے برف پڑ رہی ہے موسم اچھا ہو جائے تو پھر چلے جانا لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور کمالِ شوق میں روانہ ہو پڑے چنانچہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں رہکر کمال کو پہنچے۔"

فرمایا یہ عبارت بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ شیخ احمد یسویؒ اور شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے زمانے میں کافی فرق ہے۔ شیخ نجم الدین کے خلیفہ فلاں تھے اور ان کے فلاں خلیفہ جو شیخ احمد یسویؒ کے ہمزمان تھے، دیکھو ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔

مقبوس ۲۴: بوقت اشراق بروز سہ شنبہ ۱۸ ماہ و سال مذکور

جواز سماع

سماع کی حلت و حرمت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی حضرت اقدس نے فرمایا کہ سماع حلال ہے کیونکہ سماع کے بالاحالۃ (بذاتِ خود) حرام ہونے کے متعلق کوئی قطعی یا ظنی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ جن احادیث میں سماع کے حرام ہونے کا حکم وارد ہوا ہے وہ بالعرض ہے۔ اس وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ عیش و عشرت کی مجلس منعقد کرتے

ؔ یعنی نفس سماع کی حرمت نہیں بلکہ اس کے ساتھ دوسری حرام کے شامل ہونے سے حرام قرار دیا گیا ہے۔

تھے جس میں شراب اور لہو و لعب و معاشرت تک شامل کرتے تھے چنانچہ جب قرآن مجید میں شراب کے حرام ہونے کے احکام وارد ہوئے تو ان مجالس میں سماع سمیت تمام چیزوں کی بالعرض حرمت وارد ہو گئی۔ لہٰذا سماع کی حرمت کا انحصار اس کی وضع و ہیئت پہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا اگر مجلس سماع میں شراب، لہو و لعب وغیرہ ہو تو بیشک یہ سماع حرام ہے۔ بذاتِ خود نہیں بلکہ بالعرض حرام ہے لیکن اگر مجلس سماع حرام چیزوں سے خالی ہے پھر جبکہ صوفیاء کرام کی مجالس سماع ہوں تو اس قسم کا سماع حلال ہے قطعاً حرام نہیں نہ بالاصل نہ بالعرض۔ اب رہی یہ بات کہ بعض مشائخ نے سماع نہیں سنا مثل مشائخ نقشبند اور بعض نے سنا ہے مثل خواجگان چشت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مشائخ نقشبندیہ کا فقر میں مدار علیہ مشغولی و مراقبہ ہے (یعنی ان کی مشغول کا انحصار خاموشی پہ ہے)۔

اس وجہ سے وہ سماع نہیں سنتے نہ کہ اس وجہ سے کہ سماع حرام ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم سماع سنتے رہو اور میں کانوں میں انگلیاں دے کر بیٹھ جاتا ہوں۔ پس آنحضرت نے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور حضرت عمر رضہ سنتے رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سماع حلال ہے۔ اب اگر سماع حرام ہوتا تو آپ حضرت عمر رضہ کو کیوں سننے دیتے اور کانوں میں انگلیاں دینے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کسی خاص شغل میں تھے۔ حضراتِ چشتیہ کا فقر کے باب میں مدار علیہ جوش اور ذوق و شوق ہے اسی سبب سے وہ سماع سنتے ہیں۔

ہر شیخ نے سماع کے متعلق اجتہاد سے کام لیا

اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ مشائخ عظام مجتہد اور امام دین تھے ہر شیخ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر جو چیز مستحسن دیکھی اسے اساس طریقت بنایا۔ چنانچہ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمہ نے مشغولی و مراقبہ کو مستحسن سمجھا، یہ نہیں کہ انہوں نے سماع کو حرام قرار دیا۔

ـه حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کا مقولہ مشہور ہے۔ سماع کے متعلق آپ نے فرمایا کہ "من نہ انکاری کنم نہ این کار می کنم" (یعنی سماع سے نہ مجھے انکار ہے اور نہ ہی میں یہ کام کرتا ہوں) سماع آپ اس لئے نہیں سنتے (باقی آئندہ صفحہ پر)

مولانا جامی نقشبندی کا سماع

فرمایا حضرت مولانا جامی اگرچہ نقشبندی تھے لیکن چونکہ آپ مجتہد وقت تھے آپ نے سماع کو مستحسن سمجھ کر جائز قرار دیا ہے اور سماع سنتے تھے بلکہ آپ سماع کے بہت شائق تھے۔ مشائخ چشتیہ بھی خوب سماع سنتے تھے۔ یہ درست ہے کہ بعض مشائخ چشتیہ نے سماع نہیں سنا یا کم سنا ہے اس کی وجہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے یہ ہے کہ ہر شیخ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرتا ہے۔

حضرت مرزا جان جاناںؒ کا سماع

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نقشبندی تھے اور بڑے باکمال بزرگ تھے لیکن سماع کا بھی آپ کو بے حد شوق تھا آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز میں خدا تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی حکمت رکھی ہے۔ مجھے سلسلہ نقشبندیہ میں رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں میرا وجود بچ گیا ورنہ اگر میں سلسلہ چشتیہ میں ہوتا تو تھوڑے عرصے میں جل کر خاک ہو جاتا، زیادہ عرصہ زندہ نہ رہتا۔ یہ سلسلہ نقشبندیہ کی برکت ہے کہ سماع کے ساتھ سخت محبت کے باوجود تاب لایا ہوں۔

مرزا مظہر جان جاناںؒ کا عشق مجازی

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ بزرگوں نے نسبت چشتیہ کو شراب کی مستی اور جوش و خروش سے تشبیہ دی ہے اور نسبتِ نقشبندیہ کو افیون کے نشہ سے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مرزا مظہر جان جاناںؒ عاشق مزاج بھی تھے۔ آپ ایک ہندو لڑکے پر عاشق تھے جو برہمن قوم سے تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے دیوان میں ایک شعر اس کے متعلق بھی لکھا ہے۔ فرمایا ایک دن سو رہے تھے اور اس ہندو لڑکے کو سینے پر بٹھا رکھا تھا جس طرح کوئی گھوڑے پر سوار ہو کر

(بقیہ گذشتہ صفحہ) تھے کہ آپ کے سلوک کا انحصار خاموشی پر تھا۔ یاد رہے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر جا کر ختم ہوتا ہے اور حضرت ابوبکر طبعاً خاموش تھے لہٰذا سلسلہ نقشبندیہ میں مراقبہ خاموشی بیٹھتے اور ذکر جہری کی بجائے اس سلسلہ میں ذکر خفی کو ترجیح دی جاتی ہے لیکن سلسلہ چشتیہ میں درد و عشق و ذوق و شوق و جوش و خروش ہے اس لئے ذکر جہری اور سماع سے خوب ترقی ہوتی ہے۔

ؔ یہ قول بھی حضرت مرزا مظہر جان جاناں نقشبندیؒ کا ہے

بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد اپنے متعلقین سے فرمایا کہ مصوّر کو بلاؤ اور تصویر لے لو۔

اس کے بعد فرمایا کہ مرزا صاحب اور حضرت قبلہ مولانا محب النبی دہلویؒ کے درمیان کمال دوستی اور محبت تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ نقشبندی بزرگ ایک دفعہ گانے بجانے والے لوگوں کے محلے گذر رہے تھے اور وہ لوگ گانا سیکھنے کی مشق کر رہے تھے۔ جب ان کی آواز آپ کے کانوں میں پہنچی تو بے خود ہو کر گر پڑے اور بازو ٹوٹ گیا۔ کافی دیر کے بعد کسی کا وہاں سے گذر ہوا تو دیکھا شیخ وقت گرے پڑے ہیں اور بازو بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ جب وہ ہوش میں آئے تو فرمایا کہ یہی وجہ ہے نقشبندی سماع نہیں سنتے[1]۔

مقبوس ۴۳ : بوقت اشراق بروز دوشنبہ ۲۴ ماہ و سال مذکور

شاعر علی حیدر کی بیعت

اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ علی حیدر صاحب ابیاتِ سرگرفی کی بیعت کہاں تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی بیعت حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ کے ساتھ تھی لیکن یہ بات کہ حضرت مولانا بمقام گلہ راجہ تشریف لائے اور وہاں بیعت ہوئے۔ میرے نزدیک غیر صحیح ہے۔ ایک شخص نے کہا سنا ہے

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دن ایک عورت چکی پیس رہی تھی اور ساتھ ہی گنگنا رہی تھی جب آپ نے اس کی آواز سنی تو بیہوش ہو کر گر گئے۔ نیز ایک دفعہ جب ایک بزرگ سے قوال نے آپ کو قوالی سننے پر مجبور کیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا گاؤ لیکن ساز نہ بجانا۔ جب اس نے گانا شروع کیا تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ میرے شیخ مجھے سماع سننے سے منع فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے ایک مرید طالب علم پر جو سالک بھی تھا، کچھ حالت طاری ہو گئی اور دماغ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ جاؤ سماع سنو۔ جب اس نے سماع سنا تو حالت میں اعتدال آ گیا۔ اس پر مولانا تھانوی نے فرمایا کہ سماع کو علاج کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے نہ کہ غذا کے طور پر۔ (ماخوذ از: "تحفۂ جمشید" جو مولانا محمد اشرف علی تھانوی کے ایک مرید جمشید علی خاں کی تالیف ہے۔

ملتان میں بیعت ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ملتان ہو یا گڑھ راجہ، حضرت اقدس کا اس طرف میرے نزدیک بالکل صحیح نہیں لیکن علی حیدر کا دہلی جانا اور وہاں ٹھہرنا البتہ درست ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں بیعت ہوئے کیونکہ جب حضرت مولانا دہلی تشریف لائے تو پہلے مقام کٹہڑہ پھلیل میں ایک مکان کرایہ پر لے کر رہائش پذیر ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اس وقت آپ کی پیرزادگی کے سوا مشیخت کی شہرت نہ تھی اس زمانے میں حضرت قبلۂ عالم مہاروی نے بطور طالب علم پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد رابطۂ ازلی کی وجہ سے حضرت مولانا کا نورِ ولایت حضرت قبلہ عالم پر ظاہر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے بیعت فرمائیں تو انہوں نے قبول فرمایا۔ آپ کی بیعت محلہ پھلیل چھوڑنے کے دو ڈھائی ماہ بعد ہوئی اور بیعت کے بعد کامل پندرہ سال آپ حضرت مولانا کی خدمت میں رہے۔ چنانچہ ان پندرہ سالوں میں میاں علی حیدر ہرگز مرید نہ ہوئے۔ البتہ اس سے پہلے بیعت ہونے کا احتمال باقی ہے۔ ممکن ہے کہ ان دو ماہ میں کسی دن مرید ہو گئے ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ پھلیل دار ارقم کی طرح تھا چنانچہ اس دار ارقم کے اندر معدودے چند اشخاص کا داخلہ ہوتا تھا۔ اس طرح اس مقام پر بیعت ہونے والے بھی معدودے چند تھے چنانچہ ازروئے شرف و فضیلت حضرت قبلۂ عالم مہاروی سب سے پہلے مرید ہیں اور خلافت میں بھی آپ تمام خلفاء سے اسبق اور اقدم (سب سے پہلے) ہیں۔ حضرت قبلہ قبلہ عالم کے مریدین مثل حضرت صاحب نارووالہ، حضرت حافظ صاحب اور حضرت سلطان الاولیاء بھی حضرت مولانا کے خلفاء سے مقدم ہیں۔ (یعنی حضرت مولانا کے باقی خلفاء کی خلافت سے پہلے یہ حضرات حضرت قبلہ عالم کے مرید ہوئے۔ کیونکہ اُن پندرہ سالوں میں حضرت قبلۂ عالم کے سوا کسی شخص کو خلافت عطا نہیں ہوئی تھی)۔ سولھویں سال سب سے پہلے حضرت صاحب نارووالہ نے حضرت قبلہ عالم سے بیعت کی اس کے بعد حضرت حافظ صاحب اور قبلہ سلطان الاولیاء نے بیعت کی۔ اس وقت تک حضرت مولانا دہلوی نے اور کسی کو خلافت عطا نہیں کی تھی اس لئے حضرت قبلۂ عالم کے مریدین کی باقی خلفاء پر سبقت حاصل ہو گئی اور تقدم حضرت قبلۂ عالم بدرجہ اَولیٰ ثابت ہوا اور خلافت کے بارے میں حضرت قبلہ سلطان الاولیاء کو حضرت حافظ صاحب

لہ ارقم بمعنیٰ کالا سانپ جس پر سفید کوڑیاں ہوں۔ مطلب یہ کہ اس گھر میں بہت کم لوگ آتے جاتے تھے۔

پر تقدم حاصل ہے۔ (یعنی خلافت پہلے ملی)۔

مقبوس ۲۴۱: بوقت اشراق بروز جمعرات ۲۷ر شعبان سال مذکور

راقم الحروف نے عرض کیا کہ فلاں شخص وظیفہ طلب کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ درود شریف:

اللھم صل وسلم علی سیدنا رسولك محمد تعینك الاقدم والمظھر الاتم لاسمك الاعظم بعدد تجلیات ذاتك وتعینات صفاتك وعلی آلہ کذالك

ایک سو بار صبح کی نماز سے پہلے پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے: اللھم زد نورنا وزد سرورنا وزد حضورنا وزد معرفتنا وزد نعمتنا وزد محبتنا وزد عشقنا وزد شوقنا وزد ذوقنا وزد علمنا وزد یامولانا برحمتك یاارحم الراحمین ط

میاں صالح محمد شاہ صاحبؒ اور مخدوم گنج بخش صاحبؒ

اس کے بعد لووالہ کے رہنے والے بزرگوں کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ میاں صالح شاہ صاحبؒ اور میاں موسن شاہ صاحبؒ لووالہ بھی درویش اور فقیر تھے اور شیخ عبدالرحمٰن لکھنویؒ مصنف "کلمۃ الحق" ان کے مُرید تھے۔ بعدازاں فرمایا جب مخدوم صاحب گنج بخشؒ جنگا ور سجادہ نشین روح گیلانی، نواب صاحب عباسی والی ڈیراور کی ناراضگی کے بعد لوسیداں میں سکونت پذیر ہوئے تو وہاں انکی شہرت خوب ہوئی۔ میر صاحب تالپور جو سندھ کا حکمران تھا ان کا معتقد ہو گیا اور کافی نقد و اراضی دیکر وہاں ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام قادر پور رکھا گیا۔ چونکہ مخدوم صاحب کے مزاج میں تشدّد و غلو بہت تھا انہوں نے یہاں صالح شاہ صاحب جو خود سید گیلانی تھے انکی طرف کہلا بھیجا کہ آؤ اور اپنا نسب نامہ مجھے دکھاؤ لیکن وہ نہ آئے۔ دوسرے دن مخدوم صاحب نے کہلا بھیجا کہ اگر آج تم اپنی رضا و رغبت کے ساتھ نہ آئے تو چند آدمی بھیج کر گرفتار کرالوں گا۔ میاں صالح محمد شاہ صاحبؒ نے کہلا بھیجا کہ مَیں آپ کا فقیر، دعا گو اور نیاز مند ہوں مجھے معاف کریں۔ جب رات کو مخدوم صاحب سوئے تو کچھ دیر کے بعد بیدار ہو کر کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا پلنگ ایک بیابان جنگل میں پڑا ہے اور چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی ہے جنگل ہی جنگل ہے سوائے ایک ناواقف شخص کے جو وہاں کھڑا پنکھا جھل رہا ہے۔

مخدوم صاحب نے ڈر اور خوف کی حالت میں اس شخص سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ اس نے کہا میں نیاز مند صالح فقیر ہوں۔ مخدوم صاحب نے اپنے دل میں کہا کہ میں تو اس کی گرفتاری کا ارادہ کر رہا تھا۔ اب جنگل میں اس کے ہاتھ آگیا ہوں۔ اب کیا ہوگا۔ مخدوم صاحب نے ان سے پوچھا کہ اب میں کیسے گھر جاؤں۔ میاں صالح محمد شاہ صاحب نے کہا کہ آپ آرام سے سو جائیں جس طرح آپ آئے ہیں اسی طرح واپس پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ مخدوم صاحب سو گئے۔ جب بیدار ہو گئے تو اپنا پلنگ اپنے گھر میں پایا۔ اس کے بعد جو ارادہ میاں صالح محمد شاہ صاحب کے خلاف رکھتے تھے ترک کر دیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ واقعہ مخادیم صاحب روح گیلانی کے ملفوظات میں بھی درج ہے کیونکہ مخادیم صاحب نے خود یہ واقعہ ملفوظات میں درج کرایا۔

وظیفہ برائے برکت

اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے برکت کا وظیفہ عطا فرمایا جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دعا بعد نماز ظہر چار سو بار دو ماہ تک پڑھے اور دو ماہ کے بعد روزانہ پچیس بار پڑھے۔ دعا یہ ہے: بسم اللہ علی نفسی ودینی بسم اللہ علی اھلی ومالی وولدی بسم اللہ علی ما اعطانی اللہ اللہ ربی لا اشرک بہ شیئا اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر واعز واجل واعظم مما اخاف واحذر عز جارک وجل ثناءک ولا الہ غیرک اللھم انی اعوذ بک من شر نفسی ومن شر کل شیطان مرید ومن شر کل جبار عنید فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم ولیي اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین ط

مقبوس ۴۵: بوقت اشراق بروز یکشنبہ ۷ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ

اہل اللہ کی موت، موت نہیں حیات ہے

موت کا ذکر ہو رہا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ عوام الناس مرتے ہیں، عارفین نہیں مرتے۔ روح کے لئے موت نہیں ہے۔ خواہ وہ عارف کی روح ہے یا غیر عارف کی۔ حیات کا

مطلب ہے وجود تام و مستقل اور ہیکل حیوانی (حیوانی جسم) پر روح اللہ کی نظر حرارت عزیزہ کو بحال رکھتی ہے ہے۔ موت سے مراد روح کا جسدِ حیوانی اور حرارتِ عزیزہ سے نظر ہٹا لینا ہے۔ بالفاظ دیگر موت نام ہے جسدِ حیوانی سے نظر (توجہ) روح کے انفکاف (ختم ہونا) کا۔ اب چونکہ عالمِ برزخ میں بھی وجود ہوتا ہے لیکن نامکمل اور غیر مستقل وجود ہوتا ہے اس لئے اقامت پذیر نہیں ہو سکتا۔ سوائے اُس آدمی کی قوتِ متخیلہ کے۔ چنانچہ جس آدمی کی قوتِ خیالیہ زیادہ وضاحت کے متشکل ہوگی چونکہ اہل دنیا کی قوتِ خیالیہ خام ہوتی ہے اس لئے اہل اللہ کا وجود عالمِ برزخ میں اس طرح واضح ہوتا ہے جس طرح اہل دنیا کا وجود دنیا میں۔ بلکہ اس سے بھی سو درجہ بہتر اور قوی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل دنیا کی موت کو موت کہتے ہیں اور اہل اللہ کی موت کو موت نہیں کہتے۔ عوام الناس اور عارفین کی موت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔

جو شخص اپنے آپ کو سید کہے اس کی تعظیم لازمی ہے

اس کے بعد اس بات پر گفتگو ہونے لگی کہ بعض لوگ اپنے آپ کو سید بتلاتے ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ عیب پوشی مردانِ خدا کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو سید بتاتا ہے اور درحقیقت سید نہیں ہے، اس کی تعظیم کرنی چاہیئے، اس کے ساتھ نیاز سے پیش آنا چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص خلیفہ شرف الدین پرادری کی خدمت میں آکر رہنے لگا، وہ اپنے آپ کو سید بتاتا تھا اور خلیفہ صاحب کا جلیس اور انیس بن گیا تھا۔ خلیفہ صاحب بھی اس کے ساتھ ادب سے پیش آتے تھے۔ ایک دن خلیفہ صاحب کا ایک مُرید آیا جو اس شخص کو پہلے سے جانتا تھا۔ اُس نے آتے ہی اُس کے ساتھ بے حجابی سے گفتگو شروع کر دی اور کہا کہ خان صاحب طبیعت کیسی ہے اس سے اس شخص کو خفت محسوس ہوئی اور خجالت سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ جب وہ مرید گھر چلا گیا تو خلیفہ صاحب بن بُلائے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ مرید بہت خوش ہوا کہ آپ نے بڑا کرم فرمایا ہے غریب خانہ پر تشریف لائے ہیں۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ تم نے فلاں شخص کو جو ہمارے ہاں سید کہلاتا ہے خان صاحب کہا تھا۔ جس سے وہ بیچارہ بہت شرمندہ ہوا ہے آئندہ جب تم آؤ تو اسے شاہ صاحب کہہ کر مخاطب کرنا۔ بس یہ بات کہنے کے لیے آیا ہوں۔

شیعوں پر حضرت سلطان الاولیاء کی فوج کشی

اس کے بعد رافضیوں کی سرکشی کا ذکر ہونے لگا۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ حضور حضرت سلطان الاولیاء نے کن رافضیوں پر حملہ کیا تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ مڈاکبر شاہ اور کوٹ سمایہ کے سادات سخت رافضی اور شیعہ ہیں۔ ایک دفعہ عاشورہ کے دن اکبر شاہ اور دوسرے لوگ تمام زیہ اٹھا کر مولوی احمد یار کے گھر کے پاس سے گذرے اور بلا وجہ مولوی صاحب اور ان کے متعلقین کو بُرا بھلا کہا جس سے فساد برپا ہوگیا۔ چونکہ مولوی صاحب اور ان کے ساتھ تھوڑے آدمی تھے اور سادات صاحبان تیار ہو کر آئے تھے انہوں نے ان کی مار پیٹ کی اور بہت ستایا حتیٰ کہ مولوی صاحب کے گھر میں گھس گئے۔ اور پردہ کا خیال نہ کیا۔ مولوی صاحب نے حضرت سلطان الاولیاء کی خدمت میں آکر سارا واقعہ بیان کیا۔ یہ سن کر حضرت سلطان الاولیاء کو غصہ آیا اور آپ نے اپنے تمام مریدین کو جو داد پوترہ قوم سے تھے خطوط لکھے چنانچہ کراہی گڑھی خانپور، فتح پور، کنڈانی، موسانی شیدانی، اگرانی کے تمام داد پوترہ لوگ ہتھیار لگا کر پہنچ گئے اور کل بارہ ہزار آدمی جمع ہو گئے یہ لشکر لے کر آپ حملہ آور ہوئے اور میانوالی کے قریب جا کر ٹھہرے۔ اندریں اثنا نواب صاحب بہاول پور نے جو ابھی تخت نشین ہوئے تھے بھی کہلا بھیجا کہ داد پوترہ قوم کو کہلایا جائے کہ اگر کسی شیعہ سادات کی مدد کی تو ان کی جاگیریں ضبط کر لی جائیں گی اور ان کو جلا وطن کر دیا جائے گا۔ اگر وہ جنگ کریں تو ہمیں مطلع کرو کہ ہم اپنی فوج روانہ کریں یہ دیکھ کر سادات نے راہ فرار اختیار کی اور جلاوطنی اختیار کر لی اور مدت دراز کے بعد واپس آئے۔

سیت پور میں فساد

اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح حضرت محبوب الٰہیؒ کے زمانے میں بھی اس قسم کا فساد علاقہ سیت پور میں ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سجادگی کی ابتدا میں حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ سیت پور

تشریف لے گئے۔ آپ کے بھائی صاحب بھی ساتھ تھے۔ وہاں ایک مسلمان طالب علم اور ایک ہندو کے مابین جھگڑا ہو گیا۔ ہندو نے اس طالب علم کو گالی دی۔ اس پر میرے چچا صاحب کو سخت غصہ آیا اور فساد بڑھ گیا۔ چونکہ خادیم سیدت پور اور علاقے کے دیگر امراؒ اور روسا حضرت سلطان الاولیاءؒ کے مرید تھے انہوں نے یہ کام کیا کہ ان کے بت خانوں میں جا کر بت توڑ دیئے اور ان کی گائیں ذبح کر ڈالیں ان کے اموال کو مالِ غنیمت بنا لیا اور ہندوؤں کو خوب مارپیٹ کی۔ اس زمانے میں علاقہ سیدت پور بہاولپور میں شامل تھا۔ ہندوؤں نے نواب صاحب کے ہاں واویلا کیا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

حضرت کی للٰہیت سے کافر مسلمان ہو گیا

اس کے بعد نفسانیت وانانیت پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ بھی کفار کے ساتھ جنگ کرتے تھے۔ کفار کو غلام بناتے تھے اور ان کو ذلیل وخوار کرتے تھے۔ مال غنیمت حاصل کرتے تھے۔ لیکن صحابہ کے دل میں رعونت و نفسانیت کی بوتک نہ تھی۔ محض رضائے الٰہی کے لیے سب کام کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایک کافر کو تین دن مسلسل لڑائی کے بعد مغلوب کیا۔ اس وجہ سے کہ وہ طاقت میں آپ کا ہم پلّہ تھا۔ جب آپؓ نے اسے زمین پر پھینک دیا۔ اور سر تن سے جدا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو کافر نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ اس پر آپؓ نے اسے چھوڑ دیا۔ کافر نے کہا کہ تین دن مجھ سے لڑتے رہے ہو۔ اور اب جب کہ مجھ پر غالب آگئے ہو تو مجھے قتل کرنے کی بجائے آپ نے زندہ چھوڑ دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ جنگ کرنا محض رضائے الٰہی کی خاطر تھا۔ جب تو نے میرے منہ پر تھوکا تو میں ڈر گیا کہ مبادا نفسانیت کارِ خیر میں شامل ہو جائے۔ اس لیے تجھے چھوڑ دیا یہ دیکھ کر کافر اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

مقبوس ۴۶: بوقت اشراق بروز جمعرات ۱۱، رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے دس خلفاءؒ اور بہت مقربین و اصحاب تھے۔ اسی طرح حضرت سلطان الاولیاء [حضرت قاضی محمد عاقلؒ] کے بھی بہت خلفاء تھے۔ نیز حضرت سلطان المشائخ کی طرح حضرت سلطان الاولیاء بھی سخاوت رشد و ہدایت اور تحریم شریعت میں مشہور تھے۔ حتیٰ کہ لقب میں بھی یکساں ہے جس طرح حضرت سلطان المشائخؒ کا فیض عام تھا۔ سلطان الاولیاءؒ کے فیض سے بھی علاقے کے تمام مخادیم، علماء فضلاً، امرأ اور روسا اور سرداران قوم سرفراز تھے۔ لیکن کتاب تکملہ سیر الاولیاء اچھی اور جید کتاب نہیں ہے اس میں سلطان الاولیاء کے صرف چار خلفاءؒ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مولوی سلطان محمود صاحب خان بیلویؒ دوسرے خلیفہ شرف الدین صاحب پراروہیؒ ان کے علاوہ دو بعد ہیں۔ لیکن کتاب کے مصنف نے حضرت شیخ کے خلفاء کے علاوہ احباب میں سے صرف پانچ کا ذکر کیا ہے حالانکہ حضرت اقدس کے خلفاء اور احباب بے شمار تھے۔ مثلاً گل حسن دہر بجیہ، مولوی اللہ ڈینہ جیسے آپ کے ہزاروں احباب تھے۔

حضرت شیخ شہاب الدینؒ

اس کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ کی عظمت کا ذکر ہونے لگا۔ ایک شخص نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ شہاب الدینؒ شہودی تھے۔ نہ کہ وجودی[۱] اس وجہ سے انھوں نے حضرت شیخ اکبر کے متعلق نا روا کلمات کہے ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا یہ ان لوگوں کی جہالت اور زلت ہے ورنہ حضرت شیخ طریقت کے

۱۔ یعنی نظریۂ وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود کے قائل تھے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تشریح پہلے مقابیس کے حواشی میں ہو چکی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "مقدمہ کتاب"

امام الائمہ ہیں ۔ اور آپ کی کتاب عوارف المعارف اصول طریقت میں نہایت معتبر اور مستند کتاب ہے ۔ حضرت خواجہ گنج شکرؒ کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی نسبت جید سند ملی ہے اور آپ کے بعد یہ اسناد مسلسل و پیوستہ ہم تک پہنچی ہیں ۔ چنانچہ مولوی گل محمد نے تکملہ میں حضرت شیخ کی بہت مدحت و ثنا کی ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح بعض لوگ مولانا جامیؒ کے متعلق کہتے ہیں کہ عارف نہیں تھے ۔ حالانکہ عبدالرحمٰن جامیؒ سید العارفین ہیں اور ہمارے تمام مشائخ نے مسئلہ وحدت الوجود میں مولانا جامیؒ کا اتباع کیا ہے اور آپ کو توحید میں امام و پیشوا مانا ہے ۔

حضرت اکبر کو قطب وقت مانتے ہوئے فتویٰ کفر لگانا

اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگوں نے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؓ پر کفر کے فتوے لگائے ہیں ۔ شیخ عزیز الدین عبد السلام نے جن کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے بھی ان پر کفر کا فتویٰ لگایا ۔ اس وقت شیخ عزیز الدینؒ کے ایک خادم نے آپ سے دریافت کیا کہ آج کل قطب وقت کون ہے شیخ عزیز الدین نے فرمایا کہ اس وقت قطب مدار شیخ اکبر محی الدین عربیؓ ہیں خادم نے عرض کیا کہ پھر آپ نے کفر کا فتویٰ کیسے لگایا ہے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب مجھ سے تم نے خاص وقت میں پوچھا ہے تو یہی جواب ہے ۔ اگر عام وقت میں یعنی عوام کے سامنے پوچھو گے تو وہی فتوے دوں گا ۔

حضرت امام عبداللہ یافعیؓ

اس کے بعد حضرت امام عبداللہ یافعیؒ کا ذکر ہونے لگا ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ امام یافعی حضرت مخدوم جہانیاں اوچیؒ کے مشائخ میں سے ہیں ۔ امام یافعیؓ نے اپنی تاریخ (جس کا نام "تاریخ یافعی" ہے) میں لکھا ہے کہ تین مشائخ ایسے ہیں کہ جن کا چوتھا نہیں ہے : شیخ نجم الدین اصفہانیؒ شیخ ابو الفتح ملتانیؒ حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلویؒ ،

مقبوس ۴۷ : بوقت عشا شب بروز جمعہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

حضرت اقدس کا عدل

ایک موچی نے حضرت اقدس کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ فلاں شخص کے لڑکے نے مجھے مارا ہے آپ نے خدام سے فرمایا کہ لڑکے کو پکڑ کر پیش کرو۔ لیکن وہ مفرور ہو گیا ایک دن وہ پکڑا گیا اور حضرت اقدس کے سامنے لایا گیا۔ حضرت نے موچی کو طلب فرمایا اندریں اثناء آپ نے حاضرین نے فرمایا کہ میں موچی سے کہوں گا کہ لڑکے کو اسی طرح مارو جس طرح اس نے تجھے مارا ہے اور تم لوگ لڑکے کی سفارش کرنا اور موچی سے کہنا کہ معاف کر دے۔ چنانچہ جب موچی آیا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ اسے مارو جس طرح اس نے تجھے مارا۔ یہ سنتے ہی موچی کا دل بھر آیا اور اس نے عرض کیا کہ حضور مجھے میرا حق مل گیا ہے۔ میں نے لڑکے کو معاف کیا

برائی کا بدلہ نیکی میں دینا جواں مردی ہے

اس کے بعد فرمایا کہ عدل حاکم کی طرف سے ہوتا ہے اور احسان مظلوم کی طرف سے۔ شیخ سعدی نے اپنی کتاب گلستان میں فرمایا ہے ؎

نکوئی با بداں کردن چنانست کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

(بروں کیساتھ نیکی کرنا ایسا ہے جیسے نیکوں کیساتھ برائی کرنا) نیز شیخ سعدیؒ نے بوستان میں فرمایا ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الیٰ من اساءَ

(برائی کا جواب برائی میں آسان ہے بہادری یہ ہے کہ تو احسان کرے۔ اس کے ساتھ جس نے تیرے ساتھ برائی کی) فرمایا کہ ان دونوں اشعار میں تناقض و تعارض نہیں ہے۔

پہلا شعر پہلے شخص کے حق میں ہے۔ اور دوسرا شعر دوسرے شخص کے حق میں ہے۔ تناقض و تعارض اس وقت لازم آتا ہے جب دونوں اشعار ایک ہی شخص کے حق میں سمجھے جائیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ پہلا شعر شریعت میں صحیح ہے۔ دوسرا طریقت میں تو یہ جواب اس کا وہم ہے۔ کیونکہ شریعت اور طریقت ایک چیز ہے۔ الگ الگ نہیں ہیں۔

مقبوس ۹۴: بوقت اشراق بروز شنبہ ۱۳ ماہ وسال مذکور

فقرائے اہل ہنود

فقرائے ہنود کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہر زمانے کا دستور الگ رہا ہے۔ بعض مشائخ متقدمین نے فقرائے ہنود کو لفظ حکمار سے یاد کیا ہے۔ بعض نے کفار سے بعض مشائخ متاخرین نے ان کو فقرائے ہنود اور بعض نے جوگی کہا ہے۔ دارا شکوہ صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح اہل اسلام میں اہل کمال اور اہل عرفان ہیں۔ اسی طرح ہنود میں بھی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ میاں محمود میاں احمد فرماتے ہیں کہ میں نے دو جوگی دیکھے ہیں۔ ایک کے اندر یہ قدرت تھی کہ پگھل کر پانی کی طرح ہو جاتا تھا اور دوسرے جوگی میں یہ کمال تھا کہ جس شخص کو شکر دم کر کے کھلاتا تھا وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا بلکہ تا حیات اس کا طریقہ اختیار کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک فرنگی کو شکر دم کر کے کھلائی تھی اس نے نصرانیت سے منحرف ہو کر اس کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ اور زرد لباس پہن کر جوگی کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔

مہاتما بدھ اور موت کا علاج

اس کے بعد فرمایا کہ مہاتما بدھ بھی اپنے وقت کے نبی تھے وہ راجہ نیپال کے بیٹے تھے۔ جب جوان ہوئے تو سارا دن عیش وعشرت میں گذارتے تھے۔ جس طرح راجہ زادگان اور شاہ زادگان کا دستور ہے۔ ایک دن وہ شکار کے ارادے سے باہر گئے۔ راستے میں چند لوگوں کو دیکھا کہ ایک مریض کو اٹھایا جا رہے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا ہے لوگوں نے کہا اس کو بیماری ہے انہوں نے پوچھا بیماری کیا ہوتی ہے۔ لوگوں نے کہا بیماری تکلیف درد اور الم کا نام ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا اس سے چھٹکارے کا کوئی طریقہ ہے لوگوں نے کہا کہ اگر ایام زندگی باقی ہیں تو علاج ہو سکتا ہے یہ سن کر دل میں کہنے لگے کہ یہ کوئی علاج نہیں ہے اس کے بعد مہاتما بدھ غمزدہ ہو کر واپس چلے گئے اور خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ گئے چند دنوں کے بعد پھر شکار کو نکلے تو یہ دیکھا کہ چند لوگ ایک جنازہ لیے جا رہے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ یہ کیا چیز

ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ آدمی بیمار ہوگیا تھا۔ اب فوت ہوگیا ہے انہوں نے پوچھا کیا موت کا کوئی علاج ہے لوگوں نے جواب دیا کہ موت کا کوئی علاج نہیں ہے یہ سن کر واپس چلے گئے اور بیٹھ کر سوچتے رہے کہ موت کا کوئی علاج تلاش کرنا چاہیئے تاکہ موت سے آدمی بچ جائے۔ اور زندہ جاوید ہو جائے۔ یہ سوچتے سوچتے ایک دن گھر سے باہر نکل گئے۔ اور جنگل میں رہنا شروع کر دیا۔ جب بھوک لگتی تھی درختوں کے پتے کھایا کرتے تھے۔ اور چشموں سے پانی پیا کرتے تھے آخر ایک دن پہاڑ کی چوٹی پر ایک درویش ملا جو شاید اپنے وقت کا نبی ہو گا۔ اس درویش نے کہا کہ موت کا علاج جیون مکت ہے جو شخص جیون مکت حاصل کر لیتا ہے ہرگز نہیں مرتا۔ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور تمام درد و الم اور امراض سے نجات حاصل کر لیتا ہے یہ خوش خبری سن کر مہاتما بدھ صاحب خوش ہوئے۔ اور اس درویش سے پوچھا کہ جیون مکت کس طرح حاصل ہوتا ہے درویش نے جواب دیا کہ اس کے حصول کے لیے میرے پاس ایک طریقہ ہے تم یہاں ٹھہر جاؤ میں بتاؤں گا چنانچہ مہاتما بدھ نے اس درویش کی صحبت اختیار کر لی اور درویش نے سلوک کی تربیت شروع کر دی۔ کچھ عرصے کے بعد مہاتما بدھ کو جیون مکت حاصل ہو گیا جس سے مراد ہے فنائے نفس اور طلس حقیقی (یعنی فنا فی اللہ) اور معرفت تامہ اس کے بعد وہ نبوت سے مشرف ہوئے اور اپنی قوم کے لیے راہبر بنے۔ یہ کام کر کے وہ درویش چلے گئے۔ جب مہاتما بدھ اپنے والد کے پاس آئے اور اپنے مذہب کی دعوت دی تو اس نے قبول کر لی۔ اس کے بعد لوگ جوق در جوق ان کے مذہب میں داخل ہونے لگے۔

شاہ بدیع الدین مدارؒ

اس کے بعد فرمایا کہ شاہ بدیع الدین مدارؒ جن کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے۔ اوائل زندگی میں کالپی کے مقام پر اقامت پذیر ہوئے اور ساری خلقت آپ کی معتقد ہو گئی۔ ایک دن اس کے علاقے کا حکمران قادر خان نامی گھوڑے پر سوار ہو کر شاہ مدارؒ کی زیارت کے لیے آیا اور آپ کے خادموں سے کہا کہ حضرت شیخ کو میرے آنے کی اطلاع دو تاکہ زیارت کریں۔ خادموں نے آ کر کہا کہ شیخ فرماتے ہیں کہ ابھی میں ایک آدمی کے ساتھ بات کر رہا ہوں۔ کسی دوسرے وقت ملاقات کی جائے گی قادر خان نے جو گھوڑے پر سوار تھا۔ گردن اوپر کر کے حویلی کے اندر جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا

کہ حضرت شیخ ایک جوگی سے بات کر رہے ہیں۔ اس سے وہ غصے ہوا۔ اور کہا کہ یہ کیا درویشی ہے کہ میں مسلمان دین کی خاطر آیا ہوں۔ میری ملاقات کے لیے فرصت نہیں ہے اور بے دین جوگی کے ساتھ بات کرنے کی فرصت ہے چنانچہ اس نے حضرت شیخ کے خادموں سے کہا ان کو کہو کہ میرے شہر سے چلے جائیں یہ کہہ کر چلا گیا۔ جب آپ کو اس بات کی خبر ہوئی تو اسی وقت کالپی سے نکل کر آپ نے دریا پار کیا اور قادر خان کو بد دعا دے کر چلے گئے۔ لیکن ایک خادم کو یہ کہہ کر وہاں چھوڑ دیا کہ دیکھنا قادر خاں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ جونہی آپ نے دریا عبور کیا قادر خان کے جسم پر آبلے نمودار ہوئے جس سے اسے سخت درد ہونے لگا۔ آخر اس نے اپنے پیر شیخ سراج کی خدمت میں جا کر ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے قادر خان کو اپنا پیراہن دیا جس کے پہننے سے وہ صحت یاب ہو گیا اس خادم نے یہ واقعہ حضرت شاہ مدارؒ کے سامنے بیان کیا۔ چونکہ شاہ مدارؒ ولایت موسوی رکھتے تھے۔ جلال میں آ کر شیخ سراج کی طرف متوجہ ہوئے جس کی وجہ سے ان کے جسم پر آبلے نکلے آئے اس پر شیخ سراج نے جو عارف کامل تھے شاہ مدارؒ کو کہلا بھیجا کہ میں نے تمہارا سلسلہ قطع کر دیا ہے یہ پیغام سن کر شاہ مدارؒ نے اپنے مریدین کو خطوط لکھے کہ چونکہ میرا سلسلہ ایک شیخ کامل نے قطع کر دیا ہے۔ میں اپنے کسی مرید یا خلیفہ کو اجازت نہیں دیتا کہ میرے بعد بیعت کریں اور سلسلہ جاری رکھیں چنانچہ سلسلہ مداریہ کے اکثر لوگ سلسلۂ مینائیہ میں داخل ہو گئے۔

شاہ مدار کی تین نادر خصوصیات

اس کے بعد فرمایا کہ شاہ مدارؒ میں تین چیزیں عجیب و غریب تھیں ایک یہ کہ بارہ سال تک انہوں نے کھانا نہ کھایا۔ دوسری یہ کہ مقام احدیت میں تھے تیسری یہ کہ ہمیشہ اپنے چہرہ مبارک پر برقعہ یا چادر رکھتے تھے۔ کیونکہ جو شخص آپ کے چہرے پر نظر ڈالتا تھا بے اختیار سجدہ میں گر جاتا تھا۔

رندی و قلندری مشرب

اس کے بعد رندی اور قلندری مشرب کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اصطلاح صوفیائے کرام میں رندی و قلندری سے مراد ہے فقر اختیار کرنا، فرائض واجبات اور

سنن مؤکدہ پر اکتفا کر کے کثرت نوافل ترک کرتا تاکہ خلقت کے اندر ان کی مذمت ہو اور ان کا فقر پوشیدہ رہ سکے اور قلندر وہ ہے جو ان صفات سے متصف ہو۔

اوقات صلوٰۃ پنجگانہ

اس کے بعد اوقات نماز پنجگانہ کا ذکر ہونے لگا حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تمام نمازوں کا وقت ایک تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر نماز کے لیے جداگانہ وقت مقرر ہوا۔ لیکن ان اوقات کے شروع ہونے اور ختم ہونے میں ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہے۔

وقت نماز فجر

چنانچہ فجر کی نماز کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور آخری وقت طلوع آفتاب تک ہے لیکن صبح صادق کی ابتدا میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک صبح صادق کی ابتدا اس سفیدی سے ہوتی ہے جو آفاق آسمان پر نمودار ہوتی ہے اور پھیل جاتی ہے اور بعض کے نزدیک وہ سفیدی ہے جو زمین کی اشیاء پر ظاہر ہو کر پھیل جاتی ہے۔

وقت نماز ظہر

نماز ظہر کی ابتدا زوالِ آفتاب ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں لیکن ظہر کے آخر وقت میں اختلاف ہے چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کا فیصلہ یہ ہے ظہر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ کسی چیز کا سایہ اسکی لمبائی سے دوگنا نہ ہو جائے۔ سایۂ اصلی[۱] اور اکثر علماء نے یہی فتویٰ دیا ہے لیکن امام یوسف اور امام محمدؒ (جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں) کے نزدیک ظہر کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے جب کسی چیز کا سایہ اس چیز کی لمبائی کے برابر ہو۔ یعنی اصلی سایہ (جھکاؤ والا سایہ چھوڑ کر) چنانچہ بعض علماء نے شیخین (یعنی امام یوسف اور امام محمدؒ) کا فیصلہ تسلیم کیا ہے۔

نمبر۱ اصلی سایہ مراد یہ ہے کہ سردی کے موسم میں جب سورج جنوب کی طرف چلا جاتا تو تو اشیا کا سایہ ہر وقت شمال کی طرف رہتا ہے۔ یہ شمالی سایہ شمار نہیں ہوتا۔ اور کل سایے میں یہ سایہ نکال کر باقی جو سایہ رہتا ہے۔ وہ اصلی سایہ کہلاتا ہے۔

وقت نماز عصر

اسی طرح عصر کے وقت کی ابتدا میں بھی فرق ہے امام ابو حنیفہؒ عصر کا وقت اشیا کے دگنے سائے سے شروع کرتے ہیں۔ اور شیخین ایک گنا سایہ سے لیکن امام ابو حنیفہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ظہر کا وقت ایک گنا سایہ کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ اور عصر کا وقت دو گنا سایہ سے شروع ہوتا ہے اور باقی جو وقت درمیان میں بچ جاتا ہے۔ وہ مہمل ہے اس میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ نماز عصر کے اختتام کا وقت غروب آفتاب تک ہے لیکن حسن بن زیادؒ کے نزدیک جب آفتاب زرد ہوتا ہے تو عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے اور ان کے نزدیک سورج کے زرد ہونے اور غروب کے درمیان جو وقت ہے وہ مہمل ہے اس کے اندر کوئی نماز نہیں۔ سورج زرد ہونے کی علامت یہ ہے کہ سورج پر نظر ڈالنے سے آنکھیں نہ چندھیائیں۔

وقت نماز مغرب

نماز مغرب کی ابتدا غروب آفتاب کے بعد ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن مغرب کے آخری وقت میں اختلاف ہے چنانچہ امام اعظمؒ کے نزدیک مغرب کا آخری وقت شفق کے گم ہونے تک ہے۔ یعنی جب تک جانب غرب میں سفیدی موجود ہے جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ نماز مغرب جائز ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہی قول ہے۔ صاحبین (امام یوسف اور امام محمدؒ) کے نزدیک مغرب کا آخری وقت شفق (یعنی سرخی) گم ہونے تک ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت ابن عباس کا مسلک بھی یہی ہے۔

وقت نماز عشاء

عشاء کے اوقات میں بھی اختلاف ہے جو نماز مغرب کے اوقات کے اختلاف کی وجہ سے ہے چنانچہ امام اعظمؒ کے نزدیک عشاء کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جب مغرب کی سفیدی ختم ہوتی ہے لیکن صاحبین کے نزدیک سرخی ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور عشاء کی آخری وقت صبح صادق کے طلوع تک ہے اگرچہ صبح صادق کے طلوع میں تھوڑا سا اختلاف ہے جس

کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

فرائض واجبات وسنن

اس کے بعد فرائض، واجبات، اور سنن (جمع سنت) نماز کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے یہ شعر پڑھا

فرائض ندانی شوی در تلق — اجبش نوق تقق رسق

چوں واجب ندانی شوی در خطر — فضت، تقت، لقت جسر

اس کے بعد آپ نے ان اشعار کے مختصر معانی بیان فرمائے۔

فرائض نماز

آپ نے فرمایا کہ اجبش۔ نوق، تقق، رسق کا مطلب یہ ہے کہ اجبش کے الف کا مطلب ہے اندام یعنی جسم پاک کرنا۔ پہلی جیم سے جامہ پاک کرنا مراد ہے۔ اور دوسری جیم سے جائے نماز کا پاک ہونا مراد ہے۔ سین کا مطلب ہے ستر (ننگاپن) ڈھانپنا "نوق" میں نون سے مراد یہ ہے کہ نماز فرض ہے واؤ سے مراد یہ ہے۔ کہ "وقت" پر پڑھی جائے "ق" سے مراد ہے قبلہ رو ہونا یہ تمام باتیں فرائض نماز میں شامل ہیں۔ "تقق" کے حرف "تا" سے مراد تکبیر تحریمہ ہے پہلے "قاف" سے مراد ہے قرأت پڑھنا اور دوسرے "قاف" سے مراد "قیام" ہے۔ "رسق" کی "را" سے مراد رکوع ہے جب فرض ہے "سین" سے مراد سجدہ ہے اور قاف سے مراد قعدہ یعنی "التحیات" میں بیٹھنا ہے یہ سب امور فرض ہیں۔

واجبات نماز

اس کے بعد نماز کے آپنے بائیس واجبات کا ذکر فرمایا جو ان الفاظ سے نکلتے ہیں۔ یعنی فضت، تقت، لقت، جسر سے لفظ فضت کے "ف" سے مراد فاتحہ پڑھنا "ض" سے مراد ضم سورۃ (سورۃ کا ملانا) ہے۔ اور "تا" سے مراد قرأت پڑھنا ہے۔ تقت کے پہلے "تا" سے مراد "تعدیل" ارکان ہے "قاف" سے مراد قعدہ اولیٰ (پہلی التحیات) ہے اور دوسری "تا" سے مراد دوسری التحیات ہے لقت میں "لام" سے مراد "سلام" ہے "قاف" سے مراد "قنوت در وتر" ہے اور "تا" سے مراد دونوں عیدوں میں زائد تکبیر ہیں "جسر" میں جیم سے مراد جہر یعنی آواز پڑھنا ہے "سین" سے مراد سر یعنی آہستہ خفی طور پر پڑھنا ہے۔ اور "را" سے مراد ترتیب ہے یہ تمام واجبات نماز ہیں۔

احکام پردہ اس کے بعد عورتوں کے پردہ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اور حضرت بی بی میمونہ رضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھیں تھیں کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی جو نابینا تھے آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پردہ کرو۔ بی بی ام سلمہ رضی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا وہ نابینا نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ عورتوں کو چاہیئے کہ نابینا مردوں سے بھی پردہ کریں۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی ام سلمہ رضی کے گھر تشریف تشریف رکھتے تھے۔ وہاں ایک مخنث بیٹھا تھا۔ اس نے حضرت بی بی ام سلمہ رضی کے بھائی حضرت عبداللہ سے مخاطب ہوکر کوئی بیہودہ بات کہی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ آئندہ مخنثوں سے بھی پردہ کرنا چاہیئے اس کے بعد حضرت اقدس نے یہ شعر پڑھا۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار سلسلہ شد شد نشد نشد (احمد جام رح)

(احمد تو عاشق، تجھے پیری مریدی سے کیا کام، سلسلہ ہو ہوا نہ ہوا نہ ہوا)

مقبوس ۹۴ بوقت چاشت بروز ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ

شجر ممنوعہ کیا تھا حضرت اقدس ایک طالب علم کو کتاب شرح ملا پڑھا رہے تھے افعال المقاربہ اور طفق جو افعال مقارب میں سے ہے کی بحث میں آپ نے یہ آیت پڑھی "طفقا یخصفا" تو فرمایا کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ شجر ممنوعہ چکھنے کے بعد اپنا ستر درختوں کے پتوں سے چھپانے لگے۔ اب سوال یہ ہے کہ شجر ممنوعہ کھانے کے بعد ستر چھپانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ چنانچہ اس سے مراد تعلق مرد و زن ہے۔ اور اس لغزش کی وجہ سے جو سرزد ہوئی ان کا لباس ان سے لے لیا گیا۔ اور یہ گمائے درختانِ جنت سے ستر چھپانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

مولانا جامی کی عظمت

درس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا جامیؒ نے شرح ملّا اوائل عمر میں لکھی تھی۔ اور جب آخری عمر میں آپ نے یہ کتاب دیکھی تو فرمایا کہ یہ کس کی تصنیف ہے لیکن یہ کتاب صحیح نہیں کیونکہ کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ آپ نے یہ کتاب وفات سے چار ماہ پہلے لکھی تھی۔ چنانچہ کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ شرح ۱۱ ماہ رمضان ۸۹۷ھ میں ختم ہوگئی اور آپ کا وصال بروز جمعہ ۱۸ محرم سال مذکور کو ہوا۔ آپ کی عمر اکاسی سال تھی اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت مولانا جامیؒ نے یہ کتاب لکھی اس وقت آپ قطب الاقطاب اور سارے جہان کے مالک تھے حضرت قبلہ محبوب الٰہی اور حضرت مولانا فخر الاولیاءؒ میرے شیخ مولانا جامیؒ کو اپنا پیر سمجھتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولانا جامیؒ اس قدر صاحب کمال اور مقبول تھے کہ جب قصد حج اور زیارت روضۂ اقدس کے لیے روانہ ہوئے تو عوام الناس، علماء، فضلاء، رؤساء اور بادشاہانِ وقت بصد نیاز و اخلاص آکر زیارت کے لیے جمع ہوئے اور آپ کی جدائی سے بے حد مغموم ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے درخواست کی کہ سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔ لیکن آپ نے درخواست قبول نہ فرمائی۔ چنانچہ آپ جب ہرات سے روانہ ہوکر نیشاپور، سبزوار، بسطام اور سمنان سے ہوتے ہوئے ہمدان پہنچے تو ہمدان کا بادشاہ قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا اور تین دن تک کے لیے دعوت دی۔ اور دعوت کے دوران اس نے شاہانہ نذرانے پیش کیے اور اپنی فوج کا ایک دستہ حضرت شیخ کی حفاظت اور خدمت کے لیے قافلے کے ساتھ بھیج کر بغداد کی سرحد تک پہنچایا۔ بغداد میں کچھ عرصہ ٹھہر کر آپ حضرت امام حسینؓ کی زیارت کے لیے کربلا معلّٰی گئے۔ بغداد کے حکام، علماء اور شہر کے لوگوں نے آپ کی ضیافت کی۔ اور نذرانے پیش کیے۔ بغداد کے قیام کے دوران آپ کے ان اشعار پر کافی بحث ہوئی۔ جو آپ نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب میں رافضیوں کے خلاف لکھے ہیں۔ حاکم بغداد نے ایک مجلس مباحثہ مقرر کی جس میں علماء امراء نے کثرت سے شرکت کی۔ آخر رافضیوں کا سردار مسمی نعمت حیدری بحث میں ہار گیا اور بہت شرمندہ اور رسوا ہوا۔ بغداد سے آپ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اور راستے میں نجف اشرف جا کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

وہاں سید شرف الدین، سید السادات نقیب تھے۔ انہوں نے علماؒ و فضلاؒ امراؒ کے ساتھ آکر مولانا جامی کا استقبال کیا اور ضیافت کی۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو روضۂ اقدس پر حاضری دی اور ظاہری و باطنی نعمت سے مالامال ہوئے۔ چند ایام کے بعد آپ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اور حج کر کے دوبارہ مدینہ منورہ کی حاضری دی۔ وہاں حکام اور امرائے شام کی طرف سے دمشق آنے کی دعوت موصول ہوئی۔ وہاں کے باشندوں نے بھی آپ کا نہایت احترام و نیازمندی سے استقبال کیا۔ دعوتیں دیں اور نذرانے پیش کئے۔ دمشق سے آپ حلب تشریف لے گئے وہاں بھی آپ کو بہت مقبولیت ہوئی اور تحائف و نذرانے پیش کیے گئے۔

جب آپ کی آمد کی خبر سلطان روم (موجودہ ترکی) کو ہوئی تو اس نے اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے کئی ہزار اشرفیوں کا نذرانہ ارسال کیا اور درخواست کی کہ ارض روم کو بھی قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا جائے۔ لیکن سلطان روم کے آدمیوں کی حضرت مولانا جامیؒ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ کیونکہ اس وقت آپ تبریز کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ تبریز میں بھی حکام، امراؒ علماؒ و فضلاؒ نے آپ کا اسی خلوص و نیازمندی سے استقبال کیا اور نذرانے اور تحفے پیش کیے۔ اس کے بعد آذربائیجان پہنچے۔ آذربائیجان کے بادشاہ نے کمال اخلاص و نیازمندی سے آپ کا استقبال کیا اور ضیافت کے بعد تحائف و نذرانے پیش کیے حتیٰ کہ آپ اپنے مسکن ہرات پہنچ گئے آپ کی آمد پر بادشاہ خراسان مرزا سلطان حسین بہت خوش ہوا۔ اور دعوتوں اور ضیافتوں کے بعد کثرت سے نذرانے پیش کیے۔ اس اثناء میں میر شیر علی نے جو مولانا جامیؒ کے راسخ الاعتقاد مریدین میں سے تھا۔ آپ کو ایک خط لکھا جس میں یہ رباعی درج تھی۔ ؎

انصاف بدہ اے فلک مینا فام   تا ازیں دو کدام خوب تر کرد خرام

خورشید جہاں تاب تو از جانب صبح   یا ماہ جہاں گرد از جانب شام

(اے آسمان نیلگوں انصاف سے کہہ کہ ان دو میں سے کس کا خرام خوب تر ہے۔ تمہارے آفتاب کا صبح کی جانب سے یا میرے ماہتاب (مولانا جامیؒ) کا شام کی جانب سے)

اس کے بعد موصل کے محلات کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ

محلات موصل

جب میں شہزادی موصل کے شہر لا و رہ گیا تو موصل کے محلات

کے آثار دیکھے۔ کھنڈرات کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے رات کو خواب کو مولی کو بھی دیکھا جو اسی حسن وجمال اور عشوہ وناز میں تھی۔

کیا نیند میں قلب ذاکر رہتا ہے

یہ خواب کافی طویل تھا اور ساری رات دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس بات پر گفتگو ہونے لگی کہ دل حالت خواب و بیداری میں ذاکر و شاغل رہتا ہے۔ حضرت اقدس نے تبسم فرماتے ہوئے میاں یعقوب کی طرف دیکھا جو مجلس میں بیٹھے نیند کر رہے تھے۔ بعض اوقات ان کا سر زمین سے جا لگتا تھا۔ اور ٹوپی نیچے گر پڑتی تھی۔ اس کے باوجود میاں یعقوب یہ وعدہ کرتے تھے۔ کہ میرا دل ذاکر رہتا ہے اس وجہ سے حضرت اقدس متبسم ہوئے اور دیگر حاضرین ہنس پڑے۔ اس سے میاں یعقوب بیدا ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ میں دل میں مشغول تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ ذکر زبانی ہو یا قلبی محض ہوشیاری اور بیداری سے تعلق رکھتا ہے جو شخص نیند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا دل ذاکر رہتا ہے۔ محض کاذب اور دروغ گو ہے۔ [1]

نحوست اشیاء

اس کے بعد بعض چیزوں کی نحوست کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا قبلہ محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ کیکر کی لکڑی نحس ہے کیکر کی لکڑی کو گھر میں نہیں لانا چاہیئے۔ اور اسے کام میں نہیں لانا چاہیئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے ایک چغہ افغانستان سے خریدا تھا۔ وہ بھی نحس وشوم تھا خریدتے وقت یہ اقرار نامہ لکھا گیا کہ اگر خریدنے والا فوت ہو جائے تو اس کا بیٹا قیمت ادا کرے گا میں نے وہ چغہ نہ پہنا بلکہ میاں غلام محمد پشاوری کو دے دیا۔ اس خیال سے نہیں کہ منحوس ہے بلکہ اچھی اور نفیس چیز سمجھ کر تبرک کے طور پر دیا لیکن چونکہ وہ چغہ منحوس تھا۔ وہ گھر جاتے ہی فوت ہو گئے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جو بزرگان دین سوتے ہوئے ذاکر وشاغل ہیں وہ در اصل بیدار ہوشیار ہوتے ہیں۔ نیند میں نہیں ہوتے جب نیند آگئی تو ذکر وشغل رفع ہوا۔ چونکہ غفلت ہے اس لئے جو نیند میں ذاکر شاغل ہونے کا دعویدار ہے جھوٹا ہے۔

۵ بوقت چاشت چہار شنبہ ۲ شوال ۱۳۱۸ھ

درس شرح ملاّ

حضرت اقدس درس شرح ملاّ دے رہے تھے حروف شرط کی بحث کے دوران جب یہ الفاظ پڑھے گئے۔ "وَاِذا تقدم القسم الاول الکلام۔ اے فی اول زمان التکلم بالکلام فیصح ترک فی الکونہ ظرف زمان" فقط تو حضرت اقدس نے مولوی غلام رسول صاحب سے جو کتب درسیہ نحو یہ کے ماہر تھے۔ دریافت کیا کہ فی اول زمان التکلم سے کیا مراد ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ نیز چونکہ حواشی میں بھی اس عبارت کی توجیہ درج نہ تھی حضرت اقدس نے فرمایا کہ کلام صفت ہے۔ جو متکلم کی ذات سے قائم و ثابت ہے بلکہ عین اس کی ذات ہے نہ وہاں تقدیم ہے نہ تاخیر، تقدم اور اولیت کا مطلب ہے ایک چیز کا دوسری چیز سے پہلے واقع ہونا۔ اس لئے متن پر اعتراض وارد ہوتا تھا۔ چنانچہ شارح نے اس اعتراض کو یوں رفع کیا ہے۔ اذا تقدم القسم فی اول زمان التکلم بالکلام اس وجہ سے کہ تکلم میں حروف اور کلمات کی ترتیب تقدم و تاخیر سے ہوتی ہے۔ نیز زمانہ یہ بھی پایا جاتا ہے اس کے بعد آپ نے مولوی صاحب کا مذکور سے پوچھا کہ کلام اللہ جو قدیم ہے۔ اور ہمارا کلام جو حادث ہے یہ کس طرح پر ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ کلام کے دو اقسام ہیں لفظی اور نفسی، لفظی حادث ہے اور نفسی کلام قدیم قدیم ہے اور کلام حادث حادث ہے۔ چونکہ ہم حادث ہیں ہمارا کلام بھی لفظی ہوگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا جب ساری کائنات میں ہستی حق اور وجود مطلق کا ظہور ہے جملہ صفات مثل علم، حیات، قدرت، ارادہ، سمع، بصر کلام بھی ذاتیہ قدیمہ ہیں۔ اور اسی کی ذات سے قائم ہے۔ تنبیہ۔ کلام دو قسم ہے۔ لفظی و نفسی، چونکہ کلام لفظی میں زمانہ پایا جاتا ہے نہ کہ کلام نفسی میں اگرچہ متن کی عبارت پر ایک شق سے اعتراض وارد ہوتا ہے۔ یعنی کلام لفظی سے لیکن دوسری شق یعنی کلام نفس سے اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ شارح نے دفعہ اعتراض کے لئے لفظ فی اوّل زمان التکلم زائد لگا دیا ہے۔

مقبوس ۵۱: بوقت اشراق دوشنبہ ۱۴ شوال ۱۳۱۸ھ

سائل کو جھڑکنے کا مسئلہ

حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور وہ کون سے صحابی تھے۔ جو عرفات شریف میں حاجیوں سے سوال کر رہے تھے اور حضرت علیؓ نے ان کو گرفتار کر کے درّے لگائے اور فرمایا کہ تو اس قدر متبرک دن اور متبرک مقام پر غیر اللہ سے سوال کر رہا ہے اس پر ایک اور آدمی نے عرض کیا کہ قبلہ حکم تو یہ ہے کہ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (سائل کو مت جھڑکو) حضرت علیؓ نے سائل کو کیسے درے لگائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس آدمی نے حضرت علیؓ سے سوال نہیں کیا تھا۔ بلکہ دوسرے لوگوں سے سوال کر رہا تھا۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ امام وقت تھے۔ آپ نے اس متبرک دن اور متبرک مقام پر غیر اللہ سے سوال کرنے والے کے فعل بد کو دیکھ کر اس کو سزا دی۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے سوال کیا جائے اسے چاہیئے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دے اگرچہ روٹی کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔

غیر اللہ کی قسم کھانا

اس کے بعد احقر راقم نے عرض کیا کہ حضور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے بعض ادنیٰ چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ مثلاً وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۔ تین اور زیتون ادنیٰ چیزیں ہیں۔ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے بعض اعلیٰ اور عظیم الشان چیزوں کی قسم بھی کھائی ہے۔ مثلاً هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ اور وَالشَّمْسِ وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ وَالنَّجْمِ اس کا کیا سبب ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ دراصل ہر شے اور ہر چیز عظیم الشان ہے فرمایا کہ کتاب مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز میں لکھا ہے کہ ادنیٰ مخلوق کے لئے اعلیٰ مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ اولیاء اور انبیاء کی قسم کھانا بھی جائز نہیں صرف خدا تعالیٰ کی قسم کھانا جائز ہے۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی ہے اس کے لیے ہر چیز کی قسم کھانا صحیح اور درست ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر چیز فی حد ذاتہ اس کی عین ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا دوسری چیزوں کی قسم کھانا گویا اپنی قسم کھانا ہے لہٰذا والتین والزیتون دراصل واللہ ہے۔ پس یہ بھی وحدت

وجود کی ایک دلیل ہے اس سے خالق و مخلوق کی عینیت ثابت ہے۔

مقبوس ۵۲ ۔ بوقت ظہر دو شنبہ ۵ ذیقعد سال مذکور

وظیفہ محبت و ذوق و شوق الٰہی

ایک شخص نے حق تعالیٰ کی محبت اور ذوق و شوق کا وظیفہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ سونے سے پہلے اکتالیس بار یہ وظیفہ پڑھا کرو۔ یاحیُّ یا قیوم یالا الٰہ الا انت اسئلُک اِنْ تحی قلبی بنور معرفتک ابداً ط

مقبوس ۵۳ ۔ بوقت ظہر سہ شنبہ ۶ ذیقعد ۱۳۱۸ھ

کرامات کی بعض غلط باتیں مشہور ہو جاتی ہیں

اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ مارواڑ (ہندوستان) کے علاقے میں لوگ غلہ کے دانے زمین میں بو دیتے ہیں۔ اور چند روز وہاں بیٹھ جاتے ہیں چند ایام میں دانے اُگ آتے ہیں اور خوشے نکل کر فصل تیار ہو جاتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا اس قسم کے عجیب و غریب واقعات شاید ایک بار کسی سے سرزد ہو جاتے ہیں تو لوگ مشہور کر دیتے ہیں کہ اس علاقے میں ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے چنانچہ سادات ساکن چک بو جعفر شاہ کی اولاد میں سے ہیں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اگر وہ کسی کو بد دعا دیں کہ تجھے باؤلا کتا یا گیدڑ کاٹے گا تو ضرور ان کو وہ سزا ملتی ہے اور جب وہ شخص ان کی ران کے نیچے سے گزرتا ہے تو شفایاب ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کسی زمانے میں کسی ایک شخص سے یہ کرامت سرزد ہوئی ہو لیکن اب لوگوں کا یہ اعتقاد ہو گیا ہے کہ وہاں کے تمام سادات میں یہ صفت ہے۔ اسی طرح لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم نور محمد صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ حضرت بی بی غلام فاطمہ جن کا مزار منگلوٹ شریف میں مخدوم صاحب کے مزار کے قریب ہے۔ اگر کوئی غیر کور دیدہ ان کے مزار پر جائے تو نابینا ہو جاتا

ہے۔ یا کوئی حاملہ عورت جائے تو اس کا حمل گر جاتا ہے۔ ممکن ہے کسی وقت یہ بات واقع ہوئی ہو۔ لیکن اب لوگوں کا یہ اعتقاد ہو گیا ہے۔ کہ اسی طرح ہوگا۔ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے۔ کرامات کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے۔ اور کسی مصلحت کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن ہر جگہ اور ہر شخص سے کرامات کا ظہور دائمی طور پر ہرگز نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ان سے دائمی طور پر کرامات کا ظہور ہو تو لوگ ان کو مظہر کامل اور دوسروں کو مظہر باطل تصور کریں گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت محبوب الٰہیؒ پاک پتن شریف گئے ہوئے تھے۔ اور آپ پر کمال ذوق و شوق اور جوش طاری تھا۔

مقبوس ۵۴: بوقت ظہر روز یکشنبہ ۱۱ ذیقعد سال مذکور

رنگون کے مریدین کے خطوط

شاہزادہ مرزا احمد اختر گرانوی نے حاضر ہو کر دو خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیے۔ ایک خط مولانا ابو محمد عبدالودود قادر بخش ساکن جزیرہ انڈمان کی طرف سے تھا۔ جو حضرت اقدس کے خلفاء میں سے ہیں اور دوسرا خط میاں ابو محمد عبدالرحیم ساکن رنگون کا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا خط پڑھو چنانچہ دونوں خطوط آپ کو حرف بحرف پڑھ کر سنائے گئے آپ سر نگوں ہو کر سنتے رہے۔ اور گاہے گاہے سر ہلاتے رہے۔ یاد رہے کہ اس خط میں مولانا، عبدالودود نے سلسلہ کی ترقی اور مریدوں کے حالات اور اپنی روحانی مثنوی وغیرہ کے متعلق حالات لکھے تھے۔ نیز انہوں نے ختم خواجگان کی اجازت طلب کی تھی۔ اور مولانا محمد ابراہیم اور مولانا ابو محمد عبدالرحیم صوبہ دار رجمنٹ ہفتم زنگونی کے بارے میں عطائے خلافت کی سفارش کی تھی اور مولانا عبدالرحیم کے خط میں چند واقعات و مشاہدات کے متعلق استفسار تھا۔

ملفوظ ۵۵ بوقت عصر بروز یکشنبہ ۱۵ ذیقعد سال مذکور

عطائے خلافت مولانا ابو محمد ابراہیم سکنہ رنگون ملک برما صوبہ دار رجمنٹ ہفتم کے بارے میں خلافت نامہ لکھا گیا۔

ملفوظ ۵۶ بوقت عصر بروز یکشنبہ ۲۵ ذیقعد ۱۳۱۸ھ

تعویذ دفع امراض ایک ہندو نے آکر عرض کیا کہ حضور مجھے ایک بیماری جس کی تشخیص نہیں ہو سکی۔ اس کے دفعیہ کے لیے توجہ فرمادیں۔ حضرت اقدس نے یہ تعویذ لکھ کر اسے دیا۔ ۷۸۶ یملیخا مکسلمینا کشفوطط تبیونس۔ ذرفطیونس + کشافط یونس۔یوانس بوس۔ واسم کلبہم قطمیر * اااہ ۱۱۱۱۱۱ھ و *

ملفوظ ۵۷ بوقت عصر بروز سہ شنبہ ۲۷ ذیقعد سال مذکور

حضرت شیخ ممشاد علو دینوریؒ نماز عصر باجماعت کے بعد حضرت اقدس نے وظیفہ عما یتساءلون جو بعد عصر پڑھا جاتا ہے پانچ بار پڑھا اور سرنگوں ہو کر مراقب ہوگئے۔ ایک ساعت کے بعد سر اٹھا کر فرمایا شیخ ممشاد علو دینوریؒ قدس سرہٗ کے متعلق کتب تواریخ مثل نفحات الانس، سفینۃ الاولیاء مراۃ الاسرار سیر الاولیاء اور تکملہ مولوی گل محمد صاحب احمد پوری وغیرہ میں اختلاف ہے بعض لکھتے ہیں کہ ممشاد دینوری شیخ جنید کے خلیفہ ہیں۔ اور شیخ احمد اسود دینوریؒ جو سلسلہ سہروردیہ کے اکابر مشائخ میں سے ہیں۔ انہی شیخ ممشاد دینوریؒ کے مرید ہیں اور شیخ علو دینوری جو سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ ابو اسحاق شامی چشتی کے پیر ہیں۔ شیخ ہبیرہ بصریؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا

کہ سیرت کی تمام کتابوں میں سلسلہ جنید یہ سہروردیہ کے ساتھ آپ کا اسم گرامی شیخ ممشاد دینوری لکھا گیا ہے اور سلسلہ چشتیہ میں شیخ علو دینوری درج ہے چنانچہ نفحات الانس شریف میں حضرت شیخ ابو اسحاق شامیؒ کے ذکر میں لکھا ہے کہ آپ حضرت شیخ علو دینوری کے اصحاب میں سے ہیں اور وہ شیخ ہبیرہ بصریؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی جب اپنے خلفا کو خلافت نامہ لکھ کر دیتے تھے۔ تو حضرت شیخ ابو اسحاق کے خرقہ خلافت کے متعلق یہی لکھتے تھے کہ انہوں نے شیخ علو دینوریؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور انہوں نے حضرت شیخ ہبیرہ بصریؒ سے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ ممشاد دینوری دونوں نام ایک ہی شیخ کے ہیں اس وجہ سے کہ تذکرہ نویسوں نے حضرت شیخ ممشاد دینوری کے جو اوصاف و حالات لکھیں ہیں وہ بعینہ وہی ہیں جو شیخ ممشاد دینوریؒ کے ہیں۔ چنانچہ شیخ ممشاد دینوری کے حالات میں لکھا ہے کہ مہد سے لیکر لحد تک (پیدائش سے قبر تک) تمام عمر صائم الدہر تھے یہاں تک کہ ایام شیر خوارگی میں دن کے وقت والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ اور یہی صفت بعینہٖ شیخ علو دینوریؒ کے تذکروں میں پائی جاتی ہے۔ نیز جو ممشاد دینوریؒ کی تاریخ وفات ہے وہی شیخ علو دینوری کی ہے۔ اسی طرح دونوں بزرگوں کے تمام حالات زندگی یکساں ہیں چونکہ آپ کو دو بزرگوں سے خلافت حاصل تھی ایک حضرت شیخ جنید بغدادی سے دوم شیخ ہبیرہ بصری سے اس لئے دونوں سلسلوں میں آپ کا اسم گرامی درج ہے۔ ایک نسبت جنید یہ سہروردیہ سے اور ایک نسبت چشتیہ سے۔ اسی طرح ایک بزرگ متعدد مشائخ سے خلافت حاصل کرنے کی مثالیں تاریخ میں بہت ہیں

حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ

اس کے بعد آپ نے خادم سے کتاب تذکرۃ الاولیاء طلب فرمائی۔ کتاب کھول کر آپ نے شیخ ابو سعید ابن الخیرؒ کے ذکر سے یہ عبارت پڑھی۔

روایت ہے کہ ندی کے کنارے حضرت شیخ کی ایک مسجد تھی جہاں ایک عناب کا درخت تھا مسجد کے موذن کا نام موسیٰ تھا۔ ایک دن آپ وعظ کر رہے تھے۔ وعظ میں آپ نے یہ آیات پڑھیں۔ مِن شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ ..... من الشجرہ ان یا موسیٰ

انی انا اللہ کسی نے حضرت شیخ سے دریافت کیا کہ ان آیات کے معنی کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا من شاطی الواد الایمن سے مراد یہی دشتِ خاوران ہے یاد رہے کہ جس علاقے میں آپ کا شہر مہنہ واقع ہے اسے دشت خاوران کہتے ہیں۔ فی البقعتہ المبارک سے مراد یہی مسجد ہے۔ من الشجرۃ کا اشارہ اس درخت کی طرف ہے۔ ان یا موسیٰ سے مراد یہی موسے موذن ہے جس نے انی انا اللہ سنا یہ سنتے ہی لوگوں میں شور قیامت برپا ہوا۔ اور ایسا ہنگامہ کہ بیان سے باہر ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے اور تم سے حقیقت بیان کی لیکن تم نے ایک نہ سنی نہ حقیقت کو پہنچا نہ اپنی ضد سے باز آئے آج اللہ عز وجل تم سے صاف صاف کہہ رہا ہے۔ لیکن تم نہیں سنتے اور نہ ہی ہٹ سے باز ہو۔ اس آیت کا معنی ہے۔ فانی ہونا اور فانی ہونے پر حقیقت منکشف ہوتی ہے تو اظہار کرتے ہیں۔ لیکن خود درمیان میں نہیں ہوتے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ خاوران سے شیخ کی مراد اپنی ذات ہے۔ اس کے بعد کتاب سے یہ عبارت پڑھی۔

ایک دن حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر استاد ابوالقاسم قشیریؒ کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے فرمایا کہ کسی شیخ کو یہ بات دائمی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا اچھی طرح دیکھ کر جواب دو۔ ممکن ہے کہ حاصل ہو۔ انہوں نے کہا اگر ہوگی تو شاذونادر شیخ کو وقت خوش حاصل تھا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی نادرات میں سے ہے۔

اس کے بعد یہ عبارت پڑھی۔ روایت ہے کہ ایک دن حضرت شیخ وعظ فرما رہے تھے جوش میں فرمایا کہ لَیْسَ فِی جُبَّتِی سِوَی اللہ (میرے جبہ میں اللہ کے سوا کچھ نہیں) یہ کہتے ہوئے شیخ نے اپنی انگلی کا اشارہ اپنے جُبّہ کی طرف کیا جو پہنے ہوئے تھے اور انگلی آپ کے سینہ تک پہنچی۔ اس وقت مجلس میں عام لوگوں کے علاوہ خواص بھی بیٹھے تھے مثل امام محمد جوینؒ استاد ابوالقاسم قشیریؒ استاد اسماعیل جالونی وغیرہم۔ لیکن اس بات پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ سب بے خود ہو کر نیچے بیٹھے تھے۔ اور حضرت شیخ تخت پر بیٹھے تھے۔ البتہ انہوں نے اتنا کہا کہ یہ قول شیخ منصور حلاج کا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا اور آپ تخت پر بیٹھے گئے ہیں آپ نے فرمایا ہاں وہ عاشق تھا ہم معشوق ہیں وہ پہرہ دار تھا ہم خلعت بخش ہیں۔

ملفوظ ۵۸ بوقت ظہر روز پنجشنبہ ۲۹ ذیقعد سال مذکور

حضرت اقدس اور حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مابین محبت

اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ حضرت اقدس اور خواجہ اللہ بخش صاحب تونسویؒ کے درمیان بہت محبت ہے حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضور میں سنا ہے کہ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے حضور اقدس سے کہا تھا کہ اب میں حضرت قبلہ عالم مہاروی کے عرس پر صرف آپ حضور کی ملاقات کی خاطر آتا ہوں حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ مجھے مخاطب کر کے اس طرح فرمایا تھا کہ ایک دن تمام مہاروی صاحبزادگان نے جمع ہو کر مجھ سے یہ کہا کہ حضرت قبلہ خواجہ محمد سلیمانؒ حضرت قبلہ عالم کے وصال سے پانچ سال پہلے اجازت لے کر تونسہ شریف میں آرام پذیر ہو گئے تھے۔ حالانکہ آپ کے بدن کی توانائی اور بینائی بحال تھی اور آپ وجود کہ آپ کی جسمانی طاقت کم ہو گئی ہے اور بینائی بھی کمزور ہے۔ ہر سال گوناگوں تکالیف برداشت کر کے عرس پر تشریف لاتے ہیں اب آپ حضرت قبلہ عالم سے اجازت لے کر آرام فرماویں میں نے (حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ) ان کو یہ جواب دیا کہ بے شک تم سچ کہتے ہو۔ اب مجھے گھر میں بیٹھ کر آرام کرنا چاہیئے پچاس سال ہوئے کہ میں نے حضرت قبلہ عالمؒ کا کوئی عرس قضا نہیں کیا۔ پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ جب تک ناک میں سانس اور جسم میں جان ہے خواہ سہولت ہو خواہ دشواری عرس مبارک پر کشاں کشاں حاضر ہوا کروں۔ لیکن جہاں قبل ازیں میرا عرس میں شریک ہونا حضرت قبلہ عالم کی خاطر تھا۔ اب میری نیت کے اکثر حصے میں آپ کی ملاقات بھی شامل ہو گئی ہے۔ اس پر فقیر عبداللہ خان تیاڈی نے عرض کیا کہ قبلہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت میاں اللہ بخش صاحب تونسویؒ کو حضور اقدس سے بہت محبت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ ہے نیاز ہے یہ سب محبت اور مودت نیاز سے پیدا ہوتی ہے نیاز سے ایک شخص کے دل میں دوسرے کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور نیاز کرنے والا اس کا محبوب بن جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مخدوم

جہانیاں اوچی جس شخص کے پاس جاتے تھے اس قدر عجز و نیاز سے پیش آتے تھے کہ وہ شیخ مغروران کو نعمت عطا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے کیونکہ نیاز کی وجہ سے ان کے دل میں آپ کے لیے کمال محبت پیدا ہو جاتی تھی۔

تحفۂ عاجزی

اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی جناب میں بھی عجز و انکسار کام آتا ہے چنانچہ شیخ فریدالدین عطارؒ نے اپنی کتاب منطق الطیر میں لکھا ہے کہ آخر تمام پرندوں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ حضرت سیمرغ کی درگاہ میں حاضر ہونے کے لیے کونسا تحفہ پیش کیا جائے۔ تمام اشیا کا ذکر کر کے انہوں نے کہا کہ یہ تمام چیزیں، سیمرغ کے پاس موجود ہیں کوئی ایسی چیز ان کے پیش کی جائے جو ان کے ہاں موجود نہ ہو۔ اور وہ چیز نیاز ہے یہ چیز ہمارے پاس ہے ان کے پاس نہیں ہے پس یہی تحفہ ان کے شایانِ شان ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ عطار لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں ایک آئینہ بطور تحفہ پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ بازار میں ہزاروں، آئینے پڑے ہیں یہ کیا تحفہ لائے ہو۔ اس آدمی نے عرض کیا کہ بے شک بازار میں ہزاروں آئینے پڑے ہیں۔ لیکن چونکہ عجوبۂ جہان اور بے نظیر زمان حضور کا رخ انور ہے اور رخ انور کا مشاہدہ آئینہ کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے یہ آئینہ آپ کی خدمت میں لایا ہوں تاکہ آپ عجوبۂ جہان کا مشاہدہ کر سکیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہماری نیستی اور عجز و انکسار آئینہ ہے اس کی ہستی اور بے نیازی کا وہ اس آئینہ میں اپنی ہستی اور بے نیازی کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ کا مقصد اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ تھا۔ اور اس کا مشاہدہ بدون آئینہ عجز و نیستی ممکن نہ تھا۔ اس لئے ہماری نیستی اور عجز و نیاز اسے بہت مرغوب ہے۔ اگر ہمارے اندر بھی ہستی اور بے نیازی کا دعویٰ ہو تو کمالاتِ قادریت، مقدوریت سے جدا نہیں ہوتے خالقیت مخلوقیت سے ممتاز نہیں ہوئی۔ اور الوہیت واضح نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ قدرت و استغنا کا اظہار عجز و نیاز کے بغیر نہیں ہوتا۔

اس کے بعد نماز باجماعت ادا کی اور فراغت کے بعد شعر و سخن کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگرچہ شعر و سخن کے میدان میں ہر شخص حضرت امیر خسرو

کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ لیکن اپنے شیخ علیہ رحمۃ کی منقبت میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار میں سقم پایا جاتا ہے ؎

قطب عالم نظام ملت و دین — کافتاب کمال شد رخ او
از جنید و شبلی و معروف — یادگار است ذات فرخ او
شیخ ایشاں اگر چنیں بودے — ورنہ بودند اینچنیں شیخ او

فرمایا کہ تیسرے شعر کے دوسرے مصرع میں کافیہ صحیح نہیں ہے نیز اس شعر کے معنی بھی میری سمجھ میں نہیں آتے ۔[۱]

فرمایا کہ جس قدر کمال زیادہ ہوتا ہے اعتدال بھی اسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔

اقسام استغراق

اس کے بعد فرمایا کہ استغراق کی تین اقسام ہیں اول استغراق ذات حق سبحانہ، دوم استغراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوم استغراق شیخ، بعض اولیائے کرام ذات حق میں مستغرق ہوتے ہیں، حضرت سلطان المشائخ کو اپنے شیخ کی ذات میں استغراق تھا۔ ایک دن کسی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کثرت سے لوگوں کو کیوں بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک دن میرے شیخ حضرت شیخ شیوخ العالم خواجہ گنج شکرؒ مجھ سے خوش تھے۔ اور میں آپ کے قدموں پر گرا ہوا تھا آپ نے فرمایا نظام ہو عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا مانگو جو کچھ مانگتے ہو۔ میں تجھے دیتا ہوں۔ پس میں نے جو کچھ عرض کیا فرمایا "میں نے دیا"، میں نے بہت معروضات پیش کئے اور آپ یہی فرماتے رہے کہ "میں نے دیا"، جب میں معروضات سے فارغ ہوا تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ نظام اگر قیامت کے دن حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی درجہ یا مرتبہ حاصل ہوا تو جب تک تجھے اور تمہارے تمام مریدین اور ان کے مریدین کو بہشت میں نہیں لاؤں گا

---

[۱] معلوم ہوتا ہے کہ اس شعر میں کوئی کتابت طباعت کی غلطی واقع ہوگئی ہے اس شعر کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر جنیدؒ، شبلیؒ اور معروف کرخیؒ کے شیخ کی طرح ہوتے تو وہ ایسے نہ ہوتے جیسے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہوتے۔

بہشت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ چونکہ میرے شیخ نے اسی جام سے شربت نوش فرمائی ہے۔ جس سے حضرت شیخ جنید اور بایزید نے فرمائی ہے اس لیئے میں کثرت سے لوگوں کو مرید کرتا ہوں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ میں بہشت میں داخل ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دیکھو اگرچہ حضرت سلطان المشائخ کو اپنے شیخ کی ذات میں استغراق تھا۔ لیکن پاس ادب کی خاطر آپ نے اپنے شیخ کو شیخ جنید اور بایزید سے افضل نہیں کیا۔ یہ کمال اعتدال کی علامت ہے۔ جو آپ کو بوجہ علو مرتبت حاصل تھا۔

اولیا کرام کے مراتب میں فرق کرنا گناہ ہے

اس کے بعد فرمایا کہ امیر خسروؒ کا حال بھی یہی تھا۔ ان کو بھی اپنے شیخ میں استغراق تھا۔ لیکن اپنے شیخ سے کمال محبت کے باوجود انہوں نے متذکرہ بالا اشعار میں اعتدال سے کام لیا ہے۔ اس کے برعکس بعض لوگ افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں جیسا کہ مولوی محمد اکرم نے اپنی کتاب اقتباس الانوار میں لکھا ہے کہ حضرت جلال الدین تھانیسریؒ مجذوب سالک تھے۔ بلکہ جذب و سلوک سے بھی گذر کر عالم باطن میں جنید اور شبلیؒ زماں ہو چکے تھے بلکہ ان سے بھی بلند تر مقام پر پہنچ چکے تھے۔ اور آپ کا مقام اس قدر بلند ہے۔ کہ وہاں کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ آپ اپنی مثال آپ ہیں اس کے بعد فرمایا کہ اولیاء کرام کے مراتب میں فرق کرنا اور ایک ولی اللہ کو دوسرے ولی اللہ پر فوقیت دینا اور افضل کہنا کار گناہ ہے اس وجہ سے کہ اولیاء کرام کے مراتب خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت میں اور میاں جی قائم الدین صاحب لوائح شریف میں ہم سبق تھے اور سبق حضرت فخر الاولیاءؒ سے پڑھتے تھے۔ تو ایک دن دوران سبق میں حضرت غوث الاعظمؓ اور حضرت خواجہ بزرگ خواجہ اجمیری قدس سرہ کا یکجا تذکرہ آیا۔ ہم دونوں نے چپکے سے یہ مشورہ کیا کہ حضرت شیخ سے دریافت کریں کہ ان دونوں حضرات کا مرتبہ کس طرح ہے حضرت شیخ نے پوچھا کہ کیا باتیں کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ ان دونوں حضرات کے مدارج میں کیا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم لوگ مجھے گنہگار بنانا چاہتے ہو۔ یہ سن کر ہم خاموش ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی کی مجلس میں ایک شخص نے کہا کہ ہمارے سلسلۂ چشتیہ میں جو بلند مرتبہ مشائخ کرام ہیں ان کی مثال دیگر سلاسل میں نہیں ملتی۔ آپ نے فرمایا یہ بات مت کہو یہ بات غلط ہے۔ ہر سلسلۂ میں باکمال مشائخ ہیں اور ہر شخص اپنے مشائخ کو باکمال سمجھتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے پیر کو دوسرے بزرگوں سے بہتر سمجھے تو یہ گناہ نہیں ہے۔

مقبوس ۵۹: بوقت عصر بروز شنبہ ۲ ذوالحج ۱۳۱۸ھ

ایک شخص نے مرگی کی بیماری کا تعویذ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ موم اور گندرف وغیرہ تیار رکھو کل تعویذ لکھیں گے اس کے بعد فرمایا کہ بڑی بڑی بیماری ہے اس شخص نے عرض کیا کہ قبلہ پہلے یہ مرض خفیف تھا اب شدید ہوگیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مرقعہ شریف میں لکھا ہے کہ ایک شخص مرض مرگی میں مبتلا تھا۔ حضرت شیخ اس کے دائیں کان میں فرماتے تھے کہ تجھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو چھوڑ دو ورنہ تجھے جلادوں گا۔

مقبوس ۶۰: بوقت چاشت بروز سہ شنبہ ۵ ماہ و سال مذکور

حضرت اقدس نے اپنے صاحبزادہ قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخشؒ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ جب یہ احقر دروازہ پر پہنچا تو کھڑا ہوگیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا اندر آجاؤ۔ احقر اندر جاکر آداب بجالایا اور بیٹھ گیا۔

مسئلہ وحدت الوجود اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

مسئلہ وحدت الوجود پر گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کتاب اقتباس الانوار میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی وحدت الوجود پر گفتگو فرمارہے تھے آپ کے فرزند شیخ رکن الدین اور چند دیگر اشخاص موجود تھے۔ شیخ رکن الدین نے عرض کیا کہ حضور کا فرمان یہ ہے کہ مسئلہ وحدت الوجود پر ایمان لانا ضروری ہے حالانکہ

قرآن شریف اور احادیث میں کسی جگہ صاف طور پر مسئلہ وحدت الوجود بیان نہیں ہوا۔ نیز آئمہ مذاہب سے بھی یہ مسئلہ منقول نہیں ہوا۔ اس لیے ہمیں خوف ہے کہ مبادا قیامت میں اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیں مواخذہ ہو۔ یہ سن کر حضرت شیخ عبدالقدوس اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میرے بیٹے بھی وحدت الوجود کے منکر ہیں۔ میں ان کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ کیونکہ میرا مشرب اور ہے اور انہوں نے اور مذاہب اختیار کر رکھا ہے یہ کہہ کر آپ تھانیسر کی طرف پیادہ روانہ ہو گئے۔ اور فرمایا کہ شیخ جلال الدین کا حال معلوم کروں گا۔ اگر وہ بھی میرا ہم مشرب نہیں تو اس سے بھی علیحدہ ہو جاؤں گا۔ چنانچہ شیخ اس خیال سے تھانیسر کی طرف جا رہے تھے۔ اور آپکے تمام فرزند اور مریدین خاموشی سے آپ کے پیچھے جا رہے تھے۔ اور کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ حضرت شیخ کو راضی کریں اور واپس لائیں۔ اس اثنا میں شاہ اسلام حاکم گنگوہ جو آپ کا مرید تھا۔ یہ خبر سنتے ہی گھوڑا دوڑا کر آیا۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ حضرت اقدس کا اپنے علاقے سے باہر جانا بڑی بات ہے۔ جب بادشاہ ہمایوں کو اس کا علم ہوا تو وہ مجھے ضرور قتل کرا دے گا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھے گا۔ کہ ضرور حاکم وقت سے کوئی بے ادبی اور گستاخی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے شیخ نے جلاوطنی اختیار کر لی ہے یہ سن کر حضرت شیخ طوعاً کرہاً واپس تشریف لائے اور اپنے خلیفہ شیخ جلال الدینؒ کے پاس قاصد بھیجا کہ یہاں آجاؤ۔ جب وہ وہاں پہنچے تو شیخ نے ان سے دریافت کیا کہ جلال الدین تمہارا کیا مشرب ہے۔ انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث کے ذریعے مسلک وحدت الوجود ثابت کیا اور توحید کے حقائق و معارف بیان کیے۔ اور عرض کیا کہ حضور میرا مسلک یہ ہے کہ یہ دیکھ کر حضرت شیخ نے ان کو گلے سے لگا لیا۔ اور ان کے حال پر بہت شفقت فرمائی۔

اس کے بعد فرمایا کہ اقتباس انوار میں لکھا ہے کہ شیخ رکن الدینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کے ہم تمام بیٹے الگ تھلگ رہتے تھے۔ اور ہمارے پیچھے کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا تھا۔ کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ ان کا دین اور مشرب اور ہے۔ اور ہمارا دین و مشرب اور ہے ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے لیکن ہمارا ایک بھائی جس کا نام علی تھا حضرت شیخ کے ہاں مقبول تھا اور ہر وقت آپکے ساتھ رہتا تھا۔ اور تمام کام کرتا تھا۔ آپ نماز بھی اس کے پیچھے پڑھتے تھے۔

ایک دن میرا بھائی علی حضرت شیخ کی خدمت میں بیٹھا خوش الحانی سے ابیاتِ وحدت الوجود سنا رہا تھا۔ اور ہم سب بے مجبوری کی حالت میں الگ تھے آخر چند ایام کے بعد ایک دن ہم نے بہت آہ زاری کے بعد عرض کیا کہ حضور ہمارا مذہب و مشرب بھی شیخ کی طرح وحدت وجود ہے۔ اور یہی ہمارا ایمان اور عقیدہ ہے اور اس عقیدہ پر ثابت قدم رہیں گے یہ سن کر حضرت شیخ نے ہماری تقصیر معاف فرمائی ہے اور اس قدر شفقت اور عنایت فرمائی کہ بیان سے باہر ہے۔

شیخ رکن الدین و شیخ جلال الدین تھانیسری کی عظمت

اس کے بعد فرمایا کہ یہ شیخ رکن الدین ایسے کامل بزرگ تھے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس فرمایا کرتے تھے کہ اگر حق تعالیٰ نے قیامت کے دن مجھ سے پوچھا کہ ہماری بارگاہ میں کیا تحفہ لائے ہو تو دائیں ہاتھ میں رکن الدین کو اور بائیں ہاتھ میں جلال الدین تھانیسری کو لے کر عرض کروں گا۔ کہ یا الہ العالمین یہ تحفہ لایا ہوں۔

شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحؒ کا لباس

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ عبدالقدوسؒ کی ذات میں حلم و جمال غالب تھا۔ اسی وجہ سے یہ بات مشہور ہے کہ سلسلہ صابریہ میں جو قہر و جلال غالب تھا۔ حضرت شیخ عبدالقدوس کے حلم و جمال سے اس میں اعتدال آگیا۔ فرمایا اوائل حال میں حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے گھر میں تنگی اور عسرت تھی لیکن اواخر میں خیر و برکت بڑھ گئی تھی۔ شروع میں آپ کا لباس ایک پیوند شدہ گلیم تھی۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی لباس نہ تھا۔ بلکہ وہ گلیم میں بھی جگہ جگہ پر پھٹ چکی تھی۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ گلی کوچوں سے کپڑے کے ٹکڑے چن چن کر اس پر گلیم پیوند لگاتے تھے۔ اور یہ آپ کا روزمرہ کا دستور تھا۔

حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری رحؒ اور سماع

اس کے بعد فرمایا کہ جب شیخ عبداللہ شطاریؒ مانکپور پہنچے تو

حضرت شیخ حسام الدین ؎۱ مانکپوری رحؒ مجلس سماع میں مشغول تھے۔ آپ کے ساتھ دو اور بزرگ بھی قوالی میں مست تھے اور وجد میں آکر رقص کر رہے تھے۔ چنانچہ ان تینوں حضرات نے اپنے کپڑے اتار کر قوالوں کو پیش کیے صرف ستر پوش باقی تھے وہ چاہتے تھے کہ یہ بھی قوالوں کو دے دیں چنانچہ انہوں دولائی (رضائی) سے اپنا ستر چھپا کر اپنے ستر پوش بھی قوالوں کو دے دیئے۔ اس کے بعد دولائی سے جو روئی نکلی تھی۔ اس کو تہ در تہ کر کے اپنا ستر چھپایا اور رضائی کا کپڑا بھی قوالوں کو دے دیا اور اسی حالت میں اٹھ کر حضرت شیخ عبداللہ شطاری سے ملنے باہر چلے گئے۔ راستے میں کسی نے پان کی ٹوکری پیش کی تو حضرت حسام الدین نے پان پھینک کر ٹوکری کلاہ کے طور پر سر پر رکھ لی۔ اور اسی حالت میں شیخ عبداللہ شطاری رحؒ کے پاس جا کر ملاقات کی۔ اس کے بعد مولوی کریم بخش ساکن علاقہ مظفر گڑھ نے دو قصائد پیش کیے اور آپ سرنگوں ہو کر سنتے رہے۔

مقبوس ۶۱ : بوقت ظہر بروز چہارشنبہ ۶ ماہ و سال مذکور

ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ قبلہ میرے اس بیٹے کو بخار آیا تھا جس کی وجہ سے یہ گونگا ہو گیا ہے۔ حضور توجہ فرمائیں۔ آپ نے پوچھا کہ آیا بخار سے پہلے بولتا تھا اس نے

؎۱ حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری رحؒ حضرت شیخ نور قطب عالم کے مرید و خلیفہ تھے اور وہ اپنے والد حضرت خواجہ علاؤالدین رحؒ کے خلیفہ تھے جو حضرت شیخ اخی سراج الدین کے خلیفہ تھے اور آپ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت پیر بابا بنیری جو صوبہ سرحد کے اکابر مشائخ ہیں ایک واسطہ سے حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری رحؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اخوند درویزہ جن کا کے مزار پشاور میں مرجع خلائق ہے۔ حضرت پیر بنیری رحؒ جن کا اسم گرامی حضرت سید علی ہے کے مرید و خلیفہ ہیں۔ حضرت پیر بابا بنیری رحؒ کے ذریعے علاقہ سرحد میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ نے بہت ترقی کی۔

عرض کیا کہ جی ہاں بخار سے پہلے نہایت خوش کلام تھا آپ نے پوچھا کہ بہرہ بھی ہوگیا ہے اس نے کہا جی ہاں قوت گویائی اور قوت سمع دونوں سے محروم ہوگیا ہے آپ نے فرمایا کہ سمع تابع نطق ہے بلکہ نطق تابع سمع ہے اس وجہ سے کہ مادرزاد گونگا وہی ہے جو مادرزاد بہرہ ہوتا ہے کیونکہ بچے کی تعلیم کا ذریعہ کان ہیں۔ جب بہرہ ہوتا ہے۔ تو نہ کچھ سن سکتا ہے نہ بولنا سیکھتا ہے۔ لیکن بعد میں اشارات سے بات سمجھ لیتا ہے اور جواب دیتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ سمع تابع نطق نہیں اور اس بچے کو تپ کی وجہ دونوں حواس میں فتور واقع ہوگیا ہے لیکن سمع میں تھوڑا نقص ہے۔

مقبوس ۶۲ بوقت عصر روز پنجشنبہ، ماہ وسال مذکور

مسئلہ جبر و قدر

مسئلہ جبر و قدر کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا تمام قرآن مجید قدر پر دلالت کرتا ہے اور احادیث شریف جبر پر دلالت کرتا ہے۔ پس صراط مستقیم جبر و قدر کے درمیان ہے۔ اور اس بات کا سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو کچھ عبد کرتا ہے اپنی قدرت اور اختیار سے کرتا ہے۔ اور اس کام میں کمال لذت اور حظ حاصل کرتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ کوئی شخص جبر اور زور سے اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ کام کراتا ہے۔ لیکن اس کی قدرت، اختیار اور فعل کا خالق اور پیدا کرنے والا حق سبحانہٗ ہے اس وجہ سے کہ جو کچھ موجود ہے۔ ہستی حق تعالیٰ ہے اور صفات توابع ہستی ہے۔ (اس ہستی کے تابع ہیں) پس ہر قدرت و اختیار و فعل حق سبحانہٗ تعالیٰ سے منسوب ہے لیکن چونکہ ہر قدرت اختیار و فعل کا ظہور اور صدور ظاہری طور پر عبد سے ہوتا ہے اس لیے اس فعل و اختیار کا بندہ کے ساتھ منسوب کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن کسی نے حضرت سلطان الاولیاء صاحب الروضۃ سے دریافت کیا کہ عبد کو اختیار ہے یا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے جس نوع اور جس مقدار میں چاہا ہے اپنی صفت اختیار کو عباد کے مظاہر میں ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حقیقت میں جبر ہے۔ بعد ازاں

مولوی محمد قاسم کی ساکن سمیناں نے عرض کیا کہ قبلہ حضرت علیؓ کا قول عَرَفْتُ رَبِّی بِفَسْخِ العزائم (میں نے اپنے رب کو پہنچانا اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے) بھی جبر پر دلالت کرتا ہے چنانچہ شارحین اہل ظواہر نے لکھا ہے کہ فسخ عزائم اور نقض ہائے ما اس بات کی دلالت کرتا ہے۔ کہ ہمارا ایک صانع ہے کہ جس کے دستِ قدرت میں ہمارے اختیار کی باگ ڈور ہے اور ہم مجبور ہیں حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس عبارت کا معنی جبر پر دلالت نہیں کرتا بلکہ حصول عرفان پر دلالت کرتا ہے اور یہ قول معرفت اور عرفان پر دلیل ہے نہ کہ جبر پر۔ مثلاً جس شخص نے تکبیر تحریمہ کہی اپنے آپ کی نفی کی اور فانی ہوا۔ اس نے حق تعالیٰ کا اثبات کیا اور بحر شہود وحدت ذات مقدس میں محو و مستغرق ہوا۔ اس کے تمام عزائم اور ارادے بھی فسخ ہوئے اور یہی معرفت و عرفان ہے جو اس کو حاصل ہوا۔ لہذا عرفت ربی بفسخ العزائم کا مطلب یہ ہوا کہ پہنچانا ہم نے اپنے پروردگار کو بسبب اپنے محو و فانی ہونے کے اور میرے عزائم فسخ ہونے کے کیونکہ وہاں صرف ذات ہی ذات تھی نہ میرے عزائم عَرَفْتُ رَبِّی بِرَبِّی (میں نے اپنے رب کو رب سے پہنچانا) کے معنی بھی یہی ہیں۔ ؎[1]

اس کے بعد حضرت اقدس نے نماز عصر با جماعت ادا کی اور مجلس عام کا حکم دیا چنانچہ دربان نے تمام لوگوں کو اندر بلایا۔ اس اثناء میں پاک پتن شریف کے ایک مجاور نے آکر چند تبرکات اور دو دستار نذر کئے۔ ایک دستار سفید ململ کی تھی۔ جو گیارہ گز لمبی تھی۔ اور دوسری زرد رنگ کی تھی جو دو گز لمبی تھی۔ حضرت اقدس نے کھڑے ہو کر پہلے سفید دستار کلاہ مبارک پر باندھی اس کے اوپر زرد دستار باندھی۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے دونوں دستار اتار کر خادم کو دیئے تاکہ محفوظ کرے۔

---

[1] ہمارا جیسا کہ عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب ۔ گر دلیلت باید از وے رو متاب (آفتاب اپنی دلیل آپ ہے۔ اگر اثبات آفتاب چاہتے ہو تو آفتاب سے منہ مت پھیرو)

مقبوس ۶۳ – بوقت زوال اشراق بروز دوشنبہ ۱۱ ذوالحج ۱۳۱۸ھ

حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے عرس کی دوسری مجلس کے بعد ختم پڑھا گیا دعا کے بعد حضرت اقدس نے دونوں ہاتھ فرش سے لگا کر اپنے قلب سے لگا لئے۔ یہ عمل دو بار کیا۔ اس کے بعد روضہ اقدس کے اندر جا کر مبلغ گیارہ روپے کا آستانِ عالیہ پر نذرانہ رکھا۔ اور زیارت کر کے باہر تشریف لائے پہلے آپ کی عادت مبارک یہ تھی۔ کہ نو روپے نذرانہ رکھتے تھے اس دفعہ گیارہ روپے رکھے۔

مقبوس ۶۴ ۱۲ ذوالحج ۱۳۱۸ھ

حضرت اقدس روضۂ مبارک والی مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ اس اثنا میں اجمیر شریف کے مجاور نے چند تبرکات۔ اور ایک دستارِ سفید نذر کی۔ حضرت اقدس نے کھڑے ہو کر دستار سر پر باندھی اور بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد دستار مبارک سر سے اتار کر خادم کو دی تاکہ صندوق میں رکھ دے۔

مقبوس ۶۵ – بوقت ظہر بروز سہ شنبہ ۱۴ ماہ و سال مذکور

اوقاتِ نماز ایک کشمیری مولوی صاحب نے جو چند ماہ سے حصول سلوک کی خاطر مقیم تھے۔ ظہر کی اذان دی اس کی عادت تھی کہ جونہی ذرا سا زوال آتا۔ اذان دے دیتا تھا۔ اسی طرح عصر کی اذان بھی دوسری مثل ختم ہونے سے پہلے دیتا تھا۔ اسے بہت سمجھایا گیا تھا۔ لیکن باز نہیں آتا تھا۔ جب لوگوں نے اذان کی آواز سنی تو متعجب ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس کا یہ خیال ہے کہ میں ہر نماز اول وقت میں پڑھتا ہوں۔ حالانکہ اسے اوقات نماز کی خبر نہیں ہے اور عصر کی نماز ظہر

کے وقت میں پڑھتا ہے اس کی یہ نماز جائز نہیں ہے۔ اگر عصر کی نماز آفتاب کے زرد ہونے
سے پہلے پڑھے تو اختلاف سے بچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ وقت متفق علیہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا
کہ میں نے ظہر اور عصر کا وقت پہچاننے کے لیے دو لکڑیاں نصب کر رکھی ہیں اس کے علاوہ
ایک گھڑی محل کی دیوار پر لگی ہوئی ہے۔ اور ایک ہر وقت میرے پاس رہتی ہے اوقات
نماز کا آسانی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ میں نہایت کوشش سے ساعت بساعت اور لحظہ
بلحظہ ہر نماز کا وقت دیکھتا رہتا ہوں۔ ظہر اور عصر کی نماز کے اوقات کو صحیح کرنے کی جس قدر
کوشش میں کرتا ہوں اس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتی۔ لہٰذا جو لوگ اس مولوی کے پیچھے نماز
پڑھتے ہیں۔ ان کی نماز ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھتے ہیں۔ اس
کے بعد فرمایا کہ امام اعظمؒ کے نزدیک ظہر کا وقت زوال آفتاب سے لے کر دو مثل سایہ تک ہے
(یعنی کسی چیز کے دگنے سایہ تک) اصلی سایہ کاٹ کر اصلی سایہ سے مراد وہ سایہ ہے جو آفتاب
کے عام طور پر جنوب کی جانب ہونے کی وجہ سے ہر دیوار اور ہر چیز کا سایہ قدرے شمال کی
طرف رہتا ہے خواہ عین دوپہر کا وقت ہی کیوں نہ ہو۔ اور امام ابی یوسفؒ و امام محمدؒ (جو امام
اعظمؒ کے شاگرد ہیں) اور امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ کے نزدیک نماز ظہر کا وقت زوال آفتاب
سے لیکر ایک مثل سایہ تک ہے۔ (یعنی جب کسی چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔ اصلی
سایہ کاٹ کر) ایک روایت کے مطابق امام اعظمؒ بھی ایک مثل کے قائل ہیں لیکن امام اعظمؒ کے
فتوے کے مطابق دو مثل ضروری ہے۔ نیز ہمارے مشائخ عظامؒ نے بھی دو مثل پر عمل کیا ہے
اس کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ حضرت فخر الاولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی گل محمد احمد پوری
نے اپنی کتاب تکملہ میں لکھا ہے کہ حضرت قبلہ سلطان الاولیاء اول مثل میں نماز ظہر پڑھتے تھے
اور دوسری مثل پر ظہر کی نماز کا وقت فوت ہو جانے کے قائل تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ امام
اعظمؒ کے نزدیک نماز ظہر کا وقت مثل اول ہے یہ غلط لکھا ہے۔ اس وجہ سے کہ حضرت
سلطان الاولیاء اکثر نماز ظہر مثل ثانی میں پڑھتے تھے۔ اور کبھی کبھی اول مثل میں بھی پڑھ لیتے تھے

مقبوس ۶۶ : بوقت ظہر سہ شنبہ ۱۹ ماہ و سال مذکور

آج مولوی محمد قاسم ساکن قصبہ سیمنان کو جو ڈیرہ غازیخان کے مضافات میں ہے اجازت بیعت حاصل ہوئی۔ اور اس راقم الحروف کے خلافت نامہ کی طرح خلافت نامہ لکھا گیا اس کے بعد آپ نے خانقاہ شریف پر نماز عصر با جماعت ادا کی۔ فراغت کے بعد ایک شخص حضرت اقدس کے سامنے سربسجدہ ہو کر دیر تک روتا رہا۔ اور حضرت اقدس کمال شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے۔

مقبوس ۶۷ : بوقت عصر بروز شنبہ ۲۱ ماہ و سال مذکور

میر گل محمد خاں ابن نواب قیصر خاں مگسی کا قصیدہ

مجلس میں میر گل محمد خان ابن سردار قیصر خاں مگسی والی ریاست جھل (بلوچستان) حضرت اقدس کی مدح میں اپنے تصنیف کردہ اشعار پڑھ کر سنا رہے تھے۔ اور حضرت اقدس سر نگوں ہو کر سن رہے تھے۔ اس کے بعد احقر راقم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس نظم میں دو تین اشعار ایسے ہیں جو لکھنے کے قابل نہیں۔ بعد میں یہ نظم مجھے دکھانا میں ان اشعار پر نشان لگا دوں گا۔ وہ قصیدہ یہ ہے۔

بزن زیبا بموج فکر کشتی — بکش گوہر ثنائے پیر چشتی

معلی شیخ کامل قطب عالم — بعہد خویش حضرت غوث اعظم

معلی خاندانش خشت بر خشت — در ے مکنون اندر سلسلۂ چشت

ہمایوں بادشاہ اوج تمکین — نشستہ بر سریر شرع او الدین

مجسم صورت آمد نور ذاتی ! — ولے منہفتہ در پردہ صفاتی

خدا دانے حسن اگوئے خدا جوئے — ابو دراز عارفان وقت خود گوئے

فرید الحق والدین فرد افراد — بهمت رہ برا برار او تیار
قدم زد بر فراز بے ریائے — بہ پیش آورد راہ مصطفائے
شود ہر گر پے دعوت خراماں! — ملائک از پسش ہمچوں غلاماں
در آئینہ دلش ہر غیب روشن — بود از موم مہر آتش نہ آہن
خدیو ہفت کشور مہر نہ طاق! — ولے از مہر کشور ہا شدہ طاق
کرم او ہفت دوزخ را کند آب — غضب رو ہشت جنت را دہد تاب
نسیمش تازہ دارد گلخن را — سموم قہر او سوزد سقر را
سیاست شین شاہی ہفت افلاک — سرس از زندگی پیوستہ بر خاک
خمیر کنت کنزاً در گل او! — خزینہ دہر معکم در دل او
زہے شاہنشاہ بے تخت و بے تاج — سلاطین جہانش جملہ محتاج
بصد اجلال آں ماہ جہاں تاب — فروزد پنج نوبت او بہ پنجاب
نیا شد آں گل جاں بخش ہر جائے — شدش خاک بہار لیو ما ورا
ولے از بوئے او در جملہ اوطان — تمامی اہل دل را زندہ شد جاں
بسرّ حق نبی را محرم راز — بہ بزم دل علیؓ را دوست و دمساز
نیائے شرع را شمع شب افروز — قلوب الصادقین را حکمت آموز
براہ حق نمائی نیک سالک — ولایت مثل ملوک اوست مالک
چناں نازد بعہدش اولیائی! — کہ در دوران احمد انبیائی
رموز آموز اسرار الٰہی — زدہ ہر ملک وحدت کوس شاہی
بہار آرائے گلزار حقیقت — صفا پیرائے آئینہ طریقت
بدیں خوبی کہ خورشید خاک راہش — بقریہ چاچڑ آمد جلوہ گاہش
جمالش را ہزاراں دل خریدار — زہے یوسف زہے گرمی بازار
عزیز مصر دار الحسن پنجاب — کہ جود شش جہت را مے دیدآب
ہمائے اوج عزت برتر از غیر — دوامش بہ ہوائے لامکاں سیر

فلک یک کنگرہ از کاخ اوجش　　ہمہ خیر قربیاں در خیل فوجش
شہنشاہے ولدیت ملک ملکوت　　زدہ سر رایت اقباس بہ لاہوت
منزّہ ذات او فارغ تر از عیب　　کلامش جملگی الہام از غیب
نواز د لطف او جبریلیاں را　　فروزد حسن او اسرافیلیاں را!
دماغ فرشیاں را کردہ معمور　　چراغ عرشیاں را دادہ صد نور
بدرشش بر ملک دل ہا صد علم زد　　قلم او بر جریدہ جاں رقم زد
بجیب دہر دنیا مثل او کم!　　گزیدہ راہ و رسم ابن ادہم
سخاوت او ہمہ از بے ریائی　　کند در محفلش حاتم گدائی
عزیقہ لجۂ عصمت کماہی　　جہاں بر عصمتش دادہ گواہی
نگاہش پردہ پوش ہر دو عالم　　دلش آئینہ اسرارِ اعظم
نگاہ عصمتش ناآشنا شد　　خا برد ست گلرویاں حیا شد
سگاں را فیض بخشش کردہ ہر جا　　کرامتش چو نجم الدین کبریٰ
بنسبت فاروقیش باعث عدم کفر　　کہ فاروق اسلام است ہم کفر
خلیفہ وقت فرزند خلیفہ　　گزیدہ پاک مذہب بوحنیفہ
ہمیشہ و سادہ پوشی راندیے　　نہفتہ چرخ اطلس در گلیمے
شہیان طوق فرمانش مطوق　　کشادہ در جہاں اسرار فعلق
دلش آئینہ اسرارِ الٰہی　　تماشا کردہ در وے ہر آنچہ خواہی
انیس محرمان پاک درگاہ　　جلیس بزم قدسی لی مع اللہ
نمایاں کردہ محراب دو ابرو　　سجودش خلق پیشش ہمہ سو
ابودہ گوئے بفن عشق بازی　　یکے داند حقیقی و مجازی
نظر یکساں بحسن و قبح انداخت　　وجودِ خلق ذات اللہ شناخت
بدو جا کردہ سرِّ کبریائی !　　از و در بندگی پیدا خدائی
نگاریں سرو از گلزار مسعود　　منور مشعلہ ایوانِ محمود

مبرا دامنش از گرد الوات — بزیر ہفت گنبد غوث اغواث

طفیلش ملک عالم در امان است — جنید وقت ہم شبلی زمان است

دل از شوق زمانہ سیر دارد — فیوض از خواجۂ اجمیر دارد

چو شمس الدین تبریز جہان تاب — چو قطب الدین اوشی قطب الاقطاب

بزیر ایں کہن طاق زبرجد — علی صورت محمد سیرت آمد

دلش از غیر حق پر اعتراض است — ہمہ فیض از فضیل ابن عیاض است

گزیدہ بارگاہ پنجتن اوست — محب الخاص شاہ ذوالمنن اوست

قیام از دے زمین و آسمان را — نظام از دے نظامی خانداں را

ازاں روئے فخر دنیا فخر دین است — کہ خاص از محبان فخر الدین است

بخوردہ جام از بادہ توکل ! — چراغ افروز بزم شیخ بہبل

نشستہ از رہ توقیر امجد — بمسند سجادہ عاقل محمد

بعصمت عیب پوش و ہم خطا بخش — سرور جان مولانا خدا بخش

خطش زاں حکم راں دو جہانست — کہ حجت نامہ فخر جہانست

چو بر دار دو دست آں محمد دین — دعائش را ملک گویند آمین

دروں مجذوب بیروں زاہد پاک — نہادہ کرسئ عزت بر افلاک

بظاہر مالک سنت پیغمبر — بہ باطن سرمد آسا رندبے شر

رسن حکمش بگردن جان سوخ است — بعالم ثانی شیخ الشیوخ است

بہ سجادہ مشیخت استوارے — بر جادۂ شریعت کامگارے

سمند شوق را دادہ لجامے — زمین و آسمان را کردہ گامے

نگہ از کیمیائے خود چو انداخت — مس مد جسم خاکی را طلا ساخت

جمال مہر نیز حسن آں یار — بہ بخشد جلوہ چوں دانہ بحز وار

بود طبع جمالش راحت جاں — جلال اندر جمالش ماندہ پنہاں

ہمہ عرفاں بنزد شعلۂ طور — چو مہ نزدیک بینا مستحق نور

زدوده زنگ غم هم از قلب عشاق   چو صیقل از بتر باران ز اوراق

اگر با قهر بکشاید زبان را   دمش صرصر رسد باغ جهان را

چون و آتشش در جلال آید بصد فر   شگافد کوه با الله اکبر

کرم او چون نوازد عالمے را   نمے دریا رساند شبنمی را

بغیر از افسر و اورنگ شاهی   بهمت از سلاطین باج خواهی

محیط آمد علومس خاکیان را   سبق آموخته افلاکیان را

طفیل یمن دستش اندر آفاق   شده بر مهرهٔ تسبیح دریاق

برائے سالکان خاطر آگاه   چو مه پیش ذکا مشعل برما

شراب بیخودی در جام کرده   دوائے درد خاص و عام کرده

کشاده در جهان دکان تلقین   شده سودائی او سود برکین

مبارک پیشوائے خاص و هم عام   زده پے بر پے خیر البشر گام

قلم بر دفتر تقلید رانده   به منبر خطبهٔ توحید خوانده

قدم برخاده معنی کشوده   ره الفقر فخری طے نموده

دو قطب آمد جنوبی و شمالی   یگانه قطب او باشد محالی

زہے نائب رسول الله با فیض   که بخشیده بهمت خلق از فیض

دلش غرق محبت اصل تا فرع   زبانش مجتهد هم مفتی شرع

جهان روشن نموده با تلطف   چراغ خانهٔ اهل تصوف

زمان تا هست زو پر نور بادا   بفرزندان او پر نور بادا

خدایا تا که هست این چرخ اخضر   چراغ دودمانش باد انور

بران درگاه زیب از بندگان باد   چه جائے بندگان بل از سگان باد

طفیل اولیائے دین احمد   الهی بخش عاصی گل محمد

مقبوض ۶۸ بوقت عصر بروز جمعۃ المبارک ۲۲ ذوالحج ۱۳۱۸ھ

سورۃ توبہ میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ

اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیوں نہیں آئی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ چونکہ حرف الف انسان کامل کے بالمقابل ہے پس جس طرح احدیت مطلقہ کے بعد انسانِ کامل تعین اوّل ہے اسی طرح حرف ب تعین اوّل ہے الف کے بعد۔ اور جس طرح ذاتِ حق سبحانہ، مرتبہ احدیت میں بیرنگی اور اطلاق ہے۔ اسی طرح حرف الف میں بھی بے رنگی اور اطلاق محض ہے۔ جس طرح ہستی مطلق نے مرتبۂ احدیت سے تنزل کر کے تعین اوّل یعنی حقیقت انسان کامل میں ظہور فرمایا۔ اسی طرح ذاتِ الف نے مرتبہ اطلاق سے تنزل کر کے صورت حرف ب میں تعین اول اختیار کیا۔ جس طرح باقی اشیا کا ظہور اور آغاز انسان کامل سے ہوا ہے۔ اسی طرح ہر چیز حرف ب سے پیدا ہوئی ہے چونکہ ہر چیز کا آغاز حرف ب ہے۔ اس لئے ہر کام کے شروع میں بسم اللہ جو حرف با سے شروع ہو۔ اور چونکہ قرآن شریف کی ہر سورت جداگانہ صحیفہ ہے۔ اس لیے ہر سورت بسم اللہ سے شروع اور نازل ہوئی ہے۔ تاکہ ہدایت یا آغاز حرف با سے ہو۔ لیکن سورت توبہ میں بسم اللہ کی ضرورت نہ تھی اس لیے بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس وجہ سے کہ یہ سورت پہلے ہی سے حرف با سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعض کتب منزلہ بھی حرف با سے شروع ہوئی ہیں۔ چنانچہ مثنوی شریف۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ے

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب [1]

وہ بھی حرف با سے شروع ہوتی ہے ے

بشنو از نے چوں حکایت میکند وز جدائیہا شکایت میکند،

---

[1] نیز فرمایا گیا ہے کہ ے مثنوی معنوی مولوی ۔ ہست قرآن در زبان پہلوی،

مقبوس ۶۹: بوقت ظہر بروز سہ شنبہ ۳ محرم ۱۳۱۸ھ

حضرت اقدس تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ تلاوت سے فارغ ہو کر نماز عصر با جماعت ادا کی۔ اس کے بعد ایک مرید کو خلوت میں بلا کر یہ وظیفہ کاغذ پر لکھ کر عطا فرمایا۔ اللّٰھم الو نی فی منا نی انبیاء ك و اصفائك و اجعل لی من امری فرجا و ار زقنی فی مذہی ما سدل به علی اجابته دعوتی، سات بار سورت والشمس و سورۃ و الیل و سورۃ اخلاص سات سات بار اور آیات نور یعنی اللہ نور السموات والارض الی آخرہ اکیس بار۔

مقبوس ۷۰: بوقت عصر بروز یکشنبہ ۲۹ محرم ۱۳۱۹ھ

ایک شیعہ امام کا اعتراف حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی باہمی محبت کے متعلق

حضور اقدس کتاب تحفہ عشریہ کا مطالعہ کر رہے تھے کتاب میں سے آپ نے یہ عبارت پڑھ کر سنائی "موید باللہ یحییٰ بن حمزہ زیدی جن کا شمار اکابر شیعہ میں ہوتا ہے۔ اپنی کتاب اطواق الحمامہ فی مباحث الامامہ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میرا گذر ایک قوم پر ہوا جو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کی شکایت کر رہے تھے۔ میں نے جا کر حضرت علیؓ کو اطلاع دی اور عرض کیا ان لوگوں کا خیال ہے کہ آپ چھپا رہے ہیں۔ جو کچھ یہ لوگ برملا کہتے ان لوگوں کو ہرگز یہ کہنے کی جرأت نہیں ہو سکتی ان لوگوں کا سرغنہ عبداللہ بن سبا ہے اور پہلے اس نے یہ بات ظاہر کی ہے۔

حضرت علیؓ کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی عظمت

یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا

پناہ بخدا تعالیٰ رحمت کرے خدا تعالیٰ ان دونوں پر یہ کہہ کر آپ اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد

میں داخل ہوئے۔ اور ممبر پر چڑھ کر آپ نے اپنی ریش مبارک کو ہاتھ میں لیا۔ جو سفید تھی اور اس قدر روئے کہ آنسو ریش مبارک پر گر رہے تھے اس اثنا میں بے شمار لوگ جمع ہو چکے تھے آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بھائیوں کی۔ دو وزیروں اور دو رفیقوں اور قوم قریش کے دو سرداروں اور مسلمانوں کے دو باپوں کی مذمت کرتے ہیں جو کچھ وہ لوگ کہتے ہیں اس سے بیزار ہوں اور اس پر ان لوگوں کو سزا دوں گا اور تعزیر لگاؤں گا ان دونوں حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کی ہے۔ اور وفاداری کی ہے۔ اور ہمیشہ احکام خداوندی کی نشر و اشاعت میں انہوں نے بے حد جد و جہد کی ہے۔ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بہت کوشش کی ہے انہوں نے لوگوں کے مسائل اور مقدمات کے حل کئے اور جو لوگ سزا کے مستحق تھے ان کو سزائیں دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دو حضرات کی رائے سے کسی کی رائے کو زیادہ بہتر نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان دونوں سے زیادہ کسی کو دوست نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو ان دونوں صاحبان سے راضی تھے۔ اور باقی مسلمان بھی راضی اور خوش تھے۔ ان دونوں حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا۔ پس ان دونوں کا اسی حالت میں وصال ہوا۔ خدائے تعالیٰ ان دونوں پر رحمت کرے۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جو دانے کو اگانے والا اور جانوں کو پیدا کرنے والا ہے جو شخص ان دونوں حضرات کو دوست رکھتا ہے۔ وہ بلند درجہ رکھنے والا مومن ہے اور جو شخص ان کو دشمن سمجھتا ہے یا ان سے نفرت کرتا ہے وہ بدنصیب ہے اور دین سے خارج ہے اور جو شخص ان کی برائی کرتا ہے۔ خدا اس پر لعنت کرے۔ اور تم انشاء اللہ تعالےٰ ان لوگوں کا حشر دیکھ لوگے حضرت علی رضؓ نے عبداللہ بن سبا کو ملک بدر کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے عبداللہ بن سبا کو بلوایا اور اس کو ملک بدر کر کے مدائن کی طرف نکال دیا اور فرمایا یہ سبا میرے ساتھ ایک ہی شہر میں ہرگز نہیں رہے گا۔

ملفوظ ۱ ۔ بوقت عصر یکشنبہ ۲۱ صفر ۱۳۱۹ھ

عمل برائے دفع مرض مویشی

ایک شخص نے عرض کیا کہ قبلہ مال مویشی اور آدمیوں میں بیماری پھیل جاتی ہے تو لوگ مجھے دفعیہ مرض کے لیے کچھ پڑھنے اور دم کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن مجھے کچھ نہیں آتا۔ مہربانی کرکے مجھے کچھ بتائیں آپ نے فرمایا کہ سورت فاتحہ مع بسم اللہ سات بار اور سلسلہ خواجگان ایک بار پڑھ کر دم کیا کرو اور شہادت کی انگلی کو اٹھا کر مویشی کے گرد گھما کر محاصرہ کر لیا کرو۔ اور اس حالت میں کلام مذکور پڑھتے رہو۔ اور دم کرتے رہو۔ اس کے بعد اسی آدمی نے عرض کیا کہ حضور میرا ایک رشتہ دار عرصہ سے تپ میں مبتلا ہے۔ اس کے لیے کوئی تعویذ مرحمت فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ تعویذ سے بھی بہتر یہ ہے کہ صبح کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک سو بار پڑھ کر ایک دو گھونٹ پانی پر دم کر کے نہار منہ اس کو پلا دیا کرو۔ لیکن وضو کامل کے پڑھا کرو۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموش ہو کر حضرت اقدس نے یہ شعر پڑھا۔

موسیا آداب داناں دیگر اند ۔۔۔ سوختہ جان و رواناں دیگر اند

(اے موسٰے آداب خداوندی جاننے والے اور ہوتے ہیں۔ سوختہ جان اور سوختہ ارواح اور ہوتے ہیں)

ملفوظ ۲ ۔ بوقت عصر روز چہار شنبہ ۲۴ صفر ۱۳۱۹ھ

ادراک بسیط و ادراک مرکب

حضرت اقدس نے فرمایا کہ اسیری کی یہ غزل حاصل ہوئی ہے۔

قطرہ ایست ز دریائے ذات ما ۔۔۔ افہام قاصر اند ز کنہ صفات ما

از غیر من جو نام و نشان نیست در جہان ۔۔۔ اسم و صفات ما شد مجلائے ذات ما

بے خواست روبروئے من آورد بت پرست   ہر گہ کہ کرد سجدہ بہ لات و منات ما۔

(۱) عقل بشر بحر ذات حق میں سے ایک قطرہ ہے۔ قطرہ کس طرح اس کی ذات سے کہ اس کو سمجھ سکتا ہے۔

(۲) غیر اللہ کا نام و نشان ہی نہیں۔ جو کچھ موجود ہے سب اسی صفات کا مظہر ہے۔

(۳) جب غیر کا وجود ہی نہیں تو لات و منات کا پرستار نادانستہ طور پر حق تعالیٰ ہی کا ساجد ہے)

حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس شعر کے معنی یہ ہیں۔

ولے کو عشق خوبان دلبر است   اگر داند و گر نہ عاشق است

(جو شخص بھی عاشق مجاز ہے خواہ وہ جانے یا نہ جانے، مانے یا نہ مانے وہ عاشق حق ہے) لیکن یہ بات کسی سمجھ میں نہ آئی۔ آخر آپ نے خود فرمایا کہ بت پرست جو لات و منات کو بخواست یعنی دانستہ سجدہ کرتا ہے۔ وہ ہمیں بے خواست یعنی نادانستہ سجدہ کرتا ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی الم تر ان اللہ سجد ہ لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والشجر والدواب (کیا تو نہیں دیکھتا کہ سجدہ کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت چوپائے) اس کے بعد فرمایا کہ بخواست نادانستہ ادراک بسیط ہے اور باخواست دانستہ ادراک مرکب ہے اور تمنائے ایمان و کفر اور مدار ثواب و عذاب بھی یہی ادراک مرکب ہے۔ اس وجہ سے کہ ادراک بسیط کے اعتبار سے ہر چیز فرمانبردار ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔ سبحان من اطاع العاصی بعصیانہ و ذکر الناسی بنسیانہ [۱] (پاک ہے وہ ذات جس کی اطاعت

---

[۱] حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم ایک دعا ہے راہ ہدایت کی یہی کافی تھی۔ اس کے فوراً بعد صراط الذین انعمت علیھم آنے کی وجہ یہ ہے کہ ویسے ہر شخص اور ہر چیز صراط مستقیم پر ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے مشیت ایزدی سے جو کام جس چیز کے ذمہ لگایا ہے وہ پابندی سے انجام دے رہی ہے۔ صراط الذین انعمت علیھم دعام خاص ہے اس نعمت اسکے لئے جو انبیاؑ و اولیا کو نصیب ہوئی ہے۔

کرتا گنہگار اپنے گناہ سے اور جس کا ذکر کرتا ہے غافل اپنی غفلت سے) اس کے بعد فرمایا کہ اسیری کی تمام غزلیں آسان ہیں مشکل نہیں - البتہ یہ اشعار دریافت طلب ہیں :

عالم نہ بلندی و نہ پستی دارد ۔۔۔ دل ایں ہمہ مخموری و مستی دارد

از دیر و حرم مقصد دل عشق خود است ۔۔۔ ایں آئینہ سخت خود پرستی دارد

(۱) کائنات میں نہ بلندی ہے نہ پستی ہے۔ یعنی نہ آسمان ہے نہ زمین یہ سب تعینات انسان نے اپنے وہم و مستی کی وجہ سے بنا رکھے ہیں ۔

(۲) دیر و حرم میں کافر اور مومن جس کی پرستش کر رہے ہیں۔ سب اپنی پرستش ہے یہ آئینہ (قلب انسان) نہایت خود پرست واقع ہوا ہے)

مولانا رکن الدینؒ کاتب ملفوظات کا عرفان

اس کے بعد حضرت اقدس خاموش ہو گئے۔ اس مجمل بیان کے بعد مولوی رکن الدینؒ کاتب ملفوظات نے یوں شرح بیان کی ہے -

آیۃ مذکور کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (نہیں پیدا کیا ہم نے جن والنس کو سوائے عبادت کے لیے) اس آیت کا بھی وہی مطلب ہے - اور حدیث شریف کل میسر لما خلق له شاھد کا معنی یہ ہے کہ ہر چیز عبادت پر مکلف ہے - اب چونکہ اسما و صفات الٰہیہ مختلف ہیں - عبادات بھی مختلف ہیں اللہ تعالیٰ کے دو اسماء مضل (گمراہ کنندہ) اور ہادی (ہدایت دہندہ) ہیں پس جو چیز مضل کا مظہر ہے وہ بطریق عبادت اطاعت کرتی ہے ، اور جو چیز اسم ہادی کا مظہر ہے - وہ بطریق ضلالت (گمراہی) اس کی اطاعت کرتی ہے ؛ آیۃ ومامن دابته فی الارض الا هو آخذ بنا صیتها ان ربي على صراط مستقیم بھی اسی پر ناطق ہے - چونکہ حق تعالیٰ اور عارفانِ حق کے نزدیک ہر چیز زندہ ہے - اس لیے آیۃ مذکور میں ہر چیز کو دابہ کہا گیا ہے - مطلب یہ ہے ہر چیز میں حق سبحانہ ، لبریان ذاتی و صفاتی متصرف ہے خواہ وہ راہ ہدایت پر ہے یا گمراہی پر وہ صراط مستقیم پر ہے - اس سے کہ موجودات میں سے کوئی موجود متحرک نہیں ہوتا سوائے اس اسم الٰہی کے جس کا وہ مربوب ہے یا مظہر ہے اس لئے وہ ہر حال

ہیں صراط مستقیم پر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم (کوئی چیز ایسی نہیں جو تسبیح نہیں بیان کرتی مگر تم اس کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ آیت بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ تم اس کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے کیونکہ تم اس کا نام مخالفت، ان کا گمراہی اور ضلالت رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ عبادت ہے۔

مراتب ادراک

ادراک بسیط و ادراک مرکب کی حقیقت سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ادراک کے تین مراتب ہیں۔ اوّل لا بشرط شیٔ دوم بشرط لا شیٔ، سوم بشرط شیٔ۔ پس پہلا مطلق ادراک ہے۔ دوسرا ادراک ساذج ہے۔ جسے ادراک بسیط بھی کہتے ہیں۔ تیسرا ادراک مقید ہے۔ جسے ادراک مرکب بھی کہتے ہیں۔

ادراک بسیط

ادراک بسیط سے مراد وہ تصور حق ہے کہ جس کا شعور مدرک کو نہیں ہوتا اور ذہول اور بے شعوری ہوتی ہے۔ یہ ادراک ہر چیز اور ہر شخص کو حاصل ہے۔ جس چیز کو دیکھتا ہے۔ اس میں حق تعالےٰ کو دیکھتا ہے لیکن اس بات کا اسے شعور نہیں ہوتا کہ حق کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ غایت ظہور یا شدت ظہور جس کے ساتھ ذات حق ہر آن و ہر لحظہ مشہور ہے اس کا ادراک نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسی ادراک بسیط کے لحاظ سے ہر چیز واصل باللہ اور مطیع و فرمانبردار حق ہے۔ اور اضطراری، جبری اور بے اختیاری طور پر حق تعالیٰ کی عبادت میں ہے۔ یسبح للہ ما فی السموات سے یہی عبادت مراد ہے۔ اور سبحان من اطاع العاصی بعصیانہ و ذکرہ الناسی بنسیانہ سے یہی اطاعت اضطراری مراد ہے۔

ادراک مرکب

ادراک مرکب سے مراد ذاتِ حق کا وہ ادراک ہے کہ جس کا علم مدرک کو ہو۔ اس قسم کا ادراک ہر چیز اور ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض کو میسر ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو ادراک مرکب حاصل ہے۔ وہ عارف باللہ ہے۔ خواہ وہ واصل باللہ بھی نہ ہو۔ اس وجہ سے کہ ادراک مرکب عرفان ہے اور محل صواب وخطا اور مدار ایمان و کفر اور دنیا و ثواب و عذاب یہی ادراک مرکب ہے۔ اور احکام شریعت کی بنیاد بھی ادراک مرکب ہے۔ اولیاء کرام کا فرق اور تفاضل مراتب اسی ادراک مرکب کی کمی و بیشی پر منحصر ہے جس شخص کو یہ ادراک زیادہ حاصل ہے عرفان میں اس کا مرتبہ زیادہ بلند ہوتا ہے۔

پہلے شعر کے معنی

مذکور بالا شرح کے بعد اس شعر سے

عالم نہ بلندی و نہ پستی دارد   دل این ہمہ مخموری و مستی دارد

کے معنی یہ ہوئے کہ کائنات میں درحقیقت نہ بلندی ہے نہ پستی ہے یہ جو آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی یا دیگر نشیب و فراز نظر آتا ہے۔ یہ اضافی اور اعتباری ہے۔ حقیقی نہیں یہ اس وجہ سے نظر آتا ہے کہ دیکھنے والا اپنے وہم و گمان میں مبتلا ہے اور اسی محویت اور مخموری میں اسی طرح دیکھتا ہے۔ جیسے کہ ایک دیوانہ آدمی ہر چیز کو اپنی دیوانگی کی نظر سے غلط دیکھتا ہے۔ نقل ہے کہ ایک دیوانے کو یہ خیال ہو گیا کہ میں گائے ہوں اور لوگوں سے کہتا تھا کہ میں گائے ہوں مجھے ذبح کرو۔ اسے ایک حکیم کے پاس لے گئے اس نے کہا ہاں یہ گائے ہے اسے ذبح کرو۔ جب اسے زمین پر لٹایا گیا اور چھری اس کے گلے پر رکھی گئی تو حکیم نے کہا کہ اسے چھوڑ دو یہ گائے دبلی ہے۔ اسے کچھ کھلاؤ تاکہ موٹی ہو جائے۔ پھر ذبح کریں گے۔ یہ دیکھ کر دیوانے نے کہا اچھا لاؤ مجھے کچھ کھلاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اسے مقوی غذا اور ادویات کھلانا شروع کیا جس سے وہ اچھا ہو گیا۔ یہ اس کا وہم تھا۔ کہ خود کو گائے تصور کر رہا تھا۔ پس بلندی و پستی، خیر و شر، نفع و نقصان، دوستی و دشمنی وغیرہ جو کچھ دنیا میں ہے انسان کے وہم کی پیداوار ہے درحقیقت نہ کوئی چیز نفع بخش ہے۔ نہ نقصان دہ۔ شیخ عراقی نے فرمایا ہے کہ حقیقت مانند کرہ (گول چیز) ہے۔ جہاں انگلی رکھو وہی اس کا وسط ہے۔ ایک گول گیند میں نہ بلندی ہے نہ پستی ہے بلکہ تمام جگہ ہموار ہے۔

دوسرے شعر کے معنی

دوسرے شعر یعنی سے

بے خواست رو بروئے من آورد بت پرست   ہر گہ کہ کرد سجدہ بہ لات و منات ما

کے معنی یہ ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص بت لات و منات کو جو میرے مظاہر ہیں۔ بخواست یعنی دانستہ طور پر سجدہ کرتا ہے۔ یعنی ادراک مرکب سے سجدہ کرتا ہے۔ یہ بتوں کے آگے تقاضائے ذاتی سے سجدہ کرنا دراصل میرے آگے سجدہ کرنا ہے۔ نہ دانستہ

طور پہ یا ادراک بسیط کے اعتبار سے کافر اپنے کفر سے عابد ہے، اور مومن اپنے ایمان سے ساجد ہے۔ یہ دونوں ذاتی تقاضات ہیں۔ حضرت قبلہ فخر الاولیاء کا یہ شعر بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔ ؎

روبمن کافر آورد و مومن | کعبہ و دیر سومنات فم

(خواہ کافر ہو یا مومن، خواہ وہ کعبہ کے آگے سر بسجود ہے یا بت کے سامنے وہ میرا ہی عابد ہے ۱؎)

مقبوس ۷۳ : بوقت عصر بروز پنجشنبہ ۲۵ صفر ۱۳۱۹ھ

حضرت خواجہ مودود چشتیؒ اور شیخ احمد جامؒ کی ملاقات

حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب شیخ احمد جام زندہ پیل جن کا شمار اولیائے کرام اور مقتدائے روزگار میں ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ ابو یوسفؒ کے وصال کی خبر سن کر حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس سرہ سے ملاقات کی خاطر چشت کی طرف روانہ ہوئے تو مخالفین نے حضرت خواجہ مودودؒ کے کان میں یہ بات ڈالی کہ خواجہ احمد جام آپ کی ولایت سلب کرنے کی خاطر آرہے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت خواجہ مودود چشتی نے مراقبہ کیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ یہ بات غلط ہے۔ شیخ احمد جام خلوص نیت اور محبت کی خاطر ملاقات کی خاطر آرہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ مودود چشتیؒ دیوار پر سوار

۱؎ یہ ادراک بسیط کی رو سے ہے۔ لیکن ادراک مرکب یعنی احکام شریعت کی رو سے کافر کافر ہے اور مومن مومن ہے کافر دوزخ کا مستحق ہے اور مومن جنت کا لیکن دوزخ کیلئے۔ جلال دوست اور جنت جمال دوست ہے دونوں ذات حق کی شانیں ہیں۔ کافر جلال کا مستحق ہے۔ مومن جمال کا۔ عرفا کا قول ہے کہ دونوں مزے اڑائیں گے۔ لیکن دونوں کے مزوں میں فرق ہوگا۔ جو فرق جمال و جلال میں ہے۔ تعلق باللہ دونوں کو حاصل ہے۔ صرف نوعیت تعلق میں فرق ہے۔

ہو کر اس شان سے ان کے استقبال کے لئے نکلے کہ چار ہزار اولیاء کبار اور خلفائے نامدار آپ کے ہمراہ تھے۔ ادھر شیخ احمد جام شیر پر سوار ہو کر آ رہے تھے۔ دریائے توفک کے کنارے دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی۔ اور دونوں اپنی سواری سے اتر کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ اور کافی دیر تک بیٹھ کر گفتگو کرتے رہے اس کے بعد خواجہ علی حکیم جو حضرت خواجہ مودود چشتی قدس سرہٗ کے معتقد تھے کے مکان پر تین دن تک مجلس سماع میں مشغول رہے۔ اور دونوں پر وجد و تواجد کی حالت رہی۔ اس کیف و مستی کو غنیمت جان کر ان کے مخالفین نے چاہا کہ شیخ احمد جام کا کام تمام کر دیں۔ لیکن حضرت خواجہ مودود چشتی رح نے ان کے دل کی بات معلوم کر کے ان پر ایسی نگاہ قہر آلود ڈالی کہ بیہوش ہو کر گر گئے۔ مجلس سماع سے فراغت کے بعد شیخ احمد جام رح نے بے ہوشوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے حقیقت حال سے ان کو آگاہ فرمایا۔ شیخ احمد جام نے ان سے درگذر فرمایا اور شفقت سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا تو وہ ہوش میں آ کر اٹھ بیٹھے اور دونوں بزرگوں کے پاؤں پر گر گئے اس کے بعد دونوں بزرگ خلوت میں چلے گئے۔ اور ایک دوسرے سے فیضان صحبت کر کے رخصت ہوئے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولانا جامی رح نے نفحات الانس میں یہ واقع اور طرح سے بیان کیا ہے۔ نیز فرمایا کہ حضرت خواجہ مودود چشتی بڑے بزرگ ہیں۔ یہ آپ کا زور ولایت ہے کہ جس سے سلسلہ چشتیہ میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ کے دس ہزار خلفائے تھے۔ جن کی بدولت دنیا کے مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں سلسلہ چشتیہ پھیلا ہے۔ سخی سرورؒ[1] بھی آپ کے فیض یافتہ ہیں۔ چونکہ سلسلۂ چشتیہ میں سماع بہت محبوب ہے حضرت سخی سرور کے مزار پر ہر وقت ڈھول بجتے رہتے ہیں فرمایا کہ ہندوستان اور پنجاب بھر میں حضرت خواجہ مودود چشتی کے خلفاء موجود ہیں اس زمانے میں قصبۂ قصور مشائخ چشتیہ سے پر تھا۔ دتوزائی، عزیز زائی اور ملک زائی میں مشائخ مودودیہ کثرت سے تھے۔ اگرچہ دتوزائی زیادہ تر ہندوستان میں تھے۔ لیکن ان کے خلفاء قصور میں

---

[1] حضرت شیخ سخی سرورؒ کا مزار ڈیرہ غازیخاں کے مغرب میں کوہ سلیمان کے دامن میں ہے

بھی تھے۔

مقبوس ۲۴۔ بوقت عصر بروز شنبہ ۲۷ صفر ۱۳۱۹ھ

حضرت قاضی نور محمد صاحب

سردار قیصر خان مگسی ساکن جھل نے جو حضرت اقدس کے مریدان خاص اور زربیت یافتگان میں سے تھے۔ عرض کیا کہ حضورؒ چونکہ کوٹ مٹھن شریف علاقہ بلوچستان میں ہے اور بلوچ قومیں ہمیشہ آپس میں برسرپیکار رہتی ہیں۔ حضرت سلطان الاولیاء کس طرح ان جنگجو قوموں کے درمیان رہتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان الاولیاء کے بڑے بھائی قاضی میاں نور محمد صاحب حاکم وقت تھے۔ وہ ان لوگوں کے شر و فساد کو دباتے رہتے تھے۔ قیصر خاں صاحب نے عرض کیا کہ قبلہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ قاضی صاحب ظاہری حکومت کے علاوہ صاحب فقر و ولایت بھی تھے چنانچہ نواب صاحب نے اسمار الابرار میں اگرچہ حضرت قبلہ عالم مہاروی کے تمام خلفاء کے حالات لکھے ہیں۔ قاضی نور محمد صاحب کے متعلق بہت زیادہ لکھا ہے۔

قید خانہ میں شیخ کے تصور سے بیڑیوں کا ٹوٹ جانا

حضرت اقدس نے فرمایا ہاں معلوم ہوتا ہے کہ آپ درویش بھی تھے۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ علاقہ ڈیرہ غازیخاں داجل۔ ہڑنڈ کوٹ مٹھن شریف صوبہ حیدر آباد سندھ میں شامل تھے۔ اور میاں غلام علی شاہ سیدلی کلہوڑہ حیدر آباد سندھ کا بادشاہ اور حضرت قاضی نور محمد صاحب اس کی طرف سے اس علاقے کے حاکم وقت تھے۔ تو ان کے کسی وجہ سے قید کر کے بادشاہ نے حیدر آباد کے قید خانے میں بھیج دیا تھا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ قید خانہ میں جب میں اپنے شیخ حضرت قبلہ عالمؒ کا مراقب ہو کر تصور کرتا تھا۔ تو میری بیڑیاں اور زنجیر ٹوٹ کر گر پڑتے تھے اور سپاہیوں سے کہتا تھا کہ آؤ میری بیڑیاں گر گئی ہیں۔ ٹھیک کر دو۔ جب وہ بیڑیاں لگا کر چلے جاتے تھے۔ تو اور مراقبہ کر کے تصور شیخ کرتا تھا۔ تو بیڑیاں پھر ٹوٹ جاتی تھیں۔ اور

میں سپاہیوں کو کہہ کر ٹھیک کراتا تھا جب کئی بار یہی واقعہ ہوا تو انہوں نے غلام علی شاہ
کے پاس جاکر ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا ان کا خاندان فقیرانہ ہے اور عملیات میں کامل ہے۔ ان کو
مچھلی پیاز۔ اور لہسن کھلاؤ تاکہ اس سے ان کے عملیات کا اثر زائل ہو جائے۔ جب وہ یہ
چیزیں میرے پاس لائے تو میں نے کہا لاؤ یہ چیزیں مجھے بہت پسند ہیں۔ چنانچہ انہوں نے
کئی روز مجھے یہ چیزیں کھلائیں۔ لیکن وہ زنجیر اس طرح ٹوٹتے رہے اور کوئی فرق واقع نہ ہوا۔
اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ قیدخانہ میں میں نے یہ بھی مراقبہ میں دیکھا کہ میرے سامنے
چار شخص ظاہر ہوئے۔ تین سفید ریش تھے۔ اور ایک نوجوان تھا۔ اور ان تین بزرگوں نے
نوجوان سے کہا کہ غلام علی شاہ نے قاضی صاحب پر بہت ظلم کیا ہے۔ اس کی داڑھی اور
دوسرے سر کے بال مونڈھ کر اس کا منہ کالا کرو اور گدھے پر سوار کر کے لوگوں کو دکھاؤ۔ اس
کے بعد وہ چار بزرگ غائب ہو گئے اور ایک سفید ریش بزرگ ظاہر ہوئے۔ میں نے ان
سے کہا کہ حضرت اس سے پہلے بزرگ آئے تھے۔ اور وہ یہ بات کہہ کر غائب ہو گئے ہیں۔
میں نے نہ ان کو پہچانا اور نہ آپ کو پہچانتا ہوں کہ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں فقیر مخدوم
جہانیاں جہاں گشت ہوں اور ان تین سفید ریش بزرگوں میں سے ایک حضرت شیخ
فریدالدین گنج شکرؒ تھے۔ دوسرے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ تیسرے حضرت مخدوم
شیر شاہ سید جلال اوچیؒ تھے اور وہ نوجوان حضرت لعل شہباز عثمان مروندیؒ تھے۔ کیونکہ یہ ملک
لعل شہبازؒ کے تصرف میں تھا۔ اس لیے ان تینوں بزرگوں نے ان سے کہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ واقعہ بھی حضرت قاضی صاحب کے فقر کا ثبوت ہے کہ خان صاحب
صادق محمد خان عباسی حضرت سلطان اولیاؒ کے مرید تھے اور بے تکلفی کی وجہ سے قاضی نور محمد صاحب
سے کہتے تھے۔ کہ قاضی صاحب آپکا پیٹ دس ماہ حاملہ عورت کی طرح ہے۔ اس وجہ سے
کہ آپ بہت فربہ تھے۔ اور پیٹ بڑا تھا۔ جب حضرت سلطان الاولیاء کو اس بات کا علم
ہوا تو فرمایا کہ نواب صاحب آپ میرے بھائی کے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور وہ خاموش
ہو جاتے ہیں۔ اگر انہوں نے بھی یہی بات کہی تو آپ کا پیٹ بھی اسی قدر بڑا ہو جائے گا۔ اس
کے بعد حضرت سلطان الاولیاء نے فرمایا کہ شیخ حسین ڈڈھہ لاہوریؒ ایک بیوہ عورت کو

نکاح کرنے کی خاطر گھر لائے۔ وہ عورت حاملہ تھی. چنانچہ جو مرد و عورت اسے دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ سب مذاق کے طور پر یہی کہتے تھے۔ کہ عجیب دلہن آئی ہے۔ جو حاملہ بھی ہے۔ شیخ حسین باہر دروازے پر بیٹھے تھے۔ یہ سن کر فرماتے تھے۔ کہ بی بی تجھے بھی حمل ہے۔ یہ کہتے ہی ان طعنہ دینے والی عورتوں کو حمل ہو جاتا تھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک اور واقعہ بھی حضرت قاضی صاحب کی ولایت پر دلالت کرتا ہے وہ یہ کہ حضرت سلطان الاولیاؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر میرے چہرے کے چمڑے سے میرے بھائی کے لیے جوتا تیار کیا جائے تو میرے لیے باعث سعادت ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ قول بھی ان کی ولایت پر دلالت کرتا ہے۔ کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میرا اس طرف آنا قاضی صاحب کی خاطر ہے اور اس علاقے میں جس کسی کو فائدہ پہنچا ہے انہی کی بدولت پہنچا ہے۔ نواب قیصر خاں نے عرض کیا کہ خواہ حضرت صاحب نارووالہ ہوں ان کو بھی قاضی صاحب کی بدولت فائدہ پہنچا ہے۔ اس کے بعد قیصر خاں نے عرض کیا کہ حضرت قبلہ عالم نے یہاں تشریف لا کر حضرت قاضی صاحب کو بیعت کیا تھا۔ فرمایا ہاں مہار شریف سے پاپیادہ چل کر چند درویشوں کے ساتھ بستی یار یوالی میں تشریف لائے۔ جہاں قاضی صاحب گاہے گاہے رہتے تھے۔ اگرچہ مستقل قیام کوٹ شریف میں تھا۔ پھر بھی آپ کبھی کبھی یار یوالی میں رہتے تھے۔ جو آپ کے جد و پدر بزرگوار کا مقام تھا جب حضرت قبلہ عالم نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آئے تھے۔ حضرت قاضی صاحب تخت پوش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک فقیر نے حضرت قبلہ عالم کے کان میں یہ بات کہی کہ اگر یہ موٹا آدمی جو تخت پوش پر بیٹھا ہے۔ رقص کرے تو تماشا لگے گا۔ حضرت قبلہ عالم نے تبسم فرمایا اور قاضی صاحب پر ایسی جادو بھری نگاہ ڈالی کہ جس سے قاضی صاحب پر وجد طاری ہو گیا۔ اور تخت سے گر کر زمین پر لوٹنے لگے۔ جب ہوش میں آئے تو پہچان لیا کہ یہ وہی درویش ہیں جن کو خواب میں دیکھا تھا۔ آپ اسی وقت یار یوالی میں مرید ہو گئے۔

مقبوس ۵۔ بوقت چاشت بروز دوشنبہ ۲۹ صفر ۱۳۱۹ھ

نواب قیصر خان کا عرفان

راقم الحروف اور نواب قیصر خان کے درمیان اس شعر کے معنی پر اختلاف رونما ہوا ہے

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد   گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

سردار قیصر خان اور سردار عبداللہ تیاقی یہ معنی کرتے تھے۔ کہ ہر مرتبہ از وجود (یعنی ہر تعین) حکم وجود (یعنی ذات بحت رکھتا ہے۔ اگر حفظ مراتب وجود جس سے مراد ذات بحت کا پہنچانا ہے نہیں کرتے تو زندیق (بے دین ہو) اور میں کہتا ہوں کہ مراتب وجود میں سے ہر مرتبہ علیحدہ حکم رکھتا ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ میں حضرت وجود واجب ہے۔ اللہ ہے رحمٰن ہے اور معبود ہے۔ اور دوسرے مرتبے میں مربوب ہے۔ مرحوم ہے۔ عابد ہے اگر تو ان مراتب میں کسی مرتبہ کے آداب نہیں بجالاتا تو زندیق ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت واجب، ممکن، اللہ رب، مربوب، مرحوم، معبود، عابد، سب حضرت وجود مطابق ہیں جیسے کہ دریا کے امواج لیکن موج کو دریا نہیں کہا جا سکتا۔ اس وجہ سے مراتب آب میں دریا نام ہے۔ مرتبۂ کل اکا ور موج مرتبہ جزو کا نام۔ اگرچہ امواج و دریا وہی آب مطلق ہیں۔

حقیقتِ وجود

یہ سن کر حضرت اقدس خوش ہوئے اور فرمایا کہ لوائح شریف لاؤ۔ وہاں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ جب کتاب لائی گئی تو آپ نے دیکھ کر یہ عبارت پڑھی۔

لائحہ بیست وسوم۔ حقیقت وجود اگرچہ تمام ذہنی اور خارجی موجودات پر مقول ومحمول ہو سکتی ہے۔ پھر بھی اس کے مراتب میں تفاوت ہے بعض کے اوپر بعض اور ہر مرتبے میں اس کے مخصوص نام۔ صفات، نسب و اعتبارات ہیں جو تمام مراتب میں نہیں جیسے کہ مرتبۂ الوہیت وربوبیت، و مرتبہ عبودیت وخلقیت۔ چنانچہ مراتب الوہیت مثل اللہ، و رحمٰن کا مراتب کونیہ (مخلوق) پر اطلاق عین کفر اور محض زندقہ ہے اسی طرح اسمائے

مخصوصہ کونیہ کا مرتبۂ الٰہیہ پر اطلاق غایت ضلالت ونہایت خذلان (گمراہی) ہے ۔

اے بردہ گمان کہ صاحب تحقیقی ۔۔۔ واندر صفت صدق ویقین صدیقی

ہر مرتبۂ از وجود حکمے دارد ۔۔۔ گر حفظ مراتب نکنی زندیقی!

(تجھے اپنے متعلق گمان ہے کہ میں صاحب تحقیق ہوں اور صفت صدق ویقین میں صدیق ہوں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مراتب وجود (تعینات) میں سے ہر مرتبہ ہر تعین کے جداگانہ آداب ہیں اگر تو وہ آداب نہیں بجالاتا تو بے دین ہے مطلب یہ کہ اگرچہ کائنات کی کوئی چیز ذات حق سے باہر نہیں لیکن ہر چیز اپنے اپنے مقام پر علیحدہ حیثیت رکھتی ہے۔ انسان انسان ہے اور اللہ اللہ ہے نہ انسان خدا بن سکتا ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر حضرت محی الدین عربی نے فرمایا ہے۔ (العبد عبد وان تعرّج۔ والربّ ربّ وان تنزّل عبد عبد ہے۔ خواہ وہ کتنا عروج کرے۔ اور رب رب ہے خواہ وہ کتنا نزول فرمائے)

اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ وجود (مطلق) ہر چیز پر خواہ خارجی ہو یا ذہنی محمول ہوتا ہے لیکن شرط ادب ہے ۔ وہ اسم جو مرتبۂ الٰہیہ کے ساتھ مخصوص ہے ۔ مرتبہ کونیہ پر یا بالعکس محمول نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ زندقہ ہے اور رباعی کے آخری مصرعہ میں بھی لفظ زندیق استعمال کیا گیا ہے۔ اور زندقہ کفر سے کمتر ہے فرمایا کہ ادب کو بہت دخل ہے۔ فرمایا کہ نفس اور رب میں فرق نہایت مشکل ہے۔ اس میں بعض کاملین کو دھوکا لگا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ عصیتک بعصیت اللہ۔

نفسانیت کا امتحان

قیصر خان نے کہا کہ سارا دارومدار پختگی خیال پر ہے ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بے شک جب وحدت وجود کا خیال استوار اور مستحکم ہو جاتا ہے تو توحید اس کی صفت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ مینار پر چڑھ کر نعرہ بھی مارے تو جائز ہے۔ مگر یہ نہیں کرنا چاہیئے کہ فی الحقیقت نفسانیت[۱] سے پُر ہے۔ اور جو شخص اس کو جوتا مارے تو اس سے انتقام کے درپے ہو جائے

---

[۱] نفسانیت کو مارنے اور نفس کشی کرنے کے لیے اولیاء کرام اور مشائخ عظام نے جو سلوک (بقیہ دوسری طرف)

اور کمال غیض و غضب میں آجائے اور اپنی نفسانیت چھپانے کے لیے یہ کہے کہ اس جگہ اسی غیض و غضب وظہور ہوا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مشائخ عظام اپنے مرین کا امتحان لینے کی خاطر ان کو گالی دلواتے ہیں۔ زدوکوب کراتے ہیں۔ پتھر مرواتے ہیں تاکہ دیکھیں مرید کیا کرتے ہیں۔ اور کیا کہتا ہے۔ فرمایا پختگی خیال مشکل کام ہے اور اس کا مدار دل پر ہے۔ چنانچہ یہ مشہور واقعہ ہے کہ کبھی کبھی حضرت مولوی سلطان محمود صاحب (خان بیلوی) حالت سماع میں یا عام ملاقات کے وقت حضور حضرت سلطان الاولیاء کے قدموں پر گر کر سجدہ کرتے تھے اور حضرت اقدس کچھ نہ فرماتے تھے۔ لیکن جب مولوی گل محمد صاحب احمد پوری آپ کے قدموں پر گرتے یا سجدہ کرتے تھے تو آپ جھک کر ان کی پیشانی کے نیچے ہاتھ رکھ لیتے تھے اور نیچے نہیں گرنے دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر لوگ خیال کرتے تھے کہ حضرت اقدس مولوی گل محمد صاحب پر زیادہ لطف و شفقت فرماتے ہیں حالانکہ زیادہ شفقت مولوی سلطان محمود صاحب پر فرماتے تھے۔ آپ ان کو نہیں روکتے تھے۔ بلکہ سیدھے کھڑے رہتے تھے لیکن مولوی گل محمد صاحب کا حال اس کے برعکس تھا۔ اس لیے حضرت خواجہ صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ شیخ استاد ہوتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) الی اللہ کا ضابطہ مقرر کیا ہے وہ پورا کیے بغیر ہرگز نہ خیال پختہ ہوتا ہے نہ کثافت نفس اسے بلند مقامات پر پرواز کرنے دیتی ہے۔ آج کل کے صوفیوں میں یہی بات دیکھنے میں آئی ہے کہ عبادت، ریاضات اور مجاہدات جس سے نفس کشی مطلوب ہے۔ چھوڑ کر تن آسانی اختیار کرتے ہیں اور یہی سمجھتے ہیں کہ فقط خیال سے کام بن جاتا ہے وہ یہ نہیں جانتے یا جانتے ہیں لیکن کام چوری اور نفسانیت کے غلبہ میں اگر عمداً یہ چیز بھول جاتے ہیں کہ فنائے نفس یعنی خصائل رذیلہ سے نجات حاصل کیے بغیر عالم قدس میں پرواز اور ذات حق میں فنا ناممکن ہے اور جب تک غلبہ نفس موجود ہے وحدت وجود کا خیال ہرگز ہرگز پختہ نہیں ہو سکتا پختہ تو بجائے خود پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ سلوک الی اللہ کی بنیاد صوم و صلوٰۃ اور احکام شریعت کی پابندی ہے لیکن یہ حضرات صوم و صلوٰۃ تو پہلے دن بند کر دیتے ہیں اس خیال سے کہ جب خود عابد و معبود ہے تو نماز کس کی اور کہاں کا روزہ یہ زندقہ ہے اور کفر سے کم نہیں۔

اس کے بعد فرمایا میاں حسین علی شاہ احمد پوری نے عرض کیا کہ حضور یہ کیا حال ہے کہ جب بدن اور لباس پاک ہوتا ہے اور عبادت کی طرف رجوع ہوتا ہے تو معاملہ نظر آتا ہے لیکن ناپاکی بدن و لباس اور ترک عبادت اور خیالات باطل کے وقت غلبۂ توحید اور ذوق و رجوع زیادہ ہوتا ہے[1] حضرت اقدس نے فرمایا یہ حالت نیک و بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا کہ وہ تو نجاست کی حالت ہوتی ہے۔ فرمایا باطن ناپاک نہیں ہے۔ چنانچہ جس جگہ اور جس حالت میں حق ظاہر ہو یہ اس کی شان ہے۔

آداب سماع

اس کے بعد فرمایا آداب سماع پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا آج کل آداب سماع ہر جا متروک ہو چکے ہیں۔ لیکن یہاں کوٹ مٹھن شریف میں اسی طرح باقی ہیں۔ فرمایا اجمیر شریف میں مجلس سماع میں چائے نوشی ہوتی ہے[2]۔ اس

---

[1] مشائخ عظام نے دو وجوہات بھی بتائی ہیں ایک یہ کہ بعض اوقات شیطان دھوکہ دیتا ہے کہ پاکی کے وقت توحید کا خیال نہیں آنے دیتا اور ناپاکی کے وقت مزاحمت نہیں کرتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بھی آزمائش ہوتی ہے چنانچہ بعض لوگ مشائخ کیا تھ بات کرتے ہیں جب ہم صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتے ہیں تو کاروبار میں نقصان ہوتا ہے اور پابندی نہیں کرتے تو ہوتی ہے یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے کہ دیکھیں میرا بندہ مال و دولت کی خاطر مجھے ترک کرتا ہے یا میری خاطر مال و دولت ترک کرتا ہے ناپاکی کے وقت انوار کے وارد ہونے کی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ بعض اوقات دوسرے عوامل شامل ہو جاتے ہیں مثلاً انسان کا اس وقت پیٹ خالی ہوتا ہے جس سے اکثر انوار و برکات زیادہ وارد ہوتے ہیں۔ یا اس وقت غلبہ عشق و محبت زیادہ ہے۔ جس سے انوار توحید زیادہ نازل ہوتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ انسان کو اپنا طبیب آپ ہونا چاہیئے۔ اور اپنی حالت کی اچھی طرح تشخیص کرنی چاہیئے اور شریعت کی کسوٹی کو ہرگز ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے کیونکہ اس سے بہتر ذریعہ اور معیار تمیز حق و باطل کا اور کوئی نہیں۔

[2] اجمیر شریف میں اکثر اوقات چائے نوشی وقفے کے دوران ہوتی ہے۔ چونکہ ساری رات سماع جاری رہتا ہے۔ تھکان دور کرنے کے لیے درمیان میں سماع ترک کر کے چائے نوشی کی جاتی ہے۔

کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت سلطان الاولیاءؒ حضرت شیخ الشیوخ خواجہ گنج شکرؒ کے عرس پر پاک پتن شریف گئے ہوئے تھے۔ چونکہ وہاں آداب سماع ملحوظ نہ تھے اور عورتیں اور بچے اور ہندو وغیرہ بھی مجلس میں شامل ہوتے تھے۔ اس لئے حضرت شیخ مولوی گل محمد صاحب احمد پوری سے فرماتے تھے کہ یہاں آداب سماع متروک ہیں۔ مجلس سماع میں داخل نہ ہونا۔ ایک دفعہ مجلس قائم ہوئی تو دیوان صاحب نے ہر شخص کے پاس آدمی بھیجے کہ سماع میں شرکت کریں۔ مولوی گل محمد صاحب کے پاس آدمی بھیجا لیکن انہوں نے معذرت کی اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ دیوان صاحب نے حضرت سلطان الاولیاء سے کہا کہ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ مولوی گل محمد مجلس میں شریک نہیں ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عالم ہیں چونکہ یہاں محفل سماع متروک ہیں اس وجہ سے وہ حاضر نہیں ہوئے اس کے بعد فرمایا کہ جب تک ہم بالغ نہیں ہوئے تھے ہمیں مجلس سماع میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت قطب المدصدین نے عرض کیا کہ قبلہ جب تک میں چھوٹا تھا مجلس خانہ کے سوراخوں سے دیکھتا تھا ڈر کے مارے دیکھ کر بھاگ جاتا تھا۔ بالغ ہونے کے بعد مجلس میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔

آداب سماع کے خلاف عمل کی سزا

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولوی محمد عالم احسان پوری کا ایک لڑکا تھا جو انہیں بہت پیارا تھا اور ہر وقت ساتھ رکھتے تھے ایک دن مجلس سماع منعقد ہوئی انہوں نے حضرت قبلہ محبوب الٰہیؒ سے عرض کیا کہ میرے بیٹے کو اندر آجانے کی اجازت دے دی جاوے آپ نے فرمایا کہ یہ ابھی چھوٹا ہے نابالغ بچوں کا محفل سماع میں داخل ہونا جائز نہیں۔ لیکن جب انہوں نے بہت منت سماجت کی تو آپ نے طوعاً و کرہاً اجازت دے دی جب وہ عرس کے بعد گھر واپس گئے تو بچہ فوت ہو گیا۔ اس پر لوگوں نے ان کو بہت ملامت کی کہ آپ نے حضرت شیخ کا کہنا نہیں مانا اس لیے بچہ فوت ہو گیا۔ یہ واقعہ سارے جہان میں مشہور ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مجلس سماع میں اصل ڈھولک کا بجانا ہے۔ جو صرف کوٹ مٹھن

شریف میں باقی ہے۔ دیگر تمام مقامات پر ڈھولک کی جگہ طبلہ، تنبورا اور سارنگی نے جگہ لے لی ہے۔ کوٹ مٹھن شریف میں بعض لوگ دیگر آلات سماع لے آتے ہیں اور بجاتے بھی ہیں لیکن یہ عام دستور نہیں ہے۔ عام دستور ڈھولک کا ہے۔

مشائخ اور نسوار سونگھنا

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی بادشاہ حضرت سلطان الاؤلیاء حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ حضرت محبوب الٰہیؒ اور حضرت فخر الاؤلیاءؒ تمام حضرات نسوار استعمال کرتے تھے۔ لیکن مجلس سماع میں صرف دو حضرات نسوار استعمال کرتے تھے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور حضرت فخر الاولیاءؒ یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت تونسویؒ پر وجد طاری ہوتا تھا تو نسوار بہت کھینچتے تھے اس کے بعد فرمایا کہ دو تین بار یہ اتفاق بھی ہوا کہ مجلس میں حضرت فخر الاولیاءؒ نے پانی نوش فرمایا لیکن مجلس سے باہر جا کر پانی پیا اور پھر مجلس میں شامل ہوئے۔

مقبوس - بوقت عصر بروز دو شنبہ ۴ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ

مجاہدہ نفس

حضرت اقدس نے فرمایا کہ سلسلۂ سہیلیہ میں تمام منتہیان گوشت نہیں کھاتے۔ دوسرے سلاسل کے لوگ اگر گوشت ترک نہیں کرتے۔ تاہم بہت مشائخ نے اپنے لیے گوشت ترک کیا ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ مولانا محب النبی فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ نے ساری عمر اپنے لیے کوئی جانور ذبح نہیں کیا تھا۔ اگرچہ بیماری کی حالت میں طبیب نے کہا تھا۔ چوزۂ مرغ کا گوشت کھانا چاہیئے لیکن آپ نے فرمایا ہرگز نہیں اگر بازار سے مل جائے تو درست ہے ورنہ ہرگز نہیں کھاؤں گا۔

حضرت ابوبکر واسطی اور حضرت سہل تستری کا مجاہدہ

اس کے بعد فرمایا کہ دو بزرگ ایسے ہوئے ہیں جو پیدائشی روزہ دار تھے اور ساری عمر روزہ دار رہے ایک حضرت ابوبکر واسطیؒ دوسرے حضرت سہل بن عبداللہ تستری تھے۔ حضرت سہلؒ سات سات دن تک صوم وصال رکھتے تھے اور سات

دن کے بعد افطار کرتے تھے۔

حضرت یحیٰ مدنیؒ کا مجاہدہ

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ یحیٰ مدنیؒ کا شمار مشائخ متاخرین میں ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے اس قدر مجاہدہ کیا ہے کہ بندرگاہ سورت سے وضو کر کے جب جہاز میں سوار ہوئے تو وہ دو ماہ سفر کرنے کے بعد جب جدہ پہنچے تو دوسرا وضو کیا۔ اس کے بعد تین سال تک ایک وضو کے ساتھ رہے۔ اور ان تین سالوں میں آپ نے نہ کچھ کھایا نہ پیا (سبحان اللہ سبحان اللہ)

حضرت ابو سعید الخیرؒ کا مجاہدہ

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ ابو سعید الخیر ایک ایسے بزرگ ہیں کہ جن کے متعلق صاحب نفحات الانس نے لکھا ہے کہ آپ کا اسم گرامی فضل اللہ بن ابی الخیر تھا اور آپ اہل طریقت کے اندر سلطان وقت تھے اور تمام مشائخ آپ کے مسخر تھے اور سارے جہاں کا رجوع آپ کی طرف تھا۔ اس وجہ سے کہ آپ امام شریعت، طریقت و حقیقت تھے اور ظاہری طور پر بھی آپ بادشاہوں کی طرح شان و شوکت سے رہتے تھے۔ عمدہ لباس پہنتے تھے اور لنگر میں نہایت عمدہ طعام تیار کرواتے تھے اس لئے آپ ظاہر و باطن کے بادشاہ تھے۔ ایک دن آپ لذیذ کھانے کھا رہے تھے۔ ایک شخص نے یہ دیکھ کر اعتراض کیا کہ یا حضرت صوفی ہو کر آپ اس قدر لذیذ اور مکلف طعام کھاتے ہیں۔ آپ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جب سے میں نے اس درخت کے ساتھ معلق ہو کر قرآن مجید کے اسّی پارے ختم کئے ہیں یہ مکلف کھانے مجھ پر حلال ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ ابو الفضل سرخی (سرخسی) باغ میں تھے۔ آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ دوستوں کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا جاتا ہے کہ بال اور ناخن بڑھ گئے ہیں۔ لیکن ایک پیسہ پاس نہیں ہے کہ حجام کو دے کر حجامت بنواؤں۔ اس وقت ایک اور آدمی بھی باغ میں موجود تھا۔ اس نے دیکھا کہ تمام درختوں کے پتے اور ٹہنیاں زرِ خالص ہو گئی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ نفحات الانس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک لڑکا باغ میں توت کے

پتے جمع کرنے کے لیے پھر رہا تھا کہ شیخ ابوالفضل موجود تھے۔ انہوں نے بارگاہ رب العزت میں مناجات کی کہ یا اللہ آپ نے مجھے ایک روپیہ بھی نہیں دیا کہ بال کٹواؤں، دوستوں کے یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ یہ کہتے ہی تمام درختوں کے پتے اور ٹہنیاں زرِ خالص ہوگئیں۔ یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ عجب حال ہے ہم دل کی بات بھی تجھ سے نہیں کہہ سکتے۔

حضرت خواجہ گنج شکر کا مجاہدہ

اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ قبلہ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ گنج شکرؒ نے بارہ سال کنوئیں میں معلق ہوکر عبادت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ کتابوں میں بارہ سال کا ذکر بھی آیا ہے۔ لیکن یہ روایت مستند نہیں ہے۔ معتبر روایت یہ ہے کہ آپ نے ایک مقام پر چالیس روز کنوئیں میں معلق ہوکر صلوٰۃ معکوس ادا کی۔ اور یہ روایت پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے۔ کہ اوچ متبرکہ میں مسجد حاج کے دروازے پر مخدوم فضل الدینؒ کی خانقاہ کی غربی جانب مخدوم خیر شاہ صاحب کی حویلی کے دروازے کے پاس چالیس روز صلوٰۃ معکوس ادا کی۔ اس مسجد کے سامنے ایک درخت تھا۔ جس کی ایک شاخ کنوئیں کے اوپر تھی۔ چنانچہ آپ نے ایک مولوی کو محرم راز بنالیا تھا اور وہ آدمی آپ کو عشاء کی نماز کے بعد کنوئیں میں لٹکا دیتا تھا۔ صبح کے نماز سے پہلے آکر وہ نکال لیتا تھا۔ یہ عمل چالیس روز رہا۔ ممکن ہے کسی اور مقام پر بھی چالیس دن صلوٰۃ معکوس ادا کی ہو۔ لیکن بارہ سال والی روایت صحیح نہیں ہے۔

مقبوسؔ ۸۶ = بوقت دوپہر روز یکشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ

میلاد شریف کے موقعہ پر محفل سماع

حضرت اقدس مع حضرت قطب الدین اور صوفیاں باصفا و دیگر اصحاب مجلس عرس حضور حضرت سرور کائنات فخر موجودات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور قوال لوگ قوالی میں سرگرم تھے۔ جب انہوں نے یہ شعر پڑھا تو حضرت اقدس پر جوش سے گریہ طاری ہوگیا۔

کشتگان خنجرِ تسلیم را ! ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

(جو لوگ تیغ تسلیم و رضائے حق میں شہید ہو چکے ہیں۔ ان کے لیے ہر لمحہ غیب سے نئی جان ہے)

محمد بخش ولد میاں صادق سکنہ چاچڑاں شریف کے اس شعر پر بھی آپ پر گریہ طاری رہا ہے

بیا اے دل کہ بر حالِ خرابِ خویشتن گریم بسانِ ابر از چشمِ پُر آب خویشتن گریم

(اے دل آؤ ہم اپنے حال زار پر روئیں اور اپنی چشم پُر آب سے ابر برسائیں)

اس کے قوالوں نے یہ غزل گائی ہے

ساقیا باز بیا تا مہ رویت نگریم سالہا شد کہ من آشفتہ بسویت نگریم

(اے ساقی واپس آ تا کہ تیرا چاند جیسا چہرہ دیکھیں۔ کئی سال گذر چکے ہیں کہ میں بیقرار تیری انتظار میں ہوں۔

۲۔ صرف میرا دل تیرے دام زلف کا قیدی نہیں ہے بلکہ مجھ جیسے سینکڑوں دل تیری زلفوں میں گرفتار نظر آرہے ہیں) ان اشعار پر بھی آپ نے جوش تمام کے ساتھ گریہ کیا۔

اس کے بعد آپ کی حالت بہتر ہوئی تو برکت علی زبانی کو اشارہ فرمایا اس نے یہ اشعار پڑھے۔

ترک من اے من غلام روئے تو جملہ ترکان جہان ہندوئے تو

ہمہ شہر پر زخوبان منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

(۱۔ اے میرے محبوب میں تیرے رخ انور کا غلام ہوں میں کیا دنیا کے تمام محبوب تیرے غلام ہیں۔ ۲۔ سارا شہر محبوبوں سے بھرا پڑا ہے لیکن میرا دل اس چاند کی تلاش میں ہے۔ میں کیا کروں۔ میری بدخصلت آنکھ کسی دوسرے کی طرف نظر ہی نہیں کرتی)

ان اشعار پر حضرت اقدس پر دوبارہ گریہ طاری ہو گیا۔ اس کے بعد قوالوں نے یہ اشعار گائے ہے

چوں دل با دلبرے آرام گرد بوصل دیگرے کے کام گرد

کجا پروانہ پرد سوئے خورشید کہ باشد سوئے شمع اشتد امید

۱۔ جب دل اپنے دلبر کے ہاں آرام پذیر ہوتا ہے تو کسی اور کے وصل سے وہ کیسے شادکام ہو سکتا ہے۔ ۲۔ پروانہ کی کیا مجال ہے کہ آفتاب کی طرف پرواز کرے اس کی امیدگاہ تو فقط شمع ہے)

ان اشعار پر بھی آپ پر گریہ طاری رہا اور سر مبارک ہلاتے رہے۔

اس کے بعد قوالوں نے یہ نعت پڑھی ؎

اے صدر ایوان رسل وے شمع جمع انبیاءؑ خورشید اوج سلطنت جمشید بخت کبریاؑ

(اے جماعت انبیاءؑ علیہم السلام کے امام اور بزم رسل کی شمع آپ کونین کی سلطنت کے مالک اور ملک کبریا کے بادشاہ ہیں)

اس نعت کے شروع ہوتے ہی ساری محفل پر ذوق و شوق طاری ہو گیا۔ حضرت اقدس نے چند خدام کو اشارہ کیا کہ صف بنا کر ان لوگوں کے درمیان کھڑے ہو جائیں۔ اس وقت حضرت اقدس پر بھی گریہ و وجد طاری تھا۔ لیکن آپ اسی جگہ بیٹھے رہے اور ذوق و شوق کی حالت میں سر مبارک ہلاتے رہے۔ حتیٰ کہ ٹوپی سر سے گر گئی۔ قوال گاتے رہے اور حضرت اقدس پر وہی حالت طاری رہی کوئی ایک ساعت کے بعد آپ کی حالت فرو ہوئی اور ٹوپی سر پر رکھ کر قدرے گریہ کرتے رہے اور تحیر پر تحیر بڑھتا رہا۔ حضرت کے صاحب زادہ صاحب بھی کمال جوش کے ساتھ گریہ کر رہے تھے اور حضرت اقدس کے سامنے جھک کر آپ کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر اہل مجلس میں بھی ذوق و شوق موجزن ہوا اور کافی دیر تک یہی حالت قائم رہی آخر حضرت صاحبزادہ کی حالت قدرے فرو ہوئی لیکن دیر تک گریہ جاری رہا۔

اس کے بعد قوالوں نے یہ اشعار پڑھے ؎

جنت سرائے بار نور رضوان امانت دار تو

اے از گل رخسار تو! فردوس اعلیٰ را ضیاءؑ

۱؎ یہ نعت حضرت شیخ احمد جامؒ کی ہے۔

نزک فلک ہندوئے نور ملک از روئے تو

واللیل وصف ہوئے تو نعت جمالت والضحٰی

(جنت تیری حویلی ہے رضوان تیرا غلام ہے۔ تیرے رخ انور سے بہشت منور ہے سورۃ واللیل تیری زلف کی اور سورۃ والضحٰی تیرے حسن وجمال کی تعریف ہے۔ ان اشعار پر حضرت اقدس پر پھر سے گریہ طاری ہوگیا۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے گئے ؎

دیاگر معالی نے بھید بتا نہیں کوئی جہاں میں تیرے سوا

خود وعظ انا الحق تو نے کہا ہوا شوق خودی چڑھا دار پہ جا

ان اشعار پر آپ نے ایسا تبسم دلنواز فرمایا کہ دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے اس کے بعد یکبارگی آپ پر گریہ طاری ہوگیا خاص کر اس شعر پر ؎

خود وعظ انا الحق تو نے کہا ہوا شوق خودی چڑھا دار پہ جا

آپ بے حد روئے۔ ایک دفعہ جب آپ پر گریہ طاری تھا تو قوالوں کو اشارہ فرمایا کہ

"چوں دل با دلبرے آرام گیر" پھر کہو۔

آخر میں محمد بخش قوال نے یہ غزل گائی ؎

پیش ازیں کآثار غیب آمد بصحرائے وجود برزخ غیب وشہادت درمیان من بودہ ام

(اس سے قبل کہ غیب سے آثار وجود ظاہر ہوئے ہم غیب وحاضر کے درمیان برزخ تھے یعنی بطور تعین اول) شروع میں قوالوں نے "برزخ" کو "برزخ" پڑھا۔ لیکن حضرت اقدس نے ان کی تصحیح اور "برزخ" پڑھنے کا حکم دیا۔ نیز جب قوالوں نے مصرعہ "دیا گر مالی نے بھید بتا" تیز تیز گایا تو ڈھولک نواز نے بھی سرعت سے ڈھولک بجانا شروع کیا۔ لیکن حضرت اقدس نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ آہستہ بجانے کو کہا۔ یاد رہے کہ لفظ "مالی" دراصل "معالی" ہے جو ابوالمعالی کا مخفف ہے۔ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ حضرت شاہ میراں بھیکؒ کے شیخ تھے۔

مقبوس ۷۹ = بوقت سحر بروز چہار شنبہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ

حضرت خواجہ صاحب کا وصال پر ملال

حضرت اقدس پلنگ پر سوئے ہوئے تھے اور دست راست سینہ بے کینہ پر پڑا تھا اور دست چپ دراز تھا۔ اس وقت آپ کے بائیں پاؤں کا انگوٹھا لرز رہا تھا یہ علامت قطبیت ہے۔ اس وقت آپ کمال استغراق و شغل باطن میں مشغول تھے اور ذکر اسم ذات اللہ اللہ پے در پے جاری تھا۔ آپکا سانس بھی تیز ہو چکا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر راقم الحروف پر خوف طاری تھا اور پلنگ کے پاس بیٹھ کر آہ و فغاں میں مشغول تھا۔ صبح کی نماز کے وقت دلاور خان خادم نے عرض کیا کہ قبلہ دوائی حاضر ہے۔ حضرت اقدس نے آنکھیں کھول کر دوائی نوش فرمائی۔ اشراق کے وقت میاں برکت علی قوال نے عرض کیا کہ قبلہ اس غلام نے کتاب زلیخا میں سے چند اشعار یاد کئے ہیں۔ ستارلے کر آؤں اور حضرت کی خدمت میں پیش کروں۔ آپنے اشارہ فرمایا کہ نہیں۔ اس دوبارہ عرض کیا کہ قبلہ حاضرین کی خواہش ہے کہ ستار لاکر اور اشعار پڑھو۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ "کیوں نہ" لیکن بعد میں حاضرین نے مشورہ کیا کہ حضرت اقدس پر ضعف و استغراق اور مشغولی کمال درجہ طاری ہے۔ خاموشی بہتر ہے۔ اس کے بعد ضعف آناً فاناً بڑھتا گیا۔ اور استغراق اور ذکر اسم ذات میں بھی ساعت بساعت اور لحظ بلحظہ ترقی ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ دوپہر کے وقت سب لوگ حضرت کی زندگی سے مایوس ہو گئے آخر بوقت مغرب شب پنجشنبہ ہفتم ۷ ماہ ربیع الثانی سال ۱۳۱۹ھ مطابق دہم ماہ ساون سال ہندی ۲۴ ماہ جولائی ۱۹۰۱ء طائر روح مقدس قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ اور کنگرہ ایوان اعلیٰ العلیین پر جا کر رفیق اعلیٰ سے پیوست ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تاریخ وصال مولوی محمد امین سکنہ گوٹھ چنی نے یوں نکالی۔ "ہائے تقدیر خدا" ۱۳۱۹ھ

مولوی عزیز الدین بہاولپوری نے یہ تاریخ وصال نکالی ہے "گفت بلبل ز باغ فقر پرید" ۱۳۱۹ھ

مولوی محمد حسین احمد آبادی نے یہ تاریخ وصال نکالی ہے ؎

رفت از جہاں سوئے جناں صوفی نبیل
مولائے غلام فرید آں شہ جلیل
مشہور بود بسکہ بفقر وسخا وعلم
ذکرش بجہاں بسے خلق او جمیل

ﭗ

علی محمد خاں ستوئی تخلص غمناک فریدی خلف خان صاحب فقیر محمد، غلام حیدر خان
فخری فریدی نازکی نے تاریخ ولادت اور تاریخ وصال ایک ہی رباعی میں نکالی ہے

تاریخ ولادت، تجلی کرد چوں خورشید عالم
منور شد ز نوازش ارض و افلاک

تاریخ وصال

دو عالم را حزونش کرد تاریک
بظلمت شد دل اندر درد غمناک
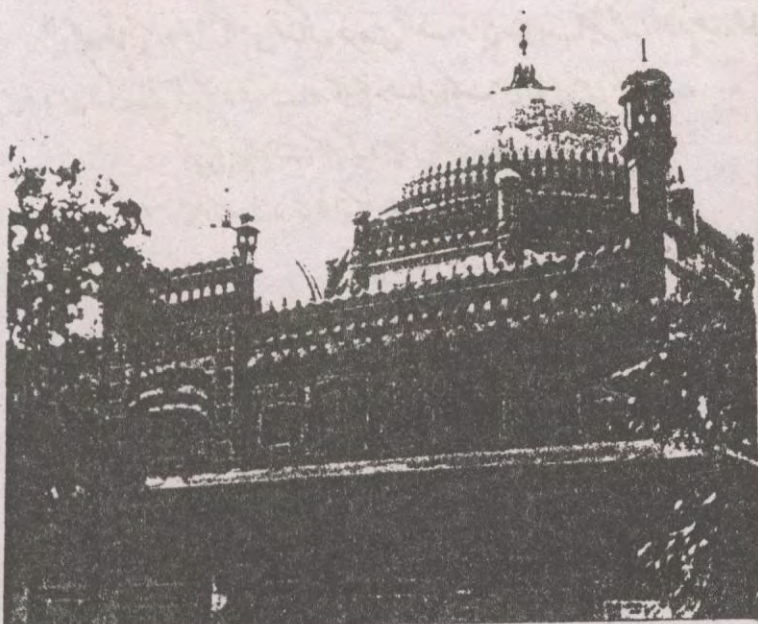
مزار مبارک حضرت خواجہ غلام فریدؒ

الٰہی تا بود خورشید و ماہی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ چشتیاں ہرگز نمیرد

○

ہماری دیگر تصانیف

پتہ

۱- سرِ دلبراں (مصنف) قطب زماں حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہؒ — محفل ذوقیہ، ۶ سی سیکٹر اے ۱۴ نارتھ کراچی ۳۶

۲- تربیۃ العشاق ملفوظات 〃 〃 〃 — نزد سخی حسن قبرستان 〃 〃

۳- برزخ (مصنف) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۴- مضامین ذوقی (اردو) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۵- مضامین ذوقی (انگلش) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۶- بادہ و ساغر (روحانی ناول) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۷- اسلامک سپریچوالزم (انگلش) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۸- نیو سرچلائٹ آن ویدک ایرینز 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۹- حقیقتِ تصوّف (اردو) 〃 〃 — بزم اتحاد المسلمین ۸۰- بی طارق روڈ لاہور چھاؤنی

۱۰- اِنر اسپیکٹس آف فیتھ (مصنف) حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ — محفل ذوقیہ، ۶ سی سیکٹر اے

۱۱- ایوری ڈے پریکٹس اِن اسلام 〃 〃 〃 — ۱۴ نارتھ کراچی ۳۶ نزد سخی حسن قبرستان

۱۲- مارل میسج آف گاڈ اینڈ ہز پرافٹ (مجموعہ احادیث) 〃 〃 〃 〃

۱۳- مقام گنجشکرؒ (مصنف) مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال ربانی 〃 — بزم اتحاد المسلمین لاہور

۱۴- اسلامک صوفی ازم (انگلش) 〃 〃 〃 — ۸۰- بی طارق روڈ لاہور چھاؤنی

۱۵- روحانیتِ اسلام (اردو) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۶- مشاہدۂ حق 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۷- عظمتِ اہل بیت رسولؐ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۸- شرح لوائح جامیؒ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۹- مسئلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۰- مرآۃ الاسرار (تصوف کی ایک ہزار سالہ تاریخ) (مصنف) شیخ عبد الرحمٰن چشتیؒ 〃 〃 〃 〃 〃

۲۱- اقتباس الانوار (تاریخ صوفیاء چشتیہ صابریہ) (مصنف) حضرت محمد اکرم قدوسیؒ 〃 〃 〃 〃 〃

۲۲- جوامع الکلم (اردو ترجمہ) مصنف: حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ 〃 〃 〃 〃

۲۳- مکتوبات قدوسیہ (اردو ترجمہ) مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری 〃 〃 〃

۲۴- پاکستان کی عظیم الشان دفاعی قوت 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۵- تذکرہ حضرت خواجہ خدا بخش خیرپوریؒ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۶- تلقین المدنی (اردو ترجمہ) مصنف: حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ